میرے ساحر سے کہو

اُمِّ مریم

میرے ساحر سے کہو

ام مریم

ہاں سنو دوستو جو بھی دنیا کہے
اس کو پرکھے بنا مان لینا نہیں
ساری دنیا یہ کہتی ہے کہ
پربت پر چڑھنے کی نسبت اترنا بہت سہل ہے
کس طرح مان لیں
تم نے دیکھا نہیں سرفرازی کی دھن میں کوئی آدمی
جب بلندی کے رستے پہ چلتا ہے تو
سانس تک ٹھیک کرنے کو رکتا نہیں
اور اسی شخص کا عمر کی سڑھیاں اترتے ہوئے پاؤں اٹھتا نہیں
اس لئے دوستو جو بھی دنیا کہے
اس کو پرکھے بنا مان لینا نہیں

ڈوبتا ہوا سورج آسمان کے کنارے جلانے لگا تھا درختوں کی پھنگوں پر چمکتی دھوپ مدہم ہوئی تھی موسم کے سرمئی رنگ کائنات پر بکھرنے شروع ہوئے تھے پرندے واپسی کا سفر شروع کر چکے تھے جب بڑی اماں نے افتاں وخیزاں بڑے کمرے میں قدم رکھا انہیں دیکھتے ہی سب کی مصروفیات ترک ہوئی تھیں خاص طور پہ لڑکیوں کی ہاتھوں کے ڈائجسٹ گود میں چھپے تھے کہ انہیں یہ مصروفیت زہر بری لگا کرتی۔

''اے لڑکیو کچھ خبر بھی ہے تمہارا بھائی آرہا ہے اور فریج خالی بھاں بھاں کرتی ہوئی ارے شر

بھی ہے کہ نہیں بچہ اتنے دنوں بعد گھر آ رہا ہے نہ ڈھنگ کا کھانے کو نہ آرام کو صاف بستر اٹھو اور ذرا جلدی دو ہاتھ مارو، طارق کے آنے سے پہلے پہلے کھانا ہی تیار نہیں کرنا اس کا کمرا بھی صاف ستھرا کرادو۔" بڑی اماں نے ایک ہی سانس میں کہا۔

"اوہ۔" ضویا نے ٹھنڈا سانس کھینچ کر حسرت بھری نگاہ اپنے رسالے پر ڈالی کہانی کلائمکس پہ تھی اور وہ بھی فیورٹ رائیٹر راحت جبیں کی۔

"مائے گاڈ کیسے چین پڑے گا یہ طارق بھائی کو بھی آج ہی آنا تھا۔" اسے یکا یک لاڈلے بھائی کی آمد پر غصہ آیا۔

"شیم آن یو۔" رانیہ نے آہستگی سے گھر کا تو اسے بھی فوری احساس ہوا تھا۔

"اماں خیر سے طارق میاں اب کپتان سے میجر ہو گئے ہیں سب سے بڑے چشم و چراغ ہیں اس خاندان کے چھے ماہ بعد واپس آ رہے ہیں کیا خیال ہے شادی نکاح نہ سہی منگنی کا اہتمام تو ضروری ہونا چاہیے۔" چھوٹی چچی نے چھالیہ کترتے ہوئے بہت لگاوٹ بھرے انداز میں اپنا من پسند موضوع چھیڑا، طارق کے ذکر کے ساتھ ہی ان کے چہرے پہ بھی بیٹی کی آنکھوں کی طرح جھلملاہٹ سی ہونے لگی تھی۔

"کیوں نہیں دلہن تم نہ بھی کہتیں تو مجھے خود سے احساس ہے خیر سے انتیس سال کا پورا ہو گیا ہے شادی تو اب لازما کروں گی اس کی۔" بڑی اماں نے بھرپور مسکراہٹ سمیت جواب دیا جبکہ منیبہ جو مسکراتی لجاتی شرماتی یہ سب گفتگو سن رہی تھی چچی کی معنی خیز نگاہوں کو اپنی سمت اٹھتا دیکھ کر چھپاک سے باہر نکلی تھی رخ طارق شیرازی کے بیڈروم کی سمت تھا کہ اس کی صفائی چھوٹی چچی یعنی اپنی اماں کی سفارش پہ وہ خود کرنے کی سعادت حاصل کر رہی تھی۔

"لڑکی ہے کوئی آپ کی نظر میں۔" تائی اماں کی غیر موجودگی سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے چچی آج کچھ نہ کچھ اگلوا کر ہی دم لینے پہ آمادہ نظر آتیں۔

"اے ہے بہو لڑکی دیکھنے کی کیا ضرورت ہے گھر بھرا پڑا ہے خاندان کی لڑکیوں سے پھر باہر کیوں جائیں۔" بڑی اماں کو ناگوار گزرا تھا جبھی کچھ تڑخ کر جواب دیا۔

"جی جی بالکل۔" چھوٹی چچی بوکھلا گئیں۔

"مم...... میرا مطلب کوئی لڑکی، لڑکیاں بھی تو اچھی خاصی ہیں۔" ان کا اتاولا پن عروج پہ جا پہنچا بس نہ چلا بڑی اماں کے منہ میں اپنی زبان ڈال کر منیبہ کا نام لے دیں۔

"دیکھیں بھئی یہ تو طارق ہی بتا سکتا ہے جو بھی اسے پسند ہو مجھے کیا اعتراض مجھے تو سب ایک جیسی ہیں کوئی نواسی تو کوئی پوتی، ہاں البتہ ہو گا خاندان کے اندر ہی۔" انہوں نے رسانیت سے کہتے جس بے نیازی کا مظاہرہ کیا تھا وہ چھوٹی چچی کو اچھا خاصا کھلا مگر کچھ تڑاخ پڑاخ کہنے کی بھی ہمت نہ تھی سوا سے ہی غنیمت جانا کہ شادی تو بہرحال خاندان میں ہی ہو گی اور منیبہ خاندان سے باہر کی تھوڑا تھی جو اپنی فکر ہوتی البتہ بڑی چچی کی نازک اندام سرخ و سفید اور دلکش سی بیٹیوں کے سامنے ان کی سانولی سلونی نازک سی منیبہ کی دال گلتی نظر نہیں آتی تھی ان کا چالاک ذہن بہت سرعت سے کچھ سوچنے میں مصروف ہوا تھا۔

☆☆☆

شہر کے پوش علاقے میں دو منزلہ وائیٹ عمارت میں جس کی پیشانی پہ حسن ولاج کے سنہرے حروف جگمگا رہے تھے داؤد حسن کی ملکیت تھی، عورت کے وجود سے نہ آشنا اس کے در و دیوار سے ایک عجیب سی اداسی لپٹی محسوس ہوتی تھی داؤد حسن مقامی گورنمنٹ کالج میں پروفیسر تھے، انگلینڈ سے ڈاکٹری کی اعلیٰ ڈگریوں سے چند سال قبل لوٹے تب سے اپنا کلینک چلانے کے ساتھ کالج میں درس و تدریس کے ساتھ خود کو منسلک کر رکھا تھا، اس گھر میں ان کے علاوہ دو مرد اور ہیں ایک ان کا بھانجا وقاص حسن جو میڈیکل کے تیسرے سال میں ہے بائیس سالہ خوبرو نوجوان اور تیسرا مرد صابر ہے داؤد حسن کا ملازم، اس کی سروس دن رات کی ہے بیوی بچے گاؤں میں ہیں جہاں وہ پندرہ دن یا مہینے بعد چکر لگا لیا کرتا ہے اس شاندار سے گھر میں یہ تینوں مرد ہی دندناتے ہوئے پھرتے تھے شاید نہیں یقیناً یہی وجہ تھی کہ یہاں کسی نسوانی وجود کی جھلک بھی نظر نہیں آئی مگر پچھلے کچھ دنوں سے رانیل سکندر کا داؤد ہاؤس آنا جانا بڑھ گیا تھا، رانیل سکندر، داؤد حسن کی کم عمر اور انتہائی ذہین سی شاگرد ہے جو داؤد حسن کی وجیہہ گریس فل پرسنالٹی سے ازحد متاثر ہو چکی ہے رانیل سکندر اپنے والد کی اکلوتی اولاد ہے اس کے ڈیڈ سکندر حیات خان مشہور انڈسٹریلسٹ تھے ان کا ملکوں ملکوں پھیلا وسیع بزنس جس کی مصروفیت میں سے ان کے پاس اتنا وقت بالکل نہیں ہے کہ وہ رانیل کے اندر جھانک سکیں کہ اسے دولت و عیش و آرام اور سہولتوں کے سوا اور کسی چیز کی حاجت و طلب ہے محبت سے محرومی رانیل کی شخصیت کو غیر متوازن بنا چکی ہے دوسری طرف داؤد حسن رانیل کے انداز کی تبدیلی پر پہلے الجھن اور پھر کوفت و تفکر کا شکار ہیں رانیل کے اپنے گھر ڈنر انوائیٹ کرنے پہ وہ سختی سے انکار کر دیتے ہیں جس سے رانیل بہت دل برداشتہ ہو کر وہاں سے گئی تھی۔

☆☆☆

ماہ نور ہڑبڑا کر اٹھی تو گود میں رکھی کورس کی وزنی کتاب دھپ کی بے ہنگم آواز سمیت زمین بوس ہو گئی کتاب اٹھا کر کرسی پر اچھالی اور خود شانے سے ڈھلکتا ہوا دوپٹہ سنبھالتی دروازے پہ آ گئی۔

"بیٹے کتنی بار کہا ہے احتیاط کیا کرو۔" بنا پوچھے دروازہ کھولنے پہ انہوں نے اندر آتے ہی نصیحت ضروری سمجھی ماہ نور نے لب بھینچ کر صحن میں جلتے سو پاور بلب کی ذرد روشنی میں ماں کے تھکے ماندے چہرے کو دیکھا اور مٹھیاں زور سے بھینچیں۔

"ماما آپ آج پھر ادھر چلی گئی تھیں۔" وہ شروع سے ہی بے صبری تھی ضبط کا یارا نہیں تھا لیکن اسے پرواہ نہیں تھی جو جوار بھاٹا آج کالج سے واپس آنے کے بعد سے اب تک اس کے ذہن میں اٹھتا رہا تھا اس کا بس چلتا تو ماں کو باقاعدہ جھنجوڑ کر رکھ دیتی مگر محبت کے ساتھ ادب لحاظ ہی نہیں بے بسی کا احساس بھی مانع رہا تھا۔

"ہاں بیٹا وہ آج دراصل طارق آرہا ہے نا۔" انہوں نے اس کے ناگواری چھلکاتے سرخ سفید چہرے کو ذرا کی ذرا دیکھ کر نظریں چرائیں۔

"ہاں وہ موصوف لاٹ صاحب آرہے تھے ان کی خدمت کے لئے نوکر کم پڑ گئے تھے کام زیادہ ہو گا تو آپ کی والدہ محترمہ نے ڈھٹائی کا ایک اور عالمی ریکارڈ قائم کرتے ہوئے آپ کو بلوا بھیجا اور آپ کچے دھاگوں سے بندھی سر کے بل موجود۔" ان کی خشمگیں نگاہوں کو خاطر میں لائے بغیر وہ زہر اگل رہی تھی کہ ان کی خشک اور کسی حد تک خوفناک سرد آواز پہ دانتوں پہ دانت جمائی پاؤں پٹختی اندر جا گھسی۔

"یہ کوئی زندگی ہے اس غلامی کی زندگی سے موت بدرجہ بہتر ہے مجھ پہ ہم سب پہ۔" پلنگ پہ اپنے یونیفارم اور کتابیں پٹختے ہوئے وہ سخت روہانسی ہوتی بھیگی آواز میں بولتی گئی۔

"کیوں جان جلاتی ہو اپنے ساتھ ساتھ ہماری بھی ماہا بیٹا آخر اس میں حرج [illegible] کیا ہے ماں ہیں وہ میری اگر ان کے کہے اتنا سا کام کر دوں گی تو گھس تھوڑا ہی جاؤں گی۔" انہیں کھانے کی ٹرے اور باقاعدہ بدلے ہوئے انداز لئے اندر آتے دیکھ کر ماہ نور پہ گھڑوں کے حساب سے شرمندگی اتر آئی۔

"کھانا کھا لو، عینا اور طلحہ نے کچھ کھایا یا دونوں ہی سو چکے ہیں۔" ٹرے پلنگ کے درمیان ٹکاتے ہوئے انہوں نے ایک نظر اس کے خفا خفا مگر شرمندہ سے چہرے کو دیکھ کر سرسری انداز میں دریافت کیا۔

"جی کھلا دیا تھا ہوم ورک بھی کروایا ہے، آپ کیوں کرنے لگیں میں لا دیتی، پہلے کم پڑ تو نہیں ہوئی آپ کی۔" ان کے ہاتھ سے جگ لیتے ہوئے وہ کس قدر نیچی آواز میں کہتی باہر چلی گئی۔

"تم نے تو نہیں کھایا ہو گا مجھے پتہ ہے خوشبو سے ہی پتہ چلتا ہے سالن بہت مزے کا ہو گا اگر طارق کو پتہ چل جائے آج تم نے آلو مٹر پکائے ہیں تو سو رنگ کی ڈشیں چھوڑ کر......" معاً وہ یکلخت خاموش ہوئی تھیں ماہ نور کے چہرے پہ موجود تناؤ نے انہیں ایسا کرنے پہ مجبور کیا تھا یا خود ہی انہیں احساس ہو گیا تھا کہ ایک جوان بیٹی کی ماں کو اپنی بیٹی کے سامنے کسی کا ذکر ایسے الفاظ میں نہیں کرنا چاہیے وہ جوان مردان کا سگا بھتیجا ہی کیوں نہ ہو۔

"صبح مجھے کالج نہیں جانا لسٹ بنا چکی ہوں کھانے کے بعد ایک نظر دیکھ لیجئے ہو سکتا ہے کچھ رہ گیا ہو تو بتا دیجئے۔"

"کالج کیوں نہیں جا رہیں۔" انہوں نے ہاتھ روکے۔

"چھٹی تو نہیں ہو گی اور اس کام کی خاطر کرنے کی ضرورت بھی نہیں میں خود کر لوں گی تم اپنا حرج مت کیا کرو۔" وہ اپنی سالن کی کٹوری روٹی کے نوالے سے اچھی طرح رگڑ کر صاف کرتے ہوئے مخصوص انداز میں گویا تھیں۔

"آپ نہیں جائیں گی مارکیٹ طلحہ کے ساتھ ہی لے آؤں گی اور ماما پلیز اب بحث مت کیجئے، آپ کی طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں اتنی مشقت کے بعد اور خراب ہو گی۔" انہیں کچھ کہنے کو منہ کھولتے دیکھ کر اس نے اتنی لجاجت سے کہا تھا کہ وہ بس بے بس سی ہو کر اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

☆☆☆

تو نے دیکھا ہے کبھی ایک نظر شام کے بعد
کتنے چپ چاپ سے لگتے ہیں شجر شام کے بعد
اتنے چپ چاپ کہ رستے بھی رہیں گے لاعلم
چھوڑ جائیں گے کسی روز نگر شام کے بعد
میں نے ایسے ہی گناہ تیری جدائی میں کیئے
جیسے طوفاں میں کوئی چھوڑ دے گھر شام کے بعد

رانیل نے جھنجھلا کر سیل فون صوفے پہ پٹخا اور خود بے دم سے انداز میں وہیں ڈھے سی گئی پچھلے ایک گھنٹے سے داؤد حسن خان کا نمبر پریس کرتے اس کی انگلیاں گھس گئی تھیں مگر وہ کال ریسیو نہیں کر رہے تھے صبح بات ہونے پہ انہوں نے اسے فون بند کرنے کا کہتے یہ پرامس کیا تھا کہ وہ اسے خود کال بیک کریں گے ایک ایک پل اس پہ بھاری رہا تھا گو کہ اس طرح بات سنے بغیر اس کی گرمجوشی کو محسوس کیئے بنا یہ کہہ دینا اسے بہت ہرٹ کر گیا تھا مگر وہ دل برداشتہ ہونا نہیں چاہتی تھی پورا دن اس نے ان کی کال کا انتظار کیا تھا جب بھی موبائل پہ بیپ ہوئی اس کا دل بے ہنگم سے انداز میں دھڑک اٹھتا مگر اسکرین پہ ان کے نام کے علاوہ کوئی دوسرا نام اس کے اندر ابھرتی سرخوشی جوشی اور مسرت کو بے دردی سے کچل کر یاسیت اور افسردگی بھر جاتا اور اب جبکہ اس کی کال بھی انہوں نے ریسو نہیں کی تھی تو رانیل کا دل ہتک اور سبکی کے ساتھ ساتھ بے مائیگی کے احساس سمیت گویا دھاڑیں مار کر رونے لگا تھا، تکیے میں منہ دیئے وہ اپنی سسکیاں روکنے کی کوشش میں ہلکان تھی جب دروازے پہ دستک ہوئی۔

"رانی بی بی، صاحب کہہ رہے ہیں کھانا کھا لیں۔" ملازمہ اسے پکار رہی تھی۔

"مجھے بھوک نہیں ہے ڈیڈ سے کہہ دو جا کر۔" اس نے بھیگی بھرائی ہوئی آواز میں چلا کر کہا اور ایک بار پھر منہ تکیے میں گھسا دیا تھا سیل فون پر ہونے والی بیپ پہ اس کا دل اچھل کر حلق میں آیا تھا بجلی کی سی تیزی سمیت اس نے سر اٹھایا تھا اور لپک کر سیل فون اٹھایا مگر اگلے ہی لمحے اس کا یہ جوش و خروش جھاگ کی مانند بیٹھ گیا اسکرین پہ روحینہ کالنگ کے الفاظ جگمگ کر رہے تھے اس نے سیل فون واپس رکھتے ہوئے کچھ سوچ کر سیل فون آن کر کے کان سے لگا لیا تھا۔

"ہیلو۔" شعوری کوشش کے باوجود اس کی آواز پہ آنسوؤں کی نمی کا غلبہ تھا۔

''ہائے رابی ڈارلنگ ہاؤ آر یو۔'' روحینہ کا زندگی سے بھرپور ہشاش بشاش لہجہ اس کی سماعتوں میں اترا۔

''فائن کیسے کال کی۔'' اس کا لہجہ خشک تھا خلاف معمول۔

''یار کہاں گم رہتی ہو بندہ اور کچھ نہیں تو کال تو ریسو کرے اینی وے وہ بات سنو جس کے لئے تمہیں یاد کیا ہے، وہ میرا کزن ہے نا شہری۔''

''کون؟'' اس نے بے دلی و بے خیالی سمیت یونہی سوال کیا۔

''یار وہی شہریار گیلانی جس کا میں نے بارہا تم سے ذکر کیا تھا وہی جو تمہیں پسند کرتا ہے۔''

''واٹ ربش۔'' رابیل نے ناگواری سمیت ہونٹ سکوڑے۔

''وہ کل آ رہا ہے مجھ سے ملنے بلکہ تم سے ملنے یار اتنا گڈ لکنگ ایسا اسمارٹ اور ڈشنگ کہ بالکل ماورائی کہانیوں کے حسین ترین کردار اپالو جیسا لگتا ہے تم ملو تو سہی ایک بار اس سے رئیلی آئی ایم شیور کہ تم اپنے اس سرور سرتاج کو بھلا کر اس کی محبت میں گوڈے گوڈے.....''

''شٹ اپ جسٹ شٹ اپ رومی کیا بکواس ہے۔'' وہ بھڑک کر دھاڑنے کے انداز میں بولی۔

''سوری یار مجھے یاد نہیں رہا کہ تمہارے استاد محترم کی شان میں گستاخی نہیں کرنا چاہیے اگین سوری مگر جانو یقین کرو شہریار جیسے فریش اور ہینڈسم بندے سے مل کر تم اپنے سڑے سڑے استاد محترم کو پورا نہیں تو تھوڑا ضرور فراموش کر دو گی۔'' رابیل نے لب بھینچ لئے تھے، روحینہ کی قینچی کی مانند چلتی زبان کو روکنا اکثر اسے دشوار ہوا کرتا تھا اس وقت بھی کچھ ایسی ہی صورت حال تھی۔

''ویل تو پھر میں سمجھوں کہ تم آ رہی ہو، ہیلو۔'' وہ اس کی خاموشی پہ چلائی اور جانے کیسے رابیل سختی سے انکار کرتے کرتے اصرار کر گئی رابطہ منقطع کرنے کے بعد وہ کچھ خاموش سی ہو گئی۔

''مجھے اسے ہاں نہیں کہنا چاہیے تھا مجھے بھلا اس کے کزن سے کیا دلچسپی میں اس سے کیوں ملوں۔'' وہ جھنجھلانے لگی۔

''ملنے میں حرج بھی کیا ہے وہ زبردستی تو میرے دل پہ قابض ہونے سے رہا۔'' دل و دماغ میں جنگ سی چھڑی تھی وہ تھک کر بستر پہ گر گئی۔

☆☆☆

عمر کا بھروسہ کیا پل کا ساتھ ہو جائے
اک بار اکیلے میں اس سے بات ہو جائے
اک بار تو کھیلے وہ مجھ سے پیار کی بازی
جیت لے وہ ہر بازی مجھ کو مات ہو جائے

''السلام وعلیکم اے محترمہ خاتون۔'' کال بیل کے جواب میں اس نے دروازہ کھولا تو دھیان میں دور دور تک بھی اس کا گمان نہیں تھا مگر روبرو پاتے ہی اس کی صبیح پیشانی پہ ناگواری شکنوں کی صورت ابھری تھی۔

''مما گھر پر نہیں ہیں۔'' یونہی دروازے میں جمے اس نے سرد ترین نظروں سے اسے دیکھا اور بھرپور تلخی سمیت وہیں سے ٹرخانا چاہا۔

''سو واٹ پھپھو نہیں ہیں آپ تو تشریف رکھتی ہیں نا میم اور کیا خبر کوئی آپ سے ملنے ہی آیا

ہو۔'' ہلکے گلابی لباس میں اس کے سفید دودھیا چہرے پہ چھائی سرخی کو بغور دیکھتا ہوا وہ ذومعنی سے انداز میں بولا تو ماہ نور نے بری طرح سے تلملا کر اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا تھا۔

''بہتر ہے کہ فضول گوئی سے پرہیز کریں اور واپس تشریف لے جائیں، مما آ جائیں تب۔''

''آپا کون ہے دروازے پہ۔'' عنیا پکارتی ہوئی آئی تھی اور ماہ نور کے ساتھ دروازے پہ براجمان طارق پہ نگاہ پڑتے ہی خوشگوار حیرت سمیت بے اختیار آگے بڑھتے ہوئے بڑے جوش سے بولی تھی۔

''آہاہ طارق بھائی آیئے نا وہاں کیوں کھڑے ہیں۔'' وہ باقاعدہ آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام کر اندر لے آئی، ماہ نور نے لب بڑی سختی سے بھینچ کر طیش پہ قابو پایا تھا اور کھولتے اعصاب پہ قابو پاتی پوری جان سے سلگتی ایک دھماکے سے دروازہ بند کر کے پلٹی اور اس سے ٹکراتے ٹکراتے رہ گئی۔

''اب یہاں کیوں کھڑے ہیں جائیں اندر اور عیش کریں اپنی راج دھانی میں۔'' وہ مشتعل سے انداز میں پھنکاری تھی۔

''کیوں جان جلاتی ہیں محترمہ پہلے ہی اتنی سی جان ہے آپ کے پاس اور رنگ روپ بھی کچھ ایسا چاند کو شرماتا ہوا نہیں خود پہ رحم کھایا کریں میم ورنہ اگر یہی حال رہا تو کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔'' مسکراہٹ لبوں میں دبائے وہ بہت دلچسپ نگاہوں سمیت اس کا لال بھبھوکا ہوتا چہرا دیکھتا ہوا گویا اسے باقاعدہ لڑائی پہ اکسا رہا تھا۔

''تم سے مطلب تم اپنا منہ بند رکھو سمجھے۔'' وہ آنکھیں نکال کر غرائی تھی۔

''تب بھی ہم حاضر ہوں گے پوچھنے کو آزمائش شرط ہے۔'' کشادہ چمک دار آنکھوں میں شرارت تھی ماہ نور نے شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھا اور پاؤں پٹختے ہوئے اندر کمرے میں جا گھسی کچھ دیر تک گہرے گہرے سانس بھر کے طیش پہ قابو پانے کی کوشش کرتی رہی تھی مگر اس کی بھاری آواز چھت پھاڑ قہقہے اور لفظی چھیڑ چھاڑ اس کے اضطراب کو بجائے گھٹانے کے بڑھائے گئی تھی، طلحہ اور عینا کی اس سے بے مثال انڈراسٹینڈنگ اور دوستی تھی اس ساری بے تکلف اور محبت و اپنائیت کی فضا کا سارا کریڈٹ طارق کے سر ہی جاتا تھا وہ جب بھی چھٹیوں پہ آتا اکثر وہاں پایا جاتا، ممانیوں، ماموں اور بڑی اماں کی ناراضگی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بھی وہ جس مستقل مزاجی اور دھڑلے سمیت وہاں آ رہا تھا اس کی وجہ ماہ نور سمجھ کر بھی جیسے سمجھنا نہیں چاہتی تھی گو کہ اس نے باقاعدہ اظہار نہیں کیا تھا مگر نگاہوں کا والہانہ پن اور بھٹک کر اس کا گھیراؤ کرنے کا انداز اس کو سامنے پا کر لہجے کی شوخ کھنک اور ذومعنی فقرے بہت پہلے اس پہ یہ آشکار کر چکے تھے کہ طارق شیرزای اس کی ذات میں انٹرسٹڈ ہے، مگر پسند تو وہ اسے کبھی بھی نہیں تھا کہ وہ بھی آخر اسی خاندان کا فرد ہونے کی حیثیت سے ہوش سنبھالنے کے بعد سے اس کی نفرت کا حقدار ٹھہرا تھا مگر جب سے طارق شیرازی کی آنکھوں میں اپنے لئے پسندیدگی کے رنگ دیکھے تھے تب سے بالخصوص ماہ نور کا رویہ اس کے ساتھ بہت خشک روکھا اور کسی حد تک انسلٹنگ سا ہو کر رہ گیا تھا یہ تو طارق ہی تھا جو اس کی تلخ و ترش اور کسی حد تک بدتمیزی کو بھی بہت خندہ پیشانی سے برداشت کرتا آ رہا تھا۔

''آپا طارق بھائی کہہ رہے ہیں ہمارے لئے چائے بنا دیں ہم سب کے لئے اسنیکس لائے ہیں۔'' وہ بری طرح جلتی کلستی دھلے ہوئے کپڑے تہہ کر کے الماری میں رکھ رہی تھی جب طلحہ نے آ

کر اس کے آتش فشانی موڈ کو مزید بھڑکایا۔

''انہیں کہو یہ عنایات کی ٹوکری اٹھائیں اور چلتے پھرتے نظر آئیں ہمارے پاس نہ فالتو وقت ہے نہ یوں لٹانے کو بے کار اشیاء۔'' وہ بولی نہیں غرائی تھی یوں بھی مما گھر پہ نہیں تھیں اسے تو جیسے موقع ملا تھا اگلے پچھلے بدلے چکانے کا۔

''اندازتو تھا مجھے کہ تمہیں میرا یہاں آنا کچھ خاص بھاتا نہیں مگر تم اتنی بے زار ہوگی مجھ سے یہ ابھی جان پایا ہوں۔'' طارق شیرازی جو سب کچھ سن چکا تھا، نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا قریب آکر بہت رسانیت سمیت بولا لہجے کا ٹھہراؤ اور برداشت یہ ماہ نور کو اندر ہی اندر حیرانی ہوئی جسے اس نے اس کا ظرف نہیں ڈھٹائی سے تعبیر کیا تھا۔

''جب پتہ چل ہی گیا ہے تو پھر کیوں بار بار آتے ہو۔'' الجھتا ہوا پرتپش تنفس بھاپ کی طرح اس کا اپنا ہی چہرہ جھلسانے لگا۔

''ہاں بار بار آنے کی وجہ بھی تو ہے۔'' اس نے کچھ عجیب شکستہ سے انداز میں کہہ کر اسے دیکھا اور یونہی کھوکھلی سی ہنسی ہنسا طلحہ اور عنیا دونوں کچھ سہمے ہوئے سے دروازے کے پاس کھڑے انہیں یونہی خوفزدہ نظروں سے دیکھتے رہے۔

''کیا وجہ ہے ہاں۔'' آج وہ جیسے اس کی ہر خوش فہمی یا اس کے خیال میں کوئی غلط فہمی تھی اسے دور کر دینا چاہتی تھی طارق نے ایک نظر بغور اس کے غصے کی زیادتی سے بے تحاشا سرخ چہرے کو دیکھا تھا اور نگاہ جیسے ان ہوش ربا نقوش میں الجھ کر رہ گئی چمکتا دمکتا اجلا چہرا تراشیدہ گداز سرخ ہونٹ چھوٹی سی ستواں ناک پورے چہرے پہ حکمرانی کرتی بادامی گہری آنکھیں جن پہ سایہ فگن، دراز خمیدہ ریشمی پلکوں کی جھالریں سر اٹھاتی حسین جوانی کا روپہلا قیامت خیز ہوش ربا حسن کی بجلیاں گراتا یہ خوبصورت حسین چہرا۔

''وجہ بھی بتا دیں گے بہت جلدی کیوں ہے تمہیں۔'' ایک تو اس کی یہ فضول نگاہیں اس پہ یہ جرات کہ ہاتھ بڑھا کر اس کے گال کو چومتی لٹ سے چھیڑ چھاڑ، وہ تو یوں بدکی جیسے بچھو نے کاٹ لیا ہو ناگواری کا بھرپور احساس اس کے رگ وپے میں جیسے تیز برقی رو بن کر دوڑا گہرے رنج غصے اور نفرت سمیت اس نے بھرپور غیر یقینی سمیت الجھ کر طارق کو دیکھا تھا جو اس کے بدحواس چہرے پہ نگاہ جماتے بہت حظ لینے والے انداز میں مسکرا رہا تھا گویا اس کی بہادری جرات ہمت اور تنفر و تلخی کا مضحکہ اڑا رہا تھا۔

''کہ بس اتنی ہی تاب تھی دیکھ لو میں چاہوں تو تمہیں منٹوں میں یوں زیر کر سکتا ہوں۔'' ماہ نور غم و غصے اور طیش سے کانپ کر رہ گئی۔

''تت...... تم اپنی اوقات مت بھولو مما گھر پہ نہیں تو تم نے کیا سمجھا کہ اپنی گھٹیا فطرت سے آگاہ کر کے مجھے ڈراؤ گے۔'' وہ مٹھیاں بھینچ کر چلائی تھی طارق جز بز سا ہو گیا ایک نظر طلحہ اور عنیا کے گھبراہٹ چھلکاتے پریشان کن چہروں کو دیکھا پھر ہونٹ سکوڑ کر کسی قدر تلخی سے گویا ہوا تھا۔

''میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا بہرحال تم جو چاہو سوچ سکتی ہو یہ بات تو طے ہے کہ میں تمہاری سوچوں پہ پابندی نہیں لگا سکتا۔'' اپنی بات مکمل کر کے وہ رکا نہیں تھا عنیا اور طلحہ سمیت دروازہ پار کر گیا ماہ نور اسے گالیاں دیتی ایک بار پھر کپڑوں اور الماری کی سمت متوجہ ہو گئی تھی۔

☆☆☆

پھر کبھی سامنے آ کر ذرا یہ بات بتا
اب کہاں ہو گی میرے دوست ملاقات بتا
تو تو عالم ہے سمجھتا ہے کتابوں کی زباں
میرا چہرا کبھی پڑھ میرے حالات بتا
بس ہو جاتے مجھے میری محبت حاصل
تو کوئی ایسی دعا ایسی مناجات بتا

بیڈ پہ تکیوں کے سہارے نیم دراز ہونٹوں کے درمیان سلگتا ہوا سگریٹ دبائے وہ پریشان کن سوچوں میں گھرا تھا ماہ نور کا دن بہ دن بدتر ہوتا رویہ اس کے اندر موجود تشویش کو گہرا کر رہا تھا وہ بہت چھوٹی تھی اس سے ان کے ساتھ جو زیادتی ہوئی تھی اس کے بعد وہ اس سے اور اس کی فیملی سے نفرت میں حق بجانب بھی تھی ان کی حق تلفی اور بدترین سلوک کا وہ گواہ تھا اور وہ ہوش سنبھالنے کے ساتھ ہی وہ دل ہی دل میں پھپھو کا ہمدرد اور غمگسار بن گیا تھا یہ ماہ نور کے لئے دل میں کچھ انوکھا محسوس کرنا تو بہت بھول کی بات تھی اسے یاد تھا وہ شروع سے ہی اس سے بات کرنا پسند نہیں کرتی تھی اپنے بڑوں کی زیادتی کی تلافی کے طور پہ وہ جب بھی پھپھو کے ہاں جاتے ہوئے ان کے لئے کچھ لے کر جاتا وہ بہت نخوت سے اس کی خلوص سے خریدی گئی چاکلیٹس چپس اور چیونگم وغیرہ اس کے سامنے پٹخ دیا کرتی تھی۔

''یہ میں تمہارے لئے نہیں عنیا اور طلحہ کے لئے لایا ہوں۔'' ان دنوں وہ نیا نیا یونیورسٹی میں آیا تھا چڑھتی جوانی کا خون جلد گرم ہو کر ابال کھا جاتا تھا پھر ذرا سی ماہ نور کا یہ انسلٹنگ رویہ وہ کہاں تک برداشت کرتا۔

''عنیا اور طلحہ بھی میرے ہی بہن بھائی ہیں اور ہمیں تمہاری اس خیرات کی ضرورت نہیں۔'' وہ ہمیشہ اس وقت اس پر اپنے دل کی بھڑاس نکالا کرتی جب مما کہیں ادھر ادھر ہوتیں۔

''اور تم تو جیسے میری کچھ لگتی ہی نہیں ہو ہے نا اس نے محض ساتویں کلاس کی دبلی پتلی مگر پتھریلے چہرے والی ماہ نور کو دیکھ کر دانت پیسے تھے۔''

''ہاں بالکل کچھ نہیں لگتی ہوں میں تمہاری بالکل ویسے جیسے میں تمہارے باپ اور دادو کی کچھ نہیں لگتی جب ہی تو انہوں نے ہمیں اپنے گھر سے نکالا تھا۔'' بات پوری کیئے بنا ہی اس کا گلا بھرا کر آواز کو بوجھل کر گیا مگر طارق اس وقت اپنی بے عزتی اور سبکی میں اس کی کیفیت سے بے خبر ہی رہا تھا جبھی بہت چبا چبا کر بولا تھا۔

''ہاں اچھا کیا تم جیسی خود سر اور بدتمیز لڑکی کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا اور سنو تم میری بھلے کچھ نہ لگو مگر طلحہ اور عنیا میرے اپنے ہیں بھائی اور بہن ہیں میرے۔'' مگر ماہ نور تو جیسے غصے میں پاگل ہو گئی تھی ہاتھ آئی ہر شے اسے پہ پھینکتے وہ ہسٹریک ہو کر چلانے لگی تھی ایسے ہی لڑتے جھگڑتے وہ بڑی ہو گئی تھی اور تند خو تخریلی اور ہر دم لڑنے پہ آمادہ لڑکی بڑی ہو کر یکسر بدل گئی تھی بردباری تحمل مزاجی اور اپنی ماں کے ساتھ چھوٹے بھائی بہن کے لئے متفکر و ہر قسم کی قربانی کو تیار رہنے والی لڑکی اس کے لئے آج بھی ویسی ہی تھی مگر اس کے باوجود اسے اچھی لگنے لگی تھی اس قدر کہ اب وہ اس کے بغیر خود کو بالکل ادھورا محسوس کرنے لگا تھا۔

''طارق!'' وہ ختم ہو جانے والے سگریٹ سے ہی نیا سگریٹ سلگا رہا تھا جب تائی اماں نے

دروازہ تھپتھپایا کہ پکارا اور اگلے ہی پل اندر چلی آئیں، طارق نے بدحواسی کے عالم میں سگریٹ کے دونوں پیس بیڈ کے نیچے پھینکے تھے کہ انہیں اس کی سگریٹ نوشی کی عادت بالکل پسند نہیں۔

''جج...... جی اماں کچھ کام تھا تو مجھے بلوالیا ہوتا خوامخواہ زحمت کی۔'' انہیں شانوں سے تھام کر صوفے پہ بٹھانے کے بعد وہ پردے ہٹا کر سلائیڈ کھولنے لگا۔

''تمہیں پتہ تو ہوگا کل ضویا کی منگنی کی رسم ہونا ہے گھر میں بہت کام ہے۔''

''جی۔'' وہ ان کے سامنے بیٹھ کر انہیں دیکھنے لگا۔

''خاندان کی تقریباً تمام لڑکیاں جمع ہوں گی ذرا دھیان ڈال لینا جو بھی پسند ہو بلا جھجک کہہ ڈالنا تمہاری دادو اب تمہاری شادی جلد از جلد کرنا چاہتی ہیں بیٹا پھر اب دیر کی وجہ بھی تو کوئی ہو۔'' وہ ہمیشہ کی سی جوشیلی خوشی سمیت یہ موضوع لے بیٹھی تھیں۔

''افوہ اماں ابھی فی الحال تو ضویا کو نپٹائیں میرا ابھی شادی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' اس نے بے زاری سے کہتے بالوں میں انگلیاں پھلائیں۔

''کیوں ارادہ نہیں بھلا خوامخواہ یہ کیا بات ہوئی۔'' انہیں جتنا ناگوار محسوس ہوا تھا اسی حساب سے تیز ہو کر بولیں۔

''اس لئے پیاری اماں جان کہ ابھی کچھ مسائل ہیں جہاں دادو کا خیال ہے چچیوں، ماموؤں، خالاؤں کے گھر کی بیٹیوں کے بارے میں تو آئی ایم ساری مجھے ذرا بھی دلچسپی نہیں۔'' اس نے رکھائی سے کہا تو اماں نے چونک کر بغور اسے دیکھا۔

''کسی کو پسند کرتے ہو مگر اماں نے تو خاندان کا شوشا چھوڑ رکھا ہے۔''

''چلیں اگر ایسی بات ہے تو ان کی یہ شرط بھی مان لیں گے۔'' وہ مبہم سا مسکرایا۔

''کیا مطلب؟'' اماں کی حیرت ان کے چہرے سے چھلکی۔

''پاگل ہوا ہے کتنی شادیاں کرے گا ابھی کہہ رہا تھا خاندان کی ایک بھی لڑکی قابل نہیں اور ابھی۔''

''پیاری اماں میں نے خاندان کی نہیں چاچاؤں، خالاؤں اور ماموؤں کی بیٹیوں کا نام لیا ہے۔'' وہ ان کے گلے میں بازو حمائل کر کے اب باقاعدہ مسکرایا تھا اب کے وہ ٹھٹھکیں اور بری طرح اسے چونک کر بغور اسے دیکھا۔

''نا تو اور کون بچا ہے خاندان میں۔''

''آپ کو بھی تو پتہ ہے ابھی اور کون سا نام باقی ہے خاندان کا۔'' اس نے مسکراہٹ سمیٹ کر کسی قدر سنجیدگی سمیت کہا اور ان کے یکلخت پتھریلی سنجیدگی کا لبادہ اوڑھتے تاثرات کو بغور دیکھا۔

''میرے خیال میں تو اور کوئی نہیں بچتا تم بتا دو اگر میں بھول رہی ہوں۔'' اب کے ان کے لہجے سے ہی نہیں ہر انداز سے بے پناہ درشتگی چھلکنے لگی تھی۔

''سائرہ پھپھو کیا وہ ہمارے خاندان سے الگ ہیں۔'' وہ خود پرسکون رہ کر بھی انہیں آتش فشاں بنا گیا تھا اپنے گلے میں حمائل اس کے بازو انہوں نے ایک جھٹکے سے الگ کیئے تھے اور اگلے ہی پل جھٹکا کھا کر اٹھی تھیں۔

''تو یہ خناس بھرا ہے تمہارے دماغ میں مگر طارق ایک بات کان کھول کر سن لو ایسا میں مرتے دم تک نہیں ہونے دوں گی، وہ بدکردار فاحشہ زمانے کی ٹھکرائی ہوئی عورت کی اولاد ہی رہ گئی

میرے لئے ارے میں تو تھوکوں بھی نہیں ان ماں بیٹی پہ بھول گئے تمہارے دادا نے کیسے چوٹی سے پکڑ کر اسے انیکسی میں جگہ دی تھی وہ بھی اس کے کتوں کی طرح قدموں میں لوٹ کر رحم کی بیک مانگنے پہ۔''

''اماں پلیز۔''

''بس بس۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر ٹوکتے ہوئے آنکھیں نکال کر غرائیں۔

''ایک لفظ بھی اور نہیں طارق ورنہ یاد رکھو، اپنی جان دے دوں گی میں خبردار جو آئندہ تم نے اس کا نام بھی لیا۔'' ان کا سانس تیز تیز بولنے اور مسلسل گرجنے سے دھونکنی کی مانند چلنے لگا طارق کے چہرے پہ جیسے آگ سی بھڑک اٹھی تھی وہ ان سے پہلے پلٹ کر کمرے سے نکل گیا، تائی اماں پھولتی سانسوں بے ہنگم دھڑکنوں سمیت اس کا یہ تنفر زدہ انداز کسی قدر تشویش سے دیکھنے لگیں۔

☆☆☆

جو اس کے چہرے پہ رنگ حیا ٹھہر جائے
تو سانس وقت سمندر ہوا ٹھہر جائے
وہ مسکرائے تو ہنس ہنس پڑیں کئی موسم
وہ گنگنائے تو باد صبا ٹھہر جائے

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی چلی آئی تھی۔

''یہ شہریار گیلانی ہیں میرے فرسٹ کزن۔'' روحینہ نے اس کا تعارف کروایا تھا، اور وہ بس سرسری سا اس ویل ڈریسڈ انتہائی وجیہہ سے لڑکے کو دیکھ کر رسمی سا مسکرائی تھی دادو حسن کی بے اعتنائی اور بے نیازی کے بعد وہ جیسے بہت تھک گئی تھی اور محض دل کو کسی اور سمت ڈالنے کے لئے ہی چلی آئی تھی مگر شہریار تو اس پہ فدا ہی ہو گیا تھا اس کے فدویانہ انداز جائزہ لیتی عاشقانہ نگاہوں سے خائف ہوتی وہ گھبرا کر وہاں سے ہٹ کر قدرے الگ تھلگ ہو کر بیٹھی تھی جب وہ اس کے سر پہ پہنچ کر گنگنایا تھا۔

''روحینہ تو یہاں نہیں ہے۔'' رابیل نے ناگواری چھپا کہ جان چھڑانے والے انداز میں کہا۔

''آئی نو جبھی تو میں آپ کو اکیلے دیکھ کر کمپنی دینے کے ارادے سے آیا ہوں۔'' وہ بہت مہذب بنا شائستگی سے گویا تھا۔

''مگر میں تنہا رہ کر بور نہیں ہوتی بلکہ ریلیکس فیل کرتی ہوں۔'' رابیل کا انداز وہی تھا بے زار کن اور نو لفٹ کا سا شہریار کسی قدر کھسیا سا گیا۔

''مگر آئی تھنک آپ ہماری کمپنی میں کچھ وقت گزار کر اپنی اس سوچ میں تبدیلی محسوس کریں گی۔'' کمال درجے کے اعتماد سمیت اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہتا وہ کرسی گھسیٹ کر نشست سنبھال چکا تھا گلابوں سے مہکتی شام روشنیوں میں نہا چکی تھی کے ایف سی کے سبزہ زار پہ اس وقت پارٹی اپنے عروج پہ تھی مگر وہ جیسے یہاں ہو کر بھی یہاں نہیں تھی۔

''ویسے میرے کلوز فرینڈز مجھے شہریار کی بجائے شہری کہتے ہیں مجھے اچھا لگے گا جو آپ بھی مجھے شہری کہہ کر مخاطب کریں۔'' آگے کی سمت جھک کر دونوں کہنیاں میز کی شفاف سطح پہ ٹکاتے وہ برداشت اس کی آنکھوں میں جھانک کر از حد بے تکلفانہ انداز میں گویا ہوا تھا مگر رابیل کو اس کا یہ ہی انداز ایک آنکھ نہیں بھایا تھا جبھی تیکھے چتونوں سمیت اس کا سر تا پا جائزہ لینے سے گھورتے

ہوئے بولی تھی۔

''مسٹر گیلانی آپ کو یہ خوش فہمی کیونکر ہو گی کہ میرا شمار آپ کے کلوز فرینڈز میں ہونے والا ہے۔'' شہریار ایک پل کو تو گڑبڑایا تھا مگر اگلے ہی لمحے بہت مطمئن سے انداز میں مسکرا دیا۔

''ہو بھی تو سکتا ہے نا انسان کو امید اچھی ہی رکھنی چاہیے۔'' وہ اب اسے دیکھنے کی بجائے لان کی سمت بہار دکھاتے ملکی و غیر ملکی خوش رنگ پھولوں کی کیاریوں کی سمت متوجہ تھا رابیل بے زار سی ہو کر اٹھ گئی، شہریار کی پرسوچ نگاہوں نے بہت دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

ہم چھین لیں گے تم سے یہ شان بے نیازی

''کیا رہا۔'' روحینہ کے آدھمکنے سے اس کی گنگناہٹ کو بریک لگا۔

''اونہہ یار اتنی خوبصورت نہیں جتنی مغرور ہے۔''

''اوہ۔'' روحینہ نے ہونٹ ڈھیلے چھوڑے۔

''یعنی کامیابی کے چانسز زیرو ہیں۔''

''خیر اب ایسا بھی نہیں شہریار گیلانی کسی کام میں ہاتھ ڈالے اور وہ ادھورا چھوڑ دے۔''

''امپاسبل، ابھی آغاز ہے تم دیکھنا کیسے پٹڑی پہ لاتا ہوں۔'' وہ بڑے لوفرانہ سے انداز میں ایک آنکھ دبا کر بولا۔

''ہوں گڈ اگر یہی اسپرٹ رہا تھا ناکامی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا سو کیری آن ویسے بھی محبت میں زخم خوردہ ہے بیچاری۔'' وہ کمینگی سے کہہ کر کھلکھلائی، شہریار نے اس کی بات پہ توجہ نہیں دی وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

بچپن کے دن بھی کتنے اچھے ہوتے تھے
تب تو صرف کھلونے ٹوٹا کرتے تھے
تتلی کے پر نوچ کے اچھالا کرتے تھے
پاؤں مار کے خود بارش کے پانی میں
اپنی ناؤ آپ ڈبویا کرتے تھے

صحن میں بچھی چارپائی پہ وہ بالکل چت لیٹی تھی چاند غائب تھا اور آسمان کے سیال تھال پہ تاروں کا آنچل جھلملا رہا تھا ہلکے ہلکے چلتی پرکیف ہوا جسم و جاں میں خوشگوار سی فرحت بھر رہی تھی مگر ماحول کی خوبصورتی اور خوشگواری کے برعکس اس کے ذہن میں بہت الجھن اور تفکر تھا بڑے کمرے سے ٹی وی کی آواز اس تک پہنچ رہی تھی مما کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس کے باوجود وہ سلائی کا کام دینے فیکٹری گئی تھیں حالانکہ اس نے کہا بھی تھا کہ وہ چلی جاتی ہے مگر مما کسی طور آمادہ نہیں تھیں یہاں تک کہ اسے ساتھ لے جانے سے بھی سختی سے انکاری رہی تھیں آج کا سارا دن اور کل کی نصف شب جاگ کر آرڈر تیار کیا تھا اس نے اور مما نے مگر معاوضے کی بات پہ مینجر نے اگلی بار پہ ٹال دیا تھا۔

یہ بے حس سفاک ظالم لوگ کتنا غیض بھرا تھا اسے مما کا مایوس اور تھکا ماندا چہرا دیکھ کر محض چند سو جو اس کے ٹیوشنز کی فیس تھی اس سے تو گزارہ ہونے والا نہیں تھا کل عینا اور طلحہ کے اسکول کی فیس نہ دی جاتیں تو یقیناً ان کا نام اسکول سے خارج ہو جاتا آٹے کے کنستر سے اچھی طرح جھاڑ

جھاڑ کر آٹا نکال کر گوندھتے ہوئے اسے لگا تھا مایوسی اور ناامیدی کے احساس سمیت وہ رو پڑے گی۔

''جاؤ بھائی یہ قریبی دوکان سے کچھ پکانے کو لے آؤ۔'' وہ سر جھکائے آٹے پہ مکیاں مارتے ہوئے اپنا غبار نکال رہی تھی جب عینا کی بات پہ ایک جھٹکے سے سر اونچا کیا۔

''پیسے کہاں سے لئے۔'' اس کے شک بھرے انداز پہ عینا کا چہرا دھواں ہوا تھا۔

''بولو کہاں سے چرائے ہیں اگر گھر میں کچھ کھانے کو نہیں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ہم تمہیں بھوکا مرنے دیں گے۔''

''آپا یہ پیسے میری پاکٹ منی کے ہیں جو میں گلہ میں ڈالتی تھی۔'' عینا روہانسی ہی تو ہو گئی تھی اور ماہ نور شاکڈ یوں جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہ ہو۔

''مما کی طبیعت اچھی نہیں یہ ان کی دواؤں کا پرچا ہے دال کے ساتھ ان کی ایک وقت کی دوا بھی لے آئیں بھائی۔'' ماہ نور کا دھواں ہوتا چہرا دیکھتی وہ محض گیارہ بارہ سالہ عینا کس درجہ رسانیت اور بردباری سمیت کتنی آہستگی سے پلٹ گئی تھی، یہ ٹھہراؤ یہ رسان یہ اپنی عمر سے بڑی باتیں کیسے آ گئی تھیں چھوٹی سی بظاہر بے فکری اور لاپرواہ سی عینا کو یقیناً حالات کی ستم ظریفی سے وہ آنسو بھری آنکھوں سمیت آٹے سے سنے ہاتھ دھوتے ہوئے سوچ کر رہ گئی تھی۔

مما کو کھانا کھلا کر دوا دینے کے بعد وہ خود عشا کی نماز پڑھنے کی بجائے پژمردگی اور بے زاری سمیت یہاں آ کر لیٹ گئی تھی، یقیناً گھر پہ چھائے وحشت ناک سناٹے سے گھبرا کر ہی طلحہ نے ٹی وی آن کیا تھا اس نے کروٹ بدل کر تکیہ منہ پر رکھ لیا، معاً کال بیل کی آواز پہ وہ چونک کر اٹھی تھی اس سے پہلے کہ چارپائی سے نیچے اتر کر اندر سے طلحہ نکل کر دروازے کی سمت چلا گیا واپسی پہ بلیک چست جینز اور بلیک ہی جدید تراش خراش کی شرٹ میں ملبوس طارق شیرازی اپنے سحر انگیز لمبے چوڑے سراپے سمیت اس کے ہمراہ تھا، ماہ نور نے یوں نگاہ پھیری جیسے غلطی سے کسی حرام شے پہ جا پڑی ہو۔

''پھپھو اندر ہیں۔'' طارق شیرازی اس کی اس حرکت کو نوٹس میں لانے کے بعد اگنور کرتے ہوئے طلحہ سے بولا۔

''ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے براہ مہربانی جگانے کی ضرورت نہیں۔'' وہ ایک جھٹکے سمیت اٹھ کر اس کے راستے میں دیوار بن کر کھڑی ہوئی طارق شیرازی اگر اٹھتا ہوا قدم بروقت نہ روک لیتا تو تصادم یقینی تھا نا خوشگوار تاثرات سے مزین چہرا خشک و سپاٹ تحکم آمیز لہجہ وہ اس سے درجہ متنفر سے انداز میں سامنے تھی طارق شیرازی نے اس کے شانے پہ بے ترتیبی سے پڑے دوپٹے کو دیکھا اور گہرا سانس کھینچ کر آہستگی سمیت رخ طلحہ کی سمت پھیر لیا۔

''تمہاری آپا مجھے کسی طرح بھی کسی حولدارنی سے کم نہیں لگتیں اپنی وے حولدارنی صاحبہ ہم آپ کے بھائی کو ساتھ لے جا رہے ہیں محض آدھے گھنٹے بعد باحفاظت واپس پہنچا دیں گے بائے۔'' طلحہ کا بازو پکڑ کر وہ اگلے ہی لمحے لمبے ڈگ بھرتا ہوا چلا گیا تھا ماہ نور کو جب تک ہوش آیا ان کا نام و نشان بھی نہیں تھا وہ محض غصے میں پیچ و تاب کھا کر ہی رہ گئی، آدھے گھنٹے کی بجائے ان کی واپسی ایک گھنٹے بعد ہوئی تھی گاڑی کی آواز سن کر تو وہ اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں البتہ کال بیل کی پہلی پکار پہ ہی سرعت سے اٹھی تھی دروازہ کھولتے ہی پہلے طارق اندر آیا تھا بڑے بڑے شاپرز سمیت جو

اس نے عجلت بھرے انداز میں وہیں ڈیوڑھی میں ہی رکھ دیئے طلحہ بھی ایسے ہی شاپر اٹھائے تھا وہ گنگ سی وہاں گھی کے کنستر آٹے کے تھیلوں اور دالوں کے بنڈل سے ڈیوڑھی میں سجتے مینا بازار کو دیکھتی رہ گئی۔

''طلحہ دروازہ بند کر لو میں صبح پھپھو کی خیریت دریافت کرنے آؤں گا۔'' اسے اس صدمے بھرے سکتے سے نکالنے کو معاً ان اس کی بھاری آواز ابھری تھی۔

''بات سنو تم ذرا میری جا کہاں رہے ہو، یہ اسٹاک یہاں لگا کر۔'' اس کا بازو ہی عجلت بھرے انداز میں اس کے ہاتھ آ سکا تھا اور ایسی حرکت یقیناً بے تحاشا غصے اور طیش میں ہی اس سے سرزد ہو سکتی تھی اس کی آواز میں جو نفرت تھی وہ چھپائے نہیں چھپی تھی اسے پوری زندگی کا غصہ بھی جیسے انہی لمحوں میں آیا تھا۔

''آرام سے میم ایسی بھی کیا بدحواسی آپ حکم کریں ہم قیامت تک یہیں کھڑے رہیں۔'' وہ پلٹا تھا اور اس کے شعلہ ساماں موڈ کو خاطر میں لائے بغیر بڑے اطمینان کی سی کیفیت میں مسکرا کر کہتا اسے گویا جلا کر خاکستر کر کے رکھ گیا پرکشش مردانہ چہرے پہ بہت دلفریب مسکراہٹ چمکی تھی جب کہ وہ تو احساس ذلت کے سبب سر پہ جیسے خون سوار کر چکی تھی۔

''شٹ اپ میں جان لے لوں گی تمہاری۔'' غم و غصے کی زیادتی سے اس کی آواز پھٹ سی گئی تھی تو چہرے پہ کبیدہ خاطر تاثرات نے خوبصورتی کو شعلہ جوالہ بنا ڈالا تھا طارق شیرازی کو نگاہ چرانا دوبھر ہونے لگا۔

''اٹھاؤ یہ سب اور چلے جاؤ یہاں سے نہیں چاہیے ہمیں تمہاری صدقہ خیرات۔'' اس کا بازو دونوں ہاتھوں میں دبوچے وہ یقیناً اس وقت حواسوں میں نہیں تھی ورنہ وہ تو اس سے کم از کم بھی چار پانچ فٹ کے فاصلے پہ رہ کر ہی بات کرنا پسند کیا کرتی تھی بات کرنا بھی کیا بس طنز کے تیر چلانا۔

''طلحہ آپ جاؤ اندر۔'' طارق شیرازی نے حق دق کھڑے طلحہ کو پچکارنے کے انداز میں کہا تو وہ کچھ گھبرا کر ایک قدم آگے بڑھا تھا مگر پھر متذبذب سا ہو کر وہیں کھڑا ہوتے ہوئے بولا تھا۔

''مم...... مگر آپا۔''

''تمہاری آپا کو ہم سنبھال لیں گے ڈونٹ یو وری۔'' وہ جبراً ہی مسکرایا تھا، اسی دوران ماہ نور البتہ اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی اس کا بازو چھوڑتے فاصلے پہ ہو گئی البتہ انداز ابھی بھی تلملایا ہوا ہی تھا۔

''دیکھیئے ماہ نور صاحبہ اول بات تو یہ کہ ایک بیٹا اگر ماں کے لئے کچھ کرے تو یہ صدقہ خیرات نہیں اپنا فرض اور ذمہ داری نبھانا ہے دوسری۔''

''کون سا بیٹا؟'' اس کی نرمی سے کہی گئی بات اس نے تڑخ کر کاٹی۔

''میں اور کون پھپھو بھلے میری سگی ماں نہیں مگر میں ان کا بھتیجا تو ہوں نا حق بہر حال ہے ہمارا ان پہ اور میں یہ کر سکتا ہوں ان کے میکے کے مان کے طور پہ۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بھرپور زعم سے بولا۔

''کون سا میکہ وہ جنہوں نے اسی بیٹی اور بہن کو اپنے گھر سے دھتکارا تھا اور انیکسی میں جگہ دے کر نوکرانی کا درجہ بھی ساتھ ہی سونپ دیا اتنی جلدی آج یہ حق نام نہاد فرض یاد آیا ہے۔'' وہ بول نہیں رہی تھی پتھر برسا رہی تھی طارق بغیر کچھ کہے بس اسے گرجتے برستے دیکھتا رہا۔

''سنو جب تمہارے بڑوں نے اس حق کو تسلیم نہیں کیا فرض کو نہیں نبھایا تو اب تم کس منہ سے یہاں آتے ہو یہ میرا میری ماں اور بہن بھائیوں کا مسئلہ ہے ہم چاہے بھوکے مریں مگر۔''

''ماہا!'' وہ آنکھیں نکال کر غرایا۔

''یہ احسان نہیں کر رہا میں تمہیں بک جھک کرنے کی ضرورت نہیں تمہاری بدتمیزیاں بہت بڑھ چکیں مجھے لگتا ہے اب بہت ہو گئی تمہارا بھی مجھے کوئی بندوبست کرنا پڑے گا، دروازہ بند کرو میں مزید یہ فضولیات نہیں سن سکتا۔'' اندر اٹھتا جلال دباتے وہ بہت سرد سے انداز میں کہتا جھٹکے سے پلٹ کر چلا گیا ماہ نور پاؤں پٹخ کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

''یار دوحا اتنی مالدار ہے تمہاری وہ ینگ پریٹی دوست اسے پھانسا کس لئے ہے نکلواؤ اس سے کچھ کتنے دن ہو گئے بڑا ہاتھ مارے لائف از سو بورنگ۔'' شہریار کارپٹ پہ کشنز کا انبار لگائے نیم دراز سگریٹ کے گہرے کش لیتا ہوا منہ بنا کر بولا تھا۔

''کیا کروں ڈیئر وہ شکل سے جتنی انوسینٹ لگتی ہے نا اتنی ایکچوئلی ہے نہیں۔''

وہ کیوٹکس لگا رہی تھی اس موضوع پہ کچھ جھلا کر رہ گئی کہ اپنی چکنی چپڑی باتوں کے جال میں الجھا کر بھی وہ رابیل کو بہر حال شہریار سے دوبارہ ملنے پہ آمادہ نہیں کر پائی تھی۔

''آخر ایسا کیا ہے اس نیم بڈھے سر داؤد میں۔'' اس نے منہ بگاڑ کر گالی دی۔

''خیر یس تو وہ بہت ڈیشنگ تم جیسے ینگ بوائے بھی ان کے سامنے ایویں سے لگتے ہیں اور کچھ اتنے بھی بڈھے نہیں زیادہ سے زیادہ چالیس کے ہوں گے ہاں البتہ شادی نہیں کی۔'' وہ مزے سے پیر جھلاتے ہوئے پھونکیں مار کر کیوٹکس سکھا رہی تھی شہریار یکلخت سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''واٹ یو مین وہ شخص ان میرڈ ہے۔''

''ہوں۔'' روحینہ نے اس کی تشویش گھبراہٹ اور تفکر کو دیکھا اور بے ساختہ مسکرا دی۔

''یہ تو بہت منحوس خبر ہے اگر وہ سٹھیایا ہوا پروفیسر اس سونے کی چڑیا کو لے اڑا تو۔''

''اوں نہیں اب ایسا بھی اندھیر نہیں مچا ڈارلنگ سر داؤد کے پیچھے تو کالج کی تقریباً تمام لڑکیاں ہی دل و جان سے فدا ہیں یہ الگ بات کچھ برملا آہیں بھرتی ہیں تو کچھ دل ہی دل میں۔'' وہ اپنی بات پہ محظوظ ہو کر خود ہی ہنسی۔

''یہ لو سیل فون اور اسے کسی بھی طرح پٹاؤ ڈنر پہ انوائیٹ کرو اسے یا یہاں بلواؤ بہر حال آج ہر صورت میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔'' اس نے جینز کی جیب سے اپنا قیمتی موبائل فون نکال کر کارپٹ پہ اس کی سمت اسٹرائیک کیا تھا۔

''مگر شہری۔''

''جسٹ شٹ اپ میں تمہاری کوئی فضول بکواس نہیں سنوں گا کہا ہے نا آج اور بس آج۔'' شہریار کا مزاج لمحوں میں بگڑا تھا روحینہ خائف سی ہوتی سیل فون اٹھا کر نمبر پش کرنے لگی۔

''ہیلو ہاں رابیل ہاں یار وہ دراصل یہ میری دوست کا فون ہے ایکچوئلی میں ایک مصیبت پھنس گئی ہوں یار پلیز ہیلپ می۔'' اس نے رونی صورت بنا کر کہا تھا شہریار جو اسے بغور دیکھ اٹھ کر کمرے سے نکل گیا اب اسے فکر کرنے کی قطعی ضرورت نہیں تھی اچھی طرح وہ جانتا رابیل جیسی نرم دل اور کسی حد تک احمق لڑکی روحینہ کے جال میں بہر حال پھنس ہی جائے گی۔

☆☆☆

اور کچھ دیر میرے پاس رہو
لے چلو انگلی پکڑ کر میری
اور مجھے چند کھلونے لے دو
اور کچھ دیر میرے ساتھ رہو
اور مجھے تھام کے رکھو کچھ دیر
گو کسی طور مجھے عدمِ تحفظ کا نہیں احساس مگر
پھر بھی کیا حرج کچھ دیر کو موم سا بن جانے میں
اور کچھ دیر میرے ساتھ رہو

وہ جیسے ساری دنیا سے روٹھی ہوئی تھی کتنا خفا ہوئی تھی وہ مما کو یہ ساری بات بتا کر آپ ابھی اسے بلائیں اور واپسی کریں یہ سب اس کا اشتعال گزرے وقت کے ساتھ بجائے کم ہونے کے بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

''ٹیک اٹ ایزی بیٹا میری طبیعت اچھی نہیں تھی تبھی میں نے ہی طارق کو کہا تھا کہ وہ سودا سلف لا دے۔''

''واٹ۔'' اسے ہزار وولٹیج کا کرنٹ لگا تھا۔

''آپ نے۔'' اس نے شاک زدہ انداز میں کہا اسے لگا تھا وہ ابھی جل کر خاکستر ہو جائے گی۔

''ہاں اور پیسے بھی دیئے تھے مگر یہ سب کچھ بہت زیادہ ہے فکر مت کرو میں باقی رقم بھی چکا دوں گی۔'' انہوں نے تسلی کے انداز میں کہا تھا مگر ماہ نور کو جانے کیوں بے حد سبکی کے احساس نے گھیرے میں لے لیا تھا۔

''مما نے ایسا کیوں کیا۔'' وہ نہیں جانتی تھی اس کی خوددار ماں نے محض اسے ذہنی ٹینشن سے بچانے کی غرض سے یہ سب کیا ہے حالانکہ اس کی طرح وہ بھی ذہنی طور پہ الجھن میں مبتلا تھیں آخر طارق کو کیا سوجھی تھی وہ بھلے ان کا بھتیجا تھا مگر یہ بہر حال غلط تھا اگر بھابھی بیگم (تائی اماں) کو بھنک بھی پڑ جاتی تو ان کی زندگی مزید تنگ ہو سکتی تھی انہوں نے طلحہ سے کہہ کر طارق کو فون کرنے کا کہا تھا مگر وہ بے حد خاموشی سے اٹھ کر چلی گئی تھی، دروازے پہ ہونے والی دستک پہ اس نے دانستہ دروازہ نہیں کھولا تھا عینا ہی کتاب رکھ کر گئی تھی بلیوٹو پیس سوٹ میں نک سک سے تیار خوشبوؤں میں بسا طارق شیرازی اپنی ٹھٹھکا دینے والی شخصیت سمیت اس کے پاس سے ہو کر اندر چلا گیا تھا وہ یونہی بے حس سے انداز میں وہیں بیٹھی رہی تھی۔

''بہت پیاری ہے تمہیں عزت نفس اور اپنا وقار۔'' خلاف توقع وہ بہت جلد باہر آیا تھا اور آتے ہی اس کے پاس رک کر بہت ٹھہرے ہوئے متوازن لہجے میں گویا ہوا تھا، ماہ نور نے چونکتے ہوئے سر اٹھا کر نا فہم نظروں سے مگر سرد سے انداز میں اسے دیکھا تھا۔

''یہ گولڈ کے ٹاپس ہیں پھپھو جان کے یقیناً ان کی بہت قیمتی نشانی ہوگی مگر آج انہیں اس سے بھی دستبردار ہونا پڑا ہے چکا دیا ہے انہوں نے میرا ادھار مگر ماہ نور بیگم آپ کی طرف میرا ادھار ابھی رہتا ہے جو وقت آنے پہ میں سود سمیت وصول کر لوں گا مجھ سے دشمنی مول لے کر تم خود اپنا

نقصان کر رہی ہو۔'' اس کے سرد و سپاٹ لہجے میں وہ دھمکی تھی یا تنبیہ وہ قطعی نہ سمجھ پائی البتہ وہ مضبوط پُر وقار انداز میں قدم اٹھائے بیرونی دروازہ پار کر گیا تھا، ماہ نور کے لبوں پہ بڑی دیر بعد بہت تلخ مسکراہٹ بکھری تھی وہ اٹھی تھی اور اندر چلی گئی وہ خود کو یکا یک یہ بہت ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگی تھی۔

☆☆☆

وہ روحینہ کو منع نہیں کر پائی تھی اس کی ممی کی طبیعت اچھی نہیں رہتی تھی اس سے پہلے بھی دو بار ہوسپٹل ایڈمٹ ہو چکی تھیں روحینہ کے عجلت بھرے مگر گھبراہٹ زدہ انداز سے وہ ہزاروں وسوسے دل میں لئے اس کی بتائی گئی جگہ پہ پہنچی تھی یہ ایک پبلک اسپاٹ تھا جہاں خوبصورت سرسبز پارک کے ساتھ کیفے ٹیریا بھی تھا مصنوعی جھیل اور سنگی مور کے فواروں نے یہاں کی خوبصورتی میں گراں قدر اضافہ کیا تھا گاڑی سے اتر کر وہ روحینہ کی تلاش میں نظریں دوڑا رہی تھی جب شہریار نے اسے دیکھ کر پُر جوش انداز میں ہاتھ ہلایا اور درمیان میں موجود سبزے کی باڑھ پھلانگ کر قریب آ گیا۔

''ہائے کیسی ہیں آپ؟'' رابیل نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا تھا اور جواب دیئے بغیر آگے بڑھ آئی روحینہ کے چہرے پہ افسردگی یا سیت تھی اس نے اپنی مما کو ایک بار پھر ہوسپٹل ایڈمٹ کرانا تھا اور اسے فنانشل پرابلم تھی۔

''مجھے کچھ اندازہ تو تھا ایسا کرو یہ کچھ رقم تم رکھ لو باقی میں تمہیں کل دوں گی ایسا کرو، ہوسپٹل کے نام اور وارڈ کے ساتھ روم نمبر بھی مجھے بتا دو میں وہیں آ جاؤں گی آنٹی کو دیکھ لوں گی۔''

''ابھی تو ایڈمٹ نہیں کیا، میں کل تمہیں کال کر کے سب بتا دوں گی۔'' روحینہ کچھ گڑبڑائی تھی۔

''اوکے۔'' رابیل نے آمادگی ظاہر کر دی، وہ جانے کیوں روحینہ کا گڑبڑایا انداز بھی اگنور کر گئی تھی۔

''ارے روحی ڈیئر تم بھی یہاں ہو انٹرسٹنگ۔''

تبھی وہ پھر نازل ہوا تھا رابیل نے کرسی پہ پہلو بدلتے ہوئے بے چینی محسوس کی۔

''تم بیٹھو شہری میں کچھ کھانے کا آرڈر کرتی ہوں کیا لو گی رابیل۔'' وہ جاتے جاتے یونہی اسے دیکھ کر بولی اور جواب لئے بنا یہ جا وہ جا رابیل جو اسے روکنا اور اپنی واپسی کے متعلق بتانا چاہ رہی تھی گہرا سانس کھینچ کر رہ گئی۔

''اسے کہتے ہیں دل سے دل کو راہ ہونا جذبے صادق ہوں تو یونہی ملاقات کی سبیل نکل آتی ہے یوا یگری ودمی۔'' وہ شرمندہ ہونے والوں میں سے نہیں تھا چمکتی آنکھوں میں موجود معنی خیز شرارت سمیت اسکا جائزہ لیتے ہوئے مسکرایا تو رابیل نے اچاٹ سی نظروں سمیت اسے دیکھا تھا اور بے زاری سمیت چہرے کا رخ پھیر لیا۔

''اس خوبصورت جگہ کی خوبصورتی میں آپ کی موجودگی کی بدولت ہی ہے۔''

''شٹ اپ، کسی اور کے لئے سنبھال کر رکھیں یہ ڈائیلاگ مجھے یہ فضول گوئی بالکل پسند نہیں۔'' اس نے بھرپور درشتگی سمیت کہا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی مگر اس وقت اسے شدید دھچکا لگا تھا جب شہریار نے کمال جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی تھامی تھی۔

''ہاؤ ڈیئر یو۔'' اگلا لمحہ ششدر کر دینے والا تھا رابیل نے ایک جھٹکے سمیت ہاتھ چھڑا کر اسے بھرپور طمانچہ رسید کیا تھا۔

''یہ تھپڑ تمہیں آئندہ اس قسم کی گستاخی سے باز رکھنے کے لئے ضروری تھا۔'' وہ آنکھوں سے نکلتے شعلوں سمیت آگ برساتے لہجے میں کہتی جھٹکے سے پلٹ کر چلی گئی جب کہ شہریار آس پاس موجود لوگوں کی متحیر و مضحکہ خیز نگاہوں میں گھرا خود کو بھڑ بھڑ جلتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔

☆☆☆

وسیع و عریض لان میں تقریب کے لحاظ سے بہت شاندار آرائش کی گئی تھی رنگین آنچلوں کی بہار کے ساتھ نقرئی قہقہے فضا کو بہت دلفریب بنا چکے تھے، ضویا کی منگنی کا یہ فنکشن بہت اعلیٰ پیمانے پہ منعقد کیا گیا تھا، گھر کے قریباً تمام ہی مرد موجود تھے ماسوائے طارق کے اور دادو کے ساتھ تائی اماں کو بھی اس کی فکر ہو رہی تھی۔

''آخر یہ لڑکا عین وقت پہ آ کر چلا کہاں گیا کہا بھی تھا کہ کم از کم اسی وقت تو اسے یہاں موجود ہونا چاہیے۔''

''رسے تڑا رہا ہے اور کیا مجھے تو مشکل ہی لگتا ہے موصوف خاندان کی کسی لڑکی کو اپنائیں۔'' کسی دل جلی نے دل کا پھپھولا پھوڑا تھا۔

''ربش یہ کیا فضول بات ہے۔'' منیبہ کے دل پہ گویا آرا چلا تھا جبھی تڑپ ہی تو گئی تھی۔

''لو آ گئے حسین و جمیل میجر صاحب۔'' ثناء کے چہک کر دی گئی اطلاع پہ بہت سی گردنیں یکا نگی انداز میں اسی سمت گھومی تھیں۔

''مائی گاڈ یہ تو واقعی پرنس ہے۔'' حنا نے دل تھام کر دہائی دی اور دادو کی دور پرے کی نواسی ہوتی تھی آج کل دوبئی سے آئی ہوئی تھی۔

''لو ایک اور شہید ہوئیں صاحب بہادر کی وجاہت پہ۔'' ثناء نے مسکراہٹ [illegible] تھی۔

''یوں تو فاروق اور سرمد بھی کم نہیں وجاہت و خوبروئی کی کمی نہیں ہے اس خاندان میں مگر یہ طارق یار یہ تو خطرناک حد تک گڈ لکنگ ہے۔'' حنا کی سراہتی ہوئی رشک آمیز نگاہیں طارق شیرازی کے وجود کا ہی احاطہ کیئے ہوئے تھیں اس میں شک بھی نہیں تھا کہ وہ اپنی مقناطیسی ساحرانہ شخصیت کی بدولت جنس مخالف کے لئے بے پناہ کشش رکھتا تھا، اس کے چھ فٹ سے بھی نکلتے ہوئے غضب کی اسمارٹنیس لئے شاندار سراپے میں کچھ ایسا نکھار اور طلسمی چمک تھی کہ وہ خواتین میں لیڈیز کلیر کے نام سے جانا جانے لگا تھا جوانی کے ساتھ خوبصورتی بھی گویا اس پہ ٹوٹ کر برسی تھی یہی وجہ تھی جس نے اسے رد کیا تھا اور یہی ر یجکشن یہی نظر اندازی اور بے نیازی اس کے اندر پھانس بن کر اٹک گئی تھی یوں بھی یہی انسانی فطرت ہے پہنچ سے باہر شے کی طرف مچلنا لپکنا وہ بھی اپنی فطرت سے مجبور تھا محبت بھی تھی مگر اس سے زیادہ یہ غیر معمولی پن تھا جو اسے ماہ نور کی سمت بے اختیار کھینچا تھا اور اگر ماہ نور کو پتہ چل جاتا شاید نہیں تو یقیناً وہ پہلی فرصت میں یہ بے نیازی اور نظر اندازی ایک سمت رکھ کر اس سے نارمل ملنا جلنا شروع کر دیتی۔

''یہاں آؤ ذرا۔'' وہ بہت سراہتی سی نگاہوں کو نظر انداز کرتا ہوا اپنے مخصوص انداز میں چلتا بڑی اماں کے پاس آیا تھا جب انہوں نے اسے اپنے پہلو میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''تم نے پھر سگریٹ پی۔'' اس کے ملبوس سے اٹھتی آفٹر شیو لوشن اور پرفیوم کی ملی جلی خوشبو

میں سے ان کی قوت شامہ نے سگریٹ کی ناخوشگوار خوشبو بہت جلدی کیچ کی تھی اور ساتھ ہی اس پہ گرفت بھی وہ جواب میں کچھ کہے بغیر ہنس پڑا۔

''شرم تو آتی نہیں ہے کوئی کام کہا تھا ماں اور دادی نے یاد بھی ہے یا۔''

''افوہ اماں اب کیا میں لڑکیاں تاڑتا اچھا لگوں گا وہ بھی اپنی فیملی کی ہی۔'' اس نے منہ بنالیا تھا۔

''کوئی حرج بھی نہیں اگر مقصد نیک ہو تو۔'' وہ صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے اس قدر شان آن بان سے براجمان تھا کہ جیسے کسی ملک کا فرمارروا ہو چہرے پہ خود اعتمادی بے نیازی اور نخوت کے ساتھ رعب و دبدبہ چھلک رہا تھا، تائی اماں کی اپنی ہی نظر لگ جانے کا خوف سا دامن گیر ہوا تو بے ساختہ نظر چرائی۔

''اوں اس نیک مقصد کے لئے ہم نے کسی کو آل ریڈی دیکھ کر دل میں رکھ لیا ہے اماں آپ سے گزارش ہے پلیز بابا جان اور دادو تک یہ بات پہنچائیں۔'' اس کا لہجہ گمبھیر ہوتے سرگوشی میں ڈھل گیا مگر اماں نے جواباً تنبیہ کرتی اور کسی حد تک سرد نگاہوں سے اسے دیکھا تھا وہ اس کا موڈ خراب کرنے کو کافی تھیں جبھی وہ ان کی سمت جھکتے ہوئے ٹھوس اور قطعی لہجے میں بہت جتا کر بولا تھا۔

''اماں آپ کی ناگواری اپنی جگہ زندگی مجھے گزارنا ہے میں سمجھتا ہوں مجھے اپنی زندگی کے اس اہم فیصلے میں مکمل اختیار ہونا چاہیے میں آپ سے یہ نہیں کہوں گا کہ اگر وہ نہیں تو کوئی نہیں تو اماں وہ اور صرف وہ اینڈ دیٹ سیک۔'' اماں کی آنکھیں اس کا یہ انداز دیکھ کر گویا شعلے اگلنے لگیں تھیں۔

''تو پھر سن لو میرے جیتے جی تو ایسا کبھی بھی ہونے والا تمہیں جو اختیار دیا تھا لڑکی پسند کرنے کا وہ بھی تمہیں راس نہیں آیا ٹھیک ہے تمہارے دودھیال میں تو میں کبھی بھی کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی ماموؤں کی ہاں اس لئے نہیں کہ بھابیوں نے ہمیشہ ہم ماں بہنوں کو سولی پہ ٹانگ کے ہی رکھا اب جس وجہ سے ان کے لہجوں سے شیرینی ٹپکتی ہے اس سے میں اچھی طرح آگاہ ہوں مگر خام خیال ہے ان کہ میں بیٹیوں کے ساتھ ان کے بھی ارمان پورے ہونے دوں گی تمہاری خالہ کی بیٹی ہے بہرینہ آئی ہوئی ہے وہ بھی جی چاہے تو نگاہ بھر کے دیکھ لینا ورنہ مرضی ہے تمہاری اس سے میں تمہاری نسبت طے کر رہی ہوں دیکھتی ہوں کیا کر لو گے تم۔'' ان کے بپھرے ہوئے لہجے میں کسی طوفان کی سی تیزی اور تندی تھی غصے و جوش میں بولتے وہ یہ احساس تک بھلا بیٹھیں تھیں کہ وہ اس وقت مہمانوں کے درمیان موجود ہیں طارق شیرازی جو لب بھینچ ضبط کی کوشش میں سرخ چہرا لئے بیٹھا تھا ایک لفظ بھی مزید کہے بنا وہاں سے اٹھ گیا تائی اماں نے اس کے مضبوط چوڑے شانوں اور اونچے چوڑے کڑیل سراپے کو بہت تنفر کی نگاہ سے دیکھا تھا اور سر جھٹک کر سانس ہموار کرنے لگیں۔

''کیا ہوا بھابھی بیگم خیریت۔'' چھوٹی چچی فوراً صورتحال جاننے کو قریب آئیں گو کہ بڑی اماں اور طارق کے درمیان جو دھواں دھار قسم کی بات چیت ہوئی تھی اس کا سرا بھی انہیں نہیں مل سکا تھا انداز بیاں سے وہ کسی حد تک ماحول کی سنگینی سے آگاہ تو ہو ہی گئی تھیں۔

''اے کچھ نہیں بس خوامخواہ۔'' بڑی اماں نے زور سے سر جھٹک کر ان کی ہمدردی کو بھی گویا قوت سے جھٹکا تھا۔

"منیبہ جاؤ بیٹا اپنی تائی اماں کے لئے پانی میں گلوکوز گھول کر لاؤ لگتا ہے طبیعت اچھی نہیں۔" چھوٹی چاچی نے اپنے زرتار دوپٹے کے بھاری پلو سے ہی تائی اماں کے پیشانی کا نادیدہ پسینہ صاف کیا، تائی اماں نے کچھ جزبز اور کسی حد تک تلملاہٹ سمیت پلو بدلا تھا۔

"رہنے دو اب ایسی بھی طبیعت خراب نہیں انہیں ڈپلومسی سی ماں بیٹی کی فضول ہمدردی ایک آنکھ نہیں جا رہی تھی۔"

"ارے کیا ہوا بھابھی بیگم بھلا پانی میں گلوکوز گھولنے میں کیسی تکلیف جاؤ منیبہ جلدی کرو نا۔" انہوں نے چمکتی دمکتی سی منیبہ کو ٹہوکا دیا جس کا نازک مزاج کام کا سنتے ہی بگڑنے لگتا تھا مگر چونکہ طارق شیرازی کی والدہ ماجدہ کو شیشے میں اتارنے کے لئے یہ ضروری تھا جبھی چہرے پہ مصنوعی خوش اخلاقی کا تاثر زبردستی سجائی اٹھ کر چلی گئی اس گھر میں ہر کسی کی کل علیحدہ ہی تھی شادی سے لے کر اب تک چھوٹی چچی کی ایک کی بھی جیٹھانی سے کبھی نہیں بنی تھی ان بائیس تئیس سالوں میں انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر دیکھ لیا تھا مگر چچا میاں کو ماں اور بھائیوں سے علیحدہ ہونے پہ قطعی آمادہ نہ کر سکی تھیں تو اس کی وجہ کسی حد تک چچا میاں کی آرام طلب طبیعت اور کاروبار میں غیر دلچسپی کی بنا کر مالی لحاظ سے کم حیثیت ہونا بھی تھا یوں وہ جوائنٹ فیملی میں بھائیوں کے مقابل رہن سہن اور طرز زندگی تو گزار رہے تھے یہی بات جب سے چھوٹی چچی کی سمجھ میں آئی تھی انہوں نے بھی یہ ضد ترک کر دی تھی البتہ وہ سارا ستمنا اب انہوں نے دوسری سمت منتقل کر دیا تھا وہ معاملہ تھا کسی نہ کسی طور منیبہ اور طارق شیرازی کو ایک کرنا مگر شومئی قسمت کہ منیبہ کے تمام تر ہتھیاروں سے لیس ہو کر طارق شیرازی پہ اپنے حسن و عشق کے تیر آزمانے کے باوجود کوئی خاص بلکہ بالکل بھی رسپانس انہیں تک نہیں مل سکا تھا، بڑی اماں خود بھی ایک منتقم کڑوے مزاج کی خاتون تھیں چھوٹی چچی کے ساتھ ساتھ ان کی تو منجھلی چچی سے بھی نہ بن سکی تھی جو اس فیملی کی سب سے زیادہ پڑھی لکھی سوبر اور نائس خاتون تھیں وہ شہزاد چاچو کی پسند تھیں اور بس نصیب سے ہی شہزاد چاچو کو مل گئی تھیں خاندان کی سب سے خوبصورت اور ڈیسنٹ لڑکی کو بیوی کے روپ میں پا کر شہزاد چاچو خود بھی خاصے ڈیسنٹ سے ہو گئے تھے ان کی دو ہی بیٹیاں تھیں، راحیہ اور شناء دونوں جڑواں تھیں اور اسی سال سکنڈ ایئر میں آئی تھیں بڑی اماں کو اپنا سسرال کبھی بھی اچھا نہیں لگا تھا یہی وجہ تھی کہ انہوں نے بیٹے کی شادی کا سوچا تو اپنی بہن کی بیٹی سے جو پچھلے سال ہی اپنے والدین کے ساتھ امریکہ سے لوٹی تھی خوب گوری چٹی تمک چمک سی اور طرح دار ان کے خیال میں طارق اسے محض ایک نظر دیکھ کر ہی اپنی پسند اور عشق بھول جائے گا مگر وہ نہیں جانتی تھیں ان کا بیٹا منہ پھٹ، ہٹ دھرمی اور اکڑ میں ان سے بھی دو ہاتھ آگے ہے۔

(باقی اگلے ماہ)

میرے ساحر سے کہو

ام مریم

دوسری قسط

اداس شامیں اجاڑ رستے کبھی بلائیں تو لوٹ آنا
کسی کی آنکھوں میں رتجگوں کے عذاب آئیں تو لوٹ آنا
ابھی نئی وادیوں نئے منظروں میں رہ لو مگر میری جان
یہ سلسلے ٹیک کرکے جب تمہیں چھوڑ جائیں تو لوٹ آنا
جو شام ڈھلتے ہی اپنی اپنی پناہ گاہوں کو لوٹتے ہیں
اگر وہ پنچھی کبھی کوئی داستاں سنائیں تو لوٹ آنا
نئے زمانوں کا کرب اوڑھے ضعیف لہجے نڈھال یادیں
تمہارے خوابوں کے بند کمروں میں لوٹ آئیں تو لوٹ آنا
میں روز یونہی ہوا پہ لکھ لکھ کر اس کی جانب کھینچتا ہوں
کہ اچھے موسم اگر پہاڑوں پہ مسکرائیں تو لوٹ آنا
اگر اندھیروں میں چھوڑ کر تم کو بھول جائیں تمہارے ساتھی
اور اپنی خاطر ہی اپنے اپنے دیئے جلائیں تو لوٹ آنا
میری وہ باتیں تو جن پہ ہنستا تھا بے اختیار کھلکھلا کر
بچھڑنے والے میری وہ باتیں کبھی رلائیں تو لوٹ آنا

ایک توہین آمیز سا احساس مسلسل اس کی پیشانی سلگائے دے رہا تھا گاڑی کی اسپیڈ خطر ناک حد تک تیز تھی جبھی سڑک کے اختتام پہ یکلخت بریک لگانے سے جھٹکا لگا کر کئی فٹ اچھل کر دو تین ہچکولے کھاتے رہنے کے بعد ساکت ہوگئی کھڑکی کا شیشہ کھلا ہونے کے بدولت بارش کی پھوار اسے کافی حد تک بھگو چکی تھی بارش میں دھل کر نکھری ہوئی سیاہ ناگن کی مانند چمکتی تارکول کی سڑک اور سرسبز شاداب ہوا کے دوش پے لہراتے درخت ایک قطار میں سڑک کے دونوں اطراف میں موجود درخت اور بارش کی کن من ہوا کی سرسراہٹ کے سوا اور کوئی آواز نہیں تھی یہ پتہ نہیں کون سی جگہ تھی وہ کہاں آچکی تھی وہ یہ سمجھنے سے قاصر رہی آسمان کے سیاہ پردے کنارے، شام کی رخصتی اور رات کی آمد کی خبر دے رہے تھے کسی پودے کی کڑوی سی باس فضا میں مٹی کی خوشبو کے ساتھ گھل مل گئی تھی۔

''آئی لو یو سر۔'' آس پاس جیسے شعلے رقص کرنے لگے اس نے تھک کر سر اسٹیئرنگ ویل سے ٹکا دیا آنسو بغیر آواز پیدا کیے بہت آہستگی سے پلکوں کی دہلیز پھلانگتے گالوں پہ اتر آئے۔

کتنی حیرانی تھی ان کے چہرے پہ جیسے کوئی انہونی بات کہہ دی ہو حالانکہ رابیل کی نگاہیں بار ہا انہیں یہ پیغام دے چکی تھیں۔

''سر! میں چاہتی ہوں آپ ایک بار میرے ڈیڈ سے مل لیں مم...... میں ول یو میری می سو پلیز۔'' انہیں شاک پہ شاک لگاتے ہوئے اس نے آج جیسے سب کچھ ڈالنے کا تہیہ کرلیا تھا اور ان کے ہمہ وقت دکھائی دینے والی وہ گداز سے تاثرات کیسے ایک پل میں پتھریلی اور خوفناک سنجیدگی میں ڈھلے تھے۔

''گیٹ لاسٹ رابیل، سکندر حیات اس سے پہلے کہ میں ضبط کھودوں آپ اپنی شکل لے کر دفعان ہو جائیں۔'' ان کا ہاتھ اس کے چہرے پہ اٹھتا اٹھتا رہ گیا تھا اور رابیل کو لگا تھا جیسے وہ طمانچہ الفاظ کی صورت اس کے منہ پہ آپڑا ہو وہ ان کے آفس سے روتے ہوئے نکلی تھی یہ الفاظ کیسے کہہ پائی تھی وہ ان سے یہ صرف وہ جانتی تھی اپنی عزت نفس، ان وقار اور پندار کو داؤ پہ لگا کر اس نے دل کی سنی تھی اور دل کی خواہش نے بھلا کب عزت بخشی ہے سو وہ بھی کرچی کرچی وجود لئے سسک رہی تھی، بجلی بادلوں کی گڑگڑاہٹ کے ساتھ زور سے چمکی تھی تب وہ کچھ چونک کر سیدھی ہوئی اور موسم کے یکسر بدلے تیور دیکھ کر گھبرا سی گئی، بوندا باندی دھواں دھار بارش کا روپ دھار چکی تھی تو ہواؤں میں اژدہے کی خوفناک دھاڑیں سنائی دیتی محسوس ہو رہی تھیں اس پہ ستم بادلوں کی گڑگڑاہٹ یہیں تک ہوتا تب بھی ٹھیک تھا وہ ایک انجان ویران راستے پہ کھڑی تھی ایسے اپنا دفاع ماؤف ہوتا محسوس ہوا مختل ہوتے حواسوں سمیت وہ گاڑی اسٹارٹ کر کے واپس ہوئی تھی مگر راستہ تو شیطان کی آنت ثابت ہونے لگا تھا سڑک کے اطراف چمکتے سائن بورڈ اور اکا دکا گاڑیاں دیکھ کر وہ قدرے حواسوں میں لوٹی تھی کہ دوسری مصیبت میں پڑ گئی گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تھی اس نے دوبارہ اسارٹ کرنا چاہی تھی مگر انجن ہولے ہولے غرا کر پھر ساکت ہو گیا تھا۔

''خدایا اب کیا کروں؟'' اس نے ریڑھ کی ہڈی میں اٹھتی سرد سی لہر کو پورے وجود میں پھیلتے محسوس کیا یقیناً گاڑی خراب ہو چکی تھی اور وہ اس کے اسرار و رموز سے سرے سے ناواقف ڈیش بورڈ پہ دھرے اپنے بیگ سے سیل فون نکالا ڈیڈی کا نمبر ڈائل کیا مگر ناٹ رسپونگ ایٹ دا مومنٹ سنتے ہی اس کے چہرے پہ موجود تشویش گہری ہوئی تھی موسم کی شدت الگ جی دہلا رہی تھی

نیٹ ورک پرابلم تھی اس کا رابطہ ڈیڈ کے علاوہ ڈرائیور سے بھی نہیں ہو پا رہا تھا کچھ سوچ کر وہ باہر نکلی تھی بارش کی تیز بوچھاڑ نے پہلے ہی قدم پہ اسے اچھا خاصا بھگو ڈالا تیز نم ہوا کے جھونکے نے کپکپا کے رکھ دیا۔

''کیا کرے اب یہاں تو ٹیکسی، رکشے کا ملنا بھی محال تھا۔'' وہ زور زور سے دھڑکتے دل سمیت سوچتی پھر سے گاڑی میں بیٹھ رہی تھی جب ایک گاڑی پوری رفتار سے اس کے پاس سے گزری مگر کچھ دور جا کے رکی اور آہستگی سے ریورس ہو کے چلتی برابر آن رکی۔

''ہائے۔'' فرنٹ سیٹ پر براجمان فریش سی مسکان لئے شہریار نے اسے دیکھ کر پر جوش سے انداز میں ہاتھ ہلایا رابیل جو کچھ امید افزا سی نظروں سے ادھر ہی متوجہ تھی مایوسی بھرے انداز میں رخ پھیر گئی۔

''غالباً آپ کی گاڑی خراب ہو چکی ہے۔'' وہ خود اتر کر آیا تھا کھڑکی کے کھلے شیشے پہ جھک کر بولا۔ رابیل نے جواب دینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

''آئی نو کہ آپ مجھے پسند نہیں کرتیں مگر اس وقت آپ کے کام آکر مجھے دلی مسرت ہوگی پلیز۔'' چند لمحے اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھتے رہے کے بعد وہ اس کے لئے اپنی گاڑی کا فرنٹ ڈور اوپن کرتا ہوا اتنی شائستگی اتنے خلوص سے گویا ہوا تھا کہ رابیل محض چند لمحے تذبذب کا شکار رہنے کے بعد اپنی گاڑی لاک کرنے کے بعد اس کی آفر قبول کر گئی تھی ضرورت میں گدھے کو بھی باپ بنایا جا سکتا ہے پھر میں اتنی کمزور تو نہیں کہ اپنی حفاظت نہ کر سکوں مجھے اللہ پہ بھروسہ کرنا چاہیے دل میں اٹھتے خوف کو تھپک کر اس نے خود کو ریلکس کر لیا تھا۔

''تھینکس فار دس آنر۔'' وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لینے کے بعد بہت خاص انداز میں کارنش

جانے کے قابل نہیں تھا رابیل نے اس کی نگاہوں میں اُمڈتی شوخ سی مسکراہٹ پہ گڑبڑا کر نظروں کا زاویہ بدل ڈالا پھر دانستہ اس نے شہریار کو اگنور کیئے رکھا تھا رخ پھیرے کھڑکی کے باہر گرجتے برستے موسم کو خالی نظروں سے دیکھتے وہ گاہے بگاہے شہریار کی خود پہ اٹھتی گرم نگاہوں سے بھی بے نیاز ہی رہی تھی گاڑی رکنے پہ وہ چونکی و خود کو اپنے گھر کے گیٹ پہ پا کر وہ ایک پل کو ششدر رہ گئی تھی۔

''جہاں دل لگا ہو وہاں کی تمام خبریں دل خود بخود لگا لیا کرتا ہے۔'' اس کی نگاہوں کے تحیر کے جواب میں وہ اسی دلنشین بھاری لہجے میں کہہ کر بہت دل آویز سے انداز میں مسکرایا تھا رابیل جواب میں ایک لفظ کہے بغیر دروازہ کھول کر اتر گئی اخلاقی یا رسمی طور پر بھی نہ تو اس کا شکریہ ادا کیا نہ اندر آنے کو کہا شہریار ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا۔

☆☆☆

اور کچھ دیر میرے ساتھ چلو
اور مجھے تھام کے رکھو کچھ دیر
گو کسی طور مجھے عدم تحفظ کا نہیں احساس
پھر بھی اک بچہ جو چھپا بیٹھا ہے میری ذات کی پرتوں میں کہیں
تیرے پہلو میں سمٹنا چاہے
ہو سکے تو مجھے جھڑکو بھی شرارت پہ مری
گو شرارت میری عادت میں نہیں ہے شامل
پھر بھی کچھ دیر کو معصوم سا بن جانا بھلا لگتا ہے
اور کچھ دیر میرے ساتھ چلو
لے چلو انگلی پکڑ کر میری
اور مجھے چند کھلونے لے دو
گو کھلونوں کی نہیں ہے عمر میری
پھر بھی کیا حرج ہے کچھ دیر بہل جانے میں
اور کچھ دیر میرے ساتھ چلو
اور کچھ دیر میرے ساتھ چلو

اس کی آنکھ ہی سیل فون پہ بجتی میسج ٹون سے کھلی تھی کسلمندی سے ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھایا اور میسج پڑھتے ہی اس کی آنکھیں پوری واہو گئیں فرحت شاہ کی نظم اپنی تمام معصومیت بے کسی لاچاری اور درد کے بھرپور احساس سمیت التجا بنی محسوس ہوئی تھی، سینڈر کا نام پڑھتے ہی اس کی پیشانی پہ شکنیں سی نمودار ہوئی تھیں۔

''شہریار!'' اس نے دانت پیسے تھے پتہ نہیں یہ بندہ کیوں ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گیا ہے موبائل پٹخ کر وہ اٹھی تھی اور بستر سے نکل کر واش روم میں جا گھسی واپس آئی تو ڈیڈ کو کمرے میں اپنا منتظر پا کے اسے دھچکا لگا تھا۔

''کتنے دنوں سے تم ناشتے اور کھانے کی ٹیبل پہ نہیں ہوتیں سیما نے بتایا ہے کالج میں نہیں جا رہیں خیریت ہے نا۔'' وہ اس کی نم پیشانی چھو کر تشویش ظاہر کر رہے تھے ایسا موقع اس کی بے آب

گیاہ زیست میں بیار کا جھونکا برسات کو نوید بن کر داخل ہوا کرتا تھا اور من آنگن کو گل و گلزار کر ڈالتا مگر آج اسے لگا تھا جیسے اندر لگی آگ میں بھانبھڑ دہک اٹھے ہوں جی تو کچھ کھا کر مر جانے کو چاہ رہا تھا مگر ایک سوچ صرف ایک سوچ تھی جس نے اسے دوبارہ سے زندگی کی طرف مائل کر دیا تھا۔

''آر یو آل رائیٹ بیٹا۔'' اس کی گہری خاموشی پہ ان کی تشویش دو چند ہوگئی۔

''لیس مجھے کیا ہونا ہے بہت سخت جان ہوں جب بچپن میں ممی کے چھوڑ جانے پہ زندہ رہی آپ کی بے اعتنائی پہ نہیں مری تو ڈیڈ اب تو میں بڑی ہو گئی ہوں سو ڈونٹ یو وری مجھے کچھ نہیں ہو گا۔'' اس کا لہجہ چٹخے ہوئے کانچ کی مانند تھا ڈیڈ نے بری طرح چونک کر اسے دیکھا وہ آنکھوں میں امڈتے آنسو چھپانے کو واش روم میں گھسی اور ایک دھماکے سے دروازہ بند کر دیا۔

''رابی رابیل بیٹے واٹ ہیپنڈ۔''

''ڈیڈ سے اتنی شکایتیں ہیں مائی گڈنیس دروازہ کھولو جانو بات تو کرو پاپ سے۔'' وہ بے تاب بے قرار سے ہو کر دروازہ دھڑ دھڑانے لگے تبھی ان کے سیل پہ بیپ ہوئی تھی انہوں نے نمبر دیکھ کر کال ریسو کی دوسری جانب ان کی پرسنل سیکرٹری تھی جو انہیں کسی بے حد اہم میٹنگ میں ان کے آل ریڈی لیٹ ہو جانے کا کہہ رہی تھی انہوں نے لب کچل کر بند دروازے کو دیکھا اور پھر بے بس سے ہو کر بے دلی سے کمرے سے نکل گئے، جانے کتنی دیر بعد وہ باہر آئی تھی مگر اس طرح کہ سرتاپا پانی میں بھیگی ہوئی چہرا متورم تو آنکھیں بے تحاشا سرخ تھیں وارڈ روب سے کپڑے نکالتے وہ ایک پل کو ساکن ہوئی تھی سیل فون پہ میسج ٹون تھی کچھ دیر یونہی ساکت رہنے کے بعد وہ چیل کی طرح سیل فون پر جھپٹی تھی۔

میں شجر ہوں شہر ملال کا میری ٹہنیوں کو نہال کر
کبھی بھیج اپنی نوازشیں کسی جام ابر میں ڈال کر
مجھے خار خار مسافتوں کی ستم گری نے تھکا دیا
مجھے منزلوں کا سراغ دے میرے حوصلوں کو بحال کر

شہریار کا میسج تھا اس نے سخت طیش کے عالم میں سیل فون دیوار پہ دے مارا تھا اور ہاتھوں میں چہرا چھپا کہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

☆☆☆

کبھی ایسا ہو
میں دعا کے بعد آنکھیں کھولوں
اور تمہارا چہرا میرے ہاتھوں پہ جھکا ہے

وہ اپنے ہی کسی دھیان میں مگن اندر آیا تھا کہ عین اسی پل ماہ نور بھی عجلت بھرے انداز میں باہر ہی کی سمت آ رہی تھی چوکھٹ پہ بہت فلمی سا تصادم ہوا تھا طارق شیرازی کی تو تمام کوفت اور بے دھیانی پل بھر میں ہی خوشگواریت میں ڈھلی تھی البتہ وہ ضرور بدمزا سی ہو کر رہ گئی وائیٹ یونیفارم میں ملبوس اس حسن و رعنائی کے مجسمے کو متبسم نگاہوں سے دیکھتا وہ بڑی ترنگ میں اندر آیا تو مگر پھپھو کا چہرا دیکھتے ہی اس کی یہ سرخوشی اور سرمستی لمحے کے ہزارویں حصے میں ٹھٹھک کر بھرپور قسم کی سنجیدگی میں ڈھل گئی وہ یقیناً یہ نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھیں جبھی ان کا رنگ خطرناک حد تک سفید پڑ چکا تھا گو کہ یہ محض ایک غیر ارادی و بے اختیار حادثہ ہی تھا اس کے باوجود ان کا یوں

www.paksociety.com

حالت کا غیر ہو جانا اسے تشویش میں مبتلا کر گیا تھا۔

''پھپھو وہ......'' ان کی خالی نگاہوں میں دیکھتا وہ سر جھکا کر خجالت سے بھرپور نظروں سے انہیں دیکھ کر رہ گیا۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔''

''ہاں۔'' وہ جیسے کسی خیال سے چونکی تھیں اور سر جھٹک کر جبری مسکراہٹ لبوں پہ لا کر بولیں۔

''ایکچوئلی مجھے آپ سے کچھ بات......''

''مما میں کالج جا رہی ہوں واپسی میں دیر ہو جائے گی پریشان مت ہویئے گا۔'' دروازے میں اس کی محض ایک جھلک ہی نظر آ سکی تھی، طارق نے خواہش کے باوجود دانستہ نظریں نہیں اٹھائیں انہوں نے جواب میں محض سر ہلایا تھا۔

''یہ موی ہر روز لیٹ کیوں ہو جاتی ہے پھپھو۔'' وہ یکسر بھول چکا تھا کس مقصد کے لئے آیا ہے۔

''ہوں ٹوشینز کے لئے جاتی ہے۔'' اسے ان کا انداز و لہجہ ابھی بھی بے خیال سا محسوس ہوا۔

''اسے ٹیوشینز کے لئے اس طرح خوار ہونے کی ضرورت کیا ہے یہ کام گھر پہ بھی ہو سکتا ہے۔'' ناگواری اس کے لہجے میں ہی نہیں آنکھوں سے بھی چھلکی تھی جواباً انہوں نے جن نگاہوں سے اسے دیکھا تھا وہ کتنی ہی دیر بولنے کے قابل نہیں ہو سکا تھا۔

''میں چلتا ہوں شام کو آؤں گا وہ اگلے ہی پل اٹھا اور تیز قدموں سے باہر آ گیا تبھی ماہ نور بھی کچن سے نکلی تھی اسے دیکھ کر محض ایک پل کو رکی پھر اگلے ہی لمحے نظر انداز کرتی برآمدے کی ٹیبل سے اپنا بیگ اور جرنل اٹھائے واپسی کو مڑ گئی۔''

''ماہ نور ون اے منٹ پلیز۔'' وہ اس کے پیچھے لپکا تھا ماہ نور غیر متوقع طور پہ رکی تھی اور پلٹ کر سپاٹ نظروں سے اسے دیکھا۔

''چلو میں تمہیں ڈراپ کر دیتا ہوں راستے میں بات ہو جائے گی۔'' جینز کی جیب تھپتھپا کر گاڑی کی چابی کا تعین کرتا وہ بہت سہولت سے کہہ گیا مگر ماہ نور کی پیشانی پہ ناگواری شکنوں کی صورت اُمڈی تھی۔

''جو کہنا ہے ہمیں کہیں آپ کے ساتھ باہر نکل کر مجھے اسکینڈل بنوانے کا کوئی شوق نہیں بات سننے کو بھی اس وجہ سے رکی ہوں کہ آپ پیچھے ہٹنے یا باز آنے والوں میں سے تو ہیں نہیں۔'' وہ یونہی تیوری چڑھائے چڑھائے بھرپور تلخی سے بولی تھی اوہ طارق نے رک کر گہری متبسم نظروں سے اسے دیکھا۔

''بہت اچھی طرح جاننے لگی ہو مجھے بہر حال اچھی بات ہے۔''

''میرے پاس آپ کی فضول باتوں کے لئے وقت نہیں ہے۔'' کلائی پہ بندھی نازک رسٹ واچ پہ نگاہ ڈال کر اس نے جیسے بہت کچھ جتایا تھا۔

''اماں میری شادی کے معاملے میں سنجیدہ ہو چکی ہیں میں پھپھو سے یہی بات کرنے آیا تھا مگر ان سے پہلے تم سے مدد اور تعاون۔''

''ایک منٹ مسٹر طارق شیرازی آپ کی شادی سے میرا یا مما کا کیا تعلق ہے آپ حواسوں

میں تو ہیں۔'' ہاتھ اٹھا کر ٹوکتے ہوئے وہ جس اہانت آمیز طنزیہ لہجے میں بولی تھی وہ طارق شیرازی کو ایک پل کو ساکن کر گیا اگلا لمحہ شدید سبکی اور خجالت کا تھا تو اس سے اگلا لمحہ صرف اشتعال اور برہمی کا اس سے پہلے کہ وہ اسی اشتعال اور طیش میں مزید کچھ کہتا وہ اسے وہیں چھوڑ کر دہلیز پار کر گئی تھی وہ اس کے پیچھے نہیں گیا وہیں کھڑے کھڑے لائٹر اور سگریٹ نکال کر سگریٹ سلگایا اور دو تین گہرے کش لینے کے بعد اس نے اپنے دہکتے ہوئے دل و دماغ کو ریلیکس کیا تھا اس سے پہلے کہ ایڑیوں کے بل گھوم کر کمرے میں جاتا پھپھو اس کے پیچھے سے نکل کر دروازہ بند کرنے لگیں ایک پل کو وہ حرکت کرنے کے قابل بھی نہیں رہا۔

''پھپھو میں ماہ نور سے شادی کرنا چاہتا ہوں ہر صورت پلیز ہیلپ می۔'' وہ اتنی عاجزی اتنی بے بسی سے بولا تھا کہ وہ جو چند لمحے قبل کا یہ صفاچٹ دوٹوک انداز سن کر ٹوٹتے بکھرے حوصلے کو پھر سے مضبوط اور جوان ہوتا محسوس کر رہی تھیں خاموش نگاہوں سے اسے یونہی دیکھتی رہیں۔

''پھپھو جانی پلیز میں نے تو آپ سے مذاق کر رہا ہوں اور نہ ہی یہ محض بغیر سوچے سمجھے کہہ رہا ہوں۔''

''یہ ممکن نہیں ہے طارق۔'' وہ انتہائی جذباتیت سے کہہ رہا تھا جب ان کی سرد اور ٹھوس آواز پہ منجمد سا ہو گیا۔

''مم مگر کیوں؟'' اس کے اندر جیسے ہیجان برپا ہوا تھا۔

''تم جانتے ہو بیٹے میں یہ بات کیوں کہہ رہی ہوں ایک داغ مجھ پہ لگا تھا بلکہ میں نے اپنی نادانی میں خود اپنے دامن پہ لگا لیا تھا اب اپنی بیٹی پہ نہیں لگنے دوں گی اس صورت بھی نہیں کہ اگر وہ خود چاہے میں اسے معلوب ہوتے زندہ درگور ہوتے نہیں دیکھ سکتی تم بھول جاؤ اگر تمہارے دل میں اس کے لئے کچھ ہے۔'' طارق شیرازی کو اپنی بصارتوں پہ ہی نہیں سماعتوں پہ بھی دھوکے کا گمان ہوا تھا یہ پھپھو تھیں اس کی لاڈلی پیاری نرم شفیق سی پھپھو جنہوں نے ہمیشہ اسے اہمیت دی تھی، ہوا تھا یہ پھپھو تھیں اس کی لاڈلی پیاری نرم شفیق سی پھپھو جنہوں نے ہمیشہ اسے اہمیت دی تھی ہمیشہ اس کی خاطر جبر کیا تھا صرف اس کے لئے اور آج، آج وہ اس کے سامنے کیسے بے حس تھیں سے انداز میں اجنبی بنی بیٹھی تھیں اتنی اجنبی کہ اسے یقین آ رہا تھا اور کیا لہجہ تھا ان کا بیگانگی سرد مہری اور قطعیت لئے۔

''آپ میری بات نہیں سمجھی ہیں پھپھو میں اماں کو بابا کو سب کو مناؤں گا پھر یہ بات طے ہو گی بس یقین چاہ رہا ہوں کہ وہ......'' اس نے ٹوٹتی آس کا سرا تھامنا چاہا تھا وہ خود کو سنبھال کر بہت جوش سے بولا تھا۔

''پھر بھی نہیں ایسا نہیں کر سکتی میں۔'' انہوں نے سختی سے کہا تھا اور اسے وہیں چھوڑ کر خود اٹھ کر اندر چلی گئیں تھیں طارق شیرازی سناٹوں کی زد پہ تنہا بیٹھا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

اداس موسم میں کون آئے
ہر اک لمحہ بکھر گیا تھا
ہر اک رستہ بدل گیا تھا
پھر ایسے موسم میں کون آئے

کوئی تو جائے
تیرے نگر کی مسافتوں کو سمیٹ لائے
تیری گلی میں ہماری سوچیں بکھیر آئے
تجھے بتائے کہ کون کیسے
اچھا لگتا ہے وفا کے موتی
تمہاری جانب کوئی تو جائے
میری زباں میں تجھے منائے
ہماری حالت تجھے بتائے رلائے
تو اپنے دل کو بھی چین آئے

وہ نا چاہتے ہوئے بھی جھنجھلاتے ہوئے انداز میں سہی مگر سارا میسج پڑھ گئی تھی اسے خوامخواہ غصہ آئے جا رہا تھا سم چینج کرنے کے باوجود شہریار کی جانب سے آنے والے میسجز کا سلسلہ نہیں تھما تھا اسے سوچنے کے باوجود سمجھ نہیں آسکی تھی اس کے نئے نمبر کا شہریار کو علم کیونکر ہوا اس نے تو احتیاطاً یہ نمبر روحینہ کو بھی نہیں دیا تھا۔

سر داؤد حسن خان کی نظر سر فرحان سے کوئی اہم ٹاپک ڈسکس کرتے ہوئے اپنے آفس سے نکل کر کلاس روم کی سمت جاتے سائنس لیبارٹری کے سامنے روش سے ذرا ہٹ کر سیڑھیوں پہ دنیا و مافیہا سے بے خبر بیٹھی رابیل میں الجھی تو محض ایک پل کو ٹھٹکے اور پھر اسی مضبوط اور باوقار انداز سے چلتے آگے بڑھ گئے۔

"مس رابیل آپ کو سر داؤد حسن خان اپنے آفس میں بلا رہے ہیں۔" وہ بے خیالی میں جرنل کھولے پوائنٹر سے آڑھی ترچھی لائنیں کھینچ رہی تھی جب نسوانی آواز پہ چونکی وہ اس کی کلاس فیلو تھی مگر رابیل کو اس کا نام یاد نہیں اس کا اس نے کلاس میں کسی سے دوستی کرنے اور فرینک ہونے کی بھی کوشش ہی نہیں کی تھی جو ہاتھ اس ارادے سے اس کی سمت بڑھے بھی تھے اس نے انہیں بھی تھامنے سے انکار کر دیا تھا وہ بچپن سے تنہا تھی وہ بچپن سے ادھوری تھی عدم اعتماد، عدم تحفظ کا شکار اس دوست بنانے کا کبھی خیال ہی نہ آسکا تھا یا پھر اس کی اعتماد کی کمی سے ایسے کسی کی سمت بڑھنے ہی نہیں دے سکتی تھی وہ تو روحینہ تھی جس نے زبردستی اس سے دوستی گانٹھ لی تھی وہ تو پھر بھی انٹرسٹڈ نہیں تھی مگر جب روحینہ نے ایک روز رو رو کر سسک سسک کر اسے اپنی محرومیاں اپنے دکھ درد بتائے تو اس جیسی حساس لڑکی اندر سے تڑپ گئی تھی اس کے دکھ بھی تو تھوڑی سی ردوبدل کے ساتھ ایسے ہی تھے فرق صرف اتنا تھا کہ اس کے پاس کھانے پینے کی ہی نہیں سہولتوں سے بھری زندگی تھی مگر محبت نہیں تھی جب کہ روحینہ کی زندگی میں محبت تو تھی مگر سہولتیں نہیں تھیں اور ان سہولتوں کی عدم موجودگی نے جیسے زندگی اجیرن کر ڈالی تھی اس کی ماں بیمار تھی علاج کا بندوبست نہیں تھا وہ مر رہی تھی اس کی بہن شادی کا خرچ نہ ہونے کی بنا پہ رشتہ ختم ہوتا دیکھ کر اندر ہی اندر گھٹ رہی تھی کہ اس کے منگیتر کو نہ صرف جلدی شادی کرنا تھی بلکہ مع جہیز کے رابیل نے روحینہ کے لئے اپنی خدمات پیش کر دیں اس ایک سال میں اس نے ہر ممکن طریقے سے کوشش کر لی تھی کہ وہ روحینہ کے مسائل حل کر سکے اس کے چہرے پہ سچی مسکراہٹ دیکھ سکے۔

"آپ کی توجہ کہاں ہے مس رابیل میں آپ سے کہہ رہی ہوں۔" اسے گم صم سا پا کر سامنے

موجود ہستی جھنجھلاہٹ کا شکار ہوتی تھی۔

"مم... میں... آپ کو غلط فہمی ہوئی ہوگی وہ کسی اور رابیل..." وہ گڑبڑا کر بولی تھی۔

"رابیل سکندر حیات آپ ہی ہیں نا۔" سامنے والی نے کسی اپنی بات پہ قدرے زور دے کر اسے دیکھا۔

"ہاں مگر۔" "تو پھر جائیں سر نے آپ کو ہی یاد فرمایا ہے رابیل متذبذب سی کھڑی ہوئی تھی۔

"سر آپ نے یاد کیا مجھے۔" وہ آ تو گئی تھی مگر ابھی تک مشکوک ہی تھی۔

"ہوں آپ اتنے دنوں کالج نہیں آئیں بہت اہم ہے ان دنوں آپ کی اسٹڈی اہم لیکچر مس کر دیئے۔"

"جب بہت کچھ مس ہو جائے تو پھر لیکچر کی حیثیت بہت ثانوی ہے سر۔" اس نے اس کے نارمل سے انداز پہ سر اٹھا کر ان کی آنکھوں میں جھانک کر بہت عجیب سے انداز میں کہا تھا داؤد حسن خان جزبز سے ہو گئے۔

"رابیل آپ ابھی بچی ہیں اس روز کی آپ کی جذباتیت کو میں ایک بچکانہ غلطی سمجھ کر اگنور کر چکا ہوں مگر اپنے بی ہیویئر پہ مجھے افسوس ہے مجھے اتنا۔"

"اٹس او کے سر چھوڑیں اس نے سر جھکا غلط میری ہی تھی ہیں نے آپ سے اپنے دکھ شیئر کیے آپ کو بتایا میں کتنی ادھوری ہوں آپ کی بہت کچھ سمجھ گیا ہمدرد غم گسار اور پتہ نہیں کیا۔" وہ دکھ سے ہنسی اور لب بھینچ کر آنکھوں میں آئی نمی پلکیں جھپک جھپک کر اندر اتارنے لگی، داؤد حسن کے چہرے پہ جو کچھ دیر قبل متانت ٹھہراؤ اور بے نیازی کے ہمیشہ رہنے والے تاثرات تھے وہ اضطراب اور بے بسی میں ڈھلنے لگے اس ننھی سی چھوٹی سی لڑکی کی توقعات انہیں عجیب سی اذیت میں مبتلا کر گئیں۔

"آپ اپنا فیصلہ مجھے سنا چکے ہیں سر مگر پلیز ایک بار پھر غور کر لیں صرف تین دن ہیں آپ کے پاس اس کے بعد اگر میری زندگی کسی تجربے کسی انتقام کی نذر ہو کر برباد ہوئی تو اس کے ذمہ دار آپ ہوں گے صرف آپ۔" اس کا لہجہ آنسوؤں کی نمی سے بھاری ہوا تھا وہ انہیں متفکر سا چھوڑ کر خود ایک جھٹکے سے پلٹ گئی تھی۔

☆☆☆

فاصلے ایسے بھی ہوں گے یہ کبھی سوچا نہ تھا
سامنے بیٹھا تھا میرے اور وہ میرا نہ تھا
وہ کہ خوشبو کی طرح پھیلا تھا میرے چار سو
میں اسے محسوس کر سکتا تھا چھو سکتا نہ تھا
آج اس نے درد بھی اپنے علیحدہ کر لئے
آج میں رویا تو میرے ساتھ وہ رویا نہ تھا
یہ سب ہی ویرانیاں اس کے جدا ہونے سے تھیں
آنکھ دھندلائی ہوئی تھی شہر دھندلایا نہ تھا
یاد کر کے اور بھی تکلیف ہوتی تھی عدیم
بھول جانے کے سوا اب کوئی چارہ نہ تھا

اس نے ایک گہرا طویل سانس کھینچا اور آنکھوں میں آئی نمی کو بے دردی سمیت ہاتھ کی پشت سے رگڑ ڈالا۔

"بس اب اور نہیں بالکل نہیں۔" اس نے جیسے خود کو مضبوط بنانے کو کہا تھا تین دن پل پل آس امید کی ڈور باندھی تھی جو تیسرا دن اور گزشتہ شب اپنے ساتھ ہی ٹکڑوں میں تقسیم کر گئی تھی اس شخص کے سینے میں دل نہیں تھا خیالات کی عمیق کھائی سے اسے سیل فون کی ٹون نے نکالا تھا وہ چونکے بنا خالی نظروں سے روشن اسکرین کو تکنے لگی اور پھر نڈھال قدم گھٹتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر فون اٹھایا تھا اسکرین روشن تھی الفاظ جگمگ کر رہے تھے تاریک رات میں ستاروں کی مانند۔

تجھ کو معلوم نہیں تجھ کو بھلا کیا معلوم
تیرے چہرے کے یہ سادہ سے اچھوتے سے نقوش
میری تخیل کو کیا رنگ عطا کرتے ہیں
تیری زلفیں تیری آنکھیں تیرے عارض تیرے ہونٹ
کیسی انجانی سی معصوم خطا کرتے ہیں
خلوت بزم ہو یا جلوت تنہائی ہو
تیرا پیکر میری نظروں میں ابھر آتا ہے
کوئی ساعت ہو کوئی فکر ہو کوئی ماحول
مجھ کو ہر سمت تیرا حسن نظر آتا ہے
چلتے چلتے جو قدم آپ ٹھٹھک جاتے ہیں
سوچتا ہوں کہیں تو نے پکارا تو نہیں
گم ہو جاتی ہیں نظریں تو خیال آتا ہے
اس میں پنہاں تیری نظروں کا اشارہ تو نہیں
دھوپ میں سایہ بھی ہوتا ہے گریزاں جس دم
تیری زلفیں میرے شانوں پہ بکھر جاتی ہیں
تھک کے جب سر کسی پتھر پہ ٹکا دیتا ہوں
تیری بانہیں میری گردن میں اتر آتی ہیں
آنکھ لگتی ہے تو دل یہ گماں ہوتا ہے
سرہانے کوئی بیٹھا ہے بڑے پیار کے ساتھ
میرے الجھے ہوئے بکھرے ہوئے بالوں میں کوئی
انگلیاں پھیرتا جاتا ہے بڑے پیار کے ساتھ
کس کو معلوم میرے پیار کی تعبیر ہے کیا
کون جانے میرے غم کی حقیقت کیا ہے
میں سمجھ بھی لوں اگر اس کو محبت کا جنوں
مجھ کو اس عشق جنوں خیز سے نسبت کیا ہے

اس نے ایک بار نہیں بار بار اس نظم کو پڑھا تھا اور کھلکھلا کر ہنس پڑی پتہ نہیں اسے ہنسی کیوں آئی تھی اور اتنی ہنسی کہ وہ ہنستے ہنستے دوہری ہو گئی تھی اور ہنستے ہنستے ہی جانے کیا وہ پھوٹ پھوٹ کر

رونے بھی لگی تھی۔

☆☆☆

اسے کہو بہت نامراد شے ہے جنوں
اسے کہو مجھے بہت ہے جنوں اس کا

"بابا جان میں آ جاؤں۔" دستک کے بعد اس نے اندر سر ڈال کر اجازت طلب کی بڑے ابا جو حساب کتاب کے رجسٹر پہ جھکے بری طرح مصروف تھے کچھ چونک کر سیدھے ہوئے اور اسے دیکھ کر گہرا سانس کھینچتے ہوئے اسی سنجیدگی سمیت سر اثبات میں ہلا دیا اس سے پہلے ماں کی غیر موجودگی کا تعین پایا تھا پھر اندر آ کر ان کے مقابل صوفے پہ بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے برخوردار کچھ خاص مسئلہ ہے۔" اسے کسی الجھن میں مبتلا پا کر انہوں نے رجسٹر بند کرتے ہوئے مکمل توجہ اس کی سمت مبذول کی۔

"بابا جان دراصل اماں میری شادی میں انٹرسٹڈ ہیں۔"

"تو ہاں تمہیں کیا اعتراض ہے یار اب انکار مت کر دینا تمہاری عمر میں، میں تین نہیں تو دو بچوں کا باپ تو ضرور بن ہی گیا تھا۔" انہوں نے مسکرا کہا تو طارق کو بھی پھیکے سے انداز میں مسکرانا پڑا تھا۔

"بابا جان اماں خالہ زاد سبرینہ کے لئے زور دے رہی ہیں جب کہ میں، میری دلچسپی نہیں ہے۔"

"اچھا۔" انہوں نے معنی خیز سا وقفہ دیا۔

"تمہاری دلچسپی کدھر ہے۔" انہوں نے نظریں جھکائے بیٹھے بے انتہا خوبرو بیٹے کو دیکھا وہ قدرے جھینپا تھا۔

"پہلے آپ یہ والا معاملہ تو ختم کروائیں نا پھر بتا دوں گا۔" وہ جھجکا تھا۔

"ہے کون وہ؟" انہوں نے دلچسپ سی نظروں سے اسے دیکھ کر اندازہ لگانا چاہا۔

"بابا وہ۔"

"ہاں بولو۔" انہوں نے نرمی سے اکسایا۔

"ماہ نور، پھپھو کی بیٹی۔" اس نے آہستگی سے کہہ کر ان کے تاثرات جھانچے ان نے چہرے سے مسکراہٹ لمحے کے ہزارویں حصے میں غائب ہوئی تھی۔

"تمہیں وہی ملی تھی دل لگانے کو۔" پتہ نہیں انہوں نے ڈانٹا تھا یا غصہ ظاہر کیا تھا وہ قطعی نہ سمجھ پایا۔

"بابا پلیز۔" وہ ملتجی سا ہوا۔

"سوری یار تم تو جانتے ہو ساری زندگی تمہاری اماں کو میں نے دبا کر رکھا ہے مگر اب وہ دھیرے دھیرے ہی سہی مگر مجھ پہ غلبہ پا چکی ہے اس کے علاوہ سائرہ نے جو کچھ ہمارے ساتھ کیا یہی بہت ہے کہ وہ اس گھر کے ایک کونے میں رہ رہی ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں تم مجھ سے یہ امید نہ رکھو۔" ان کا لہجہ بے اعتنائی سے بھرپور ہوتا آخر میں کچھ خشک سا ہو گیا طارق شیرازی چند ثانیوں کو یونہی انہیں دیکھتا رہا تھا پھر بغیر کچھ کہے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"سنو۔" وہ دروازے تک جا پہنچا تھا جب انہوں نے پکارا وہ پلٹ انہیں دیکھنے لگا۔

"اس کے علاوہ اگر تم کہیں کہو تو مجھے اعتراض نہیں ویسے سبرینہ بھی کچھ بری نہیں امریکہ پلٹ

گرین کارڈ لڑکیوں پہ تو بہت ساری نگاہیں جمی ہیں مگر وہ لڑکی خود تم میں دلچسپی لے رہی ہے۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا تھا وہ بغیر ایک لفظ بولے چپ چاپ باہر آ گیا۔

''ہاں اس حد تک دلچسپی لے رہی ہیں محترمہ مجھ میں کہ آدھی رات کے بعد نائٹ لباس میں نہایت بے تکلفانہ انداز میں گپ شپ کرنے میرے کمرے میں آ گئی تھیں طارق شیرازی کا معیار ابھی اتنی اتنا میں تو نہیں گرا۔'' وہ زیر خند سا ہو کر بڑبڑایا اور سیڑھیاں اترتے ہوئے موڑ پہ دادو سے ٹکرا گیا اگر بروقت نہ تھام لیتا تو وہ اب تک جانے کتنی چوٹیں کھا چکی ہوتیں۔

''آئے ہائے ہر وقت ہوا کے گھوڑے پہ سوار رہتے ہو۔'' انہوں نے ملامتی سے انداز میں اسے گھرک کر بہت دکھ بھری نظروں سے اپنا پاندان تلاشا، جو چھالیے سپاری وغیرہ کے لوازمات ہر سو بکھیرے آخری زینے پہ اوندھے منہ پڑا تھا۔

''چل اور اکٹھا کر کے دے مجھے یہ سارا کچھ۔'' انہوں نے اس کی مضبوط بانہوں میں گھرے ہوئے ہی اسکے سینے پہ زور سے ہاتھ مارا۔

''پاندان سمیت سب کچھ نیا لا دوں گا دادو پلیز آپ اس کا غم چھوڑ کر میری بات سن لیں۔'' وہ کچھ سوچ کر ان کے واویلے پہ دھیان دیئے بنا ان کے دھان پان سے وجود کو بانہوں میں اٹھا کر اپنے کمرے میں لے آیا۔

''شرم کرو بوڑھی کی سنے بغیر اپنی سنانے کی پڑی ہے۔'' وہ جھوٹ موٹ خفا ہوئیں۔

''دادو میری سن لیں پھر آپ کی سنوں گا۔''

''پرامس۔'' دادو نے محض اسے دیکھا تھا پھر سانس بحال کرتیں صوفے پہ دونوں ٹانگیں سمیٹ کر بیٹھ گئیں۔

''بہت دن ہو گئے تمہیں آئے کتنی چھٹیاں ہیں تمہاری۔''

''ایک ماہ کی۔'' وہ جیسے کچھ سوچتا ہوا بولا۔

''اور اب تو صرف آٹھ چھٹیاں باقی ہیں ور آٹھ دن بہت کم ہیں۔''

''کیا کہہ رہے ہو؟'' دادو نے اس کی بڑبڑاہٹ سن کر سمجھنے میں ناکام ہو کر پوچھا۔

''دادو مجھ سبرینہ سے نہیں ماہ نور سے شادی کرنی ہے آپ کچھ کر سکتی ہیں۔'' بغیر کسی تمہید کے اس نے دوٹوک اور قطعی انداز میں کہا تھا مگر ادھر الٹا اثر ہوا وہ پہلے حیران پھر گم صم سی ہو گئیں۔

''دادو۔'' اس نے باقاعدہ گھٹنا ہلایا۔

''کچھ کریں دادو ورنہ میں بھی، سب پچھتائیں گے۔'' وہ ضبط کھو کر پھٹ پڑا۔

''میں کیا کروں اور تم تم ایسا کیا کرو گے ہاں۔'' انہوں نے خود کو سنبھال کر اس کی خبر لی اور آنکھیں نکالنا چاہیں مگر ان دھند لاتی ہوئی بوڑھی سرمئی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی اسے نجانے مضطرب کرنے کے مطمئن سی کر گئی وہ جو دیکھنا چاہتا تھا وہ دیکھ چکا تھا۔

''دادو، بابا، اماں، سائرہ، پھپھو اور خود وہ محترمہ بھی نہیں مان رہیں، آپ سے کہہ رہا ہوں کچھ کر لیں ورنہ جو میں کروں گا وہ کسی کو شاید ہی پسند آئے۔'' اس نے تنے ہوئے نقوش سمیت کہا۔

''وہی پوچھ رہی ہوں کیا کرو گے تم کچھ نہیں کرو گے سمجھے خبردار جو الٹی سیدھی حرکت کی ہو تو پہلے ہی کم بھٹہ نہیں لگا اس خاندان کی عزت کو جو تم نام ڈبونے میں کوئی کسر چھوڑو بھول جاؤ یہ عشق و شق اور چپ چاپ ماں باپ کی پسند کی گئی لڑکی کو اپنا لو۔''

''بہت شکریہ اس مشورے کا میں آپ کے پاس مشورے کے لئے نہیں مدد کے لئے آیا تھا بہر حال آپ کی مرضی ہے بعد میں مجھے الزام مت دیجئے گا۔'' وہ تڑخ کر کہتا ایک جھٹکے سے اٹھا۔

''کیا مطلب تمہیں نہ کہیں ارے تم کرنے کیا لگے ہو۔'' انہوں نے دہائی دینے کے انداز میں پوچھا۔

''اپنے ساتھ بھگانے کا ارادہ ہے کچھ کر سکتی ہیں تو کر لیں۔'' وہ بھنا کہ کہتا پیر پٹختا چلا گیا مگر ادھر آتے ہی اسے ایک اور شاک لگا تھا سائرہ پھپھو سمیت سب ہی سرشار مطمئن اور خوش باش تھے خیریت وہ انہیں دیکھ کر مسکراتا ہوا قریب آ گیا آج تو لوگ بہت چمک رہے ہیں اس نے بہت گہری اور پرشوق نگاہ ماہ نور کے نازک مومی سراپے پہ ڈال کر عینا سے کہا تھا ہلکے اورنج کڑھائی کے سوٹ میں بالوں کو سیدھی مانگ بنا کہ چوٹی کیے کانوں میں ستاروں کی مانند دمکتے موتیوں کے آویزاں میں اس کی معصومیت اور نوخیز سا حسن لو دے کر جیسے شعاعیں بکھیرنے لگا تھا، طارق کو اپنی نگاہوں پہ اختیار ختم ہوتا محسوس ہوا تھا۔

''بہت خوش ہیں ہم بھائی پتہ ہے آج آپی کو بہت اچھی فیملی دیکھنے آئی تھی انہوں نے آپی کو پسند بھی کر لیا جاتے ہوئے انہوں نے آپی کو ہزار روپیہ دیا ہے اب ہماری آپا کی شادی ہو گی۔'' طلحہ بھنگڑا اڑانے لگا۔

''اور میں لہنگا پہن کر لڈی۔'' عینا معصومیت و بے خبری میں بولتی اس کی ہستی کو تاراج کر گئی اس نے منجمد ساکت نظروں سمیت غیر یقینی سے ماہ نور کی دیکھا جس کے چہرے سے مسکراہٹ آج جیسے چپک کر رہ گئی تھی۔

''بھائی بات تو طے نہیں ہوئی مگر انشاء اللہ ہو بھی جائے گی وہ لوگ مٹھائی لائے تھے آپ لیں آپ کی پسندیدہ گلاب جامن ہیں میں آپا سے چائے کا کہتا ہوں۔'' طلحہ فریج سے مٹھائی کی پلیٹ سمیت چہک کر کہتا آیا تھا طارق شیرازی نے ایک بار پھر نظریں اٹھا کر چوکھٹ کے پار خوانخواہ مسکراتی ماہ نور اور اپنے مقابل مطمئن و سرشار نظر آتیں، سائرہ پھپھو کو دیکھا اور یونہی لب بستہ اٹھ کر کمرے سے نکل آیا طلحہ نے پکارا بھی تھا مگر وہ رکا نہیں تھا اور تیز قدم اٹھاتا بیرونی دروازہ پار کر گیا۔

☆☆☆

نہ رستے میں ہی ٹھہریں نہ اپنے گھر جائیں
یہ فیصلے کی گھڑی ہے چلو بکھر جائیں
تیرا وجود بھی سچ ہے مگر ہمیں تم سے
وہ عشق ہے کہ تمہیں دیکھ کر ہی مر جائیں

''رابیل!'' وہ سر جھکائے گھاس کے تنکے نوچ رہی تھی جب روحینہ کی پکار پہ یونہی سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

''پھر کیا فیصلہ کیا تم نے شہریار بہت بے تاب ہو رہا ہے تم سے ملنے کو۔'' وہ بہت بے چینی سے بولی تھی رابیل نے یونہی سپاٹ چہرے سمیت نگاہ کا زاویہ بدل ڈالا۔

''ہاں میں خود بھی اس سے ملنا چاہتی ہوں۔''

''واٹ۔'' اس کی توقع کے عین مطابق روحینہ کو یقیناً شاک لگا تھا، کیا بات ہوئی یہ، یہ میرا

مطلب تم تو اس کا نام بھی۔''

''ہاں۔'' اس نے گہرا سانس کھینچا تھا۔

''میرا خیال ہے فرحت شاہ کی طرح مجھے بھی اب یہی کرنا ہے۔'' وہ سبز مخملیں گھاس پہ چمکتی دمکتی روشن دھوپ کا سنہرا عکس دیکھتے ہوئے کھوئے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

''کیا؟'' روحینہ کچھ اور الجھی۔

ایک محبت اور کریں
ایک جدائی اور سہیں

زخمی مسکراہٹ کے سنگ بے ربط بکھرا سا لہجہ اور دھندلائی ہوئی نظریں روحینہ کو بہت شدت سے کچھ غلط ہونے کا سگنل دینے لگیں۔

''واٹ یو مین تم کیا کہنا چاہ رہی ہو مم...... میں سمجھی نہیں۔'' وہ درمیان میں پڑی کتابیں ہٹا کر سرک کر قریب آئی۔

''مجھ سے کچھ مت پوچھو روحینہ بس تمہارے لئے اتنا کافی ہونا چاہیے کہ میں نے شہریار کے جذبوں کو پذیرائی بخش دی ہے وہ مجھ سے ویسی ہی محبت کرتا ہے جیسی محبت کی میرے اندر کمی ہے پرخلوص مہربان اور انوکھی بے ریا۔'' اس کا لہجہ دھیمے ہوتے ہوتے بالکل سرگوشی میں ڈھل گیا جبکہ روحینہ آنکھیں پھاڑے غیر یقینی سے ساکت بس اسے دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

خاموشی کا ناگ میری ہستی کو ڈستا ہے تو
اکثر یہ سوچا کرتی ہوں
کاش یہ جذبے مر جائیں
ہر احساس سے عاری ہو کر میں سکھ کی راہیں اپنا لوں
ان راہوں میں بھولے بھٹکے تم جو بھی مجھے مل جاؤ
اپنی ہنستی گاتی جیتی جاگتی کچھ کہتی آنکھوں سے
سب سے باتیں کرتے کرتے

تم جب میری جانب دیکھو
کچھ اپنائیت کچھ شوخی ہے
ان کہتی سنتی آنکھوں سے
لیکن میں شرماؤں گھبراؤں
جانتے بوجھتے کتراؤں
ان کی بولی نہ سمجھوں
سوچوں تو بس یہ ہی سوچوں
بولوں تو بس یہ ہی بولوں
کتنی پیاری کتنی گہری آنکھیں ہیں

تو یہ ان کو دور ہٹا لو
کاش تمہاری چاہت کا ان دیکھا پہرا
توڑ سکوں تو جان کے دشمن روگ سے چھوٹوں
ہزار خواہش اک جوگ سے چھوٹوں
لیکن پھر یہ سوچ مجھے تڑپاتی ہے
شاید تب میں، میں نہ رہوں گی
تیرا روپ جدا ہو گا
تیرا نام میری روح میں ڈوب چکا ہے
مجھ میں بسا ہے لیکن مجھ سے جدا ہے

لکھتے لکھتے اس کے ہاتھ کی انگلیاں شل ہونے لگیں قلم رکھ کر اس نے ایک نظر ان بکھرے ہوئے موتیوں پہ ڈالی اور لب کا کونہ دانتوں تلے داب کر سسکیاں روکنے کی سعی کی۔

''ایک سراب تھے آپ سر جس کے تعاقب میں جاگتے جاگتے تھک گئی ہوں اور اب شہریار جو ایک فریب ہے دھوکہ ہے میں اسی کا آسرا لے رہی ہوں جانتے ہیں کیوں اس لئے اس لئے سر کہ آپ ہمیشہ مجھے یاد آتے رہیں۔'' وہ رونا نہیں چاہتی تھی مگر آنسو ہمیشہ اسے شکست دے کر راضی رہتے تھے۔

''رابیل!'' ڈیڈ کی آواز پہ اس نے ڈائری بند کر کے دراز میں رکھی اور آہستگی سے پلٹی۔

''سیما کہہ رہی تھی تم مجھ سے ضروری بات کرنا چاہ رہی ہو۔'' وہ اس وقت بھی کہیں جانے کو تیار تھے۔

نیوی بلیو سفاری سوٹ میں اس کے شاندار سے ڈیڈ کچھ اور بھی وجیہہ اور خوبرو نظر آ رہے تھے۔

''آپ جائیں ڈیڈ میں پھر آپ سے بات کر لوں گی۔'' انہیں رسٹ واچ پہ نگاہ ڈالتے دیکھ کر اس نے اندر اٹھتے زہر کو باہر نکالا، ڈیڈ نے کچھ چونک کر بہت گہری نگاہوں سمیت اس کا یہ شاکی انداز دیکھا تھا۔

''خفا ہو اپنے ڈیڈ سے۔'' وہ آگے آئے تھے اور اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا۔

''نہیں ڈیڈ میں تو بس خود سے خفا ہوں۔'' اس نے بڑبڑاہٹ کے انداز میں کہا۔

''اوکے شام میں تیار رہنا ہم کھانا باہر کھائیں گے وہ وقت خالصتاً ہماری بیٹی کے لئے ہے اوکے۔'' وہ یونہی پھیکے سے انداز میں مسکرائی انہیں جاتے دیکھتا رہی پھر پلٹ کر ٹیبل تک آئی اور سیل فون نکال کر میسج چیک کرنے لگی شہریار کا میسج موجود تھا۔

اپنے گھر کی کھڑکی سے میں آسمان کو دیکھوں گا
جس پہ تیرا نام لکھا ہے اس تارے کو ڈھونڈوں گا
تم بھی ہر شب دیا جلا کر پلکوں کی دہلیز پہ رکھنا
میں بھی روز اک خواب تمہارے شہر کی جانب بھیجوں گا

ہجر کے دریا میں تم پڑھنا لہروں کی تحریریں بھی
پانی کی ہر سطر پہ میں کچھ دل کی باتیں لکھوں گا
بے موسم بارش کی صورت دیر تلک اور دور تلک
تیرے دیارِ حسن پہ میں بھی کن من کن من برسوں گا
شرم سے دھرا ہو جائے گا کان پڑا وہ بندا بھی
بادِ صبا کے لہجے میں اک بات میں ایسی کہہ دوں گا

''ربش۔'' رابیل کا چہرہ یکلخت بے تحاشا سرخ ہو کر دہکنے لگا یہ شہریار بہت بے باک ہے اسے روحینہ کی بات یاد آئی تھی۔

''میں اسے منع کروں گی مجھے ایسی فضول شاعری نہ سینڈ کیا کرے۔'' اس نے دل میں سوچا اور سیل فون وہیں رکھتی وارڈ روب کھول کر کھڑی ہوگئی ابھی تک وہ خود میں شہریار سے ملنے کا حوصلہ نہیں کر پائی تھی مگر آج شہریار سے ملنا ضروری ہو گیا تھا۔

☆☆☆

آ کسی روز کسی دکھ پہ اکٹھے روئیں
جس طرح مرگ جواں سال پہ دیہاتوں میں
بوڑھیاں روتے ہوئے بین کیا کرتی ہیں
جس طرح کسی سیاہ پوش پرندے کے کہیں گرنے سے
ڈار کے ڈار زمینوں پہ اتر آتے ہیں
چیختے شور مچاتے ہوئے کرلاتے ہوئے
اپنی ہی ذات کے جنگل میں الجھ کر تنہا
اپنے گمراہ مقاصد سے وفا ٹھیک نہیں
ہم پرندے ہیں نہ مقتول ہوائیں پھر بھی
آ کسی روز کسی دکھ پہ اکٹھے روئیں

بادلوں کی خوفناک گڑگڑاہٹ اور آسمان سے ٹوٹتی بجلی کا ساتھ دینے اور موسم کی ہولناکی بڑھانے کو بارش بھی پورے تواتر کے ساتھ برس رہی تھی ایسے میں وہ تنہا بدحواس لڑکی جو بھاگتے بھاگتے تھک کر نڈھال ہو چکی تھی اب تو جیسے ایک قدم اٹھانے کی بھی سکت نہیں تھی مگر جیسے وہ ٹوٹتی بکھرتی ہمتوں کے باوجود بھاگتے رہنے پہ مجبور تھی ان خبیث لفنگوں کو ڈاج دے کر وہ اس گلی میں گھس آئی تھی جہاں ایک قطار میں بنے خوبصورت گھر مکمل سناٹے اور تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے پتہ نہیں وہ کوئی مکین تھا ہی نہیں یا موسم کے تیور سے گھبرا کر سب اندر محفوظ ہو کر بیٹھ گئے تھے، اسے زوردار ٹھوکر لگی تھی روکنے کے باوجود اس کے حلق سے چیخ نکل گئی، پاؤں کا انگوٹھا جیسے درد کی آگ میں جل کر خاکستر ہونے لگا۔

''یا اللہ۔'' وہ بے اختیار سسکتی ہوئی جھکی اور دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں پاؤں جکڑ کر دھیرے دھیرے سسکنے لگی۔

''ڈھونڈو ہر صورت وہ شکل سے ہی گھر سے بھاگی ہوئی لگتی ہے اور ایسی لڑکیاں صرف ہمارے لئے یہ قدم اٹھاتی ہیں ہاتھ لگا شکار اگر اتنی آسانی سے نکلا تو میں ایک ایک کو زندہ گاڑھ دوں گا۔'' سرد پھنکارتی ہوئی آواز اس کا خون خشک کر گئی یہ وہی تھے جو تب سے اس کے پیچھے لگے تھے اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا اسے لگا تھا اگر اس نے اپنے خوف پہ قابو نہ پایا تو ابھی بے ہوش ہو کر گر پڑے گی وہ جہاں بیٹھی تھی وہاں گھر کے سامنے سبزے کی تین فٹ اونچی باڑھ تھی جس نے اس کا نازک وجود ایک طرح سے اپنی پناہ میں لے لیا تھا مگر ڈھونڈنے والے تو صحرا سے سوئی بھی تلاش کر لیتے ہیں وہ تو پھر ایک لڑکی تھی قدموں کی آہٹ پا کر اس کا دل خشک پتے کی مانند لرزنے لگا، وہ جو کوئی بھی تھا ٹارچ کی روشنی اطراف میں ڈالتا آگے کی سمت نکلا تھا اس نے سانس بھی روک لیا اب کیا کرے؟ خطرہ لمحہ بھر کو ٹلا تھا مگر یہ دنیا تو ایسے گدوں سے بھری پڑی تھی اس نے بے بسی کی انتہا پہ جا کے سوچا کیا جان بچا کر مجھے عزت کھونا پڑے گی اس کے اندر سے سوال اٹھا تھا اور پورے وجود میں جیسے محشر برپا ہو گیا کیا گھر سے بھاگ کر اس نے واقعی غلط کیا تھا اس کے اندر سوال سر اٹھانے لگے تھے اور وہ گم صم سی بیٹھی تھی۔

کل رات میں تنہا تھا میرے دھیان میں تم تھے
تحریر میں تم تھے میرے وجدان میں تم تھے
گو اجنبی دستک تھی مگر میں نے درِ جاں
یہ سوچ کے کھولا کہ امکان میں تم تھے

اس کی آنکھ کھلی تو خود کو نہایت سلیقے سے سجے خواب آسا بیڈ روم کے ماحول میں پایا تھا اسے بس اتنا یاد تھا کہ حواس مکمل طور پہ کھونے سے قبل اس نے ایک فیصلہ کیا تھا وہ تھا عارضی پناہ کا فیصلہ اس سے قبل کہ وہ وحشی درندہ دوبارہ اسکی تلاش میں پاگل ہوتا اس تک آتا اس نے سامنے نظر آئے بلیک گیٹ والے گھر کی دیوار پھلانگنے کی کوشش کی تھی ارادہ تو تھا رات وہاں چھپ کر رات گزارے گی اور صبح ہونے پہ یونہی چپکے سے نکل کر کسی دارالامان میں پناہ لے لے گی مگر قدرت کو ابھی اس کا مزید امتحان مقصود تھا کہنیوں پہ دباؤ ڈالتے اٹھنے کی کوشش کرتے اس کے حلق سے بے اختیار کراہیں نکل گئیں تھیں اسے یاد آیا وہ کودنے کے بعد زمین پہ گرنے کی بجائے کسی باڑھ پہ گری تھی جس کے نوکیلے کانٹے اس کی پشت ٹانگوں اور سر کے ساتھ بازوؤں اور ہاتھوں کو بھی زخمی کر گئے تھے سر کسی پختہ چیز سے ٹکرایا تھا اتنی زور سے کہ اس کے بعد وہ حواس بحال نہیں رکھ پائی تھی۔

''اٹھیں نہیں لیٹی رہیں آپ کی طبیعت بالکل بھی ٹھیک نہیں ہے۔'' وہ جو کوئی بھی تھا بہت نارمل سے انداز سے بولتا ہوا ہاتھ میں پکڑی ٹرے سائیڈ ٹیبل پہ رکھنے کو جھکا اس کے سر میں دھماکے سے ہونے لگے، وہ پتہ نہیں کس شخص کے ہاتھ لگ گئی تھی۔

''یقیناً آپ کو بھوک لگی ہوگی یہ سوپ ہے اسے پی لیجئے بہت بہتر محسوس کریں گی۔'' ٹرے ٹیبل پہ رکھنے کے بعد وہ سیدھا ہوا تھا اور ہاتھ بڑھا کر اس کی نبض چیک کرنا چاہی تھی وہ جو وحشت بھری سراسیمگی کے عالم میں اس کے آنکھیں پھاڑے دیکھ رہی تھی بے اختیار بدک کر پہنچ سے دور ہوئی تھی۔

''خبردار...... خبردار دور رہو مجھ سے نزدیک مت آنا، سنا تم نے مجھ سے فاصلے پہ رہو۔'' اب وہ چھلانگ لگا کر بستر سے اتری تھی اور الٹے قدموں چلتی ہوئی پیچھے دیوار سے لگ کر تھر تھر کانپتے

سے زیادہ سراسیمہ اور مضطرب ہو کر بغیر کوئی سوال جواب کیے آ کر اس کی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی وہ ایک جوا کھیلنے آیا تھا جس میں کامیابی کے ساتھ ناکامی کے چانسز بھی برابر تھے مگر اسے لگ رہا تھا قسمت اس کا ساتھ دے رہی تھی پہلا دشوار نظر آنے والا مرحلہ بہت سہولت سے طے ہو گیا تھا شاید وہ آنکھیں بند کر کے اس کی بات کا یقین نہ بھی کرتی اگر اس نے باقاعدہ پلان ترتیب نہ دیا ہوتا اس روز کے بعد وہ بہت نارمل سے انداز میں پھپھو سے ملنے آتا رہا تھا چند روز قبل انہیں انجائنا کا ہلکا سا اٹیک ہوا تب بھی وہی انہیں ہوسپٹل لے کر گیا تھا اس دوران اس نے محسوس کیا تھا ماہ نور کا اس سے رویہ پہلے سے بہت حد تک تو نہیں البتہ کسی حد تک بہتر ضرور ہو گیا تھا اس کے پیچھے کیا وجہ تھی اس نے یہ سوچنے کی کوشش نہیں کی اپنے طرز عمل سے اس نے ہر ممکن طریقے سے ماہ نور کے علاوہ سائرہ پھپھو پہ بھی یہ تاثر بٹھانے کی کوشش کی تھی کہ اسے ماہ نور کے معاملے میں اب دلچسپی باقی نہیں رہی ہے اور اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ دونوں ہی اس کے اس نارمل انداز پہ بظاہر نہیں تو اندر ہی اندر بہت مطمئن ہو چکی تھی۔

''کیا پوچھ رہی ہوں میں۔'' یہ یقیناً اس کی نگاہوں سے اڈتی جنوں خیزی اور بے باکی تھی جسے اتنی ٹینشن میں بھی محسوس کرنے کے بعد ہی ماہ نور کا لہجہ پہلے کی طرح سخت کڑا اور تلخ ہوا تھا طارق شیرازی نے نگاہ کا زاویہ تو بدلا تھا البتہ جواب دینا ضروری خیال نہیں کیا اور اپنی نظر اندازی ماہ نور کو تاؤ دلا گئی تھی۔

''مما ٹھیک تو ہیں نا ہوسپٹل لے کر گئے ہیں تو ٹھیک کہاں ہوں گی اور، اور یہ تم گاڑی کدھر لے جا رہے ہو ادھر کون سا ہوسپٹل ہے۔'' معاً وہ کھڑکی کے باہر نگاہ ڈالتے ہی کچھ گھبراہٹ اور تفکر سے بولتی جیسے ہی اسے دیکھنے لگی ایک دم سے چونکی۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو نا کہ مما...... تم مجھے کہاں لے کر جا رہے ہو۔'' جو خیال لمحوں میں دماغ میں گھسا تھا اور جو کچھ اسے اس پل طارق کے چہرے پہ نظر آیا وہ اتنا غیر متوقع اور حراساں کر دینے والا احساس تھا کہ اسے لگا جیسے اسے اچانک بے خبری میں کسی نے گہرے پاتال میں گرا دیا ہو۔

''ماشاءاللہ بہت ذہین ہو اندازے لگانے میں ماہر صحیح سمجھی ہو میری جان، پھپھو بالکل ٹھیک ہیں اور اس وقت گھر پہ موجود کڑی پکانے کی تیاری میں مصروف رات کے کھانے کی دعوت دی ہے انہوں نے مجھے۔'' اس سمت کمال درجہ کی طمانیت تھی ماہ نور کا چہرا دھلے ہوئے لٹھے کی مانند سفید پڑ گیا۔

''ک...... کیا مطلب؟'' اس کے ہونٹ کانپے تھے۔

''سمجھ لو تو اغوا ہو چکی ہو۔'' وہ اس پہ گہری نگاہ ڈال کر مسکرایا ماہ نور کے ہاتھ پیر بالکل سن ہو گئے۔

''جہاں میں تمہیں لے کر جا رہا ہوں وہاں سے تم اس وقت باہر نکل سکو گی جب تم ماہ نور سلطان شاہ سے مسز ماہ نور طارق شیرازی بن جاؤ گی۔'' اس کی بھاری آواز صور اسرافیل کی مانند اس کے اعصاب مفلوج کرتی بے دم سی کر گئی یقین سے عاری ہوتی ساکن آنکھیں لئے وہ شاکڈ سی بیٹھی رہ گئی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ)

ہوئے اور روتے ہوئے چیخ کر بولی، انہیں اس کا یہ ڈرا سہما اور کسی حد تک ابنارمل سا انداز ٹھٹھکا کے رکھ گیا۔

''ٹیک اٹ ایزی کنٹرول یور سیلف پلیز میں آپ کے خوف کی وجہ سمجھ سکتا ہوں مگر پلیز مجھ سے ڈریں مت آپ زخمی حالت میں میرے گھر کی بالائی دیوار کے ساتھ کانٹوں بھری باڑھ پہ بے ہوشی کی حالت میں پڑی تھیں آپ کی مدد میرا اخلاقی فریضہ تھا میرا نام ڈاکٹر داؤد حسن خان ہے مقامی کالج میں پروفیسر ہوں آئی ایم سوری میرے گھر میں کوئی خاتون نہیں ہیں ورنہ آپ کی ڈھارس کو میں انہیں آپ کے پاس بلا لیتا اینی ویز بی ایزی سوپ کے ساتھ یہ پین کلرز ہیں میں اس وقت کالج جا رہا ہوں واپسی پہ آپ سے بات ہو گی آپ چاہیں تو کمرے کا دروازہ اندر سے لاک کر لیں۔'' اس کے متوحش انداز کو دیکھتے وہ دو قدم پیچھے ہٹ کر ٹھہرے ہوئے دھیمے لہجے میں کہتے پلٹ کر چلے گئے جبکہ وہ بے تحاشا دھڑکتے دل پہ ہاتھ رکھے یونہی ساکن کھڑی رہی تھی جب مکمل طور پہ ان کے چلے جانے کا یقین ہوا۔

تب دوڑ کر پہلے دروازہ لاکڈ کیا پھر آ کر بستر پہ ڈھے گئی زخموں سے جیسے ٹیس اٹھنے لگی تھیں۔

''کون ہے یہ اور کس قدر سچ کہہ رہا ہے ہو سکتا ہے یہ بھی لیٹرا ہو مگر لوٹنے کا انداز مہذبانہ ہو میں کیسے یقین کر لوں۔'' اس نے دکھتے سر کو دبا کر بے چارگی سے سوچا۔

''ہائے مہرو آپا میری زیبی آپا کیوں مجھے چھوڑ گئیں آپ، پتہ نہیں تھا کو کہ میں آپ کے بغیر جینے کے ڈھنگ نہیں جانتی کاش بابا سائیں کاش آپ اتنے کٹھور فرعون صفت اور بیگانے نہ ہوتے تو آج مجھے یوں عزت کے لالے تو نہ پڑتے۔'' وہ گھٹنوں میں سر دیئے گھٹ گھٹ کر روئے جا رہی تھی۔

☆☆☆

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
چارہ دل سوائے صبر نہیں
سو تمہارے سوا نہیں ہوتا

ماہ نور نے بے قرار دھڑکنوں کو سنبھالتے زبردستی بھیگتی آنکھوں کے کانچ کو غیر محسوس انداز میں خشک کیا اور کتنی ہی دعائیں زیر لب مانگ لیں۔

''کون سے ہوسپٹل میں ہیں مما طبیعت کیسے خراب ہوئی صبح تو اچھی بھلی تھیں گھر کی وہ اس جیسے شخص کے منہ نہ لگنے کا تہیہ کیے بیٹھی تھی مگر وقت بھی انسان کو بہت بری طرح سے آزماتا ہے۔''

طارق شیرازی نے ونڈ اسکرین سے نگاہ ہٹا کر اسے دیکھا تھا سفید یونیفارم میں اپنی بے داغ دودھیا سفید رنگت سمیت وہ گلاب کو ایسی ادھ کھلی کھلی نظر آ رہی تھی جو کھلنے کو بے تاب نظر آتی ہے وہ ایک جیتی جاگتی قیامت تھی جس نے طارق شیرازی کی زندگی میں محشر برپا کر رکھا تھا چین سکون سب غارت ہوا سے بہت خطرناک عزائم سمیت کالج سے ساتھ لایا تھا، بدحواس کرنے والے عقل ثبت کرنے کو بہت معقول بہانہ تراشا تھا اس نے جو تیر کی طرح نشانے پہ جا کر لگا تھا وہ اس کی توقع

میرے ساحر سے کہو

ام مریم

تیسری قسط

روز اک نیا خواب سجایا آنکھوں نے
خود کو کیسا روگ لگایا آنکھوں نے
دیمک بن کے درد بن کو چاٹ گیا
اشک نہ پھر بھی کوئی بہایا آنکھوں نے
چاہت کی راہوں میں کانٹے ہوتے ہیں
دل کو تھا کتنا سمجھایا آنکھوں نے
آج اسے بھی روتا ہم نے دیکھ لیا
یہ کیسا منظر دکھلایا آنکھوں نے
جب بھی پاگل دل نے کوئی خواہش کی
اس کا پھر تاوان چکایا آنکھوں نے
خود ہی اپنے سارے خواب جلا ڈالے
اس کو جب کہیں نہ پایا آنکھوں نے

''ہیلو کہاں گم ہیں۔'' وہ سر جھکائے اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں الجھ رہی تھی جب شہریار نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔

''مجھے تو لگتا ہے آپ یہاں ہو کر بھی یہاں نہیں ہیں بہت خوش نصیب ہے وہ شخص مگر اس سے بڑھ کر یہ نصیب کہ اسے آپ کی قدر کرنا نہیں آئی۔''

شہریار بہت خوش تھا خوش کیوں نہ ہوتا آخر رابیل نے اس کے جذبوں کو پذیرائی بخشی تھی وہ اسے ملنے آئی تھی اور اس کی محبت کو قبول کر لیا تھا۔

''کھانے کا بل میں دوں گی۔'' رابیل نے اپنا دھیان بٹایا تھا۔

''یہ کیا بات ہوئی ہرگز نہیں۔'' وہ روٹھا تھا بھرپور خفگی سے بولا۔

''مائنڈ مت کریں شہریار مجھے روحینہ نے بتایا تھا آپ ابھی تک جاب لیس ہیں۔'' رابیل نے چھری اور کانٹے کا مدد سے روسٹ چکن کا چھوٹا سا ٹکڑا اتار کر منہ میں رکھا۔

''یہ ہمارے بیچ روحینہ کا ذکر کیوں ہو رہا ہے بار بار۔'' وہ نرمی سے جھنجھلایا۔

''وہ ہماری دوست ہے۔'' رابیل اس کی بجائے چھری اور کانٹے میں مگن تھی۔

''مگر اسے ہماری محبت کے بیچ تو نہیں ہونا چاہیے کیا جب تک میں جاب لیس ہوں تو آپ اپنے ڈیڈ سے نہیں ملوائیں گی۔'' وہ بہت خوبصورتی سمیت بل کا تذکرہ سمیٹ چکا تھا۔

''ایسی بات نہیں ہے مگر اتنی جلدی۔''

''جلدی تو نہیں ہے یہ رابیل مجھ سے پوچھیں آپ کے ہجر میں کیسے دن رات گزار رہا ہوں۔'' وہ بے حد شاکی سے انداز میں گویا ہوا تھا، رابیل کے چہرے پہ ایک سایہ سا آ کے گزر گیا۔

''مجھے اب چلنا چاہیے۔'' اس نے رسٹ واچ دیکھتے ہوئے جیسے ہی نگاہ اٹھائی ساکن رہ گئی گلاس ڈور دھکیل کر داؤد حسن خان مخصوص انداز میں چلتے آ کر ان سے کچھ فاصلے پہ موجود خالی ٹیبل کے گرد پڑی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئے تھے رابیل کا جیسے دل بھی دھڑکنا بھول گیا تھا۔

''کیا ہوا میری کوئی بات بری لگی اتنی جلدی کیوں واپس جا رہی ہیں پلیز بیٹھیے نا میں کافی منگواتا ہوں۔'' شہریار اس کے جانے کا سنتے ہی بے تاب سا ہوا تھا یہ اس کی نگاہوں کی گرمی کا ہی اثر تھا کہ بالکل اچانک داؤد حسن خان نے بھی مینو کارڈ سے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا رابیل نے تو اگلے ہی لمحے نگاہ پھیر لی تھی مگر وہ کتنی ہی دیر تلک ساکت سے بیٹھے استعجاب کے عالم میں اسے دیکھتے چلے گئے تھے۔

''اوں کیا کہہ رہے ہو تم۔'' اس نے بہت مسکرا کے شہریار کو دیکھا تھا آج وہ لائٹ آسمانی پینٹ کوٹ میں تھا فریش شیو اور آرمی کٹ کے ساتھ رابیل کو ایک بار پھر اس کی بے تحاشا وجاہت اور خوبروہی کا احساس ہوا تھا اور اس سے بڑھ کر کسی کی استعجابیہ نگاہوں کا۔

''کافی منگوا یار رہا ہوں پی کر جائیے۔'' شہریار نے ویٹر کو اشارے سے بلا کر کافی آرڈر کی۔

''صرف کافی نہیں آئسکریم بھی تمہیں پتہ ہے مجھے، بہت ٹھنڈے کے بعد بہت زیادہ گرم پینے کی عادت ہے۔''

''پہلے آئسکریم پھر کافی۔'' وہ بہت ناز سے کہتے ہوئے بے تکلفانہ انداز میں اس کے شانے پہ ہاتھ رکھ کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی تھی، شہریار تو ایک پل کو ہونق سا ہوا تھا اگلے ہی لمحے اس کی جیسے باچھیں کھل اٹھی تھیں۔

''وائے ناٹ وائے ناٹ ویٹر جاؤ پہلے آئسکریم اس کے بعد کافی لانا۔'' شہریار کا بس نہیں چل رہا تھا اس حسن کے شاہکار نزاکت کی گٹھڑی اور دولت کے انبار کو اٹھا کر گود میں رکھ لے۔

''تم میرے میسجز تو پڑھتی رہی ہو نا؟'' وہ اب اس کے چہرے گردن اور اپنے شانوں پہ بکھرے ریشمی بالوں کو سہلاتا ہوا مسکراہٹ دبا کر پوچھ رہا تھا، رابیل کو کسی کی تیز نگاہوں کا احساس بہت شدت سے محسوس ہوا اور اگلے ہی پل جیسے یہ احساس جھناکے سے ٹوٹ گیا اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا داؤد حسن خان اٹھ کر دروازے کی سمت جا رہے تھے اس کے لبوں پہ زخمی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''رابیل!'' شہریار کا لہجہ سرگوشیانہ تھا۔

''ہوں۔'' وہ ہنوز داؤد حسن کو لمحہ بہ لمحہ دور ہوتے دیکھ رہی تھی۔

''تھینک یو۔'' شہریار نے نگاہوں سے ہی اپنے شانے پہ رکھے اس کے ہاتھ کی جانب اشارہ کیا اور جیسے رابیل کو الیکٹرک شاک لگا تھا وہ ایک جھٹکے سمیت سیدھی ہوئی تھی۔

''کیا ہوا؟'' شہریار ششدر ہوا تھا۔

''کچھ نہیں مم...... میں چلتی ہوں۔'' وہ اپنا بیگ جھپٹ تیزی سے اٹھ کر بھاگی تھی شہریار اتنا بدحواس ہوا تھا کہ اس روکنے کو آواز تک نہ دے سکا۔

☆☆☆

تمہیں معلوم ہے ہم نے
کسی کے ہجر میں یہ زندگی کیسے گزاری ہے
ہر اک خوشبو کی آہٹ پر
گماں اس کا گزرتا ہے
ہر اک ساعت پہ دل آنکھوں میں آ کر بیٹھ جاتا ہے
کئی پہلو بدلتی خواہش ہاتھوں کو پھیلائے
دعائیں مانگتی اور ہانپتی دل سے گزرتی تھیں
مگر جو ہجر لاحق ہے
وہ جسم و جاں کی دیواریں گراتا ہے
امید و بیم کی آنکھوں سے سارے منظروں کو
خاک کرتا اور مٹاتا ہے
سو ہم بھی خاک ہیں اور خاک کی قسمت میں لکھا گیا ہے
بے اماں رہنا

"نہیں کھولوں گی قیامت تک بھی یہ دروازہ نہیں کھولوں گی، میں تم جیسے آدمی پہ اعتبار نہیں کر سکتی۔" داؤد حسن خان ابھی لوٹے تھے بیڈ روم کا دروازہ اندر سے لاک تھا ان سے خطاب ہوئی تھی کہ دستک دے ڈالی تھی وہ تو جیسے تند خیز دریا کی طرح بپھر اٹھی تھی۔

"دیکھیے محترمہ آپ کو میں فورس بھی نہیں کر رہا ہوں کہ مجھ پہ ٹرسٹ کریں دروازہ کھولیں اور اپنے گھر کی راہ لیں اچھی بات ہے نیکی گلے پڑ رہی ہے۔" جواباً تھکے ہوئے اعصاب چیخ سے گئے جبھی بہت خراب موڈ کے ساتھ نہایت بدلحاظی سے کہا تھا۔

"چلی ہی جاتی میں اگر تم گیٹ لاک کر کے نہ جاتے۔" وہ اندر سے ہی چیخی تھی۔

"اب تو گیٹ لاک نہیں ہے آپ جا سکتی ہیں۔" وہ جواباً رکھائی سے بولے رات بھی اپنے بیڈ کے بغیر رات گزاری تھی انہیں عادت ہی نہیں تھی کہیں اور سونے کی اور یہ عادت اتنی پختہ ہو چکی تھی کہ اب کہیں اور وہ سکون محسوس نہیں ہوتا تھا نتیجہ ان کی شب بیداری کی صورت نکلا تھا کل رات عادت کے مطابق وہ سونے سے قبل پورے گھر کا ایک راؤنڈ لے رہے تھے یوں بھی صابر کی غیر موجودگی میں لاک وغیرہ لگانے کی بھی ذمہ داری انہی کی تھی، عجب اتفاق تھا وہ کبھی اس طرح گھر پہ تنہا نہیں ہوئے تھے۔

کالج کی طرف سے مطالعاتی دورے پہ ایبٹ آباد گیا تھا اسی رات صابر کی ماں کا گاؤں سے فون آ گیا اس کی بیوی کی طبیعت اچھی نہیں تھی یقیناً تیرے مہمان کی آمد ہونے والی تھی ایسے میں دو عورتوں کے پاس مرد کا ہونا ضروری تھا داؤد حسن کو اسے اجازت دیتے ہی بنی تھی معاً وہ چونک گئے تھے بیرونی دیوار کے ساتھ بنی کیاری میں وہ کوئی نسوانی وجود تھا برستی بارش کی پرواہ کیئے بغیر وہ تشویش زدہ انداز میں آگے بڑھے تھے جس قسم کی حالات چل رہے تھے اس میں اعتماد بھروسے اور

اعتبار کو الفاظ جیسے اپنی حیثیت کھو چکے تھے پہلا خیال انہیں کسی مجرم کا ہی آیا تھا یقیناً کوئی مجرم قتل کے بعد لاش یہاں پھینک کر جا چکا تھا مگر نبض ٹٹولنے پہ اندازہ ہوا تھا وہ زندہ تھی البتہ بے ہوش ضرور تھی وہ چاہتے تو پولیس کو انفارم کر سکتے تھے مگر معاملا ایک لڑکی ذات کا تھا جو زخمی اور بے ہوش تھی ایسے میں اسے پولیس کسٹڈی میں دینا یقیناً اس کے ساتھ زیادتی ہوتی، مگر اب انہیں لگ رہا تھا وہ اس کے ساتھ یہ نیکی کر کے کچھ ٹھیک نہیں کر چکے ہیں وہ لڑکی یا تو حد سے زیادہ گھاگ اور عیار تھی یا پھر کسی وجہ سے دہشت زدہ اور حراساں دوسرا خیال انہیں کسی حد تک احمقانہ ہی لگا تھا۔

"دیکھیں محترمہ باہر تشریف لے آئیں اس اطمینان کے ساتھ کہ مجھ سے آپ کی عزت کو قطعی کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے اگر میرا ایسا کوئی غلط ارادہ ہوتا تو آپ بے ہوشی کے عالم میں بہر حال میں پہنچ سے باہر نہیں تھیں۔" اب کے اڑیل انداز پہ انہیں جتنی کوفت بے زاری اور اکتاہٹ محسوس ہوئی تھی وہ ان کے لہجے سے بھی چھلک آئی تھی۔

"اس قسم کی تمہاری طفل تسلیوں پہ میں ایمان لانے والی نہیں مجھے تم پہ ہی نہیں کسی پہ بھی اعتماد نہیں ہے۔" جواب میں ہتک آمیز بے لچک سے انداز میں پتھر برسائے گئے داؤد حسن کا پر کشش چہرا احساس ذلت کے سبب جیسے دہک کر انگارہ ہوا تھا انہوں نے پر تپش نگاہ بند دروازے پہ ڈالی اور آگے بڑھ کر ایک زوردار ٹھوکر پٹ کو رسید کی تھی۔

"واٹ نان سینس یہ میرا گھر ہے اگر آپ شرافت سے باہر نہ آئیں تو میں پولیس کو بلا کر آپ کو چوری کے ارادے سے زبردستی گھر میں گھس آنے کے کیس میں اندر کروا دوں گا۔" وہ بولے نہیں بادلوں کی طرح گرجے تھے، مکین کے ٹوٹتے بکھرتے اعصاب پہ جیسے اس دھمکی نے بجلی گرا دی خوف سے مفلوج ہوتی حسیات سمیت وہ آگے بڑھی تھی اور کانپتے ہاتھوں سے دروازہ ان لاکڈ کر دیا، دروازہ وا ہوتے ہوتے ہی اسے داؤد حسن کا ناخوش گوار تاثرات سے مزین خشک و سپاٹ چہرا نظر آیا تھا۔

"آپ پلیز مجھے پولیس کے حوالے مت کیجئے پلیز میں چلی جاتی ہوں۔" وہ منہ پہ ہاتھ رکھ کے سسکتی ہوئی بولی تھی، داؤد حسن نے اچانک نگاہ اس پہ ڈالی تھی۔

"جائیں بڑی مہربانی ہو گی آپ کی اونہہ۔" وہ از حد تلخی سے کہہ کر رخ پھیر کر اندر جا گھسے، وہ آنکھیں پونچھتی تیزی سے دروازہ پار کر گئی، اس کی اگلی منزل جانے کون سی تھی کیا وہ اپنی سب سے قیمتی متاع کی حفاظت کر پائے گی ایک کمزور اور بے بس سی لڑکی یہ سوچ تیز دھار آلے کی مانند اس کا جگر کاٹتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

تیرے دم بھر کے آنے سے
بھلا یہ پیاس کیا بجھتی
دل میں پھول کیا کھلتے
جدائی کی دھول کیا ڈھلتی
میرے خوابوں کی تعبیریں
جدائی کی اماوس میں

بھلا کیا رنگ لائیں گی
تیرے دم بھر کے آنے سے
زخم مندمل نہیں ہوتے کھرنڈیں پھر اکھڑتی ہیں
ہم تم سے مل کے روتے ہیں
تیرے آنے کی خوشی پر
تیرے جانے کا غم چھاتے میری آنکھیں جو تمہیں پیاری ہیں
پھر کیوں مجھے رلاتے ہو
اب کی بار جب آؤ تو سب اسباب بھی لاؤ
کبھی پھر دور نہ جانا
تو میرے پاس رہ جانا
تیری باتیں میرا ہنسنا
میرا سر ہو تیرا شانہ

''ہائے کیا ہو رہا ہے۔'' روحینہ نے آ کر پیچھے سے اس کے گلے میں بازو حمائل کیے تھے جسے اس نے اگلے ہی پل نہایت بے اعتنائی اور درشتگی سمیت جھٹک دیا تھا۔

''خیریت ایسی قاتل نظروں سے کیوں دیکھ رہے ہو۔'' روحینہ اس کی غضبناکی سے خائف ہوئے بغیر کھلکھلائی تھی شہریار نے پہلے موبائل پہ میسج سینڈ کیا تھا پھر اسے دیکھ کر کڑوے لہجے میں غرا کر بولا تھا۔

''وہ تمہاری کچھ لگتی انسان ہے یا پتھر اس روز اپنے ہوتے سوتے کو دیکھ کر محض اسے جلانے تڑپانے کو میرے نزدیک آئی تھی کیا میں جانتا نہیں۔'' وہ آتش شوق کو بھڑکا کر خود پھر دور جا بیٹھی۔

''واقعی بہت بڑا ستم ہے۔'' روحینہ نے دانت نکالے۔

''شٹ اپ اس سے زیادہ غصہ مجھے وہ ہزاروں کا بل پے کرنے کا ہے مائی گاڈ اتنا لالس پتہ نہیں تم کیسے مکر سے اس سے اتنا کچھ نکلواتی رہی ہو، مجھ پہ تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں خرچ کی۔'' وہ جلے دل کو پھپھولے پھوڑ رہا تھا۔

''صبر سے کام لو اس سمیت سب کچھ تمہارا نہ ہوا تو نام روحینہ بدل دینا۔''

''مجھے تو یہ سب فضول لگ رہا ہے محض ٹائم ضائع ہو رہا ہے ضرورت کیا تھی تمہیں ایک زخم خوردہ دل تلاش کرنے کی تمہیں یہی نظر آتی تھی۔'' اس کا بس نہیں چل رہا تھا روحینہ کے ساتھ رابیل کی بھی ہڈیاں پسلیاں توڑ ڈالے۔

''ریلیکس مائی ڈیئر اتنے اتاؤلے مت ہو بس بھڑکیلے اشعار اسے بجھواتے رہو بہت پیاسی ہے وہ توجہ محبت اور خلوص کی بس اعتبار آتے آتے ہی آئے گا۔''

''مجھے تو سب کچھ فضول لگ رہا ہے۔'' وہ منہ بسور کر بولا۔

''ایسا نہیں ہے۔'' روحینہ نے تسلی سے نوازا۔

''ذرا سوچو اگر اسے ملنے کے لئے جاتے ہوئے میں ان لڑکیوں کے پرس اڑا کر وہ رقم حاصل نہ کرتا تو کتنی مصیبت پڑ جاتی مینجر جتنا خرانٹ شکل سے لگ رہا تھا اس سے بڑھ کر خبیث

ثابت ہوتا۔'' اس نے کچھ یاد کر کے مزید موڈ خراب کیا۔

''اٹس آل رائیٹ جانے بھی دو یار یہ دیکھو کیسی زبردست مووی ہے انجلینا قیامت لگ رہی ہے اس میں تم سی ڈی پلیئر آن کر کے مووی لگاؤ میں چائے بناتی ہوں۔'' وہ کیسٹ اس کی سمت اچھال کر اٹھی تھی۔

''رہنے دو میرا چائے کا موڈ نہیں ہے وہ الماری کھولو اس میں برانڈی کاٹن پیک ہو گا وہ نکال لاؤ۔'' وہ کیسٹ نکال کر الٹ پلٹ کرتا ہوا بولا روحینہ سر اثبات میں ہلاتی اٹھ گئی تھی۔

☆☆☆

فضا میں حبس ہے
تاریکیاں کچھ اور گہری ہو گئی ہیں
مناظر میں یہ کیسی وحشت حیران کھڑی ناں
اور ہوا میں اس نگر کا راستہ بھولی ہوئی ہیں
دلوں پہ اک اچانک حادثے کا خوف طاری ہے

''یہ ہے آپ کی مستقل یا عارضی پناہ گاہ مستقبل کی مسز طارق شیرازی۔'' گاڑی اس نے کھلے گیٹ سے اندر لا کر روکی تھی اور رخ اس کی جانب موڑ کر بہت شرارت آمیز لہجے میں بولا تھا، وہ جو تب سے شدید رنج اور غیر یقین سمیت کیا واقعی اس کے ساتھ اتنا غلط ہو چکا ہے کے متعلق سوچتی اپنی قوت گویائی تک کھو بیٹھی تھی جیسے گہرے خواب سے جاگی تڑپ کر اسے دیکھنے لگی۔

''نہیں نہیں تم ایسا نہیں کر سکتے تم ایسے تو نہیں ہو رحم کرو مجھ پہ میں تمہارے لئے محض خواہش کی تکمیل نہیں ہوں راہ چلتی نہیں ہوں خاندان کی عزت ہوں تمہاری۔'' وہ گاڑی سے نکل کر اس کی جانب کا دروازہ کھول کر اسے باہر آنے کا کہہ رہا تھا وہ ٹس سے مس نہ ہوئی مگر جب اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی پکڑتے ہوئے جھٹکے سے نیچے اتارنا چاہا وہ اس کے اسی ہاتھ اسی بازو کو اپنے دونوں ہاتھوں میں دبوچ کر گڑگڑاہٹ زدہ لہجے میں بلک کر کہتی رو پڑی تھی۔

''دھیرج یار حواس سلامت رکھو اتنا ہی پیار آ رہا ہے مجھ پہ تو اندر چلتے ہیں نا یہاں ہم تنہا تھوڑی ہیں۔'' وہ اس پہ جھک کر جس بہکے ہوتے انداز میں گویا ہوا تھا وہ ماہ نور کو منجمد کرنے کے ساتھ ساتھ حواس باختہ بھی کر گیا ذرا سا سنبھل کر اس نے دھندلائی ہوئی آنکھوں کو جھپک کر دیکھا تو پورٹیکو کی سیڑھیوں کے اوپر سے لمبے تڑنگے تین چار لڑکے نظر آ گئے جو اپنے حلیے اور چہروں سے ہی اچھے پولشڈ اور خوشحال نظر آ رہے تھے البتہ ان کے چہروں کی معنی خیز مچلتی مسکراہٹ ضرور ماہ نور پر گڑوں کے حساب سے پانی گرا گئی اسے لگا تھا وہ کھڑی کھڑی زمین میں دھنس گئی ہو۔

کیا واقعی طارق اس کے ساتھ یہ سب کر چکا ہے کیا واقعی وہ اتنا گر سکتا ہے اس کا دل اس یقین کو پاتے ہوئے ہچکچایا تھا۔

''تم واپس چلو مم...... میں تمہاری بات مان لوں گی مما سے بات کرنا وہ انکار نہیں کریں گی۔'' وہ بولی تو اس کا گلا رندھ چکا تھا اسے اپنی آواز اجنبی لگی تھی۔

''ارے۔'' وہ ذرا سا ہنسا اور اسے بغور دیکھا۔

''تم مجھے اتنا احمق سمجھتی ہو نان سینس تمہیں خبر بھی نہیں ہے پھپھو انکار کر چکی ہیں اور اس بات

کی کیا گارنٹی ہے کہ تم بھی بعد میں اس بات پہ قائم رہتی ہو۔'' اس کی مسکراتی ہوئی چمک دار آنکھوں میں ڈولتی حد درجہ بغاوت تندی اور سرد مہری ماہ نور کو ہولانے لگی۔

''تو.....تو اب کیا کرو گے تم۔'' اس نے گم ہوتے حواسوں سمیت بوکھلائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''تمہیں اپنا بنائیں گے تمہیں پیار سکھائیں گے۔'' اتنا غیرت مند تو بہر حال تھا کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ان لڑکوں سے ہیلو ہائے کرتا ہوا وہ اسے کمرے میں لے آیا تھا اور اب وہ تھا اور اس کی بے قابو ہوتی نظریں بے لگام لہجہ ماہ نور کو اپنا وجود ٹھنڈا پڑتا ہوا محسوس ہوا۔

''نہیں پلیز مجھے یوں زندہ درگور مت کرو پلیز معاف کر دو میری خطائیں آئندہ میں کبھی تمہاری مردانہ غیرت کو نہیں للکاروں گی۔'' وہ ہاتھوں میں چہرا ڈھانپ کر زور زور سے رونے لگی تھی۔

''افوہ بھئی جانے بھی دو گزری باتیں ابھی کی بات کرو یہ میرے جان نثار دوست ہیں میرے بلاوے پہ آئے ہیں اگر تم ابھی راضی ہو جاؤ تو قاضی صاحب ہمارے ناموں کو ایک دوسرے سے وابستہ کر دیں گے۔'' وہ اس وقت ہلکے بادامی رنگ کے ٹو پیس میں ملبوس تھا اور بلاشبہ دل کی دھڑکنوں کو جکڑ لینے کی حد تک غضب ڈھا رہا تھا یقیناً اس مذموم ارادے کی خاطر ہی اتنا رگڑ کر شیو بنائی گئی تھی نئے اسٹائل کی ہیر کٹ جو اسے پہلے سے بھی بڑھ کر شاندار دکھا رہی تھی وہ جو کچھ حراساں سی ہو کر اس کی بات سن رہی تھی دل پہ ہاتھ رکھ کر وہیں نیچے ڈھتی چلی گئی دل تو جیسے یہ سنتے ہی پھٹنے کے قریب ہونے لگا تھا۔

''مجھے معاف کر دو میری ماں کے حال پہ رحم کرو طارق ایسا مت کرو یوں عزت کو نیلام مت کرو ایسا کیا ہے مجھ میں کہ تم اس حد تک چلے گئے۔'' وہ باقاعدہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر زار و قطار روتے ہوئے منت پہ اتر آئی۔

''بہت اہم سوال ہے مگر بہت غلط موقع یہ کیا ہے نکاح ہو لینے دو پھر بتاؤں گا ایسا کیا ہے تم میں۔'' اس کی ذو معنی بات میں شوخی اور شرارت رچ بس گئی تھی ماہ نور کو اپنی پیشانی دہکتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

''محض ضد انا یا انتقام کی خاطر کسی کی زندگی کو داؤ پر لگا دینا سراسر غیر انسانی اور وحشیانہ فعل ہے۔'' اس پہ کسی چیز کا اثر نہ ہوتا دیکھ کر وہ غصے میں آ کر پھٹ پڑی گھڑی کی آگے کی سمت سرکتی سوئیاں اس کے وجود سے جان کھینچ رہی تھیں۔

''فضول مفروضے مت گھڑو ایسی بات بالکل نہیں ہے۔'' وہ ہونٹ سکوڑ کر تنفر سے بولا۔

''جیسی بھی بات ہے وہ تو طے ہے کہ میں مر کے بھی تم سے یہ رشتہ استوار نہ کروں اتنی ہی نفرت کرتی ہوں تم سے۔'' بہت دیر تک وہ اپنے مزاج کی تندی برہمی اور تلخی کو نہیں چھپا سکی بھی از حد غصے میں آ کر حقارت سے بولی اس قدر ہتک آمیز انداز میں از سرے نو اپنا رد کیا جانا طارق کو مردانہ انا اور غیرت پہ تازیانہ بن کر لگا تھا جبھی لب بھینچے ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوا تھا۔

''اوکے فائن تم رہو اپنی اس انا زعم نخوت اور نفرت کے ساتھ اس جگہ پہ مقید ہو کر کب تک نہیں مانوں گی کس بل جلد نکل جائیں گے گڈ بائے۔ اب کل ہی ملاقات ہوگی اگر کل نہ آ سکا تو پرسوں ضرور مزاج پرسی کو خاطر حاضر ہو جاؤں گا۔'' اس کے اس درجہ تلخ انداز نے طارق شیرازی کے اندر جیسے آگ بھڑکا دی تھی اور لہجہ ایسا سنگین اور سنگلاخ تھا کہ محض دھمکی نہیں سمجھا جا سکتا تھا وہ اگر اسے یہاں تک لے آیا تھا تو اور بھی سب کچھ کر سکتا تھا دروازہ لاک ہونے اور بھاری قدموں کی آہٹ دور ہوتے محسوس کرتے ہی وہ جو لب بستہ دم بخود سی بیٹھی تھی جیسے تڑپ کر اٹھی اور دونوں ہاتھوں سے وحشت بھرے انداز میں دروازہ دھڑ دھڑا ڈالا۔

''سنو طارق میری بات سنو فار گاڈ سیک مجھے یہاں سے نکالو مجھے یہ سزا مت دو میری مما ہائے اللہ میری مما مر جائیں گی نکال لو مجھے طارق خدا کے لئے مجھے یہاں سے نکال لو میں تمہاری ہر بات مان لیتی ہوں۔'' ایسی وحشت ایسا اضطراب تھا اس کے اندر اتنا ہیجان برپا ہو گیا تھا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی ہوئی سوچے سمجھے بغیر ہتھیار ڈال گئی تھی دروازہ کھلا تھا اور اسے طارق شیرازی کا متبسم چہرا نظر آیا تھا مگر اس کی تیزی سے بھیگتی ہوئی آنکھوں میں اس کا یہ شاندار سا سراپا دھندلاتا چلا گیا تھا۔

☆☆☆

کاش میں تیرے حسین ہاتھ کا کنگن ہوتا
تو بڑے پیار سے بڑے مان کے ساتھ
اپنی نازک سی کلائی میں چڑھاتی مجھ کو
اور بے تابی سے فرقت کے خزاں لمحوں میں
کسی سوچ میں ڈوبی جو گھماتی مجھ کو
بس تیرے ہاتھ کی خوشبو سے مہک سا جاتا
جب بھی موڈ میں آ کر تو مجھے چوما کرتی
تیرے ہونٹوں کی حدت سے میں دہک سا جاتا
رات کو جب بھی تو نیندوں کے سفر پہ جاتی
مرمریں ہاتھ کا تکیہ بنا کرتی
میں تیرے کان سے لگ کر کئی باتیں کرتا
تیری زلفوں کو تیرے گالوں کو چوما کرتا
مجھ کو بے تاب سا رکھتا تیری چاہت کا نشہ
میں تیری روح کے گلشن میں مہکتا رہتا
کچھ نہیں تو یہی بے نام سا بندھن ہوتا
کاش میں تیرے حسین ہاتھ کا کنگن ہوتا

''واؤ امیزنگ یار یو آر ویری لکی رئیلی مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا شہریار تم سے اتنا پیار کرتا ہے کتنی یونیک سی نظم ہے نا۔'' وہ دونوں اکٹھی کینٹین آئی تھیں رابیل کے سیل فون پہ شہریار کا میسج آ گیا تھا رابیل جو روحینہ کی موجودگی میں ایسا بے باک اور فضول سا اظہار پا کر اچھی خاصی خجل ہو چکی تھی اس تعریف پہ بھرپور ناگواری سے بولی تھی۔

''یہ یونیک پریم تو نہیں ہے فار گاڈ سیک اپنے معیار کا گراف تو اونچا کرو۔''

''اوہ شائی گرل کتنی انوسینٹ ہو تم وہ برادرانہ محبت کے جذبات نہیں رکھتا تھا تمہارے لئے دوست ہے تمہارا بلکہ عرف عام میں عاشق۔'' وہ اس کا سرخ تمتمایا ہوا چہرا دیکھتے ہوئے دانت نکالنے لگی۔

''بکومت مجھے یہ فضول گوئی بالکل پسند نہیں۔'' رابیل نے سیل فون بند کر کے بیگ میں رکھا۔

''اچھا اب دوستوں سے بھی پردہ داری۔''

''رابیل سکندر آپ ذرا آفس میں آ کر میری بات سن جائیں۔'' اس سے قبل کہ جواب میں رابیل کچھ کہتی داؤد حسن خان کی بھاری مدھم آواز اسے اپنی پشت پہ سنائی دی تھی وہ اچھل کر پلٹی اور انہیں اسی سنجیدگی اور بربادی سمیت اپنی سمت دیکھتا پا کر اس کے اعصاب تناؤ کا شکار ہوئے تھے۔

''انٹرسٹنگ یار آج تو سورج مغرب کی بجائے لگتا ہے جنوب میں ڈوبے گا سر داؤد اور۔''

''اسائن منٹ جمع کرانے کی تاکید کر رہے تھے اس کی بابت پوچھیں گے تم اپنی انرجی ویسٹ مت کرو۔'' رابیل نے اس کی خوش فہموں پہ بندھ باندھا۔

''آہ کاش جو ہم سمجھتے ہیں وہ ہوتا۔'' وہ بہک کر بولی، رابیل ان سنی کیے تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی تھی۔

''سر کیوں بلایا آپ نے مجھے۔'' ان کے سامنے وہ بگڑے ہوئے موڈ سمیت بچوں کی طرح منہ پھیلائے کھڑی تھی داؤد حسن نے سر اونچا کیا اسے دیکھا اور خود سے ایک سوال کر دیا۔

''آخر تم اس لڑکی کی خاطر کیوں اپنے اصول سے روگراں ہو محض ہمدردی نہیں۔'' اندر سے ترت جواب آیا اور وہ گڑبڑا سے گے۔

''بیٹھ جاؤ رابیل۔''

''آپ کو مجھ کہنا ہے کہیں میں ایسے بھی سن ہی رہی ہوں۔'' جواباً وہ اسی روٹھے ہوئے مگر تیز لہجے میں بولی۔

''اس روز ہوٹل میں وہ لڑکا کون تھا تمہارے ساتھ۔'' ان کا سوال تھا یا تیز انی جو رابیل کے دل میں پیوست ہوئی تھی۔

''آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔'' اس نے کچھ تنفر سے انہیں دیکھا۔

''رابیل وہ اچھا لڑکا نہیں ہے میں جانتا ہوں اسے وہ۔''

''انف سرپلیز انف مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آپ کو مجھ سے اس حد تک دشمنی ہو گی ویسے یہ ہے کیا دشمنی یا رقابت۔'' وہ اچانک بھڑکیلے انداز میں کہتی انتہائی سرد لہجے میں کاٹ سمو کر بولی تو داؤد حسن خان اپنا اشتعال دبانے کو محض لب بھینچ کر رہ گئے۔

''یہ کوشش ترک کر دیں سر اب اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے اس لئے کہ وہ میرا فیانسی ہے رہ دن گئے سر جب رابیل سکندر سے آپ کچھ کہیں اور وہ انکار کر دے۔'' وہ تنک کر کہتی ایک جھٹکے سے مڑی اور باہر نکل گئی داؤد حسن خان جیسے حق دق کھڑے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

☆☆☆

''کانگریجویشن مسز نور شیرازی۔'' وہ تو جیسے سارا انتظام کر کے آیا تھا اس کے ہاں کرنے کی دیر ہوئی تھی کہ تمام کاغذی کاروائی مکمل کی گئی اور اس اس کی رضا کے بغیر کسی کا بنا دیا گیا کتنا بے بس

کتنا مجبور ہو گئی تھی کسی برس طرح سے لٹی تھی اب کیا چارہ تھا سوائے آنسوؤں کے جو وہ بے دریغ بہا رہی تھی۔

''پانچ بج گئے ہیں لڑکی سنبھالو خود کو ہماری ساس صاحبہ اب آپ کا انتظار کر رہی ہوں گی۔'' اسے اشک شوئی میں مصروف دیکھ کر طارق نے مسکراہٹ دبا کر کیا تھا مسلسل رونے سے کیسا نکھار آ گیا تھا اس کے صبیح اجلے چہرے پہ جیسے ابھی ناریل دودھ اور عرق گلاب سے منہ دھو کر آئی ہو نوخیز حسن مزید قاتل ہو گیا پرسوز سا روپ گویا پورے ماحول کو سحر زدہ کر رہا تھا، شفاف آنکھوں کے روش پہ تیرتے سرخ ڈورے اس کی آنکھوں کو اتنا حسین بنا چکے تھے کہ وہ خود کو کسی گستاخی سے باز رکھنے کو نظر چرانے پہ مجبور ہوا تھا، اس پہ بھی جیسے ان الفاظ نے اثر دکھلایا تھا وہ یونہی روتی سسکتی تڑپتی اٹھی تھی۔

''سنو تمہاری گریہ وزاری دیکھ کر ایک نظم یاد آ رہی ہے اجازت ہو تو پیش کروں۔'' وہ اسے دیکھ کر حظ اٹھانے والے انداز میں بولا کتنا فریش سا تھا اس کا لہجہ سرشاری ترنگ اور سرمتی لئے چال میں کیا غرور سا بھر گیا تھا فاتح جرنیل کی طرح اکڑ کر چلتا ہوا وہ اسے پہلے سے بھی بڑھ کر زہر لگا۔

وقت رخصت دل کا
عجب عالم تھا مت پوچھو
بہت سے خوف تھے دل میں
قدم مشکل سے اٹھتے تھے
نہ آنسو میرے رکتے تھے
تڑپ کر میں یہ کہتی تھی
یہ ہیں اجنبی انجان
نہیں جانا مجھے روکو
میرے بھائی میرے ابو
خدا کے واسطے روکو
وقت یوں اب بدلا ہے
یا میرا دل ہی پگھلا ہے
جواب ہر دم یہ کہتا ہے
میرے بچے میرا ساجن
میں ان پہ وار دوں تن من
یہ کہنا ہے اس دل کا
میری جنت میرا گھر ہے

''مجھے اسی وقت کا انتظار ہے۔'' پہلی مرتبہ اپنے شرعی استحقاق کو استعمال کرتے ہوئے اس کے مخملیں سفید ہاتھ کو اپنے مضبوط ہاتھوں کی فولادی گرفت میں لے کر وہ ایک شوخی آمیز اپنائیت سے بولا۔

''ماہ نور۔'' ماہ نور کا دل ناگواری و برہمی کے ساتھ خوف کے حصار میں ڈوبتا دھڑکنا بھول نے لگا

اس کا سرد یخ بستہ ہاتھ اس کے پر حدت ہاتھ کی پر جوش گرفت میں محض کپکپا کر ہی رہ گیا بیک وقت شرم اور غیض کی شدت نے اسے منجمد کیا تھا اس نے بھیگی ہوئی کانپتی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا اس کا ایک دم چھا جانے والا لمبا چوڑا آہنی سراپا اتنا نزدیک تھا کہ اس کی سانسیں گرم بھاپ کی مانند ماہ نور کی اپنا تن من جھلساتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔

''حسرتوں کے مزار بنیں گے تمہارے ان پہ بیٹھ کر تا عمر آنسو بہانا مگر یہ کبھی نہیں ہوگا۔'' اپنا ہاتھ پوری قوت مجتمع کرنے کے باوجود بھی جب وہ اس کی گرفت سے چھڑانے میں ناکام رہی تھی حلق کے بل چیخی تھی۔

''طارق شیرازی کی طاقت کا شاندار مظاہرہ دیکھ لینے کے بعد اب آپ کو بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے میم ایسا نہ ہو آپ ہمیں للکاریں اور ہم......'' وہ دانستہ فقرہ ادھورا چھوڑ کر معنی خیز نگاہوں سمیت اسے دیکھتے ہوئے مسکرایا، ماہ نور کی آنکھیں بے بسی کے شدید احساس سمیت چھلک چھلک گئیں۔

''واپس چلو مما پریشان ہو رہی ہوں گی۔'' چادر درست کرتے ہوئے وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی تھی۔

''یار دوستوں نے گلے لگا کر مبارک باد دی ہے روکھی پھیکی سہی مگر بہر حال یہ شادی تو ہوئی ہے نا یار اور کچھ نہیں کم از کم ایک بار گلے تو......'' وہ بن پیئے بہک رہا تھا خفت و خجالت کے ساتھ شرم و حیا کا زبردست ریلا اسے نہ صرف رخ پھیرنے بلکہ خود میں سمٹ جانے پہ بھی اکسا گیا تھا ہاتھوں میں چہرا ڈھانپے وہ بے بسی کی انتہاؤں پہ پہنچتی بے تحاشا رو پڑی۔

''اوہ سوری یار یہ تو مذاق تھا اٹس آل رائیٹ چلو چلتے ہیں۔'' وہ یوں اس کے رو دینے سے شرافت کے جامے میں لوٹتا ہوا بولا اسے چھیڑنے ستانے کا ارادہ فی الحال کسی اور وقت کے لئے اٹھا کر رکھ دیا تھا۔

میں صابروں کے قبیلے سے ہوں مگر میرا رب
وہ محتسب ہے کہ سارے حساب رکھتا ہے

اس کے سنگ بڑے اطمینان سے چلتے ہوئے طارق شیرازی نے ایک مرتبہ پھر ذومعنی انداز میں شعر پڑھا ماہ نور کا دل پل بھر کو تھم کے بے تحاشا دھڑکا ناگواری غم و غصے کے ساتھ یہ نیا نویلا احساس کیسا تھا وہ قطعی انجان سی رہی تھی۔

''سنو یہ آنسو پونچھ لو پھپھو کو کیا وضاحت دو گی ان کی۔'' نازک لرزیدہ لب بھیگ کر غضب ڈھا رہے تھے لانبی پلکوں کی جھالریں صبیح گالوں پہ محشر برپا کیے اس کی برداشت ضبط کا امتحان بنی تھیں کتنا پیارا تھا یہ انوکھا سا روپ پلیز طارق نے ٹشو کیس سے ٹشوز نکال کر اس کی سمت بڑھائے جسے اس نے نگاہ اٹھا کر بھی دیکھنا گوارا نہیں کیا۔

''اگر میں خود یہ جسارت کروں گا تو تمہیں یقیناً اچھا نہیں لگے گا۔'' لبوں کے گوشوں میں مچلتی مسکراہٹ لئے وہ یک ٹک اس کا کترایا ہوا انداز ملاحظہ کر رہا تھا ماہ نور نے زچ ہونے والے انداز میں اسے دیکھا تھا پھر جان چھڑانے کو ٹشو اس کے ہاتھ سے جھپٹ لئے تھے۔

''اب چلیں گے یا یہیں رات گزارنے کا ارادہ ہے۔'' اسے اس درجہ اطمینان تاؤ دلا گیا تھا۔

''ماہ ظالم لڑکی ہونا تو ہی چاہیے مگر۔'' ماہ نور نے بے بسی سے ہونٹ کچل کر اسے دیکھا تھا طارق ان نگاہوں کی التجا کو سمجھتا ہوا گہرا سانس کھینچ کر گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا ماہ نور نے سیٹ کی بیک سے سر ٹکا کر خود کو ریلیکس کرنا چاہا تھا۔

''تم جیسی بے حس پتھر لڑکی کے دل میں محبت کا جذبہ بیدار کرنا بھی گویا پہاڑوں کے بیچ دودھ کی نہر کھودنا ہے لو بتاؤ ہے ظلم کہ نہیں بھلا اتنی اہم پوسٹ پہ فائز ہو کر بھی فاصلوں کو جوں کا توں برقرار رکھا ہے۔'' اس کا انداز دھائی دینے والا مگر سراسر شرارتی تھا ماہ نور اس کے اپنے لئے اوپن کیئے فرنٹ ڈور کو اگنور کر کے پچھلی سیٹ پہ بیٹھی تھی اب وہ یہی بات بہت دردیلے انداز میں جتا رہا تھا۔

''جو کارنامہ تم نے انجام دیا ہے اس سے تمہارے علاوہ بدقسمتی سے میں واقف ہوئی ہوں ساری دنیا کو پتہ نہیں ہے میں کوئی اسکینڈل نہیں چاہتی۔'' وہ جو قسم کھا کر بیٹھی تھی اس [illegible] ت کا جواب نہیں دینا تلملا کر بھڑک اٹھی تھی، طارق شیرازی بے ساختہ و بھرپور انداز میں

''اوہ آئی سی تو اب میں سمجھا موڈ اتنا آف کیوں ہے تو صدمہ اس قدر خفیہ کاروائی پہ ہوا ہے ڈونٹ مائنڈ مائی سویٹ وائف رخصتی اور ولیمہ پہ ہر کام تھرو پراپر چینل۔''

''طارق چپ ہو جاؤ ورنہ یاد رکھو میں تمہارا سر پھوڑ دوں گی یا چلتی گاڑی سے چھلانگ لگا کر اپنی جان دے دوں گی۔'' وہ یکلخت بے تحاشا سرخ پڑتی چلانے لگی۔

''لیجیے جناب آپ کا حکم سر آنکھوں پہ۔'' اس نے باقاعدہ ہونٹوں پہ انگلی رکھ کر فرمانبرداری کا عملی ثبوت پیش کیا تھا ماہ نور جو ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی لب سختی سے بھینچتی سر جھکا گئی۔

☆☆☆

Young leaves are caming out
Ah that i could wipe away
The drops foom your eyes

اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر میسج کے ساتھ نمبر دیکھا تھا غیر شناسا اجنبی نمبر پہ کون ہو سکتا ہے اس کا دل تیز تیز بے ہنگم سے انداز میں دھڑک رہا تھا کچھ اس قدر کہ اسے لگا تھا جیسے ابھی پسلیاں توڑ کر سینے سے باہر آ گرے گا۔

''یہ شہریار نہیں ہو سکتا تھا وہ کبھی اتنا خوبصورت اظہار نہیں کر سکتا تھا۔''

''تو پھر۔'' اس کا دل اس خیال کے ساتھ ہی اچھلا اور بے تحاشا دھڑکتا چلا گیا اس سے رہا نہیں گیا تھا وہی نمبر پریس کرنے کے بعد اس نے کالنگ کا بٹن پش کیا تھا دوسری سمت بیل جا رہی تھی یہ خفیف سا وقفہ بھی اسے گراں گزرنے لگا۔

''ہیلو رابی ڈیئر ہاؤ آر یو کہو کیسا لگا سرپرائز۔'' وہ گنگناتے ہوئے کہہ رہا تھا اور رابیل گم صم کھڑی تھی۔

کبھی آشنا کہوں گا کبھی اجنبی کہوں گا
جو ملے گا تیرے جیسا اسے زندگی کہوں گا
تیری راہ دیکھتے دیکھتے میری آنکھیں تھک گئی ہیں

☆☆☆

آئی نہ ہم کو راس
صحرا جیسی سرابی
ندی جیسی پیاس

وہ اپنے دھیان میں مگن کچن کی سمت آئے تھے حسب معمول وہ آج بھی رات گئے تک جاگے کہ اگلے دن کا لیکچر تیار کر رہے تھے دوران اسٹڈی انہیں چائے کی طلب اٹھنے پہ مجبور کر گئی تھی یہ صابر بھی اس مرتبہ گاؤں جا کر واپسی کا نام نہیں لے رہا تھا انہیں جھلاہٹ سی محسوس ہوئی تھی کچن کی لائیٹ آن تھی مگر وہ چونکے نہیں تھے کہ غالب امکان اپنی بھول جانے والی عادت پہ گیا تھا مگر کوکنگ رینج کے سامنے کاسنی سوٹ میں ملبوس دوپٹہ شانے پہ پھیلائے لانبی چوٹی سے نکلتی لٹوں کو لاپرواہی سے کان کے پیچھے اڑاسے وہ وہی تھی ان کا دماغ اس ربرو پا کے ایک دم ماؤف ہوا تھا۔

''تم۔'' وہ چیخے تھے۔

''تم پھر آ گئیں مگر کیسے؟'' وہ جو انہیں یوں غیر متوقع طور پہ روبرو پا کے اچھی خاصی گڑبڑا بلکہ گھبرا چکی تھی متوقع بے عزتی اور تذلیل کے خیال سمیت ہی سٹپٹا کر راہ فرار ڈھونڈنے لگی۔

''کیا پوچھا ہے تم سے گھگی ہو یا پھر سماعتیں کام کرنا چھوڑ گئیں۔'' ان کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے نگین شاہ کی خوف سے گھگی بندھ گئی دل دہلا جس بھرپور طاقت سے اس کی کلائی پکڑ کر جھٹکا دیا گیا تھا اس جیسی دھان پان نازک سی لڑکی بے اختیار کسی بے وزن شے کی طرح لڑکھڑا کر گرتے بچی تھی۔

''مم...... میں کہیں گئی ہی نہیں تھی بس آپ کے کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں چھپ گئی تھی کہاں جاتی باہر بہت برے لوگ تھے مجھے بہت ڈر لگتا تھا۔'' وہ بے بسی و لاچاری سمیت ہچکی بے آواز آنسو بہانے لگی، داؤد حسن خان جو اس کے رونے سے قدرے ڈھیلے پڑے تھے لب بھینچ کر اسے دیکھنے لگے۔

''شرم آنی چاہیے تم جیسی لڑکیوں کو ایسے تھرڈ کلاس جذبوں کے منہ زوری پہ غلط قدم اٹھاتے ماں باپ کی عزتیں نیلام کرتے محض ایک انجان شخص کی خاطر سب کچھ داؤ پہ لگا دیتی ہو بالکل رحم نہیں آئے گا تم پہ تم دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' خلاف عادت و مزاج وہ بری طرح برس رہے تھے اندر اٹھتا جلال دبانے کی انہوں نے کوئی شعوری کوشش نہیں کی تھی نگین شاہ کی ڈبڈبائی آنکھوں میں ان کا یہ غیض و غضب سے بپھرا ہوا روپ دھندلانے لگا۔

''مائنڈ یور لنگویج آپ کو بالکل کوئی حق نہیں ہے مجھ پہ اور میرے کردار پہ انگلی اٹھانے کا سمجھے، آپ کسی آشنا کے ساتھ گھر سے بھاگنے یا اپنے ہی گھر اپنے ہی باپ کے ہاتھوں سے اپنی زندگی بچا کر بھاگنے میں اتنا ہی فرق ہے جتنا آپ کے نزدیک ایک عزت دار گھرانے کی آبرو باختہ سرکش تو کسی طوائف کی عزت و ناموس بچانے کی خاطر در در رحم کی بھیک مانگنے والی نہیں سمجھے آپ۔'' وہ بولی تو اس کا گلا رندھ گیا تھا اس سے قبل کہ داؤد حسن خان اس شاک سے نکلتے وہ ایک جھٹکے سے پلٹ کر کچن سے نکل بھاگی تھی۔

''ارے سنو سنو پلیز۔'' وہ بدحواس سے ہو کر اسے پکارتے پیچھے آئے تھے۔

''چھوڑو مجھے میں تمہیں کچھ اور سمجھی تھی غلط اندازہ تھا میرا میں ایک مرد سے اچھائی کی توقع کر بیٹھی۔'' وہ بے تحاشا و بے حساب روتے ہوئے چیخی، یہ تو الٹا گلے پڑنے والی بات تھی عجیب خر دماغ لڑکی تھی بھلا میں طرح وہ ان کے گھر میں چھپ کر بیٹھی تھی کوئی بھی دیکھتا تو کیا کچھ نہ سوچتا باز پرس پہ یوں واویلے پہ وہ تو بیچارے اپنی خطا اپنی غلطی ڈھونڈتے پریشان سے ہو گئے۔

''آئی ایم ساری فار دیٹ دیکھیں میرے رویئے نے آپ کو ہرٹ کیا اگین سوری آپ یہاں بیٹھیں پلیز مجھے اپنے گھر کا ایڈریس نہ بتائیں مگر مجھے بتائیں تو سہی پلیز تا کہ میں آپ کی کچھ مدد کر سکوں مجھے بہر حال افسوس رہے گا اگر آپ کے کام نہ آ سکا۔'' وہ عجلت بھرے انداز میں یوں جلدی جلدی بول رہے تھے جیسے وہ ان کی بات سنے بغیر ہی بھاگ جانے والی ہو۔

☆☆☆

تمہیں اداس سی پاتا ہوں کئی دنوں سے میں
نہ جانے کون سے صدمے اٹھا رہی ہو تم

آج پھر وہ آیا ہوا تھا شوخی شرارت تازگی اور مسکراہٹ جیسے مستقل اس کی رفیق بن چکی تھی ماہ نور تو اسے دیکھتے ہی زخموں کو ہرا ہوتا محسوس کرنے لگتی۔

''پھپھو چائے کا موڈ ہے ایک کی بجائے دو کپ بنایئے بلکہ آپ رہنے دیں ماہ نور بھی تو فارغ ہی ہے ماہ نور پلیز چائے بنا لاؤ۔'' براہ راست اسے دیکھنے اور بات کرنے کا موقع خود ہی ڈھونڈ کر وہ اب اس سے بھرپور فائدہ اٹھا رہا تھا، ماہ نور جو اس کی متبسم آمیز کہتی نظروں سے اندر ہی اندر حراساں تھی اس بہانے سے تیزی سے اٹھ کر چلی گئی اور اب وہ بہت جذب سے یہ نظم طلحہ کے ذریعے اسے سنا رہا تھا اور ماہ نور کا بس نہیں چل رہا تھا اس کی زبان کھینچ لے۔

وہ شوخیاں وہ مبہم وہ قہقہے نہ رہے
ہر ایک چیز کو حسرت سے دیکھتی ہو تم
چھپا چھپا کے خاموشی میں اپنی بے چینی
خود اپنے راز کی تشہیر بن گئی ہو تم

''یا اللہ۔'' اس کی بھاری بھرکم خوبصورت اتار چڑھاؤ لئے دلنشین آواز بخوبی کچن کی کھڑکی سے اس تک پہنچ رہی تھی۔

''یا اللہ یہ دن بھی دیکھنا ہے۔'' اس کی آنکھیں بھیگتی چلی گئی تھیں بے بسی بے چارگی اسے رو ہنسا کر رہی تھی اس روز وہ زندگی میں پہلی بار [illegible] اور وہ بھی طارق شیرازی کے ساتھ مما چوکھٹ پہ ہی اس کی منتظر تھیں ہزاروں خدشات دل [illegible] دبائے مگر اس پریشانی کے عالم میں بھی وہ اسے طارق کے سنگ دیکھ کر چونکی تھیں۔

''پوچھیں پھپھو اسے کیا ٹینشن تھی بیچ سڑک تفکر کا وہ عالم تھا کہ کیا اقبال پہ وارد ہوتا ہوگا، ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا میرے ساتھ آنا کہاں گوارا تھا وہ تو مانیں محترمہ کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی بھلا بتائیں پرس چھن جانے کا اتنا صدمہ کہ بندہ اپنا آپ ہی بھلا دے میں تو کہہ رہا تھا دے دیتا ہوں اور ساتھ میں وہ رقم بھی مگر بہت خود دار ہیں۔'' ماہ نور کو راستے بھر یہ خیال ایک بار بھی نہیں آیا تھا وہ اپنی شدت گریہ سے سرخ متورم آنکھوں کا کیا [illegible] پیش کرے [illegible] کے [illegible]

اسے اس زحمت اور بوکھلاہٹ سے کس درجہ خوبصورتی سمیت طارق شیرازی نے بچایا تھا وہ اتنی نفرت اور عناد کے باوجود ایں پل اس کی ممنون ہوئی سر جھکائے اندر چلی گئی تھی۔

''آپ کڑی پکار رہی تھیں پھپھو میں تو کھانا کھانے آیا ہوں رئیلی آج دوپہر کچھ بھی نہیں کھایا پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں۔'' وہ مخصوص قسم کی بے تکلفی سے بھی کہیں دو چار ہاتھ آگے بہت دھڑلے سے کہہ رہا تھا، دوپہر کے ذکر کے ساتھ ہی ماہ نور کو جانے کیا کچھ یاد آیا اور حلق میں کڑواہٹ کے ساتھ آنسوؤں کی تلخی گھلنے لگی، کیا وہ واقعی وہ سب کر گزرتا یا مجھے حراساں کرنے کو اسے ایک دم اپنے ناقابل تلافی نقصان کا احساس مارے ڈالنے لگا یہ کیا کر دیا میں نے اور کیوں مما کی خاطر بھی کیوں؟ اس کا جی گھبرانے لگا تھا۔

''یہ چائے بن رہی ہے یا کچھ اور حد ہوگئی سستی کی دیکھولڑکی کل تمہیں سسرال بھی سدھارنا ہے نام ڈبوؤ گی تم ہماری پھپھو کا۔'' وہ اس کے سر پہ آکر معنی خیزی سے آنکھیں گھما کر بولا تو ماہ نور نے اپنے خیالات سے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''میرے خیالوں میں اس طرح گم رہو گی تو رسوائی ہوگی۔'' وہ مسکرا کر چھیڑنے کے انداز میں بولا۔

''جاؤ یہاں سے میں چائے وہاں لا رہی ہوں۔'' اس نے دانت پیس کر برہمی سے کہا اس کی بڑھتی ہوئی شوخیاں اس کی جان سولی پہ لٹکا رہی تھیں۔

''کیا سوچیں گی مما تمہیں خیال کرنا چاہیے۔'' وہ جیسے روہانسی ہوئی۔

''ہائے تم اور تمہاری مجبوریاں سچ جی چاہ رہا ہے دونوں کو اٹھا کر دل میں رکھ لوں۔'' وہ بہکے ہوئے انداز میں کہہ کر اس کے فق ہوتے چہرے کو دلچسپی سے دیکھنے لگا۔

''کک...... کیا جا رہے ہو واپس؟'' ماہ نور نے زچ ہو کر پوچھا تھا۔

''تم کہو تو ابھی نہیں جاتا ویسے عجیب بیوی ہو شوہر کے جانے سے راضی ہونے والی تم۔'' ماہ نور بے بسی کی نگاہ سمیت اسے دیکھا، طارق ہنستا ہوا باہر آ گیا، مما نے ایک بار پھر بہت چونک کر بہت گہری مگر متفکر نگاہ سمیت اسے دیکھا تھا اور اس کے شانے کے پار ٹرے میں بھاپ اڑاتے مگ لیئے کچن سے باہر آئی ماہ نور کو جس کے چہرے پہ عجیب سا سوز تھا تفکر گھبراہٹ جھجک خوف کتنی شکنیں تھیں اس کے چہرے پہ کبھی وہ طارق شیرازی کی موجودگی میں اس کے چہرے پہ صرف ایک رنگ دیکھا کرتی تھیں بے زاری و اکتاہٹ کا اور اب، ان کے دل نے ایک بیٹ مس کی تھی وہ اپنی بیٹی کے بدلے ہوئے رویئے سے الجھنے کی بجائے پریشانی و تشویش میں مبتلا ہوئی تھیں انہوں نے ایک چور نگاہ برآمدے میں کرسی پر بیٹھے طارق شیرازی پہ ڈالی بلیک جینز پہ ہاف سلیو وائیٹ شرٹ میں لاپرواہی سے بال بکھرائے وہ اس عام اور گھریلو حلیے میں بھی اپنی ٹھٹھکا دینے والی سحر انگیز خوبروئی سمیت اتنا شاندار اتنا چھایا ہوا لگ رہا تھا کہ کسی بھی لڑکی کا اس مردانہ وجاہت کے سامنے دل ہار دینا کچھ ایسا عجب بھی نہیں تھا پھر ماہ نور عمر کے جس دور سے گزر رہی تھی وہاں ایسی جذباتیت اور حماقتوں کا امکان بہت روشن رہا کرتا ہے ان کا دل یکدم ہی گھبرا کر ٹیس دینے لگا انہیں یاد کرنا پڑا تھا ماہ نور کا رویہ کب سے اس تغیر کا شکار ہوا تھا، شاید اس شام کے بعد جب وہ طارق شیرازی کے ساتھ گم صم سی گھر لوٹی تھی اتنی گم صم کہ انہیں تشویش ہونے لگی تھی طارق شیرازی نے ماہ نور کے ہاتھ

سے چائے کا کپ لیتے ہوئے بہت گہری نظروں سے اسے دیکھا تھا اور اس کی آنکھوں میں جھانک کر مسکرایا تھا ماہ نور نے گھبرا کر پلکیں جھکا دی تھیں، وہ بظاہر عینا اور طلحہ سے باتیں کر رہا تھا مگر اس کی توجہ ماہ نور کی سمت ہی تھی انہیں لگا تھا جیسے وہ اپنا ضبط کھو کر پاگلوں کی طرح چلانا شروع کر دیں گی۔

''ماہ نور۔'' باوجود ضبط کے وہ دبے ہوئے لہجے میں چلائی تھیں، ماہ نور جو طلحہ کو چائے دے رہی تھی بری طرح چونکی۔

''جی مما۔''

''یہاں آؤ ہلکہ کچن میں جاؤ دیکھو ہانڈی لگنے کی بو آ رہی ہے۔'' ان کا تنفس تیز ہوتا جا رہا تھا ماہ نور نے کچھ حیرانی سمیت انہیں دیکھا پھر تیزی سے اٹھ کر کچن میں چلی گئی جبکہ وہ گہرے گہرے سانس کھینچتے ہوئے اپنا طیش دبانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

☆☆☆

کسی سے بات کرنا بولنا اچھا نہیں لگتا
تجھے دیکھا ہے جب سے دوسرا اچھا نہیں لگتا
تیری آنکھوں میں، میں نے جب سے اپنا عکس دیکھا ہے
میرے چہرے کو کوئی آئینہ اچھا نہیں لگتا
تیرے بارے میں دن بھر سوچتا رہتا ہوں میں لیکن
تیرے بارے میں سب سے پوچھنا اچھا نہیں لگتا

پتہ نہیں اسے عادت تھی اپنے جذبوں کو شاعری میں ڈھال کر پیش کرنے کی یا وہ محض اسے متاثر کرنے کو خواری سہہ رہا تھا جو بھی تھا بہر حال اب اس کا یہ انداز رابیل کو پہلے کی طرح برا بھی نہیں لگتا تھا۔

''رابیل میں واقعی کنفیوژڈ ہو رہا ہوں پہلی بار بردکھاوے کو آیا ہوں نا اس لئے۔'' وہ آف وائیٹ پینٹ کوٹ میں ملبوس ہمیشہ سے بھی کچھ زیادہ اچھا لگ رہا تھا۔

''ٹیک اٹ ایزی شہری ریلیکس کرو خود کو ڈیڈ عام روایتی فلموں کے ٹیپکل فادر نہیں ہیں ان کو میری خوشی مقدم ہو گی۔'' رابیل نے ملازمہ کو واپس جانے کا اشارہ کیا جو ابھی لوازمات سے لدی پھندی ٹرالی لے کر ڈرائینگ روم میں آئی تھی۔

''کیا لو گے جوس یا کوک۔'' وہ باؤل سے چمٹے کی مدد سے آئس کیوبز نکال کر بلوریں انتہائی نفیس جار میں ڈالتے ہوئے اسے مخاطب کر کے بولی۔

''جو مرضی دے دو۔'' وہ ڈرائینگ روم کی چکا چوند روشنی میں چمچاتی ہوئی آرائش کی قیمتی ترین اشیاء کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''تمہارا گھر بہت آرٹسٹک انداز میں سجایا گیا ہے۔'' وہ بہت متاثر نظر آ رہا تھا رابیل نے جواب دیئے بغیر گلاس میں فریش ایپل جوس نکال کر اس کی سمت بڑھا دیا۔

''تھینکس۔'' شہریار نے آہستگی سے گلاس لے لیا۔

''رابیل مجھے ڈر لگ رہا ہے اگر تمہارے ڈیڈ کو میں اچھا نہ لگا انہوں نے مجھے ریجکٹ کر دیا تو۔'' وہ جوس کا سیپ لیتے ہوئے متوقع حادثے کے متعلق سوچ کر ابھی سے ڈسٹرب تھا رابیل نے

سپاٹ نظروں سے اسے دیکھا۔

''تو...... تو کچھ نہیں جب سر نے مجھے رد کر دیا میں نہیں مر گئی تو تمہیں بھی کچھ نہیں ہو گا۔'' اس کے اندر زہر پھیلنے لگا۔

''رابیل جب میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا یہ بغور جائزہ سمجھو میرا میرے دل سمیت بیڑا غرق کر گیا پہلی رات کو تو نیند غائب ہوئی ہی تھی مگر اگلی راتیں بھی رتجگوں میں ڈھلنے لگیں یہ محبت وہ بھی پہلی نظر کی محبت بھی اتنی شدید کہ عشق سے کوئی قریبی تعلق جڑتا نظر آتا تھا رئیلی رابیل اگر تم میرے جذبوں کو پذیرائی نہ سونپتی تو یقیناً میں خودکشی کر لیتا۔'' وہ اس کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں جکڑے بہت ڈوبے ہوئے انداز میں یقین دلا رہا تھا جب ڈیڈ دروازے کے پاس سے گزرتے ہوئے ٹھٹکے اور انہیں کچھ غیر یقینی سے دیکھتے اندر کمرے میں آ گئے ان کی نگاہوں میں اتنی ناگواری اور سرد مہر سا تاثر تھا کہ شہریار کے ساتھ رابیل بھی کچھ سٹپٹا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ڈیڈ دس از شہریار اور شہریار یہ میرے ڈیڈ ہیں۔'' وہ ان کی نگاہوں کی حد درجہ تندی اور بیگانگی کے سامنے بوکھلائے جا رہی تھی۔

''کون شہریار؟'' انہوں نے شہریار پہ اچٹتی تحقیر بھری نگاہ ڈال کر نخوت بھرے انداز میں سوال کیا تو رابیل کو شہریار کے سامنے بے تحاشا محاسبگی کا احساس ہوا تھا۔

''ڈیڈ۔'' اس نے کچھ تلخی سمیت کہتے انہیں دیکھا۔

''یہ شہریار گیلانی ہیں میرے دوست آپ سے ملنے آئے ہیں کیوں؟ یہ خود بتائیں گے ایکسکیوزمی۔'' اپنی بات مکمل کر کے وہ شہریار کو ان کے سامنے ڈانوں ڈول چھوڑ کر ہوا کے جھونکے کی مانند باہر نکل گئی انہوں نے پلٹ کر قہر برساتے تاثرات سمیت شہریار کو دیکھا تھا۔

''دیکھو لڑکے تم جو کوئی بھی ہو اور جس مقصد کے لئے بھی مجھ سے ملنا چاہتے ہو مجھے اس سے قطعی کوئی دلچسپی نہیں ہے میں بے حد تھکا ہوا ہوں اور اس وقت بالکل اس موڈ میں نہیں سو تم جاؤ یہاں سے۔'' شہریار کو بے تحاشا تاؤ آیا تھا توہین کا سلگتا ہوا سا احساس اسے پل بھر میں جلا کر خاکستر کر گیا احساس ذلت کے تیز رو شعلے نے اس کا چہرا بے تحاشا سرخ کر ڈالا وہ شعلے برساتی نظروں سے انہیں دیکھتا میز کو زوردار ٹھوکر رسید کرتا تن فن کرتا ہوا کمرے سے نکل گیا ڈیڈ نے طیش کے عالم میں بریف کیس دور اچھال کر ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی تھی اور گرنے کے سے انداز میں صوفے پہ بیٹھ گئے انہیں ابھی تک یہ یقین نہیں آ رہا تھا ڈرائینگ روم میں چند لمحوں قبل جو سلگتا ہوا منظر انہوں نے دیکھا اس کا ایک حصہ ان کا لخت جگر ان کا اپنا خون بھی ہو سکتا ہے۔

(باقی آئندہ ماہ)

میرے ساحر سے کہو

ام مریم

کتنا سہل جانا تھا
خوشبوؤں کو چھو لینا
بارشوں کے موسم میں شام کا ہر اک منظر
گھر میں قید کر لینا
روشنی ستاروں کی مٹھیوں میں بھر لینا
کتنا سہل جانا تھا
خوشبوؤں کو چھو لینا
جگنوؤں کی باتوں سے
پھول جیسے آنگن میں
روشنی سی کر لینا
اس کی یاد کا چہرا
خوابناک آنکھوں کی
جھیل کے گلابوں پر دیر تک سجا رکھنا
کتنا سہل جانا تھا
اے نظر کی خوش فہمی اس طرح نہیں ہوتا
تتلیاں پکڑنے کو دور جانا پڑتا ہے

چوتھی قسط

''اس سے قطعی کوئی غرض نہیں ہے ان مطلق العنان فرعون صفت مردوں کو ہاں البتہ اگر جو مہرو آپی کی طرح چور دروازہ تلاش کر کے رات کے اندھیرے میں ان قاتل غلام گردشوں سے نکل جانے کا سوچا بھی جائے تب اسے یہ ضرور عزت کا جنازہ نکالنے کے جرم نہیں اپنے ہاتھوں زہر پلانے کا جراُت مندانہ قدم بہت فخر سے اٹھاتے ہیں، یہ بغاوت سرکشی گناہ اور ناقابل معافی جرم ہے جبھی اس کا فوری ادراک بے حد اہم ہے مجھے سمجھ نہیں آتی مجھے آج تک سمجھ نہیں آسکی مجھ جیسی ڈرپوک اور بزدل لڑکی کو اتنا بڑا قدم اٹھانے پہ آخر کس بات نے مجبور کیا مہرو آپی کی غیر یقینی حیرت غم و رنج سے پھٹی کھلی مردہ آنکھوں نے یا زیبی آپی کی وحشت انگیز دیوانگی بھرے دوروں نے جب وہ اپنے ہی بال نوچ نوچ کر اتنا چیختی کہ ان کی یہ ہسٹریائی چیخوں کے ساتھ حویلی کے مضبوط درو دیوار بھی لرز اٹھتے یا پھر اس رات غیر متوقع طور پہ بابا سائیں اور سانول ادا کی باتوں نے جو کسی بے قرار روح کی مانند ہے حویلی کی راہداریوں میں پھرتے اس نے نا چاہتے ہوئے بھی سن لی تھیں، ادا سائیں سے کہہ رہے تھے بلکہ کہہ کیا رہے تھے انہیں آمادہ کر رہے تھے ان کا خیال تھا مہرو اور زیبی آپا کی طرح ایک نہ ایک دن بھی یہ عشق و عاشقی کا دورہ پڑ سکتا تھا میں بھی کسی کمی کمین سے محبت کر کے ان کی عزت خاک میں ملا سکتی تھی، ہاہ عزت اور میرا ادا سائیں جو اپنی درندگی اور سفاکی میں صرف ملکوال میں ہی نہیں آس پاس کے گاؤں کی خواتین کی عزتوں کے سب سے بڑے لٹیرے پڑے تھے اپنی وے مجھے اس روز یہ انکشاف بھی ہوا تھا کہ زیبی آپا نے بھی کسی کمی ہاری کسی پڑھے لکھے بیٹے سے محبت کی تھی ادا سائیں نے انہیں اپنی آنکھوں سے اس لڑکے سے ملتے دیکھا تھا اور اسی پل طیش میں آکر اس لڑکے کو کلہاڑی کے پے در پے وار کرتے ہوئے زیبی آپا کی آنکھوں کے سامنے ٹکڑوں میں تبدیل کر دیا تھا زیبی آپا کے ساتھ یہ واقعہ کم و بیش میرے ہوش سنبھالنے سے بھی پہلے پیش آچکا تھا، وہ وقت تھا اور آج کا دن زیبی آپا دوبارہ نارمل نہیں ہو پائی تھیں اس وقت انہیں مہرو آپی کی طرح شوٹ نہ کرنے کی وجہ انہیں حویلی کی خواتین کے لئے نشان عبرت بنانا تھا مگر اس نشان عبرت سے سبق حاصل کرنے کی بجائے جب مہرو آپا گاؤں میں شہر سے آنے والے ڈاکٹر میں انوالو ہوئیں تو نتیجہ دونوں کی موت کی صورت نکلا اس واقعے نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا اور میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی ایسے کسی چور دروازے کو نگاہ بھر کے بھی دیکھنے کا کجا اسے پار کرنے کا سوچنا مگر حالات بسا اوقات وہ سب کچھ بھی کرنے پہ مجبور کر دیا کرتے ہیں، جنہیں انسان کرنا نہیں چاہتا میرے ساتھ بھی ایسے ہی ہوا تھا بابا سائیں اور ادا کی باتیں سن کر مجھے نہ تو افسوس ہوا تھا نہ دکھ جو بیٹی اور بہن کو قتل کر سکتا تھا اس سے ہر قسم کی توقع رکھی جا سکتی ہے اس رات میں مہرو آپی کی یاد میں تڑپ کر جاگی نہ ہی زیبی آپی کی چیخوں سے مضطرب ہو کر، بلکہ وہ پہلی رات تھی جو مجھے اپنی زندگی کے خطرے موت کے خوف نے سونے نہیں دیا مجھے زندگی سے بہت زیادہ محبت نہیں تھی مگر اس حد تک بے قراری بھی نہیں تھی کہ اسے یوں ہاتھ سے جانے دیتی اس حویلی کا کوئی بھی فرد میری مدد کرنے سے قاصر تھا خود میری اماں میں بھی اگر میرے لئے کوئی کچھ کر سکتا تھا تو وہ میں خود تھی اور مجھے فی الوقت سمجھ نہیں آرہی تھی مجھے کیا کرنا ہے اگلا دن اور رات بہت اذیت بھری تھی اس رات میری ملازمہ میرے لئے حسب سابق دودھ کا گلاس لائی تو اس کی آنکھوں کی نمی چھپائے نہیں چھپی تھی اس نے کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے مجھے بتایا تھا کہ وہ مجھے یوں لمحہ لمحہ مرتے نہیں دیکھ سکتی میں نے اس کی بات پہ دھیان نہیں دیا تھا مگر اس کا دھیان پھر بھی مجھ میں ہی

انکار رہا تھا اس نے مجھے دودھ پینے سے منع کرتے ہوئے بتایا تھا کہ اس دودھ کے گلاس میں زہر شامل ہے محض ایک گھونٹ مجھے زندگی سے عاری کر سکتا تھا وہ لمحہ بہت اذیت ناک تھا میں نے گلاس وہیں چھوڑ دیا اور خود واش روم میں بند ہو گئی کمرے سے باہر آکر میں نے یونہی گھبراہٹ دور کرنے کو کمرے کی کھڑکی کھول لی تھی گہرے گہرے سانس کھینچ کر تازہ ہوا کو اندر بھرتے میں قدرے چونکی تھی سبزی سے لدے ہوئے ٹرک آگے پیچھے حویلی کے پھاٹک سے اندر آئے تھے یہ ہماری زمینوں کی پیداوار شہر کی منڈیوں میں سپلائی کرنے والے بابا کے ملازم ڈرائیور تھے جو روٹین کے مطابق منشی کے ساتھ بابا سائیں کو حساب کتاب دینے آئے تھے ایک خیال بہت اچانک میرے دماغ میں گھسا موت کی تاریک کھائی میں زندگی کی طرف ایک کرن چمکتی نظر آرہی تھی میں دودھ نہ پیتی تو کل بابا سائیں یا ادا مجھے اپنے ہاتھ سے زبردستی زہر پینے پہ مجبور کر دیتے یہاں میرے لئے صرف موت تھی جبکہ آج قسمت مجھے ایک سنہرا موقع فراہم کر رہی تھی جسے بغیر ہچکچاتے میں نے اپنی مٹھی میں مقید کر لیا مگر تب زندگی کی خواہش اور زندہ رہنے کی چاہ نے مجھے اس دنیا کے باہر چادر چار دیواری اور تحفظ کی اہمیت کا احساس تک نہیں ہونے دیا تھا مہرو آپا، زیبی آپی بھلے سے اذیت و کرب میں مبتلا رہی تھیں مگر تھیں تو با آبرو مجھے حویلی سے باہر نکل کر سب سے زیادہ اسی کو بچانا دشوار محسوس ہوا تھا یہ لاہور تھا اس سے میں واقف تھی اماں کی منت سماجت اور کچھ قسمت کی یاوری کی بدولت، بہرحال میں نے یہاں کے بہترین اسکول سے میٹرک کیا تھا دو سال قبل سے مکمل طور پہ حویلی میں قید تھی بعد میں موقع پا کر ٹرک سے اتر گئی تھی مگر تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں یا میرے چہرے پہ ہی سب کچھ درج تھا جو بھی تھا بہرحال میں کسی نہ کسی طرح ان آوارہ لڑکوں سے بچ بچا کر آپ کے گھر عارضی پناہ کی خواہش میں دیوار پھلانگ کر آئی تھی کہ گر کر زخمی ہو گئی، آپ مجھے بھلے انسان معلوم ہوتے تھے مگر یوں کسی کے گھر رہا بھی تو نہیں جا سکتا تھا آپ کے کہنے کے باوجود میں اکیلی باہر نکلنے کا حوصلہ خود میں نہیں پا سکی تھی اب آپ سے ریکوسٹ کرتی ہوں پلیز مجھے کسی دارامان میں چھوڑ آئیں۔'' وہ جواب تک مکمل خاموشی سے اسے سنتے ہوئے سچائی کو پرکھنے کی کوشش میں تھے اس کے خاموش ہوتے ہی نگاہ کا زاویہ بدل لیا۔

''دار و امان کی امان کی اتنا بھروسہ مت کریں محترمہ آج کل ان اداروں کی ایسی ایسی رپورٹس میڈیا پیش کر رہا ہے کہ بس۔''

''تو......تو۔'' وہ کچھ گڑبڑائی۔

''میں آپ کی ابھی بھی اسے سنگین غلطی ہی کہوں گا بہرحال آپ کو یوں گھر نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔'' نگین شاہ نے قدرے چونک کر عجیب سی نظروں سے انہیں دیکھا اسے ان کے بے رحم لہجے میں موجود درشتگی و ناگواری سلگا کر رکھ گئی تھی۔

''ہاں مجھے مرنا قبول کر لینا چاہیے تھا شاید آپ کو میری کہانی مشکوک لگی ہے جو آپ اس انداز میں طنز کر رہے ہیں۔'' وہ ہونٹ سکوڑ کر کسی قدر غصے سے بولی تھی۔

''تھینک گاڈ اتنی بھی احمق نہیں ہو۔'' انہوں نے ہنوز اسی سرد انداز میں کہا تھا، نگین شاہ کو اپنی پیشانی سلگتی محسوس ہوئی۔

''مجھے اپنی بات کے سچے ہونے کا ثبوت پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے بیوقوف تھی میں کہ آپ سے کچھ آس لگا بیٹھی چہرے کی شرافت اور وقار سے کچھ غلط توقع قائم کر بیٹھی ہاں غلطی میری

ہے مجھے سزا بھی ضرور ملنا چاہیے۔" وہ دھیمی آواز میں نمی لئے کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی، داؤد حسن خان اطمینان بھرے انداز میں اسے آہستگی سے چلتا دروازے کی سمت جاتا دیکھتے رہے وہ چوکھٹ پہ جا کے تھمی تھی کچھ دیر یونہی کھڑی رہی پھر پلٹ کر آنسوؤں سے جل تھل نین کٹوروں کو اٹھا کر انہیں دیکھا تھا۔

"آپ انسان ہیں یا پتھر میں اتنا روئی ہوں آپ کے سامنے اپنا تمام درد آپ سے بیان کر دیا آپ کا دل پھر بھی نہیں پگھلا اب میں جا رہی ہوں تو مجھے روک بھی نہیں رہے۔"

اف داؤد حسن خان اس اعتماد دھونس اور ڈھٹائی پہ ششدر بھی نہ ہوتے۔

"سنیں آپ کو آپ کی ماں بہن بیٹی یا پھر کسی محبوبہ کا واسطہ ہے پلیز مجھے روک لیں مجھے پناہ دے دیں اپنی عزت کی حفاظت کی خاطر میں آپ کے گھر میں ملازمہ تک بننے کو تیار ہوں پلیز۔" وہ اچانک بھاگ کر آئی تھی اور پنجوں کے بل ان کے سامنے بیٹھ کر دونوں ہاتھ ان کے گھٹنوں پہ رکھتے ہوئے اس قدر لجاجت اس قدر بے بسی سے بولی تھی کہ داؤد حسن خان نہ صرف گڑبڑائے بلکہ اس خوامخواہ کی مصیبت گلے پڑ جانے پہ چڑ بھی گئے۔

"کیا حماقت ہے سراسر بچکانہ پن نان سنس ہٹو پیچھے میں نہ تو تمہارا باپ ہوں نہ بھائی اور نہ ہی شوہر پھر بھلا تمہیں میں کس طرح اکیلے رہتے ہوئے یہاں رکھ سکتا ہوں یہ کوئی فلم یا ڈرامہ نہیں ہے یہاں اس کالونی میں ہی نہیں آس پاس کے پورے ایریے میں میری کوئی حثیت مقام اور عزت ہے جسے تم سے ہمدردی کر کے میں دو کوڑی کا کر لوں اور یہ بات تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو کہ میں ایک اچھا انسان ہوں ہاں۔" انہیں تو اتنا غصہ آیا تھا کہ بے حد و حساب اسی حساب سے اسے دور جھٹک کر وہ برس بھی پڑے تھے ان کا دھکا لگنے سے وہ سنبھلے بغیر لڑکھڑا کر پیچھے کی جانب گری تھی کہنیوں کے سہارے سنبھلتے ہوئے سیدھی ہو کر اس نے شانے پہ ڈھلک کر گود میں جا گرنے والا دوپٹہ اٹھایا تھا اور سلیقے سے اوڑھ لیا۔

"لعنت ہے مجھ پہ کہ آپ سے ہمدردی کی بھیک مانگ کر خود کو ارزاں کیا جا رہی ہوں میں مگر جانے سے پہلے ایک بات آپ کو بتا دوں اگر میر عزت محفوظ نہ رہی تو اس کے ذمہ دار آپ ہوں گے صرف آپ اور اس جرم کی پاداش میں اگر آپ ساری عمر سکون کی تلاش میں نہ بھٹکے تو میرا نام بدل دیجئے گا۔" وہ سسکیاں دبانے کو منہ پہ ہاتھ رکھ کے گھٹی گھٹی آواز میں کہتی کمرے سے نکل گئی تھی داؤد حسن خان سکتے کے عالم میں بیٹھے تھے۔

"اگر میری زندگی برباد ہوئی سر تو اس کے ذمہ دار صرف آپ ہوں گے۔" انہیں لگا تھا رابیل ابھی ابھی انہیں یہ مژدہ سنا کر گئی ہو وہ یکلخت اٹھ کر کھڑے ہوئے تھے اور بیرونی گیٹ سے نکلتی نگین شاہ کو عجلت بھرے انداز میں کلائی پکڑ کر روکا تھا۔

"سنو مت جاؤ تمہیں پناہ چاہیے ٹھیک ہے میں تمہیں پناہ دینے کو تیار ہوں۔" ان کا لہجہ جذبات کو شدتوں سے لرز رہا تھا۔

"مگر مجھے آپ پہ بھروسہ نہیں ہے اس لئے کہ آپ نہ تو میرے باپ ہیں نہ بھائی اور نہ ہی شوہر جبکہ ہمارے معاشرے کے مرد انہی رشتوں کی عورتوں کی عزت کرنا جانتے ہیں۔" اس نے بھرپور تلخی سے کہتے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

"میں تمہیں یونہی پناہ نہیں دے رہا ہوں تمہیں حیثیت اور مرتبہ سے بھی نوازوں گا ڈونٹ

وری۔" وہ دوبارہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لاتے ہوئے اس قدر ٹھوس لہجے میں بولے تھے کہ نگین شاہ نے بہت چونک کر انہیں دیکھا تھا۔

☆☆☆

گہری اور مہربان رات کی قسم
فاصلے تو بس کمزور دل لوگوں کے لئے ہیں
خوف اور بے چینی ہوتے ہیں ورنہ
ایک زمین پر میلوں اور کوسوں کی دوری
محبت کو کبھی شکست نہیں دے سکتی
ہجر جتنا بھی کڑا ہو
اور دوری جتنی بھی دوری ہو
چاہتیں اور سوا ہو جایا کرتی ہیں
گہری اور مہربان رات کی قسم
میں چاہے جہاں بھی ہوں
ایک ایسے کھلے ہوئے دروازے کی مانند ہوں
جس کی دہلیز پر تمہارے ہی قدم لکھے ہوئے ہیں
اور تم چاہے جہاں پر بھی ہو
میرے لئے کسی مشکل گھڑی میں
ایک بھرپور دلاسا اور
ایک ناقابل شکست اعتماد ہو

وہ ایک بار پھر اس کا ضبط آزمانے کو موجود تھا اپنی تمام تر ڈھٹائی سرکشی اور بے نیازی سمیت ایک بولڈ اسٹیپ لینے کے بعد وہ کتنا نڈر ہو گیا تھا یوں جیسے اسے کسی کی بھی پرواہ نہیں رہی تھی جیسے ماہ نور کی اور جان پہ بن آئی تھی۔

"کیوں آئے ہو؟" وہ جتنا ڈسٹرب ہو چکی تھی اس حساب سے تند و تیز لہجے میں بولی تھی۔

"ارے۔" وہ ذرا سا ہنسا۔

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے تمہیں دیکھنے تم سے ملنے جن میں سے پہلی خواہش ہی پوری ہو پاتی ہے بہت ڈھونڈ رہا ہوں۔" اس کی نگاہیں بہت تفصیلی انداز میں اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

"جو کچھ تم کر چکے ہو یہی بہت ہے اتنا مت زچ کرو مجھے احساس ہے تمہارے یوں یکسر بدلے ہوئے انداز سے مما کو شک بھی ہو سکتا ہے۔" اس کا بس نہیں چل رہا تھا اپنا سر پیٹ لے سخت روہانسی ہو کر بولی تھی۔

"تو ہو جائے اچھا ہے نا یہ دوریاں سمٹ جائیں گی وہ کیا بھلا سا شعر ہے۔"

جو جرم محبت میں تمہیں میرا بنا دے
ایسی ہی کوئی پیاری سزا مانگ رہا ہوں

"طارق جاؤ یہاں سے ورنہ....." وہ بھرپور تلخی سے کہتی اسے باہر دھکیلنے کے ارادے سے آگے بڑھی تھی جب مما نے جو انہیں کچن میں باتیں کرتے دیکھ کر بے حد مضطرب ہو چکی تھی اسی

اضطرابی کیفیت میں اندر آئی تھیں مگر ماہ نور کو طارق کے اتنا نزدیک دیکھ کر ان کا چہرہ فق ہوا تھا۔

''ماہ نور تم جاؤ چائے میں بنا دیتی ہوں۔'' انہوں نے سرد نظروں سے چوری بنی ماہ نور کے ہوائیاں اڑاتے چہرے کو دیکھ کر کہا وہ گم ہوتے حواسوں سمیت پلیٹ کر کچن سے نکل گئی تقریباً پندرہ منٹ بعد مما اس کے پاس آئیں تو ان کے چہرے پہ اتنی سنجیدگی اتنی سرد مہری تھی کہ ماہ نور کو اپنا دل رکتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

''انسان خطا کا پتلا ہے غلطی کسی بھی وقت کسی سے بھی ہو سکتی ہے مجھ سے بھی ہوئی مگر بدنصیبی یہ تھی کہ میرے ماں باپ نے اس پہ پردہ ڈالنے کی بجائے اس کی تشہیر کر دی ایسی مائیں اولاد کے سامنے ہمیشہ شرمسار رہتی ہیں میں بھی تھی گو کہ میرے نہ کہنے کے باوجود تم لوگوں تک وہ سب داستان اس سے کئی گنا بڑھا چڑھا کر پیش ہوئی مجھے جس چیز نے ہمیشہ شانت رکھا اور طمانیت بخشی وہ تمہارا آج کل کی عام لڑکیوں کی نسبت صنف مخالف کے لئے سخت اور حوصلہ شکن رویہ تھا اسپیشلی طارق کے معاملے میں میں جانتی ہوں وہ بہت بچپن سے ہی مجھ سے اٹیچ تھا بیچ میں جو بھی حالات رہے اس کی محبت کا وہی عالم رہا مجھے بھی وہ بہت عزیز رہا ہے یہ اٹیچ منٹ یہ محبت مجھ سے تم میں کب کیسے منتقل ہوئی مجھے خبر نہیں ہو سکی۔'' انہوں نے لمحہ بھر کا توقف کرتے ہوئے نگاہ بھر کے سر جھکائے بیٹھی ماہ نور کو دیکھا جو لب کچلتی ہوئی گود میں رکھے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں اضطرابی کیفیت کے زیر اثر ایک دوسرے میں الجھائے ہوئے تھی اس بات پہ گھبرا کے سٹپٹا کے انہیں سر اونچا کر کے دیکھا دراصل وہ ان کی اس تمہید سے اندر سے خائف ہو گئی تھی انہیں کچھ شک ہونے کی ہر پل خوف کی جو تلوار اس کے سر پہ لٹکی رہتی تھی یہی وجہ تھی کہ وہ طارق سے پہلے کی طرح نہ تو سخت رویہ رکھ پا رہی تھی اور نہ ہی دوٹوک کہ کیا خبر وہ کس پل بپھر جائے اور اس سے آگے مما کے رسپونس کے متعلق سوچ کر ہی وہ لرز جاتی تھی مگر اب جس انداز میں مما الرٹ ہوئی تھیں جس طرح انہوں نے یہ بات شروع کی تھی جانے کیوں اسے بہت شدت سے کچھ غلط ہو جانے کا یقین ہوا اور ریڑھ کی ہڈی میں سرد سی لہریں دوڑنے لگیں بامشکل تھپک کر سلائی ہوئی وحشتیں بیدار ہوئیں تو گویا رگ رگ میں محشر بپا ہو گیا۔

''وہ مجھ سے تعاون چاہ رہا تھا مگر میں نے انکار کر دیا۔'' اس کی بے انتہا بدحواسی متوحش نگاہ کو بہت دھیان سے دیکھنے کے بعد انہوں نے اس پہ انکشاف کیا تھا ماہ نور نے بغیر کچھ کہے مضطربانہ انداز میں لب بھینچے اور سر ایک مرتبہ پھر جھکا دیا۔

''یہ تب کی بات ہے ماہا جب میں یہ سمجھتی تھی کہ میری بیٹی کی اس کی ذات میں کوئی انوالومنٹ نہیں ہے مگر اب جانے کیوں میرا دل ڈر رہا ہے طارق کا انداز تو وہی ہے البتہ تم اسے بہت رعایت دینے لگی ہو کہیں کچھ ایسا ہے جو کلک ہو رہا ہے۔'' ماہ نور کا چہرہ ایک بار پھر ہوائیاں اڑانے لگا مما کا اندازہ گو کہ غلط نہیں تھا مگر اسے لگا تھا جیسے یہ باز پرس اس کا سارا خول چٹخا دے گی وہ بے حد خوفزدہ ہو کر تیزی سے دھندلاتی آنکھوں سمیت انہیں دیکھنے لگی ان سے نگاہیں چار ہوتے ہی وہ کچھ مزید بدحواس ہوئی تھی۔

''ایسا کچھ نہیں ہے مما اور انشاء اللہ کبھی ہو گا بھی نہیں۔'' وہ ان کے کاندھے پر سر رکھ کے بھرائی ہوئی آواز میں بولی تھی۔

''آئی ایم ساری بیٹا کہ اگر حالات سازگار ہوتے تو یہ حقیقت ہے تمہارے لئے مجھے اس سے بڑھ کر اور کوئی نہ ہوتا۔'' اس کا سر سہلاتے ہوئے وہ بہت مدھم آواز میں بولی تھیں۔

''میں اس بات سے خائف ہوں بیٹا کہ کل ہر کوئی منہ اٹھا کر ہمیں یہ طعنہ دے کہ ماں کی طرح یہ کیسے کوئی اچھا کام......''

''مما پلیز۔'' وہ سسکی تھی۔

''پلیز ایسی باتیں مت کریں۔'' وہ بہت دقت سے بولی وہ لب بھینچ کر اپنی آہوں پہ قابو پانے لگی تھی عجب دوراہے پہ زندگی آ گئی تھی کیا مما برداشت کر پائیں گی اور میں، میں اتنی کمزور نکلی مائی گاڈ اب کیا ہو گا وہ نئے خدشات کا شکار ہونے لگی تھی۔

☆☆☆

دعا کو ہاتھ اٹھائیں تو دل لرزتا ہے
کہ پڑ نہ جائے خود اپنی نظر وہاں کہ جہاں
نصیب لکھا گیا ہے پتھروں کے حرفوں سے
ہتھیلیوں کی لکیروں کے سیاہ خلاؤں میں
کبھی شبوں کے کسی کربناک لمحے میں
کوئی کراہ جو آ جائے بھول کر لب پہ
تو ہول ہول جاتے ہیں حوصلے سارے
کہ تار تار سماعت کے زخم سارے ہی
دکھے ہوئے ہیں دکھوں کی نارسائی سے
کسے بتائیں کہ جیون کے کارزار میں ہم
عجیب ہارے ہوئے لوگ ہیں کہ ہر لمحہ
شکست ذات کی تصویر میں مقید ہیں
جنم لیا ہے تو اب تک کئی زمانوں سے
ہم ایک طے شدہ تقدیر میں مقید سے

''رانیل کیا ہو رہا ہے؟'' وہ ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ ٹکائے کسی گہری سوچ میں گم تھی سماعتوں میں جیسے ابھی بھی شہریار کا شکستہ مایوس اور یاسیت بھرا لہجہ بازگشت کی طرح سرسرا رہا تھا۔

''کتنا ڈس ہارٹ کیا ڈیڈ نے اسے صرف اس لئے کہ وہ سیدھے راستے سے میرا ہاتھ مانگنے آیا تھا۔'' اس نے افسردگی سے سوچا تھا۔

''بھئی کہاں گم ہو آخر کیا پوچھ رہی ہوں میں۔'' روحینہ نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تب وہ چونکے بنا اسے دیکھ کر گہرا سانس کھینچ کر سیدھی ہو بیٹھی۔

''کبھی مسکرا بھی دیا کرو تمہیں آخر کس احمق نے یہ مشورہ دیا ہے کہ تمہاری خوبصورت مسکراہٹ خرچ کرنے سے کم ہو گی۔''

''روحی پلیز میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' اس نے آہستگی سے ٹوکا۔

''اچھا۔'' روحینہ نے آنکھیں پھاڑ کر اس کا چہرہ دیکھا پھر کاندھے اچکا دیئے۔

''ٹھیک ہے میں پھر کسی وقت آ جاؤں گی اس وقت تو تم لگتا ہے سر کے خیالوں میں مگن رہنا چاہتی ہو۔'' برا منانا اس کی سرشت میں شامل نہیں تھا مہا ڈھیٹ تھی مگر اس وقت بہت موڈ میں آ کر

کہتی جھٹکے سے اٹھی تب رابیل کو نا چاہتے ہوئے بھی اس کا ہاتھ پکڑ کر روکنا پڑا تھا۔

''افوہ یار کبھی تو خود بھی سمجھا کرو میں سر کے خیالوں میں مگن نہیں ہوں بلکہ مجھے شہریار کی فکر ہو رہی ہے یونو ڈیڈ نے شہری کو اچھا خاصا بے عزت کر کے گھر سے نکالا ہے۔''

''واٹ۔'' روحینہ نے انجان بننے کی شاندار ایکٹنگ کو باقاعدہ آنکھیں پھاڑیں۔

''بٹ وائے کیا وہ ان کے گھر چوری کے ارادے سے گھسا تھا۔'' حیرانگی پہ قابو پا کر اب وہ ناگواری و برہمی کا تاثر دینے لگی۔

''نہیں ملنے آیا تھا ان سے حالانکہ میں نے انہیں پہلے سے بتا رکھا تھا آئی ڈونٹ نو کہ ڈیڈ نے اسقدر مس بی ہیو کیوں کیا۔'' وہ ابھی تک پریشان تھی۔

''مجھے کیا کرنا چاہیے روحی۔'' اس سے سوال کرتے وہ روہانسی سی ہوگئی۔

''یونو اگر شہریار بھی خفا ہو گیا وہ بھی مجھے چھوڑ گیا تو، تو میں کیا کروں گی۔'' نین کٹورے چھلک جانے کو بے تاب ہوئے تھے روحینہ نے ایک نظر اس کی وحشت چھلکاتی نم آنکھوں کو دیکھا اور اپنا ہاتھ اس کے نازک دودھیا سفید ہاتھ پہ رکھ کر ڈھارس بندھائی تھی۔

''وہ تمہیں نہیں چھوڑے گا رابیل وہ تم سے محبت کرتا ہے اور محبت کرنے والے یوں منجدھار میں نہیں چھوڑا کرتے تمہیں اس سے ملنا چاہیے اور اپنے ڈیڈ کے مس بی ہیوئیر کا ازالہ کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔'' وہ ہولے ہولے اس کا ہاتھ دباتی اسے سمجھانے لگی ایک ایسے راستے کا پتہ جہاں رابیل جیسی کم ہمت نادان لڑکی کا آگے بڑھنا بہت مشکل تھا۔

''مم...... مگر ڈیڈ ان کا بھی تو سوچو اگر شہریار میرے کہے کورٹ میرج پہ مان بھی جائے تو ڈیڈ کتنا خفا ہوں گے کس قدر ہرٹ ہوں گے۔'' وہ تو بدک ہی گئی تھی۔

''انہوں نے تمہیں ہرٹ نہیں کیا حالانکہ تم ان کی اولاد ہو وہ بھی اکلوتی اولاد انہوں نے تمہاری خفگی کی پرواہ کی۔'' روحینہ نے تیکھے چتونوں سمیت اسے پتہ نہیں کیا باور کرانا چاہا تھا رابیل جواب میں کچھ نہیں بولی البتہ وہ کسی سوچ میں گم ہو چکی تھی اور روحینہ نے بہت گہری اور مسکراتی نگاہوں سے اس کا یہ انداز دیکھا تھا۔

☆☆☆

خواب کی صورت ملا تھا دھڑکنوں تک آ گیا
راستے کا ہمسفر تھا منزلوں تک آ گیا
پھر سے مائل ہو گئی راہوں میں دوری کی فصیل
پھر وہی زہر جدائی قربتوں تک آ گیا
آنکھ یہ کہتی ہے وہ خواب تھا اک رات کا
نیند کی صورت ملا تھا رتجگوں تک آ گیا
اب تو اپنے سے بھی دوریاں بڑھنے لگیں
عمر کا تنہا سفر کن مرحلوں تک آ گیا

وہ ابھی تک جیسے خود کو فضا میں معلق محسوس کر رہی تھی اسے لگ رہا تھا ابھی ابھی جو داؤد حسن خان اس سے کہہ گئے ہیں وہ محض اس کی سماعتوں کا دھوکہ ہے۔

''کیا ایسا ہو سکتا ہے۔''

''بھلا وہ لا ابالی بے نیاز کھلنڈرا سا لڑکا عمر بھر کے لئے اس کا ہاتھ تھامے اور پھر اس بندھن کو نبھائے بھی مائی گڈنیس۔'' اس نے تھک کر سر ہاتھوں پہ گرایا ان کے روک لینے میں جو استحقاق جو اپنائیت اور مان تھا اس سے کتنے آدرش سجا لیے تھے اس نے یہ احساس ہی کتنا سرشار کر دینے والا تھا کہ وہ ایک ایسے شخص کی مالک بن جائے گی جسے دیکھ کر ایک نظر دیکھ کر ہی اس کی حفاظت میں آنے کا جی مچل جائے ان کی بردبار شخصیت میں کچھ تو ایسا انوکھا تھا کہ اس کی آنکھیں ان کی ہمراہی کے خواب دیکھنے لگی تھیں مگر وہ کیا کہہ گئے تھے وقاص ان کا بھانجا جس سے ابھی کچھ دیر پہلے ہی وہ سرسری سا ملی تھی بلیوتنگ جینز پہ بلیک شرٹ پہنے وہ شرارتی سی چمکدار آنکھوں والا لڑکا انہوں نے اس کے لئے سہارا تلاشا تھا جو ابھی خود سہارے کا محتاج تھا اسٹوڈنٹ لائف گزار رہا تھا کب تعلیم مکمل کرتا کب اپنے پیروں پہ کھڑا ہوتا مگر انہیں کیا ہاں انہیں کیا انہوں نے تھوڑا کہا کیا تھا کہ وہ اس کے خواب دیکھے یہ بھی ایک طرح سے ان کا احسان ہی تھا کہ وہ اس کے لئے اتنا کر رہے تھے اس کی آنکھوں میں زبردستی آنسو بھرنے لگے۔

''بی بی صاحبہ بڑے صاحب کہہ رہے ہیں آ کر کھانا کھا لیں۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' وہ بولی تو اس کا لہجہ بھی رندھا ہوا تھا۔

''بھوک کیوں نہیں ہے صابر بتا رہا تھا آپ نے صبح بھی ناشتہ نہیں کیا۔'' اگلے ہی چند لمحوں میں وہ خود اس کے پاس آئے تھے اس نے سر اٹھا کر شاکی نظروں سے انہیں دیکھا۔

''آپ نے جو صبح سے مژدہ جانفزا سنا کر میرے ہوش اڑا رکھے ہیں۔'' اس کا جی سسک کر بولا مگر لبوں پہ تالے پڑے رہے۔

''نگین آپ سے کہہ رہا ہوں کیا مسئلہ ہے طبعیت ٹھیک ہے۔'' وہ اس کی خاموشی مگر بہت کچھ کہتی نگاہوں سے بے نیاز بولے تھے۔

''آپ چلیں آ رہی ہوں۔'' وہ خود پہ قابو پا کر آہستگی سے بولی۔

''ماموں آپ نے بتایا نہیں وہ بیوٹی کوئین آخر ہے کون؟'' ڈائننگ روم کی دہلیز پہ اس کے قدم وقاص کی پر تجسس آواز پہ تھمے تھے۔

''کھانا کھا لو بتا دوں گا۔''

''آپ نے اتنا اچانک بلوایا مجھے کہ کوفت سے برا حال ہو گیا سوچا تھا آپ کو اس گستاخی پہ خوب کھری کھری سناؤں گا مگر سچی بات ہے یار ماموں پہلے ہی مقام پہ محترمہ سے ملاقات ہو گئی ان کا دودھیا نقرئی چاندنی سا وجود دیکھ کر وہ بھی اپنے گھر میں، میں تو یقین ہی نہ کر پایا مجھے لگا جیسے بھٹک کر پرستان میں آ گیا ہوں۔'' نگین کے اعصاب یکلخت کام کرنا چھوڑ گئے وہ وہیں سے پلٹی تھی اور بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی صابر جو کچن سے بریانی کی ڈش لئے آ رہا تھا حیرانگی سمیت اسے دروازے سے ہی پلٹتے دیکھا اور جا کر داؤد حسن خان کو بتا دیا وہ انہوں نے مسکرا کر معنی خیز سی نگاہ وقاص پہ ڈالی۔

''ایسا کرو صابر کھانا ان کے کمرے میں دے آؤ۔''

''جی صاحب!'' صابر سر ہلا کر ایک مرتبہ پھر کچن میں چلا گیا۔

''دیکھ لو تمہاری پٹر پٹر چلتی زبان کی وجہ سے بیچاری دروازے سے ہی بھاگنے پہ مجبور ہو گئی۔''

انہوں نے متبسم نگاہوں سے وقاص کو دیکھتے ہوئے برخلاف عادت قدرے شوخی سے کہا۔

''ارے وہ......'' پہلے حیران ہوا پھر لطف اندوز حیرت ہے حالانکہ انہیں یہ شرمانا میری تعریف پہ نہیں آپ کی ستائش پہ چاہیے وہ بے تکلف قسم کا لڑکا دل کی بات بلا جھجک منہ پہ کہہ ڈالنے کا عادی تھا۔

''میرے......مگر کیوں؟'' وہ قدرے چونکے۔

''وقاص تم جانتے ہو میں نے ایمرجنسی میں کیوں بلوایا ہے تمہیں۔'' انہوں نے کچھ غلط ہوتا محسوس کرتے ہوئے اس وقت اس سے بات کرنے کا سوچا تھا۔

''نہیں مجھے الہام تو نہیں ہوتا ماموں آپ جانتے ہی ہیں۔'' وہ بہت خوش خوراک تھا اس کی ساری توجہ اس وقت کھانے کی طرف تھی۔

''نگلین شاہ میرے کسی بہت پرانے دوست کی بہن ہے جو آج کل ملک سے باہر ہوتا ہے یہ یہاں اپنے فادر کے ساتھ تھیں ان کی ڈیتھ کے بعد کوئی قریبی رشتہ دار کے نہ ہونے کی وجہ سے مجھے انہیں عارضی پناہ دینی پڑی ہے مگر وقاص اب ان کے بھائی کی یہ خواہش ہے کہ میں سرپرست کی حیثیت سے ان کا کسی اچھی جگہ عقد کر دوں اتنی جلدی ایسا ممکن کہاں تھا اس کے علاوہ یہ بھی تو دیکھو کہ اس طرح تین تین مردوں کی گھر میں موجودگی میں ایک تنہا جوان لڑکی کا یہاں قیام بالکل مناسب نہیں بغیر کسی شرعی رشتے کے مجھے فوری طور پہ صرف تمہارا ہی خیال آسکا، نگلین کو تو تم دیکھ چکے پسند بھی آئی تو کیا خیال ہے کسی شام نکاح کی سنت نہ ادا کر لی جائے۔'' کھانے کے بعد وہ اسے اپنے کمرے میں لے گئے تھے وقاص جو بہت دلچسپی سے یہ ساری بات سن رہا تھا اپنے بارے میں ان کا ارادہ جانتے ہی اتنا شاکڈ ہوا کہ قوت گویائی ہی کھو بیٹھا تم نے کوئی جواب نہیں دیا اس کی جانب سے مکمل چپ انہیں کچھ حیران کر گئی تھی تبھی وقاص کا بھی یہ سکتہ جیسے ایک چھناکے سے ٹوٹا تھا۔

''ماموں یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ مائی گڈنیس آپ کتنا غلط سمجھے مجھے میرے ان کی تعریف کرنے کا یہ مطلب نکلے گا تو کبھی بھی منہ سے ایک لفظ نہ نکالتا سوری ماموں میں یہ تو کبھی بھی نہیں کر سکتا آپ اپنی مصیبت میرے گلے کیوں ڈال رہے ہیں شادی کی عمر آپ کی ہے نا کہ میری۔''

وہ تو یوں بدکا تھا جیسے اسے بچھو نے کاٹ لیا ہو انداز بلبلایا ہوا سا تھا وقاص انہوں نے گھورا مگر وہ خائف ہونے والوں میں سے نہیں تھا تبھی فضا میں ہاتھ لہرا کر بڑے دھڑلے سے بولا تھا۔

''ویسے بھی سچی بات ہے عمر میں بھلے وہ مجھ سے دو تین سال چھوٹی ہی ہو مگر شکل سے مجھے مامی مامی سی ہی لگیں ایمان سے۔'' ان کے آنکھیں نکالنے پہ وہ دانت نکال کر بولا پھر ان کے غصے اور سنجیدگی کی پرواہ کیئے بغیر قریب آ کر گلے میں بازو حمائل کرتا ہوا بولا تھا۔

''پلیز یار ماموں اتنی پیاری سی ہے وہ آپ اسے کیوں نہیں اپنا لیتے۔''

''شیم فار یو عمر دیکھی ہے میری دو سال بعد چالیس کا ہو جاؤں گا جبکہ وہ بامشکل انیس بیس کی ہو گی۔'' انہیں انتہائی ناگوار گزرا تھا تبھی اس کے ہاتھ جھٹک کر برہمی سے کہا۔

''ساٹھ کے بھی ہو جائیں تو لیڈی کلر ہی رہیں گے رنگیلی آپ نے تو میری عین اٹھتی جوانی میں مت ماری ہوئی ہے۔'' وہ بے اختیار کھلکھلایا۔

''بکو مت اور خود کو اسی بات کے لئے تیار کرو۔'' انہوں نے اسے سختی سے ڈانٹا تھا۔

''سوری سر آپ کو سو سال بعد بھی مایوسی ہی ہو گی کیونکہ یہ طے ہے کہ میں اس لڑکی سے کم از کم شادی نہیں کروں گا اگر آپ نے زبردستی کرنا چاہی تو گھر سے بھاگ جاؤں گا اور اسے محض دھمکی نہ سمجھیئے۔'' وہ ناک چڑھا کر روٹھے پن سے کہتا دھپ دھپ کرتا کمرے سے نکل گیا، داؤد حسن کچھ بے یقین سے کھڑے رہ گئے تھے۔

☆☆☆

میں ٹوٹ کر اسے چاہوں یہ اختیار بھی ہو
سمیٹ لے گا مجھے اس کا اعتبار بھی ہو
نئی رتوں میں وہ کچھ اور بھی قریب آئے
گئی رتوں کا سلگتا سا انتظار بھی ہو
میں اس کے ساتھ کو ہر لمحہ معتبر جانوں
وہ ہمسفر ہے تو مجھ سا بے دیار بھی ہو
میرے خلوص کا انداز یہ بھی سچا ہے
رکھوں نہ ربط مگر دوستی شمار بھی ہو
سفر پہ نکلوں تو رسم سفر بدل جائے
کنارہ بڑھ کے کبھی خود ہی ہمکنار بھی ہو

اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے سائرہ پھپھو کو برآمدے سے ہو کر کچن کی سمت جاتے دیکھا تھا جب سے خالہ اور سبرینہ نے مستقل طور پہ یہاں دھرنا دیا تھا، اتنی ہی زیادہ یہاں پھپھو کی ضرورت بڑھنے لگی تھی اسپیشل ڈیشنرز کی تیاری ان کی عدم شرکت کی صورت میں گویا ناممکن ہی تھی کہ یہاں اچھے کھانے بنانے تو تائی اماں سے لے کر رانیہ تک گھر کی کوئی خاتون بھی بنانا نہیں جانتی تھیں کسی بھی مہمان کی آمد پہ پھپھو کی خدمات حاصل کی جاتیں اب بھی ایسا ہی ہوا تھا دکھ کے ساتھ ساتھ ایک تاسف بھی اسے اپنے دل میں اترتا ہوا محسوس ہوا تھا پتہ نہیں ماہ نور کالج گئی ہے یا، مجھے دیکھنا چاہیے وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا وہ واپس جانے سے قبل اس سے ملنا چاہ رہا تھا کچھ سوچ کر اس نے اپنا ارادہ ترک کیا تھا اور سیل فون پہ ان کا نمبر ڈائل کیا بیل جا رہی تھی تیسری چوتھی بیل پہ کال ریسو کر لی گئی تھی۔

''ہیلو۔'' وہ اس کی روح تک سرشار ہو اٹھی۔

''ہیلو سویٹی ہاؤ آر یو۔'' دوسری سمت اس نے یقینا دانت پیسے تھے۔

''تم نہیں آپ مجازی خدا کو اتنی بدتمیزی سے مخاطب نہیں کیا کرتے بیوقوف لڑکی۔'' وہ خوشدلی سے تصیح کر کے ہنسا۔

''شٹ اپ جسٹ شٹ اپ وہ میری زندگی کا سب سے منحوس اور تاریک لمحہ تھا جسے میں خوفناک خواب سمجھ کر بھول جانا چاہتی ہوں۔'' وہ جواباً دبے ہوئے لہجے میں ہسٹریک ہو کر چلائی تھی طارق ایک پل کو خاموش سا ہو گیا۔

''تمہیں پھر وہی دورہ پڑ گیا یاد رکھو ماہ نور اب تم میرے ساتھ یوں اکڑ کر بات نہیں کر سکتیں گیند اب میرے کورٹ میں ہے تم ہار چکی ہو میں جس وقت بھی چاہوں تمہیں اس حد تک مجبور و بے بس کر سکتا ہوں کہ تم......''

''ہاں جانتی ہوں تم صرف جتنے کو دنیا میں آئے ہو زور زبردستی اور ظلم کر کے بھی فرعون کی طرح اکڑ رہے ہو تمہیں کیوں احساس ہو کہ تم نے اپنی انا اور مردانگی کے زعم میں مجھے کس درجہ اذیت میں مبتلا کر دیا ہے تمہیں یہ سب سوچنے کی ضرورت بھی کیا ہے، مناؤ اپنی فتح کا جشن مگر ایک بات یاد رکھنا میں اس سے زیادہ تمہیں تمہارے مکروہ ارادوں میں کامیاب نہیں ہونے دوں گی مر جاؤں گی مگر تمہاری سازش کا شکار نہیں ہوں گی۔'' چیختے چیختے وہ بے دم سی ہو کر ریسور پٹخ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، طارق شیرازی نے ایک نظر بے جان ہوتے موبائل کو دیکھا اور گہرا سانس بھر کے الماری کی سمت بڑھ گیا محض ایک پل کے لئے اس نے خود کو ماہ نور کی جگہ پہ رکھ کر اس کے رونے کی بدصورتی کو پرکھا تھا اور اسے بری الزمہ قرار دے دیا اٹس او کے۔

☆☆☆

تم اگر مجھ کو نہ چاہو گی تو کوئی بات نہیں
تم کسی اور کو چاہو گی تو مشکل ہو گی
میرے دل کو نہ سراہو تو کوئی بات نہیں
غیر کے دل کو سراہو گی تو مشکل ہو گی

''ہائے۔'' ہلکی سی دستک کے ساتھ ہی بھرپور چہکار سے اپنی پشت پہ سنائی دی تو میکانکی انداز میں پلٹا سبرینہ دونوں ہاتھ پشت پہ چھپائے بہت فریش سی مسکراہٹ سمیت اسے دیکھ رہی تھی طارق کے حلق تک کڑواہٹ گھل گئی۔

''خالہ جانی بتا رہی تھیں تم واپس جا رہے ہو۔'' وہ دو قدم بڑھا کر بالکل اس کے برابر آ گئی۔

''آپ صرف اس تصدیق کے لئے تشریف لائی ہیں۔'' وہ استہزائیہ کہتا ایک بار پھر الماری میں سر گھسا چکا تھا۔

''لائیں میں آپ کی پیکنگ کر دوں۔'' وہ ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں تھی جبھی اس کے خشک انداز کو دیکھتے ہوئے بھی ڈھٹائی سے آفر کر گئی۔

''ارے۔'' وہ گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

''آپ اتنی ہی خدمت خلق کی شوقین ہیں یا پھر یہ اسپیشل آفر میرے لئے ہی ہے۔'' تمام تر تلخی بہت خوبصورتی سے چھپاتے وہ اسقدر طنز سے بولا تھا کہ سبرینہ کچھ خفیف سی ہو کر رہ گئی۔

''صرف تمہارے لئے۔'' اس کے ہونٹوں پہ شرمیلی مسکان بکھری۔

''اوہ۔'' طارق نے ہونٹوں کو باہم بھینچا۔

''اس کی کوئی خاص وجہ بائی دا وے آپ نے اپنے گھر میں بھی کبھی ایسا کوئی کام خود سے کیا ہے امریکہ جیسے ملک میں رہ کر بھی آپ جس درجہ خالہ جان پہ انحصار کرتی ہیں اسے دیکھتے ہوئے مجھے یہ سوال کرنا پڑ رہا ہے۔'' وہ اتنا ہی تلخ بولنے کا عادی تھا۔

''آپ اتنے لاعلم تو نہیں ہو سکتے آپ کی والدہ صاحبہ نے میری ممی سے آپ کے لئے خواہش ظاہر کی ہے۔'' وہ ذرا سی ناگواری سے گویا ہوئی تھی، طارق شیرازی کا کاٹ دار انداز اس کی طبع نازک پہ تازیانے کی صورت برسا تھا۔

''ضروری تو نہیں مادام کہ میں اپنی والدہ سے متفق ہوں۔'' وہ مسلسل وار کر رہا تھا، سبرینہ کو بے تحاشا سبکی محسوس ہوئی۔

''مطلب کیا ہے آپ کا؟'' وہ چیخ چیخ گئی تھی۔

''صاف ظاہر ہے آپ اگر کسی غلط فہمی میں مبتلا ہونے جا رہی ہیں تو میں کلیئر کرنا ضروری سمجھوں گا میں اماں کو آپ کے لئے منع کر چکا ہوں۔'' گو کہ اس کا انداز کچھ زیادہ ہی سخت تھا، مگر وہ اس حد تک اس لئے گیا تھا کہ اماں کو اپنے انکار کی آخری حد تک ٹھوس یقین دہانی کرا دے، سبرینہ کا چہرہ دھواں دھواں ہوا تھا وہ ایک جھٹکے سے پلٹی تھی اور اندھا دھند بھاگتی چلی گئی۔

''خس کم جہاں پاک۔'' طارق شیرازی نے ہاتھ جھاڑے اور پھر سے مصروف ہو گیا تھا۔

☆☆☆

سن لیا ہم نے فیصلہ تیرا اور سن کے اداس ہو بیٹھے
ذہن چپ چاپ آنکھ خالی ہے
جیسے ہم کائنات کھو بیٹھے
دل کا کہنا ہے ضبط لازم ہے
غم کے دن کی دھوپ ڈھلنے تک
اعتراف شکست کیا کرنا
فیصلے کی گھڑی بدلنے تک
اب چراغاں کریں ہم اشکوں سے
یا مناظر بجھے بجھے دیکھیں
تو نے روکا تو چاک سی لیں گے
ورنہ یوں ہے
کہ دامن دل میں چند
سانسیں ہیں کفن کے جی لیں گے

اس کا ایسا کون سا زاد سفر تھا جسے سمیٹتی اکٹھا کرتی بس اپنی چادر اوڑھ کر وہ جانے کو تیار تھی۔

''آپ کہیں جا رہی ہیں۔'' اس وقت وقاص آ دھمکا تھا۔

''ہاں۔'' اس نے مختصر سا جواب دیا جو اتنا جامع تھا کہ وہ مزید کوئی سوال کیے بنا واپس بھاگا تھا اگلے چند لمحوں میں وہ داؤد حسن کے ہمراہ ایک بار پھر اس کے مقابل تھا۔

''یہ وقاص کیا کہہ رہا ہے۔'' وہ حیران پریشان سے استفسار کرنے لگے۔

''میں یہاں سے جا رہی ہوں۔'' اس نے ان کی آنکھوں سے نظریں چرائیں۔

''بٹ وائے۔'' وہ متحیر تھے۔

''آئی ایم ساری مجھے آپ کے بھاری احسان نہیں چاہئیں زبردستی اگر آپ مجھے ان کے ساتھ باندھ بھی دیں گے تو کیا گارنٹی ہے کہ یہ مجھے تا عمر برداشت کر پائیں گے ایسا بندھن جس کی غیر پائیداری واضح ہو میں جانتے بوجھتے کیوں خود کو داؤ پر لگا دوں مم...... مگر۔'' اس کی صاف گوئی اور اس حد تک صحیح معلومات پہ وہ گڑبڑا کر پہلے اسے پھر مسکراہٹ دباتے وقاص کو دیکھا اور زچ سے ہو گئے۔

''تم جاؤ یہاں سے۔'' وہ بے اختیار ہو کر چیخ پڑے۔

''کیا حرج ہے ماموں میرے سامنے پروپوزل پیش کرنے میں، میں دیکھنا چاہتا ہوں آپ

انہیں شادی کی آفر کرتے ہوئے کیسے لگیں گے۔'' منہ پھٹ تو وہ صدا کا تھا یہی اس وقت بھی موقع محل دیکھے بنا جھجک کر کہہ گیا مگر نگین شاہ کے بری طرح چونکنے اور داؤد حسن کے غیر معمولی سنجیدگی سے چپکے سے کھسک گیا جبکہ ان دونوں کے درمیان خاموشی کا بہت معنی خیز سا وقفہ در آیا تھا کتنے ہی پل یونہی بنا آہٹ کے چپ چاپ سرک گئے تھے دونوں ہی اپنی اپنی جگہ کسی سوچ میں گم تھے۔

''آئی ایم ساری آپ مجھے بے باک اور بولڈ لڑکی بھی سمجھ سکتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ میں ایک بے سہارا کمزور لڑکی ہوں جسے اس وقت سب سے زیادہ فکر اپنی عزت کی حفاظت کی ہے تو دوسرا غم سر چھپانے کو ٹھکانہ نہ ہونے کا آپ میرا یہ مسئلہ حل کر سکتے تھے مگر آپ شاید ایسا چاہتے ہی نہیں ہیں تو پھر میرے یہاں ہونے کا جواز بھی باقی نہیں رہتا عزت نفس مجروح تو ہوتی ہے مگر میں خود کو اتنا ڈی گریڈ نہیں کرنا چاہتی کہ آپ کو خود مجھے اپنا منہ سے کہنا پڑے۔'' رک رک کر بات کرتی وہ انہیں اتنی مجبور لاچار بے بس اور پریشان محسوس ہوئی کہ وہ محض اس کی پریشانی دور کرنے کی خاطر ہی اسے وہ آفر کر گئے جو انہوں نے رابیل شایان کی زبان سے سن کر اسے بری طرح سے ڈانٹ کر رکھ دیا تھا اب پتہ نہیں یہ اسی زیادتی کا ازالہ تھا یا واقعی نگین شاہ میں کچھ ایسا انوکھا تھا کہ وہ یہ اچانک فیصلہ کر گئے تھے بہر حال جو بھی تھا نگین شاہ پہ یہ سنتے ہی شادی مرگ طاری ہوا تھا کچھ دیر یونہی آنسو بھری پر مسرت خوشی آنکھوں میں لئے وہ انہیں ممنون و مشکور سے دیکھتی رہی تھی پھر مسکرا کر اپنے کمرے میں بھاگ گئی، جبکہ داؤد حسن خان عجیب شکستہ سے انداز میں وہیں کاؤچ پہ گر سے گئے تھے انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ اپنے اس فیصلے پہ مطمئن یا سرشار نہیں ہیں تو آخر کیوں کیا اس کی وجہ رابیل یا پھر وہ ماضی کے دریچوں سے جھانکتا ایک پری چہرا۔

☆☆☆

روحینہ سے ایڈریس لے کر وہ شہریار کی رہائش گاہ اسے ملنے آئی تو اسے بستر پہ دراز بخار میں پھنکتے پا کر اس کا رنج و ملال اور دلگیری میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔

''آئی ایم ساری شہریار!'' وہ اتنی خفت زدہ تھی کہ بس ایک فقرہ ادا کر کے سر جھکائے بیٹھ گئی تھی۔

''اٹس اوکے۔'' وہ بہت ضبط سے مسکرایا۔

''مجھے ایک فیصد بھی یقین نہیں تھا ڈیڈ ایسا بھی کر سکتے ہیں۔'' اس نے تاسف سے کہتے ہوئے اس کے بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ نڈھال و پژمردہ چہرے کو دیکھا۔

''اٹس آل رائیٹ۔'' وہ تکیے کے سہارے اونچا ہو کر بولا۔

''شہری مم...... میں اس کا ازالہ کرنا چاہتی ہوں، ڈیڈ سے تو میں اس قدر خفا ہوں کہ ان سے بات بھی نہیں کی، انہیں میری پرواہ بھی کب ہے اگر انہیں میری پرواہ نہیں تو میں بھی ثابت کر دوں گی کہ مجھے بھی ان کی پرواہ نہیں ہے شہریار میں کورٹ میرج، تم سے کورٹ میرج کرنے کو تیار ہوں۔''

وہ بات جو عام حالات میں کرتے اسے دانتوں تلے پسینہ آتا شہریار کی حالت دیکھتے ہوئے اس نے اتنی جذباتیت اسقدر عجلت میں یہ فیصلہ کر لیا تھا، شہریار نے کچھ چونک کر غیر یقینی سے اسے دیکھا اور پھر جیسے زخمی سے انداز میں مسکرا دیا۔

''اگر یہ مذاق ہے رابیل تو بہت جان لیوا ہے۔'' اس کا ٹوٹا لہجہ بہت بے ربط بہت بکھرا ہوا تھا سگریٹ سلگا کر گہرے کش لیتا وہ اس وقت بکھرے بالوں سرخ انگاروں کی مانند دہکتی ہوئی آنکھوں اور بڑھی ہوئی شیو سمیت کسی ٹریجک فلم کا بہت چارمنگ سا ہیرو دکھائی دے رہا تھا۔

''آئی ایم ساری شہریار اس دنیا میں تم واحد وہ انسان ہو جو مجھ سے مخلص ہے جو شدتوں سے میرا طلبگار ہے میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی شہری مجھے اس نقصان کو سہنے کی تاب نہیں۔'' اپنی بات مکمل کرتی وہ آواز کی نمی پہ قابو نہیں پا سکی تھی جبکہ شہریار کی بجھی ہوئی آنکھیں یکانت جگمگا اٹھی تھیں۔

''رائیلی رابیل تم، تم سچ کہہ رہی ہو نا۔'' جوش مسرت سے اس کا لہجہ ہی بے قابو نہیں ہوا تھا وہ خود بھی کنٹرول سے باہر ہو تھا بیڈ کے ساتھ رکھی کرسی پر براجمان رابیل کو شانوں سے تھام کر زبردستی بازو کے حصار میں جکڑتا خود سے قریب کر گیا، رابیل اس والہانہ گرمجوشی کے مظاہرے پر گڑبڑا کر اس کی گرفت سے مچل کر دور ہوئی تھی۔

''ڈر گئیں نا۔'' وہ ہنسا تھا۔

''میں ایسا ہی بے قابو اور جوشیلا ہوں۔'' اس کی بے اوسان سراسیمہ سی کیفیت سے حظ لیتا ہوا وہ گنگنایا تھا۔

''ایک بار شادی ہو جانے دو پھر ذرا ملاحظہ کرنا ہماری دیوانگی۔'' وہ اس کے سرخ پڑتے کتراتے ہوئے چہرے کو دیکھتا پٹری سے اترا رابیل بری طرح بلش ہوئی تھی اس کے بے باکانہ طرز کلام پہ بیک وقت شرم اور خفت نے اس پہ پوری شدت سے غلبہ پایا تھا فطری حجاب سے سرخ ہو کر دہکتے چہرے کا رخ پھیرتے وہ بے تحاشا دھڑ دھڑاتے دل کو سنبھالتی اسے دیکھنے سے احتراز برتنے لگی۔

''مم...... میں اب چلتی ہوں۔'' یکا یک ہی اسے یہ تنہائی بہت خائف سا کرنے لگی۔

''اوہ سوری میں کچھ بہک گیا۔'' اس کا لہجہ معذرت خواہانہ ہونے کے باوجود شرمندگی کے احساس سے عاری تھا کچھ رابیل اس ایک لفظ پہ اٹکی۔

''اگر یہ کچھ ہے تو پھر سوری یار کیا کروں تم نے خوشی ہی اتنی اچانک دی۔'' وہ سر کھجا کر کھسیاہٹ زدہ سی صورت بنا کر بولا۔

''اوکے اب میں چلتی ہوں۔'' وہ پھر نہیں رکی۔

''مگر وہ بات تو ادھوری رہ گئی۔'' شہریار کو بے چینی ہوئی۔

''کون سی بات۔'' رابیل پہ بس ایک ہی وہاں سے بھاگ جانے کی عجلت سوار تھی۔

''اتنی جلدی بھول گئیں میں کورٹ میرج کے متعلق بات کر رہا ہوں۔'' شہریار نے منہ پھلایا۔

''اوہ ہاں وہ ہم فون پہ ڈسکس کر لیں گے ڈونٹ وری۔'' اس نے نظریں چرا کر کہا، اسے ہاتھ ہلاتی دروازے سے نکل گئی شہریار کے چہرے پہ شیطانی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ)

میرے ساحر سے کہو

ام مریم

چوتھی قسط کا خلاصہ

نگین کا تعلق جاگیردار گھرانے سے ہے، وہ داؤد حسن خاں کو اپنی زندگی کی داستان سناتے ہوئے بتاتی ہے کہ اس کے گھرانے کے مرد عیاشی کے طور پر طوائفوں کے ساتھ رات گزارنا بھی غلط نہیں سمجھتے جبکہ اپنے خاندان کی بیٹیوں کی وہ شادیاں بھی اس وجہ سے نہیں کرتے کہ جائیداد کا بٹوارہ نہیں چاہتے اس کی دو بڑی بہنوں کی بھی شادیاں نہیں ہو سکی تھیں جس کی وجہ سے وہ چور راستے اختیار کرلی ہیں، گاؤں کے کمی کمین لڑکے شاہوں کی اونچی شان و شوکت کے لحاظ سے گویا ایک مضحکہ ہے، باپ اور بھائی مل کر باری باری دونوں بہنوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں اور ایک رات نگین کو بھی مارنے کا منصوبہ بناتے ہیں کہ نگین اپنی جان بچا کر حویلی سے بھاگ آتی ہے، داؤد حسن خاں کے پاس اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ اس بے سہارا لڑکی کو سہارا دیں نکاح کے بعد طارق اکثر بیشتر ماہ نور کی طرف آتا ہے اور اسے اپنی محبت کا یقین دلاتا ہے رابیل سرداؤد سے مایوس ہو کر شہریار کی چکنی چپڑی باتوں کا یقین کر لیتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

پانچویں قسط

”شاپنگ کا مجھے بالکل تجربہ نہیں ہے۔“ وہ منمنا کر ہی رہ گئی تھی۔

”تجربہ تو ہمارے ماموں کو بھی نہیں ہے ایڈوانس مامی۔“ وہ چہکا تھا تو نگین جھینپ گئی تھی۔

”لہنگا پسند کر لیں ساتھ میں میچنگ کی جیولری پرس جوتے وغیرہ آج ماموں کا سارا جمع جتھا خرچ کروا ڈالیں اس کے بعد میں آپ کو شہر کے سب سے مہنگے بیوٹی سیلون لے چلوں گا۔“ وہ مسلسل اور بے تکان بول رہا تھا تو داؤد حسن خاں اسی قدر خاموش گم صم نگین کو ان کی یہی خاموشی کھل رہی تھی ڈیپ ریڈ کلر کا بھاری شرارہ جس پہ میرون گولڈن اور ریڈ اسٹون اور موتیوں کا انتہائی اسٹائلش کام جھلملا رہا تھا پوری بوتیک میں یہ سب سے زبردست ڈریس تھا جسے پہلی نگاہ میں ہی اس کے دل نے سراہا تو وقاص نے پسندیدگی کی سند بخشی دی۔

”کیسا ہے۔“ وہ داد طلب نظروں سے اسے دیکھ کر بولا، نگین نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔

”ماموں آپ بھی تو کچھ بولیں۔“ وہ داؤد حسن کے لاتعلق اور بیگانے سے انداز پہ چڑا تھا انہوں نے محض کاندھے اچکا دیئے تھے جس وقت وقاص اسے پارلر سے لے کر واپس آیا گھر میں مہمانوں کی آمد ہو چکی تھی اکثر و بیشتر اس اچانک ہونے والی تقریب پہ حیران تھے جبکہ خواتین کی دلچسپی اس معاملے کے ساتھ ساتھ دلہن میں بھی تھی آن واحد میں ہی داؤد کے دوستوں کی بیویوں نے اس کے گرد گھیرا ڈال لیا تھا پھر اس کی کم عمری خوبصورتی اور لباس کی بہت توصیفی ہوئی تھیں کھانے کے بعد نکاح ہوا تھا اس کا نہیں خیال تھا کہ وہ روایتی دلہنوں کی طرح اس موقع پہ ضبط کھو کر رو پڑے گی اس نے تو من کی مراد حاصل کی تھی بہت خوش نصیب تھی وہ بھلا ایسا ہوا ہے کہ ایک لڑکی یوں گھر سے بھاگ کر اپنی عزت وحرمت کو خطرے میں ڈالے اور ڈرامائی انداز میں اس کے ساتھ سب اچھا ہوتا چلا جائے مگر اس کے ساتھ یہی ہو چکا تھا خدا اس پہ بہت مہربان تھا جبھی تو وہ اتنے اچھے مہربان شخص سے ٹکرائی تھی جس نے صرف اسے پناہ دی تھی بلکہ اپنا اور اپنے نام کا مان بھی سونپ دیا تھا۔

”تھوڑا سا تو کھانا کھا لو۔“ سلمیٰ بھابھی جو داؤد کے سب سے قریبی دوست کی بیوی تھیں اس کے ہچکیوں سے لرزتے نازک وجود کے گرد بازو کا حلقہ بناتے ہوئے محبت ونرمی سے بولی تھیں ان کی محبت خلوص اور نرمی ہی کا اعجاز تھا کہ نگین نے نہ چاہنے کے باوجود چند نوالے لے لئے تھے۔

”بہت اچھی لگ رہی ہو دیر آئد درست آئد۔“

”داؤد بھائی بالکل اس فارمولے پہ عمل کر چکے ہیں خدا آپ دونوں کو سچی خوشیاں عطا فرمائے۔“ اسے سہارا دے کر جب وہ داؤد کے کمرے تک لائیں تو چٹکلے چھوڑتے وقاص کو کان سے پکڑ کر زبردستی سے نکالنے کے بعد انہوں نے اس کا میک اپ اور دوپٹہ سنوارتے ہوئے پیشانی چوم کر دعاؤں سے نوازا تھا۔

”تم ریلیکس ہو کر بیٹھو میں داؤد بھائی کو دیکھتی ہوں۔“ وہ اس کا لرزتا کانپتا ہاتھ ہولے سے تھپتھپا کر اٹھ کر چلی گئی تھیں اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا دیواروں پہ ادھ کھلے گلاب کی کلیوں سے بہت خوبصورت آرائش کی گئی تھی تو کمرے کے وسط میں رکھے ٹیبل پہ گلابوں کا بڑا سا بہت خوبصورت فریش بکے پورے کمرے کی فضا کو معطر کر چکا تھا پورے بیڈ پہ بھی گلاب کی پتیاں بچھائی گئی تھیں یہ پذیرائی پہ محبت اس کا دل گداز کرنے لگی کلاک کی ٹک ٹک اس کے اعصاب پہ

ہتھوڑے برسا رہی تھی دن بھر کے مشقت نے الگ تھکا ڈالا تھا، اس گاؤ تکیئے سے ٹیک لگا کر خود کو آرام دہ پوزیشن میں لانے کے بعد اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے قد آدم آئینے میں جھلملاتے اپنے شعاعیں بکھیرتے عکس کو دیکھا اور مبہوت سی رہ گئی۔

”آج تو داؤد بھائی کی ساری سنجیدگی اور بے نیازی دھری رہ جائے گی۔“ اسے مہمان خواتین میں سے کسی خاتون کا تبصرہ یاد آیا تو لجا کر خود میں سمٹ گئی تھی اس کا رواں رواں داؤد حسن خاں کا منتظر ہوا تھا مگر یہ انتظار طویل ہوتے طویل تر ہو گیا تھا نیند سے بوجھل پلکیں بامشکل اٹھائے وہ کچھ کوفت و بے زاری سمیت دروازے کی جانب دیکھ رہی تھی، جبھی دروازہ کھول کر وہ اندر چلے آئے تھے اسے نہ صرف جاگتے اور متوجہ پا کے ایک پل کو رکے۔

”اوہ آئی ایم ساری میں کچھ لیٹ ہو گیا آپ کو انتظار کی زحمت ہوئی۔“ وہ اسے دیکھے بغیر مخصوص پر تکلف اور بھاری لہجے میں بولے تھے انداز کی سرد مہری چھپائے نہ چھپی۔

”آپ کو چینج کر کے آرام کرنا چاہئیے رات آدھی سے بھی زیادہ بیت چکی ہے۔“ ڈریسنگ ٹیبل کے قد آدم آئینے میں ان کا پرکشش وجیہہ دراز سراپا بلیک پینٹ کوٹ میں کچھ اور بھی شاندار نظر آ رہا تھا آواز کی گمبھیرتا اس کے دل کے تاروں کو مدھر سروں میں ڈھالنے کی بجائے ٹھٹکانے کا باعث بنی تھی۔

”مجھے افسوس ہے نگین کہ میں خود کو آپ کی توقعات پہ اترنے کے قابل نہیں پاتا ایکچوئلی یہ سب کچھ جو اتنا اچانک ہوا اس کے لئے میں قطعی طور پر تیار نہیں تھا نہ دلی نہ ذہنی زندگی کا جو ڈھب اب تک گزارا ہے وہ اتنا سبک رواں اور معمول بن چکا تھا کہ گویا کسی شے کی کمی ہی محسوس نہ ہوئی تھی۔“ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر کے اسے گلے سے نکالتے ہوئے انہوں نے رسٹ واچ اتار کر ٹیبل پہ رکھی اور سلسلہ کلام جوڑا۔

”آپ یہ بھی کہہ سکتی ہیں کہ اس بندھن کو میں نے جبراً باندھا ہے ایک کے بعد دوسرا سوال دوسرا دل توڑنے کا مجھ میں حوصلہ ناپید تھا میں مزید گنہگار ہونا نہیں چاہتا تھا آپ یہ بھی سمجھ سکتی ہیں کہ آپ کی بے سہارگی نے بھی مجھے یہ قدم اٹھانے پہ مجبور کیا ورنہ عام حالات میں، میں ایسا سوچنا بھی پسند نہ کرتا میرے ذہن میں شریک حیات کے لئے جو تصور تھا آپ اس سے قطعی برعکس ہیں آئی ایم ساری آپ ہرٹ ہوں گی مگر یہ سچ ہے ہمارے درمیان ایج ڈیفرنس ہمیشہ ہمیں ایک دوسرے سے ذہنی لحاظ سے فاصلوں پہ رکھے گا یہی وجہ ہے کہ میں اس بندھن کو پیپر میرج تک محدود رکھنا چاہتا ہوں آپ کی حیثیت اس گھر میں اسٹرونگ ہو چکی اب آپ کے لئے خود کو تعمیر کرنے کے تمام راستے کھلے ہیں سب سے پہلے اپنی تعلیم مکمل کریں اس کے بعد کچھ سوچیں گے آئی تھنک میری طرح آپ میں اس بندھن کو مجبوراً ہی باندھنے پہ آمادہ ہوئی ہوں گی آف کورس آپ کے پاس بھی تو کوئی اور راستہ نہیں تھا اینی ویز آپ کو اس حوالے سے ڈسٹرب ہونے کی ضرورت نہیں میری طرف سے آپ پہ بالکل کوئی پریشر نہیں ہے آپ کو میں فیصلے کے لئے پورا وقت دوں گا اگر آپ کو لگے آپ کا یہ فیصلہ صحیح نہیں تھا تو ہم بہت خوش اسلوبی سے اس رشتے سے دستبردار ہو جائیں گے۔“ بیڈ کی پائنتی دیکھتے ہوئے وہ سب دل شکن حوصلوں کو مسمار کرنے والی باتیں کتنی سہولت اور اطمینان سے کہہ دی تھیں اور خود چینج کرنے ڈریسنگ روم میں چلے گئے تھے۔

"آج تو مہمانوں کی وجہ سے آپ کو مجھے برداشت کرنا ہوگا لیکن کل سے آپ دوسرے روم میں شفٹ ہو سکتی ہیں۔" سلیپنگ گاؤن کی ڈوریاں باندھتے وہ بہت سرسری سا مسکرا کر کہہ رہے تھے جبکہ اس کی آنکھوں کے پیچھے آنسوؤں کا بوجھ بڑھتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

کہاں تیرے ٹھکانے ہو گئے ہیں
تجھے دیکھے زمانے ہو گئے ہیں
جگاؤں کس طرح اپنے مقدر
تیرے کوچے میں جا کر سو گئے ہیں
کہاں کھویا رہا میں عمر ساری
کبھی سوچا نہ برسوں ہو گئے ہیں
پلٹ کر پھر نہ آئے انجمن میں
تلاش بے خودی میں جو گئے ہیں

"طارق!" اماں اسے پکارتی ہوئی آ رہی تھیں اس نے عجلت بھرے انداز میں پہلے سگریٹ لبوں سے نکال کر بیڈ کے نیچے پھینکا پھر کتاب بند کر کے تکیے پہ اوندھا دی اور ٹانگیں سمیٹ کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"تم کل واپس جا رہے ہو۔" انہوں نے اندر آ کر اطمینان سے بیٹھتے ہوئے استفسار کیا۔

"جی۔" وہ اثبات میں سر ہلا کر ان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے گویا قیاس کرنا چاہا وہ کس خاص مقصد کو لے کر یہاں تک آئی ہیں وہ ان کی پختہ عادت سے اچھی طرح آگاہ تھا کہ جب انہیں کوئی بات منوانا ہوتی وہ یونہی اس کے پاس آ کر مکمل تنہائی میں بات کیا کرتی تھیں۔

"کیا سوچا پھر تم نے سبرینہ کے متعلق۔" توقع کے عین مطابق بلی تھیلے سے باہر آ گئی تھی۔

"اس سوال کا کا مقصد ماں جبکہ میں آپ کو بتا چکا ہوں یہ لڑکی مجھے اس لحاظ سے بالکل پسند نہیں۔" اسے یکلخت غصہ آیا تھا ماہ نور کی ہٹ دھرمی ملنے سے انکار اسے یوں بھی تیخ پا کر چکے تھے اس پہ اماں کا دباؤ۔

"جو تمہیں پسند ہے وہ ہمیں قبول نہیں پھر کیا حل ہو اس مسئلے کا۔" وہ تڑخ کر بولیں تھیں۔

"نہ ہو کوئی حل میں جا رہا ہوں نا واپس۔" اس نے کس قدر ٹھنڈے لہجے میں جواب دیا۔

"ہاں چلے جاؤ یہ چھ ماہ سے پہلے نہ لوٹنا اس دوران وہ کلموہی چاہے کسی آشنا کے ساتھ بھاگ کر تمہیں اور تمہارے پیار کو جوتا مار جائے۔" انہوں نے مخصوص قسم کی انتہا پسندی اور جہالت کا مظاہرہ کیا تھا، طارق شیرازی نے لب بھینچ کر بہت تیز نگاہوں سے انہیں دیکھا البتہ منہ سے ایک لفظ کہے بغیر اٹھ کر بستر سے اتر گیا۔

"سبرینہ کے لئے رشتوں کی کمی نہیں خود خاندان کے ہی لڑکے اس کے لئے بے تاب ہیں ارے تم خوش نصیب ہو کہ......"

"آپ مجھے بدنصیب ہی رہنے دیجئے بڑا احسان ہوگا۔" اس نے رکھائی اور تلخی سے کہتے باقاعدہ ہاتھ جوڑے انہوں نے کھا جانے والی نظروں سمیت اسے گھورا۔

"یہ سگریٹ بھی اس چڑیل بھتنی کی یادوں کو بھلانے کے لئے پھونک رہے ہو گے صحت تباہ کر لو اپنی مگر ہاتھ کچھ نہیں آنے والا۔" وہ یقیناً اسے پیار دلار سے منانے کو قریب آئیں تھیں سگریٹ کی سمیل محسوس ہوتے ہی نئے سرے سے چٹخیں۔

"آپ کے کوسنے اور بددعائیں اسی طرح میرے ساتھ رہیں تو مجھے جیتی ہوئی بازی بھی ہارنا ہے۔" وہ جلنی سے کہتا ایک جھٹکے سے پلٹ کر چلا گیا۔

"بے حس نکما باؤلا ہو رہا ہے اس ناگن کی خاطر مگر میں نے بھی یہ کام ہونے دیا تو میرا نام بدل جائے گا۔"

"ارے غضب خدا کا ایک یہی چھپکلی رہ گئی میرے کڑیل شیر جوان بیٹے کے لئے عورت ہی عورت کی دشمن ہے مجھے کسی دانشور کا یہ قول پڑھ کر شدید اختلاف ہوا تھا مگر گھریلو سیاست میں ساس بہو کی چپقلش دیکھ کر اب کچھ کچھ نہیں اچھا خاصا یقین آنے لگا ہے۔" فاروق انہیں دیکھتا ہوا جلے ہوئے لہجے میں بولا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو ماں کو ایسی بات کرتے شرم نہیں آئی تمہیں اور وہ بہو کیسے کہا خدا نہ کرے جو وہ مرن جوگی میری بہو بنے۔" تو انہوں نے دہل کر سینے پہ ہاتھ رکھا فاروق مسکراہٹ دباتا چپکے سے نکل گیا تھا۔

☆☆☆

رات کا سمندر ہے
بات بھی محبت کی
رات کا اجالا ہے
بات بھی محبت کی
کلمات کی ضرورت ہے
کلمات بھی محبت کی
نرم گرم خاموش
سہج سرگوشی
چور دروازے
کون چھپ کے آیا ہے
آرزو کے جنگل میں
راستہ بنایا ہے
بھینچتے ہوئے آنگن نے
وارفت سے مل کر
...نہ کچھ چھپایا ہے
آسماں کی کھڑکی میں
...بھری شرارت سے
چاند مسکرایا ہے

چاند مسکرایا ہے
چاندنی نہائی ہے
خوشبوؤں نے موسم میں
آگ سی لگائی ہے
عشق نے محبت کی
آنکھ چومنا چاہی
اور ہوا کے حلقے میں
شوخ سی نزاکت سے
شاخ کسمسائی ہے
رات کا سمندر ہے
رات بھی محبت کی
بات کا اجالا ہے
بات بھی محبت کی
بات کے سویرے میں
زندگی کے گھیرے میں
روح ٹمٹمائی ہے
وصل جھلملایا ہے
دل نے بند سینے میں
حشر سا اٹھایا ہے
کون چھپ کے آیا ہے

اس نے لہک لہک کر جوکرانہ انداز میں نظم پڑھی تھی اور بے ہنگم قہقہہ لگاتے ہوئے کتاب ہوا میں اچھال دی۔

''ڈیئر روحا مجھے اندازہ تو تھا تمہاری فرینڈ کی حماقت بھری محبت میں دھوکہ کھا جانے کا مگر اس حد تک......'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر ایک بار پھر بے تحاشا ہنسا۔

''میں یعنی شہریار گیلانی ایسی ایکٹنگ کی بیماری کی نقاہت زدگی کہ اگر تم اس وقت میرے سامنے ہوتیں تو مجھے بہترین کارکردگی پہ ایوارڈ سے ضرور نوازتیں۔'' وہ ہنس ہنس کر بے حال ہو رہا تھا۔ شہریار کو بہت خاموش نگاہوں سے دیکھتی رہی تھی روحا شیراز جرم کی دنیا میں اس کی ساتھی مگر اس کی محبت میں مبتلا! جس نے اس بے حس سنگدل شخص کی رفاقتوں کے خواب سجائے تھے دعائیں مانگی تھیں صرف دولت حاصل کرنے کی خاطر اس نے ایڈورٹائزنگ ایجنسی کا کانٹریکٹ سائن کیا تھا تاکہ وہ شہریار کی توقعات پہ پوری اتر کر اس کے دل میں سما سکے مگر کچھ بھی کرنے سے ... لینے سے وہ اس کے لئے ایک پارٹنر ایک دوست سے زیادہ کچھ نہیں بن سکی تھی۔

میں ہمیشہ سے اس کے سامنے تھی
اس نے دیکھا نہیں تو میرا نصیب

روح تک جس کی آنچ آتی ہے
کون شعلہ رو ہے دل کے قریب

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔'' وہ اس کی خاموش گم صم کیفیت سے کچھ چونکا تھا وہ عجیب شکستہ انداز میں مسکرائی۔

خاک ہو جائیں گے ہم
تجھ کو خبر ہونے تک

''روحینہ ڈیئر جب اس نے مجھے خود وہ پیشکش کی تو یقین جانو مجھے اپنا آپ اس دنیا میں سب سے زیادہ خوش نصیب لگا تھا وہ لڑکی جسے ایک نظر دیکھ کر ہی بے اختیار چھونے محسوس کرنے کی خواہش سر چڑھ کر بولتی ہے۔''

''تو گویا دل لگی دل کی لگی بننے جا رہی ہیں۔'' روحینہ نے خود کو سنبھال کر بظاہر ہنس کر استفسار کیا تھا جبکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ اس کی باتیں سن سن کر اندر ہی اندر تلملانا شروع کر چکی تھی۔

''نہیں خیر اب ایسا بھی دل کے تابع نہیں ہوں کسی چیز کے اچھا لگنے پسند آ جانے اور محبت میں بہت فرق ہوا کرتا ہے۔'' وہ بستر پہ آڑھا ترچھا پڑا اسگریٹ کا دھواں بکھیر رہا تھا۔

''جب اس نے خود مجھے پرپوز کیا تو ایک پل کو میں ڈگمگا سا گیا تھا مجھے اس سے زیادہ اس کی دولت کی ضرورت تھی اس کے لئے قدم پہ اس کا فلمی ولن جیسا ڈیڈا سے جائیداد سے عاق واق بھی تو کر سکتا تھا مگر پھر مجھے اپنے اس خیال کی نفی کرنا پڑی، رابیل اکلوتی ہے وہ چاہے بھی تو اسے عاق نہیں کر سکتا۔'' اس کے لبوں پہ شیطانی مسکراہٹ تھی۔

''ہاں یہ تو ہے۔'' روحینہ نے قائل ہونے والے انداز میں سر ہلایا اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی شہریار کے سیل فون پہ رابیل کی کال آ گئی وہ دل میں اٹھتے درد کو دبائے اسے باتیں کرتے دیکھتی رہی۔

جب آنکھوں میں شام اترے
دل پہ شفق پھوٹے
کاجل کی طرح اس کی
آنکھوں کو دھنک چھولے
اس وقت کوئی اس کو
آنکھوں سے میری دیکھے
ہونٹوں سے میری چومے

وہ بہت جذب سے نظم پڑھ رہا تھا روحینہ کے ضبط کی انتہا بس یہیں تک تھی وہ غیر محسوس انداز میں اٹھی تھی اور باہر نکل گئی کوئی کب تک بھلا اپنے ہی ارمانوں کے گھروندے اس بری طرح لٹتے دیکھ سکتا ہے۔

☆☆☆

شام بھی ہو گئی دھندلا گئیں آنکھیں بھی مری
بھولنے والے میں کب تک تیرا رستہ دیکھوں

تو میرا کچھ نہیں لگتا مگر اے جانِ حیات
جانے کیوں تیرے لئے دل کو دھڑکتا دیکھوں
بند کرکے میری آنکھیں وہ شرارت سے ہنسے
بوجھے جانے کا میں ہر روز تماشا دیکھوں

''آ......ہم۔'' کھنکار کر متوجہ کرنے کا یہ انداز بھی بہت منفرد اور دلکش تھا وہ چونک کر پلٹی تھی مگر انہیں روبرو پاتے ہی ایک بار پھر رخ موڑ کر کھڑکی کی جانب کرلیا۔

''یہ آپ کے فسٹ ائیر کی بکس اور پراسپکٹس ہیں انہیں قل کردیجئے صبح میں جاتے ہوئے ساتھ لے جاؤں گا سبجیکٹس میرا خیال ہے آپ کے یہی ٹھیک رہیں گے پھر بھی اگر آپ چینج کرنا چاہیں تو ڈونٹ مائینڈ اپنی اسٹڈی اسٹارٹ کریں اگر کہیں کوئی پرابلم محسوس ہو تو میں آپ کی ہیلپ کرنے کو موجود ہوں۔'' ہلکے پیازی ہلکی کڑھائی کے سوٹ میں سونے کا انتہائی نفیس ڈائزین سیٹ پہنے وہ نئی نویلی بیاہتا سے کتنی غیر دلچسپ سی بات کررہے تھے نگین شاہ نے نا چاہتے ہوئے بھی گردن موڑ کر شاکی مگر ناگواری چھلکاتی نگاہ ان پہ ڈالی تھی۔

''کیوں کرنا چاہتے ہیں یہ آپ۔'' اس نے تیکھے سے انداز میں استفسار کیا تو داؤد حسن قدرے حیران نظر آئے۔

''واٹ یو مین کیوں کررہا ہوں تعلیم کیوں حاصل کی جاتی ہے۔'' ان کا لہجہ استفہامی اور تنبیہی ہوا۔

''پیرنٹس اگر اپنی اولاد کو پڑھاتے ہیں تو اس کے پیش نظر ان کا مستقبل محفوظ کرنا اور اسپیشلی لڑکیوں کو تعلیم اس لئے بھی دلائی جاتی ہے کہ ان کے رشتے اچھی جگہ طے پاجائیں۔'' وہ نخوت بھرے انداز میں کہہ رہی تھی، داؤد حسن نے ایک نظر اس کے چہرے کو یوں دیکھا جیسے اس کی اس بے معنی بات کے مقصد کو نہ سمجھے ہوں۔

''آپ مجھے اس لئے پڑھانا چاہتے ہیں کہ آپ سمجھتے ہیں میں اتنی کم تعلیم کے ساتھ آپ کے معیار پہ پوری نہیں اترتی۔'' نظر اندازی بے توقیری بے مائیگی کا احساس اس کے اندر غبار کی صورت جمع ہوا تھا کتنی خفت اٹھانا پڑی تھی اسے وقاص کے سامنے جب ان کے پرزور اصرار پہ بھی وہ ہنی مون پہ جانے سے انکاری رہے تھے۔

''کیا ہے ماموں مانا آپ بہت مصروف انسان ہیں مگر شادی بھی تو روز روز نہیں ہوتی یہ اتنا اہم موقع ہے اپنا نہیں تو مامی کا ہی کچھ خیال کرلیں۔'' وہ اسے آنکھ سے اشارہ کرکے کچھ بولنے کا اکساتا منہ بنا کر بولا تھا۔

''تم چپ رہو وقاص بڑے پتہ نہیں کب ہوگئے بچکانہ حرکات بچکانہ باتیں۔'' انہوں نے بری طرح سے ڈانٹ کر رکھ دیا تھا۔

''نگین۔'' وہ کچھ ششدر نظر آئے تھے۔

''اگر ایسی بات ہوتی تو میں آپ سے نکاح کیوں کرتا تعلیم شعور بخشتی ہے ذہن کی وسعت اور جلا کے لئے یہ بے حد اہم ہے پھر ابھی آپ کی ایج ہی کتنی ہے ابھی سے گھر داری میں لگ گئیں تو وقت کاٹنا بہت مشکل ہوسکتا ہے (تمہارے ہوتے ہوئے بھی)۔'' نگین نے شکوہ کناں نظر ان کے بے حس سے انداز پہ ڈالی۔

''مجھے خوف ہے بابا سائیں باہر نکلنے پہ مجھے کہیں دیکھ نہ لیں وہ لوگ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے جبکہ میں یوں مرنا نہیں چاہتی۔'' وہ زچ ہوگئی تھی ان کی ایک ہی رٹ سے۔

''وہ کیا آپ کو ڈھونڈتے پھر رہے ہوں گے وہ بھی تعلیمی اداروں میں نان سنس آپ اپنی گاڑی میں جائیں گی اگر پھر بھی خوف ہے تو چہرے کو حجاب سے چھپالیں۔''

''کیا پڑھنا بہت ضروری ہے۔'' وہ اب کے بہت جھنجلا کر بولی تھی۔

''ہاں جتنا آپ سمجھتی ہیں اس سے کہیں بڑھ کر۔'' انہوں نے ایک پل کو اس کی آنکھوں میں جھانکا اور یہیں نگین ڈگمگائی تھی۔

''ٹھیک ہے مگر میں آپ سے نہیں وقاص سے اسٹڈی میں ہیلپ لیا کروں گی۔'' منہ پھلا کر روٹھے پن سے کہتے اس نے گویا ان پہ اپنی ناراضگی واضح کرنا چاہی۔

''ڈونٹ مائنڈ آپ کی مرضی ہے۔'' وہ کاندھے اچکا کر واپس پلٹ گئے نگین مٹھیاں بھینچ کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

تم واقعی اچھی لڑکی ہو
یا مجھ کو اچھی لگتی ہو
چہرے کی اداسی دور کرو
کیوں جی اپنا رنجور کرو

وہ برآمدے میں کرسی رکھے اس زاویئے سے بیٹھا تھا کہ صحن میں بچوں کو ٹیوشن دیتی ماہ نور کو براہ راست نگاہوں کی زد پہ رکھ سکے مما کو اس نے آنے کے ساتھ ہی گڑ کے چاول کی فرمائش سمیت کچن میں بھیج دیا تھا مگر ماہ نور جانتی تھی ان کی سماعتیں ہی نہیں بصارتیں بھی یہیں جمی ہیں جبکہ وہ کتنے لاپرواہ میں طلحہ کے بہانے گویا اسے ہی یہ سب سنا رہا تھا۔

وہ وعدے وفا نبھانے کے
تم بھول گئیں مجھے یاد رہے
کیا شان تمہاری گھٹ جاتی
جو ایفا کرنے آجاتیں
اب کن باتوں میں کھوئی ہو
اب کن سوچوں میں ڈوبی ہو

ماہ نور نے ایک دم نظر اونچی کیں اور بہت غصیلی نظروں سے اسے گھورا مگر اس پہ جیسے مطلق اثر نہیں تھا کیا فائدہ ہوا تھا بھلا اسے کالج سے باہر اسے بری طرح سے دھتکارنے کا۔

''میں تم پہ مزید بھروسے کی غلطی نہیں کرسکتی پہلے فریب کے جال سے تو نکل آؤں۔'' کتنی نفرت تھی اس کے لہجے میں۔

''میں مزید تمہیں کوئی دھوکہ نہیں دوں گا۔''

''مگر مجھے تم پہ اعتبار نہیں۔'' وہ چیخی تھی اور پلٹ کر تیز قدموں سے چلتی کالج کے اندر چلی گئی

تھی اور آج وہ اس کے روبرو تھا جی بھر کے زچ کرتا ہوا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کیا کر ڈالے۔

چہرے کو ذرا اٹھاؤ تو
آنکھیں بھی چار کرو دیکھو
غم چھوڑ دل کی بات کرو
تم ہنستی اچھی لگتی ہو
چہرے کی اداسی دور کرو
وہ خط جو تمہارا آیا تھا
وہ خط تھا یا افسانہ تھا
گر پریت ہماری چاہئے تھی
جھولی کو ذرا پھیلانا تھا
جب ہم نے کہا تھا من جاؤ
اور چھوڑ کے ہم کو مت جاؤ
تم سنتی تھیں چپ رہتی تھیں

وہ گاہے بگاہے نظر اٹھا کر اس کا ضبط کی کوشش میں سرخ پڑا چہرا دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں حظ اٹھاتا رہا تھا، ماہ نور نے بچوں کو چھٹی کرائی تھی اور اپنی چیزیں سمیٹتی اٹھ کھڑی ہوئی اس کے پاس سے وہ اتنی لاتعلق اور بیگانہ سے انداز میں گزر کر اندر گئی تھی کہ وہ سرد آہ بھر کے رہ گیا۔

"آپا کو صبح سے بخار ہے۔" اس کے بارے میں سوال کرنے پہ عینا نے کتاب سے سر اٹھا کر جواب دیا تھا۔

"اوہ پھر تو مجھے پوچھنا چاہیے۔" جیسے خدا نے موقع دیا تھا اس کے پیچھے جانے کا، دہلیز پہ قدم رکھتے ہوئے اس کی نگاہ نے بہت بے تابانہ انداز میں گوہر مقصود تلاشا تھا۔

"تم۔" ماہ نور جو اسی وقت واش روم سے عصر کی نماز کے لئے وضو کر کے نکلی تھی اسے دیکھ کر دھک سے رہ گئی، مگر اگلے ہی پل وہ کترا کر باہر جانے کو لپکی تھی کہ اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے وہ سرعت بڑھ کر اس کے راستے میں آہنی دیوار کی مانند حائل ہوا تھا۔

"یہ...... یہ کیا بدتمیزی ہے۔" ماہ نور یکدم ہی ضبط کھو کر پھٹ پڑی اس کے یوں راستہ روک کر کھڑے ہو جانے پہ خوف اور وحشت سے اس کا دل پل بھر کو تھم کر بے تحاشا دھڑکا ناگواری برقی رو بن کر پورے وجود میں سرائیت کر گئی تھی اس پہ ستم اس کی گہری بولتی ہوئی نظریں جو گستاخانہ حد تک گہرائی لئے تھیں۔

"یہ بدتمیزی تمہاری بدتمیزی کا جواب ہے۔" جواباً وہ اس کے چہرے پہ نگاہیں جمائے بہت تحمل سے بولا تھا۔

"دیکھو یہ...... یہ میرا گھر ہے یہاں کوئی بھی اس طرح ہمیں دیکھے تو، تو کیا ہوگا کچھ تو خیال کرو۔" چھلک پڑتی خوفزدہ سی نظروں سے اسے دیکھتی وہ اتنی بے چارگی سے بولی تھی کہ طارق شیرازی بے اختیار مسکرایا۔

"سب کا خیال ہے تمہیں ناسوائے میرے۔" ماہ نور نے بے بس گھبرائی ہوئی نظروں سے

متغیر ہوتی رنگت سمیت پہلے دروازے کو پھر اسے دیکھا۔

"ایسا مت کرو مت ستاؤ مجھے۔" وہ روہانسی ہی تو ہوگئی تھی نازک لب لرزیدہ پلکوں کی جھالریں طارق مسحور سا ہونے لگا۔

"یہ رکھ لو اور ہاں فون کرو تو بات ضرور کرنی ہے۔" جیب سے ایک پیکٹ نکال کر اس کا ہاتھ تھام کر تھمایا اور اس کی بھیگی حراساں آنکھوں میں جھانک کر مسکرایا۔

"بہت ظالم لڑکی ہو تم اتنی پابندیاں لگاؤ گی تو سرکشی کو جی نہ چاہے گا۔" نظروں سے گستاخی کرتا ہوا وہ بہت مدھم لو دیتے لہجے میں بولا تھا ماہ نور نے اس کی گرم سانسوں کو بھاپ کی مانند چہرا جھلسانے محسوس کیا اور تڑپ کر کئی قدم پیچھے ہٹ گئی، وہ کچھ دیر یونہی اسے دیکھتا رہا تھا پھر ایک دم پلٹ کر باہر نکل گیا۔

"ماہ نور۔" وہ سانس روکے کھڑی تھی بے اختیار بھاگ کر باہر آئی مما کچن سے نکل رہی تھیں طارق نارمل سے انداز میں کرسی پر بیٹھا تھا اور اس نے جلتی ہوئی آنکھیں سختی سے میچ لیں کہاں پھنس گئی ہوں میرے اللہ اس کا دل رو اٹھا تھا بستر پہ گر کر سسکتے ہوئے وہ بے اختیار خدا سے شاکی ہوگئی تھی۔

☆☆☆

رکتا بھی نہیں ٹھیک سے چلتا بھی نہیں ہے
یہ دل کہ تیرے بعد سنبھلتا بھی نہیں ہے
اک عمر سے ہم اس کی تمنا میں ہیں بے خواب
وہ چاند جو آنگن میں اترتا بھی نہیں ہے

"ہائے رابی کیا ہو رہا ہے؟" وہ لان چیئر پہ آنکھیں موندے آرام دہ حالت میں پڑی کسی سوچ میں گم تھی جب اس چہکتی ہوئی پرمسرت آواز پہ آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگی، بلیو ٹائٹس پہ ڈیپ ریڈ سلیولیس شرٹ میں بال شانوں پہ بکھیرے روحا تیز چمکتی ہوئی سرخ لپ اسٹک سے سجے ہونٹوں پہ مسکراہٹ لئے اسے دیکھ رہی تھی رابیل نے ناگوار نظروں سمیت اس کا یہ حلیہ ملاحظہ کیا تھا، پھر کچھ کہتے کہتے ارادہ ترک کرتے ہوئے دوبارہ سر کرسی کی پشت سے ٹکا کر نگاہ کا زاویہ بدل ڈالا، روحینہ کا جوش وخروش اور خوشدلی لمحوں میں زائل ہوئی تھی چہرا پھیکا سا پڑ گیا۔

"کیا ہوا تمہیں مجھے دیکھ کر خوشی نہیں ہوئی حالانکہ میں پہلی مرتبہ تمہارے گھر آئی ہوں۔" اس کا شکوہ بجا تھا رابیل کو اپنی اس غیر اخلاقی حرکت کا احساس ہوا تو خجالت زدہ سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"وہ سوری بیٹھو پلیز۔"

"تھینکس۔" وہ بے دلی سے کہتی بیٹھ کر اطراف کا جائزہ لینے لگی۔

"میری جگہ اگر شہریار ہوتا تو تب بھی تمہارا رسپانس یہی ہوتا۔" رابیل نے ملازمہ کو پکار کر چائے لانے کا کہا تب اس کے متوجہ ہوتے ہی روحینہ نے شکوہ بھرے انداز میں استفسار کیا تھا اس کا دکھ کم ہونے میں نہیں آرہا تھا رابیل نے کچھ چونک کر بغور اسے دیکھا اور چند لمحوں کو کچھ بھی نہیں کہہ پائی۔

''آئی ایم سوری روحا مگر تمہارا یہ دن بہ دن شارٹ ہوتا لباس دیکھ کر مجھے اچھا نہیں لگا تھا یہ ناگواری اسی......''

''او کے فائن پکی بات ہے نا۔'' وہ یقین کرتے کرتے بھی جیسے کچھ بے یقین ہوئی، رابیل نے جواب میں بہت سنجیدہ اور متین نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''روحا لڑکیاں خود جس قدر نازک حساس اور کمزور ہوتی ہیں ان کی عزت نفس اور پندال اس سے بڑھ کر نازک ہوا کرتے ہیں، مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا کہ تم یوں اتنے مختصر سے لباس پہن کر دعوت نظارہ دیتی پھرو اور جس کا جی چاہے تمہیں منہ اٹھا کر معیار سے گری ہوئی بات کہہ دے۔''

''آئی ایم ساری آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔'' روحینہ نے ملازمہ کو چائے کی ٹرالی سمیت اپنی سمت آتا دیکھ کر بظاہر سنجیدگی سے کہا تھا مگر انداز کی لاپرواہی اور بے نیازی صاف اپنی ہی بات کی غیر پختگی کی چغلی کھاتی محسوس ہوئی تھی رابیل نے کچھ مزید کہنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

''سنو شہریار تم سے ملنا چاہتا ہے شکوہ کر رہا تھا کہ تم اس کی فون کالز بھی ریسیو نہیں کر رہیں۔'' وہ چائے سپ کرتے ہوئے اس کا صبیح چہرا دیکھنے لگی جہاں اداسی کے ساتھ ساتھ عجیب سی ویرانی کا ڈیرا تھا۔

''بس دل عجیب سا ہو رہا ہے ملنے کا وعدہ تو نہیں البتہ میں اسے کال کروں گی۔'' اس نے جیسے ٹالا تھا روحا نے مزید کچھ نہیں کہا۔

''اینی پرابلم۔'' رابیل نے اسے کسی سوچ میں مبتلا دیکھ کر حیرانگی سے پوچھا تھا۔

''ہاں رابی وہ دراصل مجھے کچھ رقم چاہیے تھی تم بہت اچھی ہو میری مدد کر دیتی ہو ورنہ......''

''کتنی رقم؟'' رابیل نے اس کی شرمندگی اور عاجزی کو دیکھتے ہوئے بات پلٹی۔

''چاہیے تو زیادہ مگر تم اس وقت پانچ ہزار دے دو۔'' وہ اس سے نگاہیں بھی چار نہیں کر رہی تھی رابیل نے بغیر کوئی استفسار کیئے اسے مطلوبہ رقم تھما دی تھی۔

''میں کبھی تمہاری مدر سے ملنے آؤں گی روحی کتنی مرتبہ جی چاہا ان کی عیادت کا مگر......''

''ہاں ہاں ضرور مجھے اور مما کو اچھا لگے گا۔'' وہ ایک پل کو بری طرح گڑبڑا کر اگلے ہی لمحے سنبھلتی ہوئی بولی پھر وہ ٹھہری نہیں تھی حالانکہ رابیل اسے کھانے کے لئے روکنا چاہ رہی تھی۔

☆☆☆

''کہاں جا رہی تھی وہ اور کہاں آ گری تھی۔'' شکوہ یہ نہیں تھا کہ اسے خوشی نہیں مل سکی تھی دکھ تو یہ تھا کہ اس نے اگر خود سے ہاتھ بڑھا کر خوشی کو پانا چاہا تھا تو قسمت کی ستم ظریفی نے اس کی آنکھوں کو آنسو دان کر دیئے تھے اس کی خاموش اداسی کو دیکھتے ہوئے ڈیڈ نے اسے منایا تھا وہ ان کی اولاد تھی اپنی پوری دنیا میں دیکھنے کو یہی ایک چہرا تھا جو ہر گزرتے دن کے ساتھ بے رنگ بے رونق ہو رہا تھا اس کی وجہ وہ لڑکا تھا جس کا مستقبل محفوظ تھا نہ تابناک انہوں نے اپنے تئیں شہریار کے متعلق پتہ کروایا تھا، وہ انہیں بطور داماد کسی لحاظ سے بھی پسند نہیں آ سکا مگر دوسری طرف رابیل تھی زندگی کے احساس سے عاری ہوتی ہوئی انہیں اپنی حیثیت مرتبے اور سرکل کی پرواہ چھوڑ کر اس کی پرواہ کرنا پڑی تھی انہوں نے اپنی ضد چھوڑ کر شہریار کو اپنی فرزندی میں لینے کا عندیہ رابیل کو دے ڈالا تھا ان کے پاس بھلا کیا کمی تھی تو شہریار میں بھی صرف دولت و جائیداد کی ہی تھی اگر وہ اسے

اپناتے تو ان کا سب کچھ اس کا ہی ہوتا بیٹی کی خوشی کی خاطر انہوں نے شہریار کو اس کی اس خامی کے باوجود مقبولیت بخش دی تھی رابیل کو یہ مژدہ سنا کر اپنے تئیں وہ اسے خوشی اور نہال کر دینا چاہتے تھے مگر انہیں یہ دیکھ کر حیرت کے ساتھ ساتھ مایوسی بھی ہوئی تھی کہ وہ یہ خوشخبری سن کر بھی نارمل رہی تھی۔

''تھینکس ڈیڈ میں شہریار سے کہہ دوں گی۔'' اس نے کتنے عام سے سرسری سے انداز میں کہا تھا اگلے روز وہ دیر سے سو کر اٹھی تھی یہ چھٹی کا دن تھا اتوار کے دن بھی وہ کبھی دیر تک نہیں سوئی تھی اس نے کچھ سوچا تھا اور اٹھ کر تیار ہونے کے بعد ان جانی پہچانی گلیوں کی سمت گاڑی لئے چلی آئی تھی کال بیل کے جواب میں پہلے صابر پھر وقاص کا چہرا نظر آیا تھا۔

''مجھے سر داؤد حسن سے ملنا ہے۔'' اپنا تعارف کروائے بغیر اس نے گھبراہٹ پہ قابو پاتے ہوئے کہا تھا۔

''ماموں تو اس وقت گھر پہ نہیں ہیں آپ کو ان سے اگر ضروری ملنا ہے تو آپ ان کے سیل نمبر پہ ٹرائی کر لیں یا بیٹھ کر انتظار کر لیں۔'' وقاص کو یہ گلابی لباس میں قدرے سٹپٹائی گھبرائی ہوئی سی لڑکی جو یقیناً ان کی اسٹوڈنٹ تھی بہت انوکھی اور دلچسپ محسوس ہوئی تھی۔

''کہاں گئے ہیں آئی مین کب تک آ جائیں گے۔'' انتظار میں بیٹھنے کی آفر پہ وہ قدرے جھجکی تھی یوں بولی جیسے کچھ فیصلہ نہ کر پا رہی ہو۔

''وہ اپنچوئلی ماموں تو کسی کے ہاں مامی کے ساتھ لنچ کے لئے انوائیٹڈ ہیں نئی نئی شادی ہوئی ہے ان کی۔'' وہ مسکرا کر بہت شرارتی انداز میں کہتا اپنے سامنے کھڑی لڑکی کو بے طرح چونکتے اور اگلے ہی پل غیر یقینی سمیت آنکھیں پھاڑتے دیکھنے لگا۔

''واٹ یو مین کس کی شادی۔'' وہ ہکلائی تھی۔

''آپ کے سر داؤد حسن خان کی، آئی نو انہوں نے کالج میں کسی کو بھی نہیں بتایا ہوگا وہ ایسے ہی میں ریزروڈ اور جھینپو۔'' وہ بہت باتونی اور جلد فرینک ہو جانے والا تھا جبھی تو اس قدر بے تکلف انداز میں اس سے باتیں مٹھارنے لگا تھا نہ زمین شق ہوئی تھی نہ آسمان ٹوٹا تھا لیکن رابیل سکندر حیات کی ہستی ایک پل میں جیسے ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گئی، وہ اپنی زندگی کے سب سے کٹھن دشوار لمحے کی زد میں آئی حواس گنوانے لگی۔

''آر یو آل رائیٹ۔'' اس کا فق چہرا اور بے اختیار دھندلاتی آنکھیں اس کا راز فاش کر چکی تھیں یہ کیا ہوا تھا وہ تو اپنے تئیں انہیں جلانے آئی تھی اپنی متوقع شادی کی اطلاع دے کر مگر سر داؤد حسن خاں ہمیشہ کی طرح آج بھی اس کا وجود پاتال میں اتار چکے تھے اسے کھڑے رہنا دشوار محسوس ہوا تھا اسے لگا تھا سر داؤد حسن خاں نے یہ انتہائی وار کرتے ہوئے گویا اسے زندہ درگور کر ڈالا تھا اس کا دل درد کی شدتوں سے پھٹنے کے قریب ہوا جا رہا تھا اسے نہیں پتا تھا وہ وہاں سے کس طرح گاڑی تک آئی تھی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہی اس کا ضبط چھلک گیا تھا۔

جسے مانگا تھا میں نے ہر دعا میں
وہ بن مانگے کسی کو مل گیا ہے
میری آنکھوں سے تنہائی کا موسم

سمندر بن کے اکثر چھلکتا ہے

وہ اسٹیئرنگ پہ سر رکھے آج سات سمندر بہا دینے کو تیار تھی اور اسے چپ کروانے کو کوئی بھی اس کے پاس نہیں تھا۔

☆☆☆

میں نے دیکھا تھا ان دنوں میں اسے
جب وہ کھلتے گلاب جیسا تھا
اس کی پلکوں سے نیند چھنتی تھی
اس کا لہجہ شراب جیسا تھا
اس کی زلفوں سے بھیگتی تھی گھٹا
اس کا رخ ماہتاب جیسا تھا
لوگ پڑھتے تھے خال و خد اس کے
وہ ادب کی زبان جیسا تھا
بولتا تھا زبان خوشبو کی
لوگ سنتے تھے دھڑکنوں میں اسے
میں نے دیکھا تھا ان دنوں میں اسے
ساری آنکھیں تھیں آئینے اس کے
سارے چہروں میں انتخاب تھا وہ
سب سے گھل مل کے اجنبی رہنا
اک دریا نما سراب تھا وہ
خواب یہ ہے کہ وہ حقیقت تھا
یہ حقیقت ہے کوئی خواب تھا وہ
دل کی دھرتی پہ آسماں کی طرح
صورت سایہ و سحاب تھا وہ
اپنی نیندیں اسی کی نذر ہوئیں
میں نے پایا تھا رتجگوں میں اسے
میں نے دیکھا تھا ان دنوں میں اسے
یہ مگر دور کی کہانی ہے
یہ مگر دور کا فسانہ ہے
اس کے میرے ملاپ میں حائل
اک زمانہ تھا

جانے کتنے دن یونہی بے خبری غم میں نڈھال چپ چاپ طلوع ہوئے تھے اور ڈوب گئے تھے وہ جیسے ساری دنیا سے کٹ کر رہ گئی تھی کیا احساس تھا جو رگ جاں کو بے دردی سے بھنبھوڑ جاتا تھا ایسے میں شہریار نے اسے کتنی مرتبہ کی کیا کب کب رابطہ کرنا چاہا وہ کیا جانتی کہ وہ تو اپنی ہستی تک

بھلائے بیٹھی تھی کہ وہ بے تاب بے قرار اور مضطرب سا وہاں چلا آیا تھا۔

''چاہے تم مجھے کتنا ہی ذلیل کر لو رابی مگر مجھے لگتا تھا اگر تم مجھے نظر نہ آئیں میں تمہاری خیریت نہ جان سکا تو گویا یونہی یہ فکر اور پریشانی مجھے ادھ موا کر کے مار ڈالے گی۔'' اس کی حیرانی کے جواب میں وہ جس طرح تیزی سے ہاتھ اٹھا کر بولا تھا، رابیل محض اسے ایک نظر دیکھ کر ستے ہوئے چہرے کو جھکا کر بکھرے الجھے بال سمیٹ کر کیچر میں جکڑنے لگی، تب کتنے جذب سے کہے مدھر سروں میں یہ طویل نظم اس کی سماعتوں میں امرت رس بنا کر ٹپکاتا چلا گیا تھا رابیل جز بز سی ہو کر رہ گئی تھی۔

''مجھے اجازت دو رابیل تمہارے سارے دکھ اپنی پلکوں پہ سمیٹ لوں۔'' کوئی سوال کیئے بنا وہ بس اس کے درد کی دوا کی بات کر رہا تھا رابیل کو اچانک احساس محرومی میں کمی ہوتی ہوئی محسوس ہوئی تھی وہ کیوں اس حد تک مایوس ہو چلی تھی کوئی تو تھا جو اسے اس حد تک محبت کرتا تھا وہ مفلس تھوڑا ہی تھی دل تھوڑا سا سنبھلا تو اس نے ذرا سا مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔

''کیا لو گے شہریار؟''

''کچھ نہیں مجھے صرف تمہاری خوشی درکار ہے۔'' وہ یک ٹک پلکیں جھپکائے بنا اسے دیکھ رہا تھا رابیل کی لانبی پلکوں پہ غیر محسوس سا بوجھ اتر آیا کیا ہو جاتا اگر اس کی جگہ سر آپ ہوتے اس کا دل ایک بار پھر اس درد کے سمندر میں ڈوب کر ابھرا۔

''کہاں کھو جاتی ہو رابیل؟'' شہریار نے کتنی ہی دیر اسے گم صم سا کسی غیر مرئی نقطے کو گھورتے ایک اضطراب کے عالم میں دیکھا تو چونکائے بنا نہیں رہا رابیل نے کچھ غیر شناسا سی نظروں میں اجنبی رنگ لئے اسے دیکھا تھا اور سرد آہ بھر کے سر جھکاتے ہوئے اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں کھونے لگی جبکہ شہریار اس کے چہرے اس کے وجود میں ہوشربا حسن کی بے کلی اور دلگرفتگی سمیت اس کے روبرو تھا صبیح چہرے کا ایک ایک نقش کیسا شاندار اور طلسمی تھا نوخیز لوچ دار بدن کیسی غضب کی زہر شکنی لئے اس کا ضبط اور حوصلہ آزما رہا تھا مگر وہ ابھی ان بہکے ہوئے جذبوں پہ بند باندھنے پہ مجبور تھا کہ رابیل نے تو پچھلی ملاقات میں محض اس کا ہاتھ پکڑ لینے پہ بھرپور ناراضگی سمیت ٹوک دیا تھا۔

''شہریار پلیز چائے لو نا۔'' وہ اسے دیکھنے میں اور منصوبے بنانے میں اس حد تک مگن ہوا تھا کہ کب ملازمہ چائے سمیت اندر آئی اسے خبر نہ ہو سکی ہڑبڑا کر اس نے چائے کا کپ ملازمہ سے تھام لیا تھا جو اس کی جانب بڑھائے وہ کچھ حیرانگی کے عالم میں اس کی یہ بے خبری ملاحظہ کر رہی تھی۔

''تم جاؤ اب۔'' رابیل نے کہا تھا جبکہ شہریار کی نگاہ ایک بار پھر بھٹکنے لگی تھی رابیل اس وقت بلیک شیفون کا لباس پہنے تھی جس کی ہاف سلیو سے جھانکتے اس کے مرمریں بازو اس رنگ میں گویا لشکارے مار رہے تھے اس کی نگاہ اس کی مخملیں جلد کی دودھیا گداز کلائی پہ کسی کیچوے کی طرح رینگتی گردن میں الجھ گئی جہاں بالوں کی لٹوں کے ساتھ گولڈ کی چمکتی ہوئی چین کچھ اور بھی غضب ڈھا رہی تھی۔

''پتہ ہے شہریار، ڈیڈ......''

جی کردا میرا جی کردا
تینوں کھول بٹھاواں جی کردا

اس کی بات ادھوری رہ جانے کا باعث شہریار کے موبائل پہ اچانک بج اٹھنے والا یہ گانا تھا جہاں شہریار گڑبڑایا تھا اور سٹپٹا کر کوٹ کی جیب سے سیل فون نکال کر فوری طور پہ آف کر دینا چاہتا تھا وہاں رابیل کا تو خفت خجالت اور شرمندگی سے برا حال ہوا تھا خفیف سی ناگواری اس کے رگ و پے میں تیز برقی رو بن کر دوڑی تھی۔

''آئی ایم ساری وہ دراصل......'' شہریار کال ریسو کرنے کی بجائے سیل آف کر چکا تھا اور کچھ خفت زدہ سا جانے کیا وضاحت دینے جا رہا تھا کہ اسے لب بھینچے دیکھ کر ذرا سا سنبھلا۔

''تمہیں اچھا نہیں لگا رابیل۔'' رابیل نے جواب میں کچھ بھی کہے بغیر محض سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''بی کیئرفل نیکسٹ ٹائم ریئلی پرامس۔'' وہ مسکرا کر عہد کر رہا تھا رابیل نے اب بھی محض سر ہلانے پہ اکتفا کیا وہ جانے کیوں کچھ بددل سی ہو گئی تھی۔

☆☆☆

کاش میں مانگ سکوں عمر سے لمحوں کا حساب
عمر جس نے گھائل کیا مصلوب کیا اور روندا
کاش میں پھر سے سجالوں وہ ستاروں کا شہر
جس میں پلکوں کو جھکاؤں تو سب ہی منظم ہوں
کاش میں شام سے پہلے کہیں کھو جاؤں
مجھ سے دیکھا نہیں جاتا یہ اندھیروں کا شہر
کاش کہ زیست کے انگاروں پہ چل کے میں بھی اتنا
تھک جاؤں کہ پھر مجھ سے بھی ہو جینا محال

''ماہ نور بیٹے نیچے آ جاؤ مغرب کے وقت یوں کھلے سر نہیں بیٹھا کرتے۔'' آسمان پہ تیرتے نیالے سے رنگوں کے بادلوں کو دیکھتے وہ زندگی کی بے کیفی اور اذیتوں کو شمار کرتے تھکن سے بے حال ہو رہی تھی جب مما کی پکار پہ آہستگی سے اٹھ کر اندر چلی آئی۔

''ان لوگوں نے انکار کر دیا میری برسوں قبل کی اسی غلطی کو بنیاد بنا کر۔'' مما اسے یہ بتاتے ہوئے کس درجہ بے بسی اور لاچاری سمیت پھوٹ پھوٹ کر روئی تھیں کچھ اتنی شدتوں سمیت کہ وہ بس خشک آنکھوں سمیت انہیں دیکھتی رہ گئی تھی۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ اس اطلاع پہ سکھ کا سانس بھرتی کہ پسند ہو جانے کی صورت میں یہ بات آگے بڑھتی اور اس کا بھید کھل جاتا مگر اس کے برعکس وہ رنجیدہ وملول ہو گئی تھی، مما کی آنکھوں سے گرتے وہ آنسو اسے اپنے دل پہ گرتے محسوس ہوئے تھے جنہوں نے پل دو پل میں ہی اس کے دل کی زمینوں کو سیلن زدہ کر ڈالا تھا کتنے بے حس کٹھور اور تنگ دل ہیں لوگ اس نے گہرا سانس کھینچ کر سوچا تھا آج تو مما مایوس ہیں افسردہ ہیں اگر انہیں طارق شیرازی کی اس سرکشی اور انتہائی حرکت کا علم ہو جائے تو اس نے سوچا اور خود ہی ڈر گئی نہیں اللہ نہ کرے اس نے سر جھٹک دیا تھا۔

''آپا، طارق بھائی ہیں فون پہ آپ سے بات کرنا چاہ رہے ہیں۔'' وہ بکھرا ہوا کمرا سمیٹتے ہوئے خود کو اس احساس سے نکالنے کی سعی میں مصروف تھی جب طلحہ بھاگتا ہوا اس کے پاس آیا تھا اس کا دل پوری قوت سے پھیل کر سکڑا اور چور نگاہ کچھ فاصلے پہ نماز میں مشغول مما پہ ڈالی۔

''کیوں بات کرنا چاہتا ہے وہ مجھ سے؟'' اس کا لہجہ زہر خند ہوا تھا۔

''پتہ نہیں آپا ہولڈ پہ ہے فون وہ آپ کا ویٹ کر رہے ہیں ہم نے بھی کی ہے بات آپ بھی کر لیں۔'' طلحہ ہر بات سے لاعلم بہت بے نیازی سے مشورہ دے رہا تھا۔

''شٹ اپ منع کر دو اسے بھی نہیں کر رہی بات۔'' وہ تلخی و تنفر سے کہتی وارڈ روب کھول کر کھڑی ہوئی اور ترتیب شدہ کپڑوں کو خواہ مخواہ پھر سے اٹھا کر تہہ کرنے لگی۔

''ماہ نور دیکھنا میں سالن دم پہ لگا کر آئی تھی۔'' مما کی پکار پہ وہ چونکی تھی اور پٹ بند کرتے ہوئے کمرے سے نکل آئی۔

''ہاں بھائی انہوں نے خود کہا ہے وہ آپ سے بات کرنا نہیں چاہتی۔'' طلحہ ریسور کان سے لگائے پرزور انداز میں اپنی بات کا یقین دلانا چاہ رہا تھا اس نے ایک نظر اسے گھورا مگر وہ متوجہ نہیں تھا وہ تلملاتی ہوئی آگے بڑھی اور ریسور اس سے چھین کر کریڈل پہ پٹخ دیا اس کے تاثرات اتنے کبیدہ خاطر تھے کہ طلحہ بغیر کچھ کہے محض ایک نظر اسے دیکھ کر ہی دم دبا کر بھاگ گیا وہ ابھی چند قدم ہی آگے بڑھی ہو گی جب بیل ایک بار پھر زور و شور سے بج اٹھی تھی چند لمحے تذبذب میں مبتلا رہ کر اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسور اٹھا لیا تھا۔

''ماہ نور دماغ درست ہے تمہارا۔'' وہ اس کے ہیلو کہتے ہی برسا تھا۔

''واٹ نان سنس۔'' وہ اسی پر الٹ پڑی۔

''یہ کون سا طریقہ ہے اتنی تمیز بھی نہیں ہے کہ......''

''او شٹ اپ مجھے یہ فضول باتیں نہیں سننا۔'' وہ دھاڑی تھی۔

''ماہ نور۔'' دوسری جانب طارق نے بہت سرد آواز میں گویا اسے تنبیہاً پکارا تھا۔

''نام مت لو میرا تمہارے منہ سے اپنا نام سننا مجھے کسی بدترین گالی لگتا ہے۔'' اسے پتہ نہیں اتنا غصہ کس بات پہ آ رہا تھا، دوسری جانب طارق شیرازی انا پسند خود دار طبیعت پہ اس کا یہ لہجہ و انداز گویا تازیانہ بن کر لگا چہرے پہ جیسے کسی نے آگ دہکا دی تھی۔

''تم جانتی ہو کس سے بات کر رہی ہو۔'' وہ بپھری تو جواباً وہ بھی قہر بن گیا تھا اس کا سرد لہجہ اتنا سنگلاخ اور دھمکی آواز تھا کہ ایک پل کو ماہ نور کا دل بہت قوت سے سکڑا۔

''درمیان میں موجود فاصلوں سے شبہ پا کر اکڑو نہیں میرے لئے یہ فاصلے کچھ حیثیت رکھتے ہیں نہ تمہارا یہ رویہ محض ایک فون کال پہ تم اندازہ نہیں کر سکتی میں کیا کچھ کر سکتا ہوں۔'' اس کے لہجے میں سرد غراہٹ در آئی تھی۔

''کیا مطلب کیا کرو گے تم۔'' ماہ نور کو اس کی یہ دھمکی ہی بھربھری ریت کی طرح ڈھیر کرنے کا سبب بنی تھی مما کو دروازے سے نکل کر باہر آتے دیکھا اور لمحے کے ہزارویں حصے میں اسی نے ریسور کریڈل پہ ڈال دیا مما نے دیکھ کر بھی نظر انداز کیا تھا جبکہ وہ کترا کر کچن میں چلی گئی جبکہ مما کی پرسوچ نگاہوں نے بہت دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

☆☆☆

یہ خوبرو لوگ جن کی آنکھیں
تمہارے اجلے بدن پہ چسپاں
تمہارے نقش قدم کی خوشبو میں
ثبت ایسے
بھنور میں جیسے حنا کے پتے
میں سوچتی ہوں
اتنی آنکھوں کے دائروں میں
میری اکیلی اداس آنکھوں کی کیا حیثیت
میری وفا کا مقام کیا ہے میری محبت کا نام کیا ہے

''السلام وعلیکم سر!'' وہ بھاگتی ہوئی ان کے پیچھے آئی تھی جبھی سانسیں غیر ہموار سی تھیں تو چہرے پہ لالی وہ رکے تھے اور پلٹ کر اسے دیکھتے ہی جیسے بے نام سی تھکن کا شکار ہو گئے۔

''ہوں وعلیکم السلام خیریت سے ہو۔'' محض ایک نگاہ اس کے اجلے دودھیا چہرے پہ ڈال کر نظر پھیرتے ہوئے وہ مخصوص لہجے میں گویا ہوئے تھے وہ عجیب سے انداز میں ہنس دی۔

''پتہ نہیں سر خیریت کی خبر رکھنا تو ایک مدت ہوئی ہم نے چھوڑ رکھی ہے، ویل یہ میری شادی کا انویٹیشن کارڈ ہے سر آئی وش کہ آپ ضرور آئیں۔'' ان کے ایک دم سے چونکتے انداز کو دیکھتی وہ آہستگی سے سر جھکا کر گویا ہوئی تھی۔

''تمہاری شادی اتنی جلدی۔'' ان کا انداز حیرت کی زیادتی کے باوجود خود کلامی کا سا تھا۔

''جی سر میں نے تو بہت چاہا تھا آپ سے سبقت لے جاؤں مگر آپ نے پتہ نہیں کن وقتوں میں مجھے پہلی شکست سے دو چار کیا تھا کہ بس تب سے ہار ہی نصیب میں آ کر ٹھہر گئی ہے کانگریجولیشن سر فار یور میرج۔'' وہ پتہ نہیں کیوں خود ترسی خود اذیتی کا شکار ہو رہی تھی داؤد حسن خاں نے اب کی بار بغیر چونکے بہت خاموش نگاہوں سمیت اسے دیکھا تھا۔

''تھینکس۔'' وہ اسے پل کے پل بہت سرد اور اجنبی محسوس ہوئے۔

''ضرور آیئے گا سر اپنی وائف کے ساتھ اسی بہانے میں بھی دنیا کی اس خوش قسمت ترین لڑکی سے مل لوں گی۔'' اس نے مسکرا کر یوں کہا تھا کہ دل کا درد لبوں پر کراہ کی صورت بکھر گیا تھا داؤد حسن خاں نے ایک نظر اسے دیکھا تھا اور ایک لفظ مزید کہے بغیر پلٹ کر چلے گئے تھے رابیل ان کے نقش قدم کو دیکھتی رہی تھی یہاں تک کہ اس کی نگاہوں میں یہ منظر دھندلا گیا تھا۔

آنے والے تیرے رستے پہ بچھاؤں آنکھیں
جانے والے تیرے قدموں سے لپٹ کر رو لوں

☆☆☆

جبار قہار خدا سائیں
رحمن رحیم سدا سائیں
میرے من میں دیپ جلا سائیں

سب ظلمت آپ مٹا سائیں
سب رستے آپ دکھا سائیں
میری تجھ سے یہی دعا سائیں

''آ...... آپ کھانا کیوں نہیں کھا رہے۔'' انہیں بے خیال اور قدرے بے چین تو محسوس وہ کر ہی چکی تھی مگر اب کھانے سے بے رغبتی بہرحال اس سے برداشت نہیں ہو سکی تھی۔

''آں ہاں۔'' وہ چونکے تھے اور پھر اپنی پلیٹ میں موجود چاولوں کو دیکھا۔

''سوری مجھے بھوک نہیں ہے، صابر ایک کپ اسٹرانگ چائے کا بنا کر اسٹڈی میں دے جانا۔'' نیپکن سے ہاتھ پونچھتے ہوئے وہ اٹھ کر چلے گئے تھے۔

مامی جی وہ ان کے پیچھے ہلتے پردے کو دیکھتی کچھ غصے میں لب بھینچ بیٹھی تھی جب وقاص کی آواز پہ قدرے چونکی۔

''ماموں کا رویہ تو آپ کے ساتھ ٹھیک ہے نا۔'' وقاص کے سلاد کی ڈش سے کھیرے کی قاش اٹھا کر دانتوں سے کترتے ہوئے اپنے اچانک اور غیر متوقع سوال سمیت اس کا اعتماد زائل کر چکا تھا۔

''کیا مطلب ہے؟'' وہ گڑبڑائی تھی۔

''مطلب میں نے شادی کے بعد بھی ماموں کے رویے میں کچھ خاص چینج محسوس نہیں کیا وہ پہلے کی طرح روڈ اجنبی اور سرد محسوس ہوتے ہیں۔''

وقاص اتنا لاپرواہ اور بے نیاز بھی نہیں تھا جتنا وہ اسے سمجھ چکی تھی وہ جواب میں کیا کہتی لب کچلتی نظریں چرا گئی۔

''مامی جی حالات جیسے بھی تھے بہرحال انہوں نے آپ کو اتنے لوگوں کی موجودگی میں اپنایا ہے تو اب آپ کی حیثیت ان کے لئے اس گھر کے لئے مسلم ہے اس سے نہ انہیں انکار ہو سکتا ہے نہ ہمیں شکایت مجھے آپ سے بھی ہے آپ بھی تو الگ تھلگ گم صم اور بیگانہ سی نظر آتی ہیں اس گھر کو اپنا گھر جانیے یہاں اپنی پسند کے مطابق کام کریں کھانا بنائیں گھر کا ہولڈ اپنے ہاتھ میں لیں میں دیکھ رہا ہوں موسم چینج ہو رہا ہے مگر آپ کے پاس اس کی مناسبت سے کپڑے نہیں ہیں ابھی ماموں سے جا کر کہیں کہ وہ صبح آپ کو شاپنگ کے لئے لے چلیں۔'' وہ جو کچھ حیرانگی تحیر و استعجاب سمیت اس لاابالی کھلنڈرے سے لڑکے کے منہ سے بڑی بی بیوں جیسی باتیں سن کر یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی، اس آخری بات پہ زہرخند سے ہنسی اور سر جھکا کر یوں اپنی ہتھیلیوں کو دیکھا جیسے قسمت پہ تاسف زدہ ہو۔

''اب کس سوچ میں گم ہیں۔'' وہ اسے یوں رنجیدہ و ملول دیکھ کر نرمی سے جھنجلایا پھر کچن سے نکل کر ''کدی تے ہس بول وے'' گنگناتے چائے کا مگ لئے اسٹڈی کی سمت جاتے صابر کو پکار کر اشارے سے بلایا تھا۔

''جی چھوٹے صاحب، میں چائے بڑے صاحب کو دے کر آتا ہوں۔'' صابر نے وہیں سے ہانک لگائی تھی۔

''صاحب کے بچے چائے ادھر لے کر آؤ نان سنس۔'' وہ جھنجلایا پھر اسے دیکھ کر زچ ہوئے

انداز میں بولا تھا۔

''دیکھ لیں آپ کی خاطر مجھے کیا کچھ کرنا پڑ رہا ہے۔'' اس سے پہلے کہ نگین کچھ سمجھتی وقاص نے اٹھ کر صابر سے چائے کا بھاپ اڑاتا مگ لے کر اسے تھما دیا تھا۔

''جائیں آپ اپنا کام کریں اسے میں سنبھال لیتا ہوں۔'' دوستانہ مسکراہٹ اس کی جانب اچھال کر وہ مزے سے بولا تھا، نگین جو اس اچانک زبردستی پڑ جانے والی ذمہ داری پہ بھونچکائی ہوئی سی کھڑی چار و ناچار قدم بڑھانا پڑا ''یس'' دستک کے جواب میں ان کی بھاری بھرکم مگر قدرے تھکی ہوئی آواز سنائی دی تھی وہ ہمتیں مجتمع کرتی دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی، ٹیبل پہ وہ کسی فائل کے مطالعے میں مگن تھے ٹیبل لیمپ کی مدھم روشنی میں ان کے سحر زدہ نقوش مزید غضب ڈھا رہے تھے وہ ایک پل کو مسمرائز ہوتی وہیں کھڑی رہ گئی یہ اس کی گرم نگاہوں کی تپش کا احساس ہی تھا کہ انہوں نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا تھا اور ایک دم سے سیدھے ہو گئے۔

''آپ نے کیوں زحمت کی میں نے صابر سے کہا تھا۔''

گو کہ ان کے لہجے میں کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی جس میں برا ماننے والی بات ہو اس کے باوجود اسے ان کا یہ انداز بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔

''یہ اتنا سا کام ہرگز زحمت نہیں ہو سکتا میرے لئے ویسے آپ بے فکر رہیں چائے صابر نے ہی بنائی ہے مجھے تو زبردستی وقاص نے بھیج دیا کہ مجھے آپ کا خیال رکھنا چاہیے۔'' وہ پتہ نہیں کیوں اتنی تلخ ہو گئی تھی، داؤد حسن خاں نے اس کے اس انداز کو اچھنبے کی نگاہ سے دیکھا تھا اور بغیر کچھ کہے چائے کا کپ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

''تھینکس۔'' نگین نے ان کے مغرور نقوش کو نگاہ بھر کے دیکھا اور دل میں ایک درد سا جاگ اٹھا وہ لب بھینچے ہوئے ایک جھٹکے سے پلٹی تھی۔

''سنو۔'' اسے جھٹکا لگا تھا وہ چائے کا سپ لیتے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

''کیا اب آپ وقاص کی نصیحت پہ عمل نہیں کریں گی۔''

''ج...... جی۔'' اس کے اعصاب پہ صحیح معنوں میں کوئی بم پھٹا تھا ٹپٹا کر گھبراتی ہوئی الجھن آمیز متحیر نظروں سے بے یقینی و سراسیمگی سمیت ان کی بادامی خوبصورت روشن آنکھوں میں ڈولتی اس خفیف سی سرخی اور غیر محسوس سی شرارت کو دیکھا۔

''تھینکس چائے بہت اچھی ہے گو کہ آپ نے نہیں بنائی مگر آپ کے یہاں تک لانے سے ہی دیکھ لیں صابر کے ہاتھ کی تمام ترشی اور بے ذائقی زائل ہو گئی۔'' ان کی آنکھوں کے ساتھ اب لبوں پہ بھی ایک شوخ ایک اپنائیت آمیز مسکراہٹ بکھری تھی نگین بری طرح سے جھینپی اس کے حواسوں پہ شرم غلبہ پانے لگی تو اندر موجود پژمردگی یاسیت اور افسردگی پہ سرشاری پھول بن کر کھلنے لگی۔

''مم...... میں چلی ہوں۔'' وہ کچھ اس طرح سے بدحواس ہوئی تھی کہ راہ فرار ڈھونڈنے لگی۔

''ایز یو وش، لیکن کل صبح تیار رہیے گا آپ کو کالج واپسی پہ شاپنگ کے لئے لے چلوں گا۔'' اپنی بات مکمل کرتے ہی وہ فائل کے صفحے پلٹنے لگے تھے گویا اس کی سمت اب توجہ نہیں تھی مگر نگین اپنی جگہ سکتے کے عالم میں کھڑی رہ گئی تھی جانے کیوں اسے لگا تھا جیسے داؤد حسن خاں اس کے اور اس وقاص کے درمیان ہونے والی بات چیت سن چکے ہیں اور یہ ایک مصلحت پسندانہ اقدام ہے اس

[...] حسن اترنے لگی۔

☆☆☆

وہی گلیاں وہی کوچے وہی سردی کا موسم ہے
اسی انداز سے اپنا نظامِ زیست برہم ہے
یہ حسن اتفاق ایسا کہ نکھری چاندنی بھی ہے
وہی ہر سمت ویرانی اداسی تشنگی سی ہے
وہی ہے بھیڑ سوچوں کی وہی تنہائیاں پھر سے
مسافر اجنبی اور دشت کی پہنائیاں پھر سے
وہ جس کے ہونے سے زندگی نغمہ سرائی ہے
اس کہنا کہ بھیگی جنوری پھر لوٹ آئی ہے

چھٹی کا دن تھا وہ گھر پہ تھی طلحہ اور عینا کو زبردست ڈانٹ پھٹکار کے بعد اس نے کتابیں دے بٹھایا اور خود گھر کی صفائی ستھرائی پہ جت گئی، ابھی کچھ دیر قبل ہی آرڈر کی تیاری کمپلیٹ کرنے کے بعد اس نے مما کو سپلائی دے کر بھیجا تھا۔

''آپا، بھائی کہہ رہا ہے ہمیں صرف کارٹون دیکھ لینے دیں پھر کام کر لیں گے۔'' عینا چہرے پہ بیچارگی طاری کیے دروازے پہ کھڑی تھی ٹام اینڈ جیری ان کے فیورٹ کارٹون تھے وہ منع کرتے کرتے رہ گئی۔

''او کے جاؤ دیکھ لو لیکن نہ شور ہو نہ ہی کمرے میں کوئی چیز بے ترتیب ہونی چاہیے۔'' اس نے بات کے ساتھ ہی حد بندی بھی لگا دی، جبھی بیرونی دروازے پہ بہت مدھر سروں میں بیل ہوئی

''طلحہ جاؤ دیکھو باہر کون ہے۔'' وہ وہیں سے چلائی تھی۔

''السلام وعلیکم محترم خاتون۔'' اس جانی پہچانی دلکش مردانہ آواز پہ وہ حیرانگی سمیت ایک جھٹکے سے سیدھی ہوئی تھی لبوں کے گوشوں میں مچلتی مسکراہٹ لئے وہ بہت گہری نگاہوں سمیت اس کا سر تا پا جائزہ لے رہا تھا ماہ نور کا دل پوری قوت سے پھیل کر سکڑا ناگواری کا احساس پورے بدن میں [...] رو بن کر سرائیت کر گیا۔

''تم...... تم یہاں کیا لینے آئے ہو، مما گھر پہ نہیں ہیں، ان کی موجودگی میں آنا۔'' اس کی عدم موجودگی اور اپنی تنہائی کے احساس سمیت بہت سے خدشات وحشت بھری سراسیمگی بن کر اس کے اندر تھرائے تھے۔

''بات کرنے کا یہ کون سا انداز ہے۔'' وہ مزید چند قدم بڑھا کر اس کے بالکل مقابل آن کھڑا ہوا تھا ماہ نور نے کچھ برہمی سے اسے دیکھا اور کرنٹ کھا کر پیچھے ہوئی تھی اس سے قبل کہ اس کی پہنچ سے دور ہوئی، طارق جو اس کے انداز و اطوار کی رہانت آمیزی پر پہلے ہی تلملایا ہوا تھا اس کا بازو سختی سے دبوچتے ہوئے اپنے مقابل گھسیٹ لے گیا، کچھ اس قدر سختی سے کہ ماہ نور کو ہڈی [...] ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔

''اگر تمہیں یاد ہو تو میں نے یہ نکاح تم سے محض تمہارا بگڑا ہوا دماغ ٹھکانے پہ لانے کی غرض

سے کیا تھا مزید بگاڑنے کے لئے نہیں۔" ایک مزید جھٹکا دیتے ہوئے وہ اسے اتنا قریب کر گیا تھا کہ زبردستی سہی مگر ماہ نور کی سانسیں اس کی سانسوں میں مدغم ہونے لگی تھیں۔ وہ اس سے اس جرات کی توقع نہیں رکھتی تھی۔ بیک وقت شرم اور غیض سے مجمند پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی رہ گئی۔

"نون یہ بات تم نہیں کرنا چاہتیں روبرو ملنے سے تمہارا انکاری ہو تم جانتی ہو میں تمہاری اس ہٹ دھرمی کے بعد کس حد تک جا سکتا ہوں۔" تندی سے بات کرتا ہوا وہ انتہائی وحشی ... اس کا چہرہ اٹھا کر بولا تھا جبکہ وہ اس حد تک سراسیمہ اور بے اوسان تھی جیسے قوت گویائی سے ہی محروم ہو گئی تھی۔

"دل تو یہی چاہ رہا ہے کہ تمہیں ایسا سبق سکھاؤں کہ سارے کس بل نکل جائیں۔" خوف و ہراس سے پھیلی مزید قاتل ہوئی آنکھوں کو آہستگی سے چھوتا وہ بالآخر آتش فشاں ہوا اس کی طرف رکھتا ہوا بہت گہرے لہجے میں گویا ہوا تھا جبھی وہ بھی جیسے اس شاک سے نکلی تھی اور اس سے اتنا نزدیک پا کر ماہی بے آب کی مانند مچل کر گرفت سے نکلنے کو بے تاب ہوئی ... اور شدید نفرت کا کچھ ایسا ملا جلا احساس اس کی آنکھوں اور چہرے سے چھلکا تھا کہ طارق ... کو ساکت رہ گیا اسے چھوڑنے کی بجائے اس کی گرفت سخت ہوئی تھی بازوؤں کے شکنجے میں اسے پل بھر میں بے بس کر دیا۔

"کچھ تو خیال کرو طارق عزنا اور طلحہ دونوں گھر پہ موجود ہیں اگر انہوں نے دیکھ لیا تو ..." انتہائی بے بسی سے سسکی تھی۔

"یہ تو تمہیں خیال رکھنا چاہیے۔" وہ اسے چھوڑ کر قاطعے پہ ہوتا ہوا سارا الزام اس پہ ... ماہ نور سرعت سے رخ پھیر کر باہر نکل گئی اس کا سانس دھونکنی کی مانند چلنے لگا تھا چہرے پہ ہی نہیں پورے وجود کو جیسے کسی نے بھڑکتی آگ میں جھونک دیا تھا، منہ پہ ہاتھ رکھ کے وہ بے ساختہ ابلتی سسکیوں کا گلا گھونٹنے لگی کچن میں آ کر سنک کا نل کھولا اور جلتی آنکھوں پہ پانی کے چھپاکے مارے تھی مگر اندر لگی آگ جیسے ہر شے جلا کر خاکستر کر دینے کے درپے تھی، ان چند لمحوں کا ... احساس دینے والا ناگواری لئے احساس اسے خود سے نظریں چرانے پہ مجبور کر رہا تھا۔

"کب تک اسی ایک بات کا سوگ منائیں گی محترمہ چائے بنا کر لا دیں۔" وہ کچن کے دروازے پہ ایستادہ بہت بے باک تفصیلی نگاہوں سمیت اس کا جائزہ لے رہا تھا ماہ نور غم و غصے سے کانپ کر رہ گئی۔

"تم جاؤ یہاں سے میں چائے وہیں لا دیتی ہوں۔" ناگواری و تلخی چھپانے کی اس نے قطعی کوشش نہیں کی تھی۔

"تم نہیں سدھرو گی مگر مجھے سدھارنا بہت اچھی طرح آتا ہے ہر ویک اینڈ پہ آیا کروں گا دیکھتا ہوں تمہاری ضد اور انا کی انتہا کہاں تک ہے۔" چبا چبا کے بولتے ہوئے وہ اسے ... پلٹ کر چلا گیا ماہ نور ایک ایک چیز پٹخ کر اندر کے بپھرتے طیش کو نکالنے لگی۔

(باقی اگلے ماہ)

میرے ساحر سے کہو

ام مریم

پانچویں قسط کا خلاصہ

نگین کا تعلق جاگیردار گھرانے سے ہے، وہ داؤد حسن خاں کو اپنی زندگی کی داستان سناتے ہوئے بتاتی ہے کہ اس کے گھرانے کے مرد عیاشی کے طور پر طوائفوں کے ساتھ رات گزارنا بھی غلط نہیں سمجھتے جبکہ اپنے خاندان کی بیٹیوں کی وہ شادیاں بھی اس وجہ سے نہیں کرتے کہ جائیداد کا بٹوارہ نہیں چاہتے اس کی دو بڑی بہنوں کی بھی شادیاں نہیں ہو سکی تھیں جس کی وجہ سے وہ چور راستے اختیار کرتی ہیں، گاؤں کے کمی کمین لڑکے شاہوں کی اونچی شان وشوکت کے لحاظ سے گویا ایک مضحکہ ہے، باپ اور بھائی مل کر باری باری دونوں بہنوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں اور ایک رات نگین کو بھی مارنے کا منصوبہ بناتے ہیں کہ نگین اپنی جان بچا کر حویلی سے بھاگ آئی ہے، داؤد حسن خاں کے پاس اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ اس بے سہارا لڑکی کو سہارا دیں نکاح کے بعد طارق اکثر بیشتر ماہ نور کی طرف آتا ہے اور اسے اپنی محبت کا یقین دلاتا ہے رابیل سر داؤد سے مایوس ہو کر شہریار کی چکنی چپڑی باتوں کا یقین کر لیتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

چھٹی قسط

کس قدر اکیلا پن
کہ میرا ہی آئینہ
میرے عکس سے محروم
آئینے کا خالی پن میرے ساتھ رہتا ہے
کس قدر اکیلا پن کس قدر اداسی ہے
کہ اگر اداسی کی پھانس کو نکالو تو
چیخ سی ابھرتی ہے پھانس کب نکلتی ہے
کس قدر اندھیرا ہے سائے تک نہیں ملتے
پھول بھی نہیں کھلتے زخم بھی نہیں سلتے
تم بھلا کہاں ملتے اس قدر اندھیرا ہے
کہ سب ہی حسیں منظر اور میری یادیں سب
مجھ کو بھول بیٹھی ہیں
تجھ کو دیکھنا چاہیں تو بھی دیکھ نہ پائیں
کاش میں اندھیرے کا اک جزو بن جاتا
کاش میں خامشی میں چیختا چلا جاتا
کاش میں اداسی کے لب پہ آ کے ہنس دیتا
پھر تمہیں خبر ہوتی کس قدر اندھیرا ہے
کس قدر خاموشی ہے کس قدر اداسی ہے

جب سے شادی کی ڈیٹ فکس ہوئی تھی ایک عجیب سی وحشت سراسمیگی بن کر اس کے وجود میں سرسراتی رہتی تھی گو کہ اسے ڈیڈ کے اس اچانک فیصلے نے حیرانگی سے دوچار کیا تھا، شہریار میں سوائے وجاہت و خوبروئی کے ایسا کچھ بھی نہیں تھا کہ ڈیڈ اس سے محض ایک مرتبہ ملنے کے بعد اسے سلیکٹ کر لیتے وہ نہ صرف جاب لیس تھا بلکہ اس کے پاس اپنا گھر بھی نہیں تھا اس کے باوجود ڈیڈ نے اسے بطور داماد قبول کر لیا تھا اس کے اندر ایک موہوم سی امید تھی مگر وہ بھی دم توڑ گئی احساسات پہ برف گرنے لگی تھی وہ اندر سے ایکدم ہی یکلخت خالی ویران سی ہو گئی، وہ اٹھی تھی اور وارڈ روب کے سب سے نچلے خانے سے وہ چوکور چھوٹے سائز کی مخملیں ڈبی نکال لی، انگوٹھے اور انگلی کے دباؤ سے لاک کھول کر اس نے کیس کا ڈھکن اٹھایا تھا بیش قیمت نگینوں سے مرصع وہ دل شیپ جڑاؤ لاکٹ تھا جو درمیان سے ہلکا سا دبانے سے اوپن ہوتا تھا اس نے ہلکا سا انگلی کا دباؤ ڈال کر اسے کھولا تو وہ کھل کر دو حصوں میں علیحدہ ہو گیا تھا یہ لاکٹ دوبئی سے اس نے خریدا تھا اس کے بے تماشا دل پہ چڑھ جانے کی اصل وجہ ہی اس میں لگنے والی وہ دو ننھی ننھی تصویریں تھیں جو کھلنے پہ آمنے سامنے مسکراتی ہوئی نظر آئی تھیں اس کے ذہن میں پہلا خیال داؤد حسن خاں کا ہی آیا تھا اس نے یہ لاکٹ انہیں گفٹ دینے کا سوچا تھا مگر پھر فطری جھجک اور ان کے موڈ کے بگڑ جانے کے خوف

نے اسے اس جرات سے باز رکھا تھا البتہ وہ اس میں اپنی اور ان کی تصویر لگانے سے خود کو کسی طرح بھی باز نہیں رکھ سکی تھی، ٹپ ٹپ کتنے ہی آنسو بے آواز اس کی پلکوں کی باڑھ کو پھلانگتے گالوں سے پھسلے اور گریبان میں گم ہو گئے تھے، کتنی خاموشی سے سب کچھ ختم ہو گیا تھا، مگر کیا واقعی ختم ہو گیا تھا کیا سر کے کسی اور کو اپنا لینے سے اور اس کے کسی اور کو خود کو سونپ دینے سے وہ محبت وہ شدت وہ بے اختیاری واقعی ختم ہو جاتی ہو گئی تھی نہیں یہی تو اصل تشویش میں مبتلا کر دینے والی بات تھی کہ یوں سب کچھ ختم نہیں ہوا تھا بلکہ بے بسی بے چارگی اور کرب مزید پھیل کر لامتناہی ہو چلا تھا اس کے سیل فون پہ وائبریشن ہوئی تب اس نے دھند آلود نظروں سمیت روشن ہوتی اسکرین پہ چمکتے نام کو دیکھا اور شہریار کا محض نام دیکھ کر ہی اس کا موڈ غارت ہو گیا تھا اس وقت بات کرنے کا موڈ نہیں تھا مگر وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھا رابیل کو ناچار موبائل اٹھانا پڑا۔

''کیسی ہو جانی۔'' وہ لہک کر بولا تھا، رابیل نے لب بھینچ کر فقد ضبط کیا۔

''انکل یعنی تمہارے ڈیڈ چاہ رہے ہیں، میں تمہارے ساتھ جا کے شادی کی شاپنگ کر لوں گڈ آئیڈیا تم میرے لئے ڈریس چوز کرنا میں تمہارے لئے کروں گا کتنا اچھا لگے گا نا رابی۔'' جوش مسرت سمیت اس کی آواز کھنک رہی تھی رابیل نے اس کی خوشی کی وجہ سوچی اور اندر تک بے زار ہو گئی۔

''آج نہیں میری طبیعت اچھی نہیں ہے۔'' اس نے بے اعتنائی سے کہا اور مزید کچھ سنے بغیر سلسلہ کاٹ دیا۔

''کیا کیا میں نے خود اپنے پیروں پہ کلہاڑی مار دی یہ شہریار یہ تو سر کے پیروں کی خاک بھی نہیں ہے، مجھے اتنی جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' وہ تاسف و بلال اور رنجیدگی میں گھرنے لگی معاً وہ چونکی تھی سیل فون پہ میسج ٹون تھی اس نے بغیر کسی تجسس و اشتیاق کے اٹھ کر دیکھا۔

اب اور نہیں میری جاں
چنچل ہوا آ کے مجھ سے کھیلے گی
چاند پھر اہتمام سے میرے کمرے میں اترے گا
کمرے میں بہاروں کا سماں ہو گا
میرا چاند گھونگھٹ میں چھپا ہو گا
اس کو گھونگھٹ سے جب میں آزاد کروں
چھننے کی وہ مجھ سے فریاد کرے گا
آنکھوں کا کاجل بکھرا آنچل
گجرا مہندی اور سنگھار
کتنے ہوں گے اس کے ہتھیار
اور میں ہوں گا خالی ہاتھ
خالی ہاتھوں جب میں اس کو

مالا مال کر دوں گا
رات کا آنچل دھیرے دھیرے

مائی گاڈ اس سے پوری نظم نہیں پڑھی جا سکی سیل فون اس نے یوں دور پھینکا تھا جیسے وہ سانپ بچھو ہو چہرے سے بھاپ سی نکلنے لگی تھی تو ہاتھوں پیروں میں سنسناہٹ سی دوڑ رہی تھی اسے شہریار پہ رہ رہ کے غصہ آئے جا رہا تھا کمرے میں ٹہل ٹہل کر پیچ و تاب کھاتے ہوئے وہ اندر اُمڈتا اشتعال دبانے کی کوشش میں تھی۔

☆☆☆

نیند بے سود ہی ٹکراتی رہی
آنکھ کی بے خوابی سے
سانس رہ رہ کے الجھتی رہی بے تابی سے
کوئی بے وجہ سا دکھ
روح میں بے چین رہا
ایک دریا کہ رہا خون میں طغیانی پہ
کوکتے کوکتے دل زخمی پرندے کی طرح
پھڑ پھڑاتا ہوا کچھ دیر ٹھہر جاتا تھا
آسماں سے کوئی گھنگھور اندھیرا سا جیسے
اور کچھ اور ہر سمت بکھر جاتا تھا

ساری رات اس نے آئی سی یو کے باہر ہوسپٹل کے یخ بستہ فرش پہ اکڑوں بیٹھ کر لمحہ لمحہ دعائیں مانگتے سسکتے وحشت زدہ دل کو سنبھالنے کی کوشش میں بے حال ہوتے گزاری تھی کتنا بوکھلا گئی تھی وہ مما کو اس طرح حال سے بے حال دیکھ کر کالج سے واپسی پہ دروازہ کھلا پا کر ہی اسے کسی انہونی کا احساس جاگا تھا مگر چوکھٹ سے اندر قدم رکھتے ہی مما کو آدھا سیڑھیوں اور آدھا صحن میں کسی بے جان جسم کی طرح منہ کے بل گرے دیکھ کر اس کے حلق سے دلخراش چیخ نکل گئی تھی، انہیں کیا ہوا تھا وہ کیونکہ گر پڑی تھیں وہ قطعی نہیں سمجھ پائی تھی اس قدر وحشت ایسی سراسیمگی اس سے پہلے شاید ہی کبھی اس کا نصیب بنی ہوگی۔

''مما آنکھیں کھولیں پلیز۔'' وہ بلند آواز سے روتے ہوئے انہیں ہلا جلا کر ہذیانی ہو کر بولی تھی مگر وہ تو یوں خاموش تھیں جیسے اب کبھی بولنے کا ارادہ نہ ہو۔

''مما۔'' وہ ان کا چہرا ہاتھوں میں لے کر بلک اٹھی تھی۔

''کیا ہوا آپا مما کو کیا ہوا ہے۔'' طلحہ اور عینا یقیناً اسی وقت آئے تھے اسکول یونیفارم میں بیگ کاندھوں پہ ٹکائے مگر چہروں پہ صورتحال کی سنگینی نے وحشت بھرا خوف پھیلا دیا تھا۔

''پتہ نہیں مجھے نہیں پتہ۔'' وہ ہچکیوں سے روتے ہوئے بولی۔

''آپا لگتا ہے مما کی طبیعت ٹھیک نہیں انہیں ہوسپٹل لے چلیں پلیز۔'' طلحہ چھوٹا ہو کر حواس بحال رکھے ہوئے سمجھداری کا ثبوت دے رہا تھا۔

''مم مگر کیسے تم آؤ پہلے مما کو یہاں سے بستر پہ منتقل کرو میرے ساتھ۔'' وہ یونہی رندھی ہوئی

آواز میں بولی تھی۔

''میں کوئی ٹیکسی دیکھ کر لاتا ہوں، مما بے ہوش ہیں آپا انہیں ہمیں قریبی کلینک لے جانا چاہیے۔'' طلحہ الٹے قدموں باہر دوڑا گیا تھا۔

اگلے چند لمحوں میں ہی وہ روتی سسکتی ہوئی مما کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ ڈال کر ہوسپٹل چلے آئے تھے انہیں شدید قسم کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا اس اچانک ذہنی صدمے کی کیا وجہ تھی یہ سوچ سوچ کر ماہ نور کا دماغ سن ہونے لگا تھا بظاہر تو گھر میں ایسا کچھ بھی غیر معمولی نہیں ہوا تھا۔

''ماہ نور اٹھو پہلے کچھ کھا لو پھر گھر جا کے کچھ دیر آرام کر لینا۔'' اس کی سوچوں کے تسلسل کو طارق شیرازی کی آواز نے توڑا تھا اس نے ورم آلود پپوٹے اور نم پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا وہ رات کو ہی آیا تھا خفا خفا سا۔

''جانتا ہوں تم بہت بہادر ہو سب کچھ تنہا بھی کر سکتی ہو مگر اس بیمار عورت سے میرا بھی کچھ رشتہ بنتا تھا ایک فون کال کرنے سے تمہاری انا کا پرچم ذرا بھی سرنگوں نہیں ہوتا جائے۔'' اسے حوصلہ دلاسا دینے کی بجائے وہ آتے ہی نشتر چلانے لگا تھا پھر جیسے اس نے یہ ذمہ داری اپنے ذمے لے لی تھی ڈاکٹر کے پیچھے بھاگ دوڑ کی دوائیں لانے کی وغیرہ وغیرہ ورنہ اس سے پہلے تو ماہ نور کی بات بھی ڈاکٹرز ڈھنگ سے نہیں سن رہے تھے۔

''اب ایسے کیا مجھے ٹکر ٹکر دیکھنا شروع کر دیا۔'' وہ دھیمے سے کہہ کر آہستگی سے مسکرایا۔

''پھپھو کی طبیعت اب بالکل ٹھیک ہے ٹیک اٹ ایزی۔'' ناشتے کی ٹرے صوفے کے سائیڈ ٹیبل پہ رکھ کر وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' اس نے اپنا ہاتھ چھڑایا تھا اور کترا کر دوسرے صوفے پہ جا بیٹھی۔

''میری بات کا اعتبار نہیں ہے تمہیں۔'' وہ بے بس سا ہوا تھا، وہ دھیان دیئے بنا یونہی بیٹھی رہی۔

''طلحہ اور عینا کا ہی خیال کر لو بچے کتنے ڈسٹرب ہیں کچھ کھا کر گھر کا چکر لگا لو پلیز۔'' وہ عاجز ہوا تھا۔

''مما کو چھوڑ کر جانے کا جی نہیں چاہتا پتہ نہیں انہوں نے کس بات کو ذہن پہ اتنا سوار کیا کہ.....'' بات ادھوری چھوڑ کر وہ پھر سے نیر بہانے لگی، طارق نے گہرا سانس بھر کے اسے دیکھا تھا۔

''یوں رونے سے مسائل حل ہو جائیں گے نان سنس، خود حوصلہ پکڑو گی تب ہی انہیں سنبھال سکو گی نا۔'' وہ جیب سے رومال نکال کر اس کی سمت بڑھائے شدت گریہ سے گلابی سے سرخ ہو جانے والی نازک اور ہونٹوں کو دیکھتا آہستگی سے بولا تھا، ماہ نور نے رومال لے لیا تھا اور لب کچلتے ہوئے چہرا اور آنکھیں رگڑ کر صاف کرنے لگی۔

''یہ چائے بھی پی لو۔'' اس نے کپ بڑھایا، ماہ نور نے عاجزی سے اسے دیکھا تھا مگر ان نگاہوں کی التجا کو پڑھتے نظریں جھکاتے ہوئے نا چاہتے ہوئے بھی کپ لے لیا۔

''مما ٹھیک تو ہو جائیں گی نا۔'' دل کا خدشہ بھرائے ہوئے لہجے میں زبان پہ آ گیا۔

''انشا اللہ اور تم دیکھنا صرف تمہیں دلہن ہی نہیں بنائیں گی بلکہ ہمارے بچوں سے بھی کھیلیں گی۔'' اچھا بھلا سنجیدگی سے بات کرتا ہوا وہ اچانک پٹری چھوڑ گیا تھا اس کی خوبصورت بادامی آنکھوں میں موجود معنی خیز سی شرارت اس افسردگی و بے چینی کے باوجود اسے بے ساختہ گلگوں کر

گئی، شرم وحیا کا زبردست سا ریلا اسے لجا کر خود میں سمٹ جانے پہ آسا گیا لمحے کے ہزارویں حصے میں اس نے رخ پھیرا تھا اور اپنے بے طرح دھڑ دھڑاتے دل کو سنبھالنے لگی جبکہ طارق شیرازی تو اس کے حیا آلود گلاب چہرے پہ بکھرتے دھنک کے رنگوں کو ہی مبہوت سا ہو کر دیکھتا رہ گیا تھا۔

''مم...... میں مما کو دیکھتی ہوں۔'' خود کو سنبھال کر وہ آہستگی سے کہتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''بیٹھ جاؤ بھئی چاہئے تو پی لو نہیں کچھ کہتا پرامس۔'' وہ مسکراہٹ ضبط کرتا ہوا بولا تھا مگر ماہ نور ان سنی کیئے آگے بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

نہ دیکھے دکھ سکھ کے لمحے نہ دیکھے دن رات
نہ دیکھے کوئی دھوپ برتی نہ دیکھے برسات
اس کے اپنے طور طریقے اس کی اپنی چال
عشق کرے بے حال سہیلی عشق کرے بے حال
صحرا صحرا سفر کرائے جنگل جنگل رو کے
بستی بستی بھیک منگائے دے دے سو سو دھوکے
قدم قدم پہ گورکھ دھندا قدم قدم پر جال
عشق کرے بے حال سہیلی عشق کرے بے حال
آپ بھرے رگ رگ کے اندر ایک دہکتی آگ
آپ کہے پھر کان میں آ کر بھاگ دیوانے بھاگ
آپ ہی مہلک وار کرے اور آپ بنے پھر ڈھال
عشق کرے بے حال سہیلی عشق کرے بے حال

''رابیل سنو تو۔'' وہ تیز قدموں سمیت داؤد حسن کے آفس کی سمت جا رہی تھی جب پیچھے سے کسی نے پکارا تھا وہ رکی تھی اور پلٹ کر دیکھا وہ اس کی کلاس فیلو تھی مگر ذہنی حالت اس قدر مجذوش تھی کہ وہ اس کا نام ذہن پہ زور دینے کے باوجود یاد نہ کر پائی۔

''سنا ہے تمہاری شادی ہو رہی ہے کون ہے وہ خوش نصیب۔'' اس کا ہشاش بشاش کھنک دار لہجہ زندگی کے احساس سے بھرپور تھا کبھی وہ بھی اتنی ہی لاپرواہ بے فکر اور بے نیاز تھی مگر پھر یہ سب خواب ہوتا چلا گیا تھا۔

''ہاں ہو تو رہی ہے۔'' اس نے نظریں جھکا کر آہستگی سے کہتے جیسے کسی جرم کا اعتراف کیا۔

''مگر تم تو سر داؤد......'' رابیل نے ایک جھٹکے سے سر اونچا کیا تھا اس نے سر داؤد کے علاوہ کسی سے بھی اپنی خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا اس کے باوجود پتہ نہیں کیسے ایک دنیا باخبر ہو چکی تھی جواب میں اس کے پاس کہنے کو بہت کچھ تھا گالیاں کوسنے اور لعن طعن مگر وہ لب بھینچے تیزی سے پلٹ کر بھاگتی ہوئی دور چلی گئی ایک بے بسی وحشت اس کی آنکھوں کی سطح کو بہت تیزی سے

گیلا کر گئی تھی۔

''رابیل۔'' پارکنگ لاٹ سے اپنی گاڑی کی سمت آتے اس کے قدموں میں جس آواز نے زنجیر ڈالی تھی وہ سر داؤد حسن خاں کے علاوہ اور کسی کی آواز نہیں ہو سکتی تھی اس ایک آواز کو وہ ہزاروں میں بھی شناخت کر سکتی تھی یہی تو وہ لہجہ تھا جس کی پیاس نے اس کے حلقوم سماعت میں کانٹے اگا دیئے تھے، وہ اپنی جگہ سے حرکت تک نہیں کر سکی تھی۔

''کیسی ہیں رابیل۔'' وہ خود چل کر سامنے آ گئے تھے اس نے لب کچل کر آنکھوں کی امڈتی نمی کو اندر اتارا اور سر اونچا کر کے بہت حسرت سمیت انہیں دیکھا تھا۔

''میں آپ سے ملنا چاہتی تھی سر اچھا ہوا آپ یہیں نظر آ گئے۔'' خود پہ جبر کرتے ہوئے وہ بہت دقتوں سے مسکرائی تھی۔

''آپ کی شادی کہاں ہو رہی ہے اس لڑکے کے ساتھ جسے آپ نے اس روز اپنا فیانسی کہہ کر متعارف کروایا تھا۔'' وہ اس کی بات کے جواب میں کچھ کہنے کی بجائے سوال کر رہے تھے رابیل عجیب سے انداز میں مسکرا دی۔

''جی سر اور مجھے یاد ہے کہ آپ نے کہا تھا وہ اچھا لڑکا نہیں ہے، میں جانتی ہوں سر مگر اس دنیا میں کوئی آپ جتنا اچھا دوسرا ہے بھی تو نہیں پھر رابیل یہ سمجھوتہ نہ کرے تو کیا کرے۔'' داؤد حسن اس کے مجنونانہ انداز دیکھ کر کچھ خائف سے ہوئے۔

''پاگل مت بنو رابیل یہ زندگی ہے اور شادی کوئی گڈے گڑیا کا کھیل نہیں ہے میں تمہارے فادر سے مل کر انہیں منع کرتا ہوں وہ اگر لاعلم ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں۔''

''سر انف پلیز کسی حساب میں آپ یہ سب کہہ رہے ہیں کس حق کے ساتھ اگر آپ بھول رہے ہیں تو میں کلیئر کر دوں دس از مائی پرسنل میٹر۔'' وہ تیوریاں چڑھا کر اس قدر ناگواری سے بولی تھی کہ داؤد حسن خاں ششدر سے اسے دیکھتے رہ گئے اس نے بیگ ٹٹول کر کوئی چیز باہر نکالی تھی پھر بند مٹھی ان کی سمت بڑھا دی۔

''سر یہ ایک چھوٹا سا تحفہ ہے آپ کی بیوی کے لئے خریدا تھا پلیز یہ ان تک پہنچا دیجئے گا۔'' ان کے سرد مہر سے تاثرات کو ایک نظر دیکھتے ہوئے وہ آگے بڑھی تھی اور یونہی بند مٹھی ان کے کوٹ کی جیب میں کھول کر پلٹ کر بھاگتی ہوئی دور چلی گئی داؤد حسن خاں بس اسے دیکھ کر رہ گئے تھے وہ کس کرب میں مبتلا ہو کر کون سا پل صراط طے کر گئی تھی وہ کبھی نہ جان سکتے تھے۔

☆☆☆

ہماری سمت نہ دیکھو کہ کوئی دیر میں ہم
فیصلہ دل و جاں سے بچھڑنے والے ہیں
بسے بسائے ہوئے شہر اپنی آنکھوں کے
مثال خانہ ویراں اجڑنے والے ہیں
ہوا کا شور یہی رہا تو دیکھتے رہنا
ہماری عمر کے خیمے اجڑنے والے ہیں

بعض حادثے کتنے غیر محسوس انداز میں وقوع پذیر ہوتے ہیں اتنے غیر محسوس انداز میں کہ

لمحوں میں ہنسی کی عمارت دھڑا دھڑ گر جائے اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو کتنا روح فرسا تھا وہ انکشاف جس نے ان کی روح کی دیواروں میں دراڑیں ڈال دی تھیں اور ملبہ پورے کا پورا یکلخت ان پر آن گرا تھا ان کی بیٹی ماہ نور شاہ جس پہ جس کے کردار پہ انہیں خود سے بھی بڑھ کر مان و یقین تھا وہ یوں انہیں ڈاج دے سکتی ہے بھلا وہ ان کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتی ہے کب سوچا تھا اور عموماً ایسا ہوتا ہے جو سوچا نہیں ہوتا وہی ہو جایا کرتا ہے کتنا اذیت انگیز تھا یہ سب اس قدر کہ وہ خود تن تنہا اپنی جان پہ سہہ نہیں سکی تھیں، کتنا خوش ہوئی تھیں وہ اس روز ان کی توقع کے برخلاف اجرت جو بروقت اور پوری مل گئی تھی راستے میں گھر آتے ہوئے انہوں نے عینا اور طلحہ کے لئے چاکلیٹ اور چپس خریدے تھے تو ماہ نور کے لئے ڈھیر سارے پھل اسے پھلوں کی چاٹ کتنی مرغوب تھی انہوں نے سوچا تھا آج وہ اسے اپنے ہاتھ سے لذیز چاٹ بنا کھلائیں گی مگر ہوا کیا تھا بظاہر تو سب کچھ نارمل سا ہی تھا مگر اس کے باوجود کہیں ایسا تھا کہ وہ چونک رہی تھیں، ماہ نور کے بار بار کسی خیال سے چونک کر خوفزدہ ہو جانا یا پھر برآمدے کے ٹیبل پہ موجود چائے کے کپ اور سگریٹ کے ادھ جلے ٹکڑے۔

''کوئی آیا تھا؟'' ماہ نور انہوں نے پلٹ کر استفسار کیا تھا اور وہ سبزی بناتے ہوئے ایک پل کو سہی تھی پھر فی الفور نفی میں گردن ہلا دی تھی ''نہ...... نہیں تو کوئی بھی نہیں آیا۔'' انہوں نے چونک کر بہت دھیان سے اس کی صورت دیکھی تھی اور جیسے ایک پھانس سی ان کے دل میں گڑ گئی، طارق کے ویک اینڈ پہ گھر آنے کی انہیں خبر تھی یقیناً وہی یہاں بھی آیا تھا مگر ماہ نور کا صاف مکر جانا انہیں جتنا عجیب لگا تھا اس سے بڑھ کر ناگوار مگر انہوں نے اس بات کو ذہن سے جھٹک دیا تھا رات کو عشا کی نماز سے پہلے وہ فروٹ چاٹ میں مصالحہ ڈال کر کیچپ ملا رہی تھیں جب عینا آ کر ان کی ٹانگوں سے لپٹی تھی۔

''مما میں بھی چاٹ کھاؤں گی اور ہاں ایک پلیٹ میں ڈال کر چاٹ طارق بھائی کے لئے فریج میں رکھ دیں مما وہ بہت اچھے ہیں پتہ ہے وہ آج بھی آئے تھے اور انہوں نے آپا کو بھی ویسے ہی گلے لگا کر پیار کیا تھا جیسے وہ مجھے کرتے ہیں۔'' عینا تو گل افشانی کرنے کے بعد ویسے ہی کھیلتی کودتی باہر بھاگ گئی تھی جبکہ وہ یوں تھیں جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہ ہو پھر انہیں نہیں پتہ تھا رات کدھر گئی تھی اور صبح کیسے طلوع ہوئی ماہ نور نے ان کی خاموشی کو محسوس تو کیا تھا، مگر وہ خود اتنا الجھ رہی تھی کہ ان کی حالت پہ خاص دھیان نہیں دیا سارا دن وہ پتھر کے مجسمے کی مانند ساکت رہی تھیں ماہ نور کے دل میں چور تھا تبھی تو اس نے ان سے جھوٹ بولا اور بات اس حد تک بڑھ گئی تھی۔

طارق کو اتنا حوصلہ کس نے دیا تھا کہ وہ اس حد تک جسارت پہ اتر گیا، کتنی سوچیں تھیں جو ان کا دماغ ماؤف کر رہی تھیں دروازے پہ دستک ہوئی تھی انہوں نے یونہی بے خیالی میں اٹھ کر کھول دیا گلی کا بچہ تھا پتنگ چھت سے لے جانے کی بات کر رہا تھا وہ پلٹ کر چھت پہ جانے کو آئی تھیں کہ ایک دم سے چکرا کر گر گئیں کل سے اب تک دل و دماغ میں جو جوار بھاٹا اٹھ رہا تھا وہ آخر کچھ کر کے ہی ٹلا تھا ہوش میں آنے کے بعد انہوں نے بہت اذیت سے اپنے بچ جانے پہ تاسف محسوس کیا تھا ماہ نور اور طارق وہ دونوں ہی ان کے آس پاس تھے ماہ نور کی ہچکیاں سسکیاں بے قراری انہیں زندگی میں پہلی بار اپنی بیٹی سے چڑ سی محسوس ہوئی تھی۔

''خود کو سنبھالیں پھپھو مجھے تو لگتا ہے خدانخواستہ اگر آپ مزید ایک دن بھی بستر پہ رہیں تو یہ ضرور کوچ کر جائے گی۔'' طارق نے ان کے داہنے پہلو سے لگی بیٹھی ماہ نور کی سمت اشارہ کرتے ہوئے کس قدر شرارت سے کہا تھا۔

''ہوا کیا تھا پھپھو آپ یکدم سے کیوں یوں بیمار پڑ گئیں۔'' وہ ان سے استفسار کر رہا تھا اور اسے دیکھتی ان کی آنکھیں بھیگتی چلی گئیں تھیں۔

''بتایئے نا مما کیا پریشانی تھی آپ نے تو ہماری جان ہی نکال دی تھی۔'' ماہ نور جواب قدرے ریلیکس تھی اس وقت کو یاد کر کے جھرجھری سی لے کر بولی۔

''تم نے بھی ایسے ہی میری جان نکال لی ہے، ماہ نور میں تو یہ سوچ کر حیران ہوں زندہ کیسے رہ گئی۔'' ان کا دل کرلایا تھا۔

''مما پلیز جو بھی دل میں ہے اسے کہہ کر بوجھ ہلکا کر لیں۔'' ان کی آنکھوں کا بھیگنا ماہ نور سے مخفی نہیں رہ پایا تھا ان کا ہاتھ اپنے مخروطی سفید ہاتھوں میں لے کر وہ اتنی محبت اتنی اپنائیت سے بولی تھی کہ انہیں ایک پل کو اپنے دل کی کثافت اور دکھ دھلتا ہوا محسوس ہوا۔

''کچھ نہیں بس آغا تجھے آغا یاد آ گیا تھا۔'' انہیں کچھ تو کہنا ہی تھا اور جواز بروقت سوجھ گیا۔

''آغا۔'' ماہ نور کے لبوں سے کراہ سی نکلی تھی۔

''پتہ نہیں کہاں ہو گا میرا بچہ۔'' انہیں تو رونے کا بہانہ چاہیے تھا اور بہانہ مل گیا تھا وہ رو رہی تھیں بہت شدتوں سے پھوٹ کر اور ماہ نور بس بے بسی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

میری تم سے ہے پہچان او بے پرواہ سجن
میرے توڑ نہ مان گمان اور بے پرواہ سجن
میرے سینے باس جلے میری آنکھ میں آس جلے
لوں لوں میں باس جلے دل درد شناس جلے
میری راکھ ہوئی ہے جان
او بے پرواہ سجن او بے پرواہ سجن

''سنیئے۔'' داؤد حسن خاں مکمل تیاری کے ساتھ بیڈ روم سے گاڑی کی چابی اور والٹ لینے آئے تھے جب نگین جوان کا بکھرا ہوا کمرا سمیٹ رہی تھی پلٹ کر اچانک ہی انہیں مخاطب کر گئی۔

''ہوں۔'' وہ مصروف سے انداز میں جس میں کس قدر عجلت بھی نمایاں تھی۔

''چلیں پھر سہی ابھی تو آپ کو جلدی ہے۔'' وہ کچھ کہتے کہتے جھجکی تھی ہلکے پیازی شفیون جارجٹ کے سوٹ میں جس کے دوپٹے اور شرٹ کے دامن پر خوشنما لیس جھلملا رہی تھی پہنے بالوں کو یونہی سمیٹ کر کیچر میں جکڑ رکھا تھا مگر کچھ آوارہ لٹیں گردن اور چہرے کے اطراف سے نکل کر اس کی معصومیت بھری خوبصورتی کو کچھ اور بھی بڑھا گئی تھیں۔

''نہیں خیر اتنی بھی جلدی نہیں ہے تم کہو۔'' وہ اس کے چہرے سے نگاہ ہٹائے بغیر نرمی سے بولے تھے۔

''اگر یہ خرید ہی لیا تھا تو مجھے دینے میں کیا حرج تھا۔'' اس نے مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے

ان کے سامنے اپنی ہتھیلی پھیلائی تھی گلابی شفاف ہتھیلی پہ سنہرا لاکٹ چین سمیت جگر جگر کر رہا تھا۔
''سر یہ آپ کی بیوی کے لئے خریدا تھا۔'' ان کی سماعتوں میں یہ صدا کسی بازگشت کی طرح اتری تھی ان کا چہرا متغیر ہو گیا بہر حال اس کے باوجود مجھے بے حد اچھا لگا۔
''پگلی۔'' وہ چین کا لاک کھول کر پہنتے ہوئے بہت خوشدلی سے بولی تھی۔
''نگین اسے مت پہنو پلیز۔'' وہ سمجھ نہیں سکے وہ ایسا کیونکر کہہ گئے ہیں۔
''کیوں۔'' وہ متحیر سی ہو کر رہ گئی تھی وہ نظریں چرائے لب بھینچ کر رہ گئے۔
''کیا یہ میرے لئے نہیں ہے۔'' وہ بہت کرب میں مبتلا ہو کر پوچھ رہی تھی انہوں نے ٹھٹھک کر اسے دیکھا اور نا چاہتے ہوئے بھی سر اثبات میں ہلا دیا۔
''آپ کے لئے ہی ہے مگر منع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ کام ماموں اپنے ہاتھ سے سر انجام دینا چاہتے ہیں یعنی پہنانے کا۔'' وقاص نے گردن اندر ڈال کر مسخرے پن سے کہا تھا اور اگلے ہی پل غائب ہو گیا، نگین بلش ہوئی تھی، جبکہ داؤد حسن خاں کے چہرے کی سنجیدگی میں یکلخت اضافہ ہو گیا تھا وہ ایک دم پلٹے تھے اور آندھی طوفان کی طرح کمرے سے نکل گئے نگین کے ساتھ ساتھ وقاص بھی ان کے انداز کی غیر معمولی سنجیدگی سے دنگ رہ گیا نگین نے اس کی نگاہوں کا سوال پڑھا تھا اور نظریں چرالی تھیں۔

☆☆☆

بے سبب تو نہ تھیں تیری یادیں
تیری یادوں سے کیا نہیں سیکھا
ضبط کا حوصلہ بڑھا لینا
آنسوؤں کو کہیں چھپا لینا
کانپتی ڈولتی صداؤں کو
چپ کی چادر سے ڈھانپ کر رکھنا
بے سبب بھی کبھی کبھی ہنسنا
جب بھی بات ہو کوئی تلخی کی
موضوع گفتگو بدل دینا
بے سبب تو نہ تھیں تیری یادیں
تیری یادوں سے کیا نہیں سیکھا

آج مہندی کی رسم تھی پورے گھر میں ایک ہنگامہ مچا ہوا تھا کوٹھی بقعہ نور بنی ہوئی تھی ڈھولک کی تھاپ کے ساتھ اٹھتے گیتوں کی تانیں اس کے دکھتے دل کو مزید دکھا رہی تھیں وہ صبح سے اپنے کمرے میں گھسی تھی تو پھر نکلی ہی نہیں حالانکہ خود روحینہ نے کتنا دروازہ پیٹ کر منتیں کی تھیں احساس دلایا تھا کہ اسے مہمانوں سے نہیں بھی ملنا تو کم از کم پارلر تو جانا چاہیے اگر اپائنمنٹ کا ٹائم نکل جاتا تو شہر کا سب سے مہنگا بیوٹی سیلون تھا اس حساب سے وہاں نخرے بھی زیادہ تھے مگر اس پر تو آج اذیت رنگ بدل بدل کر وارد ہو رہی تھی۔
''یہ کیا بیوقوفی ہے رابی آخر تم چاہتی کیا ہو انکل پتہ ہے کس قدر پریشان ہو چکے ہیں۔''

روحینہ نے ایک بار پھر دروازہ دھڑا دھڑایا تھا اور اس نے بے دلی سے اٹھ کر بالٹ گرا دیا تھا سرخ متورم آنکھوں اور ستے ہوئے چہرے سمیت وہ کسی رخ سے بھی دلہن دکھائی نہ دیتی تھی شکن آلود لباس اور الجھے ہوئے بے رونق بال۔
''بہت خوب اگر یہی رنگ ڈھنگ رہے محترمہ تو شہریار کو لازماً کچھ نہ کچھ شک پڑوا کے رہو گی۔'' اس کے حلیئے پہ طنز کرتے ہوئے اس نے جھلا کر کہا پھر زبردستی اسے واش روم میں دھکیل کر ہاتھ لینے کا کہا تھا اور خود اس کا آج کی تقریب کے لئے خریدا گیا پیلا جوڑا وارڈ روب سے نکالا، سلور سرخ اور گولڈن کلر کے انتہائی اسٹائلش کام سے جھلملاتا لباس پہن کر وہ اپنے سوگوار اور اداس سے روپ سمیت بغیر کسی آرائش کے ہی جگمگانے لگی تھی اس کا شعاعیں بکھیرتا ہوا یہ دلکش روپ اتنا دلکش تھا کہ ایک پل کو تو خود روحینہ بھی مبہوت رہ گئی تھی۔
''یقیناً شہریار بہت لکی ہے کہ اسے تم جیسی بیوی مل رہی ہے۔'' اسے میچنگ کی چوڑیاں پہنانے کے بعد اس نے مہندی کی کون اٹھالی تھی۔
''پارلر کا ٹائم تو تم نے نکال دیا اب میری کارکردگی پہ ہی اکتفا کرو۔'' وہ کھلکھلائی تھی۔
''یہ ضروری تو نہیں ہے۔'' رابیل نے رکھائی و نروٹھے پن سے کہتے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔
''افوہ پاگل ہوئی ہو دیکھی ہے آج تک کوئی دلہن مہندی کے بغیر۔'' روحینہ نے آنکھیں نکالی تھیں۔
''ہاں خوشی کے بغیر چاہے ہو دل کے بغیر چاہے ہو جذبوں کے بغیر بے شک ہو مگر مہندی اور سنگھار کے بغیر نہ ہو عجب دستور ہے اس دنیا کا۔'' وہ تلخ ہو گئی تھی روحینہ نے کان نہیں دھرا اور اپنا کام کرتی رہی تھی۔
''میں بہت تھک گئی ہوں اب کسی سے ملنا نہیں چاہتی، تم بھی جاؤ مجھے آرام کرنا ہے۔'' رسم کے بعد وہ اپنے کمرے میں روحینہ کے ساتھ ہی آئی تھی آتے ہی دوپٹہ نوچ کر دور پھینکتے ہوئے اس نے اتنی درشتگی سے کہا تھا کہ شہریار نے جو اسے سگنل دیا تھا، یہ گویا اس اجر سے ہی انکار کر رہی تھی۔
''یہ بات تمہیں میرے بجائے اس سے کہنا چاہیے تھی۔'' روحینہ کو غصہ آ گیا تھا۔
''تم جاؤ میں اس سے بھی نپٹ لوں گی۔'' وہ حد درجہ روڈ ہو رہی تھی روحینہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور چپ چاپ پلٹ گئی رابیل نے پہلے دروازہ لاکڈ کیا تھا پھر چوڑیاں اور گجرے اتار کر پھینکتے ہوئے خود کو بستر پہ گرا دیا۔

☆☆☆

ہمسفر آراہ کے کانٹے چنیں
گر اسی میں کچھ سفر طے ہو گیا تو
اک غنیمت جان لیں گے
مان لیں گے کچھ سفر طے ہو گیا ہے
ورنہ ان راہوں میں تو اک خار کی تلوار بھی
کچھ کم نہیں ہے
ایک منزل اور پڑاؤ ان گنت
ایک پڑاؤ اور ہزاروں منزلیں

رنگ خوشبو چھاؤں یخ بستہ شجر کا
اور سکوں کا کیوں کوئی دھوکہ سہیں
سپنے بنیں
لاشعوری بے قراری
جسم کے گھاؤ سے بدتر ہے
کبھی آ تو
کھلی دیوانگی سے
دوسروں کے ساتھ اپنی بھی چیخیں سنیں
ہمسفر آ راہ کے کانٹے چنیں

اس نے کانپتی ہوئی انگلیوں سے وہ ہزاروں مرتبہ ڈائل کیا ہوا نمبر ڈائل کیا تھا اور سیل فون کان سے لگا لیا بیل جا رہی تھی۔

''ہیلو السلام وعلیکم۔'' دلکش مدھر نسوانی آواز پہ اس کا بے تحاشا دھڑکتا دل یکلخت یوں خاموش ہوا تھا جیسے اب کبھی دوبارہ نہ دھڑک سکے گا۔

''ہیلو۔'' اس مہیب خاموشی پہ دوسری سمت وہ ذرا سا جھنجلائی تھی۔

''ہیلو داؤد حسن سے بات کرا دیں۔'' اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی تھی۔

''او کے مگر آپ کون؟'' وہ کتنے سکون سے پوچھ رہی تھی رابیل کو لگا تھا وہ اسی ایک سوال کا جواب نہیں جانتی اپنی گم شدہ ذات کی تلاش میں تو وہ خود کھو چکی تھی آنسو اس کے حلق میں پھنس گئے۔

''داؤد کوئی لڑکی ہے لائن پہ آپ سے بات کرنا چاہ رہی ہے۔'' اس نے وہی آواز سنی تھی اور دم سادھ لیا تھا۔

''کون؟'' بھاری آواز ذرا فاصلے سے ابھری۔

''ہیلو داؤد حسن خاں اسپیکنگ۔'' بھاری دلکش آواز ذرا سی الجھن لئے اس کی سماعتوں میں اتر کر پیاس بڑھا گئی۔

''دسس......سر میں رابیل۔'' وہ چونکے تھے۔

''کیسی ہو؟'' ان کا نارمل لہجہ یکلخت بے حد دھیما ہوا تھا۔

''کیسی ہو سکتی ہوں۔'' سراسیمگی آواز میں آنسوؤں کی کھنک اتری آج تو غالباً تمہاری شادی ہے نا وہ ذرا سا چونکے تھے۔

''جی سر اور میں نے اسی وجہ سے آپ کو کال کی ہے۔''

''ہاں بولو۔'' وہ سنبھل سے گئے۔

''سر میں نے آپ کو انوائیٹ کیا تھا مگر اب میں آپ سے گزارش کر رہی ہوں سر آپ مت آیئے گا، مت آیئے گا سر۔'' رابیل شاید کسی اور کے ساتھ رخصت نہیں ہو سکے گی اس کا گلا رندھا تھا اس نے سسکیاں دباتے ہوئے سلسلہ کاٹ دیا تھا آج کے دن آنسوؤں کی کوئی وضاحت پیش نہیں کرنا پڑتی انہیں بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ اس نے نکاح نامے پہ سائن کیے تھے اور ہمیشہ کے لئے خود کو کسی اور کا بننے دیا تھا اس کے باوجود کہ اس کے دل پہ آج بھی صرف داؤد حسن خاں

کی حکمرانی تھی۔

☆☆☆

تم میرے پاس رہو
میرے قاتل میرے دلدار میرے پاس رہو
جس گھڑی سیاہ رات چلے
آسمانوں کا لہو پی کے سیاہ رات چلے
بین کرتی ہوئی ہنستی ہوئی گاتی نکلے
درد کی کاسنی پازیب بجاتی نکلے
پھر نا آسودگی مچلے تو منائے نہ منے
جب کوئی بات بنائے نہ بنے
جب نہ کوئی بات چلے
جس گھڑی ماتمی سنسان سیاہ رات چلے
تم میرے پاس رہو
میرے قاتل میرے دلدار میرے ساتھ رہو

دنیا میں سب کچھ لازماً نہیں ویسا ہو جیسا چاہا جائے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر شے جس کی طلب ہو چاہت ہو مل بھی جائے دنیا میں سب کچھ ہی ہمارے لئے ہو یہ ضروری تو نہیں اس نے اس بات کو سمجھ لیا تھا مان بھی لیا تھا بس صبر پہ تو چارہ نہیں تھا وہ صبر نہیں کر پا رہی تھی سب کچھ ہی تو ہو گیا تھا بس اب ذات کی نیلامی ہونا تھی پور پور سجائے وہ کسی کی سیج سجانے پہ مجبور نہیں کی گئی تھی اس نے یہ سودا خود کیا تھا ضد میں انتقام میں یا جیسے بھی بہرحال اب وہ مزید کسی قسم کی بھی آزمائش کے لئے تیار نہیں تھی اس کا بس نہیں چل رہا تھا شہریار کو کہیں غائب کر دے یا پھر خود کہیں بھاگ جائے مگر دونوں میں سے کوئی ایک بھی ممکنات میں سے نہیں تھا، ٹی پنک لہنگا جو روحینہ نے ہی بہت خوبصورتی سے اس کے اطراف بیڈ پہ پھیلایا تھا پھولوں کی مہک سے معطر کمرے میں وہ نا چاہتے ہوئے ہی سہی مگر اس کی منتظر تھی اور وہ تو اتنا بے تاب تھا کہ چند لمحوں بعد ہی اندر چلا آیا تھا، بلیک ٹو پیس سوٹ کے ساتھ سرخ ٹائی لگائے وہ آج ہمیشہ سے کہیں بڑھ کر شاندار اور پرکشش نظر آ رہا تھا دروازہ لاکڈ کرنے کے بعد وہ بہت بے تابانہ انداز میں اس کی سمت آیا تھا۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا رابیل کہ تم......تم واقعی میری ہو چکی ہو۔'' اس کا ہاتھ اپنے وزنی ہاتھ میں دبا کر اس نے مسکراہٹ دبا کر بہت چاہ سے اسے دیکھا تھا، رابیل کا دل دھڑکنا بھول گیا۔

''مم......میں چینج کر لوں بہت تھک گئی ہوں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں اڈتے شوخ رنگوں سے گھبرائی خوفزدہ سی ہو کر بولی۔

''اتنی جلدی ابھی تو میں نے تمہیں ڈھنگ سے دیکھا بھی نہیں ہے۔'' وہ شاکی ہوا تھا۔

''مگر میری طبیعت خراب ہو رہی ہے مجھے جانے دو پلیز۔'' وہ اب باقاعدہ لرزنے لگی تھی، آنے والے لمحات کا تصور ہی اسے بے ہوش کر رہا تھا۔

''او کے فائن جی تو نہیں چاہ رہا مگر خیر کر لو ویسے بہت ظالم ہو تم مگر جلدی آنا میں مزید کوئی

کمپرومائز نہیں کر سکتا۔'' اس کا ہاتھ تھام کر مجنونانہ انداز میں چومتا وہ اس قدر دلبری سے بولا تھا کہ رابیل کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا سرعت سے ہاتھ کھینچ کر اس نے تیزی سے اٹھنا چاہا اس کا لہنگا شہریار کے نیچے دبا ہوا تھا۔

''پلیز۔'' رابیل نے گڑبڑا کر کہتے اسے دیکھا۔

''اوکے۔'' شہریار نے اک عاشقانہ سی آہ بھر کے بھرپور مستی سمیت اسے دیکھا اور اس کا لباس ہٹاتے ہوئے اچانک ہی اسے بازوؤں میں بھر لیا، رابیل کو یکلخت لگا تھا جیسے وہ ابھی بے ہوش ہو کر گر پڑے گی۔

''چھوڑو مجھے۔'' اسے سے اپنا آپ چھڑاتی وہ ہسٹریک ہو کر چلائی تھی شہریار نے کچھ حیران سا ہو کر اسے دیکھا اور اپنے ہاتھ کھینچ لئے وہ اندھا دھند اٹھ کر گرتی پڑتی واش روم میں جا کر بند ہوئی تھی۔

''یہ کیا کر دیا میں نے اب کیا کروں کیسے بچاؤں خود کو اس سے یا اللہ۔'' وہ پورا نل کھول کر اپنے جلتے بھڑتے وجود کو شاور کے نیچے کرتے ہوئے شدتوں سے بلک کر روئی تھی شہریار نے کچھ دیر انتظار کیا تھا پھر اسے آواز دی تھی۔

''رابی یار کیا کرنے لگی ہو کچھ تو خیال کرو باہر آؤ نا۔'' وہ اب باقاعدہ دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا مگر رابیل تو جیسے ہر احساس سے عاری تھی۔

''رابیل۔'' شہریار نے ایک بار پھر دروازہ بجایا اور پھر غصے میں آتے ہوئے دروازے کو زور سے پاؤں کی ٹھوکر رسید کی تھی بند دروازہ یہ گستاخی برداشت نہ کرتے ہوئے احتجاجاً کھل گیا، اگلا لمحہ حیران کن ہی نہیں ششدر کر دینے والا تھا، شہریار نے اس حیرانگی سے نکلتے ہوئے آگے بڑھ کر رابیل کی کلائی پکڑی تھی اور نہایت جارحانہ انداز میں اسے واش روم سے باہر کھینچ لیا تھا۔

''پاگل ہوگئی ہو تم کیا کر رہی تھیں یہ۔'' وہ اسے سر سے پا بھیگے دیکھ کر ابلتے ہوئے طیش دہ لہجے میں بولا تھا۔

''ہاں پاگل ہوگئی ہوں میں چھوڑو مجھے چھوڑ دو ہاتھ مت لگاؤ مجھے، دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' وہ یقیناً حواس میں نہیں تھی اسے دھکا دیتے ہوئے ہذیانی انداز میں چلائی، شہریار کو دھچکا سا لگا تھا مگر اگلے ہی پل اس نے خود کو سنبھال لیا۔

''بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں تمہاری اس دیوانگی کی وجہ مگر میں پاگل نہیں ہوں کہ تمہیں تمہارے کہے یوں چھوڑ دوں یہ رات بہت خاص ہے ڈارلنگ اسے اس طرح ضائع احمق کرتے ہیں اور میں احمق نہیں ہوں سنا تم نے۔'' اس نے تلخی سے کہتے ہوئے اسے کسی گڑیا کی طرح اپنے بازوؤں پہ اٹھا کر بیڈ پہ پٹخا تھا اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی وہ اس کے مقابل آ گیا تھا پھر اس کا ہر احتجاج دم توڑتا چلا گیا تھا ہر جگہ اسے ہی فاتح ٹھہرنا تھا، رابیل کو لگا تھا اس کے وجود سے کوئی بھیڑیا لپٹ گیا ہو۔

☆☆☆

نہ رنگ میرے نہ خواب میرے
ہوتے تو بس کچھ عذاب میرے
نہ چاندراتیں نہ پھول باتیں
نہ نیلی جھیلیں نہ جھیل شامیں
نہ کوئی آہٹ نہ کوئی دستک
حروف مفہوم کھو چکے تھے
علامتیں بانجھ ہو گئی تھیں
گلابی خوابوں کے پیرہن راکھ ہو چکے تھے
حقیقتوں کی برہنگی
اپنی ساری سفاکیوں کے ہمراہ
جسم و جاں میں اتر رہی تھی
وہ مہربان سایہ دار بادل
عذاب رت میں چھوڑ کر مجھ کو جا چکا تھا

کیسا سودہ کیا تھا اس نے جب اس حقیقت کو دل و دماغ نے تسلیم نہ کیا تو حواس ساتھ چھوڑ گئے تھے جانے کتنی دیر بعد وہ حواسوں میں لوٹی تھی درد اور اذیت سے جلتی آنکھوں کو بامشکل کھولتے ہوئے اس نے ذرا سا سر اونچا کیا وہ شہریار کے بازوؤں کے گھیرے میں اسی کے سینے پہ سر رکھے لیٹی تھی اسے جیسے کرنٹ سا لگا تھا وجود پہ جیسے کنکھجورے رینگنے لگے شہریار کا وجیہہ چہرا اسے کسی بھیڑیے سے مشابہہ لگا تھا۔

''کچھ کھاؤ گی۔'' اسے سرعت سے پیچھے ہٹتے دیکھ کر وہ نرمی سے گویا ہوا تھا رات اس سے زبردستی اپنا حق وصول کرنے کے بعد وہ ذرا بھی نادم نہیں ہوا تھا رابیل نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں تھی وہ سرک کر کچھ فاصلے پہ ہو گئی۔

''باتھ لے لو میں ملازمہ کے ہاتھ تمہارا ناشتہ بھجوا دیتا ہوں۔'' وہ اٹھ کر باہر جاتے ہوئے بولا تھا، رابیل نے سسکتے دل سمیت گھٹنوں پہ سر رکھ لیا تھا معاً اسے چونکانے کا باعث اس کے موبائل پہ ہونے والی بیپ تھی اس نے ذرا سا آگے ہو کر سیل فون اٹھایا نمبر گھر کا تھا۔

''ہیلو۔'' اس کا دل جانے کیوں بے تحاشا دھڑکا۔

''بی بی جی جلدی سے گھر آ جائیں صاحب ہمیں چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔''

''کیا؟'' اس کا سانس حلق میں ہی اٹک گیا تھا۔

''کیا بکواس کر رہی ہو سیما۔'' وہ حلق کے بل چیخی تھی۔

''میں صحیح کہہ رہی ہوں بی بی جی، صاحب اب اس دنیا میں نہیں رہے ہیں۔'' سیما زار و قطار روتے ہوئے ایک ہی تکرار کر رہی تھی، موبائل رابیل کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

☆☆☆

آسمان سیاہ گھٹاؤں سے ڈھکا ہوا تھا، چھما چھم موسلا دھار برستا مینہ لان میں موجود گل بوٹوں، درختوں، پودوں کو پوری طرح بھگو کر تروتازہ کر چکا تھا، فضا میں تیرتی ٹھنڈک کلیوں اور گلابوں کی ملی جلی مہک سے لبریز تھی، مگر موسم کی یہ خوبصورتی یہ سحر زدگی بھی اس کی گہری یاسیت رنج اور دکھ کی کیفیت کو کم کرنے میں ناکام تھی نم پلکوں، بکھرتی سانسوں اور بے اوسان دھڑکنوں کے ہمراہ وہ کب سے ہر احساس سے بے نیاز لان میں اترتی سیڑھیوں پہ بیٹھی بس خالی خالی نظروں سے کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھتی جانے کس سوچ میں گم تھی اپنے کام میں مگن ملازموں نے اس کے پاس سے گزرتے ہوئے کتنی ہی مرتبہ اسے تاسف اور رنجیدگی سے دیکھا تو ضرور تھا مگر وہاں سے اٹھ کر اندر جانے کا کہنے کی جرأت نہیں کی تھی، معاً سیاہ آہنی گیٹ کے پار کسی گاڑی کے ہارن کی آواز تیز ہوتے بادل کی گڑگڑاہٹ میں چوکیدار نے سنی تھی اور اپنے کوارٹر سے نکل کر برساتی سنبھالے بھاگتا ہوا جا کر گیٹ کھولنے لگا، پٹ وا ہوتے ہی وائیٹ مرسڈیز زن سے ڈرائیو وے پر دوڑتی پورٹیکو میں جا رکی، آف وائیٹ پینٹ کوٹ میں ملبوس شہریار گیلانی اپنی ٹھٹھکا دینے والی شخصیت سمیت دروازہ کھول کر کے باہر آیا تھا اور بریف کیس سنبھالے بہت پراعتماد بے نیاز چال چلتا ہوا اندرونی حصے کی جانب بڑھ آیا، پہلی سیڑھی پہ ہی قدم رکھتے اس نے کچھ اچنبھے کچھ نخوت زدہ سے انداز میں گم صم بے خبر سی رابیل کو یوں بارش میں بھیگتے دیکھا اور کشیج پیشانی پہ لاتعداد شکنیں نمودار ہو گئیں۔

''یہ کیا حماقت ہے، بیہ...... بیمار پڑنے کا ارادہ ہے اٹھو اور اندر چل کر چینج کرو نان سنس۔''

رابیل کی نگاہیں اس کے چمکتے جوتوں سے الجھی تھیں پھر وہ بے لچک اور تلخ لہجہ اس کی سماعتوں میں اترا تھا اور آنکھوں کے خشک فرش پھر سے نم ہونے لگے۔

''سنا نہیں تم نے کیا کہہ رہا ہوں میں۔'' اس کی یہ خاموشی اور تجاہل شہریار کو گراں گزرا تھا جبھی زمانے بھر کی تلخی و ترشی اور تندی اس کے لہجے میں سمٹ آئی تھی، اگلے ہی پل وہ اسے بازو سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا اپنے ساتھ اندر لایا تھا اور بیڈ پہ پٹخ کر اس پہ جھکتا ہوا سرخ آنکھیں اس کے چہرے پہ گاڑھ کر بہت سرد سے انداز میں بولا تھا۔

''کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے نرمی سے بات تب کروں گا تب تم اس خود ساختہ سوگ کی کیفیت سے باہر نکلو گی انوکھا باپ نہیں مرا ہے تمہارا، ساری دنیا میں ہر روز ہی جانے کون کون مر جاتا ہے، تو لوگ کیا جینا چھوڑ دیتے ہیں دس دن ہو گئے انہیں اس دنیا سے رخصت ہوئے مگر تم......''

''شہریار پلیز۔'' وہ بے اختیار چلائی اور ہاتھوں میں چہرا ڈھانپ کر بے تحاشا رونے لگی۔

''مت کریں میرے ساتھ ایسا۔'' شہریار نے لب بھینچ کر اس کے ہچکیوں سے لرزتے وجود کو دیکھا اور پھر ہاتھ بڑھا کر اس کے گلے میں بازو حمائل کر دیا، اسے آہستگی و نرمی سمیت خود سے لگایا اور دھیرے دھیرے تھپکنے لگا۔

''آئی ایم ساری بیہ...... تم جانتی ہو میں آل ریڈی بہت ٹینس ہوں، ڈیڈ کے یوں اچانک ناگہانی طور پر چلے جانے سے بہت بوجھ آ پڑا ہے، مجھ پہ سب کچھ مجھے ہی کرنا پڑ رہا ہے، تمہاری حالت بھلا اس قابل کہاں ہے کہ یہ سب دیکھ سکو، پھر میرے ہوتے ہوئے تمہیں ان کاموں میں پڑنے کی بھلا ضرورت بھی کیا ہے۔'' اس کے ریشمی نم بال سہلاتے ہوئے وہ بہت مدھر بہت دھیما سا بول رہا تھا، رابیل نے پتہ نہیں اسے سنا تھا یا نہیں بہر حال وہ اس کا جذباتی سہارا پا کے بے ساختہ و بے اختیار آنسو ضرور بہائے گئی تھی۔

''پشیماں بتا رہی تھی ڈیڈ اس رات بہت ڈسٹرب ہو گئے تھے، پتہ نہیں کیا بات تھی جو انہیں بے چین کرتی رہی تھی ساری رات ان کے کمرے کی لائیٹ جلتی رہی تھی وہ سو بھی نہیں سکے تھے، ان کے اعصاب بہت مضبوط تھے شہری وہ بہت مضبوط شخصیت رکھتے تھے پھر، پھر ان کے یوں ہمت ہار جانے کی وجہ کیا تھی۔'' وہ خود سے الجھتی اضطراری کیفیت کے زیر اثر لب کچلتی ہوئی بھرائی ہوئی آواز میں بولتی گئی، شہریار نے ٹھنڈا سانس بھر کے اسے دیکھا اور پھر کچھ کہے بغیر کاندھے اچکا دیئے تھے۔

''آئی ڈونٹ نو بھلا کیا قیاس کیا جا سکتا ہے۔'' اس کے لاپرواہ سے انداز سے چھلکتی خفیف سی ناگواری ضرور قابل غور تھی اور چونکانے کا باعث بھی اگر جو رابیل اپنے حواسوں میں ہوتی تب مگر وہ اپنے حواسوں میں ہی تو نہیں تھی جبھی کچھ سمجھے کچھ محسوس کیئے بنا بس بے آواز روتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

مت مجھ کو سمیٹو مرے ہمدم ابھی کچھ دن
ہے دل کی تمنا رہوں برہم ابھی کچھ دن
اک روز چلا آئے گا خود چل کے مسیحا
اے خلوت جاں کر یونہی ماتم ابھی کچھ دن
توڑا ہے فسوں اس نے مرے رنج والم کا
بے کیف نہ ہوں کیوں میرا عالم ابھی کچھ دن

سلونی شام تھی، غروب ہوتے سورج کی سرخی مسجد کے میناروں کو دہکا رہی تھی، دن بھر کے دانے چوگے کی تلاش میں مصروف پنچھی، پکھیرو اب واپس آشیانوں کو لوٹ رہے تھے، جب طارق شیرازی کی گاڑی ان کے رنگ اڑے لکڑی کے سال خوردہ دروازے کے عین سامنے آن کر رکی ماہ نور نے ذرا سا جھک کر سیٹ کی بیک سے سر ٹیکے بے حد خاموش دکھائی دیتی ماں کو دیکھا اور اپنے ہاتھ میں دبے ان کے زرد رو ہاتھ کو آہستگی و محبت سے دبا کر اس غفلت سے نکالنے کی سعی کی۔

''مما!'' وہ سرگوشی سے ذرا بلند لہجے میں بولی تھی، تب ان کی ایک دوسرے میں پیوست پلکیں خفیف سے جنبش کے بعد آہستگی سے کھلیں اور محض لمحہ بھر کو اس کے چہرے پہ نگاہ اٹھی۔

''گھر آ گیا ہے مما!'' اس نے دبے دبے جوش سمیت کہا تھا خوشی طمانیت اور آسودگی کے ساتھ ایک خفیف سا خدشہ بھی اس کے لہجے میں کہیں کنڈلی مارے موجود تھا جسے دروازہ اوپن کرتے طارق شیرازی نے پوری شدت سے محسوس کیا اور یونہی بے سبب مسکرایا، طارق نے جھک کر انہیں سہارا دے کر گاڑی سے اترنے میں مدد دی تو ماہ نور جو انہیں کاندھوں سے تھامے ہوئے تھی قدرے جھجک کر فاصلے پہ ہو گئی۔

''دیکھیں پھپھو آپ کے بغیر اس گھر کی دیواروں سے کیسی اداسی ٹپک رہی تھی اب چند منٹوں میں یہ ساری افسردگی دم دبا کر بھاگنے والی ہے۔'' وہ انہیں اندر لا کر بستر پہ بٹھاتے ہوئے بشاشت بھرے لہجے میں بولا۔

وہ تب بھی خاموش رہی تھیں البتہ تھکے تھکے سے انداز میں تکیئے سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لی تھیں۔

''مما...... مما آر یو او کے ناؤ۔'' طلحہ اور عینا جانے کہاں سے بھاگتے ہوئے آئے تھے اور ان کے پہلوؤں سے لپٹ کر بھیگے لہجے سمیت بولے تب انہیں نا چاہتے ہوئے بھی آنکھیں کھولنا پڑی تھیں۔

''مچ بیٹر۔'' وہ مسکرائیں اور دونوں کو ایک ساتھ ہی بازوؤں میں بھر لیا۔

''اب آپ پھر تو بیمار نہیں ہوں گی نا مما ہمیں رات کو نیند آئی تھی نہ ہی بھوک لگتی تھی۔'' وہ دونوں ہی حراساں تھے اور کسی بھی پل رو پڑنے کو تیار، انہوں نے گہرا سانس کھینچا اور نفی میں سر ہلا کر انہیں تھپکا۔

''عینا، طلحہ تنگ نہیں کرو مما کو چلو کچن میں، میں وہیں افطاری کے لئے دستر خوان بچھا رہی ہوں۔''

تبھی ماہ نور اندر آئی تھی لان کے وائیٹ اور بلو خوبصورت پرنٹ کے دوپٹہ شرٹ اور وائیٹ شلوار میں وہ سحر آفریں چہرے کی دودھیا رنگت اور ہیروں کی کنی کی مانند دمکتی آنکھیں لئے جاذبیت حسن کی رعنائی سمیت وہ جیتی جاگتی قیامت تھی جو ہر پل اس سے بے نیاز رہ کر بھی گویا اس کا ضبط حوصلہ اور ہمت آزمایا کرتی تھی اسے نگاہ قابو میں کرنا دشوار ہوا تھا پر شوق گہری اور استحقاق بھری نگاہ جسے کسی نے بہت غور سے دیکھا تھا اور اندر کی دنیا پھر سے زیر و زبر ہونے لگی تھی۔

''مما آپ ابھی سویئے گا نہیں میں آپ کے لئے سوپ لا رہی ہوں۔'' طلحہ اور عینا کو باہر بھیجنے کے بعد وہ اب ان سے مخاطب ہوئی تھی جو سخت مضطرب بے چین سی بے بسی سے لب کچل رہی تھیں۔

''او کے پھپھو جانی اب چلتا ہوں اپنا خیال رکھیئے گا۔'' وہ خود کو سنبھال کر اٹھا تھا اور اجازت طلب کرتے ہوئے ان کے سامنے جھکا انہوں نے اب بھی کوئی لفظ منہ سے کہے بنا محض ہاتھ اٹھا کر اس کے سر پہ رکھ دیا تھا، تو کیا اسے جانے کی اجازت دی تھی، ماہ نور نے کسی قدر اچنبھے میں گھر کے تحیر سے بھری نگاہ سمیت ان کے اس انداز کو دیکھا اور پلٹ کر تیزی سے باہر نکل گئی، طارق شیرازی انہیں وقت پہ دوا لینے کی تاکید کرنے کے بعد اپنا خیال رکھنے کا کہتا باہر آیا تو اسے کچن کے دروازے پہ کچھ بے چین سے انداز میں اپنا منتظر پاتے ہی جیسے کھل سا اٹھا مگر بظاہر انجان بنتے ہوئے پاس سے گزرا تھا، جب وہ بے ساختہ پکاری تھی۔

''سنیئے۔'' وہ رکا تھا اور بے اختیار ایڑیوں کے بل پلٹا۔

''جی سنائیے۔'' بہت شریر اور بے تاب سا لہجہ تھا لبوں کے گوشوں میں مچلتی مسکان ماہ نور خفیف سی ہو گئی۔

''ہاں بولو کیا بات ہے؟'' وہ بہت گہری نگاہوں سمیت اس کے صبیح اجلے چہرے پہ بکھرتی لالی کو دیکھنے لگا۔

''وہ مجھے یہ کہنا تھا کہ ابھی مت جائیے افطاری میں بہت کم وقت ہے۔'' وہ لرزتی پلکیں اٹھا کر محض ایک پل کو اسے دیکھ سکی اور پوری جان سے اپنی سمت متوجہ پا کر اس کا دل بہت بے ترتیبی سے دھڑکا تھا۔

''او کے فائن آپ روکیں اور ہم نہ رکیں ایسا تو کبھی نہیں ہو سکتا مادام۔'' وہ مسکراہٹ دباتا کچن میں آ گیا جہاں چھوٹی ٹیبل کے گرد موجود کرسیوں پہ عینا اور طلحہ موجود تھے اسے دیکھ کر ان کے متفکر اور اداس چہروں پہ رونق سی اتری تھی۔

''بھائی آپا کہتی ہیں روزہ افطار کرنے سے پہلے جو بھی دعا مانگی جائے وہ ضرور اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے میں ہر روزہ افطار کے وقت مما کی صحت مندی کی دعا مانگتا ہوں۔'' طلحہ نے آہستگی سے کہا تھا دونوں خاصے خوفزدہ اور ملول نظر آ رہے تھے طارق بے ساختہ مسکرایا۔

''بالکل یہی وجہ ہے کہ اب آپ کی مما پہلے سے اب بہت بہتر ہیں۔'' اس نے پانی اور ٹینگ کے جگ فریج سے نکال کر ٹیبل پہ رکھتی ماہ نور کو دیکھا اور مسکراہٹ دبائی۔

''ویسے اپنی آپا سے بھی پوچھا یہ افطار سے قبل کیا دعا مانگتی ہیں۔'' اس کی پر شوق لو دیتی نگاہ اب براہ راست ماہ نور کے چہرے کے گرد حصار بنانے لگی تھی۔

''میں مما کی صحت مندی کے ساتھ ان کی درازی عمر کی بھی دعا مانگتی ہوں۔'' وہ اب کھجوریں اور سالن کا ڈونگہ رکھ رہی تھی کھانے پکانے کا سارا کام وہ جب بھی گھر کا چکر لگاتی ساتھ ساتھ نپٹا دیا کرتی تھی۔

''بس۔'' طارق نے حیرانگی کا تاثر آنکھیں پھیلا کر دیا۔

''اور بھی بہت کچھ میں آپ کو کیوں بتاؤں۔'' وہ بے نیاز بنی تھی طارق کی آنکھیں جگمگانے لگیں۔

''میں جانتا ہوں وہ کیا دعائیں ہو سکتی ہیں۔'' اس کے یوں زعم بھرے پر یقین لہجے پہ ماہ نور نے قدرے چونک کر اسے دیکھا اس کی شرارت بھری مسکراہٹ پہ وہ بے ساختہ ہی جھینپی تھی اور تیزی سے مما کے لئے تیار کی ٹرے اٹھائے باہر نکل گئی پھر وہ اس وقت ہی آئی تھی جب طارق شیرازی افطار کرنے کے بعد واپس جانے کو اٹھ چکا تھا۔

''طلحہ دروازہ بند کر لو۔'' واش بیسن پہ ہاتھ دھو کر ٹاول سے خشک کرتا ہوا وہ اس پہ اپنی خفگی جتائے بغیر نہیں رہا۔

''آپا آپ دروازہ بند کریں مجھے تو نماز کے لئے مسجد جانا ہے۔'' طلحہ نے ہانک لگائی تھی تب ماہ نور قدم بڑھاتی اس کے پیچھے چلی آئی تھی۔

''تھینکس۔'' وہ دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا جب ماہ نور نے انتہائی آہستگی سمیت کہا تھا وہ رکا تھا اور پلٹ کر ٹیوب لائیٹس کی روشنی میں خود سے کچھ فاصلے پہ موجود اس نازک چاندنی سا روپ لئے کھڑی لڑکی کو دیکھا جو اپنے اندر کچھ تو ایسا انوکھا رکھتی تھی کہ وہ مجبور بے بس سا ہو کر بس اس کی جانب کھنچا چلا آیا کرتا تھا۔

''تھینکس فار واٹ۔'' اس نے اپنے سامنے گڑیا کی مانند نظر آتی اس لڑکی کو کس قدر حیرانگی سمیت دیکھا۔

''مما کے لئے اتنا کچھ کرنے پہ۔'' وہ ممنون و مشکور سی ہو کر بولی تو طارق کو مسکراہٹ دبانا دشوار ہوا تھا۔

''وہ پھپھو ہیں میری یہ میرا حق تھا۔'' ماہ نور نے آہستگی سے پلکیں اٹھائیں مگر وہ ان سیاہ گھور بہت سے جذبے لٹاتی شوخ آنکھوں میں ایک پل سے زیادہ نہیں دیکھ سکی اور گڑبڑا کر پلکوں کو چلمنیں گرا دیں۔

''پھر بھی میں آپ کا یہ احسان نہیں اتار سکتی۔'' اس کا گلا رندھنے لگا تھا۔

''نہیں خیر اب ایسی بھی بات نہیں اتار تو سکتی ہو یوں چٹکی بجاتے۔'' وہ یکایک شوخ ہوتا شرارت پہ مائل نظر آنے لگا۔

''جی مگر کیسے۔'' ماہ نور نے بھرپور استعجاب سے اسے دیکھا۔

''ایسے۔'' وہ اس پہ جھکا تھا اور پیشانی پہ ایک مہکتا بوسہ ثبت کر دیا تھا، ماہ نور کئی ثانیوں تلک اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکی، طارق شیرازی نے بہت دلچسپ اور شوخ متبسم نظروں سے اس کا یہ حق دق سا انداز دیکھا اور کھل کر مسکرایا۔

''او کے گڈ بائے۔'' وہ اس کے ہوائیاں اڑاتے روپ کو نگاہوں میں بسائے مسکراتا ہوا پلٹ گیا تھا وہ تو جیسے زمین میں گڑ گئی تھی حالانکہ طلحہ کب کا جا چکا تھا وہاں دیکھنے والا کون تھا اس کے باوجود اسے لگ رہا تھا ایک عالم اس پہ انگلیاں اٹھائے چیخے جا رہا ہے۔

☆☆☆

زندگی مہک اٹھی تھی کسی چمن کی مانند
وہ سرد ہوا کی طرح جب مجھے چھو کر گزرا
وعدہ کر کے جس شب نہیں آیا وہ
اس شب کا ہر لمحہ ٹھہر کر گزرا
رو رو کے آنکھیں جل تھل کر دیں میں نے
میری گلی سے جب وہ اجنبی بن کر گزرا

اس نے بڑبڑاتے ہوئے نوچنے کے انداز میں چوڑیاں اور بندے اتار کر پھینکے تھے اور بستر پہ اوندھے منہ گر گئی تھی اس کا جی بہت سارا رونے کا چاہ رہا تھا مگر وہ ایک بے حس کھٹور اور سنگدل شخص کے لئے رونا نہیں چاہتی تھی وہ تو اسے یہ بھی ثابت کرنا نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس کی منتظر رہی ہے زندگی سپاٹ بے رنگ اور بے کیف تھی تو یہ بھی اس کی اپنی منتخب کردہ تھی وہ کسی کو دوش دیتی بھی تو بھلا کیونکر بہت سارے آنسوؤں کو اندر اتارا اور خود کو کمپوز کرتی اٹھ کر دریچے کے پردے سمیٹنے لگی، سلائیڈز کھولتے ہوئے اس کی نگاہ اٹھی تھی آسمان کا رنگ زردی مائل سرخ ہو رہا تھا ہوا میں تندی اور خنکی کا احساس تھا اس نے نے کچھ سوچ کر سلائیڈز بند کیں اور خود چلتی ہوئی باہر آ گئی ہوا میں کچھ مزید تیزی آ گئی تھی درخت اور پودے زور زور سے ہلکورے لینے لگے، ماحول میں پھولوں کی مہک کے ساتھ مٹی کی خوشبو رچنے لگی، گرد اڑ کر آنکھوں میں گھس رہی تھی مگر وہ پرواہ کیئے بنا چلتی ہوئی لان میں آن رکی زوں کی آواز کے ساتھ اس کا دوپٹہ پھڑ پھڑا کر دور تک اڑتا چلا گیا اس نے ہڑبڑا کر پکڑنا چاہا مگر اگلے ہی پل جیسے زمین نے اس کے قدم جکڑ لئے تھے، داؤد حسن خاں جھک کر اس کا دوپٹہ اٹھا رہے تھے وہ لب بھینچے سر جھکائے خفیف سی کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

''سنبھالنا سکیں اسے اور یہاں مت کھڑی ہوں اندر چلیں موسم کے تیور ٹھیک نہیں ہیں۔'' دوپٹہ اس کی جانب بڑھائے وہ معمول سے بھی بڑھ کر سنجیدگی سے کہتے نپے تلے قدم اٹھاتے آگے بڑھ گئے۔

''موسم کے تیور ٹھیک نہیں۔''

''اونہہ، آندھی طوفان ہی ہے آدم خور جن تو نہیں جو مجھے اپنے ساتھ اڑا لے جائے گا۔'' وہ بولی نہیں چیخی تھی، مگر اس کا یہ چیخنا بھی کسی کام نہ آیا ہوا کی چنگھاڑ میں اس کی آواز دب گئی تھی اور وہ

شخص اپنی تمام تر بے نیازی سمیت اندر غائب ہو چکا تھا وہ پیچھے جھنجھلاتی اور دانت پیستی رہ گئی، فضا میں مغرب کی اذان کی آواز سے پہلے افطار کی دعا کی آواز بلند ہوئی تب وہ اپنے قہر پہ قابو پاتی اندر آئی تو صابر ٹیبل سجا چکا تھا۔

''بی بی جی آ جائیں۔'' اسے دیکھ کر وہ مودب ہوا تھا اور دروازے سے سائیڈ پہ ہو گیا اس سے قبل کہ وہ واپسی کو قدم بڑھاتی داؤد حسن، وقاص کے ساتھ ڈرائینگ روم میں داخل ہوئے تھے ایش گرے کلر کے سوٹ کی جگہ کاٹن کے آرام دہ شلوار سوٹ نے لے لی تھی ہلکی سی بڑھی شیو سمیت وہ اپنی چھا جانے والی شخصیت سمیت اس کے پاس سے ہو کر آگے بڑھ گئے اس کے اندر اس نظر اندازی پہ جیسے کوئی شعلہ سا دہکا تھا۔

''کہاں چلیں مامی جی روزہ تو کھل بھی گیا، آپ کن سوچوں میں ہیں۔'' وقاص کرسی گھسیٹ کر بیٹھتا ہوا کس قدر حیرانگی سمیت اس کا یہ تجاہل دیکھ رہا تھا وہ قدرے اورشا کی نگاہ داؤد حسن پہ ڈالی جو اپنے سامنے نیپکن پھیلاتے ہوئے پوری طرح انہیں اگنور کیئے ہوئے تھے اس کا دل اس اہانت بھرے سلوک پہ بے تحاشا بھر آیا اور آنکھوں کے فرش گیلے ہونے لگے، کتنے اجنبی اور دور دور لگتے تھے وہ روز اول سے ہی کیا وہ انہیں کبھی مکمل اور پورا پا بھی سکے گی یہ سوچ اس کا دل بوجھل کرنے لگی۔

''مامی یہ آپ کھا رہی ہیں یا محض سونگھنے پہ اکتفا کر رہی ہیں، کم آن روزہ تھا آپ کا صبح سے ماناماموں کی ہمراہی میں آپ کو اسمارٹ اور اٹریکٹو نظر آنا چاہیے مگر ایسا بھی کیا کریزی پن کہ بندہ یوں ڈائیٹنگ پہ ہی اتر آئے وہ بھی رمضان المبارک میں۔'' وہ اس کی بے دلی اور اداسی کو محسوس کر چکا تھا جبھی نہ صرف ٹوکا بلکہ اچھا خاصا سمجھانے کا فریضہ بھی ادا کیا، نگین نے ایک نظر داؤد حسن کو دیکھا جو جوس سیپ کرتے ہوئے ساتھ ساتھ فنگر چپس انجوائے کر رہے تھے اس نے سر جھکایا اور سر جھکا کر اپنی پلیٹ میں وقاص کے رکھے سموسے پہ کیچپ انڈیلتے ہوئے کانٹے سے بھنبھوڑا۔

''اتنا سوچ کر کھائیں گی تو پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کچھ نہیں لگنے والا آپ کو۔'' وہ مسکراہٹ دباتا ہوا بولا تھا پھر روئے سخن داؤد حسن کی جانب موڑتا ہوا کچھ اور بھی شریر سا ہوا تھا۔

''کیوں ماموں غلط کہہ رہا ہوں میں۔''

''کیا؟'' وہ بے دھیان تھے جبھی قدرے چونکے اور استفسار کے انداز میں اسے دیکھا اور نگین کا ضبط بس یہیں تک تھا، چمچ پلیٹ میں پٹختے ہوئے وہ ایک جھٹکے سے اٹھی تھی اور پیر پٹختی ہوئی باہر نکل گئی، وقاص نے تاسف بھری نظروں سمیت داؤد حسن کو دیکھا۔

''ماموں خفا کر دیا آپ نے ممانی جان کو۔'' داؤد حسن نے طمانیت بھرے انداز میں ٹشو کیس سے ٹشو کھینچے ہاتھ کو آہستگی سے دبا کر خشک کیا پھر اٹھتے ہوئے گمبھیر لہجے میں بولے تھے۔

''نماز کے لئے چل رہے ہو۔''

''ماموں۔'' وہ احتجاجاً چلایا مگر ان کا اطمینان قابل دید تھا کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''آج گھر پہ نماز ادا کر لیں ماموں، موسم بہت طوفانی ہے۔'' اس نے گہرا طویل سانس کھینچ کر بے انتہا ضبط اور تحمل کا مظاہرہ کیا تھا اور اشارے سے ہواؤں کے طوفانی جکڑوں سے زور زور سے ٹکراتے دروازوں، کھڑکیوں کے پٹ کی سمت توجہ دلائی۔

''اٹس او کے، آجانا تم بھی۔'' انہوں نے ایک نظر اسے دیکھا تھا اور اس کے پاس سے ہو کر باہر نکل گئے تھے۔

''جس دن آپ ہمارے مون ایورسٹ جیسے ماموں کو سر کرلیں گی ممانی اس روز ہم آپ کی تاج پوشی کریں گے، بیسٹ آف گڈ لک یہ'' وہ تصور میں نگین شاہ سے مخاطب ہوا تھا اور صابر کو پکار کر ٹیبل سمیٹنے کی تاکید کرتا خود بھی نماز کے ارادے سمیت باہر کی جانب چل دیا تھا۔

☆☆☆

میری ہستی کے جنگل میں
اچانک شور برپا ہے
کہ جنگل کے جلو میں خوف کی پرچھائیاں
سی رقص کرتی ہیں
میری ہستی کے جنگل میں
کہیں پر ہلکی ہلکی روشنی سی بھی ہے
مگر کچھ بھی نہیں ہوگا
کہ یہ بھی کرن گمبھیر تاریکی میں رستہ بھول جائے گی
میری ہستی کے جنگل میں
بہت چنگاریاں ہیں
اک آگ بھڑکتی ہے
مگر کچھ بھی نہیں ہوگا
کہ جنگل جس کے حصار میں ہے
اور ہوائے تازہ کے رستے ناپید ہیں

وہ سر جھکائے گم صم بیٹھی تھی اتنا گہرا شاک تھا کہ اسے لگا تھا وہ کبھی بھی اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر پائے گی یا خدایا اتنی آزمائش اس کا دل کرلایا تھا اور ٹپ ٹپ کتنے ہی بے آواز آنسو چہرا بھگوتے چلے گئے تھے ابھی تو پہلے دھچکے سے ہی نہیں سنبھلی تھی ڈیڈ کی اچانک موت بھی ایک معمہ بنی ہوئی تھی اس کے لئے کہ یہ صدمہ اسے اپنی سماعتیں اپنی بصارتیں بے کار ہوتی محسوس ہوتی تھیں، وہ سب کچھ غیر ارادی طور پہ ہی اس کے علم میں آگیا تھا، جسے اس سے چھپانے کی سعی کی گئی تھی۔

''کیا کررہے ہو شہر یار آخر کتنا وقت لوگے تم کب تک وہ حالت سوگ میں رہے گی، تمہیں معلوم ہونا چاہیے، ہمارے پاس وقت کتنا مختصر ہے اتنے چونچلے اٹھانے کی ضرورت ہی کیا ہے بھلا تمہیں، اب اس کے سر پہ ہے ہی کون کسی کے بل بوتے پہ اکڑے گی وہ اب تو قدرت بھی ہمارا ساتھ دے رہی ہے، پہلی فرصت میں اس سے تمام ڈاکومنٹس پہ سائن لے کر سب کچھ اپنے نام کرواؤ، اس کے ساتھ ساتھ فارگاڈ سیک اسے اس کام کے لئے تو تیار کرو اس کا فزیکل چیک اپ تک نہیں کروایا تم نے کمال ہے۔'' یہ اس کی دوست تھی روحاہا، روحینہ ہی تھی اور کسی کے متعلق بات کررہی تھی، اس کے اسے خود کو یقین دلانا پڑا تھا اور کسی قسم کے کام کے لئے اسے آمادہ کرنا تھا، اس کا ذہن الجھا تھا دماغ جیسے دہکنے لگا تھا۔

''تم پریشان مت ہو سب ہو جائے گا۔'' شہر یار کا تسلی آمیز لہجہ اس کے سر کے اوپر سے گزر گیا

تھا۔

''سنو معاملہ سیٹ ہے نا، کہیں کوئی گڑبڑ تو نہیں۔'' وہ پتہ نہیں کیا پوچھ رہی تھی کہ وہ بے تحاشا ہنسا تھا۔

''کیسی گڑبڑ یعنی محبت۔'' اس کی ہنسی ہذیانی قہقہے میں ڈھلی۔

''پاگل سمجھ رکھا ہے، نان سنس یہ پاکیزہ تتلی تھی اس کے رنگ ہتھیلی پہ اتارنے کے لئے یہ نکاح مجبوری تھا یار اینڈ دیٹ سیک۔'' اس کے سر پہ دھماکہ ہوا تھا اس نے خود کو گرنے سے بچانے کے لئے بے اختیار ہی دیوار کا سہارا لیا تھا مگر اس کا سر چکرانے لگا تھا۔

''تم سناؤ وہ شوٹ مکمل ہوا یا تم بھی نا بس۔'' وہ ہنسی تھی۔

''شوٹ ہی مکمل نہیں ہوا یہ میگزین میں تصویریں بھی چھپ گئیں ہیں لاتی ہوں تمہارے لئے، دیکھو کیسی قیامت لگ رہی ہے میری بیوٹی مگر تم تو پوری طرح رابیل کے حسن کے سحر میں گم ہو کہاں ہوش ہوگا۔'' وہ ہونٹ سکوڑ کر کہے گئی تھی رابیل کو کھڑے رہنا دشوار ہوا تھا وہ کسی نہ کسی طرح وہاں سے پلٹ کر اپنے کمرے میں آگئی تھی اس کا دماغ ماؤف ہورہا تھا معاً وہ اچانک اٹھی اور تیز قدموں سے چلتی سٹنگ روم میں آگئی اس کے خیال میں میگزین وہیں ہونا چاہیے تھا اس کا اندازہ درست تھا ہر سو مہیب سناٹا تھا کمرے کی فضا میں ابھی تک سگریٹ اور اُم الخبائث کی ناگوار بو پھیلی تھی اس کا جی الٹنے لگا دوپٹے کا گولہ سا بنا کر ناک اور منہ پہ رکھتے ہوئے اس نے میگزین اٹھایا اور الٹے قدموں پلٹ کر باہر آگئی کھلی فضا میں چند گہرے سانس لینے کے بعد اس نے ہاتھ میں پکڑے میگزین کے چکنے رنگین ٹائٹل پہ نگاہ ڈالی اور اگلے لمحے جیسے زمین آسمان اس کی نگاہوں میں گھوم کر رہ گئے تھے ٹائٹل پہ جس نیم عریاں ماڈل کی تصویر تھی وہ روحینہ سے مشابہہ تھی مگر وہ روحینہ ہوگی وہ گمان تک نہیں کرسکتی تھی اس کا پورا وجود درمیانی صفحات کھول کر تصویر دیکھتے پسینے میں نہایا اور تھر تھر کانپنے لگا۔

''وہ اچھا انسان نہیں ہے وہ اس قابل نہیں کہ تم اس سے شادی کرو۔'' کسی آواز کی بازگشت اسے سنائی دی تھی اور اس کا دل اندر ہی اندر ڈوبنے لگا تھا، اسے لگا تھا اس کا پورا وجود برف کی بھاری سل کے نیچے دب گیا ہے اس کا سانس گھٹ رہا تھا اسے اپنی آنکھوں میں بے بسی کے آنسو بہتے محسوس ہوئے تھے جب اپنے نزدیک کسی ذی روح کی موجودگی کا احساس پاتے ہی اس نے چونک کر سر اٹھایا، شہر یار تھا ایک نظر اس کے پیروں کے نزدیک اوندھے گرے فیشن میگ پہ اور دوسری اس پہ ڈالنے کے بعد وہ اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے یوں اطمینان بھرے انداز میں سگریٹ سلگانے میں مشغول ہوا تھا جیسے کچھ بھی تو انوکھا اور نیا نہ ہوا ہو رابیل کو اس کی یہ ڈھٹائی اور بے غیرتی سراسر اپنا مضحکہ اڑاتی محسوس ہوئی تھی۔

''واٹ از دس۔'' اس نے جھک کر وہ میگزین اٹھا کر اس کے منہ پہ مارتے ہوئے حقارت زدہ انداز میں ہونٹ سکوڑ کر ازحد برہمی و تلخی سمیت اسے دیکھا تھا۔

''غور سے دیکھ لو اور قبول کرلو، ذہنی طور پہ اسے بی کوز یہ سب کچھ تمہیں بھی تو......''

''شٹ اپ جسٹ شٹ اپ جان سے ماردوں گی میں تمہیں منہ نوچ لوں گی تمہارا، ہمیشہ یاد رکھنا میں تمہیں تمہارا ان مکروہ اور گندے ارادوں سمیت موت کے کنویں میں اتار دوں گی۔'' وہ اس پہ جھپٹی تھی اور ہسٹریک ہو کر چلانے لگی تھی، شہر یار نے جو بہت پرسکون انداز میں اسے دیکھ رہا

تھا اسے ایک ہی ہاتھ سے سنبھال کر ہلکے سے جھٹکے سمیت خود سے دور گرا دیا تھا۔

”ہوش میں آجائیں محترمہ زیادہ ایموشنل ہونے کی ضرورت نہیں یہ کوئی گھٹیا سی لو اسٹوری نہیں ہے جس میں، میں تمہارے حسن کے قصیدے پڑھوں گا اور تمہارے سامنے ہاتھ پیر جوڑ کر معافی طلب کروں گا یہ زندگی ہے جو بہت تلخ ہے اچھا ہوا سب کچھ خود بخود تم پہ عیاں ہو گیا ورنہ میں تو تمہیں ابھی اس صدمے سے بچانا چاہتا تھا، ہاں میں یہی ہوں یہی ہے میری اصل شکل اور یہ بھی سن لو تم سے میں نے صرف تمہاری خوبصورتی کی وجہ سے شادی نہیں کی، خوبصورت تو روحی بھی ہے ٹینا بھی ہے اور جولی بھی مگر وہ سب تمہاری طرح نہ تو اکلوتی تھیں اور نہ بے تحاشا دولت و جائیداد کی مالک، تم ایسے نہ لگتیں تھیں جبھی تم سے نکاح کرنا پڑا مجبوراً سہی یہ بندھن تو بہر حال بندھ گیا چلو اس بہانے ہماری زندگی میں بھی بہار آ گئی، رئیلی مجھے اندازہ ہی نہیں تھا کہ کسی کی زلفوں کی چھاؤں میں رات بسر کرنا اتنا حسین اور دلفریب بھی ہو سکتا ہے۔“ سنجیدگی سفاکی اور تلخی سے بات کرتا وہ خباثت سے ہنسا۔

”ویسے ایمانداری کی بات ہے تم پہلی لڑکی ہو جس کے اتنے نزدیک ہوا ہوں ورنہ ہلکی پھلکی چھیڑ چھاڑ سے بات آگے کبھی نہیں بڑھی تھی۔“ وہ سن ہوتے ذہن اور ساکن پلکیں لئے اسے بولتے سن رہی تھی بادل زور سے گرجا تھا اور کہیں بجلی گرنے کی خوفناک آواز سنائی دی تھی اسے بھول چکا تھا شہریار نے اسے کس درجہ حقارت زدہ انداز میں جھٹک کر پھینکا تھا اسے یاد تھا تو بس یہ کہ وہ ایک بہت بڑے نقصان سے دوچار ہو چکی ہے بہت بڑی مشکل میں پھنسنے جا رہی ہے اس کی آنکھوں تلے اندھیرے سے چھانے لگے تھے۔

☆☆☆

جب رات کی ناگن ڈستی ہے
نس نس میں زہر اترتا ہے
جب چاند کی کرنیں تیزی سے
اس دل کی چیر کے آتی ہیں
جب آنکھو کے اندر ہی آنسو
زنجیروں میں بندھ جاتے ہیں
جب سب جذبوں پہ چھاتے ہو
تب یاد بہت تم آتے ہو

”تم واپس کب جا رہے ہو۔“ وہ گنگناتے ہوئے سیل فون پہ میسج کر رہا تھا جب اماں نے اچانک اندر آ کر اس کی محویت توڑی وہ چونکتے ہوئے انہیں دیکھتا مسکرایا تھا۔

”آپ کو کیا پریشانی ہے ماں، اچھا ہے نا میں آپ کے پاس ہوں، محاذ پہ ہوں تو آپ کو خطرہ ہی رہتا ہے دل ہولتا رہتا ہے۔“ میسج ماہ نور کے نمبر پہ سینڈ کرنے کے بعد وہ اٹھ کر ان کے مقابل آیا اور دونوں شانوں پہ بازو پھیلا کر لاڈ کرنا چاہا مگر انہوں نے نہایت درشتگی سے اس کے بازو کو جھٹکا تھا اور فاصلہ بڑھاتے ہوئے سائیڈ پہ ہو گئی تھیں۔

”شرم تو آتی نہیں ماں سے جھوٹ بولتے ہوئے۔“ انداز ملامتی اور سراسر خفگی بھرا تھا، وہ چونکا اور خفیف سا ہو کر سر کھجانے لگا۔

”اب کیا گستاخی ہو گی ماں۔“ اس نے منہ بسور لیا۔

”جس کی وجہ سے رکے ہو نا طارق وہ میری جان کی دشمن ہے، نفرت ہے مجھے اس سے مرتی مر جائے مگر میں اس کی شکل نہ دیکھوں اور تو دن رات کی تیمارداریاں کرے یہ میرے ضبط کا امتحان نہیں تو اور کیا ہے۔“ ان کا غیض و غضب دیکھنے لائق تھا طارق کے لبوں پہ زبردستی کی مسکراہٹ بھی یوں غائب ہوئی جیسے کسی نے بے دردی سے نوچ کر پھینکی ہو۔

”لڑکیوں کی کمی تو نہیں ایک وہی ملی ہے تجھے ماں کا دن رات دل جلانے کو۔“ انہوں نے اس کے ضبط میں سرخ پڑے چہرے کو دیکھ کر بھڑکے ہوئے انداز میں لتاڑ کے کہا۔

”اماں!“

”مت کہہ اماں مجھے، میں تب مانوں گی تیرے دل میں بھی میرے لئے کچھ ہے اگر تو اپنی خالہ زاد......“

”اماں، فار گاڈ سیک بس کریں آپ۔“ وہ ضبط کرتے ہوئے بھی چلایا تھا۔

”حد ہوتی ہے ایک ہی بات کو رات دن دہرا کر آپ تھکتی نہیں جبکہ اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں۔“ وہ چڑ کر رہ گیا تھا بری طرح جھنجھلایا۔

”سنو۔“ منیبہ اچانک ہی راستے میں دیوار بن کر حائل ہوئی تھی، طارق کی تیوری پہ بل پڑنے لگے۔

”راستہ چھوڑو۔“ اس نے یکسر اجنبی اور سپاٹ سے انداز میں تڑخ کر کہا تھا۔

”مجھے اپنی فرینڈ کے گھر جانا ہے افطار پارٹی پہ پلیز ڈراپ کر دو نا۔“ وہ اسٹیج کی فنکارہ بنی وارفتہ نگاہوں سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی تو طارق کو اپنا اشتعال دبانا دشوار محسوس ہوا تھا۔

”اس گھر میں میرے علاوہ بھی کچھ لوگ ہیں جو یہ احسن طریقے سے یہ فریضہ انجام دے سکتے ہیں سو ناؤ گیٹ لاسٹ۔“ وہ بولا دھاڑا تھا،

”نخرے مت کریں نا پلیز لے چلیں پھر جو ذمہ داری آپ کی ہے اسے دوسروں پہ آخر کیوں ڈالتے ہیں۔“

”واٹ؟“ اسے تو جیسے کرنٹ لگا تھا بدک کر کچھ اور فاصلے پہ ہوا۔

”ہاں گھر والے ہماری منگنی کا فیصلہ کر چکے ہیں۔“ اس کا یہ طرہ بڑا پرلطف تھا اسے بڑے زور کی ہنسی آنا چاہیے تھی مگر اس کا اپنا سر پیٹ لینے کا جی چاہا تھا۔

”ہٹ جاؤ میرے راستے سے منیبہ ورنہ میں ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر تمہیں اٹھا کر نیچے پھینک دوں گا۔“ وہ آنکھیں نکال کر غرایا۔

”بصد شوق چوٹ لگے گی نا اپاہج ہونا بھی منظور ہے مگر اس کے لئے تمہیں مجھے بہر حال چھونا تو پڑے گا اور یہی تو حسرت ہے ہماری۔“ وہ کمینگی ڈھٹائی اور بے شرمی کی انتہا پہ تھی، طارق کو اپنا دماغ بھک سے اڑتا ہوا محسوس ہوا یہ اس کے خاندان کی عزت تھی اتنی پست اور گھٹیا سوچ کی مالک اسے بے اختیار کراہیت کا احساس ہوا تھا، وہ پلٹا تھا اور تیز قدم اٹھاتا واپس اپنے کمرے میں جا گھسا۔

(باقی اگلے ماہ)

میرے ساحر سے کہو

ام مریم

پچھلی قسط کا خلاصہ

شہریار، رابیل سے جھوٹی محبت جتاتے ہوئے اپنے مقاصد کی تکمیل چاہتا ہے، رابیل نا چاہتے ہوئے بھی اس کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ شہریار سے ہنی مون پہ جانے کا عندیہ دیتی ہے ہنی مون پہ جانے سے قبل داؤد حسن خاں اچانک رابیل سے ملنے آتے ہیں اور اس کے ڈیڈ کا افسوس کرتے ہیں رابیل کو انہیں روبرو پا کے خود پہ ضبط محال محسوس ہوتا ہے، ساتھ ہی احساس زیاں بھی اسے کچوکے لگاتا ہے۔

طارق شیرازی ماہ نور کے بے لچک رویئے پہ فطری غصے کا شکار ہو کر فون پہ اسے دھمکیاں دیتا ہے جس سے ماہ نور پہلے تو خائف ہوتی ہے اور پھر اس کی بات ماننے سے صاف انکار کر دیتی ہے جس سے طارق کا غصہ آسمانوں کی بلندیوں کو چھونے لگتا ہے اور وہ اسی اشتعال میں جب ماہ نور کو دھمکاتا ہے تو اس کی یہ ساری باتیں اس کے بابا سن لیتے ہیں اور ان کے استفسار پہ طارق سب کچھ بتاتا ہے یوں پورے گھر کی مخالفت کے باوجود طارق شیرازی کے دل کی ہوتی ہے اور دو دن بعد کی تاریخ طے ہو جاتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

نویں قسط

”کانگریچولیشن۔“ وہ حوصلہ بڑھاتی مسکراہٹ سمیت زیرلب بولا۔
”تھینکس۔“ طارق نے **جوابی مسکراہٹ اچھالی۔**

”اتنا بھی خوش مت ہوں ابھی تخت یا تختہ کا فیصلہ باقی ہے۔“ وہ طوطے کی طرح آنکھیں ماتھے پہ رکھ گیا۔

”تیار رہنا بیگم صبح آپ میرے ساتھ چل رہی ہیں سائرہ کی طرف رخصتی کی بات کرنے اب مجھے سمجھ آیا کہ وہ پچھلے دنوں اتنا بیمار کیوں رہی لگتا ہے اس کے دل پہ بھی انکشاف کا شگاف پڑ گیا تھا، غلطی ہمارے بیٹے کی ہے سزا ہم ان عورتوں کو نہیں دے سکتے جنہیں پہلے ہی بہت سے مصائب اور مشکلات کا سامنا ہے اس لئے کہ وہ میری بہن ہے میرا خیال ہے اماں میری بات سے اتفاق کریں گی۔“ انہوں نے فیصلہ سنا کر ماں کی ڈری سہمی صورت دیکھی جہاں غضب کی آسودگی بھی کہیں چھلک رہی تھی محفل پہ ایک بار پھر سناٹا چھا گیا۔

”یاہو۔“ فاروق نے اٹھ کر نعرہ لگایا تھا اور بھنگڑا ڈالنے لگا، نچ کے نچا کے ہوہو۔

”چپ ہو جا بدنصیب ماں کے کلیجے پہ خنجر چل رہے ہیں اور تجھے خوشیاں سوجھ رہی ہیں اور طارق تو کبھی بات مت کرنا مجھ سے مسینے گھنے ارے مجھے کیا پتہ تھا تو ایسا چھپا رستم نکلے گا۔“ اماں کا سکتہ ٹوٹا تھا اور واویلا شروع ہو گیا تھا، طارق پوری طرح اپنی فتح پہ سرشار بھی نہ ہو پایا ماں کو آٹھ آٹھ آنسو بہاتے دیکھا تو بے قرار بے تاب سا ہو کر اٹھا۔

”رہنے دے بھائی پلیز ابھی مت منائیں ورنہ معاملہ بگڑ بھی سکتا ہے۔“ فاروق نے سرگوشی کی تھی وہ ایک پل کو سوچ میں ڈوبا اور پھر اس خاموشی سے باہر نکل گیا۔

تمہیں کس نے کہا تھا
دوپہر کے گرم سورج کی طرف دیکھو
اور اتنی دیر تک دیکھو
کہ بینائی پگھل جائے
تمہیں کس نے کہا تھا
آسمان سے ٹوٹتی آندھیوں بجلیوں سے دوستی کر لو
اور اتنی دوستی کر لو
کہ گر کا گھر ہی جل جائے
تمہیں کس نے کہا تھا ایک انجانے سفر میں
اجنبی راہبرو کے ہمراہ
دور تک جاؤ
اتنی دور تک جاؤ
کہ راستہ بھٹک جاؤ
تمہیں کس نے کہا تھا
تمہیں کس نے کہا تھا

وہ حیران ششدر سی کچن میں کھڑی چائے کی خالی برتن دھو کر خشک کرنے کے بعد کیبنٹ میں رکھنے لگی کال بیل کی آواز پہ دروازہ اسی نے کھولا تھا اور دہلیز کے پار نظر آتے ان چہروں نے اس کی گویائی سلب کر لی تھی، بڑے ماموں، نانو اور چھوٹے ماموں اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا اس گھر میں اس حیثیت سے آ جانے کے بعد بھی ان میں سے کسی ایک شخصیت کو بھی اس دہلیز کو پار کرتے نہیں دیکھا تھا، وہ اتنا بوکھلا گئی تھی کہ فوری طور پہ کوئی ردعمل ظاہر نہ کر سکی ایون سلام بھی بڑے اور چھوٹے ماموں نے سرسری سے انداز میں اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا تھا اور مما کے بابت پوچھتے گلا کھنکار کر اپنی آمد کی پیشگی خبر دیتے اندر بڑھ گئے تھے جبکہ نانو نے اسے باقاعدہ لپٹا کر بلائیں لی تھیں اس کی بوکھلاہٹ گھبراہٹ میں ڈھل گئی بے چینی حد سے سوا ایسی کیا انہونی ہوئی تھی کہ یہ معجزہ ہو گیا اس کا دل بہت بے ہنگم سے انداز میں دھڑ کتا رہ گیا تھا عینا مما کے پیغام کے ساتھ آئی تھی اس نے چائے بنا کر طلحہ کے ہاتھ اندر بھجوا دی جب وہ ٹرے لینے آیا اس نے بہت متجسس سی نظروں سے اس کا چہرہ جانچا تھا مگر وہاں ازلی لاپرواہی اور کھلنڈرا پن بکھرا تھا چائے کی ٹرے خالی کیوں اور نمکو، چپس اور بسکٹس سمیت واپس آ گئی چند منٹ بعد ان لوگوں کے قدموں کی آہٹ اور باتوں کی آواز بلند ہوئی تھی جس سے اس نے اندازہ کیا تھا کہ وہ لوگ کمرے سے برآمدے میں اور برآمدے سے آنگن میں آ چکے ہیں اس کے بعد وہ گھر سے نکل کر چلے گئے تھے ماہ نور قیاس کے گھوڑے دوڑاتی تھک کر قدرے خائف اور تذبذب کا شکار اندر آئی تو مما کو رخ موڑے الماری میں کچھ تلاش کرتے پایا۔

”کیا ڈھونڈ رہی ہیں مما۔“ وہ آگے بڑھ آئی انہوں نے گردن موڑ کر اسے دیکھا اور نفی میں سر ہلاتے پٹ بند کر دیئے۔

”یہ ماموں اور نانو کس سلسلے میں آئے تھے۔“ قدرے ہچکچا کر اس نے دل و دماغ میں کلبلی مچاتا سوال کر دیا تھا۔

”اسی سلسلے میں جو تم نے شروع کیا تھا۔“ ان کا جواب اس کو بھک سے اڑانے کو کافی تھا۔

”جج...... جی۔“ وہ بے اختیار چونکی اور خشک لبوں پہ زبان پھیر کر کچھ کہنا چاہا مگر ان کی سرد نظروں کو سہار نہیں سکی۔

”مم...... میں سمجھی نہیں مما آ...... آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں۔“ اسے اچانک چکر سے آنے لگے۔

”حالانکہ تمہیں ہی سب سے زیادہ سمجھنا چاہیے طارق سے تو گلہ ہی نہیں ساری شکایتیں تو تم سے رہیں گی مجھے۔“ انہوں نے گہرے طنز سے کہا ماہ نور کا دل بند ہونے لگا، چند لمحے وہ محض پتھرائی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھتی رہی تھی اس کے ہونٹ کسی انجانے خدشے کے احساس سمیت کانپنے لگے۔

”کیوں کیا ماہ نور تم نے ایسا جبکہ تم جانتی بھی تھیں کہ تمہاری ماں دنیا بھر کی ذلت سمیٹ چکی ہے دوبارہ حوصلہ نہیں اگر ایسا کوئی قدم اٹھانا ہی تھا تو مجھے تو کہا ہوتا۔“ وہ اسے جھنجھوڑ کر ہذیانی انداز میں چلائیں، ماہ نور کو لگا جیسے وہ ابھی بے ہوش ہو کر گر پڑے گی اسے اپنے مختل حواسوں پہ قابو پانا دشوار ہوا اور اس سے زیادہ دشوار اسے اس وقت اس نازک سچویشن میں اپنی صفائی پیش کرنا محسوس ہوا تھا۔

''تو کیا طارق شیرازی نے، مائی گاڈ۔'' اس کا دل شدتوں سے گھبرایا اور ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑنے لگے۔

''وہ......وہ مما۔'' انہوں نے......

''بس رہنے دو جو گل تم نے کھلا دیا جس قدر مجھے شرمندہ کروا سکتی تھیں کروا چکیں یہ کچھ رقم ہے کل جا کے اپنی پسند کی شاپنگ کر لو پرسوں تمہاری رخصتی ہے اینڈ دیٹ سیک مجھے کچھ اور نہیں کہنا۔'' ان کا لہجہ سرد اور تاثرات اس سے بڑھ کر برفیلے تھے وہ جوان سے لپٹ کر دھاڑیں مار کر روتے ہوئے مشکل سے سہی مگر اپنی صفائی پیش کرنا اپنی قربانی کے متعلق بتانا چاہتی تھی ان کے بیگانے سرد مہر انداز نے اس کی تمام قوتیں ہی سلب کر ڈالی تھیں اس کی آنکھوں میں اتری نمی نے ہر منظر دھندلا دیا تھا۔

☆☆☆

تم نے کیسا یہ رابطہ رکھا
نہ ملے نہ فاصلہ رکھا
نہیں چاہا کسی کو تیرے سوا
تو نے ہم کو بھی پارسا رکھا

''مے آئی کم ان سر۔'' آہستگی سے دی گئی دستک کے بعد یہ حسین آواز ابھری تب انہوں نے چونک کر سر اونچا کیا اور اسے چوکھٹ پہ استیادہ پا کے متحیر ہو گئے۔

''کم ان۔'' رخ پھیر کر وہ پوری طرح سے متوجہ ہو گئے تھے بادامی آنکھوں میں ہنوز حیرت کے آثار تھے۔

''خیریت تمہیں اجازت کی ضرورت کیوں پیش آئی۔'' وہ جوان کی نگاہوں کی حرارت سے نروس ہو چکی تھی اس سوال پہ عجیب سے انداز میں مسکرائی۔

''تو کیا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔'' الٹا سوال ہوا وہ ذرا سے جھنجھلا گئے۔

''نگین واٹس یور پرابلم۔'' انہوں نے کتاب بند کی تھی۔

''آئی ایم ساری۔'' اس نے سر جھکایا اور انگلیاں چٹخائیں۔

''سوری فار واٹ۔'' پتہ نہیں وہ واقعی انجان تھے یا دانستہ انجان بن رہے تھے، اس نے سر اونچا کر کے ان کا چہرا جھانچا اور کسی نتیجے پہ نہیں پہنچ سکی اس روز میں آپ سے بہت زیادہ بدتمیزی کر گئی۔

''آپ کو ہاتھ روکنا نہیں چاہیے تھا تھپڑ مار دینا چاہیے تھا مجھے۔'' داؤد نے پلکیں اٹھا کر بغور اس کا چہرا دیکھا تھا اور مبہم سا مسکرائے۔

''نہیں خیر اب ایسی بھی کوئی بات نہیں خواتین پہ ہاتھ اٹھا کر ان کی آواز کو دبانا میرے نزدیک مردانگی نہیں بزدلی ہے اور میں شکر گزار ہوں اپنے رب کا کہ اس نے مجھے اس وقت غصہ ضبط کرنا سکھایا۔'' ان کا لہجہ بھرپور سنجیدگی و متانت لئے تھا۔

''آپ بہت اچھے ہیں اور مجھے فخر ہے کہ آپ کی شریک زندگی ہونے کا مجھے شرف حاصل ہوا۔'' وہ کچھ زیادہ ہی فرینک ہو گئی تھی ان کے چہرے پہ موجود مسکراہٹ لمحے کے ہزارویں حصے میں

غائب ہوئی تھی اس کی جگہ سرد سے تاثر اور بے مہری نے لے لی۔

''اور کچھ کہنا ہے آپ کو۔'' وہ جو حیرانگی کی نگاہ سمیت ان کا یہ رنگ بدلتا چہرا دیکھ رہی تھی، اس سوال پہ کھسیاہٹ میں مبتلا ہوئی کچھ کنفیوژڈ بھی ہو گئی۔

''جج......جی کہنا تو تھا، مگر آپ تو بزی ہیں۔'' اس نے گڑبڑا کر کہا۔

''ڈونٹ وری، آپ کہیں کیا مسئلہ ہے۔'' وہ اسی سنجیدگی کے حصار میں مقید نرمی سے گویا ہوئے۔

''رابیل سکندر کو جانتے ہیں آپ۔'' سوال غیر متوقع اور عجیب تر تھا، وہ چونکے ہوئے بہت دھیان سے اسے دیکھنے لگے۔

''آپ کیوں پوچھ رہی ہیں۔'' وہ بہت اجنبی سے محسوس ہوئے تھے سنجیدگی خطرناک حد تک جا پہنچی، وہ ہونق سی ہوتی ان کا جامد منجمد چہرا دیکھنے لگی۔

''مراقبہ بعد میں کر لیجئے پہلے وہ بتائیں جو میں نے پوچھا ہے۔'' انہیں یہ خاموشی گراں گزری تھی۔

''ک......کچھ نہیں وہ یہاں آئی تھی آپ کا پوچھنے......آ......آپ گھر پہ نہیں تھے۔'' اس نے ہکلا کر وضاحت دی ان کی نظریں اس کا اعتماد زائل جو کر چکی تھیں، وہ بے طرح چونکے۔

''یہاں آئی تھی مجھ سے ملنے کب۔'' ان کے لہجے کی تشویش بے قراری اور تحیر کیا کچھ نہ تھا نوٹس کرنے کو، اسے وقاص کی بھول کرانی پڑ گئی، ایک انجان سی بے چینی کا اضطراب رگ و پے میں سرائیت کر گیا۔

''پتہ نہیں وہ وقاص بتا رہا تھا۔'' وہ کچھ اور سٹپٹائی۔

''اوکے جاؤ آپ اور بے فکر رہیں میں خفا نہیں ہوں آپ سے اس بات کو چھوڑ کر اپنی اسٹڈی

وہ سینکڑوں خدشات لئے متفکر سی پلٹی ان کی آخری بات تو جیسے سنی ہی نہیں تھی۔

''اور ہاں یہ سوچ کر بالکل ریلکس ہو جائیں کہ رابیل سکندر کی شادی ہو چکی ہے۔'' وہ دروازے تک پہنچی تھی جب پیچھے سے ان کی بھاری آواز اس کے قدموں میں زنجیر ڈال گئی تھی اس نے پلٹ کر بہت اچانک انہیں دیکھا اس کا چہرہ لمحہ بھر کو روشن اور پھر دھواں دھواں ہو گیا تھا، اگلے ہی لمحے وہ لب بھینچی دروازہ پار کر گئی، داؤد حسن خاں اس کے متغیر چہرے کو دیکھتے حیران ہوئے تھے پھر کاندھے اچکا کر کتاب کھول لی۔

☆☆☆

تمہارے کھوج میں اپنا کمال کھو بیٹھے
جواب ڈھونڈ کے لائے سوال کھو بیٹھے
عجب ہجوم تھا بے چینوں کا سینے میں
ہم اپنی بھیڑ میں تیرا خیال کھو بیٹھے
ہمارا وقت تیرے وقت سے زیادہ تھا
تیرے دنوں میں ہم اپنے سال کھو بیٹھے

ساری تیاری مکمل تھی پیکنگ بھی ہو گئی تھی کہ عین وقت پہ شہریار کو اپنا ضروری کام یاد آ گیا۔

''تم بس ایک گھنٹہ میرا انتظار کرو میں یوں گیا یوں آیا۔'' اس نے چٹکی بجا کر کہا تھا اور پلٹ کر

چلا گیا تھا وہ کیا کہتی چپ چاپ ٹی وی لاؤنج میں آ بیٹھی شہریار کا التفات جوش و خروش اور محبتیں اس
پہ دھیان دیں تو زیادہ بہتر ہے۔'' وہ ایک دم ہی لاتعلق سے نظر آتے کتاب کی سمت متوجہ ہو گئے،
ان کی سمجھ سے بالاتر تھیں ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ مطمئن ہوتی اور ان خدشوں کے دائمی ہونے کی دعا
کرتی اس کے برعکس وہ ہر لمحہ دل پہ بوجھ بڑھتا ہوا محسوس کرتی رہتی۔

''میں شاید ہی کبھی آپ کو بھلا سکوں سر کاش کاش شہریار کی جگہ آپ ہوتے تو میں زندگی سے
اتنی دور کبھی نہ ہوتی۔'' وہ جانتی تھی اب اس کے لئے ایسا سوچنا بھی گناہ تھا مگر وہ اس دل کا کیا کرتی
جہاں صبر تھا نہ ہی سکون۔

''بی بی جی، داؤد حسن خاں صاحب آئے ہیں آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔'' پشماں کی آواز پہ
اس نے غیر یقینی سے اسے دیکھا تھا ایسا بھی بھلا ہو سکتا تھا کہ وہ انہیں یاد کرے انہیں دیکھنے کو مچلے
اور وہ چلے آئیں خود چل کر وہ اتنی بخت آور کہاں تھی۔

''ڈرائنگ روم میں بٹھایا ہے۔'' پشماں اس کے ٹکر ٹکر دیکھنے پہ جانے کیا سمجھی تھی، وہ اٹھی اور
بھاگنے کے انداز میں چلتی باہر نکل گئی، ڈرائنگ روم کے دروازے پہ قدم رکھا تو پہلی ہی نگاہ میں
اسکائی بلیو پینٹ کوٹ میں ہمیشہ کی طرح باوقار شاندار اور دلکش نظر آتے داؤد حسن خاں کو دیکھ کر
نارسائی کا احساس لامتناہی جنگل کی طرح اس کے اندر پھیلتا چلا گیا آہٹ پہ وہ متوجہ ہوئے تھے اور
اسے روبرو پاتے ہی احتراماً اٹھ کھڑے ہوئے۔

''سس......سر۔'' اس کے لبوں پہ سسکی سی آ کر دم توڑ گئی۔

''پاپا چلے گئے سر مجھے چھوڑ کر آپ بھی مجھے چھوڑ گئے سر کیوں بھول گئے تھے سر کہ رابیل ایک
خبطی دیوانی لڑکی ہے جو خود ہی اپنا نقصان کر کے پھر رویا کرتی ہے، وہ...... وہ کنویں میں چھلانگ
لگا رہی تھی آپ نے لگانے دی کیوں چھوڑ دیا آپ نے سر اسے اس کے حال پہ کیوں نہیں بڑھ کر

تھام لیا کیوں نہیں روک لیا سر۔'' اس نے اپنے جسم سے روح کو الگ ہو کر ان کی سمت بڑھتے ان
سے لپٹتے اور لپٹ کر بلکتے دیکھا۔

''کیسی ہیں رابیل سکندر حیات۔'' وہ آہستگی سے گویا ہوئے تھے وہ چونکی اور بے اختیار ہاتھ
سے گالوں کی نمی صاف کر دی۔

''آپ کے سامنے ہے سر رابیل شہریار گیلانی، آپ بتایئے نا اب وہ کیسی ہے۔'' اس نے زخمی
سے انداز میں انہیں دیکھا اور وہ مجرم سے بن گئے۔

''تمہارے ڈیڈ کا سنا تھا آئی ایم ساری میں فوری نہیں آ سکا یہ بھی سمجھ سکتی ہیں آپ کہ مجھ میں
حوصلہ ہی نہیں تھا آپ کا سامنا کرنے کا میں اتنا بہادر نہیں تھا کہ آپ کے آنسو صاف کر سکتا۔'' وہ
اس سے نگاہیں ملائے بغیر آہستگی سے بولے تھے، رابیل کے مشکلوں سے روکے آنسو بہہ نکلے یوں
بھی اس وقت انہیں سامنے دیکھ کر خود پہ ضبط کرنا محال امر تھا، یوں رونے کا بہانہ مل گیا اس کی
ہچکیاں بندھ گئیں وہ روتے ہوئے نڈھال ہو گئی وہ گونگے بہرے بنے بیٹھے رہے۔

''ٹیک اٹ ایزی رابیل مشیت ایزدی کے سامنے سر جھکانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔''
وہ آنسو صاف کر رہی تھی جب ان کی آواز گونجی اس نے بے دردی سے لب کچلے تھے۔

''آپ چائے تو لیجئے سر۔''

''نو تھینکس اس وقت طلب نہیں او کے چلتا ہوں اپنا خیال رکھیے گا۔'' وہ آناً فاناً اٹھ کھڑے

ہوئے رابیل نے گھبرا کر انہیں دیکھا ابھی تو نگاہوں کی پیاس بھی نہیں بجھی تھی مگر وہ انہیں روکنے کا
کوئی حق نہیں رکھتی تھی وہ چلے گئے تھے اور وہ ایک عجیب سی تشنگی لئے اس جگہ کو گھور رہی تھی جہاں وہ
بیٹھے تھے فضا میں ان کے کلون کی مہک رچ گئی تھی اور ان کے لہجے کی بازگشت وہ بھلا کیونکر
حواسوں میں رہتی اسے رونا تھا وہ رو رہی تھی۔

☆☆☆

یہاں پر سانس لینا کس قدر مشکل ہے مت پوچھو
کوئی دل موڑ دیتا ہے سہارے ٹوٹ جاتے ہیں
ہماری زندگی کی بھی کہانی مختصر سی ہے
کبھی ساحل جو پاس آیا کنارے ٹوٹ جاتے ہیں

ہلکے سبز اور پنک کنٹراس کا لہنگا ہم رنگ موتیوں والا جڑاؤ سیٹ کنگن چھوٹی تار والی نتھ ٹیکا
نازک سے میچنگ جوتے کا مکس ٹیلس چوڑیاں، مہندی سارے ہی لوازمات تھے کل سے اب تک اس
کی اس اچانک شادی کی خبر بہت تیزی سے پھیلی تھی اور ہلکا پھلکا سہی ہنگامہ ہو ہی گیا تھا رشتہ دار تو
نہیں البتہ محلے دار ضرور جمع تھے عینا اور طلحہ اپنی آپا کو یوں یکا یک پیا دیس سدھارتے دیکھ کر حیران
زیادہ خوش کم تھے۔

''کسی چیز کی کمی تو نہیں دیکھ لو۔'' مما نے اس کے سپاٹ چہرے پہ ایک نظر ڈالی تھی اس نے
جواب میں بس خاموش نظروں سے انہیں دیکھ کر سر جھکا لیا تھا، ایمرجنسی تھی سہی مگر جتنا ان سے بن
پڑا تھا کر دیا تھا لہنگا اور چند کامدانی جوڑے اور میچنگ کا سیٹ وقتی خریدا تھا باقی زیورات وہی چڑھا
دیئے تھے جو ان کے اپنے تھے۔

''اپنی چیزیں بہتر ہے تم خود پسند کر لاؤ۔'' انہوں نے رقم اس کی جانب بڑھائی تھی اس وقت
وہ بہت گم صم اور خاموشی سی سیڑھیوں پہ بیٹھی تھی اس بات پہ انہیں دیکھا تھا اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی
تھی۔

''میں ایسا ضرور کرتی مما اگر اس ساری سچویشن میں میرے لئے ذرا سی بھی خوشی اطمینان کا
سامان ہوتا یہاں ہستی داؤ پہ لگی ہے آپ شاپنگ کی بات کرتی ہیں۔'' اس کا لہجہ اتنا سرد اتنا روڈ اور
بے لچک تھا کہ ایک پل کو انہیں اپنے رویئے کی بدصورتی اور زیادتی کا بہت شدت سے احساس ہوا
تھا مگر اگلے ہی لمحے انہیں اس کی یہ صاف گوئی بدتمیزی اور خودسری محسوس ہوئی تھی۔

''میں نے تمہیں صفائیاں پیش کرنے کو نہیں کہا۔'' انہوں نے تلخی سے کہا تھا۔

''میں صفائی پیش نہیں کر رہی مما، میں نے جو کچھ کیا کس لئے کیا وہ بس میرے اور میرے اللہ
کو ہی پتہ ہے اس بات کو رہنے ہی دیں پسند کی بات مضحکہ خیز لگتی ہے مجھے قربانی کے جانور سے اگر
یہ پوچھا جائے کہ وہ کون سے ہتھیار سے ذبح ہونا چاہتا ہے یہ بات کچھ جچے گی نہیں مما سو ڈونٹ یو
وری۔'' وہ ایک ایک لفظ چبا کر کہتی آنسو چھپاتی اندر بھاگ گئی تھی اور انہوں نے بہت مشکلوں سے
اپنا غصہ کنٹرول کیا تھا۔

''پتہ نہیں کیسا غصہ تھا وہ گھٹنا ہی نہ تھا جو ڈھلتا ہی نہیں تھا، [illegible] تمہیں مہندی لگا دوں۔'' محلے کی
لڑکی اپنے گھر کے ہی ایک کمرے میں پارلر چلا رہی تھی، اسے یقیناً مما نے بلوایا تھا، ماہ نور کے
اندر [illegible] طوفان مچل رہے تھے [illegible]

ماں کے لئے ایک جبر وہ اور کر لینا چاہتی تھی اس ماں کے لئے جو اس سے بدگمان ہونے کے بعد صفائی کا ایک بھی موقع دیئے بغیر منہ موڑ بیٹھی تھی۔

یہ کیسی محبت تھی یہ کیسی ممتا تھی وہ سمجھنے سے قاصر رہی، اس نے بغیر کچھ کہے ہتھیلی پھیلا دی حیرت کی بات ہے کہاں تو وہ لوگ ملنے جلنے پہ بھی آمادہ نہیں تھے اور کہاں اب ایکدم ہی رشتہ داری بڑھالی۔

''ہاں بھئی اگر اولاد باغی و جائے تو پھر والدین کو جھکنا ہی پڑتا ہے، طارق صاحب کا بہت آنا جانا تھا نا تمہارے ہاں یقیناً پسند کرتے ہوں گے تمہیں۔'' مہندی کے نقش و نگار بناتی وہ قبول صورت لڑکی اسے یہ فضول گوئی کرتی کسی ڈائن سے مشابہہ لگی اس کے گلے میں آنسوؤں کا پھندا سا لگنے لگا ہاں شاید نہیں یقیناً مما بھی ایسی ہی باتوں سے خائف ہوں گی ابھی تو یہ لحاظ تھا پیٹھ پیچھے کتنی باتیں ہوں گی وہ اندازہ کر سکتی تھی۔

☆☆☆

نہ نہ نہ مہندی مہندی نہ مجھ کو لگانا
مجھ کو ساجن کے گھر نہیں جانا

ڈھولک پہ پڑتی تھاپ کے ساتھ کسی نے سر بکھیرا تھا۔

''ارے رہنے دیجیو میری زبان نہ کھلواہاں ساجن کے گھر آنے کو تو مچل رہی تھی اونہہ نہ شکل نہ صورت اور خواب محلوں کے ارے خدا غارت کرے ان یاں بیٹیوں کو میرے کلیجے پہ ہاتھ ڈالا ہے کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' اماں نے تڑپ کر دہائی دی تھی اپنی ضد کی پکی تھیں ہزار منت سماجت کے بعد بھی مختصر بارات کے ساتھ جانے پہ آمادہ نہ ہوئیں ان کی ایک نا پتھر پہ لکیر ثابت ہوئی اور طارق چند دوستوں اور مختصر سے رشتہ داروں کے ہمراہ اسے رخصت کرا کے گھر لے آیا، رسموں کی کسی نے بھولے سے ڈھولک پہ تھاپ دے کر یہ گیت کو گویا ان کے زخموں پہ نمک چھڑک دیا تھا۔

''اماں پلیز کیا کرتی ہیں کچھ تو خیال کریں یہ ساتھ ہی تو کمرا ہے بھائی کا اگر اس نے سن لیا تو۔'' ضویا کو دلہن انتخاب کی پرواہ نہیں تھی البتہ وہ بھائی کی شادی پہ ضرور جی جان سے خوش ہوئی تھی، یہ ستم بھی اس سے ہو گیا تھا مچلتا ہوا دل بھائی کی خوشی منانے کی خطا کر بیٹھا تھا کہ اماں کا واویلا شروع ہوا تو وہ بے اختیار جز بز ہوتی ٹوک گئی تھی۔

''اے ہٹ دفع دور لاکھ لعنت سو بار سنے وہ پرواہ کسے ہے اونہہ کیا ہوا جو یہاں تک آ گئی اس گھر میں اس گھر سے بھاگی ماں کی بھگوڑن دھی کو میں وہ مقام وہ مرتبہ کبھی نہیں حاصل ہونے دوں گی یہ سن لو بھی۔'' انہوں نے چلا کر کہا اور سر پہ پٹی باندھے اٹھ کر کمرے میں چلی گئیں، فاروق نے بے اختیار سکھ کا سانس کھینچا، چچی کے پورشن میں موت کا سا سناٹا طاری تھا ابھی رات کا پہلا پہر تھا مگر وہاں ہر سو تاریکی تھی وہاں سے صرف چچا نے اسی تقریب میں شرکت کی تھی اور بس منیبہ اور چچی تو ایسی غائب ہوئی تھیں کہ پھر جھلک بھی نظر نہیں آئی۔

''بھائی کہاں ہیں۔'' فاروق نے ادھر ادھر دیکھا۔

''وہ تو بھابھی کو گھر لانے کے بعد سے ہی کہیں چلے گئے تھے شاید اپنے دوستوں کے ساتھ۔''

ضویا کے جواب پہ وہ بے اختیار مطمئن ہوا۔

''تھینکس گاڈ ورنہ خوانخواہ ان کا جی برا ہوتا۔'' اس نے سوچا تھا۔

☆☆☆

دل میں اک لہر سی اٹھی ہے ابھی
کوئی تازہ ہوا چلی ہے ابھی
شور برپا ہے خانہ دل میں
کوئی دیوار سی گری ہے ابھی
بھری دنیا میں جس نہیں لگتا
جانے کس چیز کی کمی ہے ابھی
شہر کی بے چراغ گلیوں میں
زندگی تجھ کو ڈھونڈتی ہے ابھی

وہ نیند میں کسی خواب سے ڈری تھی ایک کے بعد دوسری اور تیسری چیخ سے اس کے کمرے کے درو دیوار لرز کر رہ گئے تھے، داؤد حسن خاں کا کمرا اس کے بالکل ساتھ تھا رات کچھ اتنی بھی نہیں بیتی تھی، وہ ابھی نہ صرف جاگ رہے تھے بلکہ صبح کے لئے لیکچر کی تیاری میں مصروف تھے کہ اس آواز پہ چونک کر رہ گئے معاملہ تو سمجھ میں فوری نہیں آ سکا البتہ وہ اتنا ضرور جان گئے تھے یہ آواز نگین کے ہی کمرے سے آئی ہے دروازہ وہ لاک کر کے نہیں سوتی تھی، یہی وجہ تھی کہ انہیں اندر داخل ہونے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی نلیگوں بلب کی روشنی میں وہ گھٹنوں میں منہ چھپائے خزاں رسیدہ پتے کی طرح لرز رہی تھی کھلے بال پوری پشت کو ڈھانپے ہوئے تھے۔

''نگین آر یو اوکے۔'' انہوں نے جاتے ہی اس کے کاندھے کو چھوا تھا وہ زور سے اچھلی تھی خمار آلود سرخ آنکھوں میں وحشت کا بسیرا تھا وہ انہیں روبرو پاتے ہی ان کے بازو سے لپٹ کر بلک اٹھی تھی، وہ ایک پل کو حق دق رہ گئے۔

''واٹ ہینڈ آر یو آل رائیٹ۔'' آہستگی و نرمی سمیت اس کے شانوں پہ بازو پھیلاتے ہوئے ڈرے سہمے خوفزدہ سے انداز کو ڈھارس پہنچانا چاہی، وہ جواب میں کچھ کہے بغیر ہچکیاں بھر کے روئے گئی۔

''نگین۔'' انہوں نے اس کا آنسوؤں سے تر چہرا اوپر کیا۔

''ڈر گئیں تھیں۔'' اس نے سر اثبات میں ہلایا اور سسکی روکنے کو لب کچلے، یہی لمحہ قیامت تھا، وہ بے دھیانی میں سہی مگر اس سمت متوجہ تھے، سیاہ زلفوں کی گھٹاؤں میں چودھویں کے چاند کی طرح روشنیاں بکھیرتا چہرا خوابیدہ کشادہ آنکھیں جو رونے سے کچھ اور بھی غضب ڈھانے لگی تھیں اور گلاب کی پنکھڑیوں سے نازک کپکپاتے گلابی ہونٹ رشتے کا استحقاق اور بہکا دینے والا خواب آسا ماحول اپنی مضبوط سینے میں جکڑا دل ڈانواں ڈول ہوتا محسوس ہوا تو اسے چھوڑتے ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑے ہوئے نگین ان پہ بیت جانے والی قیامت سے بے خبر ابھی تلک اس خواب کے خوف کے زیر اثر حراساں و بیکل تھی ان کی موجودگی بہت ڈھارس بندھا رہی تھی یوں اچانک اٹھنا اسے بے قرار و وحشت زدہ کر گیا جبھی بغیر سوچے سمجھے وہ اندھوں کی طرح دونوں ہاتھ پھیلا کر آگے بڑھی تھی اور مضبوطی و سختی سمیت ان کے بازو پہ ایک مرتبہ پھر گرفت کر لی۔

''نہیں نہیں پلیز ابھی مجھے تنہا چھوڑ کر مت جائیے مجھے ڈر لگ رہا ہے مم...... میں مر جاؤں گی داؤد پلیز میرے پاس رہیں۔'' داؤد حسن خاں کی بکھرتی دھڑکنیں اس پل ناگواری و بے زاری کے احساس سمیت کچھ اور بھی بے ترتیب ہو گئیں اس کی نرم ہتھیلیوں کا [illegible] کیف آگیں گداز ان

کے ہاتھ اور پرحدت بازو پہ اتر کر جو وحشت بھری سنسناہٹ ان کے رگ و پے میں سرائیت کر رہا تھا اس سے وہ لڑکی کس درجہ بے نیاز تھی انہوں نے انتہائی بیزار انداز میں بہت ناخوشگوار قسم کی نگاہ اس پہ ڈالی اور ایک جھٹکے سمیت اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکال لیا۔

"واٹ نان سنس نگین وہ ایک خواب تھا دیٹ سیک اب سو جائیں مجھے بھی کام کرنے دیں۔"

ان کا انداز ان کا لہجہ ان کے موڈ کی طرح شدید اور تلخ تھا نگین نے بے طرح چونک کر ان کے بگڑے ہوئے موڈ کو دیکھا اور سخت متوحش سی ہوتی دو قدم پیچھے ہٹ گئی، اس جھاڑ نما تذلیل پہ روکتے روکتے بھی آنسو بہہ نکلے تھے جنہیں ان سے چھپانے کی غرض سے وہ فوراً سے بیشتر رخ پھیر کے کھڑی ہوگئی مگر داؤد حسن خاں سے اس کی بے انتہا بدحواس اور متوحش نگاہ مخفی رہ پائی تھی نہ ہی آنسو وہ عجیب سے احساس میں گھرتے جھنجھلانے لگے، عجیب متفاد کیفیات تھیں اسے ڈانٹنے پہ خفت بھی تھی اور یوں اس کے پاس بیٹھ کر مکمل طور پہ توجہ دینا بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا وہ کچھ دیر یونہی لب بھینچے اس کے لرزتے کانپتے وجود کو دیکھتے رہنے کے بعد تھکے ہوئے انداز میں باہر نکل گئے نگین نے ان کے کمرے سے نکلنے کو محسوس کیا تھا اور پلٹ کر دیکھا اور ہاتھوں میں چہرا ڈھانپ کر گھٹ گھٹ کر روتی بستر پہ گر گئی۔

"آئی فیل سوری نگین مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا چلیں آپ ریلکس ہو جائیں میں یہیں آپ کے پاس رہوں گا ٹھیک ہے۔" وہ یونہی رو رو کر ہلکان ہو رہی تھی جب ان کی آواز پہ وہ متحیر سی پلٹی ہاتھ میں نوٹ بک اور کتاب کے ساتھ پوائنٹر لئے وہ بہت نرم سی مسکراہٹ سمیت اسے دیکھ رہے تھے یقین نہیں آتا کہ میں واقعی آچکا ہوں ان کی مسکراہٹ گہری ہوگئی ذرا سا جھکے اور اس کا گال تھپکا۔

"اتنا روتی ہو اور اتنی چھوٹی باتوں پہ پگلی اگر کبھی کسی بہت اہم اور بڑی شے سے محروم ہونا پڑا تب کیا کرو گی۔" وہ یونہی مسکراتے ہوئے بولے تھے اور کرسی بیڈ کے نزدیک رکھ کر اپنے کام میں محو ہو گئے جبکہ وہ رونا بھول کر ان کی بات کا مفہوم سمجھنے کی کوشش میں مصروف ہو چکی تھی۔

☆☆☆

مہتاب تھا کہ ستارہ گریز پا ہی لگا
وہ اپنی ذات کے ہر رنگ میں ہوا ہی لگا
نہ میرے لطف پہ حیراں نہ اپنی انجمن پر
مجھے تو یہ شخص ہر شخص سے جدا ہی لگا

جہازی سائز بیڈ کے عین وسط میں اسے اس انداز میں بٹھایا گیا تھا کہ اس کا لہنگا بہت خوبصورتی سمیت بیڈ پہ پھیلا تھا ڈھیروں ڈھیر گلاب کی لڑیاں جو بیڈ کے اطراف آرائش کے انداز میں بہت زبردست انداز میں لگائی گئی تھیں بستر پہ بھی گلاب کی پتیاں بکھری تھیں سامنے دیوار پہ اس کا اور طارق شیرازی کا نام اور ہیپی میرج جیسے فقرے بہت آرٹسٹک انداز میں لکھے گئے تھے بیڈ کے سائیڈ درازوں کے علاوہ کمرے کے عین وسط میں رکھے گلاس ٹیبل پہ فل سائز کا فریش گلابوں کے بکے تھے غرض ہزاروں روپے ضائع کیئے گئے تھے بیڈروم کی آرائش کی خاطر بے حد نرم و ملائم ایرانی قالین جو وال ٹو وال تھا دیواروں پہ آف وائیٹ پینٹ تھا ہلکے نیلے اور بلیو پرنٹ کے ریشمی پردے آف وائیٹ مخملیں صوفے جن پہ بلیو خوبصورت کڑھائی کے کشن بے ترتیب سے پڑے تھے

ہر شے مکین کے اعلیٰ اور نفیس سوچ کی عکاس تھی بیڈ کے عین سرہانے دیوار پہ طارق شیرازی کی جمبو سائز انلارج شدہ تصویر تھی وہ کیمرے کی آنکھ میں دیکھ کر مسکرا رہا تھا ایسی سحر انگیز مسکراہٹ کہ دل جکڑتا ہوا محسوس ہوتا اس نے نظریں گھما کر ہر شے کا جائزہ لیا تھا اور تھکے ہوئے انداز میں گاؤ تکیئے سے ٹیک لگالی تبھی دروازے کے باہر بھاری قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی تھی وہ یونہی بیٹھی رہی گہرے سناٹے میں اس نے طارق شیرازی کی آواز سنی تھی غالباً وہ ضویا سے اماں کے متعلق استفسار کر رہا تھا اس نے دانستہ ان کی باتوں سے توجہ ہٹا دی مگر رات کے سناٹے اور خاموشی میں اس کی بھاری آواز نا چاہتے ہوئے بھی سماعتوں میں اتر کر مفہوم واضح کرنے لگی۔

"بہت خفا ہیں وہ بھائی آپ سے بہتر ہوگا اس وقت آپ نہ ہی ان کے پاس جائیں۔" ضویا نے جھجکتے ہوئے کہا تھا چند لمحوں کو بالکل خاموشی چھا گئی۔

"او کے ایسا کرو تم بھی جا کے سو جاؤ۔" اب ضویا نے سر ہلایا اور پلٹ کر چلی گئی، تب طارق شیرازی نے ہر احساس کو جھٹک کر دروازہ اوپن کیا تھا ائیر فرشنر اور گلاب کی پتیوں کی مسحور کن خوشبو دروازہ کھلتے ہی اس کی حشام جاں کو معطر کر گئی ڈھیروں ڈھیر گلابوں کے درمیان وہ خود بھی گلاب کا ایک تر و تازہ اور حسین پھول ہی لگ رہی تھی اس کے چہرے پہ بہت شرارتی اور معنی خیز سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"خلوص نیت اور جذب سے کی گئی خواہشیں یونہی پوری ہوا کرتی ہیں جیسے میری تمہیں پانے کی تمنا کیسا محسوس کر رہی ہیں مسز طارق شیرازی خود کو اپنے گھر میں پا کر۔" آہستگی سے چلتا وہ اس کے نزدیک آ کر جھکا تھا ماہ نور سے سر اونچا کر کے بہت سکون سے اسے دیکھا تھا البتہ کچھ کہنے سے گریز کیا۔

"یہ وہ رات ہے جس کا تمہیں چاہنے کے بعد میں نے پل پل انتظار کیا اور جانتی ہو محبت میں ہجر کا موسم ایک پل کو خراج بھی صدیوں کے موافق وصول کیا کرتا ہے۔" پر شوق جذبے لبالب والہانہ نظریں اور جذبوں کی شدتوں سے چور لہجہ اس کی بے پایاں اور بھرپور خوشی کا مظہر تھا۔

"تمہیں یاد ہے ایک بار تم نے کہا تھا ایسا کیا ہے تم میں جو مجھے کسی اور میں نظر نہیں آتا آج بہت واضح اور مفصل جواب دینے والا ہوں میں تمہیں۔" اس کے لبوں پہ شریر سی مسکراہٹ بکھری ماہ نور ضبط کی کوشش میں سرخ چہرا لئے بہت تحمل سے اس کی بات سنتی رہی تھی۔

"یہ سب کچھ اتنا شاندار تو نہیں جو میں نے سوچا تھا، خیر اینی وے اہمیت اور خاصیت تو ان جذبوں کی ہونی چاہیے جو میرے دل میں تمہارے لئے ہیں۔" وہ مسکراتا ہوا اس کے نزدیک بیڈ کے کنارے ٹک گیا گرلش بلیک ہوٹ میچنگ ٹائی اور ڈان کارلیس کے جوتوں سمیت دولہا کی اضافی آرائش کے بغیر بھی وہ اپنی بے حد وجیہہ اور چونکا دینے والی سحر انگیز شخصیت سمیت اتنا شاندار نظر آ رہا تھا کہ دل کی دنیا زیر زبر ہو جائے مگر مقابل ماہ نور تھی جس کے دل میں اس کے لئے صرف نفرت عناد غیض و غضب اور حقارت تھی۔

"ڈونٹ ٹچ می مسٹر طارق شیرازی، دور رہو مجھ سے ہاتھ مت لگانا مجھے۔" اس نے جیسے ہی سائیڈ دراز کا لاک کھول کر مخملیں کیس نکالنے کے بعد اسے ہیرے جڑی پلاٹینم رنگ پہنانا چاہی وہ ایک دم سے غضبناک ہو کر پھنکاری تھی طارق شیرازی کے نرم و نازک احساسات بری طرح سے ادھڑ کر رہ گئے اس نے کچھ حیرت اور غیر یقینی سمیت اسے دیکھا جو اپنے کپڑے سمیٹتی ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیڈ سے نیچے اتر گئی تھی۔

''آگ لگا دوں گی میں تمہاری خوشی کو ار مانوں سمیت کیا سمجھتے تھے تم جیت لیا مجھے پالیا ہرگز نہیں بھول ہے یہ تمہاری فتح و کامرانی جو کچھ بھی تھا بس یہیں تک تھا، اس سے آگے کچھ نہیں، اتنا کمزور سمجھ لیا ماہ نور کو تو میں بتا دوں وہ اتنی کمزور ہرگز نہیں ہے۔'' وہ اس وحشت سے چلائی تھی کہ آواز پھٹ سی گئی طارق خائف سا ہو کر سرعت سے اٹھ کر اس تک آیا تھا اور لپک کر اس کا بازو پکڑ لیا، وہ تو جیسے مرغ بسمل کی طرح تڑپ گئی تھی۔

''چھوڑو مجھے گھٹیا ذلیل کمینے کم ظرف انسان، تمہیں صرف اپنا مفاد عزیز تھا، اپنی خوشی کی پرواہ تھی مجھے میرا کیا قصور تھا کہ تم نے مجھے دو کوڑی کا کر کے یہاں لا پٹخا۔'' وہ اس کی گرفت سے نکلنے کو پوری جان ہلکان کر گئی تھی اس کے مضبوط ہاتھ کی گرفت سے ٹوٹتی چوڑیاں کلائی میں چبھی تھیں اور خون رسنے لگا مگر اس پہ ایک وحشت سی سوار تھی، طارق نے پریشان سا ہو کر اس کا یہ مجنونانہ انداز دیکھا اور گھبرا کر اسے چھوڑ دیا، وہ تو غصے میں آ کر پاگل ہوئی جا رہی تھی، پہلے اسے دھکا دے کر دور ہٹایا پھر آگے بڑھ کر غصے اور طیش کے عالم میں گلاب کی لڑیوں کو توڑنا شروع کر دیا تھا۔

''یہ کیا کر رہی ہو ماہا کیوں تماشا بنانے پہ تلی ہو خود کو۔'' وہ بہت ضبط سے آگے بڑھا تھا اور آہستگی سے اسے پکڑ کر رخ اپنی طرف پھیرا۔

''تماشا۔'' وہ زور سے چلائی اور اس کے کوٹ کا کالر پکڑ کر جھنجھوڑا۔

''میں بنا رہی ہوں تماشا یا تم نے مجھے بنایا بولو جواب دو، اپنی والدہ کے ارشادات سنے تھے، نہیں آپ کیوں سنتے آپ تو مجھے یہاں کسی فالتو شے کی مانند پھینک کر غائب ہو گئے تھے جس ذلت سبکی اور خفت سے مجھے گزرنا پڑا وہ میرا نصیب نہیں تھا تمہاری غلطی کی سزا تھی جو مجھے بھگتنا پڑی، میرا قصور یہ تھا کہ میں تمہیں پسند آ گئی تھی جسے جیسے تمہیں مناسب لگا بس تم نے چھین لیا پالیا اس بات سے بے نیاز ہو کر تمہارے اس گھر میں تمہاری فیملی میں میری حیثیت مانی جائے گی بھی یا نہیں وہ ایک جیتی جاگتی لڑکی تھی تمہارے نزدیک یا محض کھلونے کی صورت جسے اپنے بیڈ روم میں سجانے کو تم مچل گئے تھے، کیا سمجھا تم نے مجھے ہاں محض اپنی تسکین کا سامان یا پھر......'' اس کی بات مکمل نہیں ہوئی، وہ جو بہت ضبط اور برداشت کا مظاہرہ کرتا اس کی یہ ساری باتیں محض اس لئے سن رہا تھا کہ اس کا خیال تھا، واقعی وہ اتنا غلط بھی نہیں کہہ رہی تھی اس کے احساسات و جذبات کو مجروح تو وہ کر چکا تھا مگر اس حد تک غلط فہمی اور الزام تراشی کی حد تک اسے جاتے دیکھتا اسے غصے میں بے قابو کر گیا تھا اس کی مردانگی پہ یہ ایک لفظ گویا تازیانہ بن کر برسا تھا جبھی اس کا ہاتھ اٹھا تھا اور زناٹے کے تھپڑ کی صورت اس کا چہرا پھیر کے رکھ گیا تھا وہ اس حملے کے لئے ذہنی طور پہ قطعی تیار نہیں تھی بے اختیار لڑکھڑائی طارق نے اسے گرتے دیکھ کر لپک کر سنبھالنا چاہا تھا مگر اسے دیر ہو چکی تھی وہ پیچھے کی جانب چت ہوتی تھی اور گرنے کے ساتھ ہی بے سدھ ہو گئی جانے یہ ذہنی شاک تھا یا پھر کچھ اور وہ گھبراہٹ میں ہاتھ پیر پھولتے محسوس کرتا دوڑتے قدموں سمیت اس تک آیا تھا۔

''ماہا...... موی...... آنکھیں کھولو...... ماہ نور کیا ہو گیا، پلیز اٹھو تو۔'' اس کا سر اونچا کر کے گال تھپک کر اس نے پریشانی و گھبراہٹ میں اسے پکارا تھا مگر اس کی ایک دوسرے میں پیوست پلکیں ساکن رہی تھیں۔

''اوہ مائی گاڈ!'' طارق حقیقتاً ڈسٹرب ہو کر رہ گیا اسے اٹھا کر احتیاط سے بیڈ پہ منتقل کیا اور ایک بار پھر اسے ہوش میں لانے کے لئے مختلف تدابیر کیں مگر بے سود [illegible] کا ذہن جیسے [illegible] گیا تھا۔

اس نئی افتاد پہ وہ جس ذہنی کرب اور مشقت سے گزر کر یہاں تک پہنچی تھی اور جن حالات کو یہاں آنے کے بعد فیس کرنا پڑا تھا وہ اس کی نازک سی جان کے لئے واقعی بہت بڑی آزمائش تھی اس پہ رہی سہی کسر خود اس نے پوری کریں اس نے بیقراری سی نگاہ اس پہ ڈالی اور پانی کا گلاس سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دیا اس کے اوپر اچھی طرح کمبل پھیلایا اور دروازہ کھول کر باہر آ گیا، فاروق کے کمرے کے باہر رک کر چند لمحے کچھ سوچا پھر آہستگی سے دروازہ ناک کر دیا مزید چند ایک مرتبہ کی کوشش کے بعد فاروق کی نیند میں ڈوبی آواز سنائی دی تھی۔

''کون ہے بھئی صبح آنا بہت تھکا ہوا ہوں۔''

''فاروق کے بچے اٹھ ورنہ میں اندر آ کے تیرا گلا دبا دوں گا۔'' طارق نے دانت کچکچا کر کہا یہ بھی خوف دامن گیر ہو کر اونچا بولنے سے باز رکھے تھا کہ اگر فاروق کی بجائے کوئی اور اٹھ گیا تو بات کا بتنگڑ بھی بن سکتا ہے۔

''بھائی آپ؟'' اگلے چند لمحوں میں دروازہ کھل گیا تھا فاروق سوئی جاگی اس کیفیت میں آنکھیں پھاڑے حیرت کا اشتہار بنا کھڑا تھا۔

''میرے خیال میں تو اس وقت آپ کو اپنے بیڈ روم میں ہونا چاہیے تھا یا خوشی میں......''

''شٹ اپ، فاروق فضول باتوں سے اجتناب برت کر پہلے میری سن لو۔'' اس نے بے دریغ ڈانٹا تو فاروق شرافت کے جامے میں آ گیا۔

''تمہاری بھابھی کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔''

''اتنی جلدی۔'' اس کی زبان پھسلی مگر طارق کو خونخوار نظروں سے گھورتے پا کر اس نے اسی زبان کو دانتوں تلے داب لیا تھا۔

''مم...... میرا مطلب ہے بھائی''

''شیم آن یو، پاگل تھا میں جو پریشانی میں تمہاری جانب آ گیا بے ہوش ہے وہ اگر جی چاہے تو آ کر چیک کر لو ورنہ جس بے حسی اور نفرت کے لبادے کو اوڑھے پورا گھر خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہا ہے ایک تم بھی ان میں شامل ہو جاؤ تو کیا فرق پڑے گا۔'' وہ زہر خند سے کہتا پلٹ کر چلا گیا، ابھی وہ اندر آیا ہی تھا جب حواس باختہ سا فاروق بھی بیگ اٹھائے دروازہ ناک کرتا پیچھے ہی چلا آیا، مگر پہلے ہی قدم پہ اجڑی ہوئی مسہری کی لڑیوں کو دیکھ کر اسے جھٹکا لگا تھا، اس نے بہت شرارتی اور ذومعنی نظروں سے پہلے انہیں پھر بڑے بھائی کو دیکھا اور کچھ کہے بغیر آگے بڑھ آیا۔

''حیرت ہے بھائی، اتنا حسن دیکھ کر حواس تو آپ کے گم ہونے چاہیے تھے الٹا آپ نے بھابھی کو بے ہوش کر دیا۔'' اس کی زبان پہ کھجلی ہوئی تھی اور ایک اور شریر معنی خیز جملہ پھسلا تھا، طارق سینے پہ بازو لپیٹے متفکر نظروں سمیت ماہ نور کو دیکھ رہا تھا اس پہ ایک شکایتی اور خاموش نگاہ ڈال کر گہرا سانس کھینچ کر رہ گیا۔

''فکر مت کریں انجکشن لگا رہا ہوں ابھی کچھ دیر میں یہ ٹھیک ہو جائیں گی۔'' وہ بیگ کھول کر سرنج میں دوا بھرتے ہوئے تسلی آمیز لہجے میں بولا۔

''ہوا کیا تھا ایکدم ہی......'' طارق نے بات ادھوری چھوڑ کر لب بھینچے۔

''ایکدم تو......'' فاروق نے اسے آگے بڑھ [illegible] ماہ نور کا بازو پکڑنے کا اشارہ کیا تھا اور معنی خیز

شریر نگاہ ٹوٹی ہوئی لڑیوں پہ ڈال کر اس کی طرح فقرہ ادھورا چھوڑ دیا، طارق کا جی اس کا سر توڑ دینے کو چاہا تھا۔

''بہت کمینے ہو تم۔'' اس نے دانت پیسے تھے، فاروق نے دانت نکال دیئے۔

''ذہنی شاک کی بدولت ہوا ہے یہ اور غالباً کچھ دنوں سے مکمل بھوک ہڑتال پہ بھی تھیں نقاہت حد سے سوا ہے، بہتر ہوگا کہ آپ انہیں ذہنی و جسمانی آرام و سکون کے ساتھ اچھی ڈائٹ بھی فراہم کریں دوسری صورت میں ان کی حالت زیادہ خراب ہونے کے چانسز ہیں۔'' انجکشن وہ لگا چکا تھا اب اپنی چیزیں سمیٹتے ہوئے ہدایات جاری کر رہا تھا طارق شیرازی کے ہاتھ میں ابھی تک اس کی سفید دودھیا کلائی یونہی بے حس سے انداز میں پڑی تھی اس نے پلٹ کر فاروق کو دیکھا اور نظریں زمین پہ گاڑھ دی تھیں۔

''فاروق کیا مجھے یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ جو کچھ تم نے دیکھا اس کی خبر......''

''ہرگز نہیں بھائی، آپ کو یہ کہنے کی بالکل ضرورت نہیں۔'' فاروق نے اس کے کاندھے پہ ہاتھ رکھ کر اپنائیت آمیز انداز میں دباؤ ڈالا تھا اور بیگ اٹھائے پلٹ کر کمرے سے نکل گیا طارق یونہی سر جھکائے کسی سوچ میں گم تھا۔

☆☆☆

مٹھی میں چنخی ہوئی پڑیا کی طرح ہے
شوکیس میں رکھی ہوئی گڑیا کی طرح ہے
باہر سے جو بے خوف و خطر لگتی ہے اختر
اندر سے وہ سہمی ہوئی چڑیا کی طرح ہے

''میں مر رہی ہوں مما، میرے پاس آ جائیں، ایک بار پہلے کی طرح مجھ سے بات کر لیں مما، یقین کریں یہ زہر کا گھونٹ میں نے آپ کی صرف آپ کی خاطر پیا تھا۔'' وہ ہوش میں آ رہی تھی ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بے ربط سے فقرے جو طارق نے بڑی مشکلوں سے سنے اور سمجھے تھے اور گم صم ہو گیا تھا اسے یاد آیا پھپھو کا رویہ اس کے ساتھ بھی بہت حوصلہ شکن اور خشک سا تھا پھر ماہ نور۔

''مائی گاڈ، کیا پھپھو کو کچھ پتہ چل گیا تھا، مگر کیسے۔'' اس نے ذہن دوڑایا، مگر کچھ پلے نہ پڑ سکا، اس اثناء میں ماہ نور مکمل طور پہ ہوش میں آ گئی تھی، طارق نے خود کو سنبھالا اور سائیڈ ٹیبل پہ رکھا جوس کا گلاس اٹھا کر اسے بازو کے سہارے ذرا سا اونچا کیا اور گلاس اس کے لبوں سے لگا دیا اس کے اندر تو ایک دشت پھیلا تھا، غٹا غٹ سارا گلاس چڑھا گئی۔

''اور دوں۔'' طارق نے نرمی و آہستگی سمیت پوچھا، تب ماہ نور نے ذرا سی آنکھیں کھولی تھیں جب خود کو اسی کے بازوؤں کے گھیرے میں مقید اس کے سینے پہ سر رکھے لیٹے دیکھا تو اسے جیسے دھچکا سا لگا تھا اگلے ہی لمحے وہ کرنٹ کھا کر اس سے الگ ہو کر بے دم سے انداز میں تکیے پہ سر رکھ کے لیٹ گئی، طارق کو اس کا یہ رویہ بہت انسلٹ آمیز اور ناروا محسوس ہوا مگر اس کی حالت کے پیش نظر وہ بہت ضبط سے کام لیتا اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''یہ کھانا کھا لو پھر سو جانا صبح بات کریں گے۔''

''کون سی بات مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی بلکہ مجھے آپ کی صورت بھی نہیں دیکھنا سمجھے

آپ۔'' وہ ایک دم چلائی۔

''اوکے اوکے، ابھی تم ریلیکس کرو۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر تحمل کا مظاہرہ کیا اور پلٹ کر صوفے کی جانب بڑھ گیا کوٹ اتار کر پھینکا اور پھر شرٹ کے بٹن کھولنے لگا شرٹ کے ساتھ بنیان بھی اپنے جسم سے الگ کرنے کے بعد وہ گرنے کے انداز میں صوفے پہ بیٹھ گیا تھا چوڑیوں کی جلترنگ پہ وہ چونکتے ہوئے متوجہ ہوا ماہ نور جھنجھلاہٹ بھرے انداز میں زیورات اتار کر بستر پہ ہی پھینکتی جا رہی تھی۔

''میں مدد کروں تمہاری۔'' وہ رہ نہیں سکا تھا، یہ آفر کیے بغیر وہ تو عام دنوں میں سادگی کے ساتھ ہی اس کے حواسوں پہ چھائی رہتی تھی آج تو پھر تمام آرائش کے بعد اس کا لو دیتا حسن شعاعیں بکھیرتا بہکا دینے کی حد تک غضب ڈھا رہا تھا اس کا لہجہ ہی نہیں نظریں بھی آنچ دے رہی تھیں ماہ نور نے چونک کر اسے دیکھا، جینز پہنے لمبے تڑنگے غضب کی مردانگی سمیٹے شاندار سراپے سمیت وہ اس سے محض چند قدم کے فاصلے پہ موجود کتنی گہری نظروں سمیت اسے دیکھ رہا تھا وہ چوڑیاں اتار رہی تھی یہ غفلت اپنا کام دکھلا گئی کانچ کی چوڑی ٹوٹ کر ہاتھ زخمی کر گئی خون کی سرخ بوند سفید مخملیں جلد پہ ابھر کر طارق کی نظر میں آ گئی۔

''دھیان سے یار یہ کیا کر لیا۔'' وہ لپک کر قریب آیا تھا اور ہاتھ پکڑ لیا پر حدت اپنائیت آمیز لمس کی گرمجوشی گرفت اس کی سیاہ آنکھوں میں ایک کشش ایک سحر ایک چمک تھی جو مقابل کو گھائل کر کے مسمرائز کر لیتی تھی، مگر وہ مسمرائز نہیں ہوئی تھی جبھی ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑایا اور بدک کر فاصلے پہ ہو گئی۔

''بہانے بہانے سے میرے نزدیک ہو کر اپنی ہوس پرستی کی تسکین اگر کرنا چاہتے ہو تو......''

''ماہا......'' وہ اس وحشت سے چلایا تھا کہ ماہ نور کو اپنے کانوں کے پردے پھٹتے محسوس ہوئے۔

''گلا دبا دو تم میرا مار ڈالو ایک ہی بار مگر یہ اذیت مت دو۔'' وہ دبے ہوئے لہجے میں چلائی اس کی مردانہ انا پہ یہ وار بہت کاری تھا، وہ بلبلا سا گیا تھا۔

''محبت اور ہوس میں کیا فرق ہے جی تو چاہ رہا ہے آج تمہیں اس کا فرق اچھی طرح سے سمجھا دوں مگر ماہ نور بیگم میری مجبوری یہ ہے کہ میں انسانیت کی سطح سے گرنا پسند نہیں کرتا جس گھٹیا انداز میں تم نے میری محبت کو اپنی سوچ کی نفرت سے لتھیڑ کر گندا کیا ہے اس کے بعد میں یہ سوچنے پہ مجبور ضرور ہوا ہوں کہ تم واقعی ایک ابنارمل لڑکی ہو اب میں تم سے اس وقت ہی کوئی تعلق استوار کروں گا جب تم مجھے اور میری محبت کو سمجھنے کے قابل ہو پاؤ گی۔'' گہرے گہرے سانس بھر کے طیش پہ قابو پاتا وہ بھینچے ہوئے لہجے میں کہہ کر ٹیرس میں کھلتا دروازہ اوپن کرنے کے بعد باہر نکل گیا ماہ نور نے چند لمحوں کو اس کے اشتعال کو سوچا اور سر جھٹک کر ہر سوچ کو جھٹک دیا تھا۔

☆☆☆

میری آواز کا جادو
تیری آواز کی بانہوں میں بانہیں ڈالنے کا منتظر ہے
نئے موسم تمہارے جسم کی بنجر زمینوں پر

گلابی پھول کھلنے کی بشارت دے رہے ہیں
تم اپنی ذات سے
محرومیوں اور بے یقینی کے
سبھی پردے اتارو
اور سمے کے پانیوں میں پھینک کر میری محبت اوڑھ لو

رات کے پچھلے پہر وہ گلگت کے ایئر پورٹ پہ اترے تو تھکے ہوئے جسموں پر ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے ایک سحر سا طاری کر دیا تھا، فجر کی اذانیں ہو رہی تھیں جب وہ نیند سے بند ہوتی پلکیں لئے بستر پہ گری اور بے خبر ہو گئی، دوبارہ آنکھ کھلی تو دو پہر ہو رہی تھی، چمکیلی دھوپ اور بالکل نیلا آسمان آنکھوں کے سامنے تھا۔

''کھانا کھا لو پھر باہر گھومنے چلیں گے۔'' شہریار اس سے پہلے اٹھ چکا تھا اور باتھ لے کر بالکل فریش سا نظر آ رہا تھا۔

''یہاں گلگت لائبریری بھی ہے تمہیں کتابیں پڑھنے کا شوق ہے نا۔'' اس کے لئے پلیٹ میں کھانا نکالتے ہوئے شہریار خود ہی بات سے بات نکال رہا تھا، رابیل نے ایک نظر اسے دیکھا اور سر جھکا کر کھانے میں مشغول ہو گئی جس وقت وہ اسے لائبریری لے کر آیا دھوپ کچھ اور بھی سنہری اور روشن ہو چکی تھی، شہریار نے اسے پوری لائبریری گھوم پھر کے دکھائی بہت سی اہم کتابیں اور نسخے بھی دکھائے۔

''لائبریری کی عمارت اصل میں گلگت کے انگریز پولیٹیکل ایجنٹ Jhon Bidulph کی رہائش گاہ تھی جو اصل حالت میں محفوظ ہے خاص طور پہ اس کا وہ آفس جس میں وہ لوگوں سے ملاقات کرتا تھا میں پچھلی بار جب یہاں آیا تو میرے فرینڈ نے مجھے یہ ساری معلومات دی تھیں، اس کے چچا یہاں کے انچارج ہیں نا۔'' رابیل کی حیرت چھلکاتی سوالیہ نگاہوں کے جواب میں مسکرا کر اس نے وضاحت دی تھی، شام کے وقت گلگت کا موسم بہت خوشگوار تھا، شہریار اسے چنار باغ لے آیا وہاں کچھ دیر مقامی کھیل پولو سے بھی لطف اندوز ہوئے تھے۔

''یہ صدیوں پرانا کھیل آج بھی شمالی علاقوں میں اپنے اس رنگ اور ڈھنگ میں کھیلا جاتا ہے۔'' شہریار نے کہتے ہوئے اس کے چہرے پہ بے زاری کے آثار محسوس کیے تو ایک پل کو چپ سا ہو گیا سر اٹھا کر پانیوں سے بھرے بادلوں کو دیکھا اور گہرا سانس بھر کے آہستگی سے بولا تھا۔

''تمہیں اچھا نہیں لگ رہا رابیل۔'' اور وہ سنبھل کر زبردستی مسکرائی تھی۔

''نہیں ایسی بات تو نہیں ہے۔''

''اچھا۔'' شہریار نے کہنے کو تو کہہ دیا مگر اس کی چمکتی ہوئی آنکھیں بجھ سی گئی تھیں۔

''چلو میں تمہیں باڑہ مارکیٹ لے چلوں۔'' اس کا ہاتھ پکڑ کر اس نے قدم واپس موڑ لئے تھے تمام راستہ دونوں نے خاموشی میں کاٹا بہت صاف ستھرا بازار تھا بڑی بڑی دکانیں چین کی مصنوعات سے بھری پڑی تھیں، لیکن قیمتیں چیزوں کی کوالٹی کے لحاظ سے اسے زیادہ محسوس ہوئیں۔

''لے لو سب جو کچھ اچھا لگتا ہے۔'' شہریار نے فراغ دلی کا مظاہرہ کیا مگر رابیل کے لبوں پہ طنزیہ مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

''نہیں مجھے اچھا نہیں لگا یہ ہی چیزیں لاہور، کراچی میں اس سے کم قیمت پہ بہت آسانی سے مل جاتی ہیں، پھر کیا فائدہ یہاں سے بوجھ لادنے کو۔'' اس نے ناک چڑھا کر نخوست سے کہا تھا، شہریار نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔

''مگر یہ تو یہاں سے سوغات کے طور پہ خریدی جاتی ہیں بیبہ۔''

''سوغات۔'' وہ زہر خند سے ہنسی۔

''کس کے لئے خریدوں میں سوغات میرا ہے کون۔'' اس کا گلا بھر آیا تو ایک دم ہی چپ کر گئی، شہریار کے لب بھینچ گئے وہ بغیر کچھ کہے واپس ہو لیا مگر اس نے اپنا موڈ خراب نہیں کیا۔

''پچھلی بار جب ہم اپنے کالج کے ٹرپ کے ساتھ یہاں آئے تھے تب کی نسبت اب یہ شہر بہت خوبصورت ہو گیا ہے بہت ترقی ہو چکی ہے نئی سڑکیں عالیشان عمارتیں اور ہوٹل بن گئے ہیں۔'' وہ جہاں آ کر رکے تھے وہاں چیک پوسٹ پہ پولیس آنے جانے والوں کی تلاشی لے رہی تھی شہریار نے جس وقت واپسی کا قصد کیا شام مکمل طور پہ ڈوب کر رات کی آمد کی خبر دے چکی تھی۔

☆☆☆

دکھایا وقت نے شاخوں کو بھی صدا کرتے
کسی بھی بات پہ حیراں نہیں ہوا کرتے
ہمارے صبر کی حد پہ تھی بے رخی اس کی
ہم اپنی ذات سے اب نہ گلہ کرتے

پوری رات اس نے ٹیرس پہ گزاری تھی، سردیاں تو نہیں تھیں کہ وجود ٹھٹھر جاتا مگر رات کے چوتھے پہر گرتی ہوئی اوس اور نمی کا احساس لئے چلتی ہواؤں میں خنکی کا احساس بڑھ جایا کرتا تھا وہ اندر آیا تو ماہ نور گٹھڑی کی مانند سکڑی بیڈ کے ایک کونے میں نیند کی آغوش میں تھی لہنگے کی جگہ آرام دہ کاٹن کا سوٹ لے چکا تھا کھلے ہوئے بال تکیے پہ دور تلک بکھرے ہوئے تھے سحر آفرین چہرے پہ کیسی معصومیت پھیلی تھی، مگر وہ رات اس کی زبان کے انگاروں سے ابھی تک زخم زخم تھا جبھی نگاہ کا زاویہ بدلتا وارڈ روب کھول کر کھڑا ہو گیا، کاٹن کا کرتا شلوار ہینگر سے نکالا اور واش روم میں جا گھسا آدھا گھنٹہ شاور کے نیچے گزار کر بھی دماغ سلگن اور تپش کم نہیں ہوئی تھی کپڑے پہن کر باہر آیا اور تولیے سے بال خشک کرنے کے بعد ہیئر برش اٹھا کر کنگھی کی تھی اس دوران اس نے ایک مرتبہ بھی دانستہ یا نادانستہ پلٹ کر اسے دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی اور یونہی باہر نکل گیا، ماہ نور کی آنکھ اٹھا پٹخ کی آواز پہ ہی کھلی تھی اس کا اونچا پورا وجود کمرے میں یہاں وہاں متحرک پا کر وہ سوئی بن گئی تھی کمرے کے سناٹے اور گمبھیر خاموشی نے بتایا وہ جا چکا ہے تب وہ ذرا سا سر اونچا کر کے دیکھنے لگی رات ترتیب اور قرینے سے ہر چیز اپنی جگہ پہ تھی مگر اب جگہ جگہ اس کی چیزیں پھیلی تھیں، جوتے، رسٹ واچ، موبائل، گاڑی کی چابی، کوٹ، بنیان، تولیہ، بس وہ خود نہیں تھا، اس کے باوجود جیسے ہر جگہ موجود تھا کمرے کی فضا میں تیرتی اس کی مخصوص خوشبو اس کی موجودگی کا احساس بخش رہی تھی وہ دکھتے سر کو ہاتھوں سے دباتی اٹھ کر بیٹھ گئی کھلی کھڑکی سے فجر کی اذان کی آواز بہت واضح اور صاف صاف اس تک پہنچ رہی تھی، وہ بستر سے اتر کر واش روم میں چلی گئی، وضو کر کے باہر آئی تو نگاہ ایک بار پھر اس بے ترتیبی میں الجھ گئی اسے پتہ بھی نہیں چل سکا اور اس نے ہر شے سمیٹ کر اس کی جگہ پہ پہنچا دی تلاش کے باوجود بھی اسے جائے نماز نہیں مل سکا تو الماری کے نچلے خانے سے دھلی ہوئی

بیڈ شیٹ نکال کر قبلہ رخ بچھانے کے بعد نیت باندھ لی تھی نماز کے بعد دعا کو ہاتھ پھیلاتے ہی اس کا یہ صبر یہ ضبط ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا تھا خوب دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد ہتھیلی کی پشت سے بھیگا چہرا خشک کیا اور اٹھ کر چادر تہہ کرنے لگی پلٹی اور ساکن رہ گئی وہ جانے کب دوبارہ کمرے میں آ گیا تھا بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے ہونٹوں کے درمیان سلگتا سگریٹ دبائے اس کی سمت متوجہ تھا نگاہیں چار ہونے پہ بہت اطمینان بھرے انداز میں نگاہ کا زاویہ بدل لیا جبکہ ماہ نور کا دل اچھل پچھل سا ہو گیا تھا بیڈ شیٹ وہیں الماری میں رکھنے کے بعد وہ کھلی کھڑکی کی سمت بڑھ آئی مشرق کی جانب سے طلوع ہوتا سورج دھیرے دھیرے پوری دھرتی کو اپنی روشنی سے اجال رہا تھا فضا میں چڑیوں کی چہکار تھی اور بس اس نے تھک کر سر کھڑکی کی سائیڈ سے ٹکایا اور آنکھیں موند لیں تبھی دروازے پہ ہونے والی دستک کی آواز پہ وہ ذرا سا چونکی تھی، طارق شیرازی اٹھ کر دروازہ کھول چکا تھا، وہ کچھ نہ سمجھ میں آنے والی کیفیت کے ساتھ وہیں کھڑی رہ گئی چھوٹی مامی اور منیبہ تھیں طارق نے کچھ تذبذب کے عالم میں اسے دیکھا جس کے دلکش نوخیز اور اجلے چہرے پہ ہنوز سرد مہری اور بیگانگی کا تاثر تھا اور کاندھے اچکا کر اسے ان کے نرغے میں چھوڑ کر باہر نکل گیا۔

''ہم نے سوچا دیکھیں تو سہی کیسی لگ رہی ہو تم اس ملن کی رات کے بعد ہمیں کیا پتہ تھا کہ یہاں تو......'' چچی نے بہت گہری ذو معنی نظروں سے اس کا چہرا دیکھا۔

''دکھاؤ تو ذرا کیا ملا رونمائی میں، زیورات میں بھی کچھ اضافہ ہوا یا خالی خولی معلومات میں اضافے پہ ہی ٹرخا دیا ہے اس نک چڑھے حسین اور مغرور میجر نے۔'' چچی نے ٹھٹھہ لگایا تھا ماہ نور کا چہرا یکلخت بے تحاشا سرخ ہو کر دہکنے لگا اس نے دہکتی ہوئی نگاہ ان پہ ڈالی تھی اور کچھ بنا آگے بڑھ کر بیڈ کے کنارے ٹک گئی۔

''آپ کیوں اتنی متجسس ہو رہی ہیں اپنے کام سے کام رکھیں۔''

''ایں۔'' ان کا منہ کھلا رہ گیا تھا، یہ ایک رات کی دلہن تھی ان کے تو چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔

''صحیح کہتی ہیں بھابھی بیگم، ماں سے بھی دو ہاتھ آگے ہے، آئے میں کہوں اکڑ و نہ اس فخر پہ یہ غرور مٹی میں نہ مل جائے ماں تمہاری کو تو تمہاری باپ نے چند سال برداشت کر ہی لیا تھا مگر تم اپنی کرتوتوں سے بس کر نہ دیں ہاں۔'' انہوں نے آنکھیں نکال کر غرانے کے انداز میں کہا ماہ نور کا دماغ ابل گیا تھا وہ شعلہ بار نظروں سے انہیں دیکھتی فوری جواب نہیں دے سکی تھی جب منیبہ قدم قدم چلتی اس کے عین مقابل آ گئی تھی۔

''یہ میری جگہ تھی، ماہ نور جسے تم نے مجھ سے چھینا ہے وقتی شکست پہ دل میلا ضرور ہوا ہے میرا مگر ہار ماننا میری سرشت میں شامل نہیں ہے زخمی ناگن بن کر ڈسی لوں گی تمہیں اور یہ زہر اتنا تیز ہو گا کہ پانی کو بھی ترسو گی سیکنڈ ہنڈ چیزوں سے نفرت ہے مجھے مگر طارق، طارق تو طارق ہے اسے تم سے چھین کر نہ دکھایا تو نام بدل دینا۔'' اس کی لہو چھلکاتی آنکھیں اور بھینچا ہوا سرد لہجہ ماہ نور کو چند لمحوں کو گنگ کر کے رکھ گیا صحیح معنوں میں وہ اس اچانک کھل جانے والے محاذ سے گھبرا سی گئی تھی منیبہ اس نفرت کی چنگاریوں سے بھسم کرتی نگاہوں سے دیکھتی اٹھ کر ایک جھٹکے سے باہر نکل گئی، البتہ چچی وہیں رہی تھیں۔

''بھابھی وہ......'' دروازہ مدھر سروں میں ناک کر کے ضویا اپنے دھیان میں اندر آئی تھی، چچی کو اس کے ساتھ کمرے میں موجود پا کر کچھ جز بز سی ہو گئی۔

''بھائی کہاں ہیں بھابھی۔'' اس نے ماہ نور کے ستے ہوئے چہرے کو ہمدردی کی نگاہ سے دیکھ کر آہستگی سے استفسار کیا تھا، ماہ نور کا جی تو چاہا تھا اس کرارا سا جواب دے مگر اس نے خود یہ ضبط کر لیا تھا، کم از کم ممانی کی موجودگی میں وہ ایسی کوئی حماقت نہیں کرنا چاہتی تھی، باہر ہی نکلے ہیں بتا کر تو نہیں گئے۔'' اس نے بے حد مدھم آواز میں جواب دیا تھا۔

''وہ آپ کی مما، میرا مطلب ہے پھپھو آئی ہیں، آپ سے ملنے، دادو کے پاس بیٹھی ہیں۔'' چچی نے کینہ توز نگاہوں سے دونوں کو نارمل انداز میں بات کرتے دیکھا تھا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں، وہ دانستہ چپ رہی تھی۔

''بھابھی، پھپھو آپ کو لینے آئی ہیں تیار ہو جائیں تو باہر آ جایئے گا۔'' ضویا نے اٹھتے ہوئے کہا تھا اور چچی کے ساتھ ہی باہر نکل گئی وہ یونہی گھٹنوں سے انداز میں ہاتھ پہ ہاتھ رکھے بیٹھی رہی تھی یہاں تک کہ مما خود ہی وہاں آ گئیں، اسے لپٹا کر پیار کیا اور نم آنکھوں سے اسے دیکھتی اس کے نزدیک ہی بیٹھ گئیں۔

''کیسی ہو؟'' اس کے اندر جوار بھاٹے اٹھنے لگے لب بے دادی سے کچلتی آنسو اندر اتارتی رہی۔

''ابھی تک خفا ہو ماں سے بیٹا مجھے احساس ہے کہ مجھ سے زیادتی ہوئی، مگر میری جگہ خود کو رکھ کے سوچو تمہیں میرا ردعمل اتنا شدید محسوس نہیں ہوگا، چلو نا تیار ہو جاؤ میں تمہیں لینے آئی ہوں طلحہ اور عینا بہت بے صبرے ہو رہے ہیں تم سے ملنے کو۔'' انہوں نے شفقت اور نرمی سے اس کا گال چھوا، تب وہ ان کا ہاتھ جھٹک کر فاصلے پہ ہو گئی تھی۔

''کیوں لینے آئی ہیں، مردوں کو مرقد سے نکالنے کون آیا کرتا ہے واپس چلی جائیں مجھے آپ کے ساتھ نہیں جانا۔'' اس کا لہجہ اتنا تیز اور بے لچک تھا کہ مما شاکڈ سی اسے دیکھتیں رہ گئیں۔

''اچھا، واہ بھئی واہ اتنی بے حیائی اور بے غیرتی ہم نے تو کبھی نہ دیکھی ایک رات کی دلہن اور یوں پٹر پٹر بولتی نہ شرم نہ لحاظ ارے میں پوچھتی ہوں اتنا پسند آ گیا تجھے طارق کی رسم و رواج ہر شے سے بے نیاز ہو گئیں۔'' غضب ہی تو ڈھایا تھا اماں کی طنز میں ڈوبی اس کاٹ دار آواز نے مما تو جیسے زمین میں گڑ کر رہ گئیں تھیں، البتہ ماہ نور نے ایک اچاٹ نگاہ ان پہ ڈال کر چہرا پھیر لیا تھا۔

''دیکھ لو ہے نا بالکل تمہارے جیسی۔'' بڑی اماں نے مزید چرکا لگایا، ماہ نور کا ضبط چھلک گیا تھا۔

''آپ؟ اے چوہیا خبر دار جو میرے منہ لگی تو چپ رہ۔'' انہوں نے بے دریغ جھاڑ کے رکھ دیا، مما تیزی سے اٹھی تھیں دھواں ہوتا چہرا لئے تھیں اور باہر نکل گئیں تھیں ماہ نور عجیب سے تاسف اور ملال میں مبتلا ہاتھ ملتی بیٹھی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

خزائیں سردیاں گرمی بارشیں جاڑا
میں ہر موسم کا ہر اک پل تمہارے نام کرتی ہوں
تمہارے دکھ اداس تبھی رنج و الم لے کر
میں یہ خوشیوں بھری چھاگل تمہارے نام کرتی ہوں

وہ سر جھکائے کانٹنے سے سانس کا کونہ کتر رہی تھی جب ان کے قیمتی پرفیوم کی سوفٹ سی خوشبو اس کے اطراف میں بکھر گئی اس نے بے اختیار سر اونچا کیا، بلیک پینٹ کوٹ میں اپنی مردانہ وجاہتوں کے ہمراہ وہ اس کے واقعی پاس کھڑے تھے۔

''اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟''

''جی بہتر ہوں۔'' اس نے گڑبڑا کر پلکوں کی جھالریں گرائیں۔

''ناشتہ نہیں کریں گے۔'' وہ پلٹ رہے تھے جب اس نے بے اختیار پکارا۔

''نہیں آل ریڈی لیٹ ہو چکا ہوں۔'' ان کے انداز میں عجلت نمایاں تھی۔

''لیو کے ہاں یاد سے پتھو کھا لیجئے گا، دیکھیئے بھوکے مت رہئیے۔'' وہ اٹھ کر بھاگتی ہوئی ان کے پیچھے آئی تھی اس انوکھے احساس ذمہ داری پہ وہ ذرا سا چونکے تھے اور ایک نظر اس نازک سی چھوٹی سی لڑکی کو دیکھا تھا جس کے ہر انداز سے اپنائیت محبت ہی چھلکتی تھی۔

''اوکے۔'' انہوں نے ذرا سا مسکرا کر تسلی دی، تکین اندر تک سرشار ہو گئی پھر جانے کیا سوجھی کہ گلابوں کی کیاری سے ایک منہ بند گلاب کی کلی ٹہنی سمیت توڑی اور بے اختیار ایک بار پھر ان کے پیچھے بھاگی تھی۔

''سنیں..... ہیئے پلیز۔'' داؤد حسن خاں پورٹیکو میں کھڑی گاڑی تک پہنچ چکے تھے، دروازہ ان لاک کرتے ہوئے انہوں نے پلٹ کر سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا جواب پھولے سانسوں سمیت نزدیک آ چکی تھی۔

''یہ آپ کے لئے۔'' اس نے معصوم سی مسکراہٹ اور لودیتی آنکھوں سمیت کہتے پھول ان کی سمت بڑھا دیا داؤد حسن خاں کے چہرے کا نرم سا تاثر یکلخت سنجیدگی میں ڈھلا تھا تکین نے ان کے چہرے کے سپاٹ تاثر کو دیکھا اور پھر اپنے ہاتھ میں موجود گلاب کی کلی کو اگلے ہی پل اس کا چہرہ بالکل بجھ کر رہ گیا، قریب تھا کہ وہ سر جھکا کر پلٹتی انہوں نے ہاتھ بڑھا کر وہ پھول اس سے لیتے اس کے دونوں ہاتھ بھی اپنی گرفت میں لے لئے تھے، پھول کے ساتھ کانٹے بھی ہوا کرتے ہیں پھول کو پانے کی خواہش میں مغلوب ہو کر کانٹوں سے دامن چھید لینا بیوقوفی نہیں تو اور کیا ہے تکین جوان کی اس جسارت پہ بے اختیار دھڑکنوں کو بے ترتیب ہوتا محسوس کرتی جسم و جاں میں لطیف سی حدت کی سنسنی دوڑتی محسوس کرنے لگی تھی، قدرے چونک کر نا فہم نظروں سے انہیں دیکھنے لگی ان کی نگاہوں کے تعاقب میں اس کی نظریں جھکی تھیں اس کے سفید مومی ہاتھوں پہ پڑی خراشوں سے خون رس رہا تھا وہ خجل سی ہوئی۔

''آئی ایم سوری۔''

''اٹس اوکے بی کیئرفل نیکسٹ ٹائم، ویسے بھی پھول ٹہنی سے ٹوٹنے کے بعد بہت جلد مرجھا جاتے ہیں۔'' انہوں نے اس کا سر تھپکا تھا اور گاڑی میں بیٹھ کر چلے گئے وہ مسحور سی کھڑی اپنے ہاتھوں کو دیکھتی رہی جہاں ان کا لمس اپنا احساس چھوڑ گیا تھا اس نے اپنے ہاتھ کی پشت پہ لب رکھے تھے اور مسکرا دی تھی۔

(باقی اگلے ماہ)

میرے ساحر سے کہو

ام مریم

پچھلی قسط کا خلاصہ

شہریار، رابیل سے جھوٹی محبت جتاتے ہوئے اپنے مقاصد کی تکمیل چاہتا ہے، رابیل نا چاہتے ہوئے بھی اس کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ شہریار سے ہنی مون پہ جانے کا عندیہ دیتی ہے ہنی مون پہ جانے سے قبل داؤد حسن خاں اچانک رابیل سے ملنے آتے ہیں اور اس کے ڈیڈ کا افسوس کرتے ہیں رابیل کو انہیں روبرو پا کے خود پہ ضبط محال محسوس ہوتا ہے، ساتھ ہی احساس زیاں بھی اسے کچوکے لگاتا ہے۔

طارق شیرازی ماہ نور کے بے لچک رویئے پہ فطری غصے کا شکار ہو کر فون پہ اسے دھمکیاں دیتا ہے جس سے ماہ نور پہلے تو خائف ہوتی ہے اور پھر اس کی بات ماننے سے صاف انکار کر دیتی ہے جس سے طارق کا غصہ آسمانوں کی بلندیوں کو چھونے لگتا ہے اور وہ اسی اشتعال میں جب ماہ نور کو دھمکاتا ہے تو اس کی یہ ساری باتیں اس کے بابا سن لیتے ہیں اور ان کے استفسار پہ طارق سب کچھ بتاتا ہے یوں پورے گھر کی مخالفت کے باوجود طارق شیرازی کے دل کی ہوتی ہے اور دو دن بعد کی تاریخ طے ہو جاتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

دسویں قسط

ہر سمندر کا ایک ساحل ہے
ہجر کی رات کا کنارا نہیں
وہ نہیں ملتا اک بار نہیں
اور یہ زندگی دوبارہ نہیں

اتنی دوران حسین وادیوں میں آکر ہونا تو یہ چاہیے تھا، کہ وہ واقعی طور پہ سبھی انہیں بھول جاتی مگر اس کے ساتھ ہر معاملہ الٹ ہو رہا تھا شہریار کی قربتوں سے وحشت اور سر کی یاد میں بیکل رہتی وہ پاگل ہونے کے قریب ہو رہی تھی، اگلی صبح ہی شہریار اسے لے کر ایک بار پھر سفر پہ روانہ ہو گیا تھا ارد گرد خوبصورت مناظر بکھرے تھے جن کی موجودگی میں انسان اپنے ہر غم سے آزاد ہو کر خدا کی حنائی میں گم ہو جائے۔

''تب جب ہم آتے تھے تو کیلاش چترال سے مستوج سرلاسپور درہ شیندور گوپس اور گاکوچ سے گزر کر گلگت گئے تھے لیکن پھنڈر ویلی میں نہیں رک سکے تھے گوپس سے چند میل پرے لیسن ویلی نہ دیکھ سکے نہ ہی گاکوچ سے ذرا دور چٹور کھنڈ اشکومن ویلی ہی جا سکے یہ سب ہی بہت حسین جگہیں ہیں اب میں تمہارے ساتھ ان تمام جگہوں پہ جانا چاہتا ہوں۔'' شہریار مسلسل بول رہا تھا آج اس نے فرمائش کر کے بلکہ منتیں کر کے اسے سفید ساڑھی پہنائی تھی جس کے بارڈر پہ سلور کامدانی دھوپ میں لشکارے مارتی بے حد بھلی محسوس ہو رہی تھی نیچرل پنک لپ اسٹک اور گھنیرے بالوں کی ڈھیلی ڈھالی چوٹی جس میں سلور بینڈ جکڑا تھا بس یہ تھی اس کی تیاری مگر وہ اس لباس میں کوئی آسمان سے اتری حور سے مشابہہ تھی اور شہریار وہ تو پاگل ہو رہا تھا اس کی قربت میں بن پیئے ہی بہک رہا تھا اس وقت بھی اس کا ہاتھ شہریار کی گرفت میں تھا اور وہ اس کی چوڑیوں سے کھیل رہا تھا۔

''پھنڈر ویلی گلگت سے قریباً پونے دو سو کلومیٹر کی دوری پر ہے پہلے ہم گاکوچ پہنچیں گے جسے غذر بھی کہتے ہیں یہ ضلع کا صدر مقام بھی ہے۔'' وہ اس کے کاندھے پہ سر رکھے مسلسل اس کی معلومات میں اضافہ کر رہا تھا رابیل کو نا چاہتے ہوئے بھی سننا پڑ رہا تھا۔

''گاکوچ سے ایک ہی راستہ وادی اشکومن کی طرف جاتا ہے واپسی پہ میں تمہیں اشکومن ضرور دکھاؤں گا، بھوک تو نہیں لگی۔'' وہ بات کرتے ہوئے اچانک چونکا تھا اور اس کے کاندھے سے سر اٹھا کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا وہ اپنے ساتھ کھانے پینے کا بہت سا سامان لے کر آئے تھے رابیل نے جواب میں گردن نفی میں ہلا دی، شہریار نے کچھ لمحے اسے دیکھا تھا۔

''اب اس جھجک کو ختم کر دو یار پلیز۔'' اس نے ٹی پاٹ اٹھا کر ڈسپوزیبل کپوں میں چائے نکال کر ایک کپ اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔

''چا...... چا...... چائے پیوؤ گے۔'' ان کا گائیڈ ہی ان کا ڈرائیور بھی تھا شہریار نے آواز لگا کر پوچھا۔

''پلا دو یارا نیکی اور پوچھ پوچھ۔'' وہ پٹھان تھا بے تکلف اور دوستانہ انداز میں بات کرتا تھا شہریار نے ایک کپ چائے اور اسنیکس کی پلیٹ اسے دے دی۔

''کھاؤ نا تم بھی کہتے ہیں اگر پیٹ میں بھوک پیاس ہو تو پیا کا پیار بھی اچھا نہیں لگتا خوب سیر ہو کے کھاؤ تا کہ تمہیں میری محبت اچھی لگنے لگے۔'' وہ اس کی سماعت میں بوجھل سرگوشی انڈیل کر شرارت بھری نظروں سمیت اس کا چہرا دیکھنے لگا جہاں سوائے اکتاہٹ و بے زاری کے کچھ نہیں تھا،

وہ چہرا موڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا، راستہ انتہائی خوبصورت مناظر بڑے دلنشین جو دلوں کو مسرت اور سرشاری سے بھر دیں، دریائے گلگت سڑک کے ساتھ ساتھ گلگت کی جانب بہہ رہا تھا، ان کا سفر اس کی مخالف سمت گوپس کی جانب تھا، تقریباً دو گھنٹے کا سفر رابیل نے شہریار کے کاندھے پہ سر رکھے سو کر گزارا تب تک گوپس آ چکا تھا۔

''تھینکس۔'' شہریار کی چمکتی آنکھوں میں حسین رنگ بکھرے تھے وہ سیدھی ہوتی بے انتہا خجل نظر آئی۔

''یہ گوپس غذر کی تحصیل ہے چاروں طرف سے پہاڑوں میں گھری ہوئی۔''

یہ وادی خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھی پٹھان گائیڈ نے انہیں بتایا تھا۔

''یہاں آغا خان فاؤنڈیشن کے زیر انتظام تعلیمی ادارے، ہسپتال اور رفاعی ادارے چل رہے ہیں تعلیم کا رجحان بہت زیادہ ہے، بچے بچیاں سب تعلیم حاصل کرتے ہیں۔''

راستے میں دریائے گلگت کے کئی روپ انہوں نے دیکھے تھے گوپس تک تو یہ دریا جوشیلا جھاگ اڑاتا اور شور مچاتا ہوا چلتا ہے، لیکن گوپس سے آگے خلتی کے مقام پر دریائے غذر اپنی تیزی اور روانی سے تھک کر دم لینے کچھ ستانے کے موڈ میں نظر آتا ہے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہاں دریا نے جھیل کی صورت اختیار کر لی ہے، اس جھیل کو خلتی جھیل کہتے ہیں اور یہ ٹراوٹ مچھلی سے بھری پڑی ہے جھیل کے کنارے ریسٹورنٹ تھا، جہاں شہریار نے ڈرائیور سے کہہ کر گاڑی رکوالی تھی پہلے خود اترا پھر گھوم کر اس کی جانب کا دروازہ کھول کر ہاتھ پکڑ کر باہر آنے میں مدد دی جہاں وہ کھڑے تھے سر شہریار نے کیمرا اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

''تصویریں نہیں بناؤ گی۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر مسکرایا تھا رابیل اس کی نظروں کی حدتوں تیزی سے گھبرا کر نظریں جھکا گئی شہریار کا قہقہہ آزاد فضاؤں میں بکھر گیا تھا، وہ اسے لئے جھیل کنارے ریسٹورنٹ میں آ گیا فرنچ فرائز کے ساتھ چائے اور ٹراوٹ مچھلی کا آرڈر کرنے کے بعد وہ دونوں بازو ٹیبل پہ ٹکا کر آگے کی سمت جھکا تھا۔

''بیبہ تمہیں پتہ ہے تم اس دنیا کی سب سے حسین لڑکی ہو اور میں، میں اس دنیا کا سب سے خوش نصیب مرد جسے تمہارا ساتھ ملا، مگر ایک کمی ابھی بھی ہے۔'' وہ رکا تھا رابیل نے لمبی پلکیں اٹھا کر محض ایک لمحے کو اسے دیکھا تھا وہ ان نگاہوں میں زیادہ دیر تک نگاہ نہیں جما سکی تھی۔

''جی چاہتا ہے تمہیں اٹھا کر پلکوں میں چھپا لوں، تم مجھے چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گی رابیل۔'' اس نے اچانک اس کا ہاتھ جکڑ لیا رابیل کو اس کی شدتوں سے خوف سا آنے لگا اس کے وزنی ہاتھ کے نیچے رابیل کا نازک سا ہاتھ بے حرکت سا پڑا رہ گیا خلاصی اس وقت ہوئی جب ویٹر آرڈر سرو کرنے آیا شہریار نے اس کا ہاتھ تو چھوڑ دیا مگر نظروں کو اس پہ فوکس رہنے دیا تھا وہ سخت جزبزی ہونے لگی۔

''چائے لو ٹھنڈی ہو رہی ہے۔'' اسے الجھن ہونے لگی تھی اس کی نگاہوں سے شہریار نے نظریں اس سے ہٹائے بغیر کپ اٹھا لیا۔

تیرے چہرے سے نظر ہٹتی نہیں کیا ہم کریں
ہم تو دیوانے ہو گئے ہیں صنم کیا ہم کریں

تبھی ٹیپ پہ گیت لگ گیا تھا حسب حال گانا تھا شہریار کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی تو رابیل کی بے چینی۔

تیری آنکھوں کو دیکھ کر دلبر کتنے نغمے لکھے ہیں چاہت کے
اپنے نازک لبوں سے کہہ دو نا
تم ہی الفاظ دو محبت کے
دل کی یہ پیاس کبھی بجھی نہیں کیا ہم کریں
ہم تو دیوانے ہو گئے ہیں صنم کیا ہم کریں
تیرے چہرے سے نظر ہٹتی نہیں کیا ہم کریں

رابیل کے حلق میں چائے بھی پھنسنے لگی تو اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور ٹہلنے کے انداز میں چلتی ریلنگ کے پاس آ گئی تاحد نگاہ پھیلا نیلا آسمان جس پہ روئی کے گالوں کی مانند تیرتے بادل اڑتے پھر رہے تھے جھیل کی پرسکوت سطح پر چلتی ہوئی بوٹس جن کی بھاری مشینری کی آواز سے فضا تھرا رہی تھی۔

''چلیں۔'' اس نے اپنی پشت پہ شہریار کی موجودگی کو محسوس کیا تھا اور پلٹ کر کہا، اس نے جواب دینے کی بجائے اس کے گرد بازوؤں کا حصار کھینچ دیا تھا وہ گڑبڑا کر سٹپٹا کر وہ حلقہ توڑنے کی کوشش کرنے لگی۔

''ہٹو نا چھوڑو کیا کر رہے ہو، لوگ دیکھ رہے ہیں۔'' اس کی جان پہ بن آئی تھی۔

''ہاں لوگ دیکھ رہے ہیں اور سوچ رہے ہیں کتنا خوبصورت پیئر ہے۔'' وہ اس پہ جھک کر ہنسا اس کا لہجہ ہی نہیں نظریں بھی بہکی بہکی تھیں رابیل نے خشک لبوں پہ زبان پھیر کر کچھ کہنا چاہا مگر اس نے ان لرزتے کانپتے لبوں پہ ہاتھ رکھ کے خاموش کرا دیا تھا۔

''پلیز کوائیٹ میں نے ڈرائیور کو کیمرا دیا ہے وہ ابھی ہماری تصویر کھینچے گا پلیز ایک اچھا سا پوز سمائل پلیز'' اس نے اپنا سر اس کے سر سے ٹکایا تھا اس کے ساتھ ہی کیمرے کا فلیش چمکا اور کیمرے کی آنکھ نے ایک حسین منظر قید کر لیا وہ تڑپ کر پیچھے ہوئی تھی اور خفا خفا سی اس نے نگاہ ملائے بغیر فاصلے پہ جا کھڑی ہوئی خلتی جھیل کے حسن نے زیادہ دیر تک اس کے موڈ کو خراب نہیں رہنے دیا شہریار نے بوٹ میں بھی سواری کی تھی اسے بھی ساتھ دینا پڑا بلکہ یہ حقیقت تھی کہ اس تمام سفر کے دوران پہلی بار اسے یہ سب اچھا لگا اس کے بعد وہ ایک بار پھر آگے بڑھتے تھے ایک موڑ کے بعد سامنے دریائے گلگت پر رسوں کا بنا پل جھولتا ہوا نظر آ رہا تھا رابیل نے بہت دلچسپی سے اس منظر کو دیکھا تھا دریا کے دوسری طرف پھلوں سے لدے درختوں کے جھنڈ میں ایک گاؤں توجہ کھینچ رہا تھا شہریار گاڑی سے اتر کر اس سمت ہو لیا رسوں سے جھولتا ہوا پل پار کرنے کا تجربہ بہت دلچسپ تھا دوسری سمت گاؤں تھا گاؤں کے بیشتر مکانات بوسیدہ اور راستے پتھروں سے اٹے ہوئے تھے اردگرد کا ماحول اتنا خوبصورت تھا کہ خواب نگر معلوم ہوتا تھا سامنے گلی سے چند خواتین آتی دکھائی دیں انہوں نے سلام میں پہل کی تھی رابیل نے مسکرا کر بہت خوشدلی سے جواب دیا تھا کچھ دیر وہ گھوم پھر کے گاؤں دیکھتے رہے لوگ سادہ لوح ہی نہیں انتہائی مہمان نواز بھی تھے کتنی ہی عورتوں نے انہیں اپنے گھر ٹھہر کر ستانے اور چائے پینے کی آفر کی تھی مگر شہریار معذرت کرتا ہوا پلٹ آیا وہ چلتے ہوئے حسین مناظر سے جی بھر کے لطف اندوز ہوتے رہے خنک ہوا رگ و پے میں سرائیت کر کے اپنے ہونے کا احساس دلاتی رہی سڑک کے دونوں جانب کھیت تھے جن میں کھڑی فصلیں لہلہا رہی تھیں پھر چڑھائی شروع ہو گئی شہریار نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور پہلی بار رابیل کو اگر اچھا

نہیں لگا تو برا بھی محسوس نہیں ہوا، گاڑی کے نزدیک آئے تو ڈرائیور نے انجن میں پانی ڈال رہا تھا، رابیل کی سانس بھی پھول رہی تھی شہریار نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اسے جوس کا پیک نکال کر دیا تھا جسے گھونٹ گھونٹ پیتے ہوئے اس نے سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔

☆☆☆

جبار قہار خدا سائیں
رحمن رحیم سدا سائیں
میرے من میں دیپ جلا سائیں
سب ظلمت آپ مٹا سائیں
سب رستے آپ دکھا سائیں
میری تجھ سے یہی دعا سائیں

وہ اندر آیا تو ماہ نور بیڈ پہ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے انہی بازوؤں میں چہرا دیئے بیٹھی تھی، کرنے کو تو کچھ تھا نہیں سارا دن کمرے میں قید رہی تھی طارق نے بھی کسی ضروری کام سے ہی انٹری دی تھی اور پھر غائب اور کسی نے تو جھانکا تک نہیں تھا، اس پہ اپنی حیثیت بہت اچھی طرح واضح تھی جبھی باہر نکلنے اور کسی سے ہمکلام ہونے کی غلطی تو بہرحال اس نے بھی نہیں کی تھی، ایک ضو یا تھی جسے اس کا پھر اپنے بھائی کا ہی لحاظ تھا کہ اسے صبح ناشتے کی ٹرے تھما گئی تھی جو جوں کی توں پڑی تھی زندہ رہنے کے لیئے بہرحال کھانا ضروری ہے مگر اس وقت دل کی کیفیت کچھ ایسی تھی کہ وہ جینے سے ہی بد دل نظر آتی تھی، طارق شیرازی نے چند لمحے انتظار کیا تھا مگر جب اس کی پوزیشن میں فرق نہیں آیا تو جھنجھلا کر ڈریسنگ ٹیبل پہ پڑی چیزوں کی اٹھا پٹخ شروع کر دی مگر وہاں مطلق اثر نہیں ہوا تھا، وہ جو آئینے میں اس کے عکس پہ نگاہیں جمائے ہوئے تھا کچھ اور بھی جھنجھلاتا تپا ہوا پلٹا اور اس کے پاس جا کر ہاتھ پکڑ کر خفیف سا جھٹکا دیا تھا، ماہ نور جو دانستہ و نادانستہ اسے اگنور کیئے تھی اس کا لمس پاتے ہی ایک دم سے غضبناک ہو کر بدک کر پیچھے ہوئی تھی۔

''اوہ بڑا کرنٹ ہے محترمہ آپ میں تو زندہ ہی ہیں میں تو سمجھا جس طرح ہر صدا سے عاری نظر آ رہی ہیں پتہ نہیں۔'' ایک دہکتی ہوئی نگاہ اس پہ ڈال کر وہ انتہائی کاٹ دار لہجے میں بات ادھوری چھوڑ گیا، سرد و سپاٹ چہرے پہ اس کی ذات سے حد درجہ بے زاری کے آثار واضح جھلک رہے تھے، ایک پل کو محض ایک پل کو ماہ نور کو اس کا یہ یکسر بدلا ہوا انداز و لہجہ بے حد کرب اور اذیت میں مبتلا کر گیا تھا مگر اگلے ہی لمحے وہ اس سے بھی بڑھ کر تیکھے اور طنزیہ لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''میں مروں یا جیوں آپ کو دلچسپی نہیں ہونا چاہیے سمجھے آپ۔'' طارق نے بہت سکون سے اسے دیکھا تھا پھر کچھ کہے بغیر چلتا ہوا صوفے پہ جا بیٹھا تھا۔

''پھپھو کے ساتھ کیا بدتمیزی کی تم نے کسی ایک رشتے کو تو نبھانا سیکھا ہوتا کس زعم میں ہو تنہا رہنا اور جینا اتنا بھی آسان نہیں ہے، مجھے آپ کے مشوروں کی ضرورت نہیں یہ میری زندگی ہے اسے میں جیسے چاہوں برباد کروں یا سنوار لوں۔'' جواب میں اس نے اعلیٰ درجے کی بے مہری اور بے گانگی کا مظاہرہ کیا۔

''بے شک یہ شوق پورا کرنا فی الحال تم اٹھو اور تیار ہو جاؤ میں جانے سے پہلے پھپھو سے ملنے جا رہا ہوں تمہیں بھی چلنا ہوگا۔'' اس کا لہجہ تحکمانہ اور کٹھور محسوس کر کے ماہ نور کو تاؤ آیا تھا، مگر ماں

سے بدتمیزی اور گستاخی کے بعد اپنا دل بوجھل اور ویران سا محسوس ہو رہا تھا جبھی اٹھ تو کھڑی ہوئی لیکن اس پہ جتانے کو بولی تھی۔

''میں آپ کے ساتھ نہیں جا رہی ہوں، تمہیں لے جا بھی کوئی کب رہا ہے بے فکر رہو تم صرف میرے ساتھ پھپھو کے گھر چلو گی باقی یہاں تم جانو اور گھر والے مجھے اس سے قطعی کوئی غرض نہیں ہے۔'' اس کا لہجہ اور انداز ہی نہیں چہرا بھی پتھریلا سا ہو گیا، ماہ نور تو ایک پل کو احساس توہین سے گنگ سی ہو گئی مگر اگلے ہی لمحے وہ جیسے کنٹرول کھوتی الماری سے نکالا اپنا جوڑا وہیں پھینک پھانک ایک جھٹکے سمیت اس تک آئی تھی اور اس کا گریبان پکڑ کر اس قدر جارحانہ انداز میں جھٹکا دیا تھا کہ شرٹ کے بٹن ٹوٹ کر بکھرتے چلے گئے۔

''ہاں تمہیں غرض بھی کیوں ہو خود غرض کمینے انسان جانتے تھے تم یہاں میرے ساتھ یہ سب کچھ ہو گا، نہ عزت نہ قدر نہ اہمیت کچھ نہیں ملے گا مجھے یہاں سے اس کے باوجود تم نے مجھے اپنی انا کی تسکین سمجھا اور میری بے اعتنائی اور بے نیازی کی سزا یہ دی کہ زبردستی مجھے یہاں لے آئے اور لا کر پھینک دیا اب، اب میرے ساتھ جو بھی ہو تمہیں کیوں پرواہ ہونے لگی، تمہاری مردانگی کو تسکین جو مل گئی کلیجے ٹھنڈک جو پڑ گئی۔'' وہ اس کے سینے پہ مکے مارتی ہانپتی ہوئی بالآخر رو بھی پڑی تھی، طارق شیرازی نے ایک گہرا سانس کھینچا اور بے بسی کی نگاہ سمیت اسے یوں بلک کر روتے دیکھا تھا پھر پلٹ کر دراز سے سگریٹ کیس اور لائیٹر نکال کر ایک سگریٹ نکالنے کے بعد لبوں کے درمیان رکھا لائٹر سے شعلہ دکھایا اور گہرا کش لے کر فضا میں دھواں بکھیر دیا تھا۔

''تمہارا مسئلہ پتہ ہے کیا ہے موی بداعتمادی اور بدگمانی تمہیں کسی پہ بھی اعتبار نہیں ہے شک کرتی ہو تم ہر جذبے ہر احساس پر اگر ایسا نہ ہوتا تو تمہیں میرے اس انتہائی اقدام میں میری محبت کی جنوں خیزی کا احساس ملتا میری کیئرنگ نیچر کو تم نے ہوس پرستی سے کمپیئر کر دیا بتاؤ کیا کروں میں تمہارے لئے آخر انسان ہوں غصہ بھی تو آئے گا مجھے وہ بھی تم جیسی احمق لڑکی کی حماقتوں کے بعد تو اور بھی زیادہ کرائس صرف تم پہ تو نہیں ہے میں بھی مشکلات کا شکار ہوں ایسے میں مجھے تمہارے تعاون ہمدردی اور ساتھ کی ضرورت ہے نا کہ الٹا تم مجھے ہی شک کی نگاہ سے دیکھتیں الزامات کی بوچھاڑ کر دو۔'' وہ سگریٹ کے کش لیتا بہت آہستگی و تحمل سمیت گویا تھا ماہ نور نے آنسوؤں سے تر چہرا خشک کیا اور کپڑوں کا ہینگر اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔

''تم کچھ بھی کہو یہ طے ہے کہ جب تک اس گھر سے مجھے میری حیثیت اور وقار کو بحال نہیں کرو گے مجھ سے تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔'' اس نے بے لچک اور ضدی لہجے میں کہا اور واش روم میں بند ہو کر دروازہ ایک دھماکے سے بند کر دیا طارق نے طیش کے عالم میں میز کو ٹھوکر رسید کی تھی اور جھلاتا ہوا اٹھ کر باہر نکل گیا تھا۔

☆☆☆

تو خدا نہ بن
میں نہ جھک سکوں گا ملائک کی طرح
تیرے عشق کا سزاوار ہوں
تیرے پاک لمس کا طلبگار ہوں

مگر اب جنوں کا انبار ہوں
میری وحشتوں کی سزا نہ بن
میں نہ رہ سکوں گا آدم کی طرح
تو خدا نہ بن

شہریار نے مجنونانہ سی بے خودی سمیت یہ نظم پڑھی تھی، مگر رابیل نے پھر بھی اسے نہیں دیکھا اس کی ساری توجہ کھڑکی سے باہر تھی جہاں کچھ موڑ مڑنے کے بعد بلندی پر واقع ریسٹ ہاؤس کے گیٹ پر ڈرائیور نے ہارن بجایا تھا چوکیدار دوڑتا ہوا آیا اور گیٹ کھول دیا، ان کی گاڑی اندر جا کر بائیں جانب چیڑ کے درختوں کے نیچے رک گئی وہ سردی سے بچنے کی غرض سے سویٹر کے اوپر گرم شال اوڑھے تھی اس کے باوجود اسے سردی کپکپا یے دے رہی تھی ملازم ڈرائیور اور شہریار کی معیت میں وہ مختلف راہداریوں سے گزرتی بیڈروم تک آئی تھی ریسٹ ہاؤس کا کمرا خوبصورت پردوں سے آراستہ تھا فرش پر قالین تھا اور وائیٹ خوبصورت فرنیچر باہر برآمدے میں بھی آرام دہ کرسیاں پڑی تھیں اس کا تو تھکن کے برا حال تھا جبھی شال اور سویٹر اتار کر بستر میں گھس گئی ملازم میز پر پانی کا جگ اور گلاس رکھ کے جا چکا تھا ان کا سامان ڈرائیور نے بیڈ کے ساتھ رکھ دیا تھا کچھ دیر بعد جب چائے آئی تو رابیل کس حد تک غنودگی میں جا چکی تھی۔

''صاحب کھانے میں کیا لیں گے۔'' ملازم ٹرے ٹیبل پہ رکھتا ہوا مودب ہو کر بولا تھا، ٹراوٹ مچھلی، رائس چکن اور چپاتی شہریار کی نظریں رابیل کے چہرے پہ تھیں جو تقریباً سو چکی تھی ملازم کے جانے کے بعد اس نے دروازہ بند کیا پھر چلتا ہوا بیڈ کے سرہانے آن رکا جیکٹ اتاری کچھ دیر یونہی رابیل کو دیکھتا رہا پھر چائے نکال کر چائے سپ کرنے لگا جبھی اس کے سیل پہ بیپ ہونے لگی تھی۔

''ہیلو...... ہاں...... ہوں...... نہیں سو رہی ہے۔'' اس نے گھڑی دیکھی۔

''نہیں یار ابھی پاسبل نہیں ہے، یہ بات نہیں، تم بھی تو سمجھو، نان سنس۔'' وہ بڑبڑایا اور سیل فون کان سے ہٹا کر سائیڈ پہ رکھ دیا چائے کا آخری گھونٹ لے کر اس نے مزید ایک کپ چائے لی تھی پھر رابیل کے مقابل بستر پہ آ گیا۔

''بیبی۔'' اس نے رابیل کے بالوں میں گدگدی سی کی وہ ذرا سا کسمسائی تھی مگر بیدار نہیں ہوئی شہریار کے لبوں پہ پراسرار سی مسکراہٹ بکھر گئی وہ اٹھا تھا اور جدید آٹومیٹک کیمرا آن کرنے پہ بعد اسے سامنے ڈریسنگ ٹیبل پہ اس زاویئے سے رکھا تھا کہ بیڈ کا منظر روشن ہو کر اسکرین پہ متحرک ہو گیا تھا وہ مطمئن ہونے کے بعد بیڈ پہ آ گیا تھا۔

☆☆☆

فقط تم ہی سے کرتا ہوں میں ساری راز کی باتیں
ہر اک کو داستان دل سنا کر کچھ نہیں ملتا
مجھے اکثر ستاروں سے یہی آواز آئی ہے
کسی کے ہجر میں نیندیں گنوا کے کچھ نہیں ملتا
جگہ ہو جائے گا چھلنی یہ آنکھیں خون روئیں گی
وصی بے فیض لوگوں سے نبھا کے کچھ نہیں ملتا

دوپہر ڈھل رہی تھی جب اس کی دوبارہ آنکھ کھلی شہریار کہیں نظر نہیں آیا تھا، بہت بے آرام رہی تھی وہ طبیعت پہ کسلمندی سی طاری تھی اس نے فریش ہونے کا سوچا اور کپڑے لے کر واش روم میں گھس گئی خاصی دیر نہانے کے بعد بھی طبیعت کا بوجھل پن یونہی قائم تھا وہ باہر آئی تو شہریار ٹیبل پہ کھانے کے لوازمات سمیت اس کا منتظر تھا، وہ نظر انداز کیئے آئینے کے سامنے آکر گیلے بال سلجھانے لگی۔

''پہلے کھانا کھالو یار ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' شہریار نے پکارا تھا، رابیل نے پلٹ کر ایک نظر اس کی مسکراتی نگاہوں کو دیکھا تھا پھر بے دلی سے سر نفی میں ہلا دیا۔

''نہیں مجھے بھوک نہیں ہے۔''

''افوہ آجاؤ نا سب کچھ ہی تمہاری پسند کا ہے۔'' وہ محبت بھرے اصرار سمیت بولا۔

''مگر میرا جی نہیں چاہ رہا۔'' رابیل نے کسی قدر جھنجھلا کر اکتاہٹ آمیز لہجے میں کہا تھا، شہریار نے اب کی مرتبہ وہیں بیٹھ کر کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا اٹھا اور چلتا ہوا قریب آگیا۔

''جی کیوں نہیں چاہ رہا طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔'' اسے کاندھوں سے تھام کر رخ اپنی جانب پھیرتا ہوا وہ بہت ملائمت بہت نرمی سے بولا تھا، جانے کیوں رابیل کی آنکھیں بھیگ سی گئیں اس نے ہونٹ کچلتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔

''نہیں طبیعت ٹھیک نہیں ہے ابھی جب میں واش روم میں تھی تو وومیٹنگ ہوئی مجھے دوبار اب بھی جی متلا سا رہا ہے، ہوسکتا ہے کچھ باہر سے ایسی ویسی چیز کھالی ہو ای نیوے ڈونٹ وری ابھی تم کھانا کھاؤ پھر باہر چلتے ہیں پتہ ہے ابھی ہم پھنڈر روادی میں گھومنے جارہے ہیں۔'' وہ اسے بازو کے حصار میں لئے ٹیبل تک آگیا اسے صوفے پہ بٹھانے کی بجائے کسی قیمتی متاع کی مانند اپنے مقابل بٹھایا تھا اور خود نوالے بنا کر اسے کھلانے لگا۔

''آج تمہارے لئے ایک سرپرائز ہے میرے پاس جب تم سو رہی تھیں میں اسپیشل تمہارے لئے شاپنگ کرنے گیا تھا بہت اسٹائلش پر ڈیسی ہے دیکھو گی تو داد دو گی میری چوائس کو۔'' وہ اسے باتوں میں لگا کر کھانا کھلاتا رہا کھانے کے بعد جب اس نے رابیل کو اپنا خریدا ہوا ڈریس دکھایا تو رابیل کے چہرے اور آنکھوں سے بیک وقت بھاپ سی نکلنے لگی تھی۔

''یہ پہنوں گی میں۔'' اس کی آنکھیں پھٹ سی گئی تھیں۔

''ہاں تو کیا ہوا۔'' اس نے اسکرٹ اٹھایا جس کی سائیڈیں دونوں اطراف سے کھلی تھیں مختصر ٹاپ جس کے اگلے پچھلے دونوں گلے قابل اعتراض حد تک کھلے تھے تو آستین سرے سے غائب۔

''آپ جانتے ہیں شہریار میں ایسی واہیات اور بے ہودہ ڈریسنگ نہیں کرسکتی۔'' وہ بھڑک ہی تو گئی تھی اور اسکرٹ اٹھا کر پٹخ دیا تھا شہریار نے اسے ٹمپر لوز کرتے دیکھا اور پھر پینترا بدل لیا تھا۔

''اوکے اوکے فائن تمہیں اچھا نہیں لگا مت پہنو مگر موڈ تو خراب مت کرو ہمیں گھومنے جانا ہے تیار ہو جاؤ بھلے اپنی پسند کا ہی ڈریس پہن لو مگر پلیز جلدی۔'' رابیل نے لب بھینچ کر غصہ ضبط کیا تھا پھر اٹھ کر چلی گئی تھی اس نے ہلکے بادامی رنگ کا ہلکی کڑھائی کا سوٹ پہنا اور بلیو شال اوڑھ لی جس کے بارڈر گولڈن کلر کے تھے اور گولڈن کلر کے ہی چھوٹے چھوٹے پھول جن پہ اسٹون

شعاعیں بکھیر رہے تھے اس سادگی میں بھی وہ اپنی بہکا دینے والی خوبصورتی سمیت اتنی چارمنگ اتنی اٹریکٹو نظر آرہی تھی کہ شہریار کی نگاہ اٹھ کر جھکنا بھول گئی تھی۔

ہر سو پہاڑ ہی پہاڑ تھے اور ان سرمئی پہاڑوں کی چوٹیوں پر جمی برف اور انہی پہاڑوں کے درمیان پھنڈر ویلی ایسا سرسبز خطہ جس میں دریائے گلگت کا نیلا پانی ہرے کھیتوں کے درمیان بڑے پرسکون سے انداز میں بہہ رہا تھا دریا کے دونوں جانب کناروں پر لگے جنگلی سفیدے کے درختوں کو چھو کر ہوا گزرتی تو ان کے پتے سورج کی روشنی میں پھلجھڑیوں کی طرح چمکنے لگتے دریا کے اندر چھوٹے چھوٹے جزیرے سے بنے تھے جن پر کسی جنت کے گوشے کا گمان ہو رہا تھا ہر طرف لہلہاتی فصلیں سنہرے قالین کی طرح دور دور تک بچھی نظر آرہی تھیں اس خوبصورت منظر میں کہیں کہیں گھر نگینے کی مانند جمکتے دکھائی دیتے یہاں کے قدرتی حسن میں کھو کر وہ بھی اپنا موڈ اور طبیعت بحال ہوتی محسوس کرنے لگی سب کچھ اتنا حسین اتنا دلکش تھا کہ گویا دل میں اترتا ہوا محسوس ہو رہا تھا وہ بھی صحیح معنوں میں مبہوت تھی اسے افسوس ہوا وہ ہمیشہ اپنے وطن کی اتنی خوبصورتی کو چھوڑ کر باہر کیوں جاتی رہی۔

''یہ وہ جگہیں ہیں جہاں انسان اپنی من پسند ہستی کے ساتھ آکر ہی انجوائے کرسکتا ہے تھینکس گاڈ کہ وہ مجھے حاصل ہے۔'' شہریار کی آواز نے اس کی سوچ کے تسلسل کو بکھیرا تھا انہیں گھومتے پھرتے وقت کا احساس تک نہ ہوسکا شام رات میں ڈھلی تو خنکی اور بڑھ گئی صبح انہیں یہاں سے روانہ ہونا تھا رابیل نے اس ہوش ربا منظر کو الوداعی نظروں سے دیکھا واپس جاتے ہوئے وہ جانے کیوں بے چین سی تھی شہریار کی ضد پیار بھرا اصرار کہ وہ صرف اس کی خاطر ایک بار وہ لباس پہن لے اسے چڑا رہی تھی رابیل نے اس کی خاطر بھی بند کمرے میں بھی ایسا لباس نہیں پہننا چاہتی جو اس کے مزاج اور سوچ سے مطابقت نہیں رکھتا تھا، مگر شہریار کے سامنے اس کی چلی نہیں تھی اسے وہ لباس نا چاہتے ہوئے بھی کچھ دیر کو پہننا پڑا تھا رات پھر اس کی طبیعت کا اضمحلال بہت بڑھ گیا تھا صبح وہ جلد بیدار ہوگئی شہریار سو رہا تھا وہ اٹھ کر شال اوڑھے باہر آگئی ریسٹ ہاؤس سے باہر آکر کچھ دیر یونہی چہل قدمی میں چلتی رہی پھر یونہی ذرا سا جھک کر دیکھا تو اس کی آنکھیں اس ہوش ربا منظر میں جیسے اٹک کر رہ گئی تھیں درختوں کے جھنڈ کے پیچھے قریباً ڈیڑھ سو میٹر نیچے ایک خوبصورت جھیل تھی جس کا حسن گویا دعوت نظارا دے رہا تھا دریا کا پانی سرسبز فصلوں میں عجب بہار دکھا رہا تھا دریائے گلگت کا حسن جتنا یہاں عیاں تھا شاید کہیں اور نہیں تھا پہاڑی وادیوں کا دریا ہو اور پرسکون ہو پرشور نہ ہو یہ ممکن ہی نہیں مگر پھنڈر روادی کوئی جادو نگری ہے گویا کہ وہاں دریا خاموشی سے ہی نہیں چیونٹی کی مانند آہستگی و سبک رفتاری سے چلتا نظر آتا ہے وہ تو اس منظر کے حسن میں ہی کھو کر رہ گئی، ہوش اس وقت آیا جب شہریار نے اسے کاندھوں سے تھام کر اپنے مقابل کرتے ہوئے خفیف سا ڈانٹا۔

''میری تو جان ہی نکال دی تھی نا تم نے کمرے سے ہی نہیں محترمہ ریسٹ ہاؤس سے ہی غائب۔'' رابیل نے ٹھنڈا سانس بھرا اور اس کے ساتھ ہولی فضا میں موجود ہلکی دھند کو طلوع ہوتے سورج کی کرنیں تیزی سے نگل رہی تھیں اور ہر سو نئی نویلی روشن سنہری دھوپ بکھرتی جارہی تھی ناشتے کے بعد وہ لوگ پھر روانہ ہوتے تھے گوپس ویلی سے واپس پھنڈر کی جانب تھوڑا سا باہر نکلے تو دائیں ہاتھ دریائے گلگت پر ایک نیا

نویلا جھولتا ہوا پل پار کیا اور مکین کو جاتی بل کھاتی سڑک پر ہو لئے یہ وادی گوپس سے قریباً بیس کلو میٹر کے فاصلے پر ہے مکین کو جانے والے راستے کو حسن بھی بے حد مثالی ہے سڑک کے ساتھ ساتھ پھلوں سے لدے درختوں کی قطاریں تھیں یہ وادی پھنڈر سے بھی زیادہ زرخیز نظر آ رہی تھی ہر سو لہلہاتی فصلیں جا بجا پھلدار درخت کھیتوں میں کام کرتے مرد و زن پلک جھپکتے میں منظر میں پہلے سے بڑھ کر نظر آ رہی تھی اتنی سرسبز وادی پہ تو جنت کا گمان گزر رہا تھا ایسی انوکھی رعنائی اور حسن کہ بے اختیار رب کی تعریف میں زبان سبحان اللہ کہہ اٹھے مناظر کا حسن شفاف و معطر ہوا پھولوں کی مسحور کن خوشبو گویا ایک سحر طاری کر رہی تھی وہ یہ سب دیکھتی بے اختیار یہ سوچنے پہ مجبور ہوئی تھی کہ خدا نے زمین پہ اتنا حسن انسان کے لئے جمع کر رکھا ہے تو جنت جس کی تعریف خود رب تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بیان فرمائی وہ آخر کیا ہو گی، وہ وہاں آ کر رکے تھے جہاں سرسبز کھیتوں کے درمیان یسن نالہ جھاگ اڑاتا گزر رہا تھا مگر ڈرائیور نے وہاں قیام کرنے سے منع کر دیا کچھ آگے جا کر یہی نالہ اٹھکیلیاں کرتا ہوا بہہ رہا تھا پانی بے حد شفاف تھا رابیل وفور شوق سے مغلوب ہو کر بے اختیار آگے بڑھی تھی اور اس نالے کے پانی میں پیر ڈبو دیئے تھے وہاں وہ سفر کی تھکان اتار کر جوس اور بسکٹ وغیرہ کھا کر ایک بار پھر آگے بڑھے تھے جہاں تھوداس گاؤں کے ریسٹ ہاؤس میں انہوں نے کمرا بک کروایا تھا کہ وہاں رہائشی ہوٹل نہیں تھے جس وقت ان کی گاڑی تھوداس کے قریب پہنچی تو وادی کے اسکول کے بچے چھٹی کے بعد گھروں کو جاتے نظر آئے سرخ و سفید پیارے پیارے بچے ہاتھوں میں کتابیں تھامے کچھ اور بھی پیارے لگ رہے تھے ان کی گاڑی سست روی سے بازار میں چلتی ریسٹ ہاؤس کے سامنے جا رکی گیٹ وا ہونے پہ گاڑی اندر داخل ہو گئی اس ریسٹ ہاؤس کے دو بلاک تھے ایک پرانا اور ایک نیا تعمیر شدہ انہوں نے جو کمرا بک کروایا تھا وہ نئے بلاک میں تھا کمرے کے آگے برآمدے کے باہر سفید گلاب ہوا کے دوش پہ جھوم رہے تھے ان کی دلفریب مہک نے رابیل کے سفر کی تھکان کو جیسے زائل سا کر دیا وہ اندر جانا چاہتی تھی مگر شہریار نے ڈرائیور کے ہاتھ سامان اندر بھجوایا اور خود وہیں کرسی پر بیٹھ گیا چائے آرڈر کی اور دور تک پھیلی ہوئی وادی کے کناروں پہ بلند پہاڑوں کی چوٹیاں جو برف سے ڈھکی دھوپ میں عجب منظر پیش کر رہی تھیں کو دیکھنے لگا یہ وادیاں افغان بارڈر کے قریب واقع ہے اس نے رابیل کو بتایا تھا رابیل نے محض سر ہلا دیا اور اٹھ کر کمرے میں چلی گئی شہریار نے کھانے تک انتظار کیا تھا اس کے بعد وہ اسے ساتھ لئے ایک بار پھر باہر آ گیا اس کا ارادہ طاؤس جانے کا تھا طاؤس تھوداس گاؤں کی جدید آبادی ہے وہاں سے اس نے سرسری سی بازار سے شاپنگ کی تھی پھر وہ ہندور ویلی کی جانب آ گئے چونکہ یہ زیادہ دور نہیں تھا سو وہ جلد ہی پہنچ گئے تھے یہ وادی بہت سرسبز اور حسن کی دولت سے مالا مال تھی سڑک کے دائیں جانب ایک سفید مینار سر اٹھائے بہت شان سے ایستادہ تھا شہریار نے اسے بتایا یہ مینار حوالدار لالک جان شہید نشان حیدر کے مزار کا ہے وہ لوگ تو مزار پر رکے بھی تھے فاتحہ خوانی بھی کی البتہ رابیل گاڑی میں ہی بیٹھی رہی اس کی طبیعت خراب ہو رہی تھی شہریار واپس آیا تو اسے سر ہاتھوں میں تھامے دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

''کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں بس میرا سر گھوم رہا ہے مجھے لگتا ہے یہ مسلسل سفر کی وجہ سے ہے شہریار پلیز واپس چلو۔'' وہ تھکی ہوئی تھی، جواب میں وہ عجیب سے انداز میں ہنس پڑا تھا۔

''انجوائے یور سیلف پاگل لڑکی یہ مواقع بار بار تھوڑا ہی ملتے ہیں میں تمہارے ساتھ اس کائنات کے سارے رنگوں کو اپنے وجود میں سمو لینا چاہتا ہوں۔'' رائیل نے تھک کر سر سیٹ کی بیک سے ٹکا دیا تھا۔

☆☆☆

وہ تو آج بھی صدیوں کی مسافت پہ کھڑا ہے
ڈھونڈا تھا جسے وقت کی دیوار گرا کے
وہ تو خوشبو سے اجالا ہے سحر کا بھر بھی
شام بن کے میری آنکھوں میں اتر آتا ہے

وہ ان کے سامنے سر جھکائے بیٹھا تھا اس کے ہر انداز سے شکستگی جھلک رہی تھی مما نے نمناک آنکھوں سے اسے دیکھا اور بے اختیار لب کچلے اور نمی اندر اتاری۔

''اسے کیوں نہیں لائے۔''

''وہ نہیں آئی پھپھو وہ مجھ سے ہی نہیں غالباً آپ سے بھی خفا ہے، حالانکہ آپ کو اسے خفا نہیں کرنا چاہیے تھا قصور تو سارا میرا تھا مجھے لگا تھا وہ مجھے نہیں مل سکتی میں نے دیر کی تو وقت ہاتھ سے ریت کی مانند سرک جائے گا اور میں نے انجام کی پرواہ کیئے بغیر اسے اپنے نام کر لیا، اس بات سے بے نیاز رہ کر کہ وہ اس طرح میری دسترس سے کچھ اور دور ہو جائے گی مجھ سے کچھ اور بدگمان ہو جائے گی۔'' وہ آہستگی سے اعتراف جرم کر رہا تھا۔

''تو کیا اب تم اسے ساتھ نہیں لے جاؤ گے۔'' مما متوحش نظر آئیں۔

''کیسے لے جاؤں پھپھو وہ مانتی کب ہے، تو یہاں، یہاں تو حالات کس طرح بھی اس کے لئے سازگار نہیں ہیں وہ تو بہت نازک ہے بیٹھے۔'' وہ پریشان ہو گئیں، طارق نے ایک نظر انہیں دیکھا اور گہرا سانس کھینچا۔

''میرا خیال ہے پھپھو اسے یہاں رہنے دیا جائے میں جلد چکر لگاؤں گا آپ بھی آتی جاتی رہیے، فاروق بھی ہے خیال رکھے گا باقی اللہ مالک ہے۔'' وہ اٹھتا ہوا بولا تھا، مما نے اسے خاموش نظروں سے دیکھا اور یاسیت آمیز انداز میں سر جھکا لیا۔

''تم نے واقعی زیادتی کر دی طارق میری بیٹی کے ساتھ۔'' انہوں نے سوچا تھا البتہ کہہ نہیں سکیں۔

''وہ بہت ضدی ہے اپنا نقصان تو کرے گی مگر کمپرومائز نہیں، باپ کی طرح وہ بھی تو ایسے ہی تھے جبھی تو دوریاں برداشت کر لیں مگر۔''

''او کے پھپھو چلتا ہوں مجھے ابھی پیکنگ بھی کرنا ہے، آپ کی بیٹی تو ہیلپ کرے گی نہیں اماں ویسے ہی خفا ہیں سو مجھے ہی سب کرنا پڑے گا۔'' ماحول پہ چھائی گہری سنجیدگی کو اس نے ہلکی پھلکی بات سے توڑنا چاہا تھا، وہ چونکتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''فی امان اللہ تم بے فکر رہو بیٹا میں ماہ نور کو سمجھاؤں گی یہ ضد ہٹ دھرمی کس کام کی جبکہ جو ہونا تھا ہو چکا۔'' انہوں نے ہارے ہوئے انداز میں کہا تھا طارق واپسی کو پلٹا پھر کچھ یاد آنے پہ کوٹ کی جیب سے چاکلیٹ کے پیکٹ نکال کر ان کی سمت بڑھاتے ہوئے یہ طلحہ اور عینا کے لئے ہیں مما نے کچھ تذبذب کے بعد تھام لئے تھے۔

☆☆☆

اک لڑکی الجھی الجھی سی
ٹھہری ٹھہری بھٹکی بھٹکی
بھیگی آنکھیں اور ہونٹ بھینچے
کھو جاتی تھی چلتے چلتے
کل یہ مجھ سے کہتی تھی
میں اس ہی جہاں میں رہتی تھی
بھٹکا دیا اس دنیا نے مجھے
بہکا دیا اس چاہت نے مجھے
چاہا تھا کسی کو میں نے کبھی
آنکھوں میں بسا تھا میرے کوئی
میں ڈھونڈ لی پھرتی ہوں اب بھی
بھولی چاہت کی کوئی کلی
شاید کہ کبھی وہ کھل جائے
محبوب میرا مجھے مل جائے
اے کاش کہ ایسا ہو جائے

اگلے روز وہ وادی اشکومن میں پہنچ چکے تھے رابیل کی طبیعت بس یونہی تھی کبھی بے حد خراب ہو جاتی تو کبھی بالکل بھلی چنگی گو شہر یار پہ جیسے گھومنے پھرنے کا جنون سوار ہو چکا تھا گاکوچ تک کا سفر خاموشی سے کٹا تھا البتہ شہر یار نے ایک مرتبہ گاڑی رکوا کر مشروب اور پھل خریدے تھے گاکوچ سے گاڑی نکلی تھی اب سڑک کے ساتھ ساتھ دریا بہہ رہا تھا جس کا پاٹ خاصا چوڑا تھا ریت کی وجہ سے وہاں ریگستان کا گمان ہو رہا تھا راستے میں انہیں دو کوہانوں والے اونٹ بھی نظر آئے ذرا سا سفر مزید طے ہوا تو دریا ایک تنگنائے میں داخل ہو گیا اس کے اوپر ایک لٹکتا ہوا پل تھا جسے پار کر کے سڑک شمال کی جانب وادی اشکومن میں داخل ہو گئی تھی اس وادی میں دریا سڑک سے ذرا دور ہٹ کے چلتا ہے یہ وادی اپنی کشادگی اور درختوں کے جھنڈ میں گزرتی سڑک کے ساتھ گویا آنے والوں کو خوش آمدید کہتی محسوس ہوتی ہے درختوں کے جھنڈ اور پھلدار باغات اتنے بڑے بڑے اور وسیع رقبہ پر پھیلے تھے سڑک ان کے درمیان سے گزر رہی تھی درخت دونوں جانب سے سڑک پر سایہ کر رہے تھے، وادی اشکومن کا ریسٹ ہاؤس چٹور کھنڈ میں تھا اس کا قیام وہیں تھا چٹور کھنڈ ابھی دور تھا اچانک ایک نالہ راستے میں آ گیا جو سڑک کے دائیں جانب سے تھوڑی بلندی سے نیچے کی جانب آتا تھا اور سڑک کے اوپر سے گزر کر نیچے دریا میں گر رہا تھا نالے کے اوپر پل نہیں تھا ورنہ سڑک اس کے اوپر سے گزرتی تو وہ بھی گزر جاتے پورے سفر کے دوران آزمائش تو اب پڑی تھی ڈرائیور نے گاڑی روک دی تھی۔

''صاحب آپ لوگ پیدل چل کر نالہ پار کرو ام گاڑی اس میں سے گزارتا ہے۔'' رابیل سب سے پہلے دروازہ کھول کر باہر نکلی تھی اس کا جی متلا رہا تھا اس نے نالے کے قریب آ کر منہ دھویا پھر شہر یار کی بڑھائی بوتل کا ڈھکن کھول کر گھونٹ گھونٹ پانی پینے لگی جب تک ہلکان ہو کر

ڈرائیور نے گاڑی نالے کے اوپر سے گزاری رابیل دوبارہ قے کر چکی تھی۔

''کیا ہو گیا ہے یار اتنی طبیعت خراب تھی تو بتایا ہوتا ڈاکٹر کے پاس ہی لے چلتا اب کیا کریں۔'' شہر یار اسے نڈھال دیکھ کر تشویش میں مبتلا ہو چکا تھا، رابیل نے ایک شاکی نظر اس پہ ڈالی تھی اور اس کے ہاتھ ہٹا کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھنے کی بجائے لیٹ گئی تھی اور شال اپنے اوپر پھیلا لی اس کی طبیعت بے حد خراب ہو چکی تھی۔

''پلیز آگے بیٹھ جاؤ میں چند لمحے سکون چاہتی ہوں۔'' شہر یار نے بیٹھنا چاہا تو اس نے انتہائی بے زاری سے کہہ کر منہ پھیر لیا تھا شہر یار ڈرائیور کے سامنے خجل سا ہو گیا، سفر ایک مرتبہ پھر شروع ہو گیا شہر یار باہر کے نظاروں سے نظر ہٹا کر گاہے بگاہے اسے بھی دیکھ لیتا جو بے حد بے چین نظر آ رہی تھی، بالآخر وہ چٹور کھنڈ پہنچ گئے سامنے بازار پھیلا تھا بازار کے شروع میں بائیں ہاتھ ریسٹ ہاؤس کا گیٹ تھا اور گیٹ کے بالکل سامنے ایک بہت بڑا چنار کا درخت کسی دربان کی طرح کھڑا نظر آتا تھا چوکیدار کے گیٹ کھولتے ہی ڈرائیور گاڑی بڑھا لے گیا ریسٹ ہاؤس کی عمارت خوبصورت اور کمرے کشادہ اور صاف ستھرے تھے ان کے لئے مخصوص کمرا کھول دیا گیا تھا، دوپہر ہو رہی تھی، شہر یار چائے اور کھانے کا آرڈر کرتا ہوا کمرے میں آ گیا رابیل بہت زرد اور خاموش سی تھی وہ آتے ہی بے دم سے انداز میں بیڈ پہ گر سی گئی تھی شہر یار نے اسے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا اور کھانا کھانے کے بعد خود ہی باہر نکل آیا چٹور کھنڈ کا بازار کافی دور تک پھیلا ہوا تھا ہر قسم کے سامان کی دوکانیں تھیں وادی بھی خاصی کشادہ تھی فصلوں کے بیچوں بیچ سڑک پر چلتا ہوا وہ پکھورا کی جانب دور تک چلا آیا کیمرا اس کا ساتھ تھا وہ ہر حسین منظر کی تصویریں اتار رہا تھا سورج کے غروب ہونے کا منظر اس وادی میں کچھ اور بھی دلکشی لئے ہوئے تھا نارنجی شعاعوں نے جب ہریالی دھرتی کو اپنی لپیٹ میں لیا تو گویا دیکھنے والی نگاہ کو جکڑ لیا تھا معاً اس کے سیل پہ ہونے والی بیپ نے اس کی توجہ کھینچی تھی نمبر شناسا سا تھا اس کے لبوں پہ عجیب نافہم سا تاثر پھیل گیا چند لمحے بات کرنے کے بعد وہ ایک بار پھر واپس لوٹا تھا۔

☆☆☆

اس نے احتیاط سے موڑ کاٹا دائیں جانب گہری سرسبز کھائی تھی تو بائیں جانب اونچے پہاڑ پر سدا بہار پاپولر کے سر بفلک درخت پوری شان سے ایستادہ تھے پہاڑی ڈھلان میں گھنی ہریالی تھی اور ہریالی میں تا حد نگاہ پھیلے سر اٹھائے خودرو پھول یوں لگ رہا تھا جیسے آسمان کے تارے زمین پہ اتر آئے ہوں قدرے فاصلے پر سر پہ خشک لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ڈھلان سے اترتی پہاڑی دوشیزہ اس سحر انگیز ماحول کی خوبصورتی میں گراں قدر اضافے کا سبب بن رہی تھی اس کی سرخ اوڑھنی ہوا کی شوخی پہ لہرا کر دور تک اڑتی جا رہی تھی، شہر یار نے اس منظر سے نگاہ چھڑائی اور اپنے برابر فرنٹ سیٹ پہ موجود رابیل سکندر حیات کو دیکھا جس کے زرد چہرے پہ ایک عجیب سا سوز بکھرا تھا اس سوگوار سے روپ کے ساتھ بھی وہ گویا پورے ماحول پہ چھا رہی تھی۔

''کیا محسوس کر رہی ہو خود کو۔'' اس نے اچانک سوال کر کے اسے چونکا دیا، وہ ڈاکٹر کے کلینک سے واپس آ رہے تھے ڈاکٹر نے رابیل کی پریگنینسی کا انکشاف کیا تھا اور سفر سے سختی سے منع کرتے ہوئے انہیں فوری واپس جانے کی تاکید کی تھی۔

''پتہ نہیں اس چیز کے متعلق تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا پھر اتنی جلدی میں تو ذہنی طرح پہ بالکل

تیار نہیں تھی۔" بے بسی رنج اور ہلکے سے تاسف سمیت اس کا گلا اور آنکھیں ایک ساتھ بھر آئی تھیں، شہریار نے بہت دھیان سے اسے دیکھا تھا اور گہرا سانس کھینچا۔

"بالکل ایسا ہی میں بھی محسوس کر رہا ہوں دیکھو رابیل ابھی تو ہمیں بہت انجوائے کرنا ہے لائف کو بہت کچھ ہے کرنے کو ابھی سے بچوں کے جھنجھٹ اور یہ بھی تو دیکھو تمہاری ابھی عمر ہی کیا ہے۔" رابیل نے اسے دیکھا اور جواب میں کچھ کہا نہیں تھا۔

"پتہ نہیں تم کیا محسوس کرو مگر رابیل پلیز اس جھنجھٹ سے تو نکالو خود کو۔" وہ ناک تک بے زار تھا۔

"واٹ یو مین کیا کہنا چاہتے ہو۔" رابیل ہونق سی ہو گئی۔

"اب کیا ہو سکتا ہے یہ تو اللہ کی مرضی ہے۔" اس نے نظریں ہتھیلیوں پہ جمائیں۔

"میں چاہتا ہوں تم ابارشن کروا دو۔"

"واٹ؟" اسے جھٹکا لگا تھا، حیرت رنج اور غصہ اس پہ یکلخت ہی کتنی کیفیات وارد ہوئی تھیں، مگر وہ اس سے بے نیاز اطمینان سے ڈرائیور کرتا ونڈ اسکرین پہ نظریں جمائے رہا تھا کہر چھانے لگی تھی شہریار نے ہاتھ بڑھا کر شیشے چڑھا دیئے نگاہ بھر کے آسمان کو دیکھا سیاہ بادل منڈلاتے پھر رہے تھے ان سے بچتا بچاتا ہیرے کی مانند چمکتا دمکتا ننھا سا اکلوتا نوخیز ستارہ جگمگ جگمگ کرنے لگا تھا اس نے جلد پہنچنے کے چکر میں اسپیڈ بڑھا دی شام کے سائے گہرے ہونا شروع ہو چکے تھے، سفید خوردار پھول اور درخت انہی سایوں اور دھندلے غبار میں کھوتے جا رہے تھے۔

"تمہیں احساس ہے شہریار تم کیا کہہ رہے ہو۔" خاصی دیر بعد وہ بولنے کے قابل ہوئی تو سرد سی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"میں کوئی بھی بات یونہی منہ اٹھا کر نہیں کہہ دیا کرتا۔" اس نے جواباً نروٹھے پن سے کہا تھا اس کے ہر انداز سے تنفر چھلک رہا تھا رابیل کو دکھ کے ایک نئے احساس نے گھیر لیا گاڑی جھٹکے سے رکی تب وہ چونکی تھی کچھ فاصلے پر ڈھلان سے اترتی فوجی جوانوں کی ایک قطار چلتی ہوئی اس سمت آ رہی تھی یقیناً شہریار نے اسی وجہ سے گاڑی روکی تھی وہ یونہی بے مقصد اسی سمت دیکھے گئی فوجی جوان چلتے ہوئے اب سڑک تک آ گئے تھے ان کے بھاری بوٹوں کی گونجدار آواز سے فضا تھرانے لگی تھی شہریار نے جیپ سڑک کنارے کھڑی کی تھی گویا انہیں راستہ دیا تھا فوجی بوٹوں کی دھمک پیدا کرتے قریب سے نکل گئے تھے۔

"اگر میں کہوں میں ایسا نہیں کروں گی تب۔" رابیل کی آواز نے فضا میں ارتعاش پیدا کیا اس کی نظروں میں بغاوت سرکشی اور ضد کے آثار دیکھ کر شہریار مسکرایا تھا پھر کچھ کہے بغیر پہلے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی پھر ایک بازو اس کے کاندھے پہ پھیلا کر خود سے نزدیک کرنا چاہا مگر وہ تڑپ کر فاصلے پہ ہوئی تھی۔

"تم سمجھتی کیوں نہیں ہو بیوقوف لڑکی ابھی میں فیملی بڑھانے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔" نرمی سے جھنجھلایا تھا۔

"کب آؤ گے اس پوزیشن میں اور اب کیا ہوا ہے تم نہ سہی میں سپورٹ کر سکتی ہوں بچے کو۔" رابیل نے بحث کی تھی وہ کچھ اور جھنجھلا گیا البتہ کچھ بولا نہیں، سیاہ گھٹائیں تیزی سے بڑھ رہی تھیں انہی لپکتی جھپکتی گھٹاؤں نے ننھے چمکتے ستارے کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا آسمان مکمل طور پہ

بادلوں سے ڈھک گیا ایک نم آلود یخ جھونکے نے ونڈ اسکرین کو چھوا اور دھندلا کے رکھ دیا شہریار نے وائپر چلا دیئے تھے دھند ہر لمحہ بڑھ رہی تھی چکردار سڑک کی گولائی کاٹتے ہی آبادی کے آثار نظر آنے لگے تھے، پہاڑی ڈھلان پر واقع اونچے اونچے گھروں میں جھلملاتی روشنیاں دور سے کسی جگنو کی مانند دمکتی محسوس ہو رہی تھیں، پہاڑی علاقوں میں یوں بھی اندھیرا جلدی چھا جاتا ہے ریسٹ ہاؤس کے گیٹ سے اندر گاڑی لا کر پارکنگ لاٹ میں کھڑی کر دی رابیل کو سہارا دینے کو ہاتھ بڑھایا مگر وہ اگنور کیے اتر کر چلی گئی۔

☆☆☆

اک بار وہ ملا تھا مجھے بے رخی کے ساتھ
اس دن سے دل کا شہر برابر اداس ہے
دیکھی ہے اس کی آنکھوں میں پہلی دفعہ نمی
یوں لگ رہا ہے جیسے سمندر اداس ہے

اسے واپس جانے کی جتنی جلدی تھی اس قدر تاخیر ہو رہی تھی چترال پہنچنے کے بعد سے جو شدید قسم کی برف باری کا سلسلہ شروع ہوا تو پھر رکنے کا نام نہیں لیا ایسے شدید موسم میں پروازیں نہیں نکل سکی تھیں یہی وجہ تھی کہ وہ گویا وہاں محصور ہو کر رہ گئے تھے، طبیعت تو اس کی ایسی ویسی ہی سنبھلتی تھی البتہ شہریار سے بحث تکرار میں اور تکرار تلخی اور بالآخر جھگڑے میں ڈھل گئی وہ جو اس انکشاف کے بعد پیروں میں ایک زنجیری لپٹی محسوس کرتی عجیب سے احساسات میں گھر گئی تھی شہریار کی سنگین سوچ کے درد ہوتے دیکھ کر اڑ سی گئی، یہ ضد تھی نہ ہی انا کا کوئی مسئلہ وہ بھی یہ گناہ نہیں کر سکتی تھی ایسا گناہ جو گناہ کبیرہ میں شمار ہوتا تھا، شہریار اس سے اچھا خاصا لڑ جھگڑ کر ابھی باہر نکلا تھا وہ اٹھی تھی اور اس کے بیگ سے موبائل تلاش کرنے لگی اسے سر سے رابطہ کرنا تھا بس یونہی ان سے بات کرنے کا جی چاہا تھا طبیعت اداس تھی دل کھنارس کے موڈ میں تھا اور کھنارس تو اس نے ہمیشہ سر سے ہی کی تھی تلاش کے دوران جو چیز اس کے ہاتھ لگی وہ اس کے حواسوں پہ بجلی بن کر گری خاکی لفافے میں وہ اس کی تصویریں تھیں اور ایسی تصویریں جن پہ ایک کے بعد وہ دوسری نگاہ نہیں ڈال سکتی تھی وہ ایک سکتے ایک وحشت کے عالم میں کھڑی خود کو خس خاشاک ہوتا محسوس کر رہی تھی دروازے پہ آہٹ ہوئی اس نے پلٹ کر دیکھا شہریار تھا اسے دیکھ کر نظر انداز کیئے آگے بڑھا اور کارپٹ پہ بکھری تصویروں کو دیکھ کر وہ بھی کم و بیش ایسی ہی تھرا دینے والی سنجیدگی کی زد میں آیا تھا، اگلے ہی لمحے وہ جھپٹنے کے انداز میں جھک کر کارپٹ سے تصویریں اٹھانے لگا۔

"تو اس لیے تم مجھے یہاں لائے تھے کہ تمہیں مجھ سے میری بے خبری کی حالت میں یہ مقصد حاصل کرنا تھا۔" رابیل نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا، جواباً اس کا فلک شگاف قہقہہ کمرے کی فضا میں بکھر گیا گویا یہ ایک اعتراف تھا، اس جرم کا اس زیادتی کا جو وہ اس پہ کر چکا تھا رابیل تو جیسے غم و غصے سے پاگل ہوتی ایک وحشت کے عالم میں اس پہ پل پڑی تھی۔

سنٹرلی ہیٹڈ ہونے کے باوجود روز والی گرماہٹ مفقود تھی، ہلکی ہلکی خنکی اور دھندلا غبار کاریڈور کی نیچی چھت اور ہال میں چکراتا بھر رہا تھا، وہ یونہی بغیر کسی پہ دھیان دیئے خود میں مگن چلتی ہوئی

انٹرس کا گلاس وال کھولتی باہر آ گئی اور گویا باہر آتے ہی موسم کی تندہی وشدت نے اس کا استقبال کیا، ہلکی پھلکی روئی کی مانند اترتی بے آواز بے دم سی برف بڑے آرام وسکون سے ہر شے پہ سفید چادر تانتی جا رہی تھی، اس کے ساتھ یخ برفیلی ہوا چلتوں کے قدم اکھیڑنے کو کافی تھی، اس نے گہرا سانس کھینچ کر برفیلی نم باس کو اندر اتارا اور اپنے بے آواز آنسوؤں کو ہاتھ کی پشت سے صاف کیا سفید روئی اس کے جوگرز کے ساتھ نیچے بیٹھتی جا رہی تھی، ریسٹ ہاؤس سے یہاں تک اس کے قدموں سے دبی برف پہ جوتوں کے نشان ثبت تھے، چہار سو گہرا سناٹا تھا، سوائے ہواؤں کی سرسراہٹوں کے تاحد نگاہ پھیلی برف اوپر پھیلا نیلا آسمان اور نیچے برف کے سرد جہنم میں قید وہ خود اس نے تھکا تھکا سا سانس بھرا اور گھٹنوں کے بل وہیں کھڑے کھڑے گر سی گئی، رکے ہوئے آنسو ایک مرتبہ پھر سے بہہ نکلے۔

''میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی سر داؤد کہ آپ کی وجہ سے شہریار جیسی عفریت مجھ پہ مسلط ہوئی اور میں خود کو کبھی خوش نہیں ہونے دوں گی سر کہ اپنی فضول بے کار انا کی خاطر میں نے دانستہ آپ کو کھو دیا۔'' وہ زار وقطار رو رہی تھی اور جانے کتنی دیر روتی رہی معاً کوئی احساس اسے چونکانے کا باعث بنا تھا ہاتھ کی پشت سے آنسوؤں کی دھند کو رگڑ کر ہٹاتے وہ سرعت سے پلٹی تو شہریار کو دونوں ہاتھ سینے پر باندھے خود سے کچھ فاصلے پہ بہت اطمینان کی کیفیت میں اپنی سمت متوجہ دیکھ کر اس کے دل و دماغ میں جیسے نفرت اڈ آئی تھی۔

''مخل ہونے کی معافی چاہتا ہوں مادام ویسے میں نے آپ کو ڈسٹرب نہیں کیا۔'' وہ کچھ شرارت کچھ طنز اور تمسخر سے کہتا ہاتھ اٹھا کر دفاعی انداز میں بولتے ہوئے آخر میں ہنسا تھا۔

''میں اب بھی تمہیں ڈسٹرب نہیں کروں گا تم جی بھر کے ماتم کر لو، اپنی زندگی برباد ہونے کا یا پھر مسٹر پراؤڈ آئی مین مسٹر پرفیکٹ کو کھونے کا، میں تو اس لئے آیا تھا تمہارے پیچھے یہاں کہ کہیں تم زیادہ ہی صدمے اور جذباتیت میں خودکشی کا نہ سوچ لو، میرے تو مانو لاکھوں کے نقصان کا اندیشہ ہے۔'' رانیل سرخ چہرا لئے ضبط کی شدتوں سمیت نچلا لب کچلتی رہی۔

''آؤ واپس چلیں میں کوشش کروں گا کہ آج ہم واپس جا سکیں، لیکن شاید یہ کوشش صرف کوشش ہی رہے۔'' اس نے ایک نظر تسلسل سے گرتی برف کو دیکھ کر کچھ مایوسی سے کہا، جس انداز میں برف گر رہی تھی لگتا تھا رات تک یونہی پڑنے والی ہے، رانیل نے کوئی تبصرہ کیئے بغیر واپسی کو قدم بڑھا دیئے، اونچے نیچے راستے پہ چلتے وہ دو تین بار پھسلی اور ہر مرتبہ شہریار نے اسے سنبھالنا چاہا تھا، مگر وہ نفرت بھری اکتاہٹ سمیت ہر بار اس کا ہاتھ جھٹک کر اس سے فاصلہ بڑھاتی رہی تھی۔

''اب کسی بات کا غرور ہے میم آپ کو۔'' جب چوتھی مرتبہ بھی شہریار کا ہاتھ اس نے اسی تلخی سمیت جھٹکا تو شہریار جیسے سبکی کے احساس سمیت تلملا کر چیخا تھا۔

''ساری اکڑ نکل جائے گی ابھی تو صرف مجھ تک محدود ہو پھر دیکھنا تمہارا حال کیا۔'' اس کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی رانیل نے سخت طیش کے عالم میں پلٹتے ہی اسے زوردار دھکا دیا تھا، وہ بے خبر تھا اس حملے کے لئے قطعی تیار نہیں تھا، لڑکھڑا کر سنبھلتے سنبھلتے بھی پیچھے کو چت ہو گیا تھا، وہ اس

کے سنبھل کر اٹھنے سے قبل ہی اندھا دھند بھاگتی اس کی نظروں سے اوجھل ہوئی، اب وہ تنہا تھا ہر طرف اڑتی پھرتی برف تھی اور ہوا کی پھنکاریں برستی برف کی تمہید لمحہ بہ لمحہ دبیز ہو رہی تھیں، وہ ہتھیلیوں پہ وجود کا بوجھ ڈالتا سنبھل کر اٹھ گیا۔

''اپنے لئے مشکلات پیدا کر رہی ہو رانیل ڈیئر حالانکہ میں ایسا نہیں چاہتا محبت نہ سہی پسند کے معیار پہ تو پوری اتری تھیں نا تم۔'' وہ بالوں میں اٹکی برف کو جھاڑتا ہوا کمینگی سے مسکرا کر بولا تھا اور ہنستا ہوا واپسی کے راستے پہ ہولیا۔

☆☆☆

زندگی نے ایک دم ہی رخ بدلا تھا، وہ فراز سے نشیب کی طرف اتنی تیزی سے اتنی اچانک لڑھکائی گئی تھی، کہ سنبھلنے کا موقع ہی نہیں مل سکا، وہ پہلے حیران تھی پھر شدید غصے کی زد میں آ گئی تھی اور اب غصے کے ساتھ بے بسی کا احساس تو جیسے اندر روح تک سرایت کر گیا تھا، کوئی ہمدرد تھا نہ غم خوار اور دل تھا کہ درد سے بوجھل ہوا جا رہا تھا، اب تو یہ سوچ بھی نہیں آتی تھی کہ آیا وہ صحیح تھی یا غلط آج تک اس سے یہ فیصلہ ہی نہ پایا تھا، اس نے تو جب بھی سوچا جانبداری سے یا غیر جانبداری سے ہمیشہ فیصلہ اس کے حق میں آیا تھا، ہاں وہ صحیح تھی، تو پھر بھلا سزا کی حق دار وہ کیوں ٹھہرائی گئی، برا سب نے اس ہی کیوں کہا اور جو اصل مجرم تھا وہ کیسے صاف بچ نکلا اور اسے برزخ میں تنہا جلنے کو چھوڑ، انا کا پرچم بلند کیئے چلا گیا تھا، وہ جتنا سوچتی اتنا ہی کڑھتی تھی اور جتنا کڑھتی اس قدر آنسو بہایا کرتی مگر غم تھا بے بسی تھی کہ ڈھل کے نہ دیتی تھی۔

''آہ اُف۔'' یہ سوچوں کی یلغار تھی کہ وہ بے دھیانی میں چھری سے کٹ انگلی پہ لگوا بیٹھتی اور اب تیزی سے ٹپ ٹپ گرتے سرخ سرخ سیال کو سپاٹ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''ارے بھابھی آپ رو رہی ہیں اور اوہ مائی گاڈ، آپ کے ہاتھ پہ یہ کٹ چھری سے لگا ہے۔'' اسے خبر نہیں ہو سکی تھی کب ضوبیا کچن میں آئی تھی، اس کی تشویش گھبراہٹ چھلکاتی آواز پہ اس نے چونکے بغیر انہی سپاٹ منجمد نظروں سے اسے دیکھا تھا اور دوپٹے کے پلو سے انگلی کی پور کو دبا کر خون کے بہاؤ کو روکنے کی کوشش کیئے بغیر پھر سے چھری اٹھالی۔

''بھابھی پلیز کیوں خود اذیتی کا شکار ہو رہی ہیں، ہٹیں میں کر لیتی ہوں۔'' ضوبیا نے آگے بڑھ کر زبردستی اس کے ہاتھ سے چھری لی تھی، اسے اپنی یہ نازک خوبصورت اور مغرور سی کزن ہمیشہ سے ہی بہت پسند رہی تھی، جو ان میں سے کسی کو بھی منہ لگانا پسند نہیں کیا کرتی تھی، مگر پھر اسے پتہ چلا تھا طارق بھائی مومی کو پسند کرنے لگے ہیں تو اس نے تصور کی آنکھ سے دونوں کو ساتھ کھڑے کر کے دیکھا تھا اور یہ جوڑا اسے اتنا پرفیکٹ اتنا شاندار اور دل کو اچھا لگا تھا کہ وہ چپکے چپکے دونوں کے ایک ہونے کی دعا کرنے لگی تھی، یہ دعا قبول تو ہوئی تھی مگر اس طرح کی کوئی بھی ڈھنگ سے خوش نہیں ہو پایا تھا، خود اس کا وہ پیارا سا بھائی بھی نہیں، یہ سب باتیں چاہتے نا چاہتے ہوئے بھی اس تک پہنچ گئی تھی اور وہ معدوم سی خوشی جیسے اپنی موت آپ ہی مر گئی، اسے ماہ نور پہ کبھی غصہ نہیں آیا تھا، اس ساری کہانی میں اسے سب سے بے بس اور مظلوم کردار ماہ نور کا ہی لگا تھا، جبھی اسے سب سے زیادہ ہمدردی بھی ماہ نور سے ہی محسوس ہوا کرتی تھی۔

"اس ہمدردی کا بہت شکریہ لیکن مجھے اپنے بوجھ خود اٹھانے کی عادت ہے۔" ماہ نور نے ایک درشت نگاہ اس پہ ڈال کر سخت اور کاٹ دار لہجے میں کہا تھا، ضویا ایک پل کو چپ کی چپ رہ گئی۔

"مگر یہ صرف آپ کا تو بوجھ نہیں ہے بھابھی گھر کے کام ہماری بھی ذمہ داری ہے آپ پھر کیوں ملازمہ کی طرح جتی رہیں۔" ضویا نے براہ راست ماں کو تو مورد الزام نہیں ٹھہرایا کہ کچھ بھی تھا بہر حال وہ واضح الفاظ میں یہ کہہ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ میری ماں کی زیادتی ہے مگر اس کی انصاف پسند طبیعت اس کھلے ظلم پہ خاموشی کی ردا بھی اوڑھ بیٹھنے کی ہرگز قائل نہیں تھی۔

"ایک بات کہوں ضویا۔" ماہ نور نے پیاز کاٹنا موقوف کرتے ہوئے ایک نظر اسے دیکھ کر اجنبی اکھڑے اور کھردرے لہجے میں کہا تھا، مگر اس کے باوجود ضویا کھل اٹھی تھی۔

"جی ضرور، براہ کرم مجھے آئندہ بھابھی مت کہنا۔" اور ضویا کے اندر جیسے یکلخت گہری خاموشی اتر آئی اس نے بہت شاکی نظروں سے ماہ نور کے سپاٹ چہرے کو دیکھا تھا اور ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

"میرے بھابھی نہ کہنے سے یہ رشتہ اپنی اہمیت اور مضبوطی ختم نہیں کر دے گا اینی وے عمروں کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو تم مجھ سے بھی ایک دو سال چھوٹی ہی ہو مگر اس جذبے شوق کا کیا کیا جاتا جو بھائی جان کے ساتھ میرے دل میں بھی بہت خوشی سے پیدا ہوا تھا خیر رشتے اور احساس تو دل کی رضا و رغبت سے مربوط ہوتے ہیں، اگر تم نہیں چاہتیں تو یونہی سہی میں اس وقت کا انتظار کر لوں گی جب تمہیں یہ رشتہ سہنا اور برتنا ناگوار نہ رہے، لاؤ اب یہ مجھے دیے دو سالن میں بنا لیتی ہوں۔" اس نے بہت یاسیت بھرے انداز میں کہتے کہتے آخر میں دوستانہ قسم کی بے تکلفی سمیت چھری اس کے ہاتھ سے لینا چاہی۔

"نہیں ضویا میں نے کہا نا۔"

"ہاں ہاں کہا نا اس نے کہ اسے کام کرنے دو تمہیں کیوں ہمدردی کے مروڑ اٹھ رہے ہیں، اتنے نخرے کس بات کے اونہہ چوری کے ساتھ سینہ زوری بھی جانے ماں بیٹی نے کیسے کیسے تعویذ گنڈے کرا کرا کے میرے بیٹے کی عقل ضبط کر لی دیوانہ ہی ہو گیا اب مقصد نکل گیا ہے تو بن رہی ہے، مگر مجھے بھی یہ جانتی نہیں ہیں ایسے ناکوں چنے چبواؤں گی کہ ساری چونچالی نکل جائے گی۔" تائی اماں نے اندر آتے ہوئے بس وہ آخری بات ہی سنی تھی اور اسی کو لے کر ایک طوفان کھڑا کر دیا تھا، ضویا نے بے بس سے انداز میں لب بھینچے کھڑی ماہ نور کو دیکھا اور ایک جھٹکے سے پلٹ کر باہر نکلتی چلی گئی۔

☆☆☆

"کیا ہو رہا ہے۔" نگین نے چائے کا بڑے سائز کا بھاپ اڑاتا مگ لا کر وقاص کے نزدیک ٹیبل پہ رکھا اور اس کی کرسی کی پشت پہ رک کر کمپیوٹر اسکرین کو دیکھنے لگی، چند دوستوں کی میلز آئی ہوئی تھیں، جنھیں کئی دنوں سے تغافل برت رہا تھا، مگر لحاظ اور مروت بھی کس چڑیا کا نام ہے، لبوں پہ شرارتی مسکان لئے وہ چائے کا کپ اٹھاتا اس کی سمت متوجہ ہوا تو نگین بھی مسکرا دی تھی۔

"ماموں کہاں ہیں؟" اس نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے یونہی پوچھ لیا، مگر نگین تو اس سوال پہ سلگ اٹھی تھی، تروٹھے پن سے بولی۔

"کہاں ہو سکتے ہیں، کسی گوری کی زلفوں کی چھاؤں میں تو ہرگز نہیں۔"

"آپ میرے نیک شریف پارسا ماموں پہ شک کر رہی ہیں۔" وہ ہنوز شرارت کے موڈ میں تھا، مگر نگین بری طرح جھینپی تھی اور یہی جھینپ مٹانے کو اس کے کاندھے پہ ایک عدد مکا رسید کیا تھا۔

"شرم تو نہیں آتی میں کب شک کر رہی ہوں، انداز تو کچھ ایسا ہی تھا میں سمجھا، بس کرو فضول کی باتیں۔" نگین ابھی تک خفت زدہ تھی۔

"مامی، کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کرتا ہوا وہ نگین کو ایک دم بہت سنجیدہ محسوس ہونے لگا، ہوں اس کی توجہ مکمل طور پہ اس کی جانب تھی۔

"آپ سے ایک کام کہا تھا یاد ہے یا بھول گئے، اگر بھول گیا ہے تو پلیز یہ ضرور یاد رکھیئے گا کہ یہ کسی کی عمر بھر کی خوشی کا سوال ہے۔" نگین کا چہرہ ایک دم متغیر ہوا تھا تو ہاتھ میں موجود چائے کے مگ پہ اس کی گرفت آپ ہی آپ سخت ہو گئی، اس نے بے اختیار نظریں چرائی تھیں۔

"آپ اگر مجھے ماموں کی طرح جینئس سمجھے بیٹھی ہیں تو اس غلط فہمی کو میں دور کیئے دیتا ہوں سوری میں اتنا جینئس نہیں ہوں کہ خاموشی سے مطلب اخذ کروں اور چہرے کے تاثرات سے ماخذ جان لو، سو پلیز۔" مگ واپس رکھتا وہ ہاتھوں کے پیالے میں چہرا لئے مسکراتی نظروں سے دیکھتا ہوا اس فریش اور کھنکتے لہجے میں گویا تھا اور نگین سوچ رہی تھی، کیا اگر جو اسے اصل بات پتہ چل جائے تو یہ مسکراہٹ یہ لہجے کی کھنک اور چہرے کی بشاشت پھر بھی اس کے ساتھ رہے گی۔

"مامی!" وہ چڑ سا گیا تھا خاموشی کے اس طویل وقفے سے جبھی چیخنے کے انداز میں احتجاج کر گیا۔

"اتنی جلدی بھی کیا ہے وقاص ابھی تو تمہاری تعلیم بھی مکمل نہیں ہوئی۔" اسے سمجھ نہیں آئی تھی کیا کہے مگر کچھ تو کہنا تھا یہی سہی۔

"جلدی مجھے تو نہیں ہے مگر ہو سکتا ہے محترمہ کے پیرنٹس کو ہو اتنی خوبصورت لڑکی کا اتنے عرصے تک یونہی رہنا ناممکن بات ہے اور میں اسی بات سے ڈرتا ہوں۔" وہ خدشہ ظاہر کر رہا تھا اور نگین پریشانی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"آر یو آل رائیٹ مامی۔" وہ قدرے تشویش میں گھر کر بولا۔

"آں ہاں ہاں۔" وہ بری طرح چونکی اور خود کو سر جھٹک کر سنبھالا۔

"تو پھر صم بکم کیوں ہو گئی ہیں۔"

"نہیں تو میں تمہارے ماموں سے بات کروں گی ڈونٹ وری۔" وہ اسے تسلی سے نواز کر خود تیز تیز قدموں سے چلتی باہر آ گئی مگر ایک پریشانی ایک گھبراہٹ ہنوز اس کے ساتھ تھی۔

☆☆☆

اس نے کاندھے سے ڈھلکتی شال کو ایک ہاتھ سے سنبھال اور دوسرے سے چہرے پہ آئے بالوں کو، اس کے سامنے ٹیبل پہ کافی کا مگ رکھا تھا جو ٹھنڈا ہونے پہ بالائی کی موٹی تہہ سطح پہ جما چکا تھا اور گلاس وال کے پار تا حد نگاہ پھیلی برف کے فرش پہ سورج کی سنہری شعاعوں کی چاندی بکھر رہی تھی، آج کتنے دنوں بعد دھوپ نکلی تھی واپسی کی کچھ امید بھی بندھی تھی شہریار تو فوراً متحرک ہو گیا

تھا، جبکہ وہ یہاں آ بیٹھی تھی، لوگ جو سنو فالنگ سے اکتا چکے تھے اس نئی نویلی اور شرمیلی سی دھوپ کو دیکھ کر جیسے مست ہو کر اس کا والہانہ استقبال کرنے کو باہر نکل آئے تھے، سفید برف پہ رنگین پراہن پہنے بچے بوڑھے جوان ہر طرح کے ذی روح اپنی اپنی دلچسپی میں مگن تھے یہ نظارہ بھی خوب تھا، مگر وہ اس دل کا کیا کرتی جو کسی بھی حال میں خوش رہنے پہ آمادہ نہیں ہوتا تھا، بے زاری اکتاہٹ اور بے چینی زندگی بس انہی کے حصار میں گھر کر رہ گئی تھی، وہ کچھ دیر مزید غیر دلچسپ نظروں سے یہ سب دیکھتی رہی پھر جب طبیعت بھی بوجھل ہونے لگی تو اٹھ کر اپنے روم میں آ گئی دوا لی اور بستر پہ دراز ہو گئی، پھر اس کی آنکھ اسی وقت کھلی تھی جب شہریار نے آ کر اسے زبردستی جگایا۔

''کیا تکلیف ہے سونے دو مجھے میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' وہ بغیر کسی لحاظ کے تڑخ کر بولی تھی اور اس سے اپنا بازو چھڑا کر کروٹ بدلنا چاہی، مگر وہ شہریار تھا، اپنی منوانے والا اسے نہ صرف زبردستی بستر سے گھسیٹا بلکہ یونہی اپنے بازو کے حلقے میں لئے ساتھ کھینچتا ہوا جب دروازے سے نکل کر لابی میں بھی یونہی ساتھ لگائے آگے بڑھتا رہا تو رابیل ایکدم جھنجلائی تھی۔

''شہریار پلیز چھوڑ دو مجھے چل رہی ہوں میں تمہارے ساتھ۔'' سامنے سے آتے ویٹر کو دیکھ کر وہ اتنی شرمندہ ہوئی تھی کہ بے بسی کے احساس سمیت روہانسی ہی ہو گئی۔

''یہ ہوئی نا بات اگر تم میری بات ضد کیئے بغیر مان جاؤ جانو تو مجھے کیا پڑی ہے یہ خالصتاً فلمی سین لوگوں کو دکھانے کی۔'' وہ اس کی سرخ پڑی رنگت اور ویٹر کی مسکراہٹ دیکھ کر محظوظ ہوتا ہوا بے شرمی سے ہنس کر بولا تھا، رابیل کا سرخ چہرہ کچھ اور بھی سرخ ہوا تھا اور یہ سرخی یہ خفت یہ ناراضگی اس پہ اتنی اچھی لگ رہی تھی اتنی پیاری کہ شہریار جیسے مگن لاپرواہ اور کٹھور شخص نے بھی بہت ٹھٹھک کر اس کا یہ شرمیلا کترایا لجایا سا روپ دیکھا تھا اور دیکھتا رہ گیا تھا۔

''اب چلو نا کیا یہاں کھڑے ہو کر اس طرح گھورنے کے لئے لائے تھے۔'' وہ اس کی نظروں کی تپش اور گہرائی پہ جزبز ہو کر سخت بدمزگی سے بولی تھی، شہریار نے چونکتے ہوئے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا۔

''کیا میں اسے بھول پاؤں گا اور کیا میں اسے چھوڑ پاؤں گا۔'' وہ اس کے ساتھ چلتا ڈسٹرب سا خود سے سوال کر رہا تھا۔

''اور مجھے کیا ہو رہا ہے میں کیا اس میں انوالو ہو رہا ہوں۔'' وہ اچانک مضطرب ہوا تھا۔

''اُف شہریار تم خود تو پاگل ہو ہی مجھے بھی پاگل کرو گے، ہے کیا یہاں سوائے اندھیرے دھند سردی اور ہواؤں کے۔'' وہ باہر آتے ہی چلائی تھی، انداز سخت احتجاجی قسم کا تھا، برفیلی ہواؤں کے تند و تیز جھونکے ہڈیوں میں گودا جما رہے تھے، اس پہ چاروں طرف منڈلاتی گہری سرمئی دھند غبار کی طرح پھیلی ہوئی تھی کچھ اس طرح کہ ایک فٹ تو کیا ایک ہاتھ سے آگے بھی کچھ دکھائی نہ دیتا تھا، شہریار نے رک کر ایک نظر خود سے کچھ فاصلے پہ ٹھٹھرتی کانپتی اسی بے انتہا حسین لڑکی کو دیکھا جو دل کے بے حد نزدیک محسوس ہوئی تھی اور ایک دم اسے اپنے بازوؤں کے آہنی شکنجے میں جکڑ کر بے بس کر دیا۔

''ہاں میں پاگل ہوں تمہاری محبت میں اور تمہیں بھی پاگل کر دینا چاہتا ہوں اپنی محبت اپنے عشق میں ہو جاؤ نا میرے لئے پاگل۔'' اس کے لہجے میں جو جنون خیزی تھی اور لمس میں جو شدت تھی، اس نے رابیل کو ناگواری کے ساتھ کراہئیت کے احساس سے بھی دوچار کیا تھا، اس نے دانت بھینچ کر گویا پھیپھڑوں کی پوری قوت صرف کرتے ہوئے اسے پیچھے کی جانب دھکا دیا تھا اور دو قدم پیچھے ہٹ کر اپنی ناہموار بے ترتیب سانسوں کو سنبھالتے ہوئے چیختے ہوئے لہجے میں چیخی تھی۔

''یہ جنون یہ پاگل پن تمہیں ہی مبارک ہو مجھ سے آئندہ ایسی فضول بات مت کرنا۔''

''اوہ سوری میں تو بھول ہی گیا تھا کہ تم تو یہ کام آل ریڈی کر چکی ہو ہے نا۔'' شہریار کے جیسے مردانہ انا پہ کاری ضرب لگی تھی، نفرت کے احساس اور شرمندگی کے جذبے سے مغلوب ہو کر سرد لہجے میں پھنکارا تو رابیل نے نفرت زدہ پھنکارتی نگاہ اس پہ ڈالی تھی اور سرعت سے پلٹ کر بھاگنے کے انداز میں کمرے میں چلی گئی شہریار کچھ دیر وہیں کھڑا جلتا اور سلگتا رہا جب واپس آیا تو کمرے کی پرسکون نرم گرم فضا میں اسے نہ پا کر ایک دم حراساں ہوا تھا۔

''بیبہ۔'' وہ بے اختیار چلایا تھا معاً اسے واش روم کے ادھ کھلے دروازے سے رابیل کی سرخ اور میرون شال کا پلو لہراتا نظر آیا تو لپک کر وہاں آیا تھا رابیل واش بیسن پہ جھکی الٹیاں کر رہی تھی، وہ پل کے پل سخت بے زار نظر آنے لگا۔

''کہا بھی تھا اس مصیبت سے جان چھڑا لو مگر تم۔'' وہ نڈھال سی تولیے سے گیلا چہرا اور منہ خشک کرتی ہوئی واش روم سے باہر آئی تو شہریار نے تلخی سے کہا تھا اور اسے سہارا دینے کے لئے جیسے ہی اس کے کاندھوں پہ بازو پھیلایا رابیل نے اس کمزوری و نقاہت کے باوجود بہت برہمی سمیت اس کا بازو جھٹکا تھا، شہریار کو جیسے کسی نے کوڑا مارا تھا، اس نے ایک دم بہت برہمی بہت تختی سمیت رابیل کو کلائی سے پکڑا تھا اور ایک ہی جھٹکے میں اپنے برابر کھینچ لیا۔

''ست مجھے طیش دلاؤ بیبہ ڈارلنگ ایسا نہ ہو کہ اپنا ہی نقصان کر بیٹھو۔'' اس کی ہراس سے بھیلی نگاہوں میں اپنی سرد نظریں گاڑھتے ہوئے وہ اتنے سفاک لہجے میں بولا تھا کہ رابیل کے پورے وجود میں سنسنی دوڑ گئی، وہ ایکدم ڈھیلی پڑی تھی۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے شہریار فار گاڈ سیک مجھے پہ رحم کرو۔''

''ہاں تم آرام کرو مجھے بھی ضروری کام ہے موسم کے تیور ٹھیک نہیں ہیں ہمیں بائی روڈ سفر کرنا پڑے گا اب مزید یہاں نہیں رکا جا سکتا۔'' اسے تھام کر بیڈ پر لٹاتے اور پھر اس پہ کمبل اوڑھاتے ہوئے وہ کسی سوچ میں گم ہوتا ہوا بولا، رابیل نے سر تکیئے پہ رکھتے ہی آنکھیں موند لیں تھیں اس کے سر میں دھماکے سے ہو رہے تھے، تو آنکھیں جلنے لگی تھیں، دل پہ ایک رقت سی طاری تھی، ایک احتجاجی شکایت پورے وجود میں جیسے سسکیاں بھرتی پھر رہی تھی، ان سب کفیات سے نجات کا فقط ایک راستہ تھا وہ تھی بے خبری وہ سونا چاہ رہی تھی۔

☆☆☆

یہ شدید ٹینشن تھی یا پھر دماغ کی کھولن اور بے بسی کام کی تھکان یا اپنی ہار کا احساس ذلت کی مار یا پھر کسی بہت خیال رکھنے والے بہت اپنے کا یوں ایک دم سے ساتھ چھوڑ دینے کا روہانسا احساس کہ وہ بخار میں مبتلا ہو گئی تھی، جب وہ معمول کے مطابق کمرے سے نہیں نکلی تو ضوبیا نے کسی قدر سکون کا سانس بھرا تھا ورنہ جس طرح وہ سارا دن کولہو کے بیل کی طرح کام کرتی تھی ضوبیا کو تو لگنے لگا تھا وہ خود سے کوئی انتقام ہی لے رہی ہے اماں کو خبر نہ ہو وہ کوئی ہنگامہ نہ کریں کہ بدمزگی ہو

اسی خوف سے اس نے وہ سارے کام خود نپٹائے تھے جو ماہ نور نے پچھلے ایک ماہ سے اپنے ذمے لے رکھے تھے، مگر جب دوپہر کے بعد شام کو بھی نہ اس کے کمرے کا دروازہ کھلا نہ وہ خود باہر آئی تو ضویا کو پریشانی لاحق ہوئی تھی، یہ بھی شکر تھا کہ اماں دادو کے ساتھ خالہ عزیزہ کے ہاں گئی تھیں کہ آج سرمد کی شادی کی تاریخ طے ہو رہی تھی اور ابھی تک واپسی نہیں ہوئی تھی ورنہ اور کچھ وہ کریں نہ کریں ماہ نور کی ہر حرکت پہ نظر تو ضرور ہی رکھتی تھیں اور غلطی نہ بھی بھلے ہوتی اسے رگیدنا اسے لتاڑنا اور پھر دل کی بھڑاس نکالنا ان کا سب سے دل پسند مشغلہ تھا، دروازے پہ دستک دے کر اس نے اندر جھانکا تو کمرہ نیم تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، رات کی بے ترتیبی ہنوز تھی اور وہ خود صوفے میں دھنسی گویا خود سے بھی بے خبر تھی، ضویا کو پھر بھی سمجھ نہیں آئی کہ غیر معمولی صورتحال ہو سکتی ہے، جبھی وہ اسے پکارتی ہوئی آگے بڑھی تھی، مگر جب اس کے وجود میں کوئی تحریک پیدا نہ ہوئی تب اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کی آنکھوں پہ دھری کلائی ہٹانا چاہی تھی اور اگلے ہی پل بے پناہ تشویش میں مبتلا ہوتی اسے جھنجھوڑ کر پکارنے لگی تھی۔

''ماہا نور...... ماہ نور، او مائی گاڈ تمہیں اتنا شدید بخار ہے اور تم یہاں صوفے پہ لیٹی ہوئی ہو، کمرے سے باہر نہیں نکلی تو میں سمجھی ہی نہیں۔'' اس کی بے تحاشا سرخ آنکھوں میں دیکھتی ضویا نے گھبرا کر کہا تھا۔

''کب سے ہے بخار کچھ کھایا کہاں ہوگا، اٹھو بیڈ پہ چلو میں فاروق بھائی کو دیکھتی ہوں اگر آ گئے ہوئے تو بلا لاتی ہوں، ویسے حد ہے ماہ نور تم سے کیوں سزا دے رہی ہو خود کو۔'' ضویا کچھ دکھ کچھ ناراضگی اور کچھ خفت سے کہتی جو اسے اپنی لاپرواہی برتنے پہ محسوس ہوئی تھی پلٹی۔

''ضویا رہنے دو۔''

''کیا؟'' ضویا نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

''فاروق بھائی کو یہاں مت بلا کر لانا پلیز۔'' وہ جس طرح نظریں چرا کر بولی تھی اس کی بات کا مفہوم ضویا اچھی طرح سمجھی اور جی بھر کے شرمندہ ہو گئی۔

''تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے ماہ نور اور اب ایسی بھی بات نہیں کہ اتنی معمولی بات پہ۔''

''ضویا میں کہہ رہی ہوں نا، مجھے کوئی نیا تماشا نہیں لگوانا، معمولی ٹمپریچر ہے مر نہیں جاؤں گی اس سے بے فکر رہو بہت سخت جان ہوں۔'' اٹھ کر بیٹھتے ہوئے وہ بالوں کو سمیٹتے ہوئے بھرپور تلخی سے بولی تھی۔

''اماں گھر پہ نہیں ہیں، دوسری بات یہ کہ میں بھائی کو کمرے میں نہیں لاتی تم خود باہر آ کے۔''

''ضویا!'' وہ درشتگی سمیت ٹوک گئی تھی، ضویا نے کچھ دیر لب بھینچ کر اسے دیکھا تھا پھر پلٹ کر باہر نکل گئی، ماہ نو نے درد سے پھٹتے ہوئے سر کو دونوں ہاتھوں سے دبایا تھا اور بخار کی حدتوں سے جلتی آنکھیں موند لیں۔

''یہ لو پہلے کچھ کھا لو پھر دوا لے لینا۔'' آواز پہ اس نے نا چاہتے ہوئے بھی آنکھیں کھولی تھیں، ضویا ٹرے میں سنکے ہوئے سلائس ہاف فرائی انڈا اور چائے کا بڑا مگ لئے کھڑی تھی، وہ نا چاہتے ہوئے بھی ممنون ہوئی تھی اور آنکھوں میں بھرتی نمی سمیت اسے دیکھا۔

''اس طرح لڑے بغیر ہر محاذ پہ اپنی شکست تسلیم کرو گی تو دنیا چیونٹی کی طرح پیروں تلے روند

کر تاسف کی ایک نگاہ بھی نہیں ڈالے گی تم یہ اپنا حق وصولنا سیکھو۔'' وہ اس کی آنکھوں میں بھرتے آنسوؤں کو دیکھ کر آہستگی سے کہتی پلٹ گئی۔

''بھائی آپ کے سیل فون میں کریڈٹ تو ہوگا۔'' وہ باہر آئی تو فاروق کو ٹی وی کے آگے جمے دیکھ کر کسی خیال کے تحت بولی تھی۔

''ہاں غالباً۔'' فاروق نے ایک نظر اسے دیکھ کر جینز کی جیب سے سیل فون نکال کر اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔

''تھینک یو بھائی۔'' وہ ممنونیت و تشکر سے کہتی اپنے کمرے میں آ گئی، نمبر پش کیئے اور فون کان سے لگا لیا، تین چار مرتبہ بیل ہونے کے بعد کال ریسو کر لی گئی۔

''ہاں فاروق بولو۔'' طارق شیرازی کی بھاری دلکش مگر مصروف سی آواز اس کی سماعتوں میں اتری تھی۔

''بھائی یہ میں ہوں۔'' اس نے سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے آہستگی سے کہا، تو دوسری سمت وہ جیسے بری طرح چونکا تھا۔

''کون ضویا خیریت۔'' اور وہ زہر خند سے مسکرائی تھی۔

''تو آپ کو پتہ ہے بھائی کہ میں خیریت کے اوقات میں آپ کو کال نہیں کر سکتی۔'' طارق شیرازی جیسے گڑبڑایا تھا۔

''ضویا کیا ہو گیا ہے بھئی تمہیں میں پوچھ رہا ہوں خیریت ہے۔''

''جی بالکل ہر لحاظ سے مگر ایک طرف کے سوا اور ادھر کی شاید آپ کو پرواہ بھی نہیں ہے اب میں سمجھی یہ محبت دجت کی بجائے واقعی انا اور مردانگی کا ہی مسئلہ تھا۔'' وہ جواباً گہرے طنز سے وار پہ وار کرتی چلی گئی۔

''کیا فضول میں میرا سر کھانے کو فون کیا تھا۔'' طارق شیرازی نے جیسے اپنا غصہ دبایا تھا۔

''بھائی آپ کو نہیں لگتا آپ اس کے ساتھ زیادتی در زیادتی کا سلسلہ شروع کر چکے ہیں۔'' وہ روہانسی ہو گئی تھی بے بسی کی انتہاؤں کو چھوتے کسی قدر غصے سے بولی، دوسری طرف یکلخت خاموشی چھا گئی، ایک پل کو تو اسے ایسا لگا رابطہ ہی منقطع ہو گیا ہے جبھی وہ بوکھلا کر پکاری تھی۔

''بھائی!''

''گویا تمہیں ہمدرد بنایا ہے۔'' لہجے میں غصے اور طنز کی بجائے نرم سی پھوار تھی اطمینان کی، ضویا کو اس کی خوش فہمی پہ ہنسی آئی۔

''وہ مر جائے گی بھائی مگر یہ نہیں کرے گی، شدید بخار ہے دوا تک نہیں لے رہی حالانکہ میں نے فاروق بھائی کو بلا کر چیک کروانا چاہا تھا مگر اس نے منع کر دیا اور صحیح ہی تو کیا ہے، اماں دیکھ لیتی تو غضب ہو جانا تھا، خوامخواہ بیچارے فاروق بھائی کو بھی رگڑا لگ جاتا، تم اس کا خیال رکھو ضویا پلیز۔''

''بھائی یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔'' وہ اچھی خاصی تپی تھی۔

''یہ اثر تھا موصوف پہ ساری جاں کا ہی کا، یہ ذمہ داری آ کے یہ احسن طریقے سے نبھاؤں گا ڈیئر سسٹر جب تک کے لئے تو تم مجھے یہ اطمینان دو۔'' وہ یقیناً دوسری سمت مسکرایا تھا۔

"اس کے لئے آپ کو سفارش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے چڑ کر کہا اور رابطہ منقطع کر دیا اب اس کے چہرے پہ اطمینان تھا سیل ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر وہ مسکرائی تھی۔

☆☆☆

اس کی طبیعت بجائے سنبھلنے کے مزید خراب ہو گئی تھی، جس وقت طارق شیرازی نے بیڈ روم میں قدم رکھا وہ بیڈ پہ کمبل کے اوپر رضائی اوڑھے بے خبر تھی، گلابی چہرا بخار کی حدت سے سرخ ہو کر دہک رہا تھا، اس نے سب سے پہلے فاروق کو کال کر کے گھر بلوایا تھا، جس نے چیک اپ کے بعد کچھ دوائیں اس وقت دے دی تھیں۔

"بھائی یہ ابھی بھابھی کو کچھ کھلانے کے بعد دے دیں اور ضویا تم جاؤ پہلے بھابھی کے لئے ہلکی پھلکی غذا کا انتظام کرو۔" اس نے سائیڈ پہ کھڑی ضویا کو رخصت کیا تھا۔

"بخار تیز تو ہے بھائی مگر پریشانی کی بات نہیں ہے غالباً شدید ٹینشن کے ساتھ ساتھ انہوں نے ڈائیٹ سے بھی اچھی خاصی لاپرواہی برتی ہے اب خیال رکھنا پڑے گا، یہ کچھ دوائیاں ہیں میں ابھی فارمیسی سے لے آتا ہوں۔" بیگ بند کرتے ہوئے وہ اٹھتا ہوا بولا تھا، طارق شیرازی جو بہت گم صم سا بیٹھا ماہ نور کے خشک پپڑی زدہ ہونٹوں کو دیکھ رہا تھا ایک خالی خالی نظر اسے دیکھ کر چپ ہی رہا۔

"بھائی میرا آپ کو مشورہ ہے کہ بھابھی کو یہاں مت چھوڑیں جس قسم کے حالات میں یہ سب ہوا ہے ان کا یہاں رہنا وہ بھی آپ کے بغیر کسی طور بھی مناسب نہیں تھا، میں تو حیران ہوں کہ آپ نے یہ سب جانتے ہوئے بھی۔" معاً وہ طارق شیرازی کے بھینچتے ہوئے لبوں کو دیکھتا بات ادھوری چھوڑ کر گہرا سانس کھینچتے ہوئے پلٹا تھا اور باہر نکل گیا تھا، وہ اس وقت چونکا جب اس نے ماہ نور کی کراہوں اور بڑبڑاہٹوں کو سنا تھا، وہ اسی اضطرابی کیفیت کے زیر اثر اٹھ کر اس کے قریب آیا تھا، یہ تھی اس کی محبت کیوں اتنا سیلفش ہو گیا تھا وہ آخر کہ بس جیتنے پانے اور حاصل کرنے کے ہی چکر میں رہا اور اس کے احساسات کی پرواہ ہی نہیں کی، آخر وہ بھی تو انسان تھا۔

"مما...... ماما میں مر رہی ہوں مما، میرے پاس آ جائیں مجھ سے بات تو کریں نا۔" وہ ایک بار پھر اسی بے خبری اور مدہوشی کی کیفیت میں بڑبڑائی تھی۔

"موموآنکھیں کھولو کیا ہو گیا ہے تمہیں۔" وہ بے اختیار اس پہ جھکا تھا اور اسے بازوؤں کے گھیرے میں لے کر اپنی آغوش میں سمیٹ لیا، وہ دل ربا دلنشین چہرا کتنا نزدیک تھا اس کے جس کے قرب کی اس نے بارہا خواہش کی تھی، دل مچل سا گیا تھا وہ کچھ اور جھکا تھا اور اس کی دہکتی پیشانی پہ ہونٹ رکھ دیئے تھے، اس پل ماہ نور نے آنکھیں کھولیں تھیں، سرخ بھیگی اور پہچان سے عاری خالی خالی سی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"پ...... پانی۔" ایک کراہ سی اس کے لبوں سے نکلی تھی، طارق شیرازی نے گردن موڑ کر سائیڈ ٹیبل کی جانب نگاہ کی ٹرے میں جگ اور گلاس رکھے تھے، اس نے ماہ نور کو ایک بازو کے حلقے میں سنبھالا اور دوسرے سے گلاس میں پانی انڈھیلا تھا، اس دوران ماہ نور پھر سے بے سدھ ہو گئی تھی۔

"ماہا اٹھو یار پانی تو پی لو۔" اس نے اپنے بازو کے سہارے بے دم پڑی ماہ نور کو ذرا سا اونچا کرتے ہوئے پانی کا گلاس اس کے لبوں سے لگایا تھا، اس کے اندر تو آگ بھڑک رہی تھی، غٹا غٹ سارا گلاس خالی کر گئی۔

"اور دوں۔" وہ گلاس ہٹاتے ہوئے پوچھنے لگا، ماہ نور نے ذرا سی آنکھیں کھولیں تو خود کو اس کے بازو کے گھیرے میں اسی کے سینے پہ سر رکھے لیٹے پا کر اسے گویا دھچکا لگا تھا، اگلے ہی لمحے وہ کرنٹ کھا کر اس سے دور ہٹنا چاہتی تھی، جب طارق شیرازی نے موڈ میں آتے ہوئے ایک دم اس کے نازک کومل خوشبو دار سراپے کو اپنے بازوؤں کے حصار میں مقید کر لیا تھا اور اس پہ جھک کر گنگنانے لگا۔

جنوں سے گزرنے کو جی چاہتا ہے
ہنسی ضبط کرنے کو جی چاہتا ہے
وہ ہم سے خفا ہیں ہم ان سے خفا ہیں
مگر بات کرنے کو جی چاہتا ہے

ایک پل کو تو ماہ نور اس کی اس درجہ جرأت اور استحقاق پہ حق دق ہوئی تھی مگر اگلے ہی لمحے بھرپور مزاحمت کرتی اس کی گرفت سے نکلنے کو مچل گئی تھی مگر کچھ تو بخار کی نقاہت تھی کچھ یوں بھی بھلا کہاں وہ دھان پان سی بے بس لڑکی کہاں وہ لوہے اور فولاد سے بنا ہوا مضبوط آہنی سراپا کچھ راہ نجات نہ پا کر اس نے نفرت بے بسی اور احتجاج کی انتہائی حدوں کو چھوتے ہوئے جھک کر اس کی کلائی میں دانت گاڑھے تھے۔

ہے حدت سے بے رنگ نقش محبت
کوئی رنگ بھرنے کو جی چاہتا ہے

اس پہ جیسے مطلق اثر نہ ہوا تھا، ماہ نور یہ وار بھی خالی جاتا دیکھ کر جیسے طیش غیض اور برہمی سمیت آپے سے باہر ہو گئی اس پہ مہا ستم اس کی یہ گنگناہٹیں، اس نے آؤ تاؤ دیکھے بغیر اپنے لمبے ناخنوں سے اسے بے دردی سے نوچ کھسوٹ ڈالا تھا۔

"چھوڑ دو مجھے ورنہ میں تمہارا حشر بگاڑ دوں گی۔" وہ اس کے کاندھے پہ اپنا سر زور زور سے مارتے ہوئے چیخی تھی۔

"ہائے۔" اس نے عاشقانہ سی کراہ بلند کی تھی۔

خفا مژدہ زندگی لے کے آئے
کچھ اس طرح مرنے کو جی چاہتا ہے

"بصد شوق بیگم صاحبہ آپ اپنا تیغ آزمائیں ہم اپنا جگر پیش کرتے رہیں گے، سمجھ لیں گے محاذ پہ ہیں جہاد کر رہے ہیں۔" وہ اسے چھوڑ چکا تھا مگر شرارت کا انداز ہنوز تھا، ماہ نور نے دھونکنی کی مانند چلتی سانسوں سمیت بھسم کرتی نظروں سے اسے دیکھا تھا اور اپنا اس کشمکش میں گر جانے والا دوپٹہ اٹھا کر شانوں پہ پھیلاتے سر جھٹکتے ہوئے جیسے ہی بیڈ سے اترنا چاہا، طارق نے بے اختیار اس کے ہاتھ پہ اپنا بھاری ہاتھ رکھا تھا۔

"ٹیک اٹ ایزی مومو، میں چھیڑ رہا تھا تمہیں، لیٹ جاؤ آرام سے۔" کھلا کھلا روشن چہرا اور [illegible]نی سیاہ گہری خوبصورت آنکھیں، وہ کتنا مطمئن کس درجہ سرشار سا نظر آ رہا تھا، ماہ نور نے

زہریلی نظروں سے اسے دیکھا اور نفرت تنفر سمیت اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔
''مائی فٹ، تم اس بیڈ کی بات کرتے ہو، میرا بس چلے تو تمہارے ساتھ اس کمرے اس گھر اور اس دنیا میں بھی رہنا بھی گوارا نہ کروں۔'' وہ اس درجہ نفرت اس قدر تلخی سے بولی تھی کہ ایک پل کو طارق جیسے منجمد سا ہو کر رہ گیا۔
''تمہارا دماغ ابھی تک خراب ہے۔'' وہ اس حیرت سے نکل کر سرد غراہٹ زدہ لہجے میں بولا تھا۔
''کیوں اب کیا ہو گیا ایسا کہ میرا دماغ درست ہو جائے۔'' وہ طنز سے پھنکار کر بولی تھی، اس سے پہلے کہ طارق جواب میں کچھ کہتا ضویا ٹرے سمیت ناک کرتی اندر چلی آئی۔
''بھائی آپ کے لئے صرف چائے ہی لائی ہوں کھانا کھائیں گے۔'' وہ ٹرے ماہ نور کے پاس ہی ٹیبل پہ رکھتے ہوئے طارق سے بولی تھی۔
''نہیں تم ایسا کرو میرے لئے کوئی شلوار سوٹ نکال دو پہلے فریش ہونا چاہ رہا ہوں۔''
''جی بھائی۔'' ضویا نے سر ہلایا تھا پھر بے نیاز بنی بیٹھی ماہ نور کو مخاطب کیا تھا۔
''یہ لے لو ماہ پھر دوا لینی ہو گی۔''
''اس سب کی بجائے تم مجھے زہر لا دو، یہ بہت بہتر ہو گا۔'' وہ پھٹ پڑی تھی، ضویا نے گھبرا کر طارق شیرازی کی جانب دیکھا جو لب بھینچے جیسے ضبط کے کڑے مراحل طے کر رہا تھا، کچھ کہے بغیر اٹھا اور واش روم میں گھس گیا، ضویا ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گئی تھی۔

☆☆☆

اپنی یادوں کو میرے گھر پہ برستا دیکھو
اک آہٹ پہ میرے دل کو مچلتا دیکھو
لگی ہے آگ جدائی کی کتنی شدت سے
اک پل کے لئے آؤ اور مجھے جلتا دیکھو

وہ جھولتے صوفے پہ بیٹھی گلاس وال کے پار گھاس کے سبز مخملیں فرش کو دیکھتی جانے کیا کچھ سوچ کر افسردہ تھی جب لاؤنج میں شہریار نے قدم رکھا، وہ چلتا ہوا اس کے مقابل بھی آ کر بیٹھ گیا اس کی محویت ٹوٹی نہ بکھری۔
''مجھے رشک آتا ہے سردار داؤد حسن خاں کی لک پہ کاش میں داؤد حسن خاں ہوتا اور تمہیں خود پہ مرتے ہوئے دیکھ کر حظ لیتا۔'' ایک ایک لفظ چبا کر کہتے وہ اپنے سینے کی کھولن نکال رہا تھا، رانیل نے پہلے چونک کر اور پھر پیچ و تاب کھا کر اسے دیکھا تھا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر وہاں سے جانا چاہا مگر اس کی کلائی شہریار کے مضبوط ہاتھ کی آہنی گرفت میں جیسے کسی جا چکی تھی۔
''چھوڑو۔'' وہ پلٹے بغیر بہت ضبط کرتے کرتے بھی چلا اٹھی تھی۔
''تم چھوڑ دو اپنی ضد اپنا نخرہ اور اپنی ہٹ دھرمی، ایک ہفتہ ہو گیا ہے ہمیں واپس آئے مگر تمہارے مزاج ٹھکانے ہی نہیں آ رہے، رانیل بہت کر چکا ہوں میں لحاظ اور اب نہیں، چلو میرے ساتھ کلینک اور اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کر دو یونو جتنی دیر تمہاری اس فضول ضد کی وجہ سے ہو رہی ہے اسی قدر برا ہو رہا ہے۔'' عجیب انداز تنفر سے بھرپور تلخ و ترش یوں جیسے وہ اپنے بچے کی

نہیں کسی تیسرے کی بات کر رہا ہو۔
''کرتے رہو بکواس نہ میں نے اس پہ کان دھرا ہے نہ دھروں گی سمجھے تم۔'' یونہی منہ موڑے موڑے وہ اپنا ہاتھ ایک جھٹکے سے اس سے چھڑا کر نفرت و تنفر سمیت بولی تو شہریار اس توہین و تذلیل پہ جیسے لمحوں میں آگ بگولہ ہوا تھا۔
''کیا کہا تم نے میں بکواس کر رہا ہوں۔'' وہ تلملا کر اس کے سامنے آیا تھا، اس کے چہرے کے تاثرات سخت کبیدہ خاطر تھے۔
''ہاں اگر یقین نہیں آ رہا تو پھر کہہ دیتی ہوں کہ بکواس کرتے.....'' اس کی بات ادھوری رہ گئی۔
''چٹاخ۔'' شہریار کا زناٹے دار تھپڑ زور دار آواز کے ساتھ اس کے نرم و گداز گال کو سلگا کے رکھ گیا۔
''جان نکال لوں گا میں تمہاری میری نرمی اور ڈھیل سے کیا سمجھنے لگی ہو تم خود کو ابھی چلو میرے ساتھ دیکھتا ہوں کیسے میری مرضی کے خلاف ایک قدم بھی اٹھاتی ہو تم۔'' وہ یونہی قہر بنا اس کے پتھر بنے وجود کو بازو سے پکڑے اپنے ساتھ گھسیٹتا ہوا پھنکار پھنکار کر بولا تو تب سے حراساں سی کھڑی رانیل جیسے تڑپ کر ہوش میں آئی تھی اور پوری جان لڑا کر خود کو اس کی گرفت سے آزاد کرا لیا۔
''تم مر بھی جاؤ نا تو میں تمہارے کہے پہ نہ چلوں سمجھے تم اتنی کمزور تو بہر حال نہیں ہوں۔'' نفرت و درشتگی سے کہتی وہ سرعت سے بھاگی تھی، مگر شہریار بھلا غافل کہاں تھا اس سے چیتے کی طرح جھپٹ کر اس نے رانیل کو اس کے بالوں سے پکڑا تھا اور اسی سفاکی اور جارحیت سمیت اپنی جانب گھسیٹ لیا۔
''بہت بڑی بھول میں ہو محترمہ پہلے کہاں جیتی ہو کس مقام پہ مجھ سے جو یہاں میں جیتنے دوں گا تمہیں ابھی چلو میرے ساتھ۔'' اس کے بال چھوڑ کر بازو سے پکڑتے ہوئے اس نے انتہائی طیش کے عالم میں کہا تھا۔
''شہریار پلیز پلیز شہریار ایسا تو مت کرو یہ گناہ مت کرو۔'' وہ کوئی پیش نہ چلتی دیکھ کر منتوں پر اتر آئی جبکہ وہ اسے یونہی اپنے ساتھ گھسیٹتا ہوا پورٹیکو تک لے آیا تھا۔
''کیوں کیوں آخر کیوں میں ایسا کیا مفاد ہے تیرا یا پھر میرا اس میں تمہاری محبت کی نشانی ہے یہ تمہارے لئے تو وہ لمحے موت کے لمحے تھے نا پھر یہ ان لمحات کا ثمر اتنا عزیز کیوں ہو رہا ہے تمہیں۔'' وہ طعنوں پہ اتر آیا تھا۔
''جو بھی ہے بہر حال میں ایسا ہرگز نہیں کروں گی۔'' وہ پھر سے پتھر کی ہونے لگی، شہریار نے اسے غصے سے گھورا تھا۔
''چلو گی تم یا پھر، نہیں۔'' وہ پوری شدتوں سے چلائی اور اس قدر غصے میں شہریار نے آگے بڑھ کر ایک اور تھپڑ اسے دے مارا تھا، تڑاخ کی زور دار آواز آئی تھی اور رانیل تیورا کر پیچھے گر گئی تھی، سنبھلتے سنبھلتے بھی اس کے ہاتھ ڈرائیو ے کی کھردری زمین سے رگڑ کھا گئے۔
''آج میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا تم جیسی ذلیل گھٹیا اور ڈھیٹ لڑکی میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھی حد ہوتی ہے کسی بھی بات کی۔'' وہ غرا غرا کر آواز کا والیوم اونچا کیئے چیخ گیا تھا، پھر

اسے سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر وحشی انداز میں اس کا بازو جکڑا اور طوفان کی طرح تیزی سے اسے اپنے ساتھ گھسیٹتا ہوا گاڑی تک لایا، رابیل بھاگنے کے باوجود بھی گویا اس کی اسپیڈ کا ساتھ نہیں دے پائی تھی اور گرتے الجھتے اس کے ٹخنے گھٹنے چھلتے رگڑ کھاتے چلے گئے تو مارے سبکی اور تکلیف کے اس کی آنکھیں سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں شفاف پانیوں سے چھلک گئیں بھلے کوئی نوکر باہر نہیں تھا مگر کیا ضروری تھا کہ شیشے کی دیواروں کھڑکیوں کے پار سے بھی کسی نے یہ ذلت بھرا تماشا نہیں دیکھا ہو، شہریار نے گاڑی کے پاس رک کر دروازہ ان لاک کیا تھا اور اسے یوں بے دردی سے گاڑی میں پھینکا جیسے وہ کاغذ ردی کوڑا ہو، بچتے بچتے بھی اس کا سر ڈیش بورڈ سے پوری قوت سے ٹکرا گیا تھا اور گویا آنکھوں کے سامنے اندھیرے چھا گئے گھبراہٹ سراسیمگی بے بسی لاچاری کتنی کیفیات تھیں جنہوں نے مغلوب کر کے اسے گھٹ گھٹ کے رونے پہ اکسایا تھا اور وہ رو بھی رہی تھی، جبکہ اس کے برابر ڈرائیونگ سیٹ پہ براجمان شہریار ہر احساس سے عاری طوفانی رفتار سے گاڑی چلاتے ہوئے جیسے اس کی ذات سے یکسر لاتعلق ہو چکا تھا۔

☆☆☆

فرصت نہیں یقین مانو ہمیں کچھ اور کرنے کی
تیری باتیں تیری یادیں بہت مصروف رکھتی ہیں

وہ ڈسٹنگ کر رہی تھی، خبر ہی نہ ہو سکی کب داؤد حسن کی تصویر سنہرے خوبصورت فریم میں جکڑی تصویر کو اٹھایا اور بہت محویت کے عالم میں دیکھتے ہوئے بے خیالی میں دوپٹے کے پلو سے صاف کرنے لگی، وقاص نے بہت شریری آواز میں شعر پڑھا تب وہ خفت سے سرخ پڑتی تیزی سے سنبھلی تھی۔

''تم کب آئے؟'' تصویر واپس ریک میں رکھتے ہوئے اس نے سرسری سے انداز میں پوچھا مگر وقاص کا انداز ہرگز جان چھوڑنے والا نہیں تھا۔

''تبھی جب آپ رخ جاناں کو اپنے پلو سے ہوا دے رہی تھیں۔'' وقاص نے مسکراہٹ دبائی تھی، تو نگین نے بلش ہوتے اس کے کاندھے پہ ہاتھ مارا تھا۔

''تم باز مت آنا، آپ آنے دیں تب نا، ویسے ہیں کہاں آپ کے صاحب بہادر۔''

''اسٹڈی میں۔'' اس نے اسٹڈی روم کی سمت اشارہ کیا۔

''جبھی آپ موقع غنیمت جان کر انہیں اسٹڈی کرنے لگیں، مامی رئیلی آپ میں تو 1947ء کی فلمی ہیروئن والی روح گھسی ہے، جبھی تو ماموں بیچارے ابھی بھی وہیں کے وہیں ہیں۔''

''وقاص۔'' وہ شرم سے بے تحاشا سرخ پڑ گئی تو وقاص حیران ہوا تھا۔

''چلیں آپ کیوں بیبیر بیوٹی بن گئی ہیں۔'' اس نے جیسے سر پیٹا تھا۔

''وقاص۔'' داؤد حسن خاں کی ٹھہری ٹھہری آواز پہ وہ بے ساختہ مڑا تھا۔

''جی ماموں، صابر کو سودا سلف لینے مارکیٹ جانا ہے تم اس کے ساتھ چلے جاؤ ذرا سہولت رہے گی۔''

''جی بہتر مگر کسے، آپ کو یا صابر کو۔'' وہ سر کھجا کر آنکھیں ٹپٹپا کر بولا تو داؤد حسن خاں نے

خاصی حیرانی سمیت اس کا شرارتی چمک لئے مسکراتا ہوا چہرا دیکھا تھا۔

''صابر کو مجھے کیوں۔'' وہ نخوت سے بولے تھے۔

''صابر کو تو ہوگی آپ کو بھی ہو سکتی ہے، گھر میں مامی ہوں گی صرف آپ کے ساتھ موسم بھی اچھا ہے رومینس کا موڈ۔''

''وقاص!'' وہ نہ چیخے تھے نہ چلائے تھے ان کی مدھم آواز میں جو تنبیہ تھی جو سختی تھی اسے پاتا ہوا وقاص لمحے کے ہزارویں حصے میں اپنے جامے میں واپس آیا تھا۔

''سوری سر میں بھول گیا تھا کہ میں اپنے ماموں سے نہیں ایک سخت گیر پروفیسر اور کٹھور قسم کے ان رومینٹک شوہر سے مذاق کرنے کی غلطی کر رہا ہوں۔'' داؤد حسن خاں اس کی بات مکمل سنے بنا ہی پلٹ کر جا چکے تھے، اس نے ٹھنڈا سانس بھر تھا اور مایوسانہ نظروں سے سر جھکاتے لب بھینچتے کھڑی نگین کو دیکھا اور آہستگی سے چلتا قریب آ گیا۔

''سوری مامی مجھے اندازہ ہی نہیں تھا شاید کہ میں اپنی فضول کی مذاق کی عادت سے آپ کے ساتھ زیادتی کر جاتا ہوں۔'' وہ اتنی خفت سے بولا تھا کہ نگین اپنے مجروح دل کو سنبھال کر بہت حوصلے سے مسکراہٹ لبوں تک لائی۔

''جاؤ تمہیں دیر ہو رہی ہے، صابر انتظار کر رہا ہوگا اور ہاں کیوں پریشان ہوتے ہو تمہارے ماموں اگر ماؤنٹ ایورسٹ ہیں تو مامی کو شاید ابھی تم نے جانا نہیں پہاڑوں کو سر کرنا میری ہابی ہی نہیں ہے شوق اور جنون بھی ہے بس دیکھتے جاؤ کیسے ایک دن پوری شان سے فتح کروں گی انہیں تب تم بہادری کا میڈل پہنانا مت بھولنا۔'' وقاص نے بہت ستائشی نگاہوں سمیت اسے دیکھا تھا اور دل سے مسکرایا تھا۔

''یہ ہوئی نہ بات عزائم پختہ ہوں تو واقعی کچھ بھی ناممکن نہیں محنت کرتی رہیں فتح کے بعد میڈل بھی ماؤنٹ ایورسٹ سے ہی پہنوائیں گے آپ کو وش یو بیسٹ آف گڈ لک۔'' وہ یونہی مسکراتا ہوا پلٹ گیا، تو نگین کے لبوں پہ زبردستی کی سجائی مسکان مدھم دھیرے سمٹتی بالکل غائب ہو گئی۔

''وقاص کی طرح میں خود کو نہیں بہلا سکتی داؤد آپ کو ساری بے اعتنائیوں اور بے رخیوں کا حساب تو دینا پڑے گا، نگین شاہ کوئی ایسی ویسی لڑکی کا نام نہیں ہے کہ آپ کا جو جی چاہے سلوک کرتے پھریں اور کوئی کچھ نہ کہے ہاں اب فیصلہ تو آپ کو کرنا پڑے گا۔''

سمیٹ کر اپنی دہلیز کا پتھر کر دے
یا خاک بنا کر دربدر کر دے
اس سے دور ہیں تو بڑے کرب میں ہیں
اسے کہو میری آزمائش کو مختصر کر دے

☆☆☆

(باقی اگلے ماہ)

میرے ساحر سے کہو

ام مریم

پچھلی قسط کا خلاصہ

شہریار، رائل سے جھوٹی محبت جتاتے ہوئے اپنے مقاصد کی تکمیل چاہتا ہے، رائل نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ شہریار سے ہنی مون پہ جانے کا عندیہ دیتی ہے ہنی مون پہ جانے سے قبل داؤد حسن خاں اچانک رائل سے ملنے آتے ہیں اور اس کے ڈیڈ کا افسوس کرتے ہیں رائل کو انکل روبرو پا کے خود پہ ضبط محال محسوس ہوتا ہے۔ ساتھ ہی احساس زیاں بھی اسے کچوکے لگاتا ہے۔

طارق شیرازی ماہ نور کے بے لچک رویے پہ فطری غصے کا شکار ہو کر فون پہ اسے دھمکیاں دیتا ہے جس سے ماہ نور پہلے تو خائف ہوتی ہے اور پھر اس کی بات ماننے سے صاف انکار کر دیتی ہے جس سے طارق کا غصہ آسمانوں کی بلندیوں کو چھونے لگتا ہے اور وہ اسی اشتعال میں جب ماہ نور کو دھمکاتا ہے تو اس کی یہ ساری باتیں اس کے بابا سن لیتے ہیں اور ان کے استفسار پہ طارق سب کچھ بتاتا ہے یوں پورے گھر کی مخالفت کے باوجود طارق شیرازی کے دل کی ہوتی ہے اور دو دن بعد کی تاریخ طے ہو جاتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

وہ اک شخص کہ جس سے محبتیں تھیں بہت
خفا ہوئے تو اس سے شکائتیں تھیں بہت
بہت عزیز تھے اپنے اصول اس کو بھی
ہمیں بھی اپنی انا کی ضرورتیں تھیں بہت

اس نے ساکت پڑے پڑے نگاہ کا زاویہ بدل کر دیکھا، شہریار دریچے کے پاس کھڑا موبائل پہ گفتگو تھا، وہ سہمی ہوئی نظروں سے یونہی اسے دیکھتی رہی، یہاں تک کہ وہ سیل فون دوبارہ جیب میں رکھتے ہوئے پلٹا تھا اور اسے دیکھتے ہی ماتھے پہ تیوریاں چڑھ گئیں۔

"تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔" راحیل گھبرا کر تیزی سے اٹھی۔

"ہم..... میری طبیعت بالکل بھی ٹھیک نہیں ہے پلیز۔"

"شٹ اپ۔" وہ اس کی پوری بات سنے بغیر دھاڑا۔

"پتہ نہیں کیا مصیبت ہے اس گھٹا لوجسٹ کو بھی اسی دن وقت سے پہلے اٹھنا تھا، ورنہ اچھا بھلا خس کم جہاں پاک ہوتا یہ مصیبت خانہ بھی نری نحوست اور تم اٹھو مجھے پتہ ہے سارے بہانے ہیں تمہارے۔" اس نے بے رحمی سے کہتے کہتے راحیل کو بازو سے پکڑ کر بے دردی سے بیڈ سے نیچے گھسیٹ لیا، راحیل کراہ کر رہ گئی تھی۔

"صرف دس منٹ میں تمہارے پاس۔" وہ اسے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول کر اندر دھکیلتا ہوا رسٹ واچ اس کی آنکھوں کے سامنے لہرا کر جتانے کے انداز میں بولا تھا، راحیل نے کوئی چارہ نہ پا کر وہ پیکٹ کھولا تھا، جو شہریار کچھ دیر قبل ہی اس کے لئے لایا تھا، مگر لباس باہر نکالتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جیسے اندھیرے گہرے ہونے لگے، لانگ اسکرٹ جس کی سائیڈیں کھلی ہوئی تھیں اور بلاؤز سلیولیس اور انتہائی مختصر تھا، وہ سن سی بیٹھی یہ بیہودہ لباس دیکھتی آنے والے وقت کے تصور سے لرزاں ہونے لگی، راحیل کتنی دیر سے ابھی وہ دروازہ ناک کر کے بے صبرے پن سے بولا تھا، راحیل نے جیسے مٹھیاں بھینچ کر خود کو کنٹرول کیا، ورنہ دل تو آج بغاوت پہ آمادہ تھا مگر جس طرح شہریار نے اس روز اسے زدوکوب کیا تھا اس کے بعد وہ بہت خوفزدہ ہو گئی تھی اس کے وحشی جنونی غصے سے ابھی وہ اس غصے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی، مگر یہ لباس پہن کر باہر جانے کا بھی بہرحال اس کا دل آمادہ نہیں تھا، وہ کوئی فیصلہ ابھی کر نہیں پائی تھی کہ اس نے شہریار کے سیل فون کی بیپ سنی تھی اور پھر اس کی آواز بھی جیسے اس کی سماعتوں کو چھاڑتی اعصاب کو مفلوج کرنے لگی۔

"ہاں ڈیئر آج مجھ کو لگتا ہے اس ڈرامے کا تمہارا خیال تھا میں راحیل سے محبت کرنے لگا ہوں اور بہت شجیرت مند ہو گیا ہوں کم آن یار وہ میری غیرت کدھر سے ہو گی کتنی بار تو تمہیں سمجھایا تھا، یہ پاکیزہ بنی تھی، یوں یا تھوڑی کی نکاح کا کھیل رچانا ضروری تھا مگر آج دیکھنا اس حسن کی دیوی کو جس کے قاتل سراپے کی بجلیوں نے مجھے اتنے دنوں مدہوش کیے رکھا آج کیمرے کی فلیش لائٹوں میں کیسے شعاعیں بکھیرتا ہے، نا رونا ڈیئر نہ کہا ہے نہ آج وہ آج ہی آئے گی ہاں بس آدھا گھنٹہ ہے تم بس کر لو جو تیاری باقی ہے اوکے فیک کیمرہ۔" اس نے سیل آف کر دیا تھا اور اس کی یک طرفہ بات کی راحیل جیسے ہواؤں میں بکھر رہی تھی، دروازہ ایک مرتبہ پھر ناک کیا گیا تھا اب کے دستک میں بے چینی اور تیزی تھی، راحیل نے چونک کر بند دروازے کو دیکھا اور جیسے ایک فیصلہ کرنے کو اٹھ کھڑی ہوئی۔

"راحیل..... مر گئی ہو اندر دروازہ کھولو۔" شہریار کے لئے اب اتنا جلال دبانا مشکل ہوا تھا دروازے کو ٹھوکر سے رسید کرتا ہوا چیخا تھا۔

"ہاں مر گئی ہوں میں سمجھو یہ دروازہ نہیں کھلے گا تمہارے مذموم ارادے پورے ہوں گے۔" وہ اتنی قوت سے چلائی تھی کہ آواز پھٹ سی گئی، دوسری سمت یکلخت سناٹا طاری ہو گیا۔

"او وہ آئی سی تو گویا تم سب سن چکی ہو کر ڈارلنگ یہ انکشافات نئے تو نہیں ہیں جو یوں ری ایکٹ کر رہی ہو۔" وہ خاصی دیر بعد خاصے طنز سے بولا تھا۔

"تم جو بھی سمجھو یہ بات طے ہے کہ میں ایسا کوئی گھٹیا کام نہیں کروں گی۔" وہ پھر چلائی۔

"او کے فائن پھر دیکھو میں کیا کرتا ہوں اور تمہارا یہ انکار کب تک تمہارا ساتھ دیتا ہے۔" اس نے خود پہ سکون رہتے ہوئے بھی راحیل کی حاسیں الجھا دی تھیں، ابھی وہ کچھ سنبھلی بھی نہیں تھی جب ایک چھناکے سے روشن دان کا شیشہ ٹوٹا تھا وہ دوسری جانب تھی ورنہ شاید ٹوٹ کر بکھرتی کرچیوں کی زد میں آ کر وہ بھی زخمی ہو جاتی، ایک دو مزید ایسی کوششوں کے بعد خلا اتنا بڑا ہو گیا تھا کہ شہریار با آسانی اندر کود آیا، اس سے آگے ہمیشہ کی طرح آج اس کی ہولی شراب کے راحیل کو کسی طور بھی یہ گوارا نہیں تھا جبھی اس کے سراسیمہ دماغ میں سرعت سے بچاؤ کی ایک ترکیب آئی تھی اور اس نے اس کے نفع و نقصان پہ دھیان دیے بغیر بس وہ سب کرنے کا سوچ لیا تھا شہریار کود نے کے بعد سنبھل کر اس کی جانب پلٹا تو راحیل فرش پہ گرے ٹوٹنے کانچ کا ایک نوکیلا تیز دھار ٹکڑا اٹھا چکی تھی، اگلا لمحہ شہریار کے لئے حیران کن ہی نہیں قیامت کی طرح بھاری بھی پڑا تھا، اس کی تیز کریہہ چیخ اس بند کمرے میں ابھر کر معدوم ہو گئی تھی، پھر نہ تو راحیل کا ہاتھ رکا تھا نہ اس کی چیخیں یہاں تک کہ وہ خون میں لت پت ہو تا لہرا کر کارپٹ پہ گرا تھا، راحیل نے نفرت بھری نگاہ اس کے بے حس سراپے پہ ڈالی تھی اور دروازہ کھولتی باہر بھاگ گئی۔

☆☆☆

بہت کچھ ہے کچھ نہیں ہے یہ حالت بھی خوب ہے
دیوانگی کا نام محبت بھی خوب ہے
کہتے ہیں لوگ آپ کو مجھ سے ہے لگاؤ
یہ واقعہ بھی خوب ہے تہمت بھی خوب ہے

تمکین نے شعر پڑھا تھا اور وقاص کھلکھلا کر ہنس پڑا تھا۔

"بہت خوب یعنی ہماری محبت میں خوب سنور رہی ہیں آپ۔" تمکین نے جواباً کورنش بجالایا تھا۔

"تسلیم جی بنا کر رکھیں ہم بس جا رہے فارغ ہو کر ابھی آئے۔" وقاص نے چٹکی بجائی تھی اور سر پہ نماز کے لئے باندھا رومال کھول کر تمکین کے سر پہ ڈالتا مسکراتا ہوا باہر آ گیا داؤد حسن خان جیسے اس کی منتظر تھے، نیوی بلیو اور آف وائٹ ٹریک سوٹ میں ملبوس ہوا سے بکھرتے بالوں کو کشادہ پیشانی سے سمیٹتے وہ اتنے اسمارٹ اور شاندار نظر آ رہے تھے کہ ایک پل کے لئے وقاص بھی انہیں بس دیکھتا ہی رہ گیا۔

"ماموں آج آخری دن ہے آج کے بعد میں آپ کے ساتھ جاگنگ کے لیے نہیں آؤں گا۔" وقاص نے ان کے ساتھ چلتے ہوئے منہ پھلا کر کہا تھا مگر داؤد حسن خاں بے طرح چونکے تھے۔

"کیا بک رہے ہو وکی۔"

"بک نہیں رہا ہوں اپنے فیصلے سے آگاہ کر رہا ہوں رنگیلے ماموں آپ کے سامنے میری پرسنالٹی تو ایکدم ڈاؤن ہو جاتی ہے میں پوچھتا ہوں آخر آپ اتنے ڈیشنگ اتنے ہینڈسم اور ہیوی فل کیوں ہیں، یہ تو لڑکیاں آپ کو ایک ٹائٹل دے چکی ہیں لیڈیز کلر، اب آپ سے پورے سترہ سال چھوٹا ہو کر بھی ینگ اور فریش ہو کر بھی اگر اگنور ہوں تو غصہ کرنے کا حق تو میرا بنتا ہے نا۔" وہ منہ بسور بسور کر کہہ رہا تھا، داؤد حسن خاں نے اس کی بات کو انجوائے کیا تھا مگر بظاہر بھرپور سنجیدگی سمیت تائیدی انداز میں سر ہلایا تھا۔

"کہتے تو یار ٹھیک رہے ہو تم اب کیا کیا جائے کہ اللہ نے تمہیں حسن کے معاملے میں اتنی فیاضی سے نہیں نوازا خیر دل چھوٹا نہ کرو میں خواتین سے ریکوسٹ کروں گا کہ وہ داؤد کی بجائے لیڈیز کلر کا ٹائٹل وکی کو دے دیں۔"

"ارے رے۔" وقاص نے بہت خوشگوار حیرت بھری نگاہ سے کسی قدر حیرانی سے انہیں دیکھا تھا اور بے اختیار ہنس دیا، ان کی آنکھوں میں بھی شرارت تھی مسکراہٹ تھی۔

"بڑے خوش ہیں جناب مامی سے صلح ہو گئی ہے۔" وہ اسی خوشگوارت سمیت انہیں دیکھتے آنکھیں نچا کر بولا، داؤد حسن خاں کے فریش خوش رو سے چہرے پہ لمحہ بھر کو سکوت پھیلا۔

"لڑائی کب تھی بھلا۔" انہوں نے پہلو بچایا تھا اور وقاص مسکرا دیا، وہ دونوں جوگنگ ٹریک پہ بھاگنے لگے، پہلا دوسرا اور تیسرا چکر مکمل کرتے وقاص نے انہیں رکتے محسوس کیا تھا، وہ بھاگتے بھاگتے رک کر گلیوں کے جھنڈ کے پاس کھڑے ہو کر چند کلیاں توڑ کر ناک کے پاس لے جا کر سونگھ رہے تھے، اس نے دیکھا اور مسکرا دیا بعض منظر اپنے اندر عجیب سی کشش رکھتے ہیں دو خوبصورت اور نوجوان لڑکیاں انہیں دیکھتیں پاس سے گزری تھیں۔

"آیئے نا ماموں۔" وہ یونہی بھاگتے بھاگتے ان کے پاس سے گزرا۔

"نہیں یار اب چلتے ہیں۔"

"ماموں آپ بوڑھے ہو گئے ہیں۔" اس نے شرارت سے کہتے انہیں چھیڑا تھا، داؤد حسن خاں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"آپ مان کیوں نہیں لیتے ماموں کہ آپ واقعی بوڑھے ہو گئے ہیں۔" واپسی کے سفر پہ ان کے ہمراہ قدم اٹھاتے ہوئے وقاص نے اپنی بات پہ زور دیا تھا۔

"تم مان کیوں نہیں لیتے بھانجے کہ تم مجھ سے آج خواہ مخواہ جیلس ہو رہے ہو۔" آج خلاف توقع خلاف معمول وہ چپ نہیں کیونکہ اس قصے میں تم کی ہمہ گیر سنجیدگی کو کہیں خود سے الگ رکھ آئے تھے اور وقاص کو ان کا یہ خوشبو لائے خوش مزاج تم کا موڈ بہت اچھا محسوس ہو رہا تھا۔

"پتہ ہے ماموں... کبھی کبھی میرا بھی کیا چاہتا ہے، میں بھی کوئی لڑکی ہوتا اور پھر دل و جان سے آپ پہ لٹو ہو جاتا پتہ ہے آپ کتنی ہی مجھے کبھی ... کر چھیڑتے ہیں مگر کسی جونک کی طرح آپ سے ایسا

چپکا ایسا چپکتا کہ پھر کبھی بھی آپ کو نہ چھوڑتا۔" وقاص نے اپنی دھن میں ہانکتے ہوئے ان کے یکلخت سنجیدہ ہوتے چہرے کو جیسے دیکھا ہی نہیں اور جب دیکھا تو ایک پل کو زبان دانتوں تلے دبائی تھی۔

"مگر اب دیر ہو چکی تھی۔" داؤد حسن خاں کی آنکھوں کے زیریں کنارے مخصوص سرخی سمیت لیے تھے۔

یہ ماموں کو اچانک کیا ہو جاتا ہے، پتہ نہیں کیا مسٹری ہے، وہ موضوع جس سے لوگوں کی زبانوں کے بند تالے بھی کھل جاتے ہیں بڑے سے بد مزاج آدمی بھی جس موضوع پہ گھنٹوں بے دریغ فریش انداز میں گفتگو کر سکتا ہے، اس پہ آ کر ماموں کو کیوں خاموشیاں اور سناٹے گھیرنے لگتے ہیں۔

"آئی ایم شیور کہ کوئی بات ہے ضرور مگر کیا۔" اس نے ساتھ چلتے ہوئے ایک چور نگاہ داؤد حسن خاں کے چہرے پہ ڈالی اور گہرا سانس کھینچا۔

"ماموں اندر آیئے نا، مامی نے جوس تیار کر لیا ہوگا۔" گیٹ پار کرنے کے بعد انہیں وہیں لان میں کرسی پہ بیٹھتے دیکھ کر وہ بے اختیار ہو کر بولا تھا۔

"نہیں موسم بہت اچھا ہو رہا ہے میں کچھ دیر یہیں رہوں گا۔" داؤد حسن خان نے نرمی و آہستگی سمیت جواب دیا تھا، وہ گہرا سانس کھینچتا ہوا اندرونی حصے کی جانب بڑھ گیا ارادہ کچن کو وہیں جوس لانے کے لیے کہنے کا تھا، یہ داؤد حسن خاں اور ان کے اس قسم کے موڈ کے ساتھ اس نے ایک عمر گزاری تھی، وہ بہت اچھی طرح سے آگاہ تھا کہ ایسی صورتحال میں اسے ان سے کتنی اور کیا بات کرنی ہے۔

"مامی جوس بن گیا ہو تو صابر کے پاس لان میں بھجوا دیں۔" کچن کی کھلی کھڑکی سے ہانک لگا کر کہتا وہ وہیں سے پلٹ گیا، داؤد حسن خاں اخبار کے مطالعے میں محو ہو چکے تھے۔

"ماموں اس کے اندر کے صفحے مجھے دے دیں۔" وہ ان کے بالکل سامنے بیٹھتا ہوا ملتجیانہ کے انداز میں بولا تھا، داؤد حسن خاں نے بنا دیکھے ہاتھ بڑھا کے اندرونی صفحات الگ کر کے اس کی جانب بڑھا دیے۔

"سر اگر آپ نے میری کسی بات کو مائنڈ کیا ہے تو میں ایکسکیوز کر لیتا ہوں۔" ان کی بے اختیاری کو جھکتے ہوا وہ منہ بسور کر بولا تھا وہ جب بھی داؤد حسن خاں سے خفا ہوا کرتا انہیں ماموں کی بجائے سر کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔

"باہر دیکھو کون ہے؟" کال بیل کی آواز پہ داؤد حسن خاں نے اسے اور اس کے جواب دونوں کو نظر انداز کیا تھا۔

"یعنی اب آپ نے مجھے صابر بھی کہنا شروع کر لیا، ماموں آنے دیں وہ وقت جب میں بھی آپ جتنا بڑا آدمی بن جاؤں گا پھر جب آپ میرے پاس رہیں گے نا تو میں آپ کو صابر نہیں بناؤں گا۔" اس نے اٹھتے ہوئے پاؤں پٹخ کر کہا اور دھپ دھپ کرتا گیٹ کھولنے چلا گیا۔

"کون ہے بھئی صبح سویرے سویرے منہ اندھیرے اندھیرے..." اس کی بات منہ میں ہی رہ گئی اور ہونٹ اسی زاویے پہ حیرت کی زیادتی سمیت ساکن ہو گئے، پیازی اور بلیو خوبصورت پرنٹ کے کپڑوں میں پیازی شلوار اور اسی پرنٹ شال میں ملبوس وہ وہی تھی، یا اس کا گمان اس کا خواب وہ

ششدر سا اسے دیکھتا رہ گیا۔

"جج...... جی...... وہ...... مجھے سر سے ملنا ہے، داؤد حسن خاں سے کیا وہ گھر پہ ہیں۔" پھول سے نازک لب حرکت میں آئے تھے اور گنگناتی ہوئی آواز اس کی سماعتوں میں اتری اسے یہ آگاہی بخش گئی کہ وہ خواب نہیں حقیقت تھی ایک خوش بخت حقیقت، وہ ہڑبڑا کر ہوش میں آیا تھا، رائنل اگر خوش حواسوں میں ہوتی تو لازماً اس کا یہ غیر معمولی انداز نوٹ کرتی مگر خوف گھبراہٹ اور دکھ نے اس کی ساری ہی قدرتی صلاحیتیں جیسے مفلوج کروائی تھیں۔

"جی بالکل آیئے پلیز۔" وہ بے خودی کے عالم سے نکلا اور بہت احترام سے کہتا ایک سائیڈ پہ ہو کر اسے اندر آنے کا راستہ دے گیا۔

"سر ہیں نا۔" رائنل نے ہچکچا کر اسے دیکھا تھا، جواباً وقاص کی آنکھوں کے گوشوں میں مسکراہٹ بکھری تھی۔

"جی ہیں۔" رائنل نے اس یقین دہانی کے بعد بھی بہت جھجکتے ہوئے اندر قدم رکھا تھا، پہلا قدم دوسرا اور پھر تیسرا اسے لان میں ایزی چیئر پہ براجمان اخبار میں محو داؤد حسن خاں نظر آئے تو انہی حنوط زدہ قدموں میں جیسے بجلیاں بھر گئیں، وہ بے اختیاری کی کیفیت میں دوڑتے قدموں سمیت ان کی طرف آئی تھی۔

"سر۔" داؤد حسن خاں نے چونک کر سر اونچا کیا تھا پھر اگلے ہی پل حیرت کی زیادتی سمیت اخبار ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا، وہ یکلخت اٹھے تھے۔

"رائنل!"

"سر!" وہ بے ساختہ و بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر روتی آگے بڑھی تھی اور ان کے کشادہ فراخ سینے پہ سر رکھتے بچوں کی طرح زور زور سے رونے لگی، داؤد حسن خاں اس قدر حیران ششدر ہوئے تھے کہ خالی الذہنی کی کیفیت میں حرکت کرنے کے بھی قابل نہیں رہے تھے، سرشاری کی کیفیت میں مسکراتا گنگناتا ہوا رائنل کے پیچھے ہی گیٹ بند کر کے آتا وقاص بھی ایک پل کو متحیر ہوا تھا مگر یہ کیفیت لمحاتی تھی، وہ کچھ الجھ کر کچھ پریشان سا روتی سسکتی بلکتی رائنل کو دیکھنے لگا۔

"رائنل...... رائنل پلیز ٹیک اٹ ایزی، ریلیکس، پلیز رونا بند کرو اور بتاؤ مسئلہ کیا ہے رائنل۔" داؤد حسن خاں کا سکتہ ٹوٹا تھا اور انہوں نے بوکھلا کر گھبرا کر اپنے ساتھ لگ کر روتی ہوئی رائنل کو آہستگی سے بازو سے تھام کر الگ کرتے ہوئے نرمی محبت و اپنائیت سمیت اور کچھ بے قراری کی کیفیت میں اس کے آنسو پونچھے تھے، مگر صورتحال کچھ یوں تھی کہ وہ جیسے اور جتنے اس کے آنسو پونچھ رہے تھے وہ اتنی ہی روانی سے اسی قدر شدت سے بہے جا رہے تھے، داؤد حسن خاں کچھ مضطرب اور بے بس سے دکھائی دیے، تب ان کی نگاہ کسی احساس کے تحت اٹھی تھی، ہاتھوں میں جوس کے جگ اور گلاس کی ٹرے اٹھائے، تمکین فق چہرا لئے کھڑی تھی۔

"بیٹھو رائنل اور خبردار جو ایک آنسو بھی تم نے بہایا، حد ہوتی ہے بیوقوفی کی۔" داؤد حسن خاں نے بغیر کسی تاثر کے تمکین کی ساکن نگاہ سے نظر چراتے ہوئے رائنل کو شانوں سے تھام کر کرسی پہ بٹھاتے ہوئے بظاہر سختی سمیت ڈانٹا مگر کچھ اس طرح کہ اس میں بزرگی کے احساس کے ساتھ پیار بھری سرزنش بھی تھی، تمکین نے وقاص کی جانب دیکھا تھا جو اس کی بجائے رائنل کو دیکھ رہا

تھا اس کی آنکھوں میں جو تشویش جو فکر مندی جھلک رہی تھی اسے تمکین بہرحال نہیں سمجھ سکی تھی، وہ بوجھل قدموں سے آگے بڑھی تھی اور ٹرے ٹیبل پہ رکھ کر انہی قدموں سے واپسی کو مڑ گئی نہ داؤد حسن خاں اس کی سمت متوجہ تھے نہ وقاص اور اس کا دل اس کھلی اہانت اور اس درجہ نظر اندازی پہ جیسے غصے سے جھلسنے لگا تھا۔

"رائنل اسٹاپ اٹ پلیز آپ کو احساس ہونا چاہیے کہ آپ کی یہ گریہ زاری مجھے کس حد تک اپ سیٹ کر چکی ہے جب تک کچھ بتائیں گی نہیں مجھے کیا پتہ چلے گا۔" وقاص کو اشارے سے جوس نکالنے کا کہہ کر وہ پھر سے رائنل کی سمت متوجہ تھے۔

"سر مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے، میں نے اپنا گھر چھوڑ دیا ہے، کیا آپ مجھے پناہ دیں گے، بتائیے سر، آپ یہ جانتے ہیں اس بھری دنیا میں میں تنہا ہوں بالکل اکیلی، مجھے لگ رہا ہے یہ زمین مجھ پہ تنگ کر دی گئی ہے سر لیے میں صرف آپ تھے جو تھوڑے یا زیادہ میرے ہو سکتے تھے، کہیں بھی......" اس کا رکتا اٹکتا لہجہ اس کے اندرونی اضطراب خلفشار کا غماز تھا، داؤد حسن خاں نے بے اختیار گہرا سانس کھینچا اور وقاص کے ہاتھ سے جوس کا گلاس لے کر رائنل کی سمت بڑھا دیا۔

"پیو۔" انہوں نے اتنی رسانیت اتنی متانت سے کہا تھا کہ رائنل نے بغیر کسی حیل و حجت کے گلاس لے لیا، ہاتھوں پہ کیا ہوا ہے، ان کی نگاہ اس کی خون آلود زخمی ہتھیلیوں میں الجھ کر رہ گئی تھیں، رائنل کی آنکھیں سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں شفاف پانیوں سے چھلک گئیں، داؤد حسن خاں نے لب بھینچ کر اسے دیکھا تھا۔

"اور شہریار۔"

"سر پلیز اس کے بارے میں کچھ مت پوچھیں مجھ سے۔" وہ گلاس ٹیبل پہ رکھ کے سسکی۔

"وکی جاؤ اندر سے میرا میڈیکل بکس لے کر آؤ۔" انہوں نے ایک نظر رائنل کے بکھرے بکھرے آنسوؤں کو دیکھتے وقاص کو مخاطب کیا تھا، جو حیران پریشان گم صم سا یک ٹک رائنل کو دیکھے گیا تھا، اس نئے آرڈر پہ چونکا اور سر اثبات میں ہلاتا اٹھ کر چلا گیا۔

"رائنل شہریار کہاں ہے۔" انہوں نے گلاس اٹھا کر دوبارہ اس کے ہاتھوں میں دیا تھا۔

"وہ مجھے جن راستوں پہ چلانا چاہتا تھا سر وہ راستے میرے راستے نہیں تھے۔"

"یہ بات تم جانتی تھیں۔" انہوں نے خفگی سمیت جتایا۔

"میں تب بیوقوف تھی سر۔" وہ بے اختیار رو دی۔

"تم اب بھی بیوقوف ہو۔" داؤد حسن خاں نے جتایا نہیں تھا محض اس کی بات کا جواب دیا تھا۔

"ایک اچھی بھلی لڑکی کو پاگل بیوقوف بنانے والے بھی تو آپ تھے سر اس کی عقل کس نے چھین لی آپ نے سر۔" وہ ہذیانی ہو کر چیخی پھر جیسے تھک کر سر گھٹنوں پہ رکھ لیا تھا۔

"ہاں سر مجھے اعتراف ہے میں اب بھی وہی پاگل لڑکی ہوں جو کل کی طرح آج بھی صرف آپ کو دیکھتی ہے کل کی طرح آج بھی جو صرف آپ پہ اعتماد کرتی ہے بے اختیاری کی کیفیت میں بھی میرا یہاں آنا یہ بات ثابت کر رہا ہے۔" وہ رو پڑی تھی ایک بار پھر بالکل بچوں کی طرح بلک بلک کر داؤد حسن خاں جز بز ہو کر رہ گئے۔

☆☆☆

"السلام علیکم پھپھو جانی!" دروازہ انہوں نے ہی کھولا تھا، وہ بہت خوشدلی سے کہتا ان کے سامنے جھکا انہوں نے بھی مسکرا کر پوری دل کی آمادگی کے ساتھ نہ صرف سر پر ہاتھ رکھا بلکہ پیشانی چوم کر دعائیں بھی دی تھیں، ماہ نور کو اس کی اس درجہ پذیرائی کی توقع نہیں تھی، گویا وہ روح ہی سنگ کر رہ گئی۔

"پھپھو جان دیکھیے تو کسے ساتھ لایا ہوں۔" ماہ نور کا نازک دھان پان سا سراپا اس کے اونچے پورے مضبوط کسرتی وجود کے پیچھے بالکل چھپ کر رہ گیا تھا جبھی مما دیکھ نہیں سکی تھیں اس نے مسکرا کر کہتے وہ ماہ نور کو آگے کیا تو ایک پل کو دونوں کی نگاہیں چار ہوئی تھیں، ماہ نور نے لمحے کے ہزارویں حصے میں اپنی خفا خفا سی نظروں کو موڑ لیا تھا، مما نے بے اختیار مسکراتے ہوئے اسے بانہوں میں بھر کے سینے سے لگایا تھا۔

"میری جان ہو، ابھی تک مما سے خفا ہو، دیکھو تو تمہارے جانے سے یہ گھر کتنا ویران کتنا سونا اور بے ترتیب ہو گیا ہے۔" اسے بے تحاشا پیار کرتے ہوئے وہ گلوگیر آواز میں بولی تھیں۔

"آپ نے تو شکر منایا ہوگا۔" وہ کب تک ضبط کرتی بے اختیار بلک گئی تھی۔

"اف کریں پھپھو نے ہی نہیں میں نے بھی شکر منایا انہوں نے اپنے فرض کی ادائیگی پہ جبکہ میں نے اپنی زندگی اپنا بیڈ روم آباد ہونے پہ۔" جواب مما کی بجائے طارق نے دیا تھا، ماہ نور نے مما سے الگ ہوتے ہوئے آنسو پونچھے اور طارق کی بات کو نظرانداز کر دیا۔

"صبا اور طلحہ۔" اس کی نظریں بے تابانہ چاروں طرف بھٹکی تھیں جبکہ مما اسے دیکھ رہی تھیں، فیروزی کامدانی کے بے حد خوبصورت لباس میں میچنگ کی جیولری ایک ہاتھ میں سونے کی چوڑیاں دوسرے میں گھڑی کا انتہائی نفیس ڈیزائن کا سفید نگینوں سے سجا بریسلیٹ میک اپ کے نام پہ چیری پنک کلر کی لپ اسٹک، وہ ایک مکمل بیاہتا لڑکی کے روپ میں طارق شیرازی کے پہلو میں کھڑی ننھی پیاری کتنی حسین لگ رہی تھی کہ ایک پل کو ان کا دل پرشادی سے دھڑکنا بھی بھول گیا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہیں مما۔" وہ اچھا خاصا جھینپی تھی اور غیر محسوس انداز میں طارق شیرازی کے پاس سے ہٹ کر ان کے پہلو میں آ کھڑی ہوئی۔

"دیکھ رہی ہیں ہماری جوڑی کتنی پرفیکٹ کس قدر پیاری ہے۔" طارق شیرازی وہیں کرسی گھسیٹ کر بیٹھتا ہوا ہنس کر بولا تھا، اس کی پوری کوشش تھی پھپھو کی خود سے وابستہ ہر فکر کو بے بنیاد ثابت کر دے اور اس کے لیے وہ کتنے جتن کر چکا تھا یہ صرف وہی جانتا تھا، ماہ نور کو یہاں لانے پہ آمادہ کرنا پھر اس تیاری پہ طویل بحث دماغ ماری اور اب یہ ایکٹنگ، ورنہ وہ ماہ نور کی اصلی فطرت سے آگاہ ہونے کے بعد خود کو بہت محدود کر چکا تھا۔

"اچھا میں چائے بناتی ہوں، ماہ نور بیٹا تم ذرا روشین کے گھر فون کر کے طلحہ اور صبا کو گھر آنے کا کہہ دو۔" مما اٹھتے ہوئے بولی تھیں۔

"کیوں کیا ان دونوں نے اب روشین سے ٹیوشن لینا شروع کر دی۔" روشین اس کی کلاس فیلو تھی، دونوں نے انٹر ایک ساتھ ہی کیا تھا۔

"ہوں اس نے میرے [illegible] دیکھتے ہوئے خود بچوں کو بھیجنے کا کہا تھا۔" مما نے مسکرا کر اس

کی معلومات میں اضافہ کیا، وہ سر ہلاتے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"مما چائے میں بناتی ہوں فون آپ خود کر لیں پلیز۔" وہ ان سے نظریں چراتی ہوئی تیزی سے کچن میں چلی گئی تھی، مما کچھ دیر اس زاویے پہ ساکن رہی تھیں، وہ اچھی طرح جانتی تھیں ماہ نور نے ایسا کیوں کیا، اس واقعے کے بعد وہ لوگوں سے یونہی کترانے لگی تھی سوالیہ نظریں اور رویے اور اپنی سے خوفزدہ تھی، طارق نے اٹھ کر وقت گزاری کو ٹی وی آن کر لیا ماہ نور کچن میں مصروف تھی جبھی صبا اور طلحہ شور مچاتے ہوئے اندر گھس آئے۔

"آپا۔" صبا بھاگتی ہوئی آ کر اس سے لپٹ گئی، وہ ہنسی اور اسے بازوؤں میں بھر لیا۔

"آپ رو کیوں رہی ہیں آپا، حالانکہ آپ کو رونا تو نہیں چاہیے۔" صبا نے گھبرا کر اس کے بھیگے گال دیکھے تھے۔

"کیوں بھلا۔" وہ خود کو سنبھال کر بمشکل مسکرائی۔

روشین آپی کہتی ہیں، طارق بھائی جیسا دولہا اگر تمہاری آپا کو ملا ہے تو تمہاری آپا بہت خوش قسمت ہیں۔" صبا نے معصومیت و بھولپن سے کہا تھا، طلحہ نے خفیف سی مسکراہٹ سمیت اس کے سر پہ چپت رسید کی تھی، پھر ماہ نور کو دیکھ کر بولا تھا۔

"آپا طارق بھائی بھی آئے ہیں۔"

"ہاں آئے تو ہیں مگر کیا تم صرف اپنے طارق بھائی سے ہی ملو گے مجھ سے نہیں۔" اس نے مسکرا کر کہتے اسے اپنے ساتھ لگا لیا، وہ بڑا ہو رہا تھا، اب پہلے کی طرح بے تکلفانہ اس سے لپٹ کر پیار نہیں کیا کرتا تھا، اب بھی جھینپ کر سرخ ہوتا ہوا تیزی سے اس سے الگ ہوا تھا۔

"میں بھائی کو دیکھ لوں پھر مما کہہ رہی ہیں تو بیکری بھی جانا پڑے گا۔" صبا بھی اس کے پیچھے ہی نکل گئی، ماہ نور نے چائے کو دم پہ لگایا تھا، پھر کیبنٹ کھول کر ٹرے میں برتن سیٹ کرنے لگی۔

کیا ہے پیار جسے ہم نے زندگی کی طرح
وہ آشنا بھی ملا ہم سے اجنبی کی طرح

وہ طلحہ کے انتظار سے اکتا کر اندر آئی تھی، جب طارق شیرازی نے اسے دیکھتے ہی ریموٹ کی مدد سے والیوم بڑھایا تھا۔

"بن گئی چائے۔" ماما نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا اسے اور طارق کے درمیان اس کے لیے جگہ بنائی، وہ بے اختیار خفیف سی ہوتی سائیڈ پہ پڑی کرسی گھسیٹ کر اس پہ ٹک گئی، نظریں اٹھائے بغیر بھی اسے طارق شیرازی کی پرتپش نگاہوں کا خود پہ اٹھنا محسوس ہوا تھا۔

ستم تو یہ ہے کہ وہ بھی نہ بن سکا اپنا
قبول ہم نے کیے جس کے غم خوشی کی طرح

گلوکار کی آواز میں عجب سوز تھا، ماحول پہ یہی آواز چھانے لگی تھی، وہ سب خاموش تھے اپنی اپنی سوچ میں گم۔

بڑھا کے پیاس میری اس نے ہاتھ چھوڑ دیا
وہ کر رہا تھا مروت بھی دل لگی کی طرح
کبھی نہ سوچا تھا ہم نے قتیل اس کے لیے

"ماہ نور چائے بنی نہیں ابھی۔" اس نے ٹی وی آف کرتے ہوئے اچانک اسے مخاطب کر لیا تھا، وہ ایک پل کی حیرت کے بعد سر کو اثبات میں ہلا کر آہستگی سے بولی تھی، وہ در اصل ابھی طلحہ نہیں آیا ہے طلحہ وہ تو ڈنر پہ آ گیا تھا پھر دوبارہ کہاں چلا گیا طارق نے کچھ حیرت سے استفسار کیا تھا۔

"پتہ نہیں۔" مختصر جواب دے کر وہ اپنی چوڑیوں سے کھیلنے لگی۔

"پھپھو جانی اس تکلف کی کیا ضرورت تھی بھلا۔" وہ خفا ہونے لگا۔

"اور کس کے آنے پہ یہ تکلف کروں گی بیٹا میرے لئے سب کچھ تم ہی تو ہو۔" مما نے پیار بھری نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔

"ماہ آپ کی طرح کاش سب کی یہی سوچ ہو جائے۔" اس نے ترچھی نگاہ بے نیاز و کشور نظر آتی ماہ نور پہ ڈال کر جڑ بڑا کر کہا تھا۔

"طارق بھائی آپ کی پوسٹنگ اسکردو ہوئی ہے، کیا آپا کو بھی ساتھ لے کر جائیں گے، وہاں تو بہت ٹھنڈ ہوتی ہے نا۔" مہتاب نے اشتیاق سے پوچھا تھا۔

"ہاں ٹھنڈ تو ہوتی ہے، ہو سکتا ہے تبھی آپ کی آپا وہاں رہنے پہ آمادہ نہ ہوں۔" اسے براہ راست ماہ نور کو دیکھنے کا اچھا موقع ملا تھا۔

"کیوں آپا آپ چلیں گی تو ہی ہم وہاں آپ سے ملنے آئیں گے نا۔"

"رنگی مجھے بہت شوق ہے، ایسی جگہوں پہ جانے کا جنہیں ہم نے ٹی وی کی حد تک ہی دیکھ رکھا ہے۔" مہتاب کے لہجے میں معصومانہ سی خوشی تھی۔

"اتنی دور، میں کیسے رہ پاؤں گی آپ سب کے بغیر۔" ماہ نور نے عذر تراش کر جان چھڑانا چاہی۔

"ہمارے بغیر رہنا آسان ہو گا بہ نسبت طارق بھائی کے بغیر رہنے کے۔" خود سے اتنے سال چھوٹی مہتاب کے منہ سے یہ بات سن کر ماہ نور بیک وقت شرم اور غصے سے سرخ ہوتی رنگت سے مہتاب کو گھور بھی نہ سکی، مزید خفت میں مبتلا کرنے کو طارق شیرازی کو لو دیتی شریر ہنستی ہوئی نظریں اسے وہاں بیٹھنا دوبھر ہوا تھا جبھی طلحہ کو دیکھنے کا بہانہ کرتے ہوئے جھٹکے سے اٹھی تھی، پھر یہ مہتاب کی بات کا اثر تھا یا وہ اس آزمائش سے گھبرا گئی تھی جبھی اس کی جانب سے منتظر رہی تھی کہ وہ اسے ساتھ جانے کا کہے گا، مگر اس وقت اس کی دکھ اور صدمے سے بری حالت ہو گئی جب اس شام وہ واپس بھی چلا گیا اور اسے لے جانا تو در کنار خود اپنے جانے کے متعلق بھی بتانا گوارا نہ کیا، وہ تو جب وہ رات کو کھانے کے بعد برتن دھو رہی تھی، ضوبیا وہیں چلی آئی تھی۔

"تم رہنے دیتیں میں یہی کام کرنے آئی تھی۔" ضوبیا اسے برتن دھوتے دیکھ کر شرمندہ ہو گئی تھی کہ اس سے پہلے تین گھنٹے لگ کر رات کا کھانا بھی ماہ نور نے ہی بنایا تھا۔

"تم اپنے بھائی کے آنے پہ انہیں کھانا دے دینا، میرے سر میں درد ہو رہا ہے ہو سکتا ہے ان کے آنے تک میں سو چکی ہوں۔" پلیٹ دھو کر ریک پہ رکھتے ہوئے اس نے جس انداز میں کہا تھا ضوبیا بہت حیران ہوئی اسے بغور دیکھنے پہ مجبور ہوئی تھی۔

"کن کی بات کر رہی ہو فاروق بھائی تو کھانا کھا چکے ہیں سب کے ساتھ۔" ضوبیا الجھی تھی، جو وہ بھی تھی اس کا تعین کرنا بھی تو آسان نہیں تھا۔

"میں جانتی ہوں مگر میں طارق کی بات کر رہی تھی۔" ماہ نور نے آخری پلیٹ بھی دھو کر ٹونٹی بند کر دی تھی۔

"ماہ نور۔" اس نے پلیٹ خشک کر کے ریک میں رکھتی ماہ نور کو بے حد سنجیدگی سے دیکھ کر پکارا تھا۔

"ہوں۔" وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیا تم واقعی نہیں جانتیں کہ بھائی تو شام چار بجے ہی واپس ڈیوٹی پہ چلے گئے تھے۔" ماہ نور کے اعصاب پہ جیسے کوئی بم پھٹا تھا اس نے سٹپٹا کر ابھی ہوئی گھبرائی متحیر نظروں سے اسے دیکھا تھا، بے یقینی اور ایک عجیب سا دکھ اس کی سحر طراز آنکھوں میں پھیلا تھا اگلے ہی لمحے وہ نظریں چرا کر رخ پھیر چکی تھی، ضوبیا نے اس کا فق ہوتا ہوا چہرا بہت تاسف کی نگاہ سمیت دیکھا تھا اور ایک پل کے لئے طارق پہ بے تحاشا تاؤ آیا تو گویا اس کی خیر سگالی کی کوشش بے کار گئی تھی۔

"کھانا کھا لو ماہ۔" وہ مروت سے باہر نکلنے کو تھی جب ضوبیا نے بہت بے بسی سے کہا تھا، وہ جواب میں ایک لفظ بھی کہے بغیر اپنا ہاتھ چھڑا کر تیزی سے باہر نکل گئی۔

"بڑی اماں بچی سمیت کوئی بھی اس بات پہ راضی نہیں تھا کہ ماہ نور سب کے ساتھ کھانے میں شریک ہو بابا جان کے کہنے پہ جب اماں اور بچی نے واویلا کرنا شروع کیا اور پھر ماہ نور نے بھی خود اس معاملے میں بے نیازی برتی تو بابا جان بھی خاموش ہو گئے تھے، ویسے بھی وہ یہ انتہائی قدم اٹھا کر بڑی اماں کے شدید ناراضگی قہر اور طعنوں کی زد پہ تھے، ایسے میں اگر فاروق دادو اور خود ضوبیا نہ چاہتے بھی تھے تو اس معاملے کو کشنائی میں ڈالنے والوں میں خود ماہ نور بھی پیش پیش تھی۔"

"مجھے یہ بھیک اور خیرات نہیں چاہیے۔" ضوبیا کے بے بسی سے انداز میں سمجھانے پہ اس نے تنفر سمیت کہا تھا، مگر اب اسی ضوبیا کو اس ضدی انا پرست اور خود دار ماہ نور پہ ترس بھی آ رہا تھا، ماہ نور نے اندر کر ایک دھماکے سے دروازہ بند کیا سامنے دیوار پہ طارق شیرازی کی ہنستی مسکراتی تصویر سے اس نے بہت گلہ آمیز انداز میں نگاہ پھیری تھی اور طیش کے عالم میں صوفے سے تکیہ اٹھا کر بیڈ پہ پھینکا۔

"ایک تو صاحب کی انا کے بنڈل ہی ختم نہیں ہوتے، یعنی چوری بھی اور سینہ زوری بھی، یاد رکھنا طارق شیرازی اس قسم کی حرکات سے تم میرے دل سے رہا سہا مقام بھی ختم کر رہے ہو۔"

"مقام ہے کوئی۔" اس کے اندر سے کسی نے اس پہ اس کی سوچ گرفت کی اور وہ چونک گئی تھی۔

"اور یہ میں رو کیوں رہی ہوں، اس کے جانے آنے رہنے سے مجھے کیا غرض بھاڑ میں جائے وہ۔" اس نے سختی سے آنسو پونچھے اور صوفے پہ سکڑ کر لیٹ گئی، معا خیال آیا تھا، عشاء کی نماز ابھی پڑھی نہیں، بے تحاشا تھکان کے باوجود وہ وضو کرنے اٹھ گئی تھی، واش روم سے نکلی تو کمرے کی فضا میں کوئی ترانہ بج رہا تھا، وہ کچھ حیران ہوتی ادھر ادھر دیکھنے لگی اور نگاہ بیڈ کے سرہانے چلتے بجتے موبائل سے جا الجھی، یقیناً وہ اپنا موبائل یہیں بھول گیا تھا اور اب پتہ نہیں کس کی کال تھی وہ تھے میں بچ گئی، مگر کال کرنے والا بھی ڈھیٹ واقع ہوا تھا، اسے ناچار کال ریسیو کرنا پڑی تھی۔

"ٹھیک۔" محتاط سے لہجے میں بولی، دوسری سمت وہی تھا، بے نیازی ولاتعلق لہجے میں سموئے نخوت سے بغیر اسلام دعا اور خیر خیریت کے پوچھتے ہی بولا تھا۔

"سنو یہ میرا سیل فون فاروق کو دو اور اسے کہنا، بلکہ چھوڑو بس تم اسے دے دو جو بھی کہنا ہوگا میں خود کہہ دوں گا اسے۔" ماہ نور عجیب سے احساسات سمیت بے جان ہو جانے والا موبائل کان سے لگائے کھڑی کی کھڑی رہ گئی تو ہین کا بہت سلگتا ہوا احساس اسے پل میں جلا کر خاکستر کر گیا تھا۔

یہ وہی شخص تھا وہ کیسے یقین کرتی جو اس سے بات کرنے اس کی ایک جھلک دیکھنے کو بھی کیسے کیسے جتن کرتا تھا، دل تو پہلے ہی بھرا ہوا تھا، طارق اس درجہ بے اعتنائی نے جو یہ ٹھیس لگا دی، وہ سیل فون وہیں پٹخ کر آنسو روکتی جائے نماز بچھا کر نماز کی نیت کرنے لگی سیل فون وقفے وقفے سے بجتا رہا مگر اس نے جیسے کان بند کر لئے۔

☆☆☆

محبت درد کی صورت
گزشتہ موسموں کا استعارہ بن کے رہتی ہے
شبانِ ہجر میں روشن ستارہ بن کے رہتی ہے
منڈیروں پہ چراغوں کی لویں جب تھرتھراتی ہیں
نگر میں نا امیدی کی ہوائیں سنسناتی ہیں
گلی میں جب کوئی آہٹ کوئی سایہ نہیں رہتا
دکھے دل کے لئے جب کوئی بھی دھوکہ نہیں رہتا
غموں کے بوجھ سے جب ٹوٹنے لگتے ہیں شانے تو
یہاں پہ بکھرتی ہے کسی ہمدرد کی صورت
گزر جاتے ہیں جب سارے قافلے دل کی بستی سے
فضا میں تیرتی ہے دیر تک
یہ گرد کی صورت
محبت درد کی صورت

وہ آنکھیں بند کیے صوفے پہ نیم دراز تھی، بند آنکھوں کے پیچھے ایک سیلاب تھا آنسوؤں کا، جو قطرہ قطرہ بہتا کنپٹیوں سے ہوتا سر کے نیچے رکھے کشن میں جذب ہو رہا تھا۔

"آہم۔" اس متوجہ کرتی آواز پہ رانیل نے چونکتے ہوئے آنکھیں کھولیں اور ایکدم سنبھل کر اٹھ بیٹھی، نگین نے ناشتے کی ٹرے اس کے سامنے ٹیبل پر رکھ دی تھی۔

"پلیز۔" وہ اس کے سامنے ہی براجمان ہو کر اسے دیکھنے لگی، لمبی سیاہ ریشمی پلکوں پہ صاف کر لینے کے باوجود ایک آنسو ٹھہرا تھا اور اس کی خوبصورتی میں اضافہ کر دیا تھا، وقاص کی بے پناہ خوشی اور پھر اسی ایک لڑکی کی اداسی پہ اداس ہوتے ہوئے داؤد حسن خاں تھے، جنہوں نے اس کی تو بھی پروا نہیں کی تھی مگر وہی داؤد حسن خاں رانیل کے لئے کیسے متفکر تھے کیسے پریشان تھے اور کس طرح جتن اس کی دلجوئی کر رہے تھے کہ اس کی نگاہوں میں ایک سلگتا منظر جھلملایا اور جیسے دل و

دماغ میں الاؤ دہک اٹھے۔

"آپ ناشتہ کیوں نہیں کر رہیں۔" اس نے رانیل کو دیکھا تھا جو گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے ابھی بازوؤں کے اوپر چہرا اٹھائے جیسے خود سے بھی غافل بیٹھی تھی۔

"مجھے بھوک نہیں ہے پلیز۔" وہ عاجز سی ہو کر بولی تھی۔

"آپ کو پتہ ہے بھوک کب ختم ہوتی ہے۔" نگین نے تیکھے چتونوں سمیت اسے دیکھا تھا، رانیل نے کچھ حیران ہو کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا، جب انسان کوئی غلطی کرتا ہے، اس کی چمک دار آنکھوں میں ڈولتی حد درجہ تلخی اور سرد مہری کو رانیل نے ایک نظر دیکھا تھا اور سر جھکا کر دبی مسکراہٹ سمیت بولی تھی۔

"لیکن میں نے تو ایسی کوئی غلطی......"

"غلطی کرنے والا بھلا کب اپنی غلطی کو تسلیم کیا کرتا ہے۔" وہ اس کی بات کاٹ کر زہرخند سے بول پڑی اس زہرخند سے جو کل رات سے اب تک ان چند گھنٹوں میں اس کے اندر پھیلتا ابھرتا رہا تھا، داؤد حسن خاں کی شخصیت اور پھر ان کی بے نیازی لاتعلقی کا رویہ جو کہ رانیل کے لئے یکسر مختلف ثابت ہوا تھا، اس میں کون سے لال جڑے تھے بھلا جو اس میں نہیں تھے، وہ سوچ سوچ کر گھلتی رہی تھی اور اب جیسے اپنی وہ نفرت وہ گھٹن رانیل کے اندر اتارنے کو بے تاب تھی۔

"شادی شدہ ہو کر ایک بچے کی ماں بھی ہوتی یہ زیب دیتا ہے تمہیں کہ اپنا گھر بار اپنا شوہر چھوڑ کر یہاں آ کر بیٹھ جاؤ۔" نگین نے ہونٹ سکوڑ کر جس درجہ رعونت اور نخوت سے کہا تھا، وہ اس کا حق بنتا تھا، وہ اس گھر کی مالک تھی، اس شخص کی شریک حیات، جس کو حاصل کرنے کو رانیل نے اپنا سب کچھ داؤ پہ لگایا تھا اور حاصل کرنے میں ناکام رہی تھی، اس نے تیزی سے دھندلائی ہوئی نظروں سے دیکھا تھا نگین اٹھ کر کمرے سے باہر جا رہی تھی، رانیل نے اتنی سختی سے لب بھینچے تھے کہ خون کا ذائقہ منہ میں گھلتا ہوا محسوس کرنے لگی، انہی دھندلائی ہوئی نظروں سے اس نے اپنی زخمی ہتھیلیوں کو دیکھا تھا، جہاں اس دشمن جاں نے اپنی مسیحائی کا تریاق رکھا تھا اور اس کی پور پور سیراب کر دی تھی، اسے اتنا حوصلہ بخش دیا تھا کہ وہ اس گھر میں اس لڑکی کو اس استحقاق اس حیثیت سے چلتے پھرتے دیکھنے کے قابل ہو گئی تھی جس کے متعلق فقط یہ سوچ کر ہی اس کا دل پھٹنے کے قریب ہو جایا کرتا تھا، اس نے کل داؤد حسن خاں سے ایک بات کہی تھی مگر اس کی زمین اس کے لئے تنگ ہو چکی ہے اسے لگا تھا داؤد حسن خاں کی تسلی تشفی تسلی ہے ذہن واقعی اس کے بوجھ سے عاجز ہو چکی تھی۔

☆☆☆

"وقاص!" نگین غصے میں بھری اپنے دھیان میں باہر آئی تھی، دروازے کی چوکھٹ پہ پتھر کی طرح ساکت کھڑے وقاص کو دیکھ کر ایکدم بوکھلائی جو ضبط کی کوشش میں سرخ ہوتی آنکھوں میں لئے ایک نظر اسے دیکھتا تیزی سے پلٹ کر چلا گیا تھا۔

"وکی...... وقاص...... سنو تو۔" وہ بے اختیار و بے ساختہ اس کے پیچھے بھاگی تھی۔

"میری بات تو سنو وقاص۔" اس نے بھاگ کر وقاص کا راستہ روکا تھا، جس کے چہرے پہ اتنا کرب اتنی بے بسی اور اذیت تھی کہ نگین کو لگا تھا وہ کسی بھی پل شاید پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے گا،

وہ اس کی سائیڈ سے کترا کر اپنے کمرے میں گیا تو تمکین پھولے ہوئے سانسوں سمیت اس کے پیچھے بھاگی آئی تھی۔
"لیو می الون ماما پلیز، کیا کرو گے تم اس تنہائی میں ہاں، کم از کم خودکشی نہیں۔" وہ بستر پہ ٹیک ہو کر چلایا پھر اس کی طرف رخ موڑا تھا۔
"آپ کو پتہ تھا ماما کہ مانیل......" اس نے بات ادھوری چھوڑ کر سختی سے لب بھینچے۔
"ہاں میں تمہیں اسی پریشانی سے بچانا چاہ رہی تھی۔" وہ نظریں جھکا کر بولی۔
"اور ماموں...... ماموں نے بتایا تھا آپ کو۔"
"ہاں۔" تمکین نے ٹھنڈا سانس بھرا۔
"مائی گڈنیس مائی گڈنیس۔" وہ ہاتھوں میں سر تھام کر گرنے کے انداز میں وہیں بیٹھ گیا۔
"مجھے تنہا چھوڑ دیں ماما پلیز۔" وہ اتنی بے بسی اتنی لجاجت سے رخ پھیرے کہہ رہا تھا کہ تمکین اسے ملتفت نظروں سے دیکھتی پلٹ کر چلی گئی، وہ اس نے کمرے میں خود کو تنہا محسوس کیا تھا اور خود سے ضبط کا پہرہ ہٹا دیا اب وہ تھا اور وہ وحشت جو اس آگہی کے عذاب کے ساتھ رگ جاں میں اتر آئی تھی، ابھی تو محبت کی کونپل دل میں پھوٹی تھی ابھی تو اسے پھلنا پھولنا تھا یہ باد سموم بھلا کیوں کر اسے جڑ سے اکھاڑنے کے درپے ہو چلی تھی، نارسائی کا کرب اس کی رگ رگ میں اتر کر اپنا زہر پھیلا رہا تھا اور وہ اس حقیقت کی سفاکی کو محسوس کرتا سسکتا چپکے چپکے آنسو بہاتا رہا تھا۔

☆☆☆

اس نے چاہا تھا مجھے بس چاہنے کے شوق میں
اب اسے فرصت کہاں ہے پرسش حالات کی

اسے گئے ایک بار پھر مہینہ ہونے کو آیا تھا، سرمد کی شادی سر پہ آ چکی تھی اور اس کا کہیں کوئی اتا پتہ نہیں تھا، سب کی سوالیہ نظریں اس کی جانب اٹھتی تھیں اور تو اور کل سرمد اپنی شادی کا انوی ٹیشن کارڈ دینے آیا تو اس نے بھی طارق کے متعلق اس سے پوچھا تھا۔
"کب تک آ رہے ہیں طارق، بھابھی اسے میری طرف سے کہہ دیجئے گا، اگر میری شادی میں نہ آیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" ماہ نور اس کے لئے چائے بنا کر لائی تھی، جب سرمد نے کارڈ اسے دیتے ہوئے کہا وہ بس مروتاً ہی مسکرائی تھی اور کارڈ کھول کر دیکھنے لگی، کارڈ بے حد یونیک ڈیزائن اور کلر کا تھا، جیسے سونے کے پانی سے نکالا گیا ہو اس پہ موتیوں کی طرح جگمگاتے گہرے رنگ کے الفاظ وہ بہت محو ہو کر کارڈ دیکھ رہی تھی۔
"ماہ نور۔" نانو کی پکار پہ وہ چونکی تھی۔
"پھر ساتھ کیوں نہیں گئیں طارق کے۔" سرمد جا چکا تھا یہ اس سے تین دن بعد کی بات ہے اس روز مایوں کی تقریب تھی، کمرے میں نانو اس کے ساتھ تنہا تھیں۔
"جی...... وہ۔" غیر متوقع بات سن کر وہ گھبرائی تھی۔
"ضد چھوڑ کیوں نہیں دیتی ہو بچی، مرد کے ساتھ کیسا مقابلہ بھلا، پتہ ہے نا سارے اختیار بھی اس کے پاس محفوظ ہوتے ہیں عورت کے، غصے میں آ کر رشتوں کو بھی دھاگے سمجھ کر ایک ہی جھٹکے میں توڑتا ہے۔"

"نانو!"
"میری بچی، تمہیں کیا پتہ نہیں ہے کہ اس نے زور زبردستی کی ہے تمہارے ساتھ اس کا قصور ہے پتہ ہے سب کو مگر دیکھو تو جیت کس کی ہوئی اس کی نا، وہ تمہارا طلبگار تھا تو ایک عالم سے ٹکرایا تھا نا اسے تمہاری محبت اور توجہ کی ضرورت ہے اگر یہ اسے ہو گی تو موم ہے وہ نہ ہو گی تو پتھر چٹان (ہاں یہ پتھریلا چٹانی روپ تو میں بھی دیکھ چکی)۔" اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں۔
"موم بنا کر جیسے چاہو ڈھال لو بکے اپنی مرضی کا روپ دے لو مگر بچی اس سے کچھ لینے سے قبل دینا شرط ہے، یعنی اس کی خوشی پہ میں نہیں دے سکتی سب اچھا اس کے لئے اور برا سارے کا سارا میرے لئے بنا کسی چاہت بنا کسی طلب کے رسوائی اور ذلت مقدر بنی ہے میری اور بنانے والا ہی اکڑو خان ہے جو اس پر اپنے بڑے پن کے پرچم بھی بلند رکھنا چاہتا ہے۔"
"کیوں، بچی نہیں نانو بھی نہیں میں سسک سسک کر مر جاؤں گی مگر اب جھکوں گی نہیں، وہ دل کا برا نہیں ہے ہاں غصے کا تیز ہے اور یہ غصہ ہی تو تھا کہ اس نے میری دلی آرزو پوری کر دی بھلا ممکن تھا ایسے حالات میں تمہارا اور اس کا جوگ۔" نانو بات کرتے ہوئے مسکرائی تھیں اور وہ تنفر سمیت تلملا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
"آپ کو بھی اسی کا خیال ہے اس کی خوشی کی پرواہ ہے، نانو میں بھی انسان ہوں دل ہے میرے پاس مجھی سوری میں یہ سب نہیں کر سکتی مر کے بھی نہیں، اگر وہ یہ سب کر کے بھی شرمندہ ہونے کے بجائے رہ سکتے ہیں خوش مطمئن تو پھر میں کیوں نہیں۔" وہ اچھے خاصے غصے سے کہتے ایک جھٹکے سے پلٹی تو ایک پل کو جیسے سن ہو گئی، طارق شیرازی فل کٹ میں بیگ کاندھے سے لٹکائے چوکھٹ میں ایستادہ تھا، نگاہوں کا یہ تصادم بہت سنسنی خیزی لئے تھا، ماہ نور سنبھلی تھی اور تیزی سے سائیڈ سے ہو کر نکل گئی طارق شیرازی سپاٹ چہرہ لیے دادو سے ملنے لگا۔

☆☆☆

محبت چار حرفوں کا صحیفہ ہے
محبت م سے ہے مرگ
ح سے حادثہ بھی ہے
ب سے بے کلی بھی ہے
اور ت سے تاج کانٹوں کا
اگر یہ مرگ ہے تو مرگ سے کس کو مفر سوچو
جو اس کو حادثہ جانو تو اس سے کون بچ پایا
ب سے بے کلی تو بے کلی سانسوں پہ حاوی ہے
اگر یہ تاج کانٹوں کا
تو جس پر بھی یہ سجتا ہے
وہ سر تن پر نہیں رہتا
محبت خون میں ڈوبا ہوا اک دشت ہے
یہ گہری اداسی ہے

محبت ہے دعا جیسی
محبت کربلا ہی ہے

وہ بے حد الجھی ہوئی تھی۔ تمکین کے رویے کو سہنا اس جیسی حساس اور خوددار طبیعت رکھنے والی لڑکی کے لئے بے حد دشوار تھا، مگر یہ نصیب کی اس کے لئے آزمائش تھی کہ وہ ایک عرصے سے کم و بیش ایسے ہی حالات سے دوچار گزر رہی تھی یہاں رہ کر بھلا وہ اس جان سے پیارے شخص کو کیوں کر آزمائش میں مبتلا کرتی۔ تمکین کی کسی بھی بات نے اسے حیرت نہیں کیا تھا، یہ رقابت یہ جلن یہ دل کی جگہ اگر وہ داؤد حسن خان کے لئے تمکین کے دل میں نہ پاتی تب حیرت ہوتی کیا یہ احساسات تو محبت کی موجودگی کے گواہ تھے۔ اس نے چپ چاپ جانے کا فیصلہ کیا تھا اور ایسے وقت کا انتخاب بھی جب داؤد حسن خان کی موجودگی کا امکان نہ ہو۔ اس نے آہستگی سے دروازہ کھولا تھا اور قدم باہر کوریڈور میں رکھا، پہلا دوسرا تیسرا قدم جیسے اسے زندگی کے احساس اور امنگ سے دور کر رہا تھا۔

"وہ کہاں جائے گی اس سوچ سے دانستہ اس نے دامن چھڑا لیا تھا، وہ بے نام جو نصیب لکھتا ہے جو اپنے بندے کے ہر ہر پل کا گواہ ہے، اسی پہ بھروسہ کیا تھا اس نے اور وہی سب سے زیادہ پناہ دینے والا ہے، اگر آپ یہ سمجھ رہے ہیں ہمیشہ کی طرح میں آپ کی ان نظروں سے خائف ہو جاؤں گی تو یہ بہت بڑی بھول ہے آپ کی داؤد مجھے بتائیے، کہاں رکھا ہے آپ نے اسے میرے گھر میں۔" اس کے اٹھتے ہوئے قدم کو روکنے اور اکھاڑنے کا باعث تمکین کی یہ تحصیلی اور تند آواز بنی تھی، یقیناً یہ داؤد حسن خان کے بیڈ روم کی ٹیرس سائیڈ تھی، جس کی کھلی کھڑکی سے یہ آواز اس تک پہنچی تھی۔

"آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا ہے یہ سوال مجھ سے کرنے کا۔" داؤد حسن خان اتنی دیر یقیناً اپنی اس حیرت پہ قابو پانے کو خاموش رہے تھے جو انہیں تمکین کی اس دیدہ جرأت سے ہوئی تھی مگر وہ انعل تو اس بات کو نہیں سمجھ پائی تھی۔

"مجھے یہ حق آپ مجھ سے نکاح کے بعد دے چکے ہیں۔" وہ جھلا کر حلق کے بل چلائی تھی۔

"سب جانتی ہوں میں، کیوں کر رہے ہیں آپ ایسا......" غصے کی زیادتی سے اس کی آواز پھٹ رہی تھی۔

"کیوں کر رہا ہوں ہاں تمہارا دماغ خراب ہو رہا ہے تمکین مجھے بھی پاگل مت کرو۔" داؤد حسن خان جانے کیسے غصہ ضبط کر رہے تھے ورنہ جی تو چاہ رہا تھا وہ تھپڑ لگا کر اس کی ہوش ٹھکانے لگا دیں۔

"میں پاگل ہو رہی ہوں جل بل کر مر رہی ہوں داؤد یہ آپ تھے آپ ہی اس غیر اجنبی لڑکی کو گلے لگا کر تسلی دیتے ہوئے مجھے تو کبھی آپ نے اس طرح اور کبھی اچھا ہوئی تھی۔" ان کے ضبط کی برداشت کی اور صبر کی بھی ٹوٹتے بکھرتے اعصاب یک بیک تاؤ کا شکار ہوئے تھے اور ان کا ہاتھ تمکین کے چہرے پہ نشان چھوڑ گیا تھا، گال پہ ہاتھ رکھے وہ ششدر سی آنکھیں پھاڑے کھڑی تھی اور پھر جیسے اس احساس ذلت نے اس کے سر پہ خون سوار کیا تھا، وہ چیختے ہوئے آگے بڑھی تھی اور انہیں پوری قوت سے پیچھے کی جانب دھکا دیتے ہوئے حلق کے بل چلاتے ہوئے بولی تھی۔

"محبت کرتے ہیں نا اس سے تو جائیں اس کے پاس، اسے اس کے شوہر سے طلاق دلوا کر خود نکاح کر لیں اس سے۔" وہ پاگلوں کی طرح ان کا گریبان جھنجوڑتے ہوئے جیسے حواسوں میں نہیں تھی، داؤد حسن خان نے اس کی دونوں کلائیاں ہاتھوں میں دبوچی تھیں اور ایک زوردار جھٹکے سمیت پیچھے گرا دیا تھا، ان کے ہاتھوں کا یہ غصیلا وحشیانہ عمل دیا وہ ایک ایک کر کے اس کی ساری وحشتوں کو ختم کرتا چلا گیا، وہ تکیے میں منہ چھپائے سسکیاں بھرتی رہی، داؤد حسن خان کمرے سے نکل گئے تھے، جبکہ رانیل پتہ نہیں کس کس الزام اور انکشاف کی زد پہ آگئی حیرت دکھ اور ملال کی زیادتی سمیت جیسے گنگ کھڑی تھی۔

☆☆☆

گر مجھے اس کا یقین ہو کہ تیرے دل کی تھکن
تیری آنکھوں کی اداسی تیرے سینے کی جلن
میری دلجوئی میرے پیار سے مٹ جائے گی
اگر میرا حرف تسلی وہ دوا ہو جس سے
جی اٹھے پھر تیرا اجڑا ہوا بے نور دماغ
تیری پیشانی سے دھل جائیں گے سارے داغ
تیری بیمار جوانی کو شفا ہو جائے
گر مجھے اس کا یقین ہو میرے ہمدم میرے دوست
روز و شب شام و سحر میں تجھے بہلاتا رہوں
میں گیت گاتا رہوں ہلکے شیریں
آبشاروں کے بہاروں کے چمن زاروں کے گیت
آمد صبح کے مہتاب کے سیاروں کے گیت
پر میرے گیت تیرے دکھ کا مداوا ہی نہیں
نغمہ نہیں مونس و غمخوار سہی

تمکین نے اس کے سامنے پڑا رائٹنگ پیڈ اٹھایا تھا اور اس کی تحریر کردہ اس کی کیفیات کی واضح غماز نظم کو پڑھا تھا اور اسے مسکراتی نظروں سے دیکھتی بے اختیار ہنس دی تھی۔

"عجیب اتفاق ہے ماموں بھانجے کی ایک ہی کیفیات ہیں ان کا بھی بس نہیں چل رہا اس لڑکی کے سارے دکھ خود سمیٹ لیں ادھر تم۔" وقاص نے گہرا سانس بھرا تھا اور اسے خالی نظروں سے دیکھا۔

"ماموں کو مجھ سے کمپیئر کیوں کرتی ہیں مامی۔"

"اچھا۔" وہ مسخرے پن سے ہنسی۔

"کیا تم سمجھتے ہو تمہارے جذبات ان سے زیادہ قیمتی ہیں کہ رانیل کے دل پہ اثر کر جائیں بیوقوف لڑکے تم تو یک طرفہ محبت کے اسی بند گلی میں اپنا سر ٹکراتے پھر رہے ہو جہاں فریق ثانی کا دور دور تک نام و نشان نہیں ہے، مگر تمہارے ماموں کا معاملہ تمہاری طرح یک طرفہ نہیں ہے دونوں نے ایک دوسرے کو قبولیت کی سند بخشی تھی بس ملاپ قدرت کو منظور نہ ہوا تبھی تو دونوں ہی اپنی اپنی

بہت مضطرب و بے چین ہیں۔" نفرت و غصے اور رقابت کی آگ میں جلتے ایک ایک لفظ چبا کر اس نے وقاص کی سمت دھیان ہی نہیں دیا، دیکھتے ہی دیکھتے جس کے چہرے کے تاثرات میں زلزلے کی کیفیت نمودار ہوئی تھی، ہونٹ کپکپانے لگے اور ماتھے پہ پسینہ ابھر آیا۔

"جی!" اپنی بھڑاس نکالتے تمکین کی نظر وقاص کی سمت اٹھی تو وہ اس کی رنگت دیکھ کر ڈر سی گئی۔

"کیا کہا آپ نے۔" وہ بولا تو اس کی آواز بدلی ہوئی تھی، یوں جیسے گہرے کنویں سے ابھری ہو۔

"میں...... کچھ نہیں۔" تمکین کو یکایک اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔

"آ...... آپ نے ابھی کہا نا مامی کہ ماموں بھی رانیل کو پسند کرتے ہیں اور...... اور خود رانیل بھی۔" وہ اتنی زور سے دھاڑا تھا کہ کمرے کی دیواریں تک لرز اٹھیں۔

"یہ...... سچ ہے۔"

"نہیں کہہ دیں یہ سچ نہیں میں مر جاؤں گا ایسا نہیں ہو سکتا۔" وہ پاگلوں کی طرح چیختا کمرے کی ایک ایک چیز کو اٹھا کر خود اپنے ہی اوپر پھینک رہا تھا۔

"یہ سچ نہیں ہے۔"

"وقاص پلیز کمپوز یور سیلف۔" تمکین گھبرا کر تھر تھر کانپتی رونے لگی۔

"یہ سچ ہے یہی سچ ہے۔" وہ چیختا چلاتا ہوا کمرے سے نکل گیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ)

میرے ساحر سے کہو

امِ مریم

پچھلی قسط کا خلاصہ

ثمین جس حد تک رائیل کے بارے میں جانتی ہے وہ احساس اس کے دل میں رائیل کے لئے نفرت کو جنم دیتا ہے، داؤد حسن خان کی توجہ اور اہمیت رائیل کے لئے محسوس کرتے ثمین رقابت کے بجز کتے ہوئے غصے میں داؤد حسن خان سے بھی گستاخانہ انداز میں الجھتی ہے جس رائیل سننے کے بعد وہاں سے جانے کا فیصلہ کرتے ہوئے چپکے سے گھر سے نکل کھڑی ہوتی ہے۔

وقاص پہ رائیل کی ازدواجی حیثیت ہسٹریائی کیفیت طاری کر دیتی ہے جو ثمین کو ششدر کرنے کو کافی ہے۔

طارق شیرازی اور ماہ نور کے درمیان موجود رنجش مزید بڑھتی ہے جسے ہوا دینے کو کبھی اماں اور کبھی منیبہ کا رویہ بھی قابل ذکر ہے ایسے میں ضویا اور فاروق کی خیر سگالی کی ہر کوشش بے کار جاتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

بارہویں قسط

"ماہ نور تیار کیوں نہیں ہوئیں تم۔" ضوبا نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا اور اسے یونہی ہاتھ پہ ہاتھ دھرے کسی گہری سوچ میں ڈوبے پا کر زچ سے جھنجلائی، ماہ نور نے چونک کر اس کی صورت دیکھی تھی اور ٹھنڈا سانس بھر کے چپ ہو رہی۔

"یہ ٹھیک تو نہیں ہے ماما، اس روز نانیوں کی تقریب میں بھی تم نہیں گئیں، ہر کوئی پوچھ رہا تھا اور سب کو جیسے سنبھالا پڑی، اماں نے کہا تھیں اور تم چلو گی تھیں، یہ ضد ہے یا زیادتی کی طرف سفر۔" وہ نرمی سے کہتی اس کے پاس آ بیٹھی۔

"تو اینڈ وائز پلیز۔" ماہ نور نے بے بسی سے ٹوکتے ہوئے خود اٹھنا چاہا تھا۔

"تمہارے اور بھائی جان کے درمیان جو کچھ بھی ہے ماما وہ تمہارے پرسنل تک محدود رہنا چاہیے نہ کہ لوگ اس میں انوالو ہوں اور جو سے بیٹھے پھریں باتیں کرتے، تو لوگ اب کیا مزے نہ لے رہے، تمہارے بھائی نے ایک فضول ضد کے پیچھے ہر جگہ تماشا بنا کے رکھ دیا ہے۔" ماہ نور کھولتے ہوئے اعصاب پر قابو پائے بغیر برہمی سے چیخی تھی، ضوبا خائف سی ہو گئی۔

"مگر سوری ضوبا مجھے کچھ نہیں سننا تم پلیز جاؤ یہاں سے۔" وہ بدتمیزی سے بولی تھی۔

"جاؤ ضوبا، کیوں پتھروں پہ انرجی ویسٹ کر رہی ہو۔" طارق شیرازی نے اندر آتے ہوئے مداخلت کی تھی، عجیب انداز تھا تمسخر سے بھرپور، بیگانگی و نخوت لیے ہوئے، ضوبا نے پلٹ کر بہت ملامتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"آپ چپ رہیں بھائی اگر کچھ ٹھیک نہیں کر سکتے تو مزید غلط بھی مت کریں، آپ کو کچھ احساس بھی ہے کہ آپ دونوں اپنی اپنی اناؤں کے قلعوں میں قید ہو کر خود اپنے لیے بھی عذاب بن گئے بلکہ دوسروں کو بھی خود پہ ہنسنے کا موقع فراہم کر رہے ہیں۔" ضوبا آگ بگولا ہوتے ہوئے سخت چڑ کر بولی تھی۔

"تو ٹھیک ہے چھوڑو تم رہو اپنا سر جب تھک جاؤ تو چلی جانا۔" وہ پھر چیخ مارنے والے انداز میں کہتا وارڈروب سے اپنے کپڑے نکال کر واش روم میں جا گھسا۔

"موو۔" ضوبا نے بہت بے چارگی سمیت اسے دیکھا تھا، ماہ نور نے ایک نظر اس کے چہرے پہ موجود بے بسی کو دیکھا تھا اور اس کے ہاتھ سے ساڑھی کا ہینگر لے لیا۔

"ٹھیک ہے سوچ کر موو، مسکراؤ اور آخر جب تک بھائی تیار ہوتے ہیں انتہائی ناقدم ہے تمہارے پاس، میں فاروق بھائی کو دیکھوں مجھے چھوڑ کر نہ چلے گئے ہوں۔" وہ ایک جھٹکے سے گلے لگاتی گال چومتی پلٹ کر بھاگ گئی، ماہ نور نے ڈریسنگ کا رخ کیا تھا، چینج کرنے میں صرف پانچ منٹ لگے جیولری شوز ہر شے ضوبا وہیں پہ ہی ٹیبل پہ رکھ گئی تھی اس کی ناں ناں کے باوجود مگر اس کی یہ تیاری اب ماہ نور کے خوب کام آ رہی تھی، پہلے جیولری پہنی پھر ذرا سا ہیئر سے بال جھٹک کر کے سلجھانے لگی، ایک ہاتھ سے ساڑھی کا پلو سنبھالتی دوسرے میں برش تھامے وہ خاصی الجھن میں مبتلا تھی، جب طارق شیرازی نے بلیک شلوار سوٹ میں ملبوس بیڈ روم میں قدم رکھا تھا اور جیسے اپنی جگہ پہ ساکن رہ گیا، اورنج ساڑھی جس کے بیک گرین کامدانی بارڈر پہ شیشے اسٹون کی چمک اس کی آنکھوں اس کے چہرے کی چمک دمک کو جگمگا رہی تھی، سرسری گردن سے

لپ اسٹک میں بکھیرتا گو بند بڑے بڑے جھمکے ہاتھوں میں بجتی چوڑیوں کی جلترنگ، اس کی عجب سی فراوانی تھی، وہ تو جیسے مبہوت سا رہ گیا تھا، آئینے میں اس کے عکس سے ماہ نور کی نگاہیں ٹکرائی تھیں اور طارق شیرازی اس کے ملکوتی چہرے پہ ابھرتی ناگواری کے تاثر کو دیکھتا صرف ہوش میں لوٹا تھا بلکہ اپنی انا کے حصار میں بھی مقید ہو گیا، سر جھٹک کر وہ آگے بڑھا تھا اور اسے یوں اگنور کرتا ہوا اپنی تیاری مکمل کرنے لگا جیسے سرے سے اس کا وجود تسلیم نہ ہو، مگر ماہ نور کو اس کی موجودگی صرف نروس ہی نہیں کر رہی تھی ڈسٹرب بھی کر چکی تھی، وہ کب سے گجرا کلائی کے گرد لپیٹ کر گرہ لگانے کی کوشش میں تھی، مگر کانپتے ہاتھوں کی بدولت یہ کام ہو کر نہیں دے رہا تھا، اس نے جھنجلا کر گجرا ڈریسنگ ٹیبل پہ پٹخا تب بھی نگاہ خود سے محض چند انچ کے فاصلے پہ حد درجہ اطمینان سے کھڑے خود پہ پرفیوم اسپرے کرتے طارق سے الجھی تھی، بے نیاز لاتعلق اور خود میں مگن وہ اس سیاہ شلوار سوٹ اور گلے میں ست رنگا خوبصورت سا دوپٹہ نما اسکارف ٹائی کے اسٹائل میں لیے اپنی غضب کی مردانہ وجاہتوں سمیت کتنا خوبرو کتنا خاص لگ رہا تھا، اس کی دراز قامت اور غضب کی اسمارٹنس کی بدولت یہ لباس اس پہ کتنا جچ رہا تھا کہ وہ کسی بہترین کمپنی کے شاندار سے ماڈل کی طرح ہی نظر آ رہا تھا، بیڈ کی سائیڈ دراز سے گاڑی کی چابیاں اور موبائل فون کے ساتھ والٹ اٹھاتے ہوئے وہ ایڑیوں کے بل گھوما تھا اور اسے یونہی اگنور کرتا باہر نکل گیا، جو اس کا خدشہ تو وہ تب ہوئی تھی جب اس نے پورچ میں کھڑی آخری گاڑی میں بیٹھ کر اسے جاتے ہوئے دیکھا۔

☆☆☆

"طارق۔" وہ گھنٹی سی بے شمار توصیفی نگاہوں کا مرکز تھا مگر اسی قدر بے نیاز بنا سرد سے محو گفتگو تھا جب اماں نے اسے کڑے تیوروں سے پکارا تھا، وہ سرد سے ایکسکیوز کرتا ان کی سمت چلا آیا۔

"جی۔"

"اسے نہیں لائے۔"

"کسے؟" وہ دانستہ انجان بنا تھا۔

"بے نہیں بھائی، اماں ماما کا پوچھ رہی ہیں۔" ضوبا نے زچ ہو کر کہا تھا۔

"ارے تم اسے بھابھی نہیں کہہ سکتیں بڑی ہے عمر میں تم سے۔" اماں نے گلے ہاتھوں ضوبا کو بھی تنازعہ اس غلط بیانی پہ لمحہ بھر کو حیران ہوئی تھی، مگر اماں سے کسی بھی وقت کسی بھی بات کی توقع کی جا سکتی تھی، سو یہ حیرت مختصر ثابت ہوئی۔

"اسے بھابھی کہلوانا پسند نہیں ہے۔" ضوبا نے طارق کو دیکھ کر بالخصوص جتایا، طارق نے ان شاکی نظروں کے انگارے اپنے وجود میں دہکتے محسوس کیے تھے اور ایک تیکھی نظر ضوبا پہ ڈالی تھی گو کہ اماں اس کی اس صاف گوئی کو برداشت نہ کرتے ہوئے غائبانہ ہی سہی مگر ماہ نور کے لتے لینے لگی تھیں۔

"اماں پلیز بس کریں کچھ تو خیال کر لیں، یہ شادی والا گھر ہے کتنے لوگ جمع ہیں یہاں اگر کسی نے سن لیا پتہ ہے نا پھر جب آپ یہ بات آئے گی تو کیسے بی پی کنٹرول سے باہر ہوتا ہے آپ کا۔" وہ ان کے بازو پہ ہاتھ رکھ کے نرمی و سبھاؤ سے سمجھانا چاہ رہی تھی مگر اماں کو تو اس کی بات

سب سے بڑھ کر اپنی غضب کی خوبصورتی کی بدولت وہ ہر جگہ ہر محفل میں اہمیت رکھتا تھا، جہاں وہ سب گزرتا اکٹھے ہوتے اس سے بالخصوص فرمائش کر کے سنا جاتا اسے بھی اچھا لگا کرتا تھا اپنی آواز کا جادو جگانا اور داد وصول کرنا، مگر یہ تب کی بات تھی اب بلکہ آج تو موڈ بہت ہی خراب تھا، ایسے میں جب وہ سب اصرار کرنے لگے تو اس نے بہتری جان چھڑانا چاہی تھی، مگر جب سرمد تقریب کے وی آئی پی شخصیت نے اسے مان اتنی چاہ سے اس کے ہاتھوں میں گٹار دے کر تھمایا تو وہ مزید انکار نہیں کر پایا تھا، تقریب کا رنگ وہی تھا البتہ رسم کی ادائیگی ہو چکی تھی اب ارادہ ڈھولک بجانے کا تھا مگر اس سے پہلے اس کا گانا تا کہ پھر جس کا جی چاہے وہ واپس جا سکے یا سونے کی تیاری کرے اس نے گٹار کے تاروں کو چھیڑتے ہوئے حاضرین محفل پر نگاہ کی یہ بھٹکتی ہوئی نظریں ضوبیا کے ساتھ خود سے خاصے فاصلے پہ بیٹھی ماہ نور پہ جا کے جیسے ٹھہری گئیں، اس کے لبوں پہ عجیب ناقابل فہم سی مسکان بکھری تھی۔

کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے
کہ زندگی تیری زلفوں کی نرم چھاؤں میں
گزرنے پاتی تو شاداب بھی ہو سکتی تھی
یہ تیرگی جو میری زیست کا مقدر ہے
تیری نظر کی شعاعوں میں کھو بھی سکتی تھی
عجب نہ تھا کہ میں بیگانۂ عالم ہو کر
تیرے جمال کی رعنائیوں میں کھو رہتا

ماہ نور نے اس کی پرجذب گمبھیر اور ماحول پہ فسوں طاری کرتی آواز کو جھکے سر سمیت سنا تھا اور جیسے دل کو عجب ٹھہر ٹھہر کر دھڑکتا محسوس کرنے لگی تھی، نظریں اٹھائے بغیر بھی وہ اس کی پرتپش گہری نظروں کو محسوس کر رہی تھی جب ضوبیا نے اسے باقاعدہ ٹہوکا دے کر ادھر متوجہ کیا تھا اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی سر اونچا کیا تھا، طارق اس کی توقع کے عین مطابق اس کی سمت متوجہ تھا، کسی کی بھی پرواہ کیے بغیر یک ٹک اسے دیکھتا ہوا اس نے اپنے چہرے اور پیشانی کو سلگتے محسوس کیا اور لب بھینچتے ہوئے ایک بار پھر سر جھکا دیا اس کے الفاظ تیروں کی طرح ابھی بھی دل میں ترازو تھے اور اب بھی وہ ویسے ہی الفاظ لہجے کے ردوبدل کے ساتھ وہ پھر سے دہراتا ہوا اسے جانے کیا جتانے کی کوشش میں مصروف تھا کہ اس کا دل بھڑ بھڑ جل اٹھا تھا، یہ شکوہ تھا یا طعنہ وہ کچھ سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔

تیرا گداز بدن تیری نیم باز آنکھیں
انہی حسین فسانوں میں محو ہو رہتا
پکارتیں جب جب مجھے تلخیاں دنیا کی
تیری نظر سے حلاوت کے گھونٹ پی لیتا
تیری زلفوں کے سائے میں چھپ کے جی لیتا
مگر یہ ہو نہ سکا اور اب یہ عالم ہے
کہ تو نہیں تیرا غم تیری جستجو بھی نہیں

ماہ نور نے ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر بہت غور سے اسے دیکھا مگر وہ اس کی سمت متوجہ نہیں تھا، آنکھیں موندے جھوم رہا تھا، ماہ نور نے لب بھینچ کر اپنی امڈتی سسکیوں کو دبایا تھا۔

گزر رہی ہے کچھ اس طرح زندگی جیسے
اسے کسی کے سہارے کی آرزو ہی نہیں
زمانے بھر کے دکھوں کو لگا چکا ہوں گلے
گزر رہا ہوں کچھ انجانی راہگزاروں سے
مہیب سائے میری سمت بڑھتے آتے ہیں
حیات و موت کے پر ہول خارزاروں سے
نہ کوئی منزل نہ جادہ نہ جستجو کا سراغ
بھٹک رہی ہے خلاؤں میں زندگی میری
انہی خلاؤں میں رہ جاؤں گا کبھی کھو کر
میں جانتا ہوں میری ہم نفس مگر یونہی
کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے

اس نے گٹار واپس رکھ دیا تھا اور اپنے سر پہ چڑھے بیٹھے اپنی سمت گھورتے سرمد کو دیکھ کر مسکرایا۔

"یار! میری شادی پہ بھی درد بھرا گیت ملا تھا تجھے گانے کو۔" وہ خفگی سے دہاڑا۔

"اس کا بھلا کرو، ہو سکتا ہے ماہ نور بھابھی سے بھی کچھ چل رہی ہو انہیں بتانے کو جذبات رکھا رہا ہو۔" احسن نے بات کو نیا رخ دیا تھا، ایک فرمائشی قہقہہ پڑا، وہ خاموش رہا البتہ ماہ نور کی رنگت دہک اٹھی تھی۔

"چلو کوئی ڈھنگ کا گانا سناؤ۔" سرمد اس کے سر ہوا تھا۔

"معاف کرو بھائی میرا بالکل موڈ نہیں۔" اس نے چلبلا کر کہا تھا۔

"کس کا رونا؟ شادی کے گیت گانے کا تیرے تو بھی گیت گانے کے دن ہیں پیارے تیری نئی نئی شادی ہے۔" احسن نے اس کے بال بکھیرے تھے۔

"بارہ بج رہے ہیں، مجھے جانے دو پلیز سخت نیند آ رہی ہے۔" اس نے کلائی پہ بندھی رسٹ واچ سرمد کی آنکھوں کے سامنے لہرائی تھی اور منہ پہ ہاتھ رکھ کے جمائی روکی۔

"ٹھیک ہے جاؤ مگر آج بھابھی یہیں رہیں گی لڑکیوں کا ابھی ڈھولک بجانے کا پروگرام ہے۔" سرمد نے شرارتی انداز میں آنکھیں نچائی تھیں، طارق شیرازی نے بے اختیار آنکھیں نکالیں تو سرمد ہنس پڑا تھا۔

"مجھے پتہ تھا یہ جانے کی کیوں سوجھ رہی ہے تمہیں۔" وہ سب ہنس کر اسے زچ کرنے لگے، وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"اوکے کیا یاد کرو گے۔"

"کیا؟" وہ بے اختیار چلائے تھے۔

"یعنی تم اکیلے جا رہے ہو۔" سرمد کی آنکھیں پھٹنے کے قریب ہوئی تھیں۔

"سوری داؤد۔" وہ کشن گھسیٹ کر ان کے پاس کارپٹ پہ بیٹھ چکی تھی۔

"سوری فار واٹ۔" ان کی کشادہ سرخ ڈوروں سے بھی آنکھوں میں خالی الذہنی اور بے خیالی کی کیفیت تھی۔

"اس روز غصے میں، میں جانے کیا کچھ کہہ گئی اس کے لیے، داؤد میں کیا کرتی ایکچولی میں آپ سے محبت ہی اتنی کرتی ہوں کہ آپ کے آس پاس کسی اور کو برداشت۔" معاً وہ ان کی حیران متحیر نگاہوں کو خود پہ جمتے دیکھ کر خفت زدہ ہوئی زبان دانتوں تلے دبا کر شرمندگی سے لب بھینچے گئی۔

"آپ نے مجھے معاف تو کر دیا۔" وہ کتنی دیر بعد بولی تھی، داؤد حسن خان نے نہ نظر اٹھا کر اسے دیکھا نہ جواب میں کچھ کہا یہاں تک کہ وہ تھک کر بائیں ہونٹ کاٹ کر کھڑی ہوئی تھی۔

"مجھے لگتا ہے اس روز رانیل آپ کی ایسی فضول باتوں کو سننے کے بعد ہی بنا کچھ بتائے چپ چاپ چلی گئی، میں اب بھی یہی کہوں گی کہ آپ نے اچھا نہیں کیا۔" تمکین نے ان کی بوجھل آواز سنی اور اندر تک خفت زدہ ہو گئی وہ غلط نہیں کہہ رہے تھے، اسے اپنی اس فضول گوئی پہ بہر حال ندامت تھی کہ اس کی لپیٹ میں صرف رانیل ہی نہیں وقاص بھی آیا تھا اور وقاص اسے داؤد کے حوالے سے بے حد عزیز تھا۔

"بات سنیں تمکین۔" وہ قدم گھسیٹتے ہوئے دروازے تک جا پہنچی تھی جب داؤد حسن خان کی آواز اس کے قدموں میں زنجیر ڈال گئی تھی۔

"وقاص کے ساتھ کیا معاملہ ہے پلیز معلوم کرنے کی کوشش کریں، میں اب اندر سے بے حد اپ سیٹ ہوں سوچ سوچ کر تھک گیا ہوں آخر اسے ان چند دنوں میں اچانک کیا ہو گیا ہے۔" وہ سر تھامے ہوئے واقعی بہت مضطرب نظر آ رہے تھے، تمکین کے چہرے پہ ایکدم ہی جوش سا ابھرا، وہ تیزی سے پلٹ کر ان تک آئی تھی۔

"داؤد کیا واقعی رانیل کی شادی جس لڑکے سے ہوئی ہے وہ اچھے کریکٹر کا انسان نہیں ہے۔"

"آپ کیوں پوچھ رہی ہیں۔" داؤد حسن خان کس قدر سرد لہجے میں کہا تھا۔

"کوئی عورت یونہی اپنا گھر بار چھوڑ کر در بدر نہیں بھٹکتی پھر وہ تو شکل سے بھی اتنی معصوم لگ رہی تھی۔"

"ان باتوں کا مقصد کیا ہے۔" داؤد حسن خان جھنجھلائے تھے۔

"دیکھئے آپ خود ہی تو کہہ رہے تھے وہ اس پوری دنیا میں بالکل اکیلی ہے اور حالات کی ستائی ہوئی بھی، ایسے لوگوں کی مدد کرنا تو اخلاقی فرض بنتا ہے پھر آپ کی حیثیت بھی مضبوط ہے، اسے اس کے شوہر سے طلاق کیوں نہیں دلوا دیتے۔"

"تمکین!" وہ بے اختیار غرائے تھے۔

"میں یونہی نہیں کہہ رہی ہوں اس کی بہت ٹھوس وجہ ہے داؤد، رانیل کی بھی زندگی سنور جائے گی اور وقاص بھی پرسکون ہو جائے گا۔"

"واٹ؟" وہ بہت زور سے چونکے تھے۔

"واٹ یو مین۔" وہ اضطرابی کیفیت کے زیر اثر بیٹھے سے یکلخت اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"وقاص، رانیل میں انٹرسٹڈ ہے آج سے نہیں تقریباً ایک سال سے اب اس کی ڈپریشن کی وجہ رانیل کی شادی اور پھر بعد کے حالات کی آگاہی ہے۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے رکی نہیں تھی، داؤد حسن خان کو لگا تھا جیسے وہ اس انکشاف کی زد پہ آئے بھربھری ریتلی دیوار کی طرح ڈھتے جا رہے ہوں۔

☆☆☆

آسیب زدہ گھر کا مکیں وہ در ہوں محسن
دیمک کی طرح چاٹ گئی جسے دیکھنے کی تمنا

طویل بے ہوشی کے بعد دھیرے دھیرے وہ ہوش میں آئی تھی، بہت سست روی سے اس کے لاشعور کا تعلق شعور سے منسلک ہوا تھا اور کربناک احساس رگ و پے میں سرایت کرتا چلا گیا، بےکار تھی وہ کتنی بے فائدہ کہ موت کو بھی اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی، اتنا بڑا شہر کتنی بڑی دنیا مگر اس کے لیے کہیں بھی جگہ نہیں تھی اور اپنی وجہ سے وہ کسی کو آزمائش میں ڈالنا نہیں چاہتی تھی، داؤد حسن خان کو خاص طور پہ نہیں تبھی تو رات کی تاریکی میں وہ حماقت کر ڈالی تھی، انجام کی پروا کیے بغیر گھر سے نکل آئی تھی، بس ایک ہی دھن تھی کہ یہاں سے دور جانا ہے کہاں یہ خیال ہی نہ آیا تھا، بے خیالی اور پریشانی کا ہی یہ عالم تھا کہ وہ بے دھیانی میں یہ بیوقوفی کر چکی تھی، انجان اور نہ ختم ہونے والے راستے اس کے پیروں سے لپٹے تھے اور وہ اس خیال سے حیران کہ اب کہاں جائے وہ اضطراب فکر اور گھبراہٹ ہی تھی کہ وہ بیچ سڑک میں ٹریفک سے بے نیاز ہو کر چل رہی تھی جب کسی گاڑی سے ٹکرا گئی تھی، اس کے بعد جیسے اس کا سوچوں کا تفکرات اور پریشانیوں سے اٹا ذہن [illegible] ایک بار پھر خود کو انہی حالات سے نبرد آزما پا کر اس کا دل اتنا [illegible] بے اختیار آنکھیں [illegible] بھاری قدموں کی آہٹ اس کے نزدیک آتے ہوئے رکی تھی۔

"اب کیسی طبیعت ہے ڈاکٹر ان کی؟"

"پہلے سے بہتر ہیں، چوٹیں تو معمولی ہی تھیں یہ خوف سے بے ہوش ہوئی تھیں، نا سی قسم کی ڈپریشن بھی تھی ان کی ذہنی حالت سے بھی اندازہ ہوتا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے ورنہ اس حالت میں عموماً خواتین کچھ زیادہ حساس اور جلد حراساں ہو جایا کرتی ہیں۔" ایک خوبصورت بھاری بھاری مردانہ آواز نے اس کے متعلق استفسار کیا تھا، جواب میں ڈاکٹر نے تفصیلات سے نوازا تھا۔

"کیسی حالت۔" وہی آواز چونکتے ہوئے استفسار کر رہی تھی، ڈاکٹر کی ہلکی سی ہنسی کی آواز ابھری تھی۔

"یہ پریگننٹ ہیں مگر چائلڈ کو کوئی نقصان نہیں ہوا، ورنہ جس طرح آپ نے بتایا کہ یہ گاڑی سے ٹکرا کر چپ کھا کر گری تھیں، اس طرح سے محفوظ رہنا ان کی گڈ لک ہے یا آپ کی ایک خون آپ کے سر نہیں آیا۔" ڈاکٹر سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"اوہ تھینک گاڈ۔" جواب میں بے اختیار گہرا سانس بھر کے کہا گیا۔

"انہیں ہوش آ گیا ہے، آپ نے ان کے گھر کا ایڈریس یا کانٹیکٹ نمبر وغیرہ معلوم کیا، پتہ نہیں رات سے اب تک ان کی فیملی کا کتنا برا حال ہو چکا ہوگا۔" بہت متفکر انداز میں کہا گیا تھا، رانیل کا دل دھک سے رہ گیا تو گویا اب پھر سے وہی موضوع چھیڑا جائے گا، جس سے وہ بچنا چاہتی

تھی۔

"ہوش تو نہیں آیا ہے مگر یہ دواؤں کے اثر سے سو رہی تھیں، اب میرا خیال ہے یہ جاگ رہی ہیں، آپ پوچھ لیجئے ان سے۔ ویسے آج انہیں ہم ڈسچارج بھی کر دیں گے۔" ڈاکٹر اس کی کلائی تھام کر نبض چیک کرتا ہوا مسکرا کر بولا اور ضروری کاروائی کے بعد اسے وش کرتا ہوا پلٹ کر چلا گیا۔ طارق نے کھنکار کر اسے متوجہ کیا تھا۔

"ایکسکیوز می مس آپ مجھے سن رہی ہیں۔" راحیل نے خوفزدہ سے انداز میں آنکھیں اور بھی سختی سے میچ لیں اس طرح کبوتر کی مانند آنکھیں بند کر کے وہ خطرہ ٹلنے کی خواہش مند تھی۔

"جی! بیوقوف، دیکھئے میں جانتا ہوں کہ آپ سو نہیں رہی ہیں، پلیز میرے ساتھ تعاون کیجئے آپ کی وجہ سے میں آل ریڈی بہت ڈسٹرب ہو چکا ہوں۔"

"مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی آپ چلے جائیں یہاں سے۔" وہ یونہی بند آنکھیں کئے بے اختیار روتے ہوئے بولی تھی۔

"ٹھیک ہے آپ مت کریں مجھ سے بات لیکن اپنے گھر کا نمبر تو دے دیں تاکہ میں آپ کی فیملی کے حوالے کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہوں۔" وہ کاندھے جھٹک کر بولا تھا۔

"ٹھیک ہے پھر قبرستان چلے جاؤ اور مجھے گلا گھونٹ کر ایک گڑھا کھود کر میرے باپ کے ساتھ مجھے بھی دفنا دو وہیں ہے میری فیملی۔" وہ جو آنکھیں کھولنے پر بھی آمادہ نہیں تھی ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے ہذیانی لہجے میں چیخ کر بولی، طارق شیرازی ایک دم کنفیوژ ہوا تھا، چند لمحوں تک تو وہ کچھ بول ہی نہیں سکا۔

"دیکھئے آپ خوا مخواہ جذباتی ہو رہی ہیں آپ کی فیملی میں صرف آپ کے والد صاحب ہی تو نہیں ہوں گے باقی لوگ۔"

"کوئی نہیں کوئی بھی نہیں، ماں بہت سال پہلے مر گئی تھی، پاپا چند ماہ قبل، میں ان کی اکلوتی اولاد تھی۔"

"اور شوہر۔" طارق نے بہت غور سے اسے دیکھا تھا، راحیل کی آنکھوں میں نمی بھر گئی، اس کی نگاہوں میں شہریار کا خون میں لت پت تڑپتا ہوا وجود گھوما۔

"وہ بھی مر گیا ہے۔" اس نے آنسو اندر اتار لیے۔

"میں جھوٹ نہیں بول رہی ہوں، میں واقعی تنہا ہوں۔" اس نے ٹھنڈا سا سانس بھر کے کہا تھا، طارق حیرت کی زیادتی سے اسے دیکھتا رہ گیا۔

"تو اب تک آپ کہاں تھیں۔"

"میں نے اپنے عزیز کے ہاں پناہ لی تھی مگر ان کی بیوی میری وجہ سے ان پر شک کرنے لگی تھی مجھے مجبوراً وہ ٹھکانہ بھی چھوڑنا پڑا۔"

"اوہ تو، اب کیا کریں گی آپ۔" وہ شاک میں تھا، راحیل نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا اور لیٹنے کے بعد کروٹ بدل لی، طارق اس کی طرف سے جواب کا انتظار کر کے جھنجھلا کر پلٹا تھا۔

☆☆☆

"فضو!!"

"جی بھائی۔" فضو یا رات کی تقریب کے لئے ابھی سے کپڑے استری کر کے رکھ رہی تھی جب طارق نے اسے آواز دی تھی۔

"ماہ نور کہاں ہے۔" وہ بہت عجلت میں دکھائی دے رہا تھا۔

"پتہ نہیں کمرے میں ہوں گی۔"

"نہیں ہے۔" طارق نے جھلا کر کہا۔

"تو پھر کچن میں ہو گی، وہاں دیکھا۔" فضو یا نے استفسار کرتے ہوئے اس کی شکل دیکھی۔

"میں دیکھتی ہوں۔"

"رہنے دو میں خود دیکھ لیتا ہوں۔" وہ اسے وہیں چھوڑتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا آگے نکل گیا کچن میں جھانکا جہاں وہ بڑے سے چمچے میں کچھ چلاتے ہوئے کچھ پکانے میں مصروف تھی، وہ ایک پل کو اسے دیکھتا رہ گیا لیمن گرین شفون کے سوٹ میں جس پہ لش گرین ہی چھوٹی چھوٹی کڑھائی کا کام تھا، بنے چوٹی سے نکلی بالوں کی لٹوں کو کانوں کے پیچھے اڑستے بہت مصروف نظر آ رہی تھی، گلابی وہ دھیا رنگت چولہے کی حدت سے دہک رہی تھی۔

"کیا کر رہے ہیں سالن خراب ہو جائے گا۔" اس نے آگے بڑھ کر پہلے چولہا بند کیا تھا پھر اس کی کلائی تھام کر اسے اپنے ساتھ گھسیٹ لیا تھا، وہ گھبرائی ہوئی چیختی رہ گئی، مگر اس نے کان نہیں دھرا تھا، برآمدے سے نکل کر وہ صحن میں آیا تو سیڑھیاں اترتی منیبہ دونوں کو دیکھ کر جیسے پتھر کی ہو گئی، طارق نے ایک [illegible] آنکھوں میں جھانک کر اس کی سمت اچھالی اور ماہ نور کا ہاتھ پکڑے گاڑی کے پاس آ گیا۔

"چھوٹی بیگم اف کرو۔"

"یہ...... یہ کیا ہے سب۔" وہ دانت پیس کر غصہ ضبط کرتی ہوئی اس کا کھولا ہوا دروازہ زوردار آواز سے بند کر کے پھنکاری تھی۔

"یہ تم مجھ سے راستے میں بھی پوچھ سکتی ہو بیٹھو تو سہی۔" اس نے ایک بار پھر دروازہ کھولا اور اب کی مرتبہ اس کے احتجاج کو خاطر میں لائے بغیر بازوؤں سے تھام کر ایک طرح سے اٹھا کر ہی سیٹ پہ بٹھایا تھا، وہ اس کی اس درجہ قربت پر حیران پورے وجود میں سنسنی دوڑتے محسوس کرتی حرکت کرنے کے قابل بھی نہیں رہی۔

"ہیلو، ہوش میں آ جائیے آپ کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔" گاڑی اسٹارٹ کر کے گیٹ سے نکلتے ہوئے اس نے ماہ نور کی ساکن پلکوں کے آگے ہاتھ لہرایا تھا اور شوخی سے کھنکتے لہجے میں بولا انداز میں اپنی قربتوں کی سحر انگیزی سے آگاہی کا زعم بول رہا تھا اور یہی زعم اور اپنی بے خودی ہی کا احساس ماہ نور کو سمجھنے سے انکار کر گیا تھا۔

"کیا مجبوری ہے ہیں آپ اور کس بات پہ اتنا غرور ہے ہاں۔" وہ تو جیسے لڑنے مرنے کو تیار ہو گئی تھی۔

"ٹھیک از اوکے میڈم اتنی جذباتی کیوں ہو رہی ہیں آپ۔" وہ جواباً طنز سے پوچھتا اسے سلگا گیا تھا۔

"آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا مجھے اس طرح زبردستی اپنی مرضی کے لئے استعمال کرنے کا مائنڈ

اٹ۔" وہ پھنکاری تھی۔

"جی بالکل مجھے پتہ ہے۔" طارق نے ہونٹوں سے سر ہلا کر اس کی تائید کی مگر اگلا سوال کر کے اس کا دماغ الٹا دیا تھا۔

"مگر میں نے کب آپ کو زبردستی اپنی مرضی کے لئے استعمال کیا جانا پسند کریں گی۔" بھی کی ذومعنویت اور معنی خیزی پوری جزئیات کے ساتھ کسی بجلی گرنے کی مانند اسے آ کر لگی تھی اور وہ جیسے بھڑ بھڑ جلتی اسے دل ہی دل میں گالیاں کوسنے دیتی چلی گئی، آنکھوں میں اس توہین آمیز سلوک پہ جیسے بہت تیزی سے نمی اترتی گئی مگر وہ اس کھنور بے حس سنگدل شخص کے سامنے رو کر خود کو مزید ارزاں نہیں کرنا چاہتی تھی، بات کو گھمانا اور اپنی گھٹیا سوچ کے مطابق کوئی رخ دینا بھی گویا ایک طرح سے اس کی ذہانت ٹھہری تھی، وہ پور پور سلگ رہی تھی۔

"کل ہماری گاڑی سے ایک ایکسیڈنٹ ہوا تھا، اس وقت ہم اس سے ملنے جا رہے ہیں۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ بولا تھا، ماہ نور نے جواب بھی دینا گوارا نہ کیا یہاں تک کہ وہ اپنے اور رائنل کے درمیان ہونے والی ساری گفتگو اس کے سامنے دوہرا کر بولا تھا۔

"پلیز ہیلپ می، اس کے باوجود کہ تم مجھ سے خفا ہو اور شاید میری مدد کرنے سے انکار کر دو مگر میں نے پھر بھی تو سوچا کہ یہ میری نہیں ایک مظلوم کی مدد ہو گی، آئی ڈونٹ نو کہ وہ کس حد تک سچ کہہ رہی ہے مگر میں اس معاملے کو شریفانہ انداز میں حل کرنا چاہتا ہوں اور اس کے لئے مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔" وہ بہت آہستگی بہت امید بھرے انداز میں کہہ رہا تھا، ماہ نور نے پھر بھی جواب نہیں دیا، وہ منہ دوسری جانب موڑے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی، طارق نے [illegible] جو اس نے بہت فکر سے سوچا تھا اور گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی تھی۔

☆☆☆

"یہ لوگ مجھے جانے کی اجازت نہیں دے رہے ہیں، آپ نے میری ہیلپ کی تھی بہت شکریہ مگر آپ کو یہ حق کس نے دیا کہ مجھ پہ پابندیاں عائد کرتے پھریں۔" طارق شیرازی نے جیسے ہی ہوسپٹل کے اس روم میں قدم رکھا جہاں رائنل کو رکھا گیا تھا، وہ اسے دیکھتے ہی پھاڑ کھانے کو دوڑی تھی، طارق شیرازی، ماہ نور کے سامنے اس وجہ پذیرائی پہ خفیف سا ہو گیا۔

"آئی ایم سوری فار ویٹ میں نے ہی ڈاکٹرز سے کہا تھا کہ جب تک میں واپس نہیں آتا آپ کہیں مت جائیں۔"

"مجھے تو پوچھ رہی ہوں کیوں کیا تھا آپ نے ایسا۔" وہ سخت بدمزاجی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

"جا کہاں رہی ہیں آپ۔" طارق نے وہیں دروازے سے ٹیک لگا کر گویا اس کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھا۔

"او تو گویا آپ کو اپنے متعلق بتا کر میں نے خود کو آپ کا پابند کر لیا، یا غلطی کر لی۔" وہ تیکھے چتونوں سمیت بولی۔

"غلطی تو کی ہے، نہ ہی پابندی اور نہ ہی میں نے اس لئے آپ کی ہیلپ کی کہ آپ مشکور ہوتی پھریں، دیکھئے یہ میرا فرض تھا کہ آپ کو یہاں لاتا۔"

"آپ کا فرض ادا ہو چکا اب کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔" وہ مزید بگڑی۔

"ابھی ایک فرض رہتا ہے، آپ کو آپ کے اصل ٹھکانے پہ پہنچانے کا فرض، یہ میری مسز ہیں، آپ مجھ پہ نہیں تو ان پہ بھروسہ کریں اور پلیز انہیں سب کچھ تفصیل سے بتائیں تاکہ ہم آپ کی کچھ مدد کر سکیں۔" وہ ماہ نور کی سمت اشارہ کرتا خود پلٹ کر باہر نکل گیا، رائنل لب بھینچے بیٹھی تھی۔

"ایکسیڈنٹ آپ کے ہزبینڈ کی گاڑی سے ہوا یہ کیا ساری دنیا کے ٹھیکیدار ہیں، اور مجھ پر فرض ادا کرنے خود کو سمجھ کیا بیٹھے ہیں۔" وہ سخت برہم ہوتی بڑبڑانے لگی تھی، اصل خوف اسے بات کھلنے کا تھا، وہ اس معاملے کو پولیس تک پہنچانے سے خوفزدہ تھی بات کھلتی اگر واپسی ہوتی اور شہریار کے حوالے سے اس پہ قتل کا کیس بن جاتا بہت لے چکر تھے وہ اس سے پہلے ہی فرار ہونا چاہ رہی تھی مگر طارق نے بیچ میں کود کر جیسے معاملے کی نوعیت ہی بدل کے رکھ دی تھی اس کی بدمزاجی اور تلخی کی اصل وجہ یہی تھی۔

"ٹھیکیدار تو نہیں البتہ موصوف فوج میں میجر ہوتے ہیں، ایک امن پسند معاشرے کے خواب سجائے بیٹھے ہیں آنکھوں میں مستحکم ملک کی تمنا لئے۔" ماہ نور کو بھی اس لڑکی میں دلچسپی پیدا ہو گئی تھی، رائنل نے کچھ گھبرا کر اسے دیکھا تھا۔

"وہ سچ کہہ رہے تھے ڈیئر تمہیں مجھ پہ اعتماد کرنا چاہیے۔" ماہ نور نے ملائمت سے کہتے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا تھا۔

"میں نے کچھ بھی جھوٹ نہیں کہا۔" وہ حد درجہ چڑ کر ناراضگی سے بولی۔

"مجھے تمہیں بتانا ہو گا۔" وہ اسے دیکھا ان سیاہ گھور آنکھوں میں اسے خلوص کی چمک دکھائی دی تھی، بس ایک لمحہ لگا تھا اسے اس پہ اعتماد کا پھر اس نے شہریار کے ملنے سے لے کر آخر تک اس نے کچھ بھی نہیں چھپایا اور سب کچھ کہتے ہوئے کب کیسے اس کی آنکھیں برس پڑی تھیں اس لمحے اس کی خبر نہ ہو پائی تھی۔

"میرا کوئی گھر ہے نہ کوئی ٹھکانہ، میں گھر سے نکلی تھی تو مجھے خود خبر نہیں تھی کہ راستے مجھے کہاں لے جانے والے ہیں، بس خدا پہ بھروسہ کر کے نکلی تھی کہ وہی سب سے اچھا اور مدد کرنے والا ہے۔"

"تو پھر سمجھو اللہ نے ہی تمہارے لئے یہ سب پیدا فرمایا ہے۔" ماہ نور نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا۔

"کیا مطلب؟" وہ ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی۔

"سب سے پہلے تو اس اعتماد کے لئے تھینکس جو تم نے مجھ پہ کیا اور دوسری بات یہ کہ میری شادی کے بعد میری ماما بہت اکیلی اور اداس سی رہنے لگی ہیں، یوں تو میری چھوٹی بہن اور بھائی بھی ہیں مگر ان کا کہنا ہے کہ وہ میری جگہ تو نہیں لے سکتے نا، مگر تم ضرور میری جگہ پر کر سکتی ہو، آئی ایم شیور، چلو گی میرے ساتھ۔" ماہ نور نے بے تکلفانہ انداز میں کہتے اس کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا، حق تھا یہ فیصلہ لیتے ہوئے بھی وہ بہت پر اعتماد تھی، رائنل نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"جب اللہ پہ بھروسہ کیا ہے تو پھر خوف کیسا جھجک کے بغیر یہ قدم اٹھاؤ، میں قبل از وقت کوئی بھی دعا نہیں کروں گی بس تم خود سب کچھ محسوس کرنا۔" ماہ نور نے اس کا گداز سوئی ہاتھ اپنے

"سوری ماموں میں ناک کر کے ہی آیا تھا آپ بہت محو تھے میرا جی نہیں مانا ڈسٹرب کرنے کو، ویسے بہت اچھی غزل تھی۔"

"ہوں، یہاں آؤ خیریت ہے نا۔" انہوں نے اسے پاس بلا کر گلے میں بازو حمائل کر کے خود سے نزدیک کیا تھا۔

"رائمل اچھی لڑکی تھی، اگر تم اسے پسند کرتے تھے تو ثمین سے کہنے کی بجائے مجھے بتایا ہوتا۔"

"تو آپ کیا کرتے، بنتی اپنی بہو۔" وہ پتہ نہیں کیا کھوجنا چاہ رہا تھا۔

"وقاص کیا ہوا ہے یار ماموں پہ اعتماد نہیں ہے۔" انہیں وقاص کا انداز بہت عجیب محسوس ہوا تھا۔

"ماموں!" وہ ایک دم ان کے بازو سے لپٹ کر سسکا تھا۔

"کیا فائدہ ہوتا ماموں پسند تو وہ آپ کو کرلی تھی نا۔" اور داؤد حسن خاں کو لگا تھا دنیا کے سب سے طاقت ور بارود سے کسی نے ان کے وجود کے پرخچے اڑا دیے ہوں، وہ حیرت غیر یقینی اور صدمے سے جیسے گنگ سے بیٹھے رہ گئے تھے، مگر وقاص کا اگلا سوال اس سے بھی کٹھن تھا۔

"سچ بتائیں ماموں آ...... آپ بھی اسے......"

"وقاص!" وہ پوری طاقت صرف کر کے غرائے تھے اور ایک جھٹکے سمیت اسے خود سے دور کر دیا تھا۔

"یہ کن فضول چکروں میں پڑ گئے ہو۔"

"پلیز ماموں پلیز ٹالیں نہیں، مجھے صرف ہاں یا نہ میں جواب دیجئے، مگر پلیز وہی جو سچ ہے، اگر میں رائمل کو کھونے کا حوصلہ رکھتا ہوں ماموں تو یہ تو بہت معمولی بات ہے۔" اس کی آنکھیں بے تحاشا سرخ ہو رہی تھیں، داؤد حسن خاں نے نظریں چرائی تھیں۔

"وہ اس کی حماقت تھی وقاص، خود سوچو اگر میں بھی انوالو ہوتا تو اس سے شادی کر سکتا تھا مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔" وہ اسے بازوؤں سے تھام کر اپنے مقابل کرتے ہوئے رسانیت سے بولے تھے، مگر اس پل انہیں لگا تھا جیسے رائمل کی شاکی نگاہیں کچھ اور بھی شاکی ہو گئی ہوں مگر وہ سر جھٹک چکے تھے۔

"تم جانتے ہو وقاص کہ یہ ایسے موضوعات نہیں جن پہ میری خاموشی عیاں نہیں سرد مہری بھی تمہارے سامنے آئی ہے مگر اب کہ معاملہ ایسا تھا کہ مجھے اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے اس لئے بھی کہ میرے سامنے یہ استفسار کرنے والا میرے لئے اس دنیا میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔" وہ بہت سوچ سوچ کر بہت ٹھہر ٹھہر کر دھیمے لہجے میں گویا تھے۔

"ٹھیک ہے ماموں۔" وقاص کے لب ہلے تھے، داؤد حسن خاں مسکرائے اور اسے اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

☆☆☆

"اب بتائیں مما آپ کو میرا یہ فیصلہ پسند آیا۔" ماہ نور نے ساری بات کہنے کے بعد انہیں دیکھا تھا۔

"نہیں بلکہ تم یہ پوچھو کہ مجھے اپنی یہ بیٹی پسند آئی تو کتنی۔" انہوں نے جواب میں مسکرا کر کہتے

دودھیا ہاتھ میں لے کر دباتے ہوئے محبت سے کہا تھا، تبھی طارق کھنکارتا ہوا اندر آ گیا۔

"مسز کیسا رہا۔" وہ ایک نظر رائمل پہ ڈالتا ہوا ماہ نور کی سمت متوجہ ہوا تھا، اس نے رائمل کی سمت دیکھتے ہوئے مسکرا کر اسے اٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

"رائمل ہمارے ساتھ چل رہی ہیں۔" اس نے کاندھے اچکا کر لاپرواہی سے کہا تھا اور طارق ششدر سا اسے دیکھنے لگا۔

☆☆☆

آنکھوں سے میرے اس لئے لالی نہیں جاتی
یادوں سے جو کوئی رات جو خالی نہیں جاتی
اب عمر نہ موسم نہ وہ رستے کہ وہ پلٹے
اس دل سے مگر خام خیالی نہیں جاتی

داؤد حسن خاں بیڈ پہ نیم دراز تھے کمرے کی فضا میں مغنیہ کی مدھر سروں میں گونجتی آواز ان کے دل کی دھڑکنوں میں درد کے سر چھیڑ رہی تھی، ابھی ہلکے سے دروازہ ناک کرتا وقاص اندر آیا تھا، مگر انہیں جیسے خبر ہی نہ ہوئی۔

مانگے تو اگر جان بھی ہنس کے تجھے دے دیں
تیری تو کوئی بات بھی ٹالی نہیں جاتی

وقاص کے اٹھتے ہوئے قدم ٹھٹک گئے تھے اس نے گیت کے بولوں پہ غور کیا تھا اور جیسے اندر دھڑکتا دل کسی نے بے دردی سے ادھیڑ ڈالا۔

"ماموں!" اس کے لبوں سے کراہ کی صورت یہ ایک لفظ پھسلا تھا۔

"میں خود سے بھی شرمندہ ہونے لگتا ہوں اس خیال سے کہ وہی لڑکی جسے آپ نے سوچا اسی انداز میں وہ میرے تصور میں بھی آباد رہی ہے۔"

آئے کوئی آ کے تیرے درد سنبھالے
ہم سے تو یہ جاگیر سنبھالی نہیں جاتی

وقاص نے ایک نظر داؤد حسن خاں کے چہرے پہ بکھرے سوز کو دیکھا اور وہی بول خود بھی دہرائے تھے اور بے دم سے انداز میں صوفے پہ گر سا گیا اس میں ہمت ہی نہیں تھی کہ داؤد حسن خاں کو ڈسٹرب کرتا۔

ہمراہ تیرے پھول کھلاتی تھی جو دل میں
اب شام وہی درد سے خالی نہیں جاتی
ہم جان سے جائیں گے تو کوئی بات بنے گی
تم سے تو کوئی راہ نکالی نہیں جاتی

غزل ختم ہوئی کب داؤد حسن خاں ٹیپ بند کرنے کو سیدھے ہوئے تھے کہ نظر ساکت وقاص سے الجھی، وہ ایکدم سیدھے ہوئے تھے۔

"وقی!"

"جی۔" وہ جزبز سا ہو گیا، پھر عجیب دل شکستہ انداز میں مسکرایا تھا۔

رانئل کو گلے سے لگایا تو رانئل جو بھیگی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھتی ان کے فیصلے کی منتظر تھی مطمئن ہوتے ہوئے بے اختیار آنسو بہانے لگی۔

"ارے، رے رونے کیوں لگیں بھلا۔" ماہ نور بوکھلائی تھی۔

"رونے دو اسے دل کا بوجھ اتر جائے گا تو پرسکون بھی ہو جائے گی۔" مما نے رانئل کا سر سہلایا تھا۔

"جو کچھ ہوا تھا میرے ساتھ میرا اعتبار ساری دنیا سے اٹھ گیا تھا، مگر آپ لوگوں سے ملنے کے بعد میں نے دو باتوں کو جانا ہے ایک تو دعاؤں کی قبولیت کو اور دوسرا یہ کہ دنیا میں ابھی اچھے لوگ موجود ہیں۔" اس نے سسکی بھری تھی۔

"پھپھو جانی پلیز مجھے تو لگ رہا ہے، میں کوئی انتہائی جذباتی قسم کی موووی دیکھ رہا ہوں۔" طارق جو تب سے ایک سائیڈ پہ کھڑا تھا، منہ بنا کر بولا، مما کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی جبکہ رانئل یونہی سر جھکائے جیسے اس اچانک بچھنے والے حالات پہ غور کر رہی تھی۔

"جی ہاں انہیں تو یہ جذباتی موووی ہی لگے گی خود جو جذبات واحساسات سے کوسوں دور ہیں موصوف۔" ماہ نور نے ٹوک کر منہ چڑا کر کہا تھا، مگر اس کی باتیں بھی کمال کی تھیں۔

"جذبات واحساسات بھی ان کر دیکھنے کے لئے جب لوگوں کو پرواہ نہیں تو فائدہ۔" وہ جواباً اسے دیکھتا ہوا بھی خاصی بے مروتی و ڈھٹائی سے بولا، ماہ نور نے تیز نظروں سے اسے گھورا تھا اور پیر پٹختی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

"آپ تو دیکھ ہی رہی ہیں پھپھو آپ کی بیٹی کو شوہر کی بالکل قدر نہیں ہے۔" وہ منہ بنا کر بولا تھا مما بس مسکرائے جا رہی تھیں۔

"تم سیدھی طرح کیوں نہیں اسے کہتے کہ چائے چاہیے، میں یہ چاہتا ہوں پھپھو جانی کہ وہ میرے دل کی بات کو خود سمجھے، اسے خود جاننا چاہیے کہ مجھے چائے کے ساتھ چاہ بھی چاہیے۔" اس نے منو اور جینا کے ساتھ اندر داخل ہوتی ماہ نور کے تیکھے چہرے پر ترچھی نگاہ ڈالتے ہوئے مسکراہٹ دبائی تھی، ماہ نور نے جیسے سن کر بھی ان سنی کر دی اور رانئل کا تعارف دونوں چھوٹوں سے کروانے لگی۔

"ماہ نور بیٹا چائے بنا لو۔"

"جی۔" وہ سر ہلاتی پلٹ گئی۔

"مما۔ یہ آپا بھی بالکل موموآپا کی طرح ہی ہیں نا بس بال ان کی طرح لمبے نہیں ہیں۔" جینا جو بہت دھیان سے اسے دیکھ رہی تھی، معصومیت سے بولی، رانئل بے ساختہ ہنس پڑی۔

"آپ کو لمبے بال اچھے لگتے ہیں۔"

"ہاں بالکل موموآپا کی طرح پتہ نہیں میرے بال کب اتنے لمبے ہوں گے۔" وہ بسوری تھی اور اپنے باب کٹ بال ناپسندیدگی سے جھٹکے۔

"جب آپ آپا جتنی بڑی ہو جاؤ گی تو بال بھی اتنے لمبے ہو جائیں گے۔" طارق شیرازی نے تسلی دیتے ہوئے اس کا گال سہلایا۔

"مگر یہ آپا بھی تو ہیں آپا جتنی بڑی بھی ان کے بال مجھ سے ذرا سے بڑے ہیں۔" اس

نے رانئل کے کچھ عرصہ میں جلدی سے شانوں سے ذرا نیچے جاتے ریشمی بالوں کو دیکھ کر جانے کیا جتانا چاہا تھا، رانئل ایکدم ہی خجل ہوئی تھی۔

"وہ تو میں نے کٹنگ کرائی ہے نا۔" اس نے سر دوپٹے سے ڈھانپتے ہوئے جیسے کسی جرم کا اعتراف کیا۔

"اُفوہ اب بالوں کی کھال نکالنا ختم کرو اور چائے لو۔" ماہ نور نے ٹرے ٹیبل پر رکھتے ہوئے جھنجلا کر کہا، پھر جیسے کوئی خیال آنے پہ چونکتے رانئل کو دیکھا تھا۔

"اور رانئل تم نے تو دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا ہوگا چائے رہنے دو تم پہلے کھانا کھا لو۔" وہ اس کی جانب کپ بڑھاتے بڑھاتے رک گئی تھی۔

"نہیں اب تو شام ہی ہو گئی ہے رات کو ہی سب کے ساتھ کھاؤں گی۔" رانئل جھجک گئی تھی، مگر مما نے فوراً ٹوکا تھا۔

"نہ بیٹا ایسی حالت میں اتنی دیر خالی پیٹ نہیں رہنا چاہیے، چلو شاباش پہلے کھانا کھا لو۔" رانئل، طارق کے سامنے اس تذکرے پہ ایکدم ہی خفت زدہ ہوتی سرعت سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ام۔۔۔ میں، وہیں چلتی ہوں کچن میں تمہارے ساتھ۔"

"ہاں آ جاؤ۔" ماہ نور نے چائے کا کپ اٹھا کر طارق کو دیتے ہوئے کہا تھا اور خالی ٹرے اٹھائے اس کے پیچھے باہر نکل گئی، طارق ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا تھا۔

"پھپھو جانی، وہ ذرا جلدی فارغ ہو جائے میں اماں کو کچھ بھی بتائے بغیر اسے ساتھ لے آیا تھا، اتنی دیر بتائے باہر رہنے پر خفا تو ضرور ہوں گی۔" چائے کا خالی مگ ٹیبل پہ آگے کی سمت جھک کر رکھتے ہوئے وہ خاصی سے زیادہ الجھن میں مبتلا ہو کر کہہ رہا تھا۔

"ہاں کیوں نہیں بیٹا میں ابھی ماما کو بلاتی ہوں ویسے بیٹا آپ کو بھابھی بیگم کو آگاہ کیے بغیر یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔"

"سوری پھپھو لیکن اس وقت میں رانئل کی وجہ سے اچھا خاصا پریشان تھا، مگر میرا یہ خیال بالکل نہیں تھا کہ ماہ نور یہ اتنا بڑا اسٹیپ، آپ نے [illegible] کیا۔"

"ارے۔" وہ اس کے یوں رک رک کر اتنی کچھ گھبرا کر پوچھنے پہ بے اختیار ہنسی تھیں۔

"بیٹا اللہ بہت خوش ہوتا ہے اپنے بندوں کے کام آنے سے تنہا جوان خوبصورت بے سہارا لڑکی کے لئے یہ معاشرہ کتنا سفاک ہے کس قدر خطرناک ہو سکتا ہے یہ بات کسی سے بھی ڈھکی چھپی نہیں، صد شکر کہ اللہ نے مجھے اس نیکی کے لئے چنا خدا کرے اس کے شوہر کو جو بھی ہوا ہو اللہ اسے نیک ہدایت سے نوازے اللہ اس کے لئے بہتر فیصلہ کرے گا، اب بچی کہا ہے تو ان شاء اللہ نبھانے کی بھی کوشش کروں گی، آج میں اگر کسی پہ رحم کروں گی تو اللہ میرے بچے پہ رحم کرے گا، خدا جانے کہاں ہوگا۔" وہ ایکدم اداس غمگین اور افسردہ نظر آنے لگیں اور طارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ ان کے اس بڑے فیصلے کو بنا تیل و حجت قبول کرنے کے پیچھے کون سی وجہ کارفرما تھی۔

"اوہ، [illegible] ورنہ جس طرح ماہ نور نے رانئل کو ساتھ لے جانے اور پھر اپنے ساتھ ٹھہرانے [illegible] کی تو ایک پل کو میں مضطرب ہو گیا تھا، پھپھو، آج کل زمانہ کسی پہ اعتبار کرنے بھی

میرے ساحر سے کہو

ام مریم

پچھلی قسط کا خلاصہ

طارق شیرازی کے خاندان میں ہونے والی شادی کی تقریب میں ماہ نور طارق سے ناراضگی کی وجہ سے جانے سے انکار کرتی ہے مگر پھر ضوبیا کے سمجھانے پر مان بھی جاتی ہے مگر طارق دانستہ اسے گھر چھوڑ جاتا ہے اور اس کے پوچھنے پہ ماہ نور کے لئے بے زاری اور کوفت کا اظہار کرتے ہوئے اپنے اس انتہائی اقدام کو شرمندگی کا نام دیتا ہے ماہ نور یہ سن کر ہرٹ ہوتی ہے۔

وقاص رائنل کی ساری حقیقت جاننے کے بعد شدید قسم کے ذہنی دباؤ میں مبتلا ہو کر زندگی سے دور نظر آتا ہے داؤد حسن خاں اور نگین اس کی وجہ سے بے حد اپ سیٹ ہیں، وقاص، داؤد حسن خاں سے التجا کرتا ہے کہ اسے ملک سے باہر بھجوا دیا جائے، رائنل کے طارق شیرازی کی گاڑی سے ٹکرا کر بے ہوش ہونے پہ طارق اسے ہاسپٹل لے آتا ہے، ہوش میں آنے کے بعد رائنل طارق سے الجھ جاتی ہے کہ وہ اسے اس کے حال پہ چھوڑ دے طارق اس سلسلے میں ماہ نور کو انوالو کرتا ہے، رائنل ماہ نور کے سامنے اپنے سارے حالات بیان کرتی ہے اور ماہ نور اسے اپنی مما کے پاس پناہ کے لئے لاتی ہے وہیں طارق شیرازی مما کے سامنے ماہ نور کی بے گناہی ثابت کرتے ہوئے خود کو مورد الزام ٹھہرا کر ماہ نور اور مما دونوں کو ششدر کر دیتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

تیرھویں قسط

"اس لیے کہ جو محبت کرے سزا بھی وہی پائے نا کہ جس نے محبت کی۔ تو دور کی بات محبت کو قبول کرنا بھی گوارا نہ کیا ہو وہ اس پاداش میں مصائب و مسائل میں مبتلا ہو، یہ اچھی بات نہیں، سو پلیز پھپھو جانی آپ مجھے بھلے معاف نہ کریں مگر ممی اس سے پلیز اپنی ناراضی ضرور ختم کر دیں۔" اپنی بات مکمل کر کے وہ مما کے ساتھ ماہ نور کو بھی ششدر کھڑا چھوڑ کر باہر نکلتا چلا گیا تھا۔

☆☆☆

باہر پھیلی شام کی سیاہی اتنی بھی گہری نہیں تھی جتنا آسمان پر امڈتی کالی گھٹاؤں نے انہیں گہرا کر دیا تھا۔ تیز چلتی ہوا کہہ رہی تھی جیسے جل تھل بارش کی آمد کی خبر دے رہی تھیں، ماحول میں پکوڑے تلنے کی خوشبو پھیلی تھی، اندر کمرے کی کھلی کھڑکی سے آتی سلائی مشین کی آواز بھی ماحول کا حصہ بن رہی تھی، ابھی کالی گھٹاؤں کو دیکھتے طلحہ اور عینا پکوڑے کھانے کو مچل گئے تھے۔

"ابھی کل ہی تو کڑھی کے ساتھ پکوڑے بھی کھلائے ہیں تمہیں اب ضرورت تو نہیں ہے، مجھے یہ آرڈر کل پورا کرنا ہے بیٹا۔" مما نے طلحہ کی فرمائش سن کر کہا تھا۔

"میں بنا رہی ہوں۔" رانیل جلدی سے اٹھی تھی۔

"آپ کو پکوڑے بنانے آتے ہیں اتنے سارے تو ذکر تھے آپ کے گھر میں، یہ بتائیں آپا آپ نے گھر کا کوئی کام بھی کیا بھی تھا۔" طلحہ نے شرارتی مسکراہٹ سمیت کہہ کر اسے جھینپنے پہ مجبور کر دیا تھا۔

"تمہیں کس نے بتایا ہے۔" وہ جیسے بہت کچھ یاد کر کے افسردہ ہوئی۔

"آپا نے ہی بتایا تھا کہ مما کو جب تب ہی میں نے بھی سن لیا تھا۔" طلحہ نے کام بھی گنوا دیئے تھے۔

"اچھا بس کرو کتنی مرتبہ سمجھایا ہے کہ بڑوں کی باتوں میں دلچسپی مت لیا کرو۔" مما نے ڈانٹا، پھر مزید گوشمالی کرتے ہوئے بولی تھیں۔

"اگر رانیل کو بنانے آتے بھی ہوں وہ تب بھی نہیں بنائے گی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس کی۔"

"ارے نہیں آنٹی میں بالکل ٹھیک ہوں ڈونٹ وری۔" رانیل گڑبڑا سی گئی تھی، پھر قدرے شاکی ہو کر بولی۔

"میں تو آپ کی اس میں بھی مدد کرانا چاہ رہی ہوں مگر آپ نے تو مجھے ہاتھ بھی نہیں لگانے دیا۔" "میری بچی میری جان یہ تمہارے کرنے کے کام کہاں ہیں بھلا۔"

"کیا ماہ نور آپ کے ساتھ یہ کام نہیں کروایا کرتی تھی۔" مما نے اس کی شکایت کو سمجھ کر پیار سے اسے دیکھا تھا۔

"بچی بھی کتنی ہیں اور غیروں والی باتیں بھی کرتی ہیں۔"

"میں رانیل ہوں مما، یوں تو رانیل ایسے پرندے کا نام ہے جس کا کوئی آشیانہ نہیں ہوتا میرا بھی کوئی گھر نہیں ہے، آپ نے پناہ دی ہے تو آپ پہ بوجھ بننا نہیں چاہتی، پلیز پلیز مجھے کرنے دیں جو میں کام کرنا چاہتی ہوں یہ احسان تو اتار نہیں سکتی مگر میری انا اور خودداری تو مجروح ہونے سے بچ جائے گی۔" وہ بہت ضبط، بہت حوصلے کا مظاہرہ کر رہی تھی مگر پلکوں کی دہلیز سے چھلکتی نمی اس کے اندر کے اضطراب کو عیاں کر چکی تھی، مما تو جیسے حیرت اور صدمے سے گنگ بیٹھی تھیں پھر اس

صدماتی کیفیت سے باہر آتے ہوئے انہوں نے اسے اپنے ساتھ لگا کر بھینچ لیا تھا وہ اور بھی شدتوں سے رونے لگی اور جانے کس کس احساس سمیت خود مما کی اپنی آنکھیں بھی چھلک گئیں۔

"اتنا غلط سوچتی ہو بیٹا، اپنی ماں کے بارے میں حالانکہ خدا گواہ ہے کہ میں صرف تمہاری حالت کے پیش نظر تمہیں ہر کام سے روک کر ترجیح کر رہی ہوں، خاص طور پہ یہ سلائی کا کام تمہارے لیے اتنی دیر تک بیٹھنا ٹھیک نہیں ہے نا، مگر خیر اگر تمہیں کام کا اتنا ہی شوق ہے تو گھر کے کام کر لیا کرو یہ گھر اتنا ہی تمہارا ہے جتنا میرا یا طلحہ عینا وغیرہ کا مجھ پہ اتنا ہی حق ہے تمہارا جتنا ماہ نور، طلحہ اور عینا کا آج کے بعد خبردار جو ایسی کوئی بات دل پہ لے کر آنسو بہائے بہت ہرٹ ہوتی ہوں میں تمہارے ان بیتے آنسوؤں کو دیکھ کر۔" رسانیت محبت اور نرمی سے سمجھاتے ہوئے انہوں نے آخر میں اچھی خاصی ناراضگی دکھائی تھی، رانیل جو ان سے الگ ہو کر انہیں دیکھے گئی تھی بھیگی آنکھوں سے مسکرائی۔

"اب ٹھیک ہے یا کچھ اور ڈانٹ کھانے کا ارادہ ہے۔" مما نے مسکراہٹ دبائی تھی۔

"نو تھینکس آنٹی آل رائٹ ہاں اگر آپ کو میں کہیں غلط نظر آؤں تو بلا جھجک ڈانٹ دیجئے، ڈیڈ کو تو دیکھا تھا، مگر میری مما میں نے انہیں نہیں دیکھا بچپن سے ہی کھو دیا تھا اس لئے مجھے نہیں پتہ ماؤں کی تربیت میں کہاں نرمی کہاں محبت اور کہاں سختی ہونی چاہیے یہ میں آپ سے سیکھنا چاہتی ہوں، آف کورس ماں بن رہی ہوں نا خود بھی۔" اداس و یاسیت سے بھی وہ آخر میں لہجہ بدل کر محبت سے پرخلوص لہجے میں بولی تو مما نے مسکرا کر اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

"لیجئے جناب [illegible]" طلحہ نے گنگناتے ہوئے ڈش ان کے سامنے رکھی تب [illegible] ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اندر ہی لے آؤ میرے بھائی، مما کے ساتھ مل کر کھاتے ہیں اور یہ عینا کہاں ہے۔"

"عینا حاضر ہے مما جی۔" ٹرے میں چائے کے گلاس سجائے عینا نے کچن سے نکلتے ہوئے چہک کر کہا تھا، تینوں مسکراتے ہوئے اندر کمرے کی جانب بڑھ گئے۔

☆☆☆

وہ تو آج بھی صدیوں کی مسافت پہ کھڑا ہے
ڈھونڈا تھا جسے وقت کی دیوار گرا کے
وہ تو خوشبو ہے اجالا ہے سحر کا پھر بھی
شام بن کے میری آنکھوں میں اتر آتا ہے

ٹپاٹپ برستی بوندیں ماحول میں پھیلی مٹی کی سوندھی مہک اور گھنگھروؤں کی طرح بجتی ہوائیں اس گھڑی موسم کی دلفریبی اور دلکشی کو بڑھا رہی تھیں ایک سماں سا بندھ گیا تھا خوبصورتی و رعنائی کا لان میں جیسے آوازوں اور ہنسی کا خوشگوار شور تھا وہ سبھی کی سب بارش انجوائے کرتیں بھیگ رہی تھیں، ضوبیا کو جانے کیا سوجھی تھی کہ زبردستی ماہ نور کو بھی کھینچ لائی اور طارق اس کی آنکھیں اسے روٹھتے خفا ہوتے اپنا آپ چھڑاتے دیکھتے جیسے لو دینے لگیں، گلابی سوٹ میں ڈھیلی ڈھالی چوٹی میں وہ اپنی تمام تر خوبصورتی اور دلکشی سمیت جیسے اس کے حواسوں پہ سوار ہونے لگی اور طارق کو لگا جیسے وہ بنا پیے ہی مدہوش ہو، دیکھتے ہی دیکھتے موسم نے اپنا انداز بدلا تھا اور تیز چلتی پون کے ساتھ

ان گھٹاؤں سے برستی بارش نے ماحول کی خوبصورتی میں اضافہ کر ڈالا، موسم کی دلکشی، دلفریبی اب بھی عروج پہ تھی مگر اب اس کی توجہ موسم کی خوبصورتی کی بجائے ماہ نور کے سراپے میں الجھ رہی تھی، بوندوں کی لڑیاں ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرنے سے ماحول میں اک خوبصورت مدھم البیلا سا شور برپا تھا اور بادلوں کی برسات اپنا سحر طاری کر رہی تھی، اس نے مبہوت ہوتے ہوئے ماہ نور کے گلابی چہرے پہ موتیوں کی مانند ٹھہرے بارش کے قطروں کو دیکھا تھا اور بے اختیار مسکرا دیا تھا۔

مت ٹوٹ کے اسے چاہو آغاز سفر میں
بچھڑے گا اگر تو اک اک ادا تنگ کرے گی
خود سپرد اگر وہ ہے تو مت بڑھاؤ مراسم
خوددار اگر ہو تو تیری انا تنگ کرے گی

"تجھ نور پلیز۔" وہ اسے دیکھنے میں اتنا مگن تھا کہ کب منیبہ سیڑھیاں اتر کر اس کے مقابل آ گئی اسے قطعی خبر نہ ہو پائی، طارق نے اطمینان بھرے انداز میں بالوں پہ ٹھہری شفاف بوندوں کو جھٹکتے ہوئے پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔

"میرا خیال تھا اب تمہاری بے کار کاوشوں کا سفر رک جانا چاہیے تھا۔" ماہ نور کی سمت اشارہ کرتے ہوئے اس نے جیسے اسے بہت کچھ باور کرانا چاہا، جواباً منیبہ عجیب بے ڈھنگے سے انداز میں قہقہہ لگاتے دو قدم پیچھے ہٹ کر ریلنگ سے ٹیک لگاتے ہوئے تمسخرانہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"ہاں ایسا ہو جاتا ضرور ہو جاتا اگر جو تمہاری محبت وصول ہو چکی ہوتی اندھی نہیں ہوں طارق کہ تمہارے اور اس کے درمیان فاصلوں کو نہ سمجھ سکوں، میں اب بھی مایوس نہیں ہوں اور نہ ماہ نور مجھے مایوس ہونے دے گی، اس کی آنکھوں میں تمہارے لیے موجود نفرت بے زاری اور سرد مہری میرے لیے آس امید کے دیے روشن کر رہی ہے۔" طارق شیرازی اس درجہ درست قیاس پہ ایک پل کو ششدر رہ گیا تھا، منیبہ کی آنکھوں میں فتح کا خمار دمک رہا تھا، وہ سرخ چہرے سمیت لب بھینچتا ہوا ایک جھٹکے سے پلٹا تو ماہ نور تیز تیز قدم اٹھاتی اسے کمرے کی جانب جاتی نظر آئی وہ اسی خراب موڈ کے ساتھ اندر آیا تو ماہ نور وارڈ روب کے سامنے کھڑی تھی، اس کے قدموں میں گیلے کپڑوں سے ٹپکتے پانی نے فرش پہ ایک چھوٹا سا تالاب بنا دیا تھا، آہٹ پہ وہ بے اختیار مڑی تھی اور اسے دیکھ کر گہرا سانس بھرا تھا۔

"میں کل واپس جا رہا ہوں، ٹھیک ہے میں پیکنگ کر دوں گی۔" وہ اپنے کپڑے نکال چکی تھی، واش روم کی سمت جاتے ہوئے بے نیازی سے بولی یہ جانے بغیر کہ اس کی یہی بے نیازی طارق شیرازی کا خون کھولا چکی ہے۔

"تمہاری کیا صرف یہی ذمہ داری ہے کہ میرے جانے پہ پیکنگ کر دو اور گھر آنے پہ کھانے کا پوچھ لو۔" سرعت سے لپک کر اس کا راستہ روکتا ہوا وہ حلق کے بل غرایا، ماہ نور نے بہت حیران ہو کر اس کے سرخ چہرے کو دیکھا تھا۔

"اور کیا چاہتے ہیں آپ مجھ سے۔" وہ متحیر زدہ لہجے میں پوچھنے لگی اور طارق کے چہرے پہ عجیب سا اضطراب در آیا، آنکھیں جلنے لگیں اس نے بہت عجیب نظروں سے اسے دیکھا تھا اور گہرا سانس بھر کے خود کو کمپوز کرتا ہوا نرمی سے گویا ہوا تھا۔

"ممّا چاہتی ہیں میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں۔" ماہ نور کی رنگت متغیر ہو گئی، اس نے بے اختیار نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبایا تھا۔

"اور آپ کیا چاہتے ہیں۔" وہ ذرا سا رخ پھیر کر پست آواز میں استفسار کر رہی تھی، طارق شیرازی کے لبوں پہ فلسفی سی مسکان جھلک دکھلا کر معدوم ہو گئی۔

"تم جانتی ہو میں کیا چاہتا ہوں گو تم نے کبھی بھی مکمل اختیار نہیں دیا مجھے کہ اپنی خواہشات کا اظہار اس انداز میں کر پاتا جیسے میں نے چاہا ہے بہرحال پھر بھی تم اتنی انجان نہیں ہو کہ ---" موبائل پہ ہونے والی بیپ پہ اس نے بات ادھوری چھوڑی اور سیل فون کی سمت متوجہ ہو گیا، ماہ نور واش روم کی سمت بڑھ چکی تھی۔

"سوری تمہارا فون ہے بات کر لو۔" وہ آگے بڑھ کر زبردستی موبائل اس کے ہاتھ میں تھماتا خود پلٹ کر باہر نکل گیا، ماہ نور نے کچھ حیران ہو کے اسے دیکھا تھا اور پھر کاندھے اچکا کر کال ریسیو کی تھی۔

"ماہا بیٹا طارق کہاں ہے۔" ممّا تھیں رسمی علیک سلیک کے بعد پوچھنے لگیں۔

"ابھی تو یہیں تھے، ممّا خیریت ہے نا۔"

"ہاں خیر ہی ہے آج تو غالباً لیے ہے جا رہی ہو ادھر۔"

"جی۔" اس نے انتہائی بے زاری کو حتی الوسع لہجے میں چھلکنے سے روکا۔

"چلو، پھر کل آ جانا طارق کے ساتھ۔"

"مگر" وہ بری طرح چونکی۔ "خیریت ہے نا۔" اس کے لہجے میں تشویش کے ساتھ ساتھ ہلکا سا خوف بھی در آیا۔

"ہاں بیٹا بس اس روز کی طارق کی باتوں سے ہنوز الجھی ہوئی ہوں تم دونوں سے اکٹھے ہی بات کروں گی آ ضرور جانا میں منتظر رہوں گی۔" انہوں نے تاکید کرتے ہوئے رابطہ منقطع کیا تو ماہ نور نے تخت آف موڈ کے ساتھ موبائل بیڈ پہ پھینکا تھا اور خود واش روم میں بند ہو گئی، جس وقت کپڑے بدل کر باہر آئی طارق صوفے پہ نیم دراز ریموٹ ہاتھ میں لیے چینل سرچنگ میں مگن تھا۔

"آپ کو ممّا نے بلایا ہے کل۔" بالوں میں جکڑا کیچر نکال کر بال سلجھاتے ہوئے وہ اس سے انتہائی سپاٹ لہجے میں مخاطب ہوئی تھی، جس کے ساتھ وہ ہمیشہ ہی اس سے بات کیا کرتی تھی۔

"خیریت ہے نا۔" طارق نے آواز ہلکی کرتے ہوئے اسے دیکھا۔

"خیریت نہیں ہے۔" وہ تڑخی اور زور سے برش ٹیبل پہ پٹخا، طارق نے چونک کر بہت تشویش سے اسے دیکھا تھا۔

"کیا مطلب ہے؟"

"وہی سلسلے سے پوچھ تاچھ کا، آپ کو ضرورت کیا تھی وہاں ڈائیلاگ جھاڑنے کی، ممّا کے سامنے میری پوزیشن کلیئر کروا کے آپ سمجھتے ہیں بہت تیر مار لیا، اور الٹا آزمائش میں اپنے ساتھ مجھے بھی گرفتار کیا ہے۔" وہ شکی سی ناک چڑھا کر نخوت سے کہہ رہی تھی، طارق نے ٹھنڈا سانس بھرا تھا۔

"پتہ نہیں صابر کو کیا تکلیف ہے ہر جگہ سے یوں فکرمندی سے لائٹس بجھاتا پھرتا ہے جیسے بل اسی نے اپنی تنخواہ سے بھرنا ہو۔" راہ میں پڑی ٹیبل سے ٹھوکر لگنے پہ وہ چڑ کر بڑبڑائے تھے، تبھی ساری لائٹس پل بھر میں آن ہوئی تھیں اور پورا کمرہ روشنیوں کی چکاچوند سے جگمگا اٹھا، ان پر ہر طرف سے رنگ برنگی پتیوں کی پھوار فانوس پر لگی بے حد خوبصورت کلرز پنیاں جو چاروں طرف رنگ بکھیر رہی تھیں پنک کلرز کے بلون اور سامنے پھولوں سے سجی ٹرالی پر رکھا ان کا من پسند پائن ایپل کیک جس پر موم بتیاں یہ سارا ایونٹ انہیں حیران ہی نہیں بھونچکا بھی کر چکا تھا، انہوں نے سنجیدہ نظریں اٹھائیں، مسٹرڈ، بلیو اور ڈیپ گرین کلر کے ساتھ ڈل گولڈن کام سے مزین انتہائی دلکش سا سوٹ پہنے ہلکی پھلکی میچنگ کی جیولری اور ماتھے پہ نازک سی بندیا سجائے وہ اپنی تمام تر خوبصورتی اور جاذبیت سمیت مسکراتی ہوئی ان کے سامنے تھی، اس نے مسکراتی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھتے بڑھ کر سی ڈی پلیئر آن کر دیا۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔" برتھ ڈے وشنگ ساؤنڈ سے پورا کمرہ گونج اٹھا تھا۔

"کیا بات ہے ماموں آپ کو اچھا نہیں لگا۔" ریڈ اینڈ پنک روز کی کلیوں سے سجا بوکے ان کی سمت بڑھاتا ہوا وقاص ان کا چہرا کھوج رہا تھا، وہ یکایک کھلے اور لبوں پہ مسکراہٹ سجالی۔

"کیوں نہیں بھانجے تھینک یو سو مچ۔" انہوں نے بکے کو ناک کے نزدیک لا کر سونگھتے ہوئے خوشدلی کا مظاہرہ کیا۔

"صرف میرا نہیں مامی کا بھی شکریہ ادا کریں ماموں بلکہ انہی کا ہی ادا کریں، یہ آئیڈیا انہی کا تھا، آپ کو اچھا لگا نا۔" وہ ان کے چہرے پہ یکایک سختی پھیلتے دیکھ کر انجان بن گیا۔

"اوہ تھینکس اور آپ کا بھی شکریہ۔" وہ اب کے نگین کی سمت پلٹے اور اس کے فریش چہرے پہ نظریں جمائیں، نگین ان کی نگاہوں کے سرد تاثر سے ایک دم ساکن ہوئی تھی۔

"چلیں کیک کاٹیں نا ماموں صابر آجاؤ، ماموں بالکل تم سے کوئی گفٹ نہیں مانگیں گے۔" وقاص نے داؤد حسن خاں سے کہتے کہتے دروازے کی سمت منہ کر کے ہانک لگائی۔

"میں کوئی اس وجہ سے باہر چھپا بیٹھا تھا۔" صابر نے اندر آتے ہوئے منہ بنا کر کہا تھا۔

"نہیں بلکہ تم اس وجہ سے باہر بیٹھے تھے کہ کب ہم تمہیں بلائیں چلو بیٹھو۔" وقاص نے اس کے ہاتھ سے فروٹ چاٹ کی ڈش لے کر ٹیبل پہ رکھتے ہوئے خفیف سا ڈانٹا۔

"چھوٹے صاحب آپ ہمیں ہم سے چھوٹے ہونے کے باوجود ڈانٹ دیتے ہیں جبکہ بڑے صاحب نے کبھی بھی ہمیں کچھ نہیں کہا۔" صابر نے تنک کر کہا تھا۔

"اس لیے تو تم اتنے بے قابو ہوتے جارہے ہو، ڈانٹ ڈپٹ ضروری ہوتی ہے بچہ جی تو میں تمہیں ڈانٹتا ہوں۔" وقاص نے اس کی شکایت پہ کان ہی نہیں دھرا، جس وقت داؤد حسن خاں کیک کاٹ رہے تھے، باہر بارش کا شور تھا، کمرے میں وقاص کی زندگی کے احساس سے بھرپور مسکراہٹ تھی اور نگین کے چھلکتے شعاعیں بکھیرتے وجود کی جھلملاہٹ تھی مگر وہ اپنے اندر ایک خالی پن کو پھر بھی بڑھتا محسوس کر رہے تھے۔

دل میں کوئی لہر سی اٹھی ہے ابھی

کوئی تازہ ہوا چلی ہے ابھی

بلونز پھوڑتے ہوئے اور کیک کھاتے ہوئے وقاص نے سی ڈی پلیئر سے یہ غزل لگا دی تھی، جو ان کے اندر کو جیسے اسی وحشت بھرے احساس کو بڑھاوا دے رہی تھی، یہ کیسی خلش تھی کیسی بے چینی تھی جو انہیں خوشی کے مواقع پہ بھی خوش نہیں ہونے دیتی تھی۔

شور برپا ہے خانۂ دل میں
کوئی دیوار سی گری ہے ابھی
بھری دنیا میں جی نہیں لگتا
جانے کس چیز کی کمی ہے ابھی

وہ خود میں گم ہونے لگے تھے کہ بے اختیار وقاص پہ نظر اٹھ گئی، جو چہرے پہ تھکن لیے صوفے پہ بیٹھا آنکھیں موندے ہوئے تھا، نگین صابر کے ساتھ کھانا لگانے جا چکی تھی، وہ دونوں تنہا رہ گئے تھے اپنے اپنے لامتناہی درد کے ساتھ۔

شہر کی بے چراغ گلیوں میں
زندگی تجھ کو ڈھونڈتی ہے ابھی

داؤد حسن خاں، اپنی جگہ سے اٹھے اور سی ڈی پلیئر آف کر دیا، وقاص نے چونکتے ہوئے آنکھیں کھولی تھیں اور داؤد حسن خاں اس کی لو رنگ آنکھوں کی نمی کو دیکھ کر جیسے اندر تک اذیت سے دوچار ہو گئے۔

پاپا وہ [illegible] اپنے رویے سے [illegible] بشاشت ظاہر کر رہا تھا، ورنہ اس کے اندر تو نارسائی پنجے گاڑھے بیٹھی تھی، ایسے میں اگر رشتوں کو بھی نبھانا ذمہ داری ہو تو یونہی پل پل بین بدل کر مزید گھٹنا مقدر کر دیتی ہے یہ محبت وہ اس کی اذیتوں سے انجان کہاں تھے۔

"میری ایک بات مانو گے۔" انہوں نے اس کے ہاتھ تھام لیے تھے۔

"کتنی باتیں منوائیں گے ماموں۔" وہ بادل ناخواستہ ہی ہنسا تھا۔

"تم جھوٹے ہو فریبی ہو، وعدہ کر کے مکر جاتے ہو، دھوکہ دیتے ہو اس سے تو اچھا ہے تم یہ دلاسہ ہی دو۔" انہوں نے اس پہ گرفت نہیں کی تھی مگر پھر بھی وہ بوجھل ہو گیا تھا۔

"شادی کر لو گے زندگی کو ایک مقصد مل جائے گا۔"

"اوہ ہو۔" وہ زیر خند سے ہنسا اور اسی پہ وار کر دیا۔

"ویسا مقصد ماموں جیسا آپ کو ملا ہے، آپ مجھے فریبی دھوکے باز کہہ رہے ہیں، کیا آپ خود بھی خود کو دھوکہ نہیں دے رہے ہیں اور اب تو مامی کو بھی، سوری ماموں، میرا خیال ہے محبت میں ناکام لوگوں کو شادی جیسے مقدس بندھن میں نہیں بندھنا چاہیے مجبوراً ابھی نہیں، کہ پھر وہ آپ کی طرح بیچ منجدھار میں لٹک جایا کرتے ہیں۔" آج وہ ضرورت سے زیادہ ہی بول گیا تھا، ورنہ عام حالات میں شاید کبھی نہ بولتا اور داؤد حسن خاں سے تو بالکل نہیں مگر دل کی آگ تھی روح کی کھولن تھی کہ اسے آتش فشاں بنائے دے رہی تھی، داؤد حسن خاں کے وجیہہ و خوبرو چہرے پہ تحیر ابھرا تھا اور آنکھوں میں بے یقینی وہ شاید اس سے اتنی صاف گوئی یا دوسرے لفظوں میں جرأت مندی کی توقع نہیں رکھتے تھے، وہ یکدم تنفر زدہ ہوا تھا، آگے بڑھا اور ان کے توانا بازو پہ اپنے

دونوں ہاتھ رکھ کر نرمی سے دبایا تھا۔

"سوری تو سے ماموں میں بہت زیادہ بکواس کر گیا پتہ نہیں کیوں دماغ خراب ہو رہا ہے میرا، کاش ماموں رامیل اس روز ہمارے گھر نہ آئی ہوتی یا پھر میں نے اسے نہ دیکھا ہوتا۔" وہ آنکھوں میں اتری نمی کو پیچھے دھکیلے بغیر بے بسی سے کہتا پلٹ کر بھاگ گیا اور داؤد حسن خاں سکتے کے عالم میں کھڑے تھے۔

☆☆☆

ہجر کرتے یا وصل گوارا کرتے
ہم بہرحال بس خواب تمہارا کرتے
ایسی بھی گھڑی عشق میں آئی تھی کہ ہم
خاک کو ہاتھ لگاتے تو ستارہ کرتے

یہ طارق شیرازی کی بدقسمتی تھی کہ چند ناگزیر وجوہات کی بنا پہ منیبہ کو انہیں ولیمہ کی تقریب میں شرکت کے لئے اپنے ساتھ لانا پڑا تھا، اب وہ بھی اس کی بے خیالی تھی اور شاعری پہ طبع آزمائی، طارق شیرازی نے دانت پیس کر اپنے برابر سیٹ پہ براجمان ماہ نور کو دیکھا جس کے چہرے پہ بڑی دل جلانی مسکراہٹ تھی، وہ کچھ اور جھلایا اور منہ پھیر کے بھینچے ہوئے دانت کچھ مزید بھینچے۔

ایک چہرے میں تو ممکن نہیں اتنے چہرے
کس سے کرتے جو کوئی عشق دوبارہ کرتے

اس نے یک دم مڑ کے جہاں تھی طارق کی سمت [illegible] گویا وہ [illegible]

اب تو مل جاؤ ہمیں تم کہ تمہاری خاطر
اتنی دور آ گئے دنیا سے کنارہ کرتے

اسے جانے کیا سوجھی تھی کہ اچانک ماہ نور کی سمت جھک کر سرگوشی سے ذرا بلند لہجے میں گنگنایا تھا، ماہ نور ایکدم چونک گئی، بے حد گہری پر شوق نگاہیں کیسی طرح اسے اپنا کر رہی تھیں، اس کا چہرہ بے تحاشا سرخ پڑا اور دھڑکنیں خطرناک حد تک تیز ہو گئیں، اس نے نہ صرف نظریں چرائی تھیں بلکہ گھبرا کر ذرا سا دور سرکی۔

جب یہ ہے خانہ دل آپ کی خلوت کے لئے
پھر یہاں آئے کوئی کیسے گوارا کرتے

طارق نے ٹھنڈا سانس بھر کے جیسے آنکھ کی جنبش سے پچھلی سیٹ پہ براجمان منیبہ کی سمت اشارہ کر کے منہ بگاڑا تھا، ماہ نور کی ضبط کرتے کرتے بھی ہنسی چھوٹ گئی۔

"تھینک گاڈ کم از کم تم خدا خدا کر کے۔" وہ قدرے ریلیکس ہوا تھا۔

"اتنی اچھی لگ رہی ہو مگر بیکوف میں تم سے ذرا بھی فری نہیں ہو سکتا مسز۔" ماہ نور کی حیرت سے پھیلی آنکھوں میں اطمینان سے دیکھتا وہ منیبہ کو سنانے کو بڑے رومینٹک لہجے میں بولا، ماہ نور نے دانت کچکچائے تھے اور اپنے ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی میں چاروں انگلیوں کے ناخن ایک ساتھ چبھوئے مگر اس کا اسے الٹا نقصان ہوا تھا طارق نے نہ صرف اچھی خاصی خوشدلی سے اس کی یہ کھولن برداشت کی تھی بلکہ آہستگی و نرمی سمیت اس کا ہاتھ گرمجوشی سے اپنی گرفت میں لے لیا تھا...

ہلکے سے ہنسا اور اس کی گھبرائی کترائی سی آنکھوں میں بڑی بے باکی سے جھانکا۔

تجھ سے مانگوں میں تجھی کو کہ سب مل جائے
سو سوالوں سے یہی اک سوال اچھا ہے

ماہ نور کا تو وہ حساب ہوا تھا کہ ہنسی اور پھنسی، بھلا ضرورت ہی کیا تھی اس جیسے لسوڑے کو ذرا سی بھی رعایت دینے کی اس نے دل ہی دل میں خود کو ملامت کی اور ایک جھٹکے سمیت اپنا ہاتھ کھینچا، جہاں سے صاحب ایکسیڈنٹ بھی ہو سکتا ہے منیبہ کی بے چین و مشتعل نگاہیں نہ ممکن تھا کہ ان کا گھیراؤ نہ کرتیں، ماہ نور کا تو دل جل کر خاکستر ہو گیا جبکہ طارق نے البتہ جیسے ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیا پھر وہ اچھی خاصی محظوظ ہو رہی تھی، شادی والے گھر میں خصوصی کہا گئی تھی، پورا گھر سرخ اور گولڈن رو پہلوں اور گلاب کے پھولوں کی لڑیوں سے بہت خوبصورتی سے سجایا گیا تھا، لان کے پھولوں بھرے پودوں اور درختوں کو مدھم لائٹس سے آراستہ کیا گیا تھا، ضوبیا انہیں دیکھتے ہی لپک کر آئی تھی۔

"اتنی دیر انتظار کرتے کرتے آنکھیں پتھرانے لگی تھیں۔" وہ آتے ہی خفا ہونے لگی۔

"یار بھابھی کی تیاری بھی تو دیکھو، ماہی کا ڈریس کتنی اچھی لگ رہی ہیں، پھر بھلا طارق بھائی کا کیا جانا ہوتا تعریف کیے بغیر نہیں نکلتے گو۔" سرمد کی بہن مائرہ نے چہک کر کہتے بے ساختگی میں ماہ نور کی تعریف کی، جو ڈل گولڈن اور ڈیپ ریڈ کلر کے انتہائی اسٹائلش لباس میں سنوری گڑیا کی طرح معصوم اور جاذب نظر دکھائی دے رہی تھی۔

[illegible] سرمد کی اتنی تعریف اور سرمد کو یونہی ٹرخا دیا حالانکہ وہ کیا خوب [illegible] شاعر بنے تھے۔

کل چمن کے بھی کسی کی قیمت نہ بڑھ سکی
کھدر بھی اس کے جسم پہ جچتا لگا بہت

پہلا مصرعہ کہتے منیبہ کی طرف نگاہوں نے ماہ نور کے چہرے کو گھورا تھا تو دوسرے لمحے وہی نگاہیں بہت فخریانہ انداز میں طارق شیرازی کی سمت اٹھی تھیں اور جیسے وہیں ٹھہر گئی تھیں، جو جانثارانہ انداز میں سر جھکا رہا تھا، مائرہ نے خاصی حیرانی سمیت منیبہ کے اس بے باکانہ انداز کو دیکھا تھا، پھر گہری سانس کھینچ کر ضوبیا سے بولی تھی۔

"یہ ابھی تک نہیں سدھری، بگڑے لوگ اتنی آسانی سے کہاں سدھرتے ہیں۔" ضوبیا نے ترت جواب دیا تھا۔

"مگر یار اسے سمجھایا ہوتا آف کورس، بندہ جتنا بھی ڈھیٹ سہی مگر بات قاعدے کا بورڈ تو لگ چکا نا۔" وہ شریر سے انداز میں ہنس کر کہہ رہی تھی۔

"سمجھا کر دیکھ لو یار وہ چیز ہی ایسی ہیں کہ تو کچھ نہ مانے۔" منیبہ جب سے بے نیاز بنی تبصرہ سن رہی تھی اسی بے باکی اور ڈھٹائی سے تھی آگے بڑھ گئی جو اس کی فطرت کا ایک حصہ بن چکی تھی۔

"ماہ نور کی یہی بات ماہ نور بی بی کو بھی سمجھا دے کاش۔" ضوبیا کے دل نے بہت افسردگی سے سوچا تھا۔

☆☆☆

کبھی میں بھی مکمل تھا
مگر اب تو ادھورا ہوں
تو میرا جزو لازم ہے
مگر پھر بھی جدا ہے
کوئی صورت نظر آئے
کوئی ترکیب ایسی ہو
تو میرے پاس آ جائے
مری تکمیل ہو جائے

سرد ترین برفیلی رات کے بعد پتہ نہیں کیسے اتنا روشن اور چمکیلا دن نکل آیا تھا، اٹھارہ گھنٹے مسلسل برسنے والی برف کی تہہ اتنی دبیز نہیں ہوئی تھی کہ اب سورج نکل آنے سے کہیں کہیں سے پگھلنے بھی لگی تھی، پگھلتی ہوئی برف پر سورج کی پڑنے والی شعاعوں سے جیسے رنگوں بھرا آئینہ ترشتا ہوا محسوس ہو رہا تھا، دو دن کی قید کے بعد لوگ بھی اس نئی نویلی چمکیلی صبح کا استقبال کرنے باہر نکل آئے تھے، مال کی ڈھلی ڈھلائی چمکتی سڑک پر ابھی خاصی چہل پہل دیکھنے میں آ رہی تھی، پری چہرے والی نے بھی کھڑکی سے طلوع ہوتی روشن سحر کا اس خوبصورت وادی کی ڈھلوانوں پر جو دلکش نظارہ کیا تھا، وہ اس کے چہرے سے ملول دل سے ساری یاسیت کہیں دور لے اڑا تھا، کافی کے دلسوز کپ کی اڑتی ہوئی بھاپ کو دیکھتی وہ مال کے سینٹر میں بنے اس شاپنگ پوائنٹ پر آ گئی جہاں سیاح مال کی اترائی چڑھائی والی سڑک سے دم لینے کو ٹھہر جایا کرتے ہیں، اس نے گہرے سانس لے کر اور اپنے سانس کے ذریعے دھوئیں کی طرح نکلتی بھاپ کو دیکھا اور سر جھکا کر جیسے کچھ سوچنے لگی۔
"لیکن یہ پاپا، ہینگ پہ بچو یا، ہینگ تک وہ پہنچا سکی تھی، اور بس۔" وہ ہنسی تھی، ایسی پاگل تھی نا وہ کوئی سنتا تو یقین کرتا کہ وہ پچھلے دو سالوں سے ایک سراب کے پیچھے بھاگ رہی تھی، ایک جھلک دیکھ کر بھی کوئی یوں حواس کھوتا ہے جیسے وہ یہ دن ساتھ کو تھا، مگر پھر بھی عجیب دیوانہ وار چاہت تھی اس کی کہ وہ بنا کسی جان پہچان کے بس اسے چاہے جا رہی تھی، کس چیز سے متاثر ہوئی تھی وہ بھلا اس کی شاندار غضب کی ہاسیت ہے یا کسی مغرور کھڑی ناک یہ کشادہ پیشانی یا بھرپور سے چہرے پہ حکمرانی کرنے والی ان سحر انگیز آنکھوں پہ، وہ گھنٹوں اسے سوچتی اور کبھی تہہ تک نہ پہنچ سکی تھی، بعض اوقات ایسا ہوتا ہے ایک بے خبر انجان سی اٹھی ہوئی نگاہ کسی کے در پہ آس جگا کر جوگ لئے بیٹھ جاتی ہے سوالی بن کر، اس کی نگاہ نے بھی بھکشان بھکتا تھا، خطا کی سزا کے طور پہ پابند سلاسل ہو گئی تھی، بعض اوقات زندگی میں حادثاتی موڑ آ جایا کرتے ہیں، کچھ لوگوں کے لئے ان لمحوں کے پیچھے رحمتوں کے خزانے ہوتے ہیں اور نعمتوں کے اور کچھ کے لئے حادثے گویا حادثے، یہ حادثے اس کے لئے بھی وہ ایک ایسا ہی لمحہ تھا، جو حادثہ ثابت ہوا اس نے اسے دیکھا تھا اور اسی ایک لمحے کی گرفت میں آ گئی تھی، کیا تھی وہ اور کیا ہو گئی اس جوگ نے اسی انتظار نے اسے سانسوں کی بیماری میں مبتلا کیا تھا اور وہ پاپا کی لاڈلی تو تھی ہی ان کے لئے خوف بھی بن گئی، وہ ہر پل اس کی بیماری کو لے کر گھلنے لگے، ایک ہی رٹ تھی شادی کر لو، مہنگا ترین علاج بھی اسے ان قدموں پہ واپس لانے میں ناکام رہا تھا، وہ کیسے کسی اور کو اپنا آپ سونپ دیتی بھلا جس کے لئے یہ تصور ہی سوہان روح تھا۔

"وہ دس منٹ یہاں بیٹھا رہا ہے اور ان دس منٹوں میں تم نے تو ایک بار بھی پلک جھپک نہ ہی یہ خیال کیا کہ تمہارے ساتھ میرا بھی امیج خراب ہو رہا ہے۔" سمیعہ تو جیسے اس پہ چڑھ دوڑی تھی، وہ پاسپورٹ کے سلسلے میں ایجنسی آئی تھی، وہیں وہ نظر آیا تھا، سمیعہ وہاں جاب کرتی تھی، وہ اس کی مخمل پہ اپنے کسی پرابلم سمیت آیا تھا اور خاصا الجھا ہوا تھا جبھی اس کی اس فضول حرکت پہ دھیان نہیں دے سکا تھا۔
"دس منٹ نہیں سیکنڈ۔" پریشے نے ڈھیل ہوتے ہوئے بتا جس ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا تھا، اس پہ سمیعہ نے اسے سینڈل نہیں پہنایا تھا، البتہ ایک گھونسا ضرور اس کے شانے پہ جڑ دیا تھا۔
"شرم کرلو، چاہے وہ آل ریڈی بک ہو۔"
"اللہ نہ کرے اتنی فضول بات تو مت کرو۔" جس وقت اس نے دہل کر سمیعہ کی بات کاٹی تھی حالانکہ اس وقت تک وہ خود بھی اندازہ نہیں کر پائی تھی وہ کس حد تک اس میں انوالو ہو چکی تھی۔
"نام کیا تھا؟"
"مجھے کیا پتہ میں فلرٹ لڑکی نہیں ہوں۔" سمیعہ نے اس سوال پہ زچ ہو کر کہا تھا۔
"اور میں تو جیسے ہر کسی سے فلرٹ کرتی ہوں، مگر جس طرح تم اس مسٹر پرفیکٹ پر لٹو ہوئی ہو تمہاری طرف سے ایک خاصی مشکوک نہیں تو بہ باہیں ضرور ہو گئی ہوں۔" سمیعہ نے تاسف سے سر ہلایا تھا، وہ ہنستی رہی تھی اور وہ اس کی آخری ہنسی تھی جو اس نے پورے دل کی آمادگی کے ساتھ ہنسی تھی، اس کے بعد یہ جان لیوا بیماری عشق اس سے اس کی ہنسی خوشی شرارت سب چھین کر لے گئی تھی۔

☆☆☆

کل شب میں نے
گلی میں موت کو دیکھا
وہ بالکل اس زندگی جیسی تھی
جیسی زندگی میں تمہارے بغیر جی رہا ہوں

نیز جیسوں پہ وہ دھوپ میں بیٹھی تھی، اس کی گلابی رنگت میں زردی جھلکنے لگی تھی، وقت جیسے جیسے بیت رہا تھا وہ ویسے ویسے جیسے اندر سے ڈھلتی جا رہی تھی، ماما کے کہنے پہ اس نے نماز بھی پڑھنی شروع کی تھی، پتہ نہیں کیوں پھر بھی جیسے کسی طور قرار میسر نہیں تھا۔
"وہ پہلے سا اضطراب تو نہیں ہے نا۔" ماما نے اس کی کیفیت سننے کے بعد کہا تھا۔
"آہستہ آہستہ یہ بے قراری بھی ختم ہو جائے گی۔" انہوں نے تسلی سے نوازا تھا اور اس نے سر اثبات میں ہلا دیا، وہ جب بھی تنہا ہوتی تو بیت جانے والے حالات کسی فلم کی طرح آنکھوں کے سامنے چلنے لگتے، کبھی وہ سب کے درمیان بھی کھوئی جاتی وہ لمحے کتنے جان گسل تھے، اس نے بہت غلط کیا تھا، داؤد حسن خان کے گھر جا کے گزارے کتنے زخم تھے جو نشتر بن کر وجود میں پھیل گئے تھے، مکین کا پورے استحقاق سمیت اس گھر میں چلتا پھرتا وجود داؤد حسن خان کی بات کرتے ہوئے لہجے کا مان استحقاق اور اپنائیت کا احساس، یہ سب برداشت کا امتحان ہی تو بن گیا تھا، کبھی وقت تھا کہ اس نے اس دنیا کی سب سے خوش قسمت ترین لڑکی کو دیکھنے کی چاہ کی تھی اور پھر وہ وقت آیا

تھا، جب وہ پل پل اس کے سامنے تھی اور وہ خود کو پیچھے مرتے دیکھ رہی تھی اور وہ منظر تو جیسے اس کی آنکھوں کی پتلیوں میں جذب ہو کر رہ گیا تھا، جب داؤد حسن خان مکمل تیاری کے ساتھ کمرے سے باہر آئے تھے اور نگین انہیں پکارتی ہوئی پیچھے تھی اس نے انہیں روک کر کچھ کہا تھا، وہ اس کی بات سنتے ہوئے بھی جیسے کہاں تھے کوٹ پہن رہے تھے اور نگین نے دو قدموں کا فاصلہ مٹا کر ان کے کوٹ کے بٹن خود بند کر دیے تھے، وہ ان کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی، دونوں کتنے نزدیک تھے اور کتنے اچھے بھی لگ رہے تھے، یہی نزدیکی یہی قربت اس کی قوت برداشت کو آزمانے کو کافی تھی اس نے بے بس بے چارگی کی انتہاؤں کو چھوتے نظریں جھکائی تھیں اسے نظریں جھکانا ہی تھیں اگر اس پل وہ مزید انہیں دیکھتی تو اسی دکھ اسی نارسائی کے سلگتے احساس سمیت مرتا یا جل جاتی اور ابھی مری نہ ہوتی، کیا واقعی وہ نظریں جھکا کر بھی جلنے سے بچ پائی تھی، کیا واقعی وہ اب بھی مری نہیں تھی، دکھ اس کے اندر روتا اور روتا ہی چلا جاتا، ہوتے ہیں نہ کچھ لمحے بہت بھاری بہت ہی جان لیوا جس ایک لمحے کا خراج پوری زندگی لمحہ لمحہ وصولتی رہتی ہے، مگر پھر بھی جیسے خراج باقی رہتا ہے بوجھ نہیں بٹتا ویسا ہی ایک لمحہ برسوں قبل اس کی زندگی کا حصہ بنا تھا ایسا حصہ جو ساری زندگی ساتھ چلنے والا تھا، اس ایک لمحے میں گویا عمروں کے فیصلے طے پاتے ہیں کہ کس نے اب عمر بھر کیسے جینا ہے، اس کے لئے اس لمحے نے عمر بھر کی گھٹن اور نارسائی کا فیصلہ سنایا تھا محبت اسے ایسے شخص کے سامنے لے آئی تھی جسے اس کی زندگی میں شامل نہیں ہونا تھا۔

"راحل!" وہ پتہ نہیں کب تک انہی خیالات میں گم رہتی جب مما کی پکار پہ چونکی تھی اور بہت تیزی سے بھیگے رخسار رگڑ کر صاف کر ڈالے۔

"جی..... مما۔" آواز کی نمی پہ کوشش کے باوجود بھی قابو پانے میں ناکام رہی، مما نے بھی جیسے محسوس کیا اور چپ سی ہو گئیں۔

"راحل بیٹا کیا ہوا کیا شہریار کی یاد آ رہی ہے؟" اور اسے لگا تھا جیسے کسی نے اسے کند چھری سے ذبح کر ڈالا ہو، اس کے حلق تک بھی کڑواہٹ گھل گئی تھی۔

"جو کچھ اس نے میرے ساتھ کیا وہ کبھی بھی مجھے اس طرح یاد نہیں آ سکتا کہ میں اس کے لئے آنسو بہاتی پھروں۔" وہ صرف سوچ کر رہ گئی تھی جبکہ مما اس کی سوچ سے بے خبر کہہ رہی تھیں۔

"یہ رشتہ ہی ایسا ہے بیٹا کہ چاہے اس میں جتنی بھی تلخی پیدا ہو جائے بڑے سے بڑا جھگڑا ہو جائے دلوں میں موجود محبت اپنی جگہ قائم رہتی ہے۔" محبت ہوتی تب نا، شاید میں اس سے محبت کر بھی لیتی مگر اس نے تو مجھے نفرت کے قابل بھی نہیں رہنے دیا، میری زندگی میں اس کے لئے نفرت کی بھی جگہ نہیں ہے۔" وہ ایک بار پھر سوچ کر رہ گئی تھی۔

"اگر تم کہو تو میں طارق سے کہہ کر اس کا پتہ کرواؤں جیسے تم بتا رہی تھیں ہو سکتا ہے وہ معمولی زخمی ہوا ہو۔"

"پلیز مما پلیز فار گاڈ سیک یہ کبھی بھی مت کیجئے گا مما، وہ جان سے مار دے گا مجھے بھی اور اپنے بچے کو بھی۔" اور اس کے عزائم کو سوچ کر لرز گئی۔

"آپ اسے نہیں جانتیں مما وہ بہت ہی گھٹیا انسان ہے میں جانتی ہوں وہ مرا تو نہیں ہوگا میں نے اسے مارنا چاہا بھی نہیں تھا، بس میں خود کو اس سے بچانا چاہتی تھی، یہ اسی کوشش کے سلسلے میں

اٹھا لیا گیا ایک قدم تھا ڈیئر سیک۔ لیکن مما پلیز آپ وعدہ کریں پلیز کہ کبھی بھی، کبھی بھی اسے تلاش کرنے کی کوشش نہیں کریں گی آپ مجھے بس میری زندگی ہی اس کے بغیر ہے۔" وہ ان کے ہاتھ اپنے لرزتے کانپتے ہاتھوں میں جکڑے وحشت زدگی سے رونے لگی۔

"ٹیک اٹ ایزی بیٹا جسٹ ریلیکس بھلا اگر تم نہیں چاہتیں تو میں ایسا کیوں کروں گی، پلیز تم خود کو یوں رو کر ہلکان مت کرو میں نے تمہارے لئے ملک شیک بنایا ہے وہ تھوڑا سا میری عقل اس لئے بلانے آئی تھی خود بھی باتوں میں لگ گئی اٹھو ابھی ٹھنڈا ہے پی لو اور ہاں کل تمہیں لے کر ڈاکٹر کے پاس بھی تو جانا ہے چیک اپ کرانے یاد رکھنا تم بھی، میری یادداشت تو بس ایسی ہی ہو گئی ہے۔" وہ اس کے ہاتھ کو پکڑ کر اٹھاتے ہوئے مسلسل بولے گئی تھیں، راحل نے ایک نظر نیلے سیاہ پڑتے آسمان کو دیکھا تھا اور گہرا سانس بھرتی ان کے ساتھ ہو لی تھی۔

☆☆☆

وہ اک آنکھوں کی جنبش سے جو دل کی بستی لوٹ گیا
انگلی سے انگلیں بچھڑیں جیسے ساغر چھوٹ گیا
دل اس کا بھی ہے میرا بھی فرق ہے لیکن تو صرف اتنا
وہ پتھر ہے جو ثابت ہے یہ شیشہ تھا جو ٹوٹ گیا

طارق بات تو اس سے نہیں کر رہا تھا مگر توجہ تھی کہ بھٹک بھٹک کر خود سے ذرا فاصلے پر بیٹھی ماہ نور کھینچ رہی تھی، اس کے وجود سے پھوٹتی مہک اسے گویا مدہوش کر رہی تھی، طارق نے ایک بار پھر اسے بغور دیکھا وہ بنے ٹھنے تو جیسے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی، کیسا قاتل بے خود کر دینے والا حسن تھا، جیسے غرور پہ اکسا رہا تھا، اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کی چوڑیوں سے سجی کلائی تھامی تھی اور گویا اس کی تمام بے نیازی اور لاتعلقی کو ریزہ ریزہ بکھیر دیا تھا، وہ چونکی تھی اور ناگواریت سمیت اسے دیکھنے لگی، طارق نے جواباً اس کی مزاحمت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اس کا دودھیا مہندی سے سجا نازک ہاتھ ہولے سے دبایا تھا اور دھیرے سے چوڑیوں کو چھیڑا جن کی جلترنگ نے جیسے دل کے تار جھنجھنا ڈالے۔

"کیا خیال ہے؟" بات ادھوری مگر معنی خیزی لئے تھی۔

"کیا مطلب؟" وہ تیکھے چتونوں سمیت گھور کر پھنکاری تھی۔

اتنے اچھے موسم ہیں
روٹھنا نہیں اچھا
ہار جیت کی باتیں
کل پہ ہم اٹھا رکھیں
آج دوستی کر لیں

اس نے ماہ نور کی سمت جھکتے ہوئے اپنا سر اس کی پیشانی سے ٹکرایا تھا، ماہ نور بدک کر پیچھے ہوئی اس کے باوجود اس کے حواسوں پہ جیسے اس کی قربت کا اثر دکھا چکی تھی، وہ دور جھٹک کر سگریٹ پرفیوم اور آفٹر شیو لوشن کی مہک کو جھٹلانے کی کوشش کرنے لگی جو اس کے اعصاب کو جکڑ چکی تھی۔

"آپ سے کتنی مرتبہ کہا ہے، حد میں رہ کر بات کیا کریں۔"

"تم میری حدود کا تعین کر دو۔" وہ مسکرایا تھا۔
"میرے منہ لگنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ سخت غصے میں آ چکی تھی۔
"بیگم صاحبہ اسے منہ لگنا تو نہیں کہتے۔" اس کی آنکھوں میں شریر سی چمک تھی جو ماہ نور پہ گھڑوں کے حساب سے پانی ڈال گئی۔
"ابھی آپ میرے ساتھ چل رہی ہیں۔" وہ حکم دے رہا تھا۔
"میں آپ کے ساتھ کہیں نہیں چل رہی، وہاں جا کے آپ کی بدتمیزیوں کو کون لگام دے گا۔" وہ ایک بار پھر زبان پھسل جانے پہ شدید خفت و کوفت کا شکار ہوتی نظریں چرا گئی، جبکہ وہ جی بھر کے محظوظ ہونے کے بعد جیسے گہری یاسیت میں گھرتا ہوا بولا تھا۔
"یہاں میری جسارتوں کو بدتمیزیوں سمیت کس نے لگام دی ہے روکنے والا تو مجھے یہاں بھی کوئی نہیں آپ کو چھیڑنے ستانے سے لے کر ہر قسم کی بقول آپ کے بدتمیزی کے بھی پرمٹ حاصل کر چکے ہیں، پھر بھی پابند ہیں آپ کی رضا کی تو آپ کو اپنی اہمیت کا اندازہ ہو جانا چاہیے تھا نا۔" ادھر سے ترت جواب آیا تھا، ماہ نور کی یکبارگی تمام حسیات جیسے ساکت ہو گئیں۔
وہ بالکل ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا، انا پرست تو تھا وہ مگر یہ بھی طے تھا کہ وہ خود پہ اسی لئے جبر کیے ہے کہ اس کے ساتھ زبردستی نہیں کرنا چاہتا کیوں بھلا، اس کا چہرہ حیا کی سرخی سے دہک اٹھا اسے پروین شاکر کا ایک شعر پوری جزئیات سمیت یاد آنے لگا۔

میں اس کی دسترس میں ہوں لیکن
وہ مجھے میری رضا سے مانگتا ہے

اور میری رضا اسے کبھی حاصل نہیں ہوگی بھلا کیا حرج ہے اس کے ساتھ جانے میں بھی یہاں کی ذلت اور دن رات گدھوں کی جیسی مشقت سے تو جان چھٹے گی نا اس نے سوچا تھا اور جیسے فیصلہ ہو گیا۔
"ٹھیک ہے میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔" جب اس نے کہا طارق تب تک اس سے مایوس ہو چکا تھا، چونک کر رہ گیا، اس کی آنکھوں میں معنی خیز سی چمک ابھری تھی۔
"یقین نہ کرنے والی بھلا کیا بات ہے کہہ جو دیا۔" اس نے بظاہر بڑے نخوت سمیت جواب دیا تھا۔
"اوکے جانِ۔" طارق نے سر تسلیم خم کیا تھا پھر چند لمحوں کے توقف سے اسے بغور دیکھتا ہوا بڑی سنجیدگی سے گویا ہوا۔
"لیکن میم اگر میں اپنی بات سے پھر گیا تو۔" ماہ نور کا دل سینے کی مضبوط دیوار میں بہت افراتفری کی سی کیفیت میں دھڑکا، جھلاہٹ، کھسیاہٹ، غصہ اور شرم کتنی کیفیات یکبارگی اس کے سرخ و سفید اجلے چہرے سے رونما ہوئی تھیں۔
"آ.... آپ۔" وہ اتنا گڑبڑا گئی تھی کہ واضح طور پہ بے اوسان اور سراسیمہ ہو کر اسے دیکھنے لگی مگر اس کے لبوں کی تراش میں مچلتی خوبصورت مسکان کو دیکھ کر سراسیمگی اور خفت کی جگہ فطری حجاب میں گھری لب بھینچے ہوئے ایکدم رخ پھیر گئی، طارق نے چند ثانیوں اسے یونہی دیکھا تھا، پھر اشتیاق سنبھالے اپنا مضبوط ہاتھ اٹھا کر بہت آہستگی و نرمی سے ماہ نور کے گود میں دھرے سفید

ہوئی ہاتھ پہ رکھ دیا۔
"مجھے اندازہ ہے ماہ نور کہ مجھ سے اپنی محبت کی شوریدہ سری میں تم سے زیادتیاں ہوئی ہیں مگر اس وقت جذباتیت یا پھر تمہیں کھو دینے کے خوف میں مبتلا میں صرف اپنے بارے میں ہی سوچتا رہا، تمہاری پرابلمز تمہاری پریشانیوں کا کبھی خیال ہی نہ آیا جس کے لئے آئی ایم سوری، مگر اب پلیز ہوئی مجھے تم پہ بھروسہ میں وعدہ کرتا ہوں تم سے سب کچھ ٹھیک کر لوں گا انشاء اللہ تمہیں تمہاری حیثیت دلاؤں گا جو کچھ ہو چکا تم اسے بھلانے کی کوشش کرو میں یہ نہیں کہتا ہوں البتہ جو کچھ ہو چکا اسے اگنور کر کے آگے کے راستے تو ہموار کیے جا سکتے ہیں نا، پلیز ماہ پلیز آئی نو دیٹ کہ راستہ اتنا آسان نہیں ہے جتنی میں تمہارے ساتھ کا متمنی ہوں۔" وہ جو چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی، نا چاہتے ہوئے بھی اس کی بات سنے گئی اور جب آخر میں طارق شیرازی نے بہت آس لئے اسے دیکھ کر اس کی رائے جاننا چاہی تھی تو اس کے اندر زہر خند پھیلنے لگا تھا۔
"سیدھے سیدھے کام نہیں نکلا تو اب محترم نے یہ انداز اپنا لیے ہیں مقصد تو اپنی ہی ذات کی اہمیت ہوئی نا، میں کہاں ہوں کہاں۔" اس کا جی چاہا تھا چیخ پڑے مگر اس نے اپنا تمام جذبات دبا لیا اور اپنا ہاتھ اس کے پرحدت وجود میں سنسنی کا احساس بھر دینے والے ہاتھ سے نکال کر ٹھنڈا طویل سانس بھرتے ہوئے سپاٹ لہجے میں بولی تھی۔
"اب اور کیا ساتھ چاہ رہے ہیں، کہا تو ہے جا رہی ہوں آپ کے ساتھ۔" طارق نے اس کے اس روکھے پھیکے بے مروت انداز کو دل سے محسوس کیا تھا اور جیسے اندر کچھ چٹخ گیا، اس اعتماد اور نوازش کے لئے شکریہ [illegible] نظریں چراتا ہوا وہ بھی پھر سے اپنے خول میں سمٹتا ہوا [illegible] بدل جانے والے موڈ کو محسوس کیا تھا اور سر جھٹک کر ایک بار پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

☆☆☆

وہ جو کانٹوں کو بھی نرمی سے چھوا کرتا تھا
ہم نے پھولوں کو مسلتے ہوئے دیکھا اس کو
جانے کس غم کو چھپانے کی تمنا تھی اسے
آج ہر بات پہ ہنستے ہوئے دیکھا اس کو
جانے وہ مانگتے جاتا تھا دعاؤں میں کسے
ہاتھ اٹھاتے ہی سسکتے ہوئے دیکھا اس کو

"وہ جو کانٹوں کو بھی نرمی سے چھوا کرتا تھا ہم نے پھولوں کو مسلتے ہوئے۔"
"شٹ اپ جسٹ شٹ اپ رومیصہ اگر تم چپ نہیں رہ سکتیں تو دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" وہ ہاسپٹل کے بیڈ پہ تکیوں کے سہارے نیم دراز آنکھیں موندے بہت ضبط بہت تحمل سمیت رومیصہ کو لہک لہک کر یہ اشعار پڑھتے سنتا جیسے اپنا حوصلہ آزما رہا تھا مگر جب اس نے دوبارہ اس شعر کی گردان شروع کی تو شہریار جیسے وہ تمام ضبط اور حوصلہ گنواتا ہوا آتش فشاں لاوے کی طرح پھٹ پڑا تھا، اسے آج ہاسپٹل سے ڈسچارج ہونا تھا، آج تو اس کی حالت قدرے بہتر تھی، جب وہ جسمانی روحانی طور پہ زخم خوردہ تھا، رومیصہ کی زبان کے یہ نشتر تو تب بھی اسے یونہی چبھنے لگتے

رہے تھے۔

"اور میری ویری سوری ڈیئر میں تو اشعار پڑھ رہی تھی ابھی کل ہی شاعری کی یہ کتاب میرے ہاتھ لگی تھی رات بھر جاگ کے بھی پڑھی ایسے سکون ہی نہیں ملتا تھا، رئیلی میں تو بے حد متاثر ہوئی اس محترم شاعر سے کیا الفاظ ہیں کیا انداز ہے واؤ۔" روحینہ نے مصنوعی عقیدت سمیت کہتے گویا مزید اس کے زخموں پہ نمک چھڑکا تھا، شہریار لب بھینچے ایک بار پھر گویا اپنا حوصلہ آزما رہا تھا، بس نہ چلتا تھا کہ کوئی وزنی چیز اٹھا کر اس کا سر دو ٹکڑوں میں تبدیل کر دے۔

"جوس ابھی بھی یونہی رکھا ہے شہری ڈیئر اگر ڈائٹ سے ایسے لاپرواہ رہو گے تو تندرست کیسے ہو گے اور اگر تندرست نہیں ہو گے تو رابیل کو کیسے ڈھونڈو گے کیسے اسے اس کی بدتمیزی گستاخی اور اس حد تک بڑھی ہوئی سرکشی کی سزا دو گے ہاں، چلو شاباش اٹھو جوس پیئو۔" وہ یونہی بچی سائیڈ ٹیبل پہ پڑا جوس کا گلاس اٹھائے جیسے پاس کے نزدیک آئی شہریار جو تب سے پتہ نہیں کیسے ضبط کیے تھا تحت طیش کے عالم میں ہاتھ مار کے گلاس دور اڑا دیا بکھرا سا چھنا کا ہوا تھا اور بلوریں گلاس کی طرح فرش پہ ڈراپ اینڈ کے بعد بیڈ کی پائنتی سے ٹکراتا جوس بکھرا ہوا نظر آنے لگا۔

"ناؤ گیٹ لاسٹ فرام ہیر ورنہ تمہارا حشر بھی اس سے مختلف نہیں ہو گا۔" وہ دانت بھینچ بھینچ کر اس بری طرح سے دھاڑا تھا کہ شدید غصے سے آواز پھٹ کر رہ گئی، روحینہ نے بے اختیار دونوں ہاتھ کانوں پہ رکھے تھے۔

"مائی گڈنیس شہری، میں بہری نہیں ہوں تم آرام سکون سے بھی یہی بات کہہ سکتے تھے۔" خفت کو ناز کے پردے میں چھپاتی وہ ٹھنک کر بولی تھی مگر جب نظر شہریار کی شعلہ بار آنکھوں میں پڑی تو جیسے وہ چوکڑی بھولنے لگی، وہ اس کے وحشت بھرے جنونی غصے سے اچھی طرح آگاہ تھی، بھی بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹی۔

"جا رہی ہوں بھئی جا رہی ہوں تم اطمینان سے رابیل سے انتقام کے طریقے سوچو گڈ لک۔" وہ مسکرائی تھی اور لہراتی بل کھاتی باہر نکل گئی، شہریار نے ایک وحشت کے عالم میں یونہی لب بھینچے بھینچے اپنی پیشانی کے بال مٹھی میں جکڑ لیے۔

"رابیل ایک بار ہاتھ لگ جاؤ میرے وہ حشر کروں گا کہ یاد کرو گی شہریار سے پنگا لیا تھا۔" چیختے ہوئے اعصاب نے جیسے اندر اس ایک نام سے سوئی ہوئی وحشتیں بیدار کی تھی تو جسم و جاں میں جیسے الاؤ دہک اٹھے تھے۔

وہ جو کانٹوں کو بھی نرمی سے چھوا کرتا تھا
آج پھولوں کو مسلتے ہوئے دیکھا ہم نے

اس کے سلگتے دھویں سے بھرتے دماغ میں جیسے روحینہ کی طنزیہ آواز کی بازگشت گونجی تو سر بے اختیار تکیے پہ گرا تھا۔

"کیسے...... کیسے کیا تم نے رابیل یہ سب کچھ اتنی جرأت اتنی دلیری اتنی ہمت کہاں سے آ گئی تم میں۔" رابیل کا خیال رگ رگ میں گویا محشر برپا کیے ہوئے تھا، جب وہ ایک بار پھر اس کے سر پہ سوار ہوئی تھی۔

"ڈاکٹر نے تمہیں گھر جانے کی اجازت دے دی ہے، ہوسپٹل کے تمام واجبات میں نے کلیئر کر دیے ہیں، بس آخری مرتبہ چیک کرنا باقی ہے ڈاکٹر صاحب بس آ ہی رہے ہیں۔" شہریار نے اس کی بات کو سنا تھا اور جواب میں ایک اچٹتی ہوئی نگاہ اس پہ جیسے بادل ناخواستہ ہی ڈالی تھی، اگر وہ انسانیت کے ناطے بھی روحینہ کا احسان مند ہونا چاہتا تو اس کی چہرے کی لگانے والی اس عادت کی وجہ سے ہونے میں کامیاب نہ ہو پاتا، اسے اس ذہنی حالت میں جب چھوڑ کر رابیل چلی گئی تھی تو درد اذیت اور ذہنی کرب میں مبتلا ہوتے اسے ایک ہی نام یاد آیا تھا روحینہ کا پھر جیسے تیسے وہ اسے کال کر کے اپنی حالت کے بارے میں بتا کر جیسے خود سے غافل ہو گیا تھا، اس کے بعد اس کی آنکھ ہاسپٹل کے بیڈ پہ ہی کھلی تھی تو سینہ اور بازو مکمل طور پہ سفید پٹیوں میں جکڑے ہوئے تھے، روحینہ نے اس کی تیمارداری تو کی تھی مگر زبان سے جو گھاؤ لگائے تھے وہ شہریار کے دل میں اس کے لیے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہونے نہیں دے سکے تھے۔

"آر یو آل رائٹ ناؤ۔" وہ تمام کارروائی نپٹا کر روحینہ کے ساتھ گاڑی میں آ کر بیٹھا جب روحینہ کی آواز پہ چونکا تھا مگر جواب دینے کو دل نہیں چاہا تھا بھی بے نیازی سے ونڈ اسکرین کے پار ٹریفک کے سیلاب کو دیکھتا رہا، روحینہ نے بھی چپ سادھ لی گاڑی گھر کے گیٹ پہ رکی پھر پورچ میں آ گئی وہ اس کی مدد کے بغیر دروازہ کھول کر باہر نکلا اور چلتا ہوا اندر آ گیا ملازموں نے اسے دیکھا تھا مگر آگے بڑھ کر کچھ کہنے پوچھنے کی جرأت کسی نے نہیں کی وہ اپنے بیڈ روم میں آ گیا، پہلی ہی نگاہ بیڈ کے اوپر آویزاں رابیل کے مسکراتی ہوئی تصویر پہ پڑی اور اس کے اعصاب کشیدہ ہو گئے۔

(باقی آئندہ ماہ)

جنوری کا شمارہ سالگرہ نمبر ہو گا "سالگرہ نمبر" میں ہم ایک سروے شامل کر رہے ہیں جس کے سوالات شائع کیے جا رہے ہیں، آپ ان سوالات کے جوابات ہمیں 20 دسمبر تک ارسال کریں۔

1۔ 2009 میں حنا میں شائع ہونے والی کوئی ایسی تحریر جس نے آپ کو بے حد متاثر کیا ہو؟

2۔ حنا کا کون سا سلسلہ آپ کو پسند ہے اور کیوں؟

3۔ نئے سال میں آپ حنا میں کیا تبدیلی دیکھنا چاہیں گی؟

4۔ آپ اپنی سالگرہ کس طرح مناتی ہیں، ایسے موقع پر پیش آنے والا کوئی مزیدار واقعہ؟

5۔ آپ کو کوئی سالگرہ پہ ملنے والے تحائف میں کوئی ایسا تحفہ جو خوبصورت الفاظ کی صورت میں ملا ہو؟

6۔ حنا کے مصنفین کے نام کوئی پیغام یا کوئی فرمائش؟

میرے ساحر سے کہو

ام مریم

تیرھویں قسط کا خلاصہ

طارق شیرازی، ماہ نور کو اپنی پریشانیوں اور الجھنوں کے بارے بتاتے ہوئے اس سے اس کٹھن حالات میں تعاون اور ہمراہی کا خواہاں ہے مگر ماہ نور اپنی ازلی ہٹ دھرمی کی بدولت ایک بار پھر اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نخوت سے جھٹک دیتی ہے، البتہ وہ اپنے ذاتی مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے ساتھ اسکردو جانے پہ آمادگی کا اظہار ضرور کرتی ہے۔

مما کا رانیل کے ساتھ بہت اپنائیت بھرا رویہ ہے اس کے باوجود رانیل خود کو بہت تنہا اداس اور ملول پاتی ہے، وہ زندگی میں اب دوبارہ شہریار سے سامنے پہ کسی طور بھی آمادہ نہیں۔

نین اور داؤد حسن خان، وقاص کو بہلانے کی کوششوں میں ہلکان ہیں مگر وقاص کی ذہنی اذیت ان کوششوں کے باوجود کم ہونے میں نہیں آتی جس پہ خاص طور سے داؤد حسن خان بہت ڈپریشن کا شکار ہوتے ہیں۔

شہریار کو رانیل پہ صرف غصہ نہیں ہے اب وہ اس سے نفرت بھی محسوس کرتا ہے اور دل میں اس سے انتقام لینے کو چھوٹے بڑے ارادے باندھتا ہے جن پہ وہ جلد عمل کرنے کا خواہش مند ہے۔

پریشے کسی انجان شخص کی محبت میں سر تا پا غرق ہے اور پچھلے دو سالوں سے خود پہ ہر خوشی حرام کیے ہے اسے اس شخص کی تلاش ہے جس کے وہ نام سے بھی واقفیت نہیں رکھتی۔

اب آپ آگے پڑھیے

چودھویں قسط

کھلے بالوں کے درمیان کسی بات پہ بے تحاشا ہنستا فریش خوش رو چہرا یوں لگ رہا تھا جیسے سیاہ بدلیوں نے چودھویں کے چاند کا گھیراؤ کر رکھا ہو، وہ یونہی لب کچلتی سے پیچھے بے تکلے قدم اٹھاتا دیوار کے نزدیک آیا تھا اور ہاتھ بڑھا کر فریم اتارا اور اگلے ہی لمحے سخت طیش کے عالم میں وہ فریم دیوار سے ٹکرا کر چکنا چور ہو چکا تھا، اس کے ہر انداز میں ایسی جارحیت بے رحمی اور وحشت تھی کہ اس سے دو قدم پیچھے اندر داخل ہونے والی روحینہ بھی ایک پل کو لرز کر ساکت رہ گئی۔

"یمان..... یمان۔" وہ حلق کے بل چیختا تھا، روحینہ کو محسوس ہوا کہ اگر اس وقت اس کی نگاہ میں آ گئی تو یقیناً وہ اسی طیش نفرت اور غیض میں بے قابو ہوتا اس کا گلا بھی دبانے سے گریز نہیں کرے گا، وہ بے اختیار باہر بھاگی تھی، کہ اندر آتی بدحواس سی یمان سے ٹکرا گئی، دونوں کی نگاہیں ملی تھیں دونوں کی نگاہوں میں خوف کے سائے لرزاں تھے، روحینہ اسے سامنے سے دھکیلتی سرعت سے نکلتی چلی گئی، یمان لرزتی ٹانگوں سمیت کانپتی ہوئی اندر آئی تھی۔

"ج..... جی..... جی صاحب۔" شہریار نے پلٹ کر دہکتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا اور اس کی بے انتہا بدحواس متوحش نگاہ کو محسوس کیے بغیر سرد لہجے میں پھنکار کر بولا تھا۔

"یہ کچرا اٹھالو اور اس فوٹو کو کچرے کے ساتھ ہی ڈسٹ بن میں ڈال دینا۔" تصویر کو چار ٹکڑوں میں پھاڑ کر اس کے قدموں میں پھینکتا ہوا وہ خود واش روم میں آئی ہر شے کو ٹھوکروں کی زد پہ رکھے واش روم میں بند ہو گیا، یمان دھندلائی بصارت سمیت حکم کی تعمیل کرنے لگی۔

☆☆☆

میری آنکھوں کی ادھیڑی اُنگلی پہ
تمہارا خواب ابھی لٹکا ہوا
تمہاری انگلیوں میں ڈر بے کوئی
جو ان کی زرد رنگت کر رہا ہے

"وقاص..... وقاص کہاں ہو تم۔" داؤد حسن خاں اسے پکارتے ہوئے آ رہے تھے، اس نے ایک افراتفری ایک بدحواسی کی سی کیفیت میں ڈائری بند کرکے دراز میں رکھی ہی تھی، جب داؤد حسن خاں دروازہ ناک کرتے ہوئے اندر آ گئے۔

"کیا کرتے رہتے ہو یار ہر وقت کمرے میں گھس کر۔" وہ سخت بدمزا ہوئے تھے اسے رائٹنگ ٹیبل کے سامنے پریشان دیکھ کر۔

"اسٹڈی ہو رہی تھی۔" انہوں نے اس کی دھیرے دھیرے ماند پڑتی رنگت کو دیکھ کر اندر دکھ اترتا محسوس کیا۔

"جتنا بھی پڑھ لکھ جاؤں ماموں آپ کی طرح جینئس نہیں بن پاؤں گا۔" وہ بے دلی سے مسکرایا تھا۔

"(میں نے کبھی بھی نہیں چاہا تھا وقاص کہ تم میری طرح ہو مگر دیکھو، انسان جو نہیں چاہتا یا پھر جس کے ہونے سے ڈرا کرتا ہے ہمیشہ وہی ہو جایا کرتا ہے، میرے خوف کے باوجود دعاؤں کے باوجود تم بھی اسی اذیت بھرے راستے کے مسافر بن گئے جس کی کوئی منزل ہے نہ اختتام نہ ہی یہ راستہ پلٹنے دیتا ہے، بس آگے بڑھتے رہو اور تھکن پاتے رہو۔")

"ماموں کہاں کھو گئے ہیں یہ آپ کے سامنے میں کھڑا ہوں ماں نہیں۔" وقاص نے ان کی نگاہ کی اذیت درد اور کرب کو محسوس کیا تھا اور ان کا دھیان بٹانے کو ہی اور اپنے پرانے والے موڈ میں چہک کر بولا، داؤد حسن خاں نے خفیف سا چونکتے ہوئے اس کی صورت دیکھی تھی بغور اس کے مسکراتے ہوئے لبوں کو دیکھا تھا، انہیں اس مسکراہٹ کو پرکھنے کی ضرورت بھی نہیں تھی، ایک عرصے سے یہی مسکراہٹ تو ان کا بھی نصیب تھی اور بے دلی سے تھی۔

"تمہیں پتہ ہے وقاص بسا اوقات ہم اپنوں کو مطمئن کرنے یا دوسرے لفظوں میں دھوکہ دینے کی کوشش میں مزید رسکی کر جایا کرتے ہیں۔" وقاص بے طرح چونکا تھا اور شدید قسم کی گھبراہٹ اور خفت کا شکار ہو گیا۔

"ماموں!" وہ بے بسی کی انتہاؤں پہ پہنچتا یکدم سے سینے سے لگ کر سسکا۔

"آئی نو، مجھے پتہ ہے ماموں ایسا ہے مگر پلیز ایسا کہہ کر مجھے شرمندہ تو مت کریں مجھے کچھ تو وقت دیں سنبھلنے کے لیے۔" داؤد حسن خاں نے جواب میں کچھ کہے بغیر آہستگی نرمی اور محبت سے اس کی پشت کو سہلایا تھا، تبھی تمکین جوان کے کہنے پہ ہی سودا سلف کی اشیاء کے متعلق لسٹ بنا کر لائی تھی، انہیں یوں ایک دوسرے کے گلے لگے دیکھ کر دروازے میں ہی ٹھٹک کر تھم سی گئی اور ناسمجھی نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"آپ بتائیے ماموں مجھ سے کچھ کام تھا۔" وقاص خود کو سنبھال کر ان سے الگ ہوتا ہوا گالوں پہ آ کر آنے والی نمی کو خفت بھرے انداز میں پونچھتا لہجے میں زبردستی بشاشت بھر کے بولا۔

"ہاں، مارکیٹ تک جانا تھا، میں نے سوچا تمہیں ساتھ لے لوں، اکٹھے خریداری کریں گے۔" داؤد حسن خاں نے ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے مدعا بیان کیا۔

"ٹھیک ہے ماموں میں بس ایک منٹ میں فریش ہو کے آتا ہوں، مامی پلیز تب تک ایک کپ چائے بنا دیجئے۔" وہ دروازے میں استادہ تمکین کو دیکھتا ہوا وارڈ روب کی سمت بڑھ گیا، داؤد حسن خاں پہلے ہی اس کی موجودگی سے آگاہ ہوئے تھے، چہرے پہ کوئی تاثر لائے بغیر پلٹ کر اس کے پاس سے گزر جانا چاہتے تھے جب تمکین نے باقاعدہ کھنکار کر ان کی توجہ حاصل کرنے کی سعی کی اور قدم اٹھاتے ہوئے ان کے برابر آ گئی۔

"آپ کو پتہ ہے۔" اس کا انداز ذرا ہٹ کر تھا، داؤد حسن خاں نے اچٹتی ہوئی غیر دلچسپ نگاہ جیسے بادل ناخواستہ اس پہ ڈالی مگر قدم پھر بھی نہیں روکے۔

جس کی خاطر ساری دنیا کو چھوڑنے کو جی چاہے
اس کے ساتھ رہ کر بھی آدمی تنہا ہو سکتا ہے

اس کی آنکھوں میں ایک شکایت تھی۔

"وقاص نے آپ کو چائے کے لیے کہا ہے۔" انہوں نے جیسے پہلو تہی کی تھی اور آج یہی نظر اندازی یہی پہلو تہی تمکین کی حد سے زیادہ ضدی انا پرست طبیعت پہ جیسے تازیانہ بن کر برسی۔

"مجھے معلوم ہے، مگر جو میں کہہ رہی ہوں یہ اس کا جواب نہیں ہے۔" ادھر سے بلا کے کاٹ دار لہجے میں جواب آیا تھا۔

"دنیا میں اور بھی جھمیلے ہیں، اس تو چہ حق حقوق عیش و عاشقی کے سوا یہ راہ آپ کی اپنی منتخب کردہ ہے کیوں بھول جاتی ہیں بار بار ایک ہی بات کو دہرانا اور سننا مجھے قطعی پسند نہیں۔" ان کا موڈ یکدم سے بگڑا تھا، ابھی اکھڑے اکھڑے تیوروں میں بظاہر بہت شائستگی مہذبانہ نرمی سمیت کہا گیا تھا

مگر ان نرمی میں جو بے زاری اکتاہٹ اور جھنجھلاہٹ تھی اس نے تگین جیسی خود اعتماد اور بولڈ لڑکی کو بھی جیسے جھلسا کے رکھ دیا وہ سرخ چہرا لیے ایک دم پلٹی تھی اور بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل گئی، جس وقت وقاص نے اندر قدم رکھا وہ جیسے کسی شدید الجھن کی کیفیت میں سر تھامے بیٹھے تھے۔

"ماموں خیریت۔" وقاص نے بے اختیار بڑھ کر ان کا شانہ ہلایا۔

"ہوں اٹس آل رائٹ چیمپ۔" وہ اپنی سرخ آنکھیں اس سے چار کیے بنا اٹھ کھڑے ہوئے۔

"مگر ماموں، مامی چائے......"

"یار بہت دیر ہو جائے گی وہیں پی لینا باہر ہی۔" انہوں نے اس کی بات قطع کرتے ہوئے مچل سے گاڑی کی چابی اٹھائی تھی اور صابر کو دروازہ بند کرنے کی تاکید کرتے پورٹیکو میں آ گئے، شہر کے مشہور و معروف شاپنگ سنٹر میں جس وقت خریداری کر کے وہ بے حد تھک چکے تھے، وقاص ملازم سے اشیاء و خورونوش کے تھیلے ڈگی میں رکھوا رہا تھا، داؤد حسن خان گلاس وال دھکیل کر آنکھوں پہ سن گلاسز چڑھائے والٹ کوٹ کی جیب میں رکھتے اپنے دھیان میں سیڑھیاں اتر رہے تھے جب ان کے برابر سے اوپر چڑھتے ہوئے شخص نے چونک کر ٹھٹک کر انہیں دیکھا۔

"داؤد۔" اس کے لب بے آواز ہلے تھے، داؤد حسن خان خود میں مگن اس کے برابر سے نکلتے آگے بڑھ گئے جبکہ اس شخص کی نگاہوں کی الجھن و غیر یقینی کی جگہ یکا یک ہی خوشگوار حیرت جوش اور خوشی نے لے لی وہ دکان کے اندر جانا بھول کر اندھا دھند یوں بے تابانہ ان کی سمت لپکا جیسے ایک پل کی تاخیر کی صورت گویا عظیم نقصان کر بیٹھے گا۔

"داؤد...... داؤد...... رکو...... داؤد یہ...... یہ تم ہو داؤد آئی کانٹ بلیو اٹ۔" وہ یونہی بھاگتے کے انداز میں ان کا راستہ روکے کھڑا اب ان کی حیران پریشان صورت سے دھیان دیے بغیر انہیں پاگلوں کی طرح چھوتا محسوس کرتا ہوا جیسے غیر یقینی سے یقین کے مراحل طے کر رہا تھا، داؤد حسن خان نے آنکھوں پہ لگے گلاسز اتارے تھے، سامنے پچپن سے اٹھاون سال کے درمیان وہ سرخ و سفید رنگت دراز قامت گھنے براؤن بالوں اور کھڑے کھڑے نقوش کے سفید کلف شدہ شلوار سوٹ میں ملبوس شخص کو دیکھا اور جیسے پل بھر میں پہچان کے تمام مراحل طے کر لیے۔

"کیسے ہو شبیر۔" اور سپاٹ سے انداز میں گویا ہوئے تھے جیسے بیچ کی یہ چودہ سالوں کی دوری کی دوری بھی ان کے درمیان آئی ہی نہ ہو۔

"پہچان لیا...... او پہچان لیا میرے یار نے مجھے۔" شبیر بے اختیار ہوتے ہوئے جوشیلے انداز میں پھر ان کے گلے لگ گیا، وقاص جو گاڑی کے پاس کھڑا نا سمجھ نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا گہرا سانس بھر کے ان کی سمت بڑھ آیا۔

"کیسا ہے تو داؤد کیوں چلا گیا تھا میرے یار، بڑی اماں...... ابا، اماں، چاچی، سب سب کتنا روئے تمہیں یاد کر کے اپنی کوتاہی کے احساس سمیت، کوئی یوں بھی خفا ہوتا ہے بھلا یوں بھی کیا کرتا ہے، اپنوں کے ساتھ یار تو نے تو پلٹ کر دیکھا ہی نہیں، در کنار تو کسی دیکھا تو کسی یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ سب ہی تیرے خلاف ہو جاتے، بس یار اس میں تھا فرمان تھا، شاہی تھا، ایک وہی تو تھی بیوقوف لعنت بھیجا اس پہ۔" وہ یونہی ان کے گلے لگا رقت آمیز آواز میں کہتا چلا گیا۔

"نہیں ہوتے ہو شبیر یا ابھی بھی گاؤں میں۔" انہوں نے آہستگی سے کہتے نرمی سمیت اسے خود سے الگ کر دیا تھا، شبیر نے ان کے لہجے کے سرد پن کو محسوس کیا اور جیسے چپ سا ہو گیا۔

"ابھی تک خفا ہو۔" وہ بہت دکھی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"میں سب کچھ فراموش کر چکا ہوں شبیر۔"

"لیکن اس کا کیا کیا جائے داؤد کہ وہاں تمہیں کوئی بھی فراموش نہیں کر سکا، اب یہ پتہ نہیں تم سے کی گئی زیادتی کی وجہ سے تھا یا پھر خون کے رشتے یوں نہ بھلائے جا سکتے ہیں نہ ہی توڑے......" شبیر نے جواباً بہت ہی جذباتی لہجے میں کہا تھا۔

"کیا یہ ساری باتیں ہم یونہی روڈ پہ کھڑے ہو کر کریں گے آؤ گھر چلتے ہیں۔" داؤد حسن خان نے بات پلٹ دی تھی اور شبیر ایک دم سے کھل اٹھا تھا۔

"تھینک گاڈ ورنہ یار میں تمہارے انداز سے سمجھا تھا تم مجھے یہیں سے فرخانے کا ارادہ رکھے ہوئے ہو، اگر ایسا کر بھی لیتے تو کیا بگاڑ لیتا بھلا تمہارا، امیر آدمی ہو اس پہ یہ غضب ڈھاتی وجاہت یار سچ بہت شاندار لگ رہے ہو۔" شبیر نے سراہتی ہوئی رشک آمیز نگاہ ان کے آف وائٹ تو پیس میں ملبوس چھ فٹ دراز کے کسرتی وجود پہ ڈال کر متاثر لہجے میں کہا تو جہاں داؤد حسن خان خفیف ہوئے تھے وقاص بے اختیار ہنسا تھا۔

"آپ کی تعریف برخوردار۔" شبیر اسی پل اس کی سمت متوجہ ہوا تھا فطری بے نیازی و شوخی سمیت اسے مخاطب کیا۔

"آئی ایم وقاص حیدر آپ کے فرینڈ کا بھانجا ہوں خوش قسمتی سے۔" اس کا پر اعتماد لہجہ [illegible] پہ اٹکا تھا اور پھر الجھن بھری نگاہوں سمیت داؤد حسن خان [illegible]

"وہی اپنی صائمہ آپا کا بیٹا، اتنا بڑا ہو گیا ہے۔" وہ حیرت سے بڑبڑایا۔

"ارے یار اگر تو خوش قسمتی سے ان کا بھانجا ہے تو پھر ہمارا بھی ہے ہم بھی تمہارے ماموں ہوتے ہیں داؤد کے فرینڈ نہیں سگے چچا زاد ہیں ڈیئر۔" شبیر اپنی فطرت کے بے تکلفانہ انداز سمیت کھلے دل اور کھلی بانہوں سمیت وقاص سے ملا، یونہی باتوں اور مسکراہٹوں کے دوران گھر تک کا راستہ طے ہوا تھا، جس میں زیادہ حصہ وقاص اور شبیر کا ہی تھا، داؤد حسن خان معمول کی سی خاموشی سمیت ڈرائیو کرتے رہے تھے۔

"یار کیا ہو گیا ہے تجھے اتنا کنجوس کیوں ہو گیا بولنے میں ہنسنے مسکرانے میں۔" شبیر نے ٹوکا تھا مگر انہوں نے محض مسکرانے پہ ہی اکتفا کیا تھا۔

"مامی...... مامی۔" داؤد حسن خان، شبیر کے ساتھ ڈرائنگ روم میں گئے تو وقاص، تگین کو پکارتا ہوا بلکہ ڈھونڈتا ہوا اس کے کمرے میں آ گیا۔

"مامی!" وہ رخ پھیرے کھڑکی سے باہر لان کا نظارہ کر رہی تھی، مجبوراً پلٹی۔

"ماموں آئے ہیں تو آپ چائے کے ساتھ......"

"تو پھر میں کیا کروں کون سا آج پہلی بار آئے ہیں۔" وہ اس کی بات کاٹ کر خاصے نخوت سے بولی تھی، وقاص نے حیرت بھری نظروں سمیت اس کی اس درجہ بے اعتنائی کو دیکھا تھا۔

"میں شبیر ماموں کی بات کر رہا ہوں مامی، وہ تو آئی تھنک پہلی مرتبہ ہی آئے ہیں اور یہ آپ

"گو کیا ہوا ہو؟ موڈ کیوں خراب ہے۔" وہ اس کی معلومات میں اضافہ کرتا جیسے کچھ خیال آنے پہ بغور دیکھنے لگا۔ تمکین نے دھیان نہیں دیا اس کا دھیان تو جیسے اسی جگہ پہ اٹک گیا تھا۔

"یہ شہیر ماموں کون ہیں آپ کے ماموں کہاں ہیں مامی، آپ کے تو غالباً دیور یا پھر جیٹھ ہوں ایں؟ ویسے باہر آئیے اور اپنے میرے بعد دوسرے سسرالی عزیز کی خاطر کا شرف حاصل کریں، محترم ماموں کے ساتھ ڈرائنگ روم میں تشریف فرما ہیں، میں آپ کو یہی بتانے آیا تھا ویسے چھوٹا ہوں ویسے موصوف ہیں زبردستی پرستائی ہوئی ماموں کے رشتہ دار تو لگتے ہی نہیں اتنا بولتے ہیں اتنا ہنستے ہیں۔" وقاص پلٹ کر کہتا ہوا چلا گیا، تمکین یونہی کھڑی رہ گئی تھی، غصہ تو اتنا تھا کہ پتہ نہیں ابھی کتنے دن موصوف سے بات نہ کرنے سامنے نہ آنے کا پروگرام پکا کیا تھا مگر اب صورتحال ایسی تھی کہ پہلی بات تو نبھائی جا سکتی تھی دوسری نہیں، کچھ سسرالی عزیز سے ملنے کا فطری اشتیاق بھی تھا، شاید محترم کی جھلک شخصیت کا کچھ سراغ لگے، بس کچھ ایسی ہی باتیں سوچتی وہ کچن میں چلی آئی، صابر کی مدد کے ساتھ اس نے بیس منٹ میں چائے کے ساتھ اچھا خاصا اہتمام کر لیا تھا۔

"دیکھیں بی بی ٹھیک ہے۔" وہ کباب فرائی کر رہی تھی، جب صابر نے اس کی توجہ بڑی محنت سے سیٹ کی ٹرالی کی سمت مبذول کی، چائے، نمکو، بسکٹس، فروٹ کیک، پیزا یہ سب چیزیں بہت قرینے سے ٹرالی میں سجی تھیں۔

"ہوں ٹھیک ہے دیکھو اوپر کیبنٹ میں چپس کے پیکٹ ہوں گے وہ نکال کر بھی پلیٹ میں ڈال کر رکھ دو۔" مطمئن ہوتے ہوئے اس نے کباب تلے تھے، کباب کچپ اور چلی ساس کے ساتھ ٹرالی میں رکھنے کے بعد اس نے اپنا جائزہ لیا تھا، لائٹ فیروزی چکن کے کڑھے کا خوبصورت نفیس سوٹ جو ابھی صبح ہی اس نے نہا کر پہنا تھا، بالوں کو [illegible] ہاتھوں سے ہی سنوار کر دوبارہ سے کیچر میں مقید کر لیا دوپٹہ سر پہ اوڑھ کر وہ صابر کو ٹرالی لانے کا کہتی خود ڈرائنگ روم کی سمت بڑھ آئی۔

"ابا بیمار رہنے لگے ہیں، ایک وہم سا ہو گیا ہے انہیں کہ اب زندہ نہیں بچیں گے، اکثر تمہیں یاد کر کے رو دیتے ہیں اور اس بات پہ ملول بھی کہ دنیا سے جانے سے قبل تم سے معافی بھی نہ مانگ سکیں گے تو اتنا کٹھور تو نہیں تھا داؤد۔" دروازے سے اندر داخل ہوتے تمکین کی سماعتوں نے بے تکلفی اپنائیت اور شکایت بھرے یہ چند جملے سنے تھے اور عجیب سے انداز میں مسکرا دی۔

"اچھا تو یہ بھی سوفٹ نیچر بھی تھے ہوں گے ہمیں تو ایسے ہی پتھر کے بے فولاد میں ڈھلے ہوئے لگے ہیں۔"

"آہم۔" وہ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دانستہ کھنکاری تو شہیر بولتے بولتے ایک دم رکا تھا، اس کی سوالیہ نگاہیں تمکین پہ اٹھ کر داؤد حسن خاں کی سمت پلٹ گئیں، جو لب بھینچے جیسے پہلے خاموش تھے ویسے ہی اب بھی رہے تو وقاص نے تحت جزبز ہوتے ہوئے کہا تھا۔

"ماموں جی یہ تمکین مامی ہیں یعنی داؤد ماموں کی مسز۔" اس نے بہت چہک کر کہا تھا۔

"آداب۔" تمکین نے شہیر کی آنکھوں میں خوشگوار سی حیرت اترتی دیکھی اور مسکرا کر ذرا سا جھکی تھی۔

"تسلیم تسلیم، پلیز تشریف رکھیے۔" شہیر نے بے ساختہ خوش دلی سمیت کہتے داؤد حسن خاں کے خالی پہلو کی سمت اشارہ کیا تھا۔

"تھینکس۔" وہ پلٹ کر وقاص کے برابر جا بیٹھی۔

"میں شہیر ہوں بھابھی، داؤد کے چاچا کا بیٹا، گاؤں میں ہوتا ہوں، کھیتی باڑی کرتے ہیں ہم لوگ، بہر حال داؤد کی طرح آپ سے مل کر مجھے بھی بہت خوشی ہوئی۔"

"اور میں مجھ سے مل کر خوشی نہیں ہوئی ماموں۔" وقاص نے جیسے اس کی بات پکڑ لی تھی۔

"ارے تو تو اپنا بچھڑا ہے ہماری جان جگر ہے تم سے مل کر خوشی نہیں دلی مسرت ہوئی ہے۔" شہیر نے صابر کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے ہنستے ہوئے کہا۔

"تم، شادی کر لی تم نے شہیر۔" داؤد حسن خاں اپنے کسی خیال سے چونک کر بالکل اچانک شہیر سے مخاطب ہوئے تھے، شہیر نے ایک نظر انہیں دیکھا تھا اور پھر مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"ہاں کر لی شہرینہ کے ساتھ۔" وہ مسکراتی گہری نظروں سمیت داؤد حسن خاں کو دیکھ رہا تھا جن کی سپاٹ پیشانی پہ یک تردد سا پھیلا تھا اور وہ ساکن سے ہو کر اسے دیکھنے لگے تھے۔

☆☆☆

کیسی تلاش ہے کہ تجھ سے
تھک کر بھی تیری جستجو ہے

"طارق بھائی۔" وہ کرسی پہ بیٹھا تھا دونوں ٹانگیں میز پہ ٹکی تھیں، لبوں پہ سلگتا ہوا سگریٹ تھا اور آنکھیں بند، دھیان ظاہری طور پہ ماہ نور میں گم تھا، جب رائنل کی اس پکار پہ وہ ہڑبڑا کر سیدھا ہوا، آنکھیں کھولیں، سگریٹ بجھایا اور سب سے آخر میں میز سے ٹانگیں اتاریں۔

"جی۔" رائنل کی بھی نظریں پل کی پل اٹھی تھیں۔

"آپ کو مما بلا رہی ہیں۔"

"او کے۔" طارق اٹھ کھڑا ہوا۔

"رائنل سنیں۔" وہ پلٹ کر جا رہی تھی جب طارق نے کچھ توقف سے پکارا، رائنل نے گردن موڑ کر اسے دیکھا بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ وہ اپنے خوبرو چہرے کے نکھار اور کشش کے باوجود بہت بجھا بجھا سا نظر آ رہا تھا۔

"جی بھائی آپ کچھ کہہ رہے تھے۔"

"ہاں۔" اس نے ٹھنڈا طویل سانس بھرا۔

"ماہ نور پھپھو جانی کے ساتھ ہی ہے نا۔" الجھے بالوں میں ہاتھ پھیرتا ہوا وہ مضطرب سا بولا تھا۔

"جی مگر......"

"ٹھیک ہے میں وہیں چل رہا ہوں۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے رکا نہیں تھا، جس وقت وہ اندر مما کے پاس آیا ماہ نور ان کی گود میں سر رکھے ہوئے لیٹی تھی، اسے دیکھ کر جھٹکے سے اٹھی۔

"کہاں جا رہی ہو ماہ نور میرا خیال ہے کہ پھپھو جانی کے ساتھ تمہیں بھی میری وضاحت سننی چاہیے جسے سنے بغیر تم اتنی بدگمان ہو چکی ہو۔" اسے غصیلے تاثرات سمیت کمرے سے باہر جاتے دیکھ کر طارق نے آہستگی سے کہا تھا۔

"مجھے یہ فضول اور جھوٹی وضاحتیں نہیں سننا، جیسے آپ کی آپ کی وضاحتیں۔" وہ از حد خفگی سے کہتی باہر چلی گئی، طارق کے چہرے سے واضح بے بسی کا اظہار چھلکا جسے مما نے دیکھا تھا اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا، وہ نا چاہتے ہوئے بھی جیسے مجبوراً ان کے حکم پہ عمل پیرا ہو گیا۔

"پھپھو جانی مجھے کچھ نہیں آتی آخر ماہ نور اس قدر خفا کیوں رہتی ہے مجھ سے۔"

"مس انڈر اسٹینڈنگ کی وجہ سے۔" مما کی بات پہ وہ پہلے حیرت سے پھر کھسیا کر سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

"دیکھو بیٹا اب اس کا اعتماد تو تم ہی بحال کر سکتے ہو اپنی ذات پہ، میری اس وقت کی سختی ناراضگی اس وجہ سے تھی میں جانتی تھی، ہر لڑکی کی طرح جو ماہ نور کی ڈیمانڈز ہیں وہ تم پوری نہیں کر سکتے آئی ایم سوری مگر ایسا ہی ہے شاید ماہ نور اور اپنی فیملی کو ایک ساتھ لے کر چلنا تمہارے لئے ناممکن ہی رہے گا، کمپرومائز بھابھی بھی نہیں کر سکتی ہیں نہ ہی ماہ نور، اگر یہ ساری سچویشن نہ ہوتی اور روایتی انداز میں تمہاری ماہ نور سے شادی ہوئی ہوتی تو ماہ نور بھی یقیناً صبر سے اچھے دنوں کا انتظار کرتی، مگر بیٹا اب بھلا کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ اچھے دن آئیں گے بھی، تم مجھے غیر جانبدار مت سمجھو طارق، یک طرف ماہ نور کی طرفداری نہیں کر رہی ہوں، میں ایک ایسی حقیقت بیان کر رہی ہوں جو بالکل واضح نظر آ رہی ہے، ماہ نور اگر میری بیٹی نہ بھی ہوتی تب بھی میں یہی بات کہتی۔" انہوں نے اس کی شاکی نظروں کے جواب میں گویا اپنا دفاع کیا۔

"اب اس نے آپ سے کیا کہا ہے۔" خاصی دیر کی چپ کے بعد وہ بہت مدھم سا بولا۔

"یہی کہ تم اسے اپنے ساتھ نہیں لے جا رہے ہو، کیوں بیٹا اب کیا ہو گیا ہے جبکہ تم خود [illegible] تھے تم جانتے ہو یہاں اس کے لئے زندگی بہت مشکل [illegible] میں نے بھی نہیں چاہا تھا میری اولاد کے نصیب میں تلخی آ جائیں مگر اب جبکہ ایسا ہو چکا ہے اور وہ بھی ایسی صورت کہ یہ ظلم میرے بھائی کے ساتھ تمہاری بدولت ہوا ہے تو بیٹا صرف ماہ نور ہی نہیں میں بھی تمہیں ہی الزام دوں گی۔" انہوں نے جیسے ایک ساتھ ہی اسے بہت کچھ جتایا تھا، طارق شیرازی کے تیز تیز حصوں میں چودہ طبق روشن ہوئے ہمیشہ کی قسمت پہ شاکر رہنے والی یہ عورت آج بولی تھی تو اس طرح کہ اس کا تو گویا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیا تھا۔

"لگتا ہے پھپھو جانی، اس نے آپ کو میرے خلاف اچھا خاصا بھڑکایا ہے۔" وہ ہنسنے لگا تھا، جواباً انہوں نے خفیف سا اسے گھورا۔

"اب میں تو جیسے اس کی باتوں میں آ گئی ہوں ہے ناں۔" طارق نے کھسیا کر سر کھجایا۔

"پھپھو جانی پلیز اپنی جذباتی بیٹی کو سمجھائیں میں اسے جان بوجھ کر نہیں چھوڑ کے جا رہا ہوں، مجبوری بھی تو مجھے پوسٹنگ آرڈر آ گئے ہیں، اب میں تو وہاں پردیس میں رہوں گا جب تک رہائش کا انتظام نہیں ہوتا اسے کیسے لے جا سکتا ہوں۔" اس نے ادھر کسی کام سے آئی ماہ نور کو کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے جیسے اسی کو سنایا تھا مگر اس پہ الٹا اثر ہوا وہ پیر پٹختی ہوئی واپس مڑ گئی۔

"یہ تمہارے نئے پوسٹنگ آرڈر اتنی جلدی جلدی کیوں آنے لگے ہیں، ابھی چند ماہ قبل ہی تو اسکردو پوسٹنگ ہوئی تھی۔" مما نے حیران ہو کر استفسار کیا، وہ انہیں مطمئن کرنے کے بعد ماہ نور کو تلاش کرتا باہر آیا تو وہ صحن میں بچھی چارپائی پہ بیٹھی سبزی بنانے کے ساتھ ساتھ عینا کو سبق یاد کروا رہی تھی۔

"سو سوا اوپر چھت پہ ہے طارق بھائی۔" رامیل نے یقیناً اس کی بھٹکتی ہوئی نگاہوں کے مقصد کو پا کر ہی کہا تھا، وہ جواباً مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ کر مسکراتا سیڑھیاں پھلانگتا اوپر آ گیا، شام کا جھٹپٹا تھا، غروب ہوتا آفتاب دور سلیٹی سے درختوں کے پیچھے گم ہوتا جا رہا تھا، ماہ نور دوسری سمت سوکھے کپڑے نچوڑ کر تار پہ پھیلاتی اس کی آمد سے گویا بے خبر رہی تھی، وہ مضبوط قدم دھرتا اس کی پشت پہ پہنچا اور دونوں ہاتھ اس کے کاندھوں پر رکھ دیے۔

کیسی تلاش ہے کہ تجھ سے
تجھ کر بھی تیری ہی جستجو ہے

وہ اس پہ جھک کر گنگنایا تھا، ماہ نور پہلے سے ہی سنبھل چکی تھی، اس کے ہاتھ بہت خفگی زدہ انداز میں جھٹکتے ہوئے اور فاصلہ بڑھا کر چارپائی پہ جا بیٹھی، یہ بھی گویا ایک حد بندی تھی اس کے لئے، طارق کے لبوں پہ مسکان آ ٹھہری۔

"کیوں آئے ہیں؟" وہ بہت ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی گہری شوخ نظروں سے نظریں چرا کر بولی۔

"سو سو یار کیا وحشت ہے مان بھی جاؤ اب جبکہ تمہیں اصل بات کا پتہ چل گیا، تمہیں کیا مجھے جتانے کی ضرورت ہے کہ تمہیں ساتھ رکھنا ساتھ لے جانا میرے لئے کتنی خوشی کی طمانیت کی بات ہے۔" وہ یکایک موڈ بدل کر کہتا بہت نرمی سے سمجھا رہا، ماہ نور نے گھنیری پلکیں اٹھا کر ایک نظر اسے دیکھا تھا۔

"[illegible]" سکون سے کہہ ڈالا مگر انداز میں جو خفگی اور لاتعلقی نمایاں تھی [illegible] کسا دیا تھا۔

"خفا نہیں ہو۔" اس نے نچلا لب دانتوں تلے دبایا، ماہ نور نے اس کی شرارت کی شروعات کو سمجھے بنا ادلی مسکراہٹ سرخی میں ہلا دیا مقصد اس وقت بس جان چھڑانا تھا۔

"ایسے کیسے چلے جائیں خفا نہیں ہو تو ڈھنگ سے رخصت تو کرو جان من۔" وہ ایک دم چارپائی سے اٹھ گیا، ہاتھ پکڑ کر کھینچ کے اٹھایا اور دوسرا ہاتھ کمر کے گرد حائل کرتے ہوئے گویا تمام فاصلے مٹا ڈالے، اس حد سے بڑھی ہوئی قربت نے ماہ نور کو صرف بدحواس نہیں کیا جسم و جاں میں ایک لطیف سی حدت آمیز سنسنی کا احساس بھی جگا دیا۔

"پتہ نہیں کیا نصیب ہے میرا جو کام جتنا سنوارنے کی کوشش کرتا ہوں اسی قدر بگڑ جاتا ہے جیسے مزاج یار، ماہ نور کتنا برہم رہنے لگا ہے۔" وہ اس کے ایکدم اسے پیچھے دھکیل کر دور ہٹنے کو گرفت میں لیتا ہوا مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے بولا، ماہ نور کا چہرا خفت شرم اور قربت کی آنچ سے دہک کر انگارہ ہو رہا تھا، اس سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھنا بھی محال ہوا تھا۔

"ویسے ایک بات ہے جو مجھے تو کم از کم خوشی بھی ہیں ہی مبتلا کر رہی ہے، کہاں تو تمہیں مجھے دیکھنا بھی گوارا نہیں تھا اب حیرت ہے بھی تم باقاعدہ میرے ساتھ رہنے پہ آمادہ ہو اور جہاں تک کہ مجبوری بھی نہیں تھی اور لے کے خفا ہونے لگیں۔" وہ بہت گہری نظروں سے اس کے لمحہ بہ لمحہ سرخ ہوتے چہرے کو دیکھتا ہوا ہنوز غیر سنجیدہ تھا، پھر اس نے اس کی کترائی ہوئی نظروں کے سامنے باقاعدہ ہاتھ لہرا کر متوجہ کیا تھا۔

"تمہیں پتہ ہے نا بیگم صاحبہ، وہ کیا خوب کہا ہے کسی شاعر نے کہ۔"

بدلے بدلے میرے سرکار نظر آتے ہیں
دل کی بربادی کے آثار نظر آتے ہیں

وہ ہنسا تھا جبکہ ماہ نور زچ ہو گئی تھی۔

"ویسے اگر حالات مشکوک ہوں تو سب سے پہلے ہمیں باخبر کیجئے، آف کورس اس خبر پر سب سے پہلا حق ہمارا ہی بنتا ہے۔"

"آپ جا رہے ہیں یا بلاؤں ماما کو۔" ماہ نور نے تنگ آ کر دھمکی دی، مگر اس پر مطلق اثر نہیں تھا۔

"وہ کیا کریں گی جناب باقاعدہ رخصت کیا تھا انہوں نے ہی آپ کو ہمارے ساتھ تمام تر اختیارات دے کر۔" وہ بے حد محظوظ ہو کر بولا۔

"ٹھیک ہے پھر میں چلی جاتی ہوں۔" وہ جھلا کر کہتی اٹھی تھی کہ طارق شیرازی نے اس کی کلائی پر گرفت مضبوط کر لی۔

"اہ کاش کہ اس طرح سے آپ نے کبھی ہماری پناہ میں آنے کی بات کی ہوتی۔" ماہ نور نے اس بات پر تپ کر اسے گھورنا چاہا مگر طارق نے نظر ملتے ہی اسے آنکھ مار دی تھی، وہ بری طرح سے کھلی اسے دھکا دے کر سانپ پر کرنے بھاگنے کے انداز میں سیڑھیوں کی جانب دوڑی۔

چاہ کا نام جب بھی آتا ہے بگڑ جاتے ہو
وہ طریقہ تو بتاؤ تمہیں پیار چاہیں کیسے

طارق نے پیچھے سے چیخ کر کہا، مگر ماہ نور ان سنی کیے سیڑھیاں اتر گئی تھی۔

☆☆☆

شکستہ آئینوں کی کرچیاں [illegible]
مجھے خالی ہاتھوں کی سیپیاں اچھی نہیں لگتیں
اسے یہ کہہ کر ہر تعلق میں توڑ آیا ہوں
میری جاں مجھ کو ضدی لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں

اس نے خود کو یہ سمجھایا تھا اور جیسے نئے سرے سے جنم لیا، سب کچھ تھا اس کے پاس پھر بھلا خوش نہ رہنے کی وجہ؟ ایسے میں جب قدم قدم پر زندگی کا سہارا دینے کو روحینہ بھی موجود تھی، اس نے ابھی کچھ دیر قبل بھی اسے کال کر کے کہا تھا۔

"رات کو میوزک کنسرٹ ہے زبردست مگر زدہ ہو ہیں میں نے ٹکٹ بھی لے لئے، بس تمہیں تیار رہنا ہے۔" اور وہ تیار ہو رہا تھا، مگر پتہ نہیں کیوں قدم قدم پر راحیل کا احساس اس سے وابستہ چیزیں اس کا موڈ غارت کرنے لگیں، تیار ہونے کو وارڈ روب کھولی سامنے راحیل کے ملبوسات تھے، سنگار ڈائننگ ٹیبل کے سامنے آیا سنگھار میز پر راحیل کے استعمال کی بے شمار لاتعداد کو سمیٹکس سے متعلق سامان پڑا تھا، وہ جتنا اس کے خیال کو جھٹکنا چاہ رہا تھا وہ اسی قدر دماغ پر مسلط ہو رہی تھی، وہ جھنجلا سا گیا اور اس کی چیزیں اٹھا اٹھا کر پٹختا ہوا تھک گیا، مگر وہاں قدم قدم پر وہی تھی نہ ہو کر بھی چلے جانے کے باوجود بھی۔

"ایک بار دل جانیں بیگم صاحبہ پھر دیکھتے ہم کیسے نپٹتے ہیں آپ سے۔" اس نے دانت پیس کر سوچا اور پورچ میں آ کر گاڑی میں بیٹھ گیا، کنسرٹ میں وہی کچھ تھا جو اس قسم کے کنسرٹ میں ہوا

کرتا ہے، اچھل کود، شور، بدتمیزی اور گھبر، وہ اکتائے جا رہا تھا جب ایک دم چونک گیا، وہ جو کوئی بھی تھی اتنی خوبصورت ضرور تھی کہ دیکھنے والا ایک بار دیکھے، وہ بار بار دیکھنے کی خواہش کرے اور مبہوت ہو جائے، وہ بھی مبہوت ہو گیا تھا اس کی خوبصورتی سے بڑھ کر اس کے بے باک ڈریس اور بولڈ حرکات سے۔

"کیسی ہے کہو تو تعارف کراؤں صورت کی جتنی اچھی ہے اس سے بڑھ کر دل بہلانا جانتی ہے عشق کے قابل ہو سکتی ہے۔" روحینہ نے اس کی سمت جھک کر رازدارانہ انداز میں کہا، وہ بے ساختہ مسکرایا۔

"سچ کہتی ہو عشق کے قابل ہے یہیں تو عشق کر کے لطف رہے گا جب تک محبت ہماری کی سطح پر وہ کرنے کی جائے لطف نہیں دیتی۔"

"تو گویا تمہیں پسند آ گئی ایک اور۔" روحینہ نے بظاہر حیرت سے پوچھا تھا۔

"ہوں ایک اور۔" شہریار نے اس کی بات کی گہرائی میں جا کر کہا اور اس شعلہ جوالہ کو نگاہوں کی گرفت میں لیتا ہوا گنگنانے کے انداز میں بولا تھا۔

مجھ سا نہ دے زمانے کو پروردگار دل
آشفتہ دل فریفتہ دل بے قرار دل
ہر بار مانگتی ہے نیا چشم یار دل
اک دل کے کس طرح بناؤں ہزار دل

"[illegible]" روحینہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور وہ کھنچتا چلا گیا، پھر [illegible] کی گہرائی میں وہ سب کچھ تھا، جو راحیل میں نہیں تھا اور جو راحیل میں تھا اس نے صرف شہریار کو تکلیف دی تھی، وہ اس کا گریز ہو یا بے حد حیا جو چاہے نفرت و محبت اور شہریار کو ہر اس شے سے نفرت تھی جو راحیل سے وابستہ تھی۔

☆☆☆

"آپ رک جائیے نا ماموں شام تو ہو چکی ہے اتنا دور گاؤں ہے آپ کو راستے میں ہی رات پڑ جائے گی۔" کھانے کے بعد شہیر جانے کو تیار تھا، جب وقاص نے بہت پرخلوص انداز میں اصرار کیا، شہیر کی نظریں بے اختیار داؤد حسن خاں کی سمت اٹھی تھیں، جو ویسے ہی گم صم لاتعلق اور بے نیاز نظر آ رہے تھے۔

"ضرور رک جاتے بھئی اگر یہی اصرار آپ کی بجائے آپ کے لینڈ لارڈ ماموں صاحب کرتے، ہمارا جانا ہی بہتر ہے اللہ جانے آپ کے ماموں محترم کو ہمارا یوں زبردستی گھر تک چلے آنا بھی اچھا لگا ہے یا نہیں۔" شہیر جو ان کے لئے ویسے روکھے پھیکے انداز سے اچھا خاصا دل برداشتہ تھا، تلخ آمیز لہجے میں بولا تو داؤد حسن خاں نے بہت چونک کر بغور اس کی صورت دیکھی جو وقاص سے ہاتھ ملا کر گلے مل رہا تھا۔

"وقاص ٹھیک کہہ رہا ہے تمہیں گھر پہنچتے رات ہو جائے گی شہیر رک جاؤ۔" انہوں نے روحانیت سے کہا، شہیر نے گردن موڑ کر انہیں بہت تاسف کی نگاہ سے دیکھا تھا۔

"رات ہو جائے گی مگر گھر تو پہنچ جاؤں گا۔" وہ جنون زدہ شہیر روٹھا سا تھا۔

"تو کہیں نہیں جا رہا سمجھا، بیٹھو آرام سے۔ ویسے بھی جاؤ صاحب سے کہہ کر کافی بنواؤ اس کے بعد ہم باہر چل رہے ہیں، رات کا کھانا چائنیز سے کھائیں گے۔" انہوں نے بڑے سکون سے کہتے ہوئے یکدم فیصلہ سنا دیا۔

"ارے رے میرے بھائی میرے گھر والے.....“

"فون کر دو بے تا، فون یا میں دوں۔" داؤد حسن خان نے ہلکا سا گھورا۔

"تم ہی دے دو انکل میرے پاس بیلنس نہیں ہے۔" شہیر نے ڈھٹائی سے کہہ دیا، داؤد حسن خان نے مسکراہٹ ضبط کی تھی اور کوٹ کی جیب سے اپنا سیل فون نکال کر اس کی سمت بڑھا دیا۔

"ابھی بھی کنجوس ہے، سچ بتا بیلنس نہیں ہے یا بچت کر رہا ہے۔"

"بچت کر رہا ہوں بھائی سمجھے تو ہو۔" شہیر نے قہقہہ لگاتے ہوئے ان کا سیل فون جھپٹ کر نمبر پش کرنے شروع کیے۔

"ماموں کون کون چل رہا ہے۔" وقاص نے داؤد حسن خان کے چہرے پہ بکھری خوشی اور مسکراہٹ کو بڑی خوشی سے دیکھا اور اس کی دائمی ہونے کی دعا کرتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

"میں شہیر اور تمہیں جانا ہے بلکہ تم بھی چلو۔"

"اور مامی۔" وقاص نے ان کی بات کاٹی اور ان کے چہرے پہ عجیب سا سکوت بکھرتا محسوس کرتے ہوئے لب بھینچ لیے۔

"میں مامی کے ساتھ گھر پہ رہ لوں گا ماموں۔" وقاص نے جیسے انہیں مشکل سے بچا لیا تھا، داؤد حسن خان بے طرح چونک گئے تھے۔

"وقاص، تمکین سے کہو تیار ہو جائیں ہم سب ہی چل رہے ہیں۔" انہوں نے جاتے ہوئے وقاص کو پکارا تھا اور گویا حیران کر ڈالا تھا، شہیر فون پہ مصروف تھا وہ خود بھی باہر نکل آئے۔

"آخر کیوں نہیں جانا مامی، ماموں کہہ رہے ہیں۔" وہ اپنے دھیان میں لاؤنج میں آئے تھے وقاص کو تمکین سے بحث میں مصروف دیکھ کر وہیں رک گئے۔

"مجھے تمہارے ماموں کے ساتھ ہی کہیں نہیں جانا سن لیا اب جاؤ۔" وہ کسی قدر نخوت زدہ انداز میں بولی۔

"وقاص تم جا کے تیار ہو۔" انہوں نے وقاص کو فارغ کیا تھا پھر اس کے جانے کے بعد اس کی جانب پلٹے۔

"واٹس یور پرابلم۔" ان کی آنکھیں اور لہجہ سرد تھا، تو چہرے پہ تناؤ، تمکین میں کہاں تاب تھی ان کے مزاج کا کوئی بھی رنگ سہنے کی اور اگر یہ رنگ برہمی کا ہو پھر تو جیسے بالکل ہی فنا کا راستہ تھا۔

"ٹھیک ہے چل رہی ہوں۔" اس نے نظریں نہیں اٹھائی تھیں اور آگے بڑھ گئی۔

"نہیں کوئی زبردستی نہیں ہے، آپ چاہیں تو چلیں ورنہ گھر پہ رہ لیں۔" وہ طنز کر رہے تھے مزاج کے خلاف اور تمکین کی آنکھوں میں نمی اتر رہی تھی۔

چھن گیا دل بری جگہ افسوس
کوئی پہلو نہیں رہائی کا

وہ بہت بے دلی سے تیار ہوئی تھی مگر وقاص نے جس طرح بے ساختگی میں تعریف کی سرسری سی داؤد حسن خان نے بھی اس پہ نگاہ ڈال لی تھی اور اس کی بے دلی جیسے اڑن چھو ہو گئی۔

"بھابی بہت ینگ اور ناٹس ہیں، داؤد کیا یہ بھی تمہاری اسٹوڈنٹ ہی تھیں، عشق و عاشقی کا چکر تھا۔" شہیر نے مسکرا کر حملہ کیا تھا اور داؤد حسن خان کے مسکراتے ہوئے لبوں سے مسکراہٹ چند لمحوں میں غائب ہو گئی تھی۔

"ماموں اور عشق و عاشقی ناممکن ہے۔" وقاص نے بڑے یقین سے کہا تھا اور شہیر کی نگاہ داؤد حسن خان کی سمت اٹھ گئی تھی جہاں آنکھوں کی سرخیاں گہری ہو رہی تھیں، رات گئے جب وہ واپس لوٹے تو تمکین نے انہیں بلیک کافی کے بے تحاشا مگ بنا کر دیے تھے۔

"آپ سو جائیے تمکین آج مجھے شہیر کے ساتھ جاگنا ہے۔" انہوں نے شہیر کے سامنے گویا اپنا بھرم رکھا تھا، تمکین سمجھ کر بڑی شدت سے مسکرائی تھی اور اٹھ کر چلی گئی۔

"سچ بتا داؤد یہ خوبصورت اور کم عمر پری کہاں سے اڑا لی تم نے۔" شہیر نے تمکین کے پیچھے جانے تک ہی صبر کیا تھا، کچھ ایسی ہی بے ساختگی میں بولا کہ داؤد حسن خان بھی جواباً اسی بے ساختگی میں کہہ گئے تھے۔

"آندھی میں اڑ کر میرے گھر آ گری تھی۔"

"واٹ؟" شہیر پوری قوت سے چلایا۔

"مذاق کر رہا تھا یار۔" داؤد حسن خان سنبھل گئے تھے۔

"تو پھر سچ ہے۔" شہیر کو سچ میں ہی کیوں کھوج لگی تھی۔

"[illegible] نہیں۔" داؤد حسن خان جانے کس رو میں تھے ہر بات کا جواب دیے گئے۔

"شاید یہ تو جوانی کی بے تکلف دوستی کی وجہ سے ہو، یوں چھپا بھابی کا دل آیا ہو گا تجھ پہ تو تجھ بھی تو ایسی ہی شاندار ہے کہ تیری خاطر ایک دنیا سے ٹکرایا جائے۔" وہ خود ہی قیاس کے گھوڑے دوڑاتا سر ہلا ہلا کر جیسے اپنے ہی قیاس پہ خود کو داد بھی دے رہا تھا۔

"بچہ کوئی نہیں تمہارا، ویسے جوڑی زبردست ہے رنگیلے یار آئی ایم وری امپریسڈ، ڈراموں فلموں اور کلاسک کہانیوں کے کردار لگے ہو تم دونوں مجھے۔" داؤد حسن خان جو بچے کے تذکرے پہ بوکھلائے تھے بات کو آگے اور رخ بدلتے دیکھ کر بے اختیار ریلیکس ہوئے۔

"کوئی اور بات کر نا یار۔" انہوں نے احتیاطاً ٹوک دیا، یوں بھی اپنی ذات پہ تبصرہ انہیں اب بھلا کہاں پسند رہا تھا، چاہے وہ کسی بھی حوالے سے ہو، "گاؤں والے گھر میں آج بھی سب ویسا ہی ہے۔" داؤد حسن خان نے دل پہ پتھر رکھ کے پوچھ لیا۔

"نہیں سب کچھ بدل گیا ہے تیرے چلے جانے کے بعد، جیسے شیرازہ بکھر گیا ہے اس خاندان کا خوشی رونق گئی ہے اس گھر سے۔" شہیر کے چہرے پہ ملال کے رنگ بکھرنے لگے۔

"داؤد تو مان یا نہ مان مگر یہ سچ ہے کہ تجھے خفا کرنے کے بعد وہاں کوئی بھی خوش نہیں رہ پایا۔" داؤد حسن خان نے ایک نظر اسے دیکھا تھا اور لاشعوری طور پہ کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر سگریٹ کیس اور لائٹر نکال لیا۔

"کس نے کہہ کر کسی کو بھی تیرے مل جانے کا نہیں بتایا داؤد، میں ابھی سرپرائز دینا چاہتا ہوں، تو چلے گا نا میرے ساتھ۔" داؤد حسن خان کے سگریٹ سلگاتے ہاتھ اس زاویے پہ ساکن ہو گئے، انہوں نے چونک کر پہلے سگریٹ کو لائٹر کو اور پھر شہیر کو دیکھا اور جیسے کسی بے خیالی کی کیفیت سے باہر آ گئے۔

"لیکن شہیر میں واپسی کے راستوں کا مسافر نہیں رہا ہوں، سوری میں وہاں نہیں جا پاؤں گا اس کے باوجود کہ وہاں بقول تمہارے سب شرمسار اور منتظر ہیں۔" انہوں نے قطعیت سے یہ کہا تھا اور سگریٹ کیس کے ساتھ لائٹر بھی دراز میں رکھ کر دراز مقفل کر دیا کمرے میں سکوت چھا گیا تھا جو ہر گزرتے لمحے بڑھ رہا تھا۔

☆☆☆

ایک پیر بائیک سے فٹ پاتھ پہ ٹکائے وہ بڑی فرصت کے عالم میں بائیک پہ بیٹھا چوک بار کھا رہا تھا جب رواں دواں سڑک سے ایک نسوانی سرعت سے اس کے داہنی جانب سے گزری محض ادھ انچ کا فرق تھا ورنہ وہ بائیک سمیت یقیناً دور پڑا ہوتا۔

"ایڈیٹ نانسنس۔" شہریار نے ادھ کھائی آئس کریم پاس کھڑی روحیہ کو تھمائی اور بائیک گھسیٹتے ہوئے سائیڈ پہ ہو گیا، وہ سخت جھلا گیا تھا دوبارہ بائیک پہ ٹکتے ہوئے اس نے دور تک دیکھا اس پری وش کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔

"کب آئے گی یہ دن۔" اسے خواہ مخواہ غصہ آنے لگا، تو پاؤں کی ٹھوکر سے پتھر اڑا دیا، ابھی ایکدم اس کی ذہنی رو بہک گئی تھی۔

شام کا دھندلکا گہرا ہو چکا تھا اور رات کا اندھیرا پھیلنا [illegible] کیفیت لئے ہوئے تھا اور شہریار وہ تو ایسے موسم میں آئسکریم کھانا [illegible] خواہش اسے گھر سے کھینچ کر باہر لے آئی تھی اور تب ہی ان لمحوں نے راحیل سے اس کی چوتھی ملاقات کا سبب پیدا کر دیا تھا، بائیک پہ اپنے من پسند انداز میں ایک پیر پیچھے ٹکا کر روڈ پہ ٹکاتے وہ آئسکریم انجوائے کر رہا تھا، جب وہ اپنی تمام تر دلکشی خوبصورتی اور سحر انگیزی سمیت اس کی توجہ اپنی سمت مبذول کروا گئی تھی، وہ اسے درمیان میں ہی اور گاڑی ریورس کر رہی تھی جانے کیسی بدحواسی کی کہ ریورس ہوتی گاڑی فٹ پاتھ پہ بہار دکھلاتے خوشنما گلاب کے پھولوں کے کنج کو روندتی چلی گئی تھی، جس سے راحیل کی گھبراہٹ یقیناً بڑھی تھی، اس نے یقیناً اپنے تئیں موڑ موڑنے کی کوشش کی تھی، اس کے باوجود منطقی نتیجہ نکلا کہ گاڑی فٹ پاتھ کے ساتھ کھڑے فروٹ کے ٹھیلے سے بدمست بیل کی طرح ٹکرائی، کار کا انجن غرایا اور وہ تیزی سے ریورس ہوتی پیچھے کھمبے سے سلام دعا کرنے لگی، وہاں سے فراغت پا کے وہ ایک بار پھر فٹ پاتھ سے ٹکرائی تھی، اس دوران شہریار بائیک سے اتر کر دو سے تین مرتبہ اسے مدد کی آفر کر چکا تھا، مگر وہ اپنے ازلی نخوت اور رعونت آمیز انداز میں ہر مرتبہ اس کی اس پیشکش کو ٹھکرا چکی تھی، گاڑی کا اب بیڑا غرق ہو چکا تھا اور اسے واقعی مدد کی ضرورت تھی، مگر شہریار جانتا تھا وہ اپنی انا کی بلند دیوار نہیں پھلانگ سکے گی اور ضرورت ہوتے ہوئے بھی اپنے منہ سے اسے مدد کے لئے نہیں پکارے گی، اسے راحیل سکندر حیات کی یہ انا بہت اچھی لگی تھی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی انا کو ٹھیس پہنچے تبھی ایک بار پھر اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔

"چابی دے دیں، میں گاڑی نکال دیتا ہوں۔" راحیل کے پاس اب کوئی چارہ بھی نہیں تھا کہ وہ ایسا کرتی، تبھی وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آئی تھی اور اس خوبصورت ان کے حصار میں گھرے احسان جتلانے والے انداز میں چابی اس کی سمت بڑھا دی تھی، شہریار کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی کھلے دروازے سے اندر بیٹھ کر اس نے چابی اگنیشن میں گھما کر راحیل کی سمت مخصوص ایک نظر کی اور پھر گاڑی کو وہاں سے نکال کر روڈ پہ ڈال دیا۔

"آیئے بیٹھے۔" اس نے یونہی بیٹھے بیٹھے راحیل کے لئے فرنٹ ڈور اوپن کر دیا۔

"کیا مطلب؟" راحیل نے آنکھیں پھاڑ کر اسے گھورا تھا۔

"مطلب یہ کہ آگے بھی ایسے کئی موڑ آئیں گے اور آپ اگر یہ موڑ بھی کاٹنے کی کوشش کریں گی تو یہ گاڑی راستے میں ہی مرحوم ہو جائے گی۔" اس نے بظاہر بہت مہذبانہ انداز اختیار کیا تھا، مگر راحیل کو تو جیسے آگ لگ گئی تھی۔

"تم۔" اس نے دانت کچکچائے تھے۔

"تم اترتے ہو یا پھر۔"

"ارے رے اتنا غصہ کیوں کھا رہی ہیں، اتنی گڈ لکس کا ناس مار لیا۔" وہ ہنس کر اسے چڑا رہا تھا۔

"شہریار!" روحیہ زور سے اس کے کان کے پاس چیخی تب وہ چونکا تھا اور خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"کہاں پہنچے ہوئے تھے [illegible] پہ ثمرانہ آ گئی ہے اب کیا ارادہ ہے۔" روحیہ نے اسے [illegible] مسکرا کر کہا، شہریار قدرے سنبھلا اور جبری مسکان لبوں پہ سجا کر ثمرانہ کو دیکھا، وہ جینس اور سیولیس ٹاپ جس کا گلا قابل اعتراض حد تک گہرا تھا پہنے وہ خود کو کوئی چیز سمجھے چہرے پہ بڑے نخوت زدہ تاثرات لئے کھڑی تھی۔

"ارادے تو بہت نیک ہیں ہمارے بالکل ہماری اور آپ کی طرح پارسا۔" وہ مکمل طور پہ سنبھل گیا تھا خباثت سے ہنس کر بولا اور ثمرانہ پہ بے حد گہری نگاہ ڈالی، جو اس کی نگاہوں کو محسوس کرتی بڑی ادا سے دلبری سے بالوں کو پیچھے جھٹک کر کھلی بھری مسکراہٹ مسکرائی اور بڑی نزاکت سمیت اپنا ہاتھ شہریار کی سمت بڑھا دیا جسے اس نے باخوشی کسی تبرک کی طرح سمجھ کر اپنی گرفت میں محفوظ کیا تھا۔

☆☆☆

اسلام آباد میں اسے ڈیوٹی انجام دیتے چھٹا دن تھا جب آسمان پہ شام ہوتے ہی بادل امڈے چلے آئے اور جب رات کا دلکش سماں ہر سو چھا گیا تو گرج گرج کر اپنی بے پناہ اہمیت کا احساس دلاتے ہوئے چاروں طرف برسنے لگے، میس کی عمارت کے باہر لان میں برستی ہوئی اس برسات نے محمد طارق شیرازی کے محبت میں گرفتار دل کو دوری و فرقت کے احساس سے کچھ اس حد تک لبریز کیا کہ کچھ دیر یونہی بیکل بیکل ٹہلتے رہنے کے بعد اس نے اس دشمن جاں کا نمبر ڈائل کر لیا مگر مسلسل بیل ہوتی رہی کال ریسیو نہیں کی گئی تو اس کا جھنجھلاہٹ میں جلتا دل خدشات کی یلغار سے بوجھل ہونے لگا، کچھ سوچا اور گھر کا نمبر ملا دیا۔

"ہیلو۔" تیسری سے چوتھی بیل پہ ہی فاروق کی آواز اس کی سماعتوں میں اتری تھی۔

"کیسے ہو فاروق؟" اس نے سلام کے بعد کہا تھا۔

"ٹھیک ٹھاک ہیں بھائی آپ کی طرح کوئی کارنامہ تو انجام نہیں دیا شاید جبھی زندگی ابھی خاصی بے رونق ہے۔" وہ حسب عادت شروع ہوا تھا۔

"اور ہم تو جیسے کارنامہ انجام دے کر بہت اٹھکیلیاں کرتے پھرتے ہیں۔" وہ جل ہی تو گیا تھا، پھر جیسے اصل مقصد کی سمت آتا ہوا اپکار کر بولا۔

"سنو فاروق یہ ماہا کہاں ہے یار اسے تو بلاؤ کب سے اس کے سیل پہ ٹرائی کر رہا ہوں۔"

"بھابھی کچن میں ہیں اور موبائل یقیناً اندر کمرے میں۔" فاروق نے اس کی الجھن رفع کی اور وہیں سے ماہ نور کو آوازیں دینے لگا۔

"بھابھی طارق بھائی کا فون ہے۔" وہ چلا رہا تھا۔

"اُف تو چیخ کرنے کی کیا ضرورت تھی، خود کچن میں جا کر نہیں بلا سکتے تھے۔" طارق نے دانت پیسے تھے۔

"ایسا ہے بھائی کہ میرے ٹانگوں میں سخت درد ہے آج میری بائیک دغا دے گئی تھی پیدل چلتا ہوا آیا ہوں۔" وہ اپنا رونا رونے لگا، پھر کچھ دیر کی خاموشی کے بعد بولا تھا۔

"بھائی بھابھی آپ سے بات نہیں کرنا چاہتی ہیں۔"

"کیا؟" وہ حلق کے بل چیخا تو دوسری سمت فاروق خائف سا ہو کر صفائی دینے لگا۔

"کان میرے اپنے ہیں بھائی۔"

"بکو مت جاؤ اور اسے بلا کر لاؤ۔" طارق شیرازی نے اپنا ...

"نہیں بھائی بھابھی شرما رہی ہوں گی ایسا کریں، میں انہیں کمرے میں بھیجتا ہوں آپ سیل فون پہ ہی ان سے بات کر لیں ہائے ہائے۔" وہ اس کی سنے بغیر سلسلہ منقطع کر چکا تھا، طارق شیرازی نے غصے کے عالم میں سیل فون بستر پہ پٹخا اور خود وہیں گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا، لیکن بھی تو نہیں تھا، ناچار پھر سیل فون اٹھایا کیا تھا اور غیر متوقع طور پہ کال ریسیو کر لی گئی۔

"کیا مسئلہ ہے کیوں تنگ کر رہے ہو۔" ماہ نور کی غصیلی جھلاہٹ زدہ آواز سنائی دی اور اس کے اندر جیسے دور دور تک گلاب کھل اٹھے۔

"کیا بات کرتی ہو سزا اتنی دور بیٹھ کر میں بھلا کیسے تنگ کر سکتا ہوں الزام کیوں لگا رہی ہو۔" وہ مسرور سا کہا۔

"شٹ اپ۔" دوسری سمت ماہ نور جیسے خفت زدہ ہوئی تھی۔

"بہت مغرور ہو گئی ہو مگر تمہارا بھی کیا قصور اہمیت انسان کو یونہی اوپر چڑھا دیا کرتی ہے۔"

ہوتی ہے بڑی ظالم یک طرفہ محبت بھی فراز
وہ یاد تو آتے ہیں پر یاد نہیں کرتے

وہ ٹھنڈی آہیں بھر رہا تھا۔

"اتنی اہم ڈیوٹی میں بھی آپ کے پاس ان فضولیات کا ٹائم ہوتا ہے۔" ماہ نور نے طنز کیا تھا اور اس کے جیسے دل پہ اثر ہو گیا، بڑے ہی رقت آمیز انداز میں گویا ہوا۔

"آ..... آپ۔" اس نے گویا غصہ ضبط کیا تھا۔

"کیوں فون کیا تھا بتانا پسند کریں گے۔" وہ جوڑا سی سوڈ میں گھڑ کر بولی طارق نے سرد آہ بھری۔

"اگر بتا دوں کیوں کیا ہے تو تم مجھے سے اکڑ جاؤ گی سوڑنے دو یار۔"

"ٹھیک ہے پھر میں بند کرتی ہوں۔" اس نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا تو ادھر طارق بھڑک اٹھا۔

"ارے رے یہ غضب مت کرنا بالکل نہیں دیدار یار کی طلب میں خود چلا آؤں گا۔" اب کے طارق نے لہجہ بدل کر باقاعدہ دھمکایا دوسری سمت خاموشی چھا گئی صرف اس کے سانسوں کی آواز سے پتہ چلتا تھا رابطہ بحال ہے۔

"سنو اک تازہ حکایت ہے سنو بلیز اور اس پہ غور بھی کرو۔"

"مجھے کچھ بھی نہیں سننا دماغ خالی کر دیتے ہیں یہ فضول اشعار سنا کر۔" ماہ نور غصے میں بالکل آؤٹ ہونے لگی، طارق کے جیسے دل پہ چوٹ لگی تھی۔

اسے کچھ تو بتا دیا ہے
ہم نے اتنا بتا دھیان دے کر

"یہ فضول اشعار لگتے ہیں تمہیں لڑکیاں مرتی ہیں میری اک نگاہ کو اک تمہیں ہی قدر نہیں۔"

"تو پھر قدر دانوں سے قدر کروائیں مجھے بخش دیجئے۔" اس نے بے اعتنائی کی حد کر دی۔

... سے کیا کہوں زاہد
... نے پی ہی نہیں

وہ جیسے فریادی انداز میں کہا۔

"تم پہ سب واجب فرض ہے میری پیاری لاج دلاری بیوی سب خطائیں معاف اپنا تو حال داغ کے شعر کے حسب حال ہے کیا خوب کہا ہے محترم نے۔"

ہم نے اول تو ان کے سامنے خنجر رکھ دیا
پھر کلیجہ رکھ دیا دل رکھ دیا سر رکھ دیا

"بہت شکریہ اس نوازش کے لئے کاش یہ صرف شعر کی حد تک نہ ہوتا۔" اس نے جل کر کہہ ڈالا اور طارق بلبلا سا گیا۔

"یعنی تم، تم کو اگر موقع ملے تو تم مجھے شوٹ بھی کر دو گی۔" وہ ششدر ہونے کی اداکاری کر رہا تھا۔

"ابھی بھی شک ہے۔" وہ پھنکاری تھی اور طارق روہانسا ہوتے ہوئے بولا تھا۔

"ٹھیک ہے۔"

بعد مرنے کے میرے تم جو کہانی لکھنا
کیسے برباد ہوئی میری جوانی لکھنا
یہ بھی لکھنا کہ میرے ہونٹ ہنسی کو ترسے
کیسے دن رات بہا آنکھوں سے پانی لکھنا

وہ مختصر رہا، وہ کچھ بولنے کی حسب عادت کر وہ کسیلا فصیلا مگر ادھر خاموشی تھی، وہ سمجھا رابطہ کٹ گیا بے اختیار پکارا۔

"کوئی بات کرو مجھ سے۔"

"آپ بات مت کریں مجھ سے۔" وہ بھیگی آواز میں بولی تھی اور سلسلہ کاٹ دیا، طارق کے لبوں کی تراش میں چند لمحوں کی سنجیدگی کے بعد گہری مگر خوبصورت مسکان بکھرتی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

اپنی یادوں کو میرے گھر پہ برستا دیکھو
اک آہٹ پہ میرے دل کو چونکتا دیکھو
کمی ہے آگ جدائی کی کتنی شدت سے
اک پل کے لئے آ کے مجھے جلتا دیکھو

بریگیڈیئر سالار درانی کے پرستش آرزو آ گئے تو اسے بھی رخت سفر باندھنا پڑا اور دل ہی دل میں وہ نہیں جانتا تھا کہ بے سود سی تلاش یوں پل بھر میں ختم ہو کر مقصد پانے کی جیت تو کراچی سے اسلام آباد تک کا سفر اس نے کم تر انداز میں کیا تھا پاپا کی باتوں کا جواب انتہائی مختصر دیا اور بریگیڈیئر سالار درانی بیٹی کی اداسی کی وجہ سمجھے بغیر بس خود بے چین ہوتے رہے اور اسی شام جب پی آئی اے کے جہاز نے چکلالہ ایئر بیس کے رن وے کو چھوا اور اپنے مخصوص انداز میں سفر کا اختتام کرتے ہوئے جہاز کی بلند بلڈنگ کے عین سامنے آن کر رکا، بلیک آرمی کی وردی میں بیج کی قطار میں وی آئی پی ایریا میں تعینات میجر طارق شیرازی چونک اٹھے [illegible] سے آنے والے اپنے سینئر آفیسر کو خوش آمدید کہنے کے لئے آگے بڑھا جہاز کا دروازہ کھلا اور فرسٹ کلاس سے اترنے والے مسافروں میں سب سے پہلے درانی کی جانب سرسری طور پر اٹھی ہوئی نگاہ اس کے چہرے پر آ پڑی اور جیسے ٹھٹک کر ٹھہر کر رہ گئی، بلاشک و شبہ وہی تھا، اپنے پروقار نقوش اور دراز قامت قد کے ساتھ جس کی نگاہوں میں وطن کی محبت وفاداری اور قربانی کا عزم جھلک رہا تھا اور جو نگاہ اپنے سینئر آفیسر کی دختر کو سامنے پا کر احتراماً جھکی ہوئی تھی، وہ بیٹے آگے بڑھتا چلا گیا، وہی دلربا نقش جنہیں جیتے جی بھول چکی تھی، یہ اعتراف شکست تو وہ ایک عرصے سے قبول کر چکی تھی پر تو جلوے کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ عرصے سے بغیر پتھر کی بن چکی تھی۔ محترم زندگی ایک بار پھر اسے پکڑ وہ سنا رہا تھا کہ بلاشبہ کچھ لوگ طلسماتی شخصیت کے حامل ہوتے ہیں انہیں نظر انداز کر کے چلے جانا کوئی آسان امر نہیں ہوتا، وہ پل وہ لمحے وہ شام ہمیشہ درانی کی زیست کو میجر طارق شیرازی کے حوالے سے ایک نیا رخ دے گئی تھی اور وہ اس بات سے قطع نظر خوش ہو چکی تھی کہ نصیب نے آئندہ زندگی میں اس کے لئے کیا سنبھالا ہوا ہے۔

(باقی آئندہ)

میرے اندر سے کہو

ام مریم

چودھویں قسط کا خلاصہ

طارق شیرازی، ماہ نور کو اپنی پریشانیوں اور الجھنوں کے بارے بتاتے ہوئے اس سے اس مشکل حالات میں تعاون اور ہمراہی کا خواہاں ہے مگر ماہ نور اپنی ازلی ہٹ دھرمی کی بدولت ایک بار پھر اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نخوت سے جھٹک دیتی ہے، البتہ وہ اپنے ذاتی مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے ساتھ اسکردو جانے پہ آمادگی کا اظہار ضرور کرتی ہے۔

ممّا کا رانیل کے ساتھ بہت اپنائیت بھرا رویہ ہے اس کے باوجود رانیل خود کو بہت تنہا اداس اور ملول پاتی ہے، وہ زندگی میں اب دوبارہ شہریار سے سامنے پہ کسی طور بھی آمادہ نہیں۔

نگین اور داؤد حسن خاں، وقاص کو بہلانے کی کوششوں میں ہلکان ہیں مگر وقاص کی ذہنی اذیت ان کوششوں کے باوجود کم ہونے میں نہیں آتی جس پہ خاص طور سے داؤد حسن خاں بہت ڈپریشن کا شکار ہوتے ہیں۔

شہریار کو رانیل پہ صرف غصہ نہیں ہے اب وہ اس سے نفرت بھی محسوس کرتا ہے اور دل میں اس سے انتقام لینے کو بڑے بڑے ارادے باندھتا ہے جن پہ وہ جلد عمل کرنے کا خواہش مند ہے۔

پریشے کسی انجان شخص کی محبت میں سرتاپا غرق ہے اور پچھلے دو سالوں سے خود پہ ہر خوشی حرام کیے ہے اسے اس شخص کی تلاش ہے جس کے وہ نام سے بھی واقفیت نہیں رکھتی۔

اب آپ آگے پڑھیے

تیرھویں قسط

اسی شام ایئرپورٹ سے اسلام آباد کے پاک آرمی میس تک اسلام آباد کی خوشگوار سرسراتی ہوئی ہواؤں نے پریشے درانی کو اس شہر کے ساتھ برسوں کی تلاش کی منزل پا لینے پہ مبارک باد سے نوازا تھا۔ پریشے درانی کی نگاہوں نے جب جب بھی اسے دیکھا ہر بار پریشے درانی پہ یہ انکشاف نئے سرے سے ہوا کہ وہ جتنا خوبصورت ہے اس سے بڑھ کر بے نیاز بھی۔ وہ جو ہر چھوٹا تھا اور مسرائز کر لیا کرتا تھا۔ انہیں میس تک جہاں بریگیڈیئر سالار درانی کی اپنے اعلیٰ افسران سے ملاقات ہوئی تھی اس کے بعد میجر طارق شیرازی کی معیت میں ہی وہ آفیسرز کالونی میں بنگلے تک آ گئے تھے۔ جب اسلام آباد کی بھیگی ہوئی ہوائیں اس سرکاری رہائش گاہ کے سبزہ زار پہ لگے اونچے درختوں کے اوپر سے سرسراتے گزرنے لگیں۔ جھینگروں کی آواز نے مدھم ردھم کا انداز اپنا لیا اور جب رات کا سماں اسلام آباد شہر پہ چھانے لگا تو پریشے درانی کے دھڑکتے دل نے ایک اور امید خواہش کر ڈالی۔ اپنے دل کے مکین کو جھٹ سے لے پانے کی خواہش۔ دل کسی کو ہمراز بنانے کو مچلا یہ خوشی شیئر کرنے کو بےقرار ہوا اور اس کے لیے سونیا سے بڑھ کر بھلا کون تھا۔ جبھی اس نے سونیا سے فون پہ رابطہ کر لیا تھا۔

رسمی سلام دعا کے بعد اس نے سونی کو طارق کے متعلق بتاتے ہوئے کہا تھا۔ "وہ مل گیا ہے سونی جس کا مجھے میرے دل کو گویا صدیوں سے انتظار تھا۔ اور تمہیں پتہ ہے۔ سونی آج شام سے اب تک مجھے ابلر کی ضرورت نہیں پڑی میں اپنی مرضی سے سانس لیتی رہی ہوں جب سے میں نے اسے دیکھا ہے میں نے کوئی دوا نہیں لی"۔ وہ کھنکتے لہجے میں کہتی ہنس رہی تھی اور سونیا وہ اس کی ہنسی کو بہت اچھی طرح دل سے سنتے ہوئے بولی تھی۔

"پھر تو مجھے بھی اسے دیکھنا پڑے گا"۔ "آ جاؤ سونیا آ جاؤ مجھے اب اس مقام پہ تمہاری ضرورت پڑنے والی ہے"۔ وہ پرجوش ہونے لگی۔ "میرا [illegible] ہوا کی طرح آزاد ... جہاں جی چاہے اڑتی پھروں"۔ سونیا نے چھیڑا۔ "دیکھو لوبیا آوارہ گردی کہاں بہاں آ گیا"۔ وہ پھر سے کھلکھلائی۔

"ہاں یہ تو ماننے والی بات ہے"۔ سونیا نے قائل ہونے میں دیر نہیں لگائی۔ "پھر آ رہی ہو نا اسلام آباد خوابوں کے شہر"۔ پریشے نے کریدا تھا۔ "آنا تو پڑے گا ان خوابوں کے شہر کی دید کو نہ سہی۔ تمہارے مسٹر پرفیکٹ کے درشن تو لازمی ہیں" اس نے آمادگی ظاہر کی تو پریشے پرسکون ہونے لگی تھی۔

☆☆☆

مجھے خبر ہے کہ چپکے چپکے اندھیرے اس کو نگل رہے ہیں
میں اس کی راہوں میں اپنے دل کا دیا جلاتا
ستم کیا ہے شہیر اس نے جو شہر چھوڑا ہے خاموشی سے
میں اس کی خاطر یہ دنیا بھی چھوڑ جاتا مجھے بتاتا

شہیر بہت مایوس ہو کر ان کے پاس سے گیا تھا۔ جاتے ہوئے اس نے تمکین کو بڑا شرمندہ دیکھا تھا سلامی کے طور پہ جبکہ داؤد سے گلے ملتے ہوئے اس نے بہت سوز سے یہ اشعار پڑھے تھے۔ جو ان کے لبوں پہ زہریلی مسکان بکھیر گئے تھے۔ "اب معاف کر دو یار معافی میں عظمت ہے"۔ شہیر ان کی یہ مسکان دیکھ چکا تھا۔ نرمی سے شانہ تھپک کر بولا۔ "یقین نہ کرو بھی تو مانو گے کہ کچھ لوگ ہیں جنہیں تب سے اب تک مجرمانہ احساس جینے نہیں دے رہا"۔ وہ چلا گیا تھا اور داؤد نہ چاہتے ہوئے بھی ان یادوں میں کھونے لگے جن سے وہ کترایا کرتے تھے۔

صابر انہیں کھانے کے لیے بلانے آیا تھا انہوں نے منع کر دیا جانے کیوں دل بوجھل ہو رہا تھا۔

"کیا بات ہے ماموں طبیعت ٹھیک ہے نا"۔ کچھ دیر بعد ہی وقاص چلا آیا۔ "ہاں ٹھیک ہوں"۔ انہوں نے محض سر ہلا دیا۔ وقاص نے ان کی نظروں کا تعاقب کیا تو نگاہ سامنے دیوار پہ آویزاں تصویر میں جا الجھی۔ جس میں اک سرسبز و شاداب سیب کا درخت تھا۔ اک پکا ہوا سیب درخت سے گر کر یوں گھاس میں پڑا تھا کہ گویا ابھی تصویر سے باہر لڑھک آئے گا۔ اک سفید بلی پاس کھڑی اپنی کانچ سی آنکھوں سے گھور رہی تھی۔ یوں

جیسے اگر کسی نے وہ سیب اٹھانے کی کوشش کی تو اس پہ جھپٹ ہی تو پڑے گی۔

"ماموں" ہاں، وہ ہنوز گم صم تھے۔ "ایسا کیا ہے اس تصویر میں کہ آپ اسی میں گم ہو چلے ہیں"۔ وہ جھنجھلایا اور ان کے اور تصویر کے درمیان دیوار بن کر کھڑا ہو گیا۔ داؤد حسن خان نے بس خفیف سا ہی اسے گھورا تھا۔

"کیا مسئلہ ہے یار کبھی تو چین لینے دیا کرو"۔ وہ جھنجھلا گئے تھے۔

"ماموں میں مانی تو نہیں ہوں کہ اب آپ کی ناز برداری کرنا شروع کر دوں مگر آپ کی خفگی کو دیکھتے ہوئے مجھے ایک شعر سوجھ رہا ہے اس لیے بھی کہ ادھر مانی بھی تپی تپی خفا خفا سی ہیں ہاں تو شعر ہے"۔ وہ ان کی نگاہوں کی گھوری کو دانستہ دھیان دیے بغیر بڑے اطمینان سے ذہن پہ زور دیتا ہوا بڑے جذب سے گویا ہوا۔

انا پرست ہے وہ اتنا کہ بات سے پہلے
وہ اٹھ کے بند میری ہر کتاب کر دے گا
میں سچ کہوں گی مگر پھر بھی ہار جاؤں گی
وہ جھوٹ بولے گا اور لاجواب کر دے گا

"مانی کی کیفیت بیان کر رہا ہوں"۔ وہ ان کے خطرناک تیوروں کو دیکھتا ہوا کہہ کر باہر بھاگ گیا۔ داؤد حسن خان نے سر جھٹک دیا تھا۔ جبکہ دوسری طرف وقاص تمکین کا سر کھانے آ پہنچا تھا۔

"انہیں نا مانی ماموں کو منا کر لاؤ گی وہ آپ سے ہی خفا ہیں"۔ وہ بدک کر رہ گئی۔ "خفا ہونے کا حق میرا تھا الٹا ماننے کر بیٹھ گئے۔ حق انسلٹ کی میری انہوں نے"۔ غصے میں زبان ضرورت سے زیادہ پھسل جانے کے بعد ہی تلفظ خراب کیا ہو سکتا تھا۔ وقاص دونوں ہاتھ کمر پہ رکھ کے بڑی بھانپتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"ماموں نے آپ کی انسلٹ کی ہے مانی۔ اِٹس ٹھیک آپ کی انسلٹ میری بھی انسلٹ ہے۔ صابر کی بھی انسلٹ ہے ہم کل کر ماموں کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کریں گے جلوس نکالیں گے"۔ وہ مسکراہٹ دبائے ہوئے تھا۔

تمکین نے سخت جھنجھلا کر اسے گھورا مگر وہ چہک کر بول اٹھا تھا۔ "ایک تو میں آپ کی حمایت کر رہا ہوں" "کوئی ضرورت نہیں ہے"۔ تمکین نے اس کی بات کاٹی اور خود اٹھ کر دراز کھول کر کھڑ پھڑ کرنے لگی۔ وہ خود کو جتنا بھی لاتعلق بے نیاز ظاہر کرتی وقاص اس کی توجہ حاصل کرنے کے گر آزماتے تھے۔

"مانی۔ مجھے پتہ چلا رابیل کا"۔ بالکل غیر متوقع بات تھی۔ تمکین نے گویا دم سادھ لیا۔ خاصی دیر بعد وہ خود کو کمپوز کرتی سیدھی ہوئی تھی۔ اور استفہامی نگاہ سے اسے دیکھا۔

"مانی اس کا ہزبینڈ اچھا آدمی نہیں تھا پھر وہ کیوں اس کے پاس دوبارہ چلی گئی۔ آخر وہ خود پہ جبر کیوں کر رہی ہے"۔ بکھرے پرافسردگی نگاہوں میں ایک وحشت بھرے وہ اس سے سوال پہ سوال کر رہا تھا ابھی کچھ دیر قبل کا وقاص جیسے اب کہیں نہیں تھا۔ وہ سوچنے لگی کہ اصل کیا ہے یہ وہ ہوا سے لگا دوسری بات زیادہ ہو گئی ہے۔ "دیکھو وقی ہر انسان کو ہی اپنی زندگی میں کچھ وار کرنا پڑتا ہے تھوڑا یا زیادہ مگر ہوتا تو ہے نا جیسے مجھے جیسے تمہیں۔ تم رابیل کو نہیں پا سکے یہ جبر ہی ہے میں تمہارے ماموں کو خوش نہیں کر سکتی یہ بھی جبر کی ہی ایک صورت ہے"۔ وہ ٹھنڈی آہ بھر کے بولی تھی اور وہی سر جھکائے کھڑا تھا۔ پھر یونہی پلٹ کر باہر آ گیا۔ ہاں جیسے میں رابیل کو نہیں پا سکا وہ ہنس دیا اور شکست خوردگی کے احساس سمیت ہنسا مگر اس کی ہنسی میں بھی ایک نوحہ تھا ایک ہوک تھی۔

☆☆☆☆

ابھی بھاگتے دوڑتے شب و روز میں جبکہ تنہا سانی کی راہ گزر پہ ابھی صرف پہلا قدم تھا کہ قدرت نے ملاقات کا ایک اور چانس مہیا کر دیا۔ سونیا اس کے بلاوے پہ اسلام آباد آ گئی تھی۔ اور اسے لینے خود پریشے درانی

ائیرپورٹ جانا چاہ رہی تھی مگر بجھتے سے اس کے لئے کانفرنس اس کے پاپا بریگیڈیئر درانی نے اپنے ماتحت آفیسر میجر طارق شیرازی کو سونپا ہوا تھا اور جب میجر طارق شیرازی سونیا شاہ کو ان کی رہائش گاہ پہ بحفاظت پہنچا کر پلٹ رہا تھا تو پریشے درانی نے دل کے ہاتھوں مجبور ہوتے ہوئے وردی میں ملبوس نگاہوں کو ٹھنڈک دینے والے حسین چہرے اور شاہانہ مزاج رکھنے والے میجر طارق شیرازی کو بے اختیار پکارا تھا۔

"رکئے نا ایک کپ چائے ہی ہمارے ساتھ پی لیں آف کورس آپ نے بہر حال ہم پہ یہ احسان تو کیا ہے"۔ اس نے اپنے پہلو میں خاموش مگر مسکراتی ہوئی سونیا کی سمت اشارہ کیا تھا اور یہ بات تھی بے تکی سی بے ڈھنگی تھی۔ اس کا اندازہ سونیا شاہ کو ہی نہیں طارق شیرازی کے چہرے پر اُمڈتے حیرت کے تاثرات کو بھی دیکھ کر وہ لگا سکی تھی۔

"تو تھینکس میں آن ڈیوٹی ہوں اس قسم کی آفر کو قبول کرنے سے قاصر" وہ دھیمے سے مروتاً ہی مسکرایا تھا اور پلٹ کے مضبوط قدم باوقار انداز میں اٹھاتا دور ہوتا چلا گیا تھا۔ اور پریشے درانی جیسی پگلی نے اس وقت تک اس دیکھا تھا جب تک وہ نظر آتا رہا۔ "واپس آ جائیے مادام کہ عزیزِ طارق شیرازی آپ کے گھر سے ہی نہیں میرا خیال ہے اس کالونی سے بھی نکل گئے ہوں گے"۔ سونیا شاہ نے بیرونی دیوار کے پار دور تک جاتی خالی سڑک کے موڑ پہ غائب ہوتی فوجی جیپ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلایا تھا۔ وہ چونکی تھی اور خفیف سے مسکرا دی تھی۔ "پتہ ہے یہ کون تھا" وہ اس کی سمت متوجہ ہوئی تو سونیا نے دیکھا اس کے چہرے پہ اتنی رونق اتنی تازگی تھی کہ سونیا بس اسے دیکھتی ہی رہ گئی۔ "ہاں" اس نے گہرا سانس کھینچا۔ "جان سکتی ہوں کہ اگر تمہاری آنکھوں میں اتنی چمک کسی کو دیکھ کر آ سکتی ہے تو وہ ہستی کون ہوگی ویسے بظاہر یہ موصوف واقعی بے حد امپریسو پرسنالٹی کے مالک، جوڑی خوب جمے گی مگر یار بندہ اچھا خاصا پاور فل ہے"۔ پریشے نے کاندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ "آؤ اندر چلتے ہیں"۔ اور اس کے ہمراہ اندرونی حصے کی جانب بڑھ آئی۔

☆☆☆☆☆

اس نے ایک وحشت کے عالم میں اٹھ کر وارڈ روب کھولی جو صرف اس کے ملبوسات سے بھری تھی۔ اسے یاد آیا اس نے خود اپنے ہاتھوں رانیل کے تمام کپڑے نکال کر ملازمین کو دے دیے تھے۔ چاہو تو استعمال کر لینا ورنہ باہر پھینک دو جاؤ وہ آگئی ڈونٹ کیئر اس نے کہا تھا اسے یاد آیا اس نے رانیل سے وابستہ ایک ایک چیز کو ضائع کر دیا تھا۔ حالانکہ وہ کتنا احمق تھا کتنا پاگل بھلا یوں نشانیاں مٹا دینے سے یادوں سے چھٹکارا مل پاتا ہے۔ وہ حیران بھی تو نہیں ہو پایا تھا دل کی اس واردات پر نفرت کا محبت میں بدلنا کتنا غیر یقینی سا تھا۔ "یہ کیا ہو گیا، کیسے ہو گیا"۔ بے یقینی تھی کہ ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔ محبت اس کے لئے انہونی اور نا قابلِ قبول جذبہ ہی تو تھا۔ اور پھر وہ بھی رانیل سکندر حیات کے لئے جو اس کے لئے محض سونے کی ایک کان تھی۔ یا پھر اپنی خوبصورتی اور نادانی وبیوقوفی کی بنا پر ایک موم کی گڑیا جس سے جب اس کا جی چاہا تھا دل بہلایا تھا اور جب جی چاہا توڑ پھوڑ کر پھینک دیا۔ پھر یکی ایک جذبہ جسے محبت کہا جاتا ہے ایسی ہستی سے اچانک کیونکر ہو چلا تھا یہ احساس کہ کل تک جو اس کے لئے ایک ثانوی حیثیت رکھتی تھی پھر نفرت وانتقام کا باعث بنی کہ اس کی مردانہ انا پہ چوٹ ہی ایسی لگی تھی۔ اب یکایک محبت کا باعث کیسے بن گئی۔ بظاہر خاصی مضحکہ خیز اور ڈرامائی سچوئیشن تھی لیکن کیا کیا جاتا کہ اس سب کے باوجود یہ احساس خاصا طاقتور تھا۔ تبھی تو اس کی تمام تر شعوری کوششوں کے باوجود دل اس انوکھے احساس سے پیچھا چھڑانے میں ناکام رہا تھا۔

بہتر گھنٹے ہو چلے تھے اس عالم بے یقینی میں سفر کرتے اور خود سے لڑتے لیکن دل ابھی بھی اسی ایک پل کا

تیری تھا۔ ہزاروں بار دیکھے ہوئے اس سادہ وخوش رو اور معصوم چہرے نے تب دل چاہی انداز میں کمند ہی ڈالی تھی اس کا ساحرانہ طرز حسن جو کمال نہیں دکھا سکا تھا۔ وہ اس کے گلے کے ایک معمولی لاکٹ نے دکھا دیا تھا۔ اور وہ اپنی ساری نفرت انتقام اور دولت کی ہوس بھلائے ایک بالکل نئی راہ کا مسافر بن بیٹھا تھا۔ چند لمحوں اس ایک پل میں کیا تھا کہ وہ اس سے اتنا کمزور ہو گیا تھا۔ کہ اس کی زندگی کے چھبیس لا ابالی بے نیازی اور کھورپن کے چھبیس سال بہا کر لے گیا تھا۔

کتنا نارمل تھا وہ اس روز ثمرانہ اور اس نے اکٹھے سارا دن گزارا تھا۔ ثمرانہ کو اس نے مہنگے بوتیک سے ڈریس دلوایا ایک خوبصورت بریسلیٹ بھی گفٹ کیا تھا اس کے بعد انہوں نے اکٹھے کھانا کھایا ثمرانہ کا موڈ تام کر روز کی نئی آنے والی مووی دیکھنے کا بن گیا تو وہ جیسے انہیں سینما ہاؤس کے باہر چھوڑ کر خود رخصت ہو گئی تھی۔

سارے دن کی آوارہ گردی کے بعد شہریار کا موڈ نہیں تھا مگر ثمرانہ کو خفا بھی تو نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ بھی دولت کی کان تھی۔ رانیل کی طرح معصوم، بے ضرر نادان اور جذباتی نہ ہونے کے باوجود وہ اس کے لئے دولت کی کان ثابت ہو سکتی تھی تو وہ چیز اس کا بے تحاشا حسن اور حد سے بڑھی ہوئی بے باکی تھی۔ وہ رانیل کی طرح اپنی دولت تو شہریار پہ نہیں لٹا سکتی تھی ہاں البتہ وہ ان راہوں پہ بغیر کسی ردوکد کے چل سکتی تھی جن پہ قدم دھرنے کو رانیل نے اس ناکوں چنے چبوا دیے تھے۔

تین ساڑھے تین گھنٹے کی بورترین مووی دیکھنے کے بعد وہ حلق تک بیزار ہو چلا تھا۔ جب واپسی پر اس کی اسی بیزاری اور اکتاہٹ کو محسوس کرتے ثمرانہ نے مسکراتے ہوئے اس کے گلے میں بازو حائل کر دیئے تھے۔ "مجھے اندازہ ہے شہری کہ میری وجہ سے تم اچھے خاصے بور ہو چکے ہو بٹ ڈونٹ وری میں تمہاری اس بوریت کی کیفیت کو خوشگواری میں بدلنے کا فیصلہ کر چکی ہوں"۔ اس کا لہجہ معنی خیزی لئے تھا تو آنکھوں میں اس کے طلسمی کشش وجود کی قربتوں نے خمار بھر دیا تھا۔ شہریار کے مضبوط ہاتھوں میں اسٹیرنگ ڈول کر رہ گیا۔ وہ اس کے گلے میں بازو حائل کئے تھی۔ اور اس کوشش میں وہ آدھی سے زیادہ اس کے اوپر آ چڑھی تھی۔ شہریار جیسا انسان بھی ان آزمائشی لمحوں میں گڑبڑا کر رہ گیا تھا۔ "یار کیا کر رہی ہو ایکسیڈنٹ ہو جائے گا"۔ وہ سٹپٹا کر زبردستی سے اسے وہ دھکیل کر مسکرایا۔

"بہت دیر ہو چکی ہے اس وقت گھر جاؤں گی تو پاپا خفا ہوں گے میں تمہارے گھر ہی آج رک رہی ہوں"۔ ثمرانہ نے اس کے پرے دھکیل جانے کا برا منائے بغیر سراہتی ہوئی رشک آمیز نگاہوں کی زد پہ اسے رکھے بوجھل آواز میں کہا شہریار کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا سچ تو تھا رانیل سے پہلے کوئی لڑکی اس انداز میں اس کے قریب نہیں آئی تھی تو اسے بھی پرواہ نہیں تھی مگر رانیل کے دودھیا بھری چاندنی جیسے گداز سراپے کی سحر انگیزیوں میں کھو کر وہ گویا ایک خوبصورت احساس سے روشناس ہوا تھا تو اب اس کی وہ اس درجہ نفرت کے باوجود گویا ہر پل محسوس بھی کیا کرتا حسین تو ثمرانہ بھی تھی پھر کیا حرج تھا وہ بھی اس صورت میں کہ وہ خود بھی آمادہ تھی۔ مگر ساری گڑبڑ تو وہاں پیدا ہوئی تھی۔

جب ثمرانہ اپنے سبھی جذبات کے آگے بے بس ہوتی مقناطیس کی طرح اس کی جانب کھنچی چلی آئی تھی سنہری زلفوں کے پیچ وخم صراحی دار گردن اور ہوش ربا نقوش۔ شہریار کو مدہوش کرنے کو سب کچھ تھا اس کے پاس کیسی اداؤں سمیت مگر اس کی مرمریں گردن کا طلائی زنجیر میں پرویا وہ موتی جانے کیوں اس کی خواہش ارادے اور ضرورت کی راہ میں حائل ہو گیا۔ ایسا ہی موتی رانیل کے گلے میں بھی رہتا تھا۔ ہمہ وقت یہاں تک کہ شہریار کو اس سے الجھن اور جیلسی محسوس ہونے لگی تھی اور ایک روز اسی جیلسی اس الجھن میں اس نے رانیل کی گردن

سے وہ ناکٹ اتار دینا چاہا تھا اور وہ بدک گئی تھی۔

"یہ پاپا کی نشانی ہے میرے پاس" اس کی بڑی بڑی ساحر آنکھوں میں کیسے اس پل نمی اتر آئی تھی۔

"لیکن مجھے یہ لاکٹ اور تمہارے درمیان گوارا نہیں ہے" ۔ وہ بھنا کر بولا تھا۔ "کیسی فضول بات کر رہے ہو شہریار یہ محض ایک لاکٹ ہے" ۔ "میں تو ان ہواؤں سے بھی جلن محسوس کرتا ہوں جو تمہیں چھو کر گزریں" ۔ ڈائیلاگ جھاڑنا تو اس پہ ختم تھا۔

"رائنل، یہ رائنل کون ہے" ۔ ثمرانہ نے اس کے لبوں کی جنبش کو محسوس کیا تو چونک گئی تھی۔ شہریار کے ہاتھ اس کے گلے کی زنجیر میں لٹکتے موتی پہ ساکن تھے۔ وہ اس بات پر چڑ گیا تھا۔ "تمہاری سابقہ محبوبہ یا کوئی Keep" ۔ "شٹ اپ وہ میری بیوی تھی۔ تمہاری طرح وقتی ضرورت تسکین کا باعث نہیں" ۔ لہجہ اہانت آمیز اور تضحیک زدہ تھا کہ ثمرانہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہوئی تھی۔ "کیا کہا تم نے" ۔ وہ آنکھیں نکال کر غرائی۔ "وہی جو تم نے سنا" ۔ وہ خائف ہوئے بنا پھنکار کر بولا۔ "تم میری انسلٹ کر رہے ہو شہری" ۔ وہ چلانے لگی۔ سو اس کا اگلا ایک لفظی بیجی کسی تھپڑ کی طرح ثمرانہ کے چہرے پہ پڑا تھا اور وہ غصے میں کف اڑاتی دھمکیاں دیتی پلٹ کر وہاں سے چلی گئی تھی اور شہریار یوں اطمینان بھرے انداز میں بیڈ پہ ٹانگیں پھیلا کر سویا تھا کہ اگلی صبح نو بجے سے پہلے آنکھ نہیں کھلی وہ بھی شاید نہ کھلتی اگر سیل فون مسلسل نہ بج رہا ہوتا۔ "ہیلو" اس نے اندھوں کی طرح آدھی کھلی آدھی بند آنکھوں سے ہاتھ مار کر موبائل تک رسائی کی تھی اور یونہی خمار سے بوجھل آواز میں بولا تھا۔

"پی کر سو رہے ہو جو آنکھیں نہیں کھل رہی" ۔ روحید نے چھوٹتے ہی طنز کیا تھا۔

"یہ کوئی نئی بات تھوڑی ہے پیتے تو رہتے ہیں ڈیئر لیکن رات بنا پیئے ہی بڑی گہری نیند سویا ہوں" ۔ اس کے بھاری لہجے پہ خمار کا غلبہ تھا۔ "بکواس مت شہری ثمرانہ سے کیا کہا ہے تم نے جو سخت غصے میں ہے وہ پوچھیں کیا کیا دھمکیاں دے رہی تھی" ۔ "کچھ نہیں ذرا سی غلط فہمی دور کی تھی کہ ہم محض ڈاٹ ہو نہیں" ۔ شہریار نے الجھے بالوں میں انگلیاں پھنسائیں۔ "کونسی غلط فہمی" ۔ روحید خاک نہیں تھی۔ جواباً شہریار نے تفصیل سے آگاہ کر دیا۔ اور روحید کو جیسے سکتہ ہو گیا۔

"تم جانتے ہو شہری تم کیا کر چکے ہو اور یہ رائنل کب سے اتنی اہم ہو گئی تمہارے لئے کہ تم اس کی خاطر اتنے ایموشنل ہو گئے کہ ایک اہم کاروباری نقصان کر بیٹھے ہو۔ ثمرانہ کی سورس کا اندازہ ہے تمہیں" ۔ وہ جیسے اس لمحاتی صدمے سے نکل کر اس پہ برس پڑی تھی۔ "پتہ نہیں ویسے سوچوں کا اس بارے میں" ۔ شہریار نے اب بھی اسی اطمینان سے جواب دیا تھا۔ "کیا سوچو گے" ۔ روحید نے الجھ کر پوچھا تھا۔ "یہی کہ رائنل کے لئے اتنا جذباتی کیوں ہو گیا" اس نے جیسے روحید کو چڑایا تھا اور پھر وہاں سے سیل آف کر دیا مگر بعد میں اسے سوچنے کی بھی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ بس انکشاف در انکشاف کا ایک سلسلہ تھا۔ جس کے زد پہ آ یا وہ حیران ششدر اور بے خبر تھی ہوتا آخر شکست تسلیم کر چکا تھا کہ اس کے سوا بہرحال کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔

☆☆☆☆

اس شام اسلام آباد کی ہواؤں میں تیزی تھی اور آسمان دھرتی پہ برس جانے کو بے تاب نومبر کی آخری تاریخیں تھیں فضا میں خنکی کے ساتھ دھند کا غبار بھی اپنا احساس بخش رہا تھا۔ وہ پاک آرمی کے ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر میں وی آئی پی ڈیوٹی بھگتا کر واپسی میں آ رہا تھا۔ جب راستے میں ہی بارش نے آن لیا۔ ہرا بھرا راستہ خوبصورت سا ماحول اور دلفریب سفر اس کے دل میں من پسند ساتھی کی قربت کی خواہش بھرنے لگا۔ اونچائی پہ جاتی سڑک کا موڑ مڑتے اسے نا چاہتے ہوئے بھی گاڑی کو بریک لگانا پڑی تھی کہ قدرت نے ایک محبت کرنے

والے دل کی التجاؤں کے طفیل ان راہ گزاروں پہ ان قدموں کو مسافر کر دیا تھا جن کی آرزو کی طلب ایک عرصے سے کسی کے دل میں دعا بن کر جگتی رہتی تھی۔ وقت نے ان لمحوں پہ یقین کی مہر ثبت کر دی جن میں اعتراف محبت کے بعد ایمان و یقین کی تاریخ رقم ہو سکتی ہے یہ لمحات بھی ایسے ہی تھے اک خاموشی اور سناٹے کی فضا میں رم جھم برستی بوندوں کے سنگ۔ وہ آنکھوں میں شوق امید اور محبت کے چراغ روشن کئے۔ محبت کے دیوتا کو اپنی سمت لمحہ بہ لمحہ بڑھتے ہوئے دیکھتی رہی اور خود کو یہ یقین دلاتی رہی کہ خوش بختی کے دروازے بہر حال اس پہ وا ہو چکے ہیں۔

"کیا میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں" ۔ پریشے درانی نے محسوس کیا کہ وہ ان چند لمحوں کی ملاقات اور سرسری سامنے کو فراموش کئے ہوئے تھا جو اس کی زندگی کے خاص لمحات نے پائے تھے اس کا دل بوجھل ہوا تھا اور سرافسردگی کے احساس سمیت جھک گیا۔ وہ اسے کیسے بتاتی بھلا یقیناً تم ہی تو وہ منزل ہو میرے یقین اور ایمان کی منزل میرے حسین خواب کی تعبیر میرے انتظار کا حسین ثمر اور میری زندگی کا وہ رنگ جس نے میری زندگی کا انداز بدل کر رکھ دیا۔ لب خاموش رہے مگر دل دھڑک رہا تھا۔

"آیئے پلیز" ۔ سونیا نے ہی اس سے بات کی تھی اور یہاں اپنی موجودگی کی وجہ بتائی تھی وہ ان کو اپنی گاڑی میں بیٹھنے کی آفر کر رہا تھا۔ "کور ہماری بائیسکل" ۔ سونیا تذبذب کا شکار تھی۔ "یہ بھی پہنچ جائے گی ڈونٹ وری" ۔ وہ دھیمے سے مسکرایا تھا۔

"آپ کو ہمارا آئی مین پریشے کے گھر کا ایڈریس تو پتہ ہوگا" ۔ سونیا اس کی خاموشی کو محسوس کرتی یاد دلا رہی تھی کہ وہ ہر وقت یہاں سے لاتی اس سے جا طلب ہونے کی دل تو اس امر کا یہ ہی تھی لیکن بھی وہم کا شکار تھا۔

"جی نہیں مگر آپ ساتھ ہیں نا" ۔ طارق شیرازی کی نظریں ونڈ اسکرین پہ جمی تھیں۔ "واٹ" ۔ سونیا زور سے چلائی۔ "آپ کو یہ بھی یاد نہیں کہ ہم کون ہیں ایسے ہی لفٹ دے ڈالی" ۔ "یہ میرا فرض تھا بحیثیت ایک محافظ کی حیثیت سے اس ملک کے کسی باسی کو مشکل میں دیکھ کر مدد کروں" ۔ طارق شیرازی کا نارمل لہجہ سونیا کو خفت کا شکار کرنے لگا۔

"یعنی آپ نے واقعی ہمیں نہیں پہچانا" ۔ وہ صحیح معنوں میں صدمے کا شکار ہوئی۔ طارق نے اب کی مرتبہ قدرے چونک کر دونوں چہروں کو بغور بیک ویو مرر میں دیکھا اور اپنی بھول جانے والی عادت پہ ایک مرتبہ پھر شرمندہ ہو گیا۔ "سوری تو سے" ۔ وہ واقعی خجل ہوا تھا۔

"یہ پریشے درانی ہیں۔ بریگیڈیئر سالار درانی کی صاحبزادی وہی بریگیڈیئر سالار درانی جو پچھلے مہینے یہاں پوسٹ ہوتے ہیں۔ اور اس کے بعد غالباً انہوں نے مجھے بھی ایئرپورٹ سے ریسیو کرنے کی ذمہ داری آپ کے ہی ذمہ لگائی تھی" ۔ سونیا شاہ کو انسلٹ کا احساس چھو کر گزر رہا تھا تو ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولتی چلی گئی۔ بھلا کوئی تک بھی ہے اتنی حسین طرحدار پیاری پیاری لڑکیاں سامنے تھیں اور محترم دیکھ کر بھی فراموش کر بیٹھے یعنی حد تھی بے حرمتی کی بھی۔ طارق شیرازی اس کے جلے کٹے انداز کو محسوس کر کے بے ساختہ مسکرایا اور ایک بار پھر اپنی کوتاہی کی معافی کی درخواست پیش کی۔ جسے سونیا شاہ نے بڑی فراخدلی سے قبول کر لیا۔ "آپ کی فرینڈ کو لگتا ہے زیادہ ہی چوٹ محسوس کر رہی ہیں اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں گھر ڈراپ کرنے سے قبل آپ کو ڈاکٹر حشمت کے کلینک لے چلتا ہوں" ۔ طارق نے گویا اپنی کوتاہی کا ازالہ کرنا چاہا تھا۔ بیک ویو مرر سے پریشے کو گم صم اور خاموش چہرے کو نظروں کی گرفت میں لے کر بولا۔ اور جیسے وہاں الجھے دھاگوں پہ پانی پڑ گیا۔

"جی انکل انہیں چوٹ تو واقعی گہری لگی ہے اور اس کا علاج بھی صرف آپ کے پاس ہی ہے" ۔ سونیا اچھی

ہی ذہن میں تھی۔ "جی"۔ طارق نے بہت ٹھٹک کر اسے دیکھا۔ جبکہ پریشے نے بے بسی سے اپنی کنپٹی اس کی ہتھیلی میں دے ماری تھی۔ وہ گڑبڑا کر بوکھلا کر رہ گئی۔

"جی میرا مطلب ہے جناب آپ نے میاپ کی ہے تو پوری طرح کریں نا۔ ہم سائیکلنگ کر رہے تھے۔ بس مجھ سے آگے نکلنے کی کوشش میں محترمہ ڈھلوان سے پھسل گئیں"۔ سونیا ہنسی تھی۔ پھر جس وقت طارق شیرازی پریشے درانی کو ڈاکٹر حشمت کے کلینک سے چیک اپ کروا کے زخم کی مرہم پٹی کروانے کے بعد گھر کے باہر سے ہی چھوڑ کر جانے لگا تو سونیا اس کے آڑے آ گئی تھی۔ "اس روز بھی آپ نے چائے نہیں پی تھی پھر آج تو موسم بھی بہت مناسب ہے چائے کے لئے"۔ اس نے اتنے خلوص سے کہا تھا کہ طارق شیرازی ایک دو مرتبہ سے زیادہ انکار نہیں کر پایا۔

اور جس پل وہ سونیا کی معیت میں سادگی اور نفاست سے سجے ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھا اور سونیا بیٹ مین کو چائے کا کہنے گئی طارق شیرازی کی توجہ اپنے آپ ہی پنک کلر کے لباس میں ملبوس سرخ و سفید روئی کے گالوں جیسی اجلی رنگت گلاب کی پنکھڑیوں سے مشابہ حسین نازک لبوں خمیدہ دراز پلکوں سے بنی خوابناک گہری آنکھوں والی پریشے درانی کی سمت ہو گئی۔

"آپ بہت خاموش ہیں کیا بہت زیادہ چوٹ لگی ہے آپ کو"۔ وہ جو سب کچھ فراموش کئے ٹک ٹک مبہوت سی اسے دیکھ رہی تھی ٹپٹا کر سنبھلی۔ اس سے پہلے کہ جواب میں کچھ کہتی سونیا گنگناتے ہوئے اندر آ گئی۔

اس کی آنکھوں کی سحر خیز شریر سی چمک صاف چغلی کھا رہی تھی کہ وہ طارق شیرازی کا بے سوال بن چکی ہے اور اب گویا اپنی آگاہی کو اس انداز میں آشکار کرتی بے حد محظوظ ہو رہی تھی۔ پریشے درانی بے اختیار شپٹا کر التجا آمیز نظروں سے اسے تکنے لگی اور اس نے بھی جیسے اس پہ رحم کھایا تھا۔ اور طارق شیرازی سے ڈھیروں ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی تھی گویا یہ بھی اسے وہاں کچھ دیر مزید روکنے کا بہانہ تھا۔ اور پریشے پہ بہت بڑا احسان۔

"اب آتے رہیے گا میجر صاحب اس لئے بھی کہ آپ کی یادداشت کے پردے پہ ہمارے نقوش کا پرنٹ رہے۔ کہیں ایسا ہو کہ دوبارہ ملنے پہ نئے سرے سے تعارف کروانا پڑے۔ جی بہت انسلٹ فیل کرتی ہوں میں"۔ سونیا نے اس وقت مسرور کر کہا تھا جب طارق شیرازی واپس جا رہا تھا۔ اس بات پہ خفت محسوس کرتا ہوا ہنسا۔

"نہیں اب ایسا نہیں ہوگا"۔ اس نے جیسے اپنی خجالت دور کی تھی۔

"کیوں اس لئے کہ آپ پھر آتے رہیں گے یا پھر اس لئے کہ ہمارے چہرے کے نقوش کچھ خاص ہیں"۔ سونیا کا لہجہ شریر تھا انداز میں بے باکی نہیں البتہ تکلف کا احساس نہیں تھا جسے محسوس کرتے طارق شیرازی کی مسکراہٹ گہری ہو چلی تھی۔

"دوسری بات اگر سچ ہوتی تو آج تعارف کی ضرورت تو نہ پڑتی غالباً"۔ شرارتی تبسم لہجہ گواہ تھا کہ وہ اس کی بات پہ محظوظ ہو کر جوابی کارروائی کر چکا ہے۔ سونیا نے بے حد لطف لیا تھا اور ایک فرحت فزا قہقہہ لگایا۔ "بہت خوب آپ تو سیر کو سوا سیر ہیں۔ چلیں اگر دوسری بات سچ نہیں ہے تو پہلی کو مان لیں اور پریکٹس کریں"۔

"سوری پریکٹس نہیں البتہ کوشش کروں گا کہ ان کی خیریت معلوم کرنے دوبارہ آ سکوں اس کے باوجود کہ انہیں میں نے چوٹ نہیں لگائی۔ مگر مجھے لگ رہا ہے ان کی یہ خاموشی مجھے ہی دوش دے رہی ہے"۔ طارق شیرازی نے سنجیدگی سے کہتے کہتے لہجہ بدل کر مسکراہٹ ضبط کی۔ اور پریشے درانی اپنے کسی خیال سے چونکی بے اختیار اسے دیکھنے لگی۔ "ہو بھی سکتا ہے جبھی تو آپ کو ملتے رہنے کا اصرار کر رہی ہوں"۔ سونیا نے پھر ایک ذو معنی فقرہ اچھالا تھا جسے پریشے نہیں وہ محسوس کر پایا تھا۔ البتہ دونوں خواتین [illegible] چلا گیا سونیا مسکراتے ہوئے

پہنچے ہیں۔ اب طویل ہو [illegible] آنکھوں اور [illegible] کے ساتھ گھر میں لا کر مغرور نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

☆☆☆☆

خبر تحیر عشق سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی
نہ تو تو رہا نہ تو میں رہا جو رہی سو بے خبری رہی
ابھی سمت غیب میں کیا ہوا کہ چمن ظہور کا جل گیا
مگر اک شاخ نہال غم جسے دل کہو سو ہری رہی
وہ عجب گھڑی تھی میں جس گھڑی لیا درس نسخۂ عشق کا
کہ کتاب عقل کی طاق میں جوں دھری تھی یوں ہی دھری رہی
ترے جوش حیرت حسن کا اثر اس قدر سیں یہاں ہوا
کہ نہ آئینے میں جلا رہی نہ پری کوں جلوہ گری رہی
کیا خاک آتش عشق نے دل بے نوائے سراج کوں
نہ خطر رہا نہ حذر رہا مگر ایک بے خطری رہی

وہ اتنے بے دھیان بے خیال تھے کہ گاڑی پورچ میں لا کر روکی اور وہاں موجود سرخ شیراڈ کو موجود پا کر بھی کوئی تجسس ان کی سپاٹ آنکھوں کو نہیں چھوا اور وہ یونہی چلتے ہوئے اندرونی حصے کی سمت بڑھ آئے۔ ڈرائنگ روم سے تو نہیں البتہ ٹی وی لاؤنج سے بہت سی ملی جلی آوازوں نے ان کا پیچھا کیا مگر وہ سیدھے بیڈ روم میں آ گئے۔ بیگ رکھ کر ابھی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے کوٹ اتار ہی رہے تھے کہ تمکین بیگم دروازہ ناک کرتی اندر آ گئیں۔

"اور کچھ نہیں تو کم از کم بندہ سلام دعا تو ضرور کر لے۔ ایسی بھی کیا بے اعتنائی صاحب کہ اس سے بھی گئے [illegible] کہ وہ آپ کی فیملی کے لوگ ہیں پھر [illegible] رشتہ دار نہیں کہ ان سے یوں منہ پھیر کر کوئی حساب چکا رہے ہوں"۔ وہ آتے ہی جیسے جانے کب کا سنبھالا ہوا غصہ نکالنے لگی۔ داؤد حسن خاں نے جواب میں کسی قدر چونکتے ہوئے مگر گوارا سی حیرت سے دیکھا تھا۔

"[illegible] بات نہیں کر سکتی ہیں تو دروازہ بے جائیے یہاں سے"۔ پتہ نہیں کیوں وہ آج اتنے بد لحاظ ہو چلے تھے کہ باہر آئے بیٹھے مہمانوں کا بھی خیال کیے بغیر بلند آواز سے دہاڑے۔ تمکین کے غصے کی جگہ بے یقینی اور دکھ نے لے لی۔ "کیا ہو گیا ہے آپ کو داؤد"۔ وہ روہانسی ہی تو ہونے لگی تھی۔

"پلیز دماغ آل ریڈی بہت خراب ہے ٹمی پلیز گو ناؤ"۔ اب کی مرتبہ انہوں نے لہجے کی تیزی پہ قابو پا لیا تھا مگر بے بسی و تلخی ابھی جھلک گئی۔ تمکین نے چند لمحے سوالیہ آنکھوں سمیت انہیں دیکھا پھر لب بھینچے پلٹ کر باہر نکل گئی۔

"بے وقوف احمق پاگل لڑکیاں"۔ انہوں نے ٹائی گلے سے کھینچ کر صوفے پہ اچھالی اور خود بھی وہیں بے دم سے انداز میں گر گئے۔ آج پھر کالج میں ایک لڑکی نے ان سے محبت کا اظہار کیا تھا۔ [illegible] ان کے بغیر وہ ساری زندگی ادھوری رہے گی اور وہ ادھوری رہنا نہیں چاہتی۔ اور داؤد حسن خاں نے خلاف توقع خاموشی اختیار کی تھی نہ ڈانٹ ڈپٹ میں آ کر برہم ہوئے۔ ایسا کیا تھا ان میں کہ یہ لڑکیاں یوں پاگل ہو رہی تھیں۔ کیا انہیں یہ جاب چھوڑ دینا چاہیے۔ یہ آخری حل ان کی سمجھ میں آیا تھا۔ ماضی کے بعد وہ کسی اور کی بربادی کا گلٹ اپنے سر

نہیں لینا چاہتے تھے۔ آخر ایک فیصلہ کر کے وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"گاؤں سے ماموں شمیر اور باقی سب لوگ آئے ہیں"۔ وہ فریش ہو کر واش روم سے باہر آئے تو وقاص جیسے انہی کا منتظر تھا۔ تولیے سے بال خشک کرتے اس خبر نے ذہنی خلفشار کا شکار کیا تھا۔ "امی کھانا لگا رہی ہیں پلیز جلدی آجائیے"۔ وقاص نے ان کے وجیہہ خوبرو چہرے پہ پھیلے سکوت کو دیکھتے ہوئے نرمی سے کہا تھا اور کھلے دروازے سے باہر چلا گیا۔

"یار تو کیا چھوئی موئی دلہن کی طرح کمرے میں گھسا بیٹھا ابھی سے ہی شرما رہا ہے"۔ بامشکل خود کو اسی ذہنی ہیجان سے آزاد کراتے وہ برش اٹھا کر بال بنا رہے تھے جب شمیر نہایت بے تکلفی سمیت دروازہ کھول کر دھڑ دھڑاتا ہوا اندر گھس آیا اور ان کے کاندھے پہ ہاتھ مار کر زور سے ہنسا تو داؤد حسن خاں کے لب بختی سے باہم پیوست ہو گئے۔ انہوں نے آئینے میں منعکس ہوتے اپنے عکس کے ساتھ ابھرتے شمیر کے عکس کو تکا تھا اور قسمت کے اس رخ پہ غور کرنے لگے۔

"ابا، اماں اور فرحان ہی آئے ہیں ابھی بڑی اماں کی حالت تو مت پوچھو کھو شادی مرگ طاری ہو گی تمہارے متعلق جان کر۔ ہمارے ساتھ آنا چاہ رہی تھیں مگر بابا ان کی بیماری کی وجہ سے چھوڑ آئے ہیں۔ سب ہی خوش ہیں سوائے"۔ شمیر نے بے تکان بولتے اچانک بات ادھوری چھوڑی اور گویا ان کی توجہ کھینچ لی۔ "سوائے" ان کے لب ہلے تھے۔ "شمیر بنہ کے" وہ کھل کر مسکرایا اور داؤد حسن خاں کے لب ایک بار پھر باہم جڑ گئے۔ جبکہ شمیر ان پہ گہری نظریں جماتے آہستگی سے بڑبڑایا تھا۔

وہ مر جائے گا جب اس کو خبر پہنچے گی ہم اس کو دشمنوں کے پاس جانے لگ گئے ہیں

"اور یہ تم ٹھیک نہیں کر رہے ہو"۔ داؤد حسن خان نا چاہتے ہوئے بھی الجھ رہے تھے۔ "شمیر نے کاندھے اچکائے"۔

"میں وہاں نہیں جاؤں گا کسی بھی قیمت پہ نہیں"۔ انہوں نے ایک دم اٹل فیصلہ سناڈالا۔ "اور ہم تمہیں اٹھا کر لے جائیں گے"۔ شمیر نے جیسے چیلنج کیا۔ داؤد حسن خاں نے ضبط کی کوشش میں سرخ پڑتی آنکھوں سمیت شمیر کو دیکھا تھا۔ "تمہیں اچھا لگے گا شمیر جب میں چچی جان اور چاچا کو واپس لوٹا دوں گا۔ منع کیا تھا نا"۔ اور شمیر وہ تمام ہان زعم اور استحقاق ہوا میں تحلیل ہوتا ہوا محسوس کرتا متحیر چہرے سمیت انہیں تکنے لگا۔ "تم ایسا نہیں کر پاؤ گے داؤد"۔ خاصی دیر بعد اس نے خود کو سنبھال کر لیا تھا۔ "میں ایسا ہی کرنے والا ہوں" جوابا داؤد نے سرد لہجے میں پھنکار کر کہا اور مضبوط چال چلتے باہر نکل گئے۔ مگر جب وہ سرد اور خطرناک ارادوں سمیت لاؤنج میں آئے تھے تو چاچا پھوپھی چاچی اور فرحان نے اتنی محبت اتنی بے تابی اور والہانہ پن سے انہیں گلے لگایا تھا۔ چاچی تو باقاعدہ معافیاں مانگتے ہوئے روتے جا رہی تھیں۔ کہ داؤد حسن خاں بس بے بس سے خود کو اپنے ہی عہد یا ٹوٹے پہ پورے اترتے دیکھتے رہ گئے اور جس وقت شمیر نے وہاں قدم رکھا تو داؤد حسن خاں کو ان تینوں کے نرغے میں پھنسے دیکھ کر بے اختیار مسکرایا تھا اور بڑی جتاتی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھا یوں جیسے کہہ رہا ہو مجھے پتہ تھا داؤد تم ایسا نہیں کر پاؤ گے اور داؤد ان کی نظروں کو محسوس کرتے ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گئے واقعی رشتے اتنی معمولی اور غیر اہم باتوں سے بھلا اپنی اہمیت کب کھوتے ہیں۔

کھانا بہت خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔ وقاص داؤد حسن خاں کو مسکراتے باتیں کرتے دیکھ کر خود بھی مسکرا تا رہا تھا۔ ایک واحد تگین تھی جو ضرورت سے زیادہ خاموش تھی۔

"تگین پلیز یہ چکن روسٹ فرحان کو دیں۔ قاری لوٹا یار تمہارا تو فیورٹ ہے نا"۔ انہوں نے پہلے تگین کو پھر فرحان کو مخاطب کیا تھا۔ "تمہیں سب کچھ یاد تھا داؤد پھر بھی تم اتنی دیر کیسے دور ہو گئے ہم سے" فرحان کی افسردگی پھر سے عود کر آئی۔ داؤد خفیف سا مسکرائے اور تگین کی خاموش نگاہوں کو محسوس کرتے ڈش فرحان کے آگے رکھ دی۔ "ہر کام کا ایک وقت مقرر ہوا کرتا ہے وہ اگر اپنے وقت پہ ہو تو بھلا لگتا ہے" انہوں نے فلسفیانہ انداز میں جواب دیا جسے اپنے انداز میں لے کر فرحان ہنس پڑا تھا۔ "ہاں جیسے ابھی سے تمہاری شادی کا مقررہ وقت اور دیکھو کیسا اپنے وقت پہ ہو کر کتنا بھلا لگ رہا ہے"۔ داؤد نے مسکرانے پہ اکتفا کیا جبکہ چاچا چاچی سمیت سبھی بے اختیار ہنس پڑے تھے۔

"ہم تمہیں لینے آئے ہیں داؤد پر آخر تمہیں بھی تو پتہ چلے نا کہ تم نے ہمیں معاف کر دیا ہے۔ کھانے کے بعد جب تگین سب کو کیک اور مٹھائی کے ساتھ چائے سرو کر رہی تھی چاچا نے اپنے برابر براجمان داؤد حسن خان کے شانے پر ہاتھ خفیف بازو پھیلا کر محبت بھری نگاہوں سے کہا۔ "آؤ گا چاچا مگر پلیز ابھی نہیں میری جاب ایسی ہے کہ ابھی گنجائش نہیں تھی"۔ انہوں نے جیسے پہلو بچایا تھا۔ "ہاں چاہے ایک دن کے لئے ہی مگر بیٹے چلنا ضرور ہم نے صبا کی شادی کی تاریخ تیری موجودگی میں ہی دینی ہے"۔ چاچی نے بھی چاچا کی بات کو آگے بڑھایا۔

"کون صبا"۔ وہ استفہامی نگاہوں سمیت انہیں دیکھتے جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ "اکبر لالہ کی بیٹی۔ وہی گڑیا وہ چوٹیوں والی بچی جو تب چار سال کی تھی جب تم انگلینڈ سے آتے تھے اور اس سے سب سے زیادہ پیار کیا کرتے تھے"۔ فرحان نے مسکرا کر کہا اور داؤد حسن خاں کی نگاہوں میں بے تحاشا سرخ و سفید موم کی گڑیا جیسی لڑکی آگئی جو جب تک اکبر لالہ کی انگلی پکڑتی اور لاڈ کرتی اور گھر بھر کی آنکھوں کا تارا تھی۔ "ارے وہ اتنی بڑی ہو گئی کہ اب اس کی شادی ہو رہی ہے"۔ وہ بے اختیار مسکرائے تھے۔ تگین انہیں دیکھتی غیر محسوس انداز میں اٹھ کر اپنے کمرے کی بالکونی میں آ کھڑی ہوئی۔

موسم سرما کے آغاز کے ساتھ ہی شام کی اداسی چپکے سے رگوں میں اترنا شروع ہو چکی تھی۔ اسی گھر کے ایک کمرے میں اس وقت خوشی تھی، اطمینان تھا اور محبتیں تھیں جبکہ وہ یہاں تنہا تاریک جھیل کا حصہ بنی کھڑی دل میں دکھ اترتا محسوس کرنے لگی تھی وہاں بیٹھا اس کی کمی کا کسی کو احساس تک نہیں ہوا تھا خاص طور پر جسے ہونا چاہیے تھا اسے بھی نہیں تھا۔ وہ یہ احساس دلانا بھی نہیں چاہتی تھی۔ داؤد حسن خان کا رویہ دھیرے دھیرے مصلحت کو مجبور کر رہا تھا۔ اور یہ چیز اس کے لئے تکلیف کا باعث تھی۔ شاید خود سے کہہ کر اپنا مقام وہ ان کی نظروں میں گرا چکی تھی۔ اگر ایسا تھا تو داؤد حسن خان کی سطحی سوچ پہ وہ سوائے تاسف و ملال کے اور کر بھی کیا سکتی تھی۔ اگر احسان کیا تھا تو جتاتے بھی ڈھنگ سے اس کا یہ گمان دل رنجیدگی کا شکار تھا وہ متفکر اور اگر جو اپنے حسن، کم عمری اور دلکشی پہ تھا داؤد حسن خان کی بے نیازی اور رویے کے باعث کب کا اپنی موت مر چکا تھا۔ اس نے بے اختیار ایک بوجھل سانس فضا کے سپرد کرتے ہوئے ہاتھ میں پکڑے مگ کو لبوں سے لگاتے ہوئے ٹھنڈی بدمزا چائے کا ایک بڑا سا گھونٹ اپنے اندر اتارا اور دل کو یوں ہار جانے پہ بس ہو کر گویا ہزار صلواتیں سناتے ہوئے ان کی جانب بڑھنے سے باز رکھنا چاہا تھا۔

"بی بی جی" ۔ وہ اس کی آواز پہ دہل کر اچھل پڑی تھی۔ اور بے اختیار آنکھوں سے نکلتی نمی صاف کی۔ جو اندھیرے کے باعث وہ اس کی نظر میں آنے سے بچ گئی تھی۔ "آپ یہاں تنہا کیوں کھڑی ہیں۔ وہاں سب اتنی اچھی باتیں کر رہے ہیں"۔

"ان کے بیچ میں میرا کیا کام بھلا" ۔ وہ دھیرے سے کہہ پائی۔ وقاص نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"آپ سے کس نے کہا آپ کس لئے ہیں وہاں" ۔ وقاص نے بہت نرمی سے سمجھانا چاہا تھا۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑتا ہوا بولا "آپ وہیں چلتے ہیں۔ [illegible]"۔

"پلیز وقی" ۔ نمین نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا تھا۔ "میں بھلا وہاں کیوں بیٹھوں، کیوں آپ" ۔ وقاص دکھی ہونے لگا تھا ان فاصلوں کی بڑھتی خلیج کو محسوس کر کے۔

"تمہیں ایسا نہیں لگتا کہ جنہیں میری کمی محسوس ہونی چاہیے انہیں نہیں ہوگی" ۔ وہ عجب کرب میں مبتلا ہو کر کہہ رہی تھی "ایسا کچھ نہیں ہے بھابی، ماموں تو بہت اچھے ہیں آپ غلط فہمی کا شکار مت ہوں" ۔ وہ ملائمت سے کہہ رہا تھا۔

"ہاں اچھے ہیں تمہارے لئے۔ ان اپنوں کے لئے جو آئے ہیں میرے لئے نہیں" ۔ "میں نے کب کہا، سب ہی ویسے بس اپنے اپنے ظرف کی بات ہے شاید میری اور ان کی سمجھ نہیں ملتی" ۔ خود کو سنبھال کر چلتے ہوئے میں گویا وہ اس کو سمجھا رہی وہ جیسے خود پہ ہنسی تھی۔ اور وقاص یہاں سے لوٹ گیا تھا۔ مگر جب رات کو وہ صابر کے ساتھ کچن کا کام سمیٹ رہی تھی۔ حیرت انگیز طور پر داؤد حسن خان کو اس نے کچن کے دروازے پہ آتے دیکھا۔ صابر کو کسی بہانے سے وہاں سے ٹال کر وہ خود چلتے ہوئے فریج کے پاس آ کر پانی کی بوتل نکال کر گلاس میں پانی انڈیلتے ہوئے اسی سے مخاطب ہوئے تھے اور جو کچھ انہوں نے کہا وہ نمین کو حیرت کی زیادتی سے بے ہوش کرنے کو کافی ثابت ہو سکتا تھا۔

"کام سے فارغ ہو تو اپنے بیڈروم کو لاک دیکھ کر پریشان مت ہونا آپ کے انتظار میں میرے کمرے کا دروازہ کھلا ہوگا۔"

(باقی آئندہ)

میرے ساحر سے کہو

ام مریم

پندرہویں قسط کا خلاصہ

داؤد حسن خان کا رویہ شہیر کے ساتھ ایسا ہرگز نہیں تھا کہ وہ کوئی امید لے کر لوٹتا جبھی اپنے طور پر داؤد حسن خان مطمئن تھے وہ جس محض داؤد کی خاطر خود کو سنبھالے ہوئے ہے اس کے اندر ٹوٹ پھوٹ کا وہی سلسلہ تھا ہے اور تحسین اس کی کیفیات سے آگاہ بے حد بھی پریشان۔

پری چہرے درانی سالہا سال کی دوری اور بار سالی بعد طارق شہرازی کو روبرو پا کے خود کو تندرست اور توانا محسوس کرتی ہے سونیا سے اپنی کیفیات بیان کرتے ہوئے وہ اسے بتاتی ہے کہ طارق شہرازی کی طلب اس کے اندر گہرائیوں سے نکل کر دل کے ایوانوں ہی سرگرداں ہے۔

شہریار رانیل سے نفرت وانتقام کی آگ میں جلتے جلتے خود کو ایک انوکھے انکشاف کی زد میں پا کر شمی کے ہے وہ احساس شدید محبت کا ہے۔ شہیر داؤد سے ملنے چلا آتا ہے اور ان کے سامنے داؤد کو ہارتا دیکھ کر اسے رتی خوشی محسوس ہوتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

سولہویں قسط

تمکین نے ایک جھٹکے سے سر اونچا کر کے انہیں دیکھا۔ وہ بہت اطمینان بھرے انداز میں اسٹول سے ٹکے پانی کا گلاس لبوں سے لگائے گھونٹ گھونٹ حلق سے اتار رہے تھے۔ رفتہ انہوں نے اس کی شاکی نظروں کو بلکہ تیز اور تیکھی نظروں کو محسوس کیا تھا گلاس سلیب پر رکھا اور قدم بڑھا کر درمیانی فاصلہ گھٹاتے ہوئے نزدیک آنے پر اسے دونوں شانوں سے تھام کر اپنے مقابل کر لیا۔ تمکین تو ہکا بکا رہ گئی تھی۔ لمحے بھی کیا چپ چاپ بنا آہٹ کے سرک گئے ایک ان دیکھی ان کہی خاموشی درمیان معلق رہی۔ اس کی پلکیں لرز رہی تھیں اور اس نے نگاہ جھکائی تھی۔ اور ان کی گرفت سے نکلنے کو بے کار سی کوشش کی۔

آئی ایم ساری فار اذیت وہ بھاری آواز میں کہہ کر اس کے چہرے پر بکھرے اذیت کے رنگوں کو دیکھتے گئے۔

"پتہ نہیں کیوں انسان اپنی الجھنوں میں خود سے وابستہ رشتوں کو اذیت و پریشانی میں مبتلا کئے رکھتا ہیں شاید یہ انسانی فطرت ہو بہرحال میں آپ سے ایکسیوز کر رہا ہوں۔"

"اِٹس آل رائیٹ" اس سے گویا انہیں شرمندہ نہیں دیکھا گیا جلدی سے بولی۔ اور داؤد حسن خاں چونک گئے۔ تمکین نے جھجکتے ہوئے انہیں دیکھا تھا اور دل جیسے۔

ہائے آداب محبت کے تقاضے ساغر
لب ہلے اور شکایات نے دم توڑ دیا

داؤد حسن خاں عجیب سی دل شکستگی کو محسوس کرتے پلٹ کر کچن سے نکل گئے۔ جبکہ تمکین کے اندر جیسے ایک نئی ترنگ آ گئی تھی۔ اس نے مسکرا کر اپنی کلائی کو دیکھا جہاں ان کی گرفت کی مضبوطی سے سرخی نمایاں تھی۔ اس نے محسوس کیا تھا گویا ساری کائنات کی توجہ سمٹ کر اس کی سمت آ گئی ہے۔ دھیمی آواز میں گنگناتے ہوئے اس نے کچن کا کام نپٹایا بھی کیا تھا۔ بہت سارے کام صابر کو سونپ کر باہر آ گئی۔ ہال کی انٹرنس پر موجود آرائش آئینے کے سامنے بے اختیار اس کے قدم ٹھٹک کر رکے تھے اور ہر زاویئے سے اپنا جائزہ لیتے وہ جیسے آپ ہی آپ جھینپتی رہی تھی اور پھر کسی کے دیکھ لئے جانے کے خیال سے ہی وہاں سے ہٹی اور دل کی دھڑکنوں کو شمار کرتے ہوئے ان کے بیڈ روم کے دروازے پر آن کی۔

"تو کیا اس کی زندگی کی آزمائش ختم ہو چلی تو کیا آج سے اس کی زندگی کا نیا رنگ شروع ہو رہا ہے۔"

اس نے سوچا تھا۔ اور مسکرا دی تھی۔

وہ اندر آئی تو داؤد حسن خاں کو تکیوں کے سہارے نیم دراز کسی کتاب کے مطالعے میں محو پا کے وہ قدرے جھجک کر وہیں ٹھہر گئی تھی۔ داؤد حسن خاں نے اس کی موجودگی کو محسوس کیا تھا۔ اور کتاب بند کر کے نظریں اٹھائیں۔ وہ گریز اس کی نظر آئی۔

"پلیز سٹ ڈاؤن۔"

انہوں نے صوفے کی سمت اشارہ کیا تھا تمکین بیٹھ گئی تب وہ گلا کھنکار کر بہت محتاط سے لہجے میں گویا ہوئے۔

"مجھے بے حد شرمندگی ہو رہی ہے تمکین مجھے سمجھ نہیں آ رہی یہ سب کیا ہوتا جا رہا ہے ذرا سا غور کرنے پر بتا سیر حیران کر ششدر رہوں کر کچھ دنوں سے میرا اور یہ آپ کے ساتھ اچھا نہیں تھا۔"

تمکین کیا کہتی سر جھکائے انگلیاں مسلتی رہی۔

"بہرحال آج آپ کو یہاں بلانے کا مقصد بھی یقیناً واضح ہو گا آپ پر، وقت کی بات دوسری ہے مگر

اب جبکہ گھر میں مہمان تھے تو میں مناسب نہیں سمجھتا ہماری اس پرسنل بات زبان زد عام ہو پھر میں آپ کو فری ہینڈ بھی دے چکا ہوں جہاں تک مجھ سے وابستہ ہونے کی بات تھی وہ آپ کی مجبوری تھی اور کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا مجھے بالکل زیب نہیں دیتا چونکہ اس کا حق آپ کو ہے۔ جس وقت جب بھی آپ چاہیں میں آپ کے لئے تمام راستے کھلے رکھنا چاہتا ہوں۔"

داؤد حسن خاں کو تکتی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ کتنا کٹھور تھا یہ شخص اسے اتنی بھی فرصت نہیں تھی وہ پلٹ کو تھم کے کسی کی آنکھوں میں جاگتے اپنے انتظار کو ہی دیکھ لیتا دل کی جگہ قدرت نے جیسے رکھا ہو پتھر ایسا ہی لگا تھا اسے سنہری سوچیں خوبصورت خیال دلنشین تصور خاک میں مل گئے۔ اس کا جی چاہا دل کی اس بربادی پر چیخے چلائے۔ مگر وہ اپنی انا کا اس سے بڑھ کر خون نہیں کرنا چاہتی تھی۔ جبھی خاموشی سے اٹھی تھی اور بیڈ سے ایک تکیہ اٹھا کر صوفے پر رکھنے کے بعد نیم دراز ہوتے ہوئے تمام آنسو تکیے میں دھکیل دیئے تھے۔

"ان ہی لوگوں جن سے آپ نے اپنی ذاتی زندگی کو آشکار نہ کرنے کی بدولت مجھے اپنے بیڈ روم میں بلایا ہے داؤد ان ہی لوگوں کے سامنے ہماری آج ازدواجی حیثیت بھی گویا واضح ہوئی ہے۔ میں آپ کی بیوی کی حیثیت سے آپ کے ساتھ اس کمرے میں ہوں لوگ تو مجھے آپ کے حوالے سے پہچانتے ہیں نا۔ پھر آپ نے میرے لئے کون سے راستے کھلے رکھنا چاہتے ہیں اگر ایسا تھا تو پھر آج مجھے اپنے بیڈ روم میں آنے کا کیوں کہا اور اگر میں آئی ہوں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ مجھے یہاں آنے کے بعد آپ کے حوالے سے متعارف ہونے کے بعد نہیں جانا ہے نہ کسی اور حوالے کی ضرورت ہے۔ اس کے باوجود کہ آپ مجھے میری حیثیت میرا مقام اور میرا حق دیتے ہیں یا نہیں۔" اس کا گلا بھر آیا تب وہ لب بھینچے ہوئے سر تک کمبل کھینچ کر رخ بدل گئی تھی۔ اور داؤد حسن خاں اس کی ان جذبات یا دوسرے لفظوں میں اپنی بریک ڈاؤن پر ششدر بیٹھے تھے۔

☆......☆......☆

صبیت کر اپنی دو پلیز کا پتھر کر دے

یا خاک بنا کر در بدر کر دے
اس سے دور ہیں تو بڑے کرب میں ہیں
اسے کہو میری آزمائش کو مختصر کر دے

وہ کھڑکی میں کھڑا دل کی خاموشی اور سناٹے کو محسوس کر رہا تھا۔ اس کی اداسی چہرے سے عیاں تھی جبھی تو اس کے دوست ساتھی عزیز میجر عبداللہ نے خصوصاً اسے سنانے کو اشعار پڑھے تھے اور شرارتی نظریں سے اسے دیکھنے لگا۔ جو اس کا راز داں ہی نہیں بہت پیارا دوست بھی تھا۔ یہ اتفاق تھا کہ وہ پہلے سے یہاں پوسٹ تھا جبکہ طارق کو یہاں آئے محض دوسرا مہینہ تھا۔

"تو گویا یہ ظلم ہوا ہے جناب پر گوہر مقصود ہاتھ آیا تو ظالم سماج آڑے آ گیا۔ اُفوہ وہ کیا شعر ہے وصال رت کی پہلی بارش ہی سرزش ہے، کہ ہجر موسم نے رستے رستے سفر کا آغاز کر دیا ہے۔

اب عزیز طارق شیرازی کے دل و دماغ میں شورش برپا ہے کا رزار حیات میں ہر سو ویرانی ہی ویرانی ہے جس کا سلسلہ طویل ہوتا چلا جا رہا ہے اور محترم طارق شیرازی لمحے کے ہر پل ایک ہی تصویر جاناں نظروں کے سامنے رکھنے کے باعث کارکردگی متاثر کر رہے ہیں اور بریگیڈیئر صاحب سے دن رات جھڑکیاں چھٹے ہیں۔ ہائے بہترین تناسب تو خیر پہلے بھی نہیں تھا حیات کا جواب مزید الٹ پلٹ ہونے لگا۔ یار میرا مفت مشورہ مان اور دو دن کی رخصت لے کر بھاگ جا یہ سے اب مجھے ترس آ رہا ہے تجھ پر۔"

وہ کب سے اسے چھیڑ رہا تھا مگر طارق کی ایک چپ سے ہار کر بڑے پیار سے بولا۔
"نہیں مل رہی۔"
"کون بھابھی؟" ناراض ہوں گی یار تو منا لے گا تو مان جائیں گی۔" میجر عبداللہ بجھ کر بھی انجان بنتے ہوئے بڑی معصومیت سے بولا تو طارق نے سخت نظروں سے سے اسے گھورا۔
"میں چھٹی کی بات کر رہا ہوں۔"
"اوہ آئی سی۔" میجر عبداللہ نے سر ہلایا۔
"تو فون کر لے نا۔" اگلا مشورہ حاضر تھا
"وہ بھابھی نہیں ریسو کرتی ہوں گی۔ چل ایسا کرتے ہیں تیری اوپر سفارش پہنچاتے ہیں بچہ بڑا ہو گیا ہے۔ رستے کو گھر دیا جائے؟ فر پہلے بریگیڈیر صاحب بھی تو بعد میں آ کر سرکاری گھر پہ قابض ہوئے ہیں بیوی آئے گی تو صحیح معنوں میں تو انسان کا بچہ بنے گا جہنم میں کھینچ کر رکھے گی تو تجھ جیسا حسین و جمیل خطر حسن کا مالک بندو آتو بوم میں رہے گا۔" وہ پھر سے بے تکی ہانک رہا تھا۔
"تو خود ہمت کرے گا یا پھر میں بات کروں۔"
"نہیں میں اپنا انتظام خود کر لوں گا۔" طارق نے ٹالا۔
"تو پھر بہتر ہے تو یہ انتظام ذرا جلد کر لے ورنہ جس طرح دیکھا جا رہا ہے کام سے لاپرواہی برتتے اور صبح سویرے رتجگوں کی مظہر سوجی ہوئی آنکھوں کے ساتھ دفتر آنے کے جرم میں کوئی بڑا ایکشن بھی لیا جا سکتا ہے۔"
میجر عبداللہ جانے کو اٹھ کھڑا ہوا تھا پھر جیسے کچھ یاد آنے پہ چونکتے ہوئے بولے۔
"ہاں دراصل بات بلکہ پیغام تو بھول رہا ہوں۔ کل سی کی برتھ ڈے ہے تمہاری بھابھی نے بالخصوص تمہیں بلوایا ہے۔ شام میں یاد سے آ جانا۔ اس کے علاوہ پرسوں شام کو فائیو اسٹار ہوٹل کے سبزہ زار پر کرنل مشتاق کیانی کی صاحبزادی کی شادی خانہ آبادی کی شاندار تقریب منعقد کی جا رہی ہے اور اس میں شریک حکمرانوں کی رکھوالی کے لئے ہمیں بھی مدعو کیا گیا ہے خیال یاد میں رکھ کر یہ اہم بات مت بھول جانا۔"
طارق نے سر ہلا کر اسے مطمئن کر دیا تھا۔ اور کھڑکی میں آ کھڑا ہوا اور ماہ نور کا نمبر ٹرائی کیا حسب توقع اس کا نمبر بند تھا۔ وہ سخت جھلاہٹ کا شکار ہوتا لب کاٹنے لگا۔ باہر جھلملاتی ہوئی رات ایسا قدرے پرسکون تھی۔ بادل بے تحاشا برسنے کے بعد اب خاموش تھے۔ فضا میں قدرے سکوت تھا اس قدر سکون اور سناٹے میں رات کا ایک حصہ گزر جانے کے باوجود اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ جانتا تھا ماہ نور کی خفگی کسی نہج پر جا پہنچی ہوگی۔ یہی سوچتا وہ گھر کا نمبر پش کر رہا تھا جب اسکرین پر ایک انجانا نمبر چمکنے لگا۔
"ہیلو۔" اس نے گہرا سانس کھینچ کر کال ریسو کی تھی۔
"آداب۔" چہکتی کھنکتی شوخ نسوانی آواز تھی۔ اس کی الجھن مزید بڑھ گئی۔
"وعلیکم آداب مگر آپ ہیں کون میں اپنے گھر رابطہ کر رہا تھا کہ آپ کی کال آ گئی۔" وہ نرمی سے جھنجھلاتا ہوا صاف گوئی سے بولا۔
"اوہ وہی ہوا نا جس کا مجھے خدشہ تھا آپ اتنے بھلکڑ کیوں ہیں؟"
دوسری جانب سخت احتجاجی انداز اپنایا گیا وہ بھی باقاعدہ خفگی سمیت طارق شہرزی کے ذہن میں جیسے جھماکا سا ہوا۔

"آپ سونیا شاہ تو نہیں۔"
"شکر ہے کہ آ گئے ورنہ اس مرتبہ کی اسٹنٹ میں قطعی برداشت نہ کرتی اور سر پھوڑ دیتی۔" وہ تیز ہو کر بولی۔
"اوہ مگر کس کا۔" اسے بھی اپنی جھنجھلاہٹ اوداسی اور یا بیت اس دلچسپ لڑکی سے بات کرتے فضا میں تحلیل ہوتی محسوس ہوئی۔
"اس کا جس کی وجہ سے میں خوار ہو رہی ہوں۔" وہ جیسے چڑی تھی۔
اور وہ کون ہے۔ طارق نے یونہی برسبیل تذکرہ پوچھ لیا۔
"میری پگلی دیوانی بیوقوف دوست پر بیٹے ورائی سونیا نے پر بیٹے کی آنکھوں کے لگنے کی پرواہ کے بغیر بڑے آرام سے کہہ دیا اس کے خیال میں کبھی نہ کبھی تو یہ قدم اٹھانا ہے پھر ابھی کیوں نہیں وقت برباد کرنے کا فائدہ۔"
"آپ یہ بات ان کے سامنے کہہ رہی ہیں تو پھر اپنی خیریت کی اللہ سے دعا مانگ ہیں۔ یہ خاموش رہنے والے لوگ بہت گہرے ہوتے ہیں۔"
وہ ہنسنے لگا۔ سونیا نے بھی اس کی بات کا لطف لیا تھا۔
"بہت چھوٹے ہی آپ چاہے پہنے تو کیا آپ تو میری نیکلی کی خیریت بھی دریافت کرنے نہیں آئے ایک چند روپوں کا زیاں مناسب نہیں سمجھا کر ایک فون کال ہی کر لیتے۔"
وہ چھنکتی اپنائیت سمیت شکایت پر شکایت کر رہی تھی۔ طارق کو اس حد درجہ شرمندگی نے آن لیا۔
"آئی ایم سوری۔" وہ بس یہی کہہ پایا۔
"چلیں یہ سوری ایکسپٹ کریں گی جب آپ خود تشریف لائیں گے۔"
سونیا کی اگلی بات نے طارق کے ہونٹوں کی مسکان کو سکوڑ دیا۔
"دیکھئے میں وعدہ نہیں کرتا مگر کوشش۔"
"آپ کو وعدہ کرنا پڑے گا جناب سمجھ لیں بہت ضروری بات کرنا ہے ہمیں آپ سے۔" سونیا نے اس کی بات ہی قطع کر دی۔
"کیا بات ہے؟ فون پر کر لیں نا۔" وہ کچھ کچھ چونکا تھا۔
"ارے نہیں فون پر نہیں کس قسم کی بات ہے۔" اس کے اعصاب الرٹ ہونے لگے۔ اس لڑکی اپنی کی ذات میں اس حد تک دلچسپی اب کچھ معنی خیزی کا رخ اختیار کر رہی تھی۔ وہ اتنا بھی نادان نہیں تھا کہ سمجھ نہ پاتا۔
"ایک شعر ہے۔ آپ کے لئے کہیں تو عرض کر دوں" سونیا نے اس کی بات جیسے اڑا دی تھی۔ طارق ٹھنڈا سا سانس بھرا اور ادھر گویا خاموشی سے اجازت کے معنی اخذ کئے گئے جبھی چند لمحوں کے توقف سے بہت جذب سے کہا گیا۔

کہتے ہیں لوگ تجھ کو مسیحا نفس مگر
اک شخص مر گیا ہے تجھے دیکھنے کے بعد

طارق کے اعصاب کو جھٹکا لگا تھا۔
"واٹ یو مین۔" اس نے بے اختیار اعتراض کر دیا۔
"سوری میں ہمیشہ سے اردو کے پیپر میں فیل ہوتی رہی ہوں۔"
وہ پھر قہقہہ دے گئی اور طارق بس نون ہونٹوں کے ساتھ ٹھکانے جیسے کسی گہری متفکر سوچ میں ڈوب

رہا تھا۔

☆......☆......☆

میں تو جانتا ہوں کہ جس شب ہمیں چھوڑ کر تم گئے
آسمانوں سے شعلہ نکلتا رہا چاند جلتا رہا
یہ دسمبر کہ جس میں کڑی دھوپ بھی میٹھی لگنے لگے
تم نہیں تو دسمبر سلگتا رہا چاند جلتا رہا

"تصویروں کا البم کھلا اس کے سامنے پڑا تھا۔ اس کی نظریں ایک جگہ ساکن رہ گئی تھیں۔ ہنی مون کے دوران بنی یہ تصویر ان کی بے شمار تعداد تصویروں میں سب سے اچھی تصویر تھی خود اس کے اپنے خیال میں جبھی اس نے انلارج کروا کے بیڈروم میں عین بیڈ کے سامنے لگوایا تھا۔ چار سو برف کی سفید چادر بچھی تھی۔ بلیک ٹوپیں میں ہاتھ میں ہٹری کیم لئے۔ وہ رابیل کو ایک بازو کے حصار میں لئے ہوئے کیمرے کی اسکرین پر ابھرتا ہوا منظر دکھا رہا تھا۔ گرم اونی پنک کوٹ گلابی لباس پہنے تراشیدہ کھلے بالوں والے سر کو اس کے شانے سے ٹکائے بے تحاشا ہنستی ہوئی رابیل دونوں بازو سینے پر لپیٹے بہت مگن ہو کر کیمرے کی سمت متوجہ تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھایا اور تصویر کو چھوا۔

"کہاں چلی گئی ہو رابیل؟" اس کی آواز صرف بوجھل ہی نہیں رقت آمیز بھی ہو چلی تھی۔

"اک بار پلٹ کر دیکھو تو سہی تمہارا شہریار کتنا بدل گیا ہے۔" اس کے لبوں نے بے آواز جنبش کی تھی اور تصویر اٹھا کر اس کو لبوں سے چھوا۔

"کہاں ہو گئی تم؟"

مگر وہ بری طرح چونکا اور وحشت زدہ نظر آنے لگا۔

"ہاں بھلا کہاں چلی گئی ہو تم اتنی بڑی دنیا ہے لوگ تم تو بہت پارسائی کو پسند کرتی تھیں میری اپنے شوہر کی بھی غلط بات پر ہرٹ ہونے والی یہ دنیا او مائی گاڈ یہ کیا کر لیا تم نے رابیل میں پھر کہاں ڈھونڈوں۔"

وہ اٹھ کر مضطربانہ ٹہلنے لگا۔ جب یہ اضطراب بڑھا تو ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھائی اور باہر کی سمت بھاگا۔ اس کا سیل فون بج رہا تھا۔ مگر اسے جیسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

"میں تمہیں ڈھونڈ لوں گا۔" گاڑی اسٹارٹ کر کے فل اسپیڈ میں بھگاتا ہوا وہ زیر لب بڑبڑا رہا تھا۔

☆......☆......☆

یہ تم کو جاگتے رہنے کا شوق کب سے ہوا
مجھے تو خیر تیرا انتظار کرنا ہے
وہ مسکرا کے نئے وسوسوں میں ڈال گیا
خیال تھا اسے شرمسار کرنا ہے
تیرے فراق میں دن کس طرح کٹیں اپنے
کہ شغل شب تو کو ستارے شمار کرنا ہے

رات بھر اس کی طرح داؤد حسن خان نے بھی بے قراری میں بتائی تھی۔ دونوں کی کیفیات الگ تھیں۔ اس کا دل انہیں کروٹیں بدلتے محسوس کر کے سسکتا رہا تھا۔

"ایک بار اجازت تو دیتے داؤد سارے دکھ اپنی پلکوں سے چن لیتی آپ کے آپ نے تو مجھے کسی قابل ہی نہیں سمجھا آج تک نہیں بتایا کہ اپنے گھر والوں سے اختلاف کی وجہ کیا تھی۔"

یہ شب بھر کی ذہنی کشمکش تھی یا کچھ اور کہ صبح وہ شدید فلو میں مبتلا تھی۔ سر بھاری محسوس ہو رہا تھا۔ تو آنکھیں بے تحاشا سرخ مگر وہ پھر بھی اٹھ کر کچن میں آ گئی تھی۔ مہمانوں کے لئے ناشتہ بنانے کا کام صابر پر نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ صابر فرحان کے لئے بیڈ ٹی لینے آیا تو اسے مسلسل چھینکتے پا کر پریشان ہو گیا۔

"چھوڑ دیں بی بی جی میں کر لوں گا سب آپ آرام کریں۔" اس کے آگے بڑھ کر ڈبل روٹی کا پیکٹ ہاتھ سے لینے پر تمکین بے اختیار مسکرائی تھی۔

"آپ کی طبیعت واقعی ٹھیک نہیں ہے۔" "بی بی جی صاحب نے دیکھا تو بہت خفا ہوں گے اور اب تو کل سے جو بڑی بیگم صاحب آئی ہوئی ہیں نا سچ ان کو تو میرا کوئی کام بھی پسند نہیں آ رہا یوں آپ کو اتنی بیماری میں کام کرتے اگر دیکھ لیا تو سمجھ لیں مجھے ضرور نوکری سے برخاست کر دیں گی۔" صابر کہ چلبلا کر کہنے پر وہ ایک بار پھر چہکی تو وہ ہوگا دو قدم پیچھے ہو گا۔

"او کے ڈائن اگر تم نے مجھے کچن بدر کرنے کا تہیہ کر ہی لیا ہے تو ٹھیک ہے۔"

وہ اسے ناشتے کے متعلق ہدایات دینے کے بعد باہر آئی تو داؤد حسن خان جاگنگ کے بعد اس وقت لوٹے تھے۔

"آپ کے لئے جوس لاؤں یا۔"

"کچھ نہیں شکریہ۔" اس دیکھے بغیر وہ بہت تکلف سے کہتے اپنے بیڈروم کی سمت چلے گئے۔ تمکین نے ٹھنڈا سانس کھینچا تھا۔

"ارے کیا لم ڈھینگ بیوقوف کر رہا ہے کب سے چائے بنانے کو بھیجا تھا۔"

چاچی کی پکار پر وہ چونکتے ہوئے پلٹی اور صابر کی شان میں پڑھے گئے مسکراہٹ ضبط کرتی ہوئی مودب ہو کر بولی تھی۔

"بنا رہا ہے چچی جان آپ بتایئے چائے کے ساتھ کچھ لیں گی۔ میرا مطلب بسکٹ یا سلائس وغیرہ۔"

"نہ پتری ہم یہ چیزیں نہیں کھاتے سادہ غذا کھانے کے عادی ہیں ایسا کر کرا کر پاپے ہیں تو دو ساتھ رکھ دینا اور نہ رہن دے۔"

"جی وہ نا" بھی ٹی لیفت میں انہیں دیکھتی گئی تھی کہ ایک بار پھر دو تین چھینکیں ایک ساتھ آ گئیں اور اس کا رنگ دیکھ ... دیکھ ...

"ارے بچی تیری تو لگتا طبیعت خراب ہے بیٹھ یہاں۔ ویسے لمبے جا ڈرا داؤد کو تو بلا کے لا۔"

چاچی نے پیسے اس ان کی تھام کر صوفے پر بٹھایا پھر اسی وقت دروازے کے سامنے سے گزرتے صابر کو دیکھ کر ہانک لگانے کے انداز میں کہا۔ صابر نے اس تخاطب پر تمکین کو شکایتی نظروں سے دیکھا تھا اور منہ بناتا باہر چلا گیا۔

"میں ٹھیک ہوں چاچی جان آپ پریشان مت ہوں پلیز۔" ایکدم سے ان کی اتنی توجہ پا کر تمکین کا دل جانے کیوں رونے کو چاہنے لگا۔

"ارے کہاں ٹھیک ہو دلہن مجھے تو زکام کے ساتھ بخار بھی لگ رہا ہے۔ یہ اپنا داؤد ڈاکٹر ہے نا؟"

"جی"

تمکین نے حیران ہو کر انہیں دیکھا۔ جیسے سمجھ نہ پائی ہو یہ استفسار تھا یا تنبیہ چاہی گئی تھی۔ مگر چاچی نے

اس کی جی سے ہی اپنی مرضی کا مطلب اخذ کر لیا تھا۔

"میرا تو خیال تھا آج واپس چلتے وہاں بھی تو اتنے کام رکھے ہیں خیر سے شادی والا گھر ہے مگر اب تیری یہ طبیعت۔"

"جی چاچی خیریت کیا ہوا؟"

داؤد حسن خان خاصی عجلت میں اندر آئے تھے یقیناً ہاتھ لے کر نکلے تھے گلے میں تولیہ لٹک رہا تھا۔ تو بالوں اور چہرے پر بھی اس کے نرمی شیمپو کی نیلاہٹوں سے بجے خوبرو چہرے کو مزید تروتازہ اور دلکش بنا چکی تھی۔ اس نے ایک نظر ڈال کر یں سر جھکا لیا۔

"آج سے میرا آپ کی طرف شروع ہونے والا ہر سفر ختم۔" "دل میں سر اٹھاتی ہر خواہش ہر طلب کا میں خود اپنے ہاتھ سے خاتمہ کروں گی۔ مجھے یہ سوچ کر صبر کرنا ہے کہ آپ میرے لئے نہیں ہیں۔"

"ارے پتر سوہنے یہ مجھ سے پوچھتا ہے بیوی تیری ہے تیرے ساتھ رہتی ہے اور تجھے اتنا بھی نہیں پتہ بیاری کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ یا اپنے خاندان کے ہر مرد کی طرح تم بھی عورت کو صرف ضرورت کی ایک چیز سمجھتے ہو۔"

چاچی نے تو جیسے انہیں تنازع کے رکھ رہا تھا۔ داؤد حسن خان تمکین کے سامنے ہوتے والی اس عزت افزائی پر گڑبڑا کر رہ گئے تھے۔

"کیوں ایسا کیا کر ڈالا میں نے کہ آپ اتنا خفا ہو گئیں۔"

انہوں نے جواب میں کسی قدر رعونت سے کہتے ہوئے سنجیدہ نظروں سے تمکین کو دیکھا۔ جو اس صورتحال میں خود بھی کچھ کم کنفیوژن کا شکار لگ رہی تھی۔

"ارے اتنا چہک رہی ہے نزلہ زکام ہے دیکھو تو ذرا بخار بھی ضرور ہوگا۔"

چاچی کا انداز وہی ملامتی ہی تھا۔ وہ بھول گئی تھیں کہ یہ وہی داؤد ہے جنہیں اتنی منتوں مرادوں کے بعد جا کے دیکھا ہے انہوں نے۔

"رات تک تو بالکل ٹھیک تھیں۔ کب طبیعت خراب ہوئی تمکین آپ نے بتایا نہیں مجھے۔"

کسی قدر لہجے کو کنٹرول کرنے کے بعد وہ بہت رسان سمیت کہتے اپنا ہاتھ اس کی سمت بڑھا چکے تھے ارادہ یقیناً نبض چیک کرنے کا تھا۔ تمکین نے جیسے دیکھ کر محسوس کر لینے کے باوجود بھی نظر انداز کر دیا۔ داؤد حسن خان نے کچھ حیرانگی سمیت سرخ ہوتی ناک اور آنکھیں والی تمکین کو دیکھا تھا اور خود پیش رفت کرتے ہوئے اس کی کلائی اپنے آہنی ہاتھ میں لے لی۔ مگر اس وقت انہیں ہزار وولٹیج کا کرنٹ لگا تھا جب تمکین نے دوسرے ہاتھ کی مدد سے انکا ہاتھ ہٹا دیا تھا۔ ان کے اعصاب ایکدم ہی تناؤ کا شکار ہوئے تھے تو پیشانی پر کسی نے آگ سلگا دی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں دوا لی تھی صبح۔" یہ وضاحت بھی گویا ان کے لئے نہیں چاچی کے لئے تھی اور اٹھ کر یہ کہتی ہوئی چلی گئی۔

"میں آپ کے لئے چائے لاتی ہوں۔"

اس آخری بات میں بھی اس کی مخاطب چاچی ہی تھیں۔ داؤد حسن خان جیسے ہنوز غیر یقینی کی کیفیت میں تھے۔

☆......☆......☆

اس سے پہلے کہ دشت امکاں میں
وصل جاناں کی آرزو سے
تجھ کو پانے کی جستجو نہ رہے
اس سے پہلے کہ دشت فرقت میں
فرش افسردگی بچھے سرراہ
لوٹ آؤ کہ منتظر ہے نگاہ
اس سے پہلے کہ لوح قسمت پر
باب الفت تمام ہو جائے
اس سے پہلے کہ شام ہو جاتی

"واؤ واٹ امیزنگ یہ تم نے گورے مصنفوں کو چھوڑ کر دیسی شاعروں کو کب سے حفظ کرنا شروع کیا ہے ڈیئر۔"

سونیا نے اندر آ کر اس کے آگے سے کتاب اچک کر حیرت کی نگاہ اردو شاعری پر ڈالی اور پھر اسی حیرت سمیت پریشے کو دیکھا جو مسکرا رہی تھی۔

"میں صرف فرنگی ادیبوں کو ہی نہیں پڑھتی رہی ہوں۔"

اس کے لہجے میں بھی وہ تھکن اور اداسی تھی جو سونیا نے اس کی مسکراہٹ میں محسوس کی تھی۔

"آر یو او کے پری سائیں کا پرابلم تو نہیں ہو رہا۔"

سونیا کی تشویش فطری تھی۔ پریشے نے پہلے چونک کر پھر خود کو سنبھال کر اسے دیکھا۔

"نہیں میں نے بتایا تھا ناں تمہیں کہ اس روز سے مجھے انہیلر کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی جب سے"

"ہوں۔" سونیا قدرے مطمئن ہوئی مگر پھر بے چین سی ہو کر بولی تھی۔

"مگر پری یوں کب تک چلے گا۔"

"کیا؟" پریشے نے جیسے سمجھتے ہوئے بھی تجاہل برتا تو سونیا نے اسے گھورنا فرض جانا۔

"ٹالو مت پلیز مجھے تو فکر سے راتوں کو نیند نہیں آتی۔ میرا خیال ہے مجھے خود بات کرنا چاہیے۔"

"کیا بات؟" پریشے نے بری طرح سے چونک کر اس کی صورت دیکھی۔

"میں کم از کم تمہارا پروپوزل پیش نہیں کروں گی بیوقوف بس ذرا کریدوں گی ان کی تمہارے بارے میں کیا رائے ہے؟"

سونیا نے پرسوچ انداز میں کہا تو پریشے بے قراری ہو کر اس کے پاس آ بیٹھی۔

"پلیز سونی تم ایسا کچھ نہیں کرو گی پلیز۔" وہ منتجی ہوئی تھی گڑبڑا سی گئی تو سونیا نے کسی قدر حیرانگی سے اسے دیکھا تھا۔

"مجھے ڈر لگتا ہے سونیا بہت دیر خود کو دھوکہ دیئے رکھنا چاہتی ہوں اسی فریب میں مبتلا رہنا چاہ رہی ہوں۔"

اس نے سر جھکا لیا تھا اور دھیمے لہجے میں جیسے خود کلامی کی تھی۔ مگر سونیا کو شدید دھچکا لگا تھا۔

"کیا بات ہے پری کھل کے کہو پلیز کیا ڈر کونسا فریب کہیں تمہیں میجر طارق کے متعلق کچھ ایسا ویسا تو پتہ نہیں چل گیا۔" وہ گھبراہٹ میں تیز تیز بولے گئی۔ پریشے سر اونچا کر کے اسے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں

نمی سی جھلملائی تھیں۔
تمہیں پتہ ہے سونی اسے اتنے عرصے بعد دیکھ کر مجھے خوشی نہیں ہوئی ویسی خوشی جیسی ہونا چاہیے تھی۔ کیوں جانتی ہو کیوں۔"

ایسا کیوں ہے آئی ڈونٹ نو ایسا کیوں ہے وہ میرا ہونے سے پہلے ہی" آنکھوں کی نمی گالوں پر اتر آئی تھی۔ سونیا نے سر جھٹک دیا تھا۔

خوامخواہ فضول باتیں مت سوچو پری محض ایک وہم ہے اور کچھ نہیں۔ یہ بتاؤ شام میں چل رہی ہو۔"

"کہاں؟" پریشے کی بے دلی اپنی جگہ تھی۔

"یاد نہیں تمہاری فیور ز مسز عبداللہ اپنے بیٹے کی برتھ ڈے پارٹی میں انوائیٹ کر کے گئی ہیں۔"

سونیا نے یاد دلایا تو پریشے نے سر نفی میں ہلا دیا۔

"چھوڑو یار بالکل دل نہیں چاہ رہا۔" "بری بات ڈیر وہ کیا سوچیں گی کس قدر بے مروت اور خشک لوگ ہیں۔ بس تم چل رہی ہو۔ تیار رہنا جہاں تک گفٹ کی بات ہے وہ میں خود مارکیٹ سے لے آؤں گی بلکہ میرا تو خیال ہے تم بھی چلو اس روز آئس کریم کھا کے جب واپس آ رہے تھے میں نے روڈ کی دوسری جانب ایک ایک بک شاپ دیکھی تھی۔ تمہارے فیورٹ رائٹر جارج برنارڈ شاہ کی نئی بک مارکیٹ میں آئی ہے آؤنا چلو، وہ بک تمہیں میں گفٹ کروں گی تمہارے مسٹر پرفیکٹ سے ملنے کی خوشی میں۔" سونیا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تھا۔

"ابھی ملے کہاں ہیں۔" پریشے نے یاسیت میں ڈوبے ہوئے زیر لب کہا مگر سونیا کی تیز سماعتوں نے باخوبی اس کی بڑبڑاہٹ کیچ کی تھی۔ جبھی تسلی کے انداز میں ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑا تھا۔

"ڈونٹ وری نظر تو آیا ہے اللہ نے چاہا تو مل بھی جائے گا۔ کپڑے تو تمہارے ٹھیک ہی ہیں بس ایسے ہی چلو۔"

سونیا نے انکار کی تمام وہ واپسی ہی مدد کر دی تھیں۔

"یار اپنے شاعری کے ذخیرے سے کچھ سنا ہی ڈالو۔" راستے میں ہرے بھرے خوبصورت مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے سونیا نے اچانک فرمائش کر دی تھی پریشے نے کچھ دیر سوچا تھا اور پھر جیسے کچھ یاد کر کے مسکرائی۔

بہت اچھا بھی لگتا ہے
اچانک اس طرح دل کا دوبارہ مبتلا ہونا
محبت آشنا ہونا
مگر جب دیکھتا ہوں وقت

پھر ایکدم چپ ہوئی تھی اور لب بھینچ لئے۔ سونیا جو مگن سے انداز میں اس کے خوبصورت لہجے کے زیر و بم میں کھو چلی تھی اس خاموشی پر چونک کر متوجہ ہوئی اور پریشے کے متفکر چہرے کو دیکھ کر گھبرا گئی۔

"واٹ ہیپنڈ پری۔"

"کچھ نہیں" پریشے نے سختی سے لب بھینچ لئے تھے۔ مگر سونیا مطمئن نہیں ہوئی تھی۔

"پلیز ٹیل می پری ہوا کیا تم ایکدم چپ کیوں ہو گئیں۔"

"یہ نظم اچھی نہیں ہے سونی اور میں اسے پورا نہیں کرنا چاہتی۔ سو پلیز" اس نے جیسے اپنی الجھن بیان کی

تھی سونیا نے بے اختیار گہرا سانس کھینچا۔

"اوہ تم نے تو مجھے ڈرا کے رکھ دیا تھا۔"

گفٹ سنٹر سے انہوں نے پہلے ٹیڈی بیئر خرید کر پیک کروایا تھا پھر سونیا اسے لئے بک شاپ پر آ گئی۔

اتنی ساری کتابیں ہیں۔ دیکھ کر اور دقت ہوتا بس ایک کتاب ہی لے کر دیتی ہے مجھے۔" سونیا نے اس کی خوبصورت آنکھوں میں بڑھتی چمک دیکھ کر اپنی مرضی کا مطلب اخذ کیا تھا۔ جب پریشے نے اسے ٹہوکا دے کر شاپ کیپر کے پاس کھڑے میجر طارق شیرازی کی سمت اشارہ کیا تھا۔ نیوی بلیو گرم دار شلوار سوٹ میں وہ اپنی عام تر وجاہتوں سمیت ہمیشہ کی طرح شاہکار نظر آ رہا تھا۔ چہرے پہ خود اعتمادی بے نیازی اور نخوت کے ساتھ رعب و دبدبہ جھلک رہا تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے میں اسے یہاں بلاؤں۔" سونیا نے ناک چڑھائی تھی۔ پریشے خفیف سی ہو گئی۔

"میں نے کب کہا"

"وہ کتابوں کی سمت متوجہ ہو گئی اس کا مطلب ہے محترم بھی کتابوں کے رسیا ہیں۔" سونیا نے اس پر نگاہ ڈالتے ہوئے سوچا۔

"ایکسکیوزمی، برنرڈ رسل کے ناولز چاہیے۔" پریشے سیلز مین سے کہہ رہی تھی۔ سونیا بدک سی گئی۔

"یہ دھاندلی کیوں میں نے تو تمہیں جارج برنارڈ شاہ کی کتاب گفٹ کرنے کا کہا تھا۔"

سونیا اس کے سر پر پہنچ کر غیض بھری نظروں سے گھورتی سلگ کر بولی تھی۔

"یہ کتاب میری بک شلیف میں پچھلے ایک سال سے پڑی ہے اور اسے میں غالباً چار بار پڑھ چکی ہوں ناؤ کانسٹڈ یو پورا انفارمیشن کہ یہ برنارڈ شاہ کی نئی کتاب نہیں ہے۔"

اس کا موڈ یکدم خوشگوار ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر شرارتی مسکراہٹ سمیت بہت جتا کر کہا تو سونیا نے امڈتے جلال پر بڑی وقت سے دبایا تھا۔

"تو پھر سن لو صرف ایک کتاب کی پے منٹ ہو گی میری طرف سے۔" بغیر کسی لحاظ کے اچھی خاص ناراضگی کا اظہار ہوا۔ تبھی ان کی آواز پر سرسری طور پر متوجہ ہوتا میجر طارق شیرازی نظروں میں شناسائی کی چمک لئے مسکراتا ہوا قریب آ گیا۔

"ہیلو" "آج آپ کو اپنا شکوہ و شکایت واپس لینا پڑے گا کیونکہ میں نے بغیر تعارف کے آپ کو پہچانا ہے۔"

اس کے پرکشش مردانہ چہرے پہ بے ریا سی مسکان کتنی بھلی لگتی تھی۔ اس کا اعتراف سونیا کو بھی کرنا پڑا تھا۔ جبکہ پریشے کے سرخ و سفید اجلے چہرے پر دھنک کے بھی رنگ بکھرے گئے تھے دل بہت بے ترتیبی سے دھڑکنے لگا۔ اس کے ہاتھ کی انگلیوں کی نرم پوروں میں دبی کتاب پر گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔

"ڈھینکس فار اس آنرسر" سونیا جواباً بے حد خوشدلی سے چہکی تھی۔

آپ کیسی ہیں؟۔ وہ اب اس کی سمت متوجہ تھا۔ وجیہہ چہرے پر مسکراہٹ کی کرن جھلملائی تھی۔

"جی ٹھیک ہوں۔" اس کی دھڑکنیں خطرناک حد تک تیز تھیں۔

"جھگڑا بھی ہوتا ہے آپ کے درمیان وہ اب پھر سونیا کی سمت متوجہ تھا اور پریشے اپنے بے تحاشا اسپیڈ سے دوڑتے دل کو سنبھالتی چپکے اسے دیکھنے لگی۔

"اگر یہ شخص مجھے نہ ملا تو۔" اس نے سوچا اور جیسے جسم و روح میں ہر سو ویرانی بکھرنے لگی۔

"آپ بھی کتابیں پڑھتے ہیں۔" سونیا پوچھ رہی تھی۔

"وقت گزاری کو کچھ تو کرنا ہوتا ہے۔ ویسے اس وقت میں یہ بک کسی کو گفٹ کرنے کے ارادے سے خریدنے آیا تھا۔" اس کے ذہن میں ماہ نور کا سراپا جھلملایا۔ ایک مرتبہ اتفاق سے اس نے ماہ نور کو انگریزی ناول کا مطالعہ کرتے دیکھا تھا اور اگلے دن وہ اس کے لئے اس سے بھی اچھا اور مہنگا ناول خرید کر لایا تھا۔

"کیوں" اس نے تیکھے چتونوں سمیت اسے دیکھا تھا۔

"یہ کتاب بھی بہت اچھی ہے۔" وہ گڑبڑا گیا تھا۔ اس کی اتنی تفتیش پر۔

"دیکھئے مسٹر اول تو آپ میرے معاملات میں مداخلت مت کیا کریں دوسری بات میں آپ پر ہر یہ واضح کر دوں کہ میں لوگوں سے اتنے مہنگے گفٹ نہیں لیا کرتی۔" اس لہجہ و انداز ہنوز تنفر زدہ تھا۔

"آخر وہ کتاب بھی تو۔"

"اسٹاپ اٹ۔"

ماہ نور نے سرخ چہرے سمیت ہاتھ اٹھا کر بہت برہمی سے اسے ٹوکا تھا۔ پھر لہجے میں تلخی سمیٹ کر ایک ایک لفظ چباتے ہوئے بولی تھی۔

"میں اپنے بارے میں کسی کو وضاحتیں دینا پسند نہیں کرتی مگر جہاں معاملہ کردار تک پہنچے وہاں بولنا ناگزیر ہے جبھی میں تمہیں بتانا ضروری بھی ہوں کہ یہ کتاب میں نے کالج لائبریری سے ایشو کروائی ہے اب تم یہاں چلتے پھرتے نظر آؤ۔"

مگر وہ جب کی بات تھی اب جبکہ وہ صورت حال نہیں رہی تھی اور اسے امید بھی ہو چلی تھی کہ اسے جلد گھر کی سہولت میسر آ جاتے گی تو اس کے آنے سے پہلے وہ اس کی دلچسپی سے متعلق ہر چیز اس گھر میں لانا چاہتا تھا۔

"ہیلو کہاں گم ہو چکے ہیں۔" سونیا نے اس کے سامنے ہاتھ لہرایا تھا۔ وہ خفیف سا چونکا اور بے اختیار مسکرایا۔

"آپ نے کبھی بچسی سدھوا کو پڑھا ہے۔ اگر نہیں پڑھا تو پلیز ضرور پڑھئے۔ قائل ہو جائیں گی۔"

وہ بالکل اچانک پریشے سے مخاطب ہوا تھا۔ وہ جو اسے ہی دیکھ رہی تھی، بے ساختہ خفت و خجالت کا شکار ہوتی نظریں چرا گئی اور واپسی پر جب سونیا اس کی بوکھلاہٹ کو نشانہ بناتے ہوئے اس کا مذاق اڑا رہی تھی۔

"تم جیسی 1947 کی شرمیلی ہیروئین کو آج کے دور کی فاسٹ محبت کرنے کا کوئی حق نہیں"

تب اس نے ایکدم ہی اسے بہت سنجیدگی سے ٹوک دیا تھا۔

"اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔"

"پھر کیسی بات ہے۔" سونیا نے گھورا۔

تم مجھ سے کچھ سننے کی فرمائش کر رہی تھیں نا۔ ایک انگریزی نظم ہے اس میں تمہاری اس بات کا جواب بھی ہے۔

Because I have lost loved ones in my Life.
Who Never Knew how much I loved Them.
Now I Live with the regret.
That my true feelings For them Never were revealed.

So I made Promise to my self

To say how much he means to me and avoid that circumstance.

Where there is no second chance to tell him how I feel

If tomarrow never come.

ترجمہ:

کیونکہ میں نے زندگی میں بہت سے پیاروں کو کھو دیا ہے۔ جو نہیں جانتے تھے کہ میں ان سے کتنی محبت کرتی تھی۔ اب میں ایک پچھتاوے کے ساتھ زندہ ہوں۔ کیونکہ ان کے لئے میرے سچے جذبے ہمیشہ مخفی رہے۔ اس لئے میں نے خود سے ایک وعدہ کیا۔ میں اسے بتاؤں گی کہ وہ میرے لئے کتنا اہم ہے اور ایسی کسی بھی صورتحال کا سامنا نہیں کرنا چاہوں گی۔ جس میں مجھے یہ بتانے کے لئے کسی دوسرے موقع کا انتظار کرنا پڑے۔ کہ میں اس کے بارے میں کیا سوچتی ہوں۔ اگر آنے والا کل نہ آیا۔

"ویری ویل ڈن وِش گریٹ خوشی کر دیا ناٹس گرل ریلی بالکل اسی اسپرٹ کی تو ضرورت ہے تمہیں ڈرنا بالکل نہیں۔ یہ وہ در ہے میری جان کہ آگے بڑھو اور چھین لو۔"

وہ گویا اس کو تھپکیاں دیتی شاباشی سے نواز رہی تھی۔

"نہیں چھیننا میری فطرت نہیں ہے ہاں البتہ کوشش میں حرج نہیں آگے جو اللہ کی مرضی۔"

پریشے نے اختلاف کیا۔ سونیا اسے دیکھنے لگی۔

"بالغرض وہ تمہیں نہ ملا۔" اس نے کہا تھا۔ پریشے نے سنا تھا۔ اور یکلخت زرد پڑ گئی تھی۔

"میں ایسا کوئی تصور بھی نہیں رکھتی ہوں سونیا۔"

اس کا مدھم لہجہ بوجھل ہونے لگا۔

"جبھی تو کہتی ہوں اس شعر کی تفسیر بن جاؤ میری جان"

پلٹنا جھپٹنا جھپٹ کر پلٹنا

دنیا میں خوش رہنے کا ہے اچھا طریقہ ہے

اس نے مشہور و معروف شعر کا بڑی بے باکی سے قلع قمع کیا دونوں ہنس دی تھیں اور اسلام آباد کی خوشگوار خنکی ہواؤں نے اس کھنک دار جلترنگ بجاتی ہنسی کو سنا تھا اور سن کر مسکرا دی تھیں۔

☆......☆......☆

طلوع سحر کے آثار تھے۔ جب طارق شیرازی نے شیرازی ہاؤس میں قدم رکھا۔ دھند سردی اور سرد ہواؤں نے اس کا استقبال کیا تھا۔ سپیدہ سحر پوری طرح نہیں پھیلا تھا۔ کچھ سرمئی بادلوں کی وجہ سے بھی تاریکی کا احساس ہوتا تھا۔ کچھ تو سخت سردی کا موسم اور پھر رات سے متواتر برستی بارش سردی کی شدت میں اضافے کا باعث بنی تھی میں گیٹ سے چوبی دروازے تک وہ بھیگتا ہوا آیا تھا۔

سہرا دروازہ دھکیلا تو وہ بنا آہٹ کے کھلتا چلا گیا۔ ہر سو خاموشی اور سناٹے کا راج تھا ویسی ہی خاموشی جو مکینوں کی غیر موجودگی میں ہی تخلیق ہو پاتی ہے یا پھر آدھی رات کے مخصوص خوابیدہ تصور سے منسوب ہوتی ہے جو ابلکہ ٹھنڈی یخ ہوا کے تیز جھونکے اس کے سرد پڑتے وجود سے ٹکرائے وہ وہ جھرجھری کر آگے بڑھ آیا اس کا رخ اپنے کمرے جانب تھا۔

دروازہ بند تھا۔ اس نے ناب گھمائی اور اندر داخل ہو گیا۔ ماہ نور کمبل اوڑھے بے تکلف انداز میں سو رہی تھی۔ اس کے ریشمی دراز کھلے بال بیڈ پر دور تک بکھرے ہوئے تھے۔ وہ اس کے خوابیدہ ہوش ربا جلوے سے گھائل ہوتا بے اختیاری کی کیفیت میں اس تک آیا تھا اور جھک کر اپنے سلگتے ہوئے ہونٹ بہت نرمی ملائمت اور محبت سمیت اس کی پیشانی پر رکھ دیئے۔ ماہ نور نے اس لمس کو نیند میں بھی محسوس کیا تھا۔ اور جیسے بے چین ہو کر آنکھیں کھول دیں۔ اسے خود سے اتنا نزدیک پا کر وہ ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ ایک جھٹکے سے اٹھی تھی۔

"آ آپ؟"

وہ بے تحاشا دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھے کسی قدر ناگواری سے بولی تھی۔

"سوری یار میرا مقصد تمہاری نیند خراب کرنا نہیں تھا۔" وہ خجالت بھرے انداز میں وضاحت پیش کرنے لگا۔ ماہ نور نظریں اٹھا کر سرد انداز میں اسے دیکھا۔ اور اٹھ کر چادر سنبھالتی دریچے تک آئی پردے ہٹا کر سلائیڈ کھولی۔ باہر موسم کی وہی شدتیں تھیں۔

"اُفوہ پتہ نہیں آج بھی اس دھند سے نجات ملے گی یا نہیں۔" اس نے اکتاہٹ بھری آواز میں کہا۔

زلف ان کی اگر بکھرے جائے

اختر اگا سحر نہیں ہوگی

جانے وہ کب اس کے پاس آ گیا تھا گردن پر گرم سانسوں کی تپش محسوس کرتے ہی وہ سرعت سے پلٹی تو طارق شیرازی نے مسکرا کر اس کے ریشمی بال سہلائے تھے۔ پھر اسی انداز میں بھنوؤں کو جنبش دی جیسے پوچھ رہا ہو ٹھیک ہے نا۔

"نو شیئر کریں گے؟" ماہ نور طرح دے گئی۔

"تو تھینکس ہاں اگر زحمت نہ ہو تو ایک کپ کافی بنا دو جو کسلمندی اور سستی ہے طبیعت پر وہ اسی سے دور ہو گی۔"

اس نے جیکٹ اتار کر صوفے پر پھینکتے ہوئے کہا تھا۔ ماہ نور کے باہر جانے کے بعد طارق نے الیکٹرک ہیٹر آن کرتے ہوئے ماہ نور کا خالی کیا ہوا بستر سنبھال لیا تھا۔ جب ماہ نور گرما گرم کافی کا مگ ٹرے میں رکھے اندر آئی وہ تکیے کے سہارے نیم دراز اونگھ رہا تھا۔

"کافی لے لیں پھر سو جائیے گا۔" اس نے آہستگی سے کہتے طارق کا کاندھا ہلایا۔ وہ سنبھلا اور سیدھا ہوتا بیٹھ گیا۔

"شوگر" ماہ نور نے سوالیہ نظریں اٹھائی تھیں۔

"وِد آؤٹ شوگر" اس کے لبوں کے ساتھ آنکھوں میں بھی شوخ مسکان بکھری۔ ماہ نور کے چہرے پر خفیف سی سرخی ہرائی۔ اس کی نظریں ہی اتنے تفصیلی جائزے میں گم تھیں۔

"سوچ لیجئے یہ بلیک کافی ہے۔" ماہ نور نے طنز کیا۔ مگر طارق شیرازی نے لاپرواہی سے کاندھے اچکا دیئے تھا۔

"تم اگر چکھ بھی دو گی تو میری حیات میں شیرینی گھل جائے گی۔" اس خدو یانہ انداز میں کہتے ہوئے اس سے مگ لے کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا پھر ہاتھ بڑھا کر اچانک اس پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے اس کے سرد وجود کو اپنی پر حدت پناہیں بخش دی تھیں۔ ماہ نور کو بھلا اس سے اس درجہ بے تکلفی کی کہاں توقع تھی ایک پل تو

ساکن ہی ہوگئی۔

"تمہیں اندازہ ہونا چاہیے نادان لڑکی کہ تمہارے پردیسی ساجن کو اس وقت کافی سے زیادہ تمہاری ضرورت ہے۔" وہ اسے کسی قیمتی متاع کی طرح اپنے بازوؤں میں سنبھالتے ہوئے بھاری آواز میں بولا تھا۔ جبکہ ماہ نور کے اعصاف پر تو گویا بم پھٹا تھا۔ گھبراہٹ سے مفلوج ہوتی حسیات کو بامشکل سنبھالتے ہوئے اس نے چور نگاہوں سمیت پتھر اور فولاد سے بنے وجود کے مالک طارق کو دیکھا تھا اور جیسے اپنی متوقع ہار کے متعلق سوچ کر ہی رو ہانسی ہوگئی۔

پلیز اس کا الجھتا ہوا پرتپش تنفس بھاپ کی طرح اس کے تن بدن کو جھلسا چکا تھا۔

"چھوڑ دیں پلیز" وہ اس کے کاندھے پر مکے مارتے ہوئے چلانے لگی۔

"مذاق کر رہا تھا یار ویسے تو تم گلے کبھی نہ ملتیں اسی طرح سہی۔" وہ جیسے نارمل انداز میں کہتا اسے چھوڑ کر الگ ہوگیا۔ ماہ نور نے بے اوسان دھڑکنوں کو سنبھالتے آنسو بھری آنکھوں سے اسے دیکھا کافی کے سپ لیتا وہ کتنا بے نیاز اور نارمل نظر آ رہا تھا۔ جبکہ اس کے اندر باہر جیسے اس لمحاتی قربت نے سب کچھ الٹ پلٹ کر دیا تھا۔

"اپنی پیکنگ کر لو میں زیادہ دیر تمہیں روکوں گا۔" اس نے آخری گھونٹ کے خالی مگ ٹیبل پر رکھا اور لیٹنے کے ساتھ ہی سر تک کمبل کھینچ لیا۔

پھر اسے فاروق نے ہی زبردستی آ کر جگایا تھا۔

"ویلیں کریں بھائی۔ کچھ ہمارا ہی خیال کر لیں تمہاری وجہ سے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا"

اس نے کلائی پر بندھی رسٹ واچ اس کی نظروں کے سامنے کی جو دن بجنے کا اعلان کر رہی تھی۔

"تو تم کر لیتے اور ہاں آج ہوسپٹل نہیں گئے تم۔"

وہ آنکھیں مسلتا جماہی لیتا اٹھ بیٹھا۔

"آج اتوار ہے یعنی چھٹی کا دن آپ بھی غالباً اسی چھٹی کو غنیمت جان کر بھاگے آئے ہیں۔"

فاروق مسکرا رہا تھا طارق جھک کر سلیپر ڈھونڈنے لگا۔

"جلدی سے فریش ہو کر آئیں آج اکٹھے ناشتہ ہمارا منتظر ہے۔"

فاروق نے شو ریک کے سب سے نچلے خانے سے اس کے سلیپر اٹھا کر سامنے رکھتے ہوئے کہا تھا اور خود پلٹ کر باہر نکل گیا طارق کی نگاہ نے کمرے میں ماہ نور کو کھوجا تھا اور ناکام رہی تھی۔ جس وقت وہ فریش ہونے کے بعد ہال میں آیا بڑی ٹیبل کے گرد سب گویا اسی کے منتظر تھے۔ وہ سب سے ملنے کے بعد کرسی سنبھال کر بیٹھ گیا۔ حلوہ پوری گرم کی چائے نان کچوری اور پراٹھے۔ ملازمہ کے ساتھ ماہ نور کچن میں مصروف تھی اور ملازمہ گرما گرم ناشتہ ٹیبل تک پہنچا رہی تھی۔ طارق نے ماہ نور کے متعلق فاروق سے استفسار کیا تھا اور جواب سن کر اس کے لب بھینچ کر رہ گئے وہ منتظر رہا تھا۔ ماہ نور ٹیبل پر آئے مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا یہاں تک کہ سارے بزرگ ناشتہ کر کے اٹھ گئے۔ نوجوان نسل موجود تھی اور سے فکری سے ہنسی مسکراتی کھانے اور باتوں میں مگن تھی۔

زمانہ موم ہوا پیار کی حرارت سے
چیخ کے ٹوٹ گیا دل کا سخت ایسا تھا
یہ اور بات کہ وہ لب تھے پھول سے نازک
کوئی نہ سہہ سکے لہجہ کرخت ایسا تھا

منیبہ نے طارق کو نظروں کی گرفت میں لیے لیے اپنا راگ الاپا فاروق نے طارق کی پیشانی کی شکنوں کو دیکھا تھا اور جیسے اس کا موڈ بدلنے کی گوہر افشانی کا ارادہ ترک کرنے کو بول پڑا تھا۔

"یہ بھابھی بھی عجیب مزاج خاتون ہیں بھائی۔ گھنٹوں چپ چاپ رہ کر بھی نہیں تھکتیں۔ اللہ جانے کیا پریشانی ہے ورنہ خواتین اور خاموش۔ دو متضاد چیزیں ہی ہیں۔" فاروق نے بالخصوص منیبہ کو دیکھ کر کانوں کو ہاتھ لگائے طارق نے تبصرہ ضروری نہیں سمجھا۔ تو فاروق مزید گویا ہوا تھا۔

"دیکھئے نا گھر میں ایک نئے فرد کا اضافہ ہوا ہے پتہ ہی نہیں چلتا۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا۔ کہ ہر جگہ ان کی چڑ رہی ہوتی ادھر سے آواز آتی بھابھی۔ ادھر سے آواز آتی بہو اندر سے آواز آتی بیگم" وہ طارق کی سمت دیکھ کر مسکرا رہا تھا مگر وہ کوئی رسپانس دیے بغیر کرسی دھکیل کر اٹھا تھا اور لمبے ڈگ بھرتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

☆......☆......☆

حالانکہ داؤد حسن خاں نے رات ہی اسے صبح تک تیار رہنے کا کہا تھا جیسے بھی تھا بہر حال وہ رشتوں میں مجبور ہو کر واپسی اسی راستے چلنے کو تیار تھے لیکن رات کی طرح ان کے بیڈ روم میں نہیں گئی تھی۔ داؤد حسن خاں اسے ڈھونڈتے ہوئے ٹی وی لاؤنج میں آئے تھے وہ انہیں دیکھ کر بے ساختہ دھڑک اٹھنے والے دل کو سنبھالتے پاگل ہونے لگی۔ وہ خفا تھی ان یقیناً منانے آئے ہوں اس کے ہمیشہ کے خوش فہم دل نے جھٹ سے اپنی من پسند سوچ لی مگر وہ صبح گاؤں روانگی کی تیاری کا کہہ کر پلٹ گئے تھے۔ نہ کوئی شرمندگی نہ اظہار افسوس مزید بھڑکی اور سخت چڑ کر ان کے اس فیصلے سے ٹکرانے کا تہیہ کر لیا۔

"آپ ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔ وہ کچن میں مصروف تھی جب وہ اس کے پاس آئے تھے۔"

اس لیے کہ میں کہیں نہیں جا رہی۔

باقی آئندہ

"آپ کی یہ خود اعتمادی مجھے اچھی لگی ہے لیکن اس سے میں اندازہ کر پایا ہوں کہ آپ نے عقل مندی کا دامن تھاما ہے اور اپنے مستقبل کے حوالے سے بہتر فیصلہ کر لیا ہے۔ میں آپ کے اگلے قدم کا منتظر رہوں گا۔ وعدے کی پاسداری میں آپ مجھے ان شاء اللہ مضبوط پائیں گی۔" انہوں نے جتنی سنجیدگی اور متانت سے کہا تھا اتنی ہی شدتوں سے تمکین کا وجود لرز کر رہ گیا تھا۔ اس کی حیرت کی زیادتی سے پھٹ جانے والی آنکھیں اس کے اضطراب اور الجھن کی واضح غماز تھیں۔

"کیا۔ کیا مطلب؟" وہ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹی اور سہارے کو دیوار تھامنی چاہی۔ مگر وہ یہ سہارا لینے میں کامیاب نہیں ہو پائی۔ انجانے خدشات کی یلغار سے پتے کی طرح لرزتا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا۔

"تمکین۔" داؤد حسن خان نے اس کی خطرناک حد تک زرد پڑنے والی رنگت اور لہرا کر گرتے وجود کو دیکھتے ہوئے بے اختیار چیخ کر اسے آواز دی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ دروازے سے وہاں تک کا فاصلہ سمیٹ کر اس تک پہنچتے وہ زمین بوس ہو چکی تھی۔ داؤد حسن خان کے حواس جیسے یکلخت کام کرنا چھوڑ گئے۔

☆......☆......☆

پچھلے دنوں کی بات ہے پگلی سی ایک مشکل تھی
نہ یہ کہ حسن تام ہو نہ دیکھنے میں عام
نہ یہ کہ وہ چلے تو کہکشاں سی رہگزر لگے
مگر وہ ساتھ ہو تو پھر بھلا بھلا سفر لگے
کوئی بھی رت ہو اس کی چھب فضا کا رنگ و روپ تھی
وہ گرمیوں کی چھاؤں تھی وہ سردیوں کی دھوپ تھی
نہ مدتوں جدا رہے نہ ساتھ صبح و شام ہو
رشتہ وفا پہ ضد نہ یہ کہ اذن عام ہو
نہ ایسی خوش لباسیاں کہ سادگی گلہ کرے
نہ اتنی بے تکلفی کہ آئینہ حیا کرے
نہ اختلاط میں دوام
نہ اس قدر سپردگی کہ زچ کریں تو ازشمیں
نہ عاشقی جنون کی کہ زندگی عذاب ہو
نہ اس قدر کٹھور پن کہ دوستی خراب ہو
کبھی تو بات بھی خفی کبھی سکوت بھی سخن
کبھی تو کشت زعفران کبھی اداسیوں کا بن

"یہ تم میری شان میں قصیدہ پڑھ رہے ہو۔ یا رابیل کی خوبیاں گنوا رہے ہو؟" خاصی دیر سے ضبط کیے بیٹھی روحینہ نے سلگ کر استفسار کیا تھا۔

"یور نائبیڈ تم کچھ بھی سمجھ لو۔" اس نے وہسکی کا ایک بڑا گھونٹ بھرا۔ یہ اضطراب، یہ بے کلی اور بڑھتی جنون خیزی سے بچاؤ کی ایک حل اسے سمجھ میں آیا تھا اور وہ اس سے حالات سے، خود سے فرار ڈھونڈ رہا تھا۔

"بہت تھا ہے شہر انہ لیکن میں نے اسے پھر بھی سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ دراصل شہریار تم اسے بائی نیس اٹریکٹو لگے ہو میں نے محسوس کیا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتی ہے۔ میں نے اسے کل شام کا وقت دیا ہے پلیز اب کوئی گڑبڑ مت کر دینا۔" روحینہ نے جیسے عاجز ہو کر کہا۔ شہریار نے خالی جام کارپٹ پر لڑھکایا اور کشن کھینچ کر سر کے نیچے رکھتا ہوا وہیں لیٹ گیا اور آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

"ہاسپٹلز میں بھی پتہ کیا تمام رفاہی اداروں میں بھی۔ وہ کہیں نہیں ملی۔ روحا ڈیئر وہ کہاں چلی گئی ہے؟" اس کی آواز پر خمار چھا رہا تھا۔ لہجہ لڑکھڑاہٹ کا شکار ہو کر مزید بوجھل ہونے لگا۔ روحینہ نے منہ بنا کر ماتھے پر تیوریاں سجائیں۔

"بھاڑ میں جائے وہ اور تم بھی، لعنت ہے مجھ پر کہ یہاں تمہارے ساتھ سر پھوڑنے آ جاتی ہوں۔" وہ جلتی بھنتی اٹھ کر چلی گئی۔

"تم خفا ہو گئی ہو مجھ سے رابیل پلیز خفا مت ہو آ جاؤ میں تمہیں منا لوں گا ویسے ہی جیسے اس روز منایا تھا ہاں۔" اس کے دل جیسے سسکاری سی بھری اور ذہن نے اس خوشگوار لمحے کو کھوجا تھا۔

رابیل کی اس سے ناراضگی کوئی نئی بات نہیں تھی وہ اس کی حرکات کے باعث زیادہ تر خفا ہی رہا کرتی تھی۔ اس روز اس کی ناراضگی کی وجہ کیا تھی۔ وہ سوچنے کے باوجود نہیں یاد کر پایا۔ البتہ اسے چھیڑنے کا انداز یاد تھا اور اس کے جواب میں رابیل کی رسپانس بھی۔

اس روز موسم خاصا خوبصورت اور دل فریب تھا۔ آسمان سیاہ بدلیوں سے ڈھکا ہوا تھا اور ٹھنڈی ہوائیں بڑی طمانیت کا احساس بخش رہی تھیں۔ ایک مقصد کو نکالنے کے بعد دوسرا مقصد حل کرنے کو وہ پہلے سے خفا رابیل کو بڑے جتن کر کے بھی منانے میں کسی قسم کی شرمندگی محسوس نہیں کیا کرتا تھا۔ رابیل اپنے بیڈروم سے نکل کر اپنے دھیان میں بالائی منزل پر جانے کے لیے سیڑھیوں کی جانب جاتی اسے نظر آئی تھی۔ وہ اس سے انتظار میں لاؤنج میں ہی صوفے پر کشن منہ پر رکھے لیٹا ہوا تھا۔

"مجھ کو یاد [illegible] گنگناتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھا تھا اور ٹیبل سے ایک کارڈ اٹھاتے ہوئے یونہی دوڑتا گاتا ہوا اس سے اوپر والی سیڑھی پر رک کر گویا اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ بہت ہی مودبانہ انداز میں وہ کارڈ اس کی سمت بڑھایا تھا۔ رابیل نے اس کی اس حرکت کو نظر انداز کیا اور ماتھے پر ناگواری کی شکنیں لیے برہمی سے بولی تھی۔

"ہٹو میرے راستے سے۔"

"ہٹ جائیں گے میم پہلے یہ تو لیجیے۔"

"واٹ از دس۔" وہ کرخت بھری جھنجھلاہٹ کا شکار ہوئی۔

"آئی ایم سوری کا کارڈ ہے۔" ہنوز اس وہ انداز میں دونوں ہاتھوں میں کارڈ بڑھاتے ہوئے تھا۔

"اس کی ضرورت تھی؟" رابیل نے ابرو چڑھا کر خاصے طنز سے کہا۔

"آف کورس مجھے گلٹی فیل ہو رہا تھا رابیل یو ڈونٹ تمہیں خفا کر کے میں خود سکون سے کہاں رہ سکتا ہوں دیکھو تو سہی تو صبح دو گھنٹے لگا کر یہ کارڈ ذاتی محنت سے خود بنایا ہے۔ اس کے باوجود کہ مجھے ڈرائنگ اتنی اچھی نہیں آتی اور زندگی اس پہلی بار کسی کے لیے بنائی ہے۔" وہ اس کے چہرے پر انڈیلی ناگواری کے تاثر کو دیکھتا جلدی جلدی بول رہا تھا۔

"پلیز اسے دیکھ تو لو۔" وہ ملتجی ہوا تو رابیل نے کچھ کہے بنا ہاتھ بڑھا کر کارڈ لے لیا اور پہلی نگاہ اس پر ڈالتے ہی اس کے چہرے پر نہ چاہتے ہوئے بھی مسکراہٹ بکھرتی چلی گئی تھی۔ نہایت بے تکے انداز میں پھول بوٹے بنا کر درمیان میں ایک کارٹون بنایا گیا تھا۔ جس نے اپنے دونوں ہاتھ کانوں کو لگا رکھے تھے اور پیٹ پر لکھا تھا آئی ایم سوری کلرز کا استعمال بچگانہ اور ڈرائنگ اچھی خاصی بے تکی اور بے ڈھنگی تھی۔

"دیکھو تم ڈرائنگ مت دیکھو میرے احساسات و جذبات دیکھو حالانکہ بک اسٹالز پر آئی ایم سوری کے سینکڑوں کارڈز آسانی سے دستیاب ہو جاتے ہیں۔ لیکن میں نے خود کاغذ اور کلرز کی مدد سے اسے خاصی محنت سے بنایا ہے۔ اس کا ہر رنگ پیرا انداز تمہیں یہ بتانے کی کوشش کر رہا ہے کہ مجھے اپنے کئے پر کتنی شرمندگی ہے اور یہ کہ میرے نزدیک تمہاری کتنی زیادہ اہمیت ہے۔" اس کے لبوں کے گوشوں میں مچلتی مسکان کو دیکھتا وہ حوصلہ پا کر کہہ رہا تھا۔

"اچھا ہے واقعی لیکن یہ والا کارٹون جو اس وقت میرے سامنے کھڑا ہے۔" رابیل نے مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے انگشت شہادت سے اس کی سمت اشارہ کیا تو شہریار کا ہنستا مسکراتا چہرا ایک دم اتر سا گیا۔

"دیکھو اب لڑائی کا سگنل تمہاری جانب سے مل رہا ہے۔" شہریار نے احتجاجی انداز میں کہا۔

"جی نہیں میں لڑائی والی نہیں ہوں۔" رابیل نے کارڈ ہولے سے اس کے کاندھے پر مارا۔

"تو اس کا مطلب ناراضگی ختم اور دوستی اور محبت شروع۔" وہ فضا سازگار ہوتے دیکھ کر پٹڑی سے اترا۔

"شہریار۔" روحینہ نے آکر اسے جھنجھوڑنے کے ساتھ چیخ کے پکارا تھا۔

"کیا تکلیف ہے؟ تم ابھی گئی نہیں ہو۔" شہریار نے اٹھتے ہوئے غرا کر کہتے اسے گھورا۔

اتنا آسان نہیں ہے میری جان میرا تمہیں چھوڑنا اور تمہارا اس کام کو چھوڑنا سو بہتر ہو گا کہ اب تم خود ہی سنبھل جاؤ۔" وہ دھمکاری تھی وہ خائف نہ بھی ہوا ہو۔ البتہ خاموش رہا۔

☆......☆......☆

ہاں جاں کے زیاں کی ہم کو بھی تشویش ہے لیکن کیا کیجے
ہر راہ جو ادھر کو جاتی ہے مقتل سے گزر کر جاتی ہے

رسٹ واچ میں ٹائم دیکھتا ہوا وہ ماہ نور کے انتظار میں ٹہل رہا تھا۔ نگاہ گاہے بگاہے ان سیڑھیوں کی سمت بھی اٹھ جاتی جہاں سے ماہ نور نیچے آنے والی تھی۔ بظاہر اخبار پڑھتے فاروق نے مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے شعر پڑھا۔ تو طارق گہرا سانس کھینچ کر اسے گھورتا صوفے پر اس کے برابر آ بیٹھا۔

"سواری باربرداری کو جا رہی ہے۔" طارق کی سمت دیکھتے فاروق نے اخبار رول کر کے ٹھوڑی کے نیچے رکھا۔

"ماہ نور کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں یار سوچا پھپھو جانی سے ملواتا ہوا لے چلوں۔"

"اماں نے جانے دیا؟" وہ متحیر سا ہو کر بولا۔

"کہاں پھپھو جانی کے ہاں؟" طارق کی نگاہیں سوالیہ انداز میں اس پر اٹھی تھیں۔

"نہیں وہاں اسلام آباد۔" ہاں شاید ان کی برداشت کا پیمانہ لبریز ہو چلا ہے۔" وہ آہستگی سے کہتا جیسے تاسف کا شکار ہونے لگا۔

"ویسے بھائی تم نے بھابھی کے ساتھ واقعی زیادتی کی ہے۔"

"جانتا ہوں۔" طارق نے ٹھنڈا سانس کھینچا اس سے پہلے کہ دونوں مزید کوئی بات کرتے اماں اسے پکارتی وہیں چلی آئیں۔ پھر اسے وہاں دیکھ کر جیسے شکر کرتے ہوئے طنز سے بولی تھیں۔

"یہاں ہو میں بھی اب بھی بیوی کے گھٹنے سے لگے بیٹھے ہو گے۔" فاروق کی نگاہ طارق سے ملی لب بھینچے ہوئے ضبط کے مراحل طے کر رہا تھا۔

"سنو۔" وہ رازدارانہ انداز میں اس کی سمت جھکیں۔

"کتنا عرصہ ہوا تمہاری شادی کو؟"

"جی۔" طارق نے کچھ الجھ کر انہیں دیکھا جبکہ فاروق کو شرارت سوجھ گئی تھی۔

"کونسی شادی؟"

"کتنی شادیاں ہیں اس کی۔" اماں نے ناگواری سے نتھنے پھلائے۔

"میں نکاح اور رخصتی کی بات کر رہا ہوں آدھی آدھی شادی ہو گی پھر بھی ادھوری ولیمہ ابھی تک کہیں راستے میں ہے۔" فاروق نے جیسے مذاق اڑایا تھا۔

"میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے طارق۔" اماں نے فاروق کو گھور کر اسے ٹہوکا دیا۔

"جی تین ماہ۔" طارق نے خاصے سے زیادہ اختصار سے کام لیا۔

"ابھی تک کوئی امید نہیں ہے۔ ایک ماں تھی اس کی شادی کے غالباً پہلے ہی مہینے پیر بھاری کر کے لوگوں کو بتا دیا تھا کوئی چاند چڑھا بیٹھی ہے۔" اماں کو ایک بار پھر موقع ملا تھا ماہ نور کے خلاف زہر اگلنے کا۔ ساتھ اس کی ماں کو بھی رگیدنا عین ضروری خیال کیا گیا تھا۔ طارق کا چہرا ایک دم غصے کی زیادتی سے سرخ ہوا۔ فاروق تو موضوع کی نزاکت کا خیال کرنے کے ساتھ ہی چپکے سے کھسک گیا تھا۔

"اس لیے تمہارے ساتھ بھجوا رہی ہوں اس نحوست اور نخرے کی پوٹ کو اپنے ہی پاس رکھو ارے بھئی جب تمہارا بھگتان ہے تو ہم کاہے کو بھگتیں۔ دن رات اس کلموہی کی شکل دیکھ دیکھ کر تو میری تو آنکھیں ہی خراب ہونے لگی ہیں۔" ان کے چہرے کے تاثرات ہی نہیں آنکھوں سے بھی تنفر و حقارت کی جیسے لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔

"طارق ایک بات میری کان کھول کر سن لو۔ مجھے ایک سال سے پہلے پہلے پوتا چاہیے۔ ورنہ میں کوئی ضمانت نہیں دے سکتی کہ میں اسے مزید برداشت کر پاؤں گی۔" ان کا تحکم آمیز انداز میں دیا گیا حکم طارق کو اچھی خاصی ناگواری بخش گیا تھا۔ بھینچے ہوئے لبوں کو مزید بھینچتے ہوئے وہ ایک جھٹکے سے اٹھا تو نگاہ سیڑھیوں کے سرے پر متغیر چہرا لیے کھڑی ماہ نور سے جا ملی۔ جو نگاہوں کے اس تصادم پر فوراً سے پیشتر نگاہ کا زاویہ بدلتی بالکل نارمل انداز میں قدم اٹھاتی اس کے کچھ فاصلے پر آن رکی۔

"چلیں۔" طارق جو اس کی جانب سے شدید ردعمل کے خیال سے متفکر تھا بے اختیار جیسے پرسکون ہوا تھا۔

"ہاں۔ بالکل۔" اس نے قدم بڑھائے تھے کہ اماں کی پھنکار پر ایک بار پھر بدمزا ہو گیا۔

"یہ چھن ہیں تیری ہوتی سوتی کے ارے غضب خدا کا گھر کی بزرگ بڑی سامنے موجود ہے اور یہ چھدتی آکر منک کر اس زن مرید سے آنکھ مٹکا کے کہتی ہے چلیں یعنی میری کوئی حیثیت نہیں اس کی نظر میں۔" اماں نے چیخ چلا کر کہتے گویا لڑائی کا طبل بجایا۔ طارق نے ایک نظر سپاٹ چہرہ لیے بے نیاز سی ماہ نور کو دوسری شعلہ جوالہ نظر آتی اماں کو دیکھا اور ایک بار پھر انتہائی بے بس نظر آنے لگا۔ اماں کو دل کی بھڑاس نکالتے چھوڑ کر وہ ماہ نور کے پیچھے پورچ تک آیا تھا۔

"پھر کیا سوچا آپ نے؟" وہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ تو طارق نے دروازہ بند کر کے جب خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تب ماہ نور نے اسی بے نیازی اور سکون سمیت اسے مخاطب کیا تھا جس کا مظاہرہ وہ اماں کے غصیلے موڈ کے دوران کر چکی تھی۔

"کس بارے میں۔" طارق نے اونگھتے ہوئے واچ مین کو جگانے کی غرض سے زور زور سے ہارن بجاتے ہوئے قدرے چونکتے اس کی شکل دیکھی۔

"جو آپ کی اماں کہہ رہی تھیں۔" ماہ نور نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے سپاٹ آواز میں جواب دیا تو طارق کے اعصاب ایکدم کشیدگی کا شکار ہوئے تھے۔ اس کی جانب سے جواب کے انتظار سے مایوس ہوتی ماہ نور نے گردن موڑ کر اس کے بھینچے ہوئے لبوں کو دیکھا اور آگ بگولا ہوگئی۔

"آئی ہیٹ یو مجھے تم جیسے بزدل مردوں سے شدید نفرت ہے۔ میں نے ساری زندگی اپنے باپ سے اسی لیے محبت نہیں کی کہ وہ ایک بزدل آدمی تھا اور میں ساری زندگی تم سے اس لیے نفرت کروں گی کہ تم بھی ایک بزدل مرد ہو اور بزدل مردوں کو محبت کا کوئی حق نہیں ہونا چاہیے مگر دھڑلے دیکھو بزدل مرد جہاں اور کچھ نہیں کرتے محبت ضروری خیال کرتے ہیں۔ کیا فائدہ ایسے شیر جیسے جوان طاقت ور توانا وجود کا۔" اس نے ایک تنفر بھری نگاہ اس پر ڈالی اور زہر خند لہجے سے بولی تھی۔

"تو پھر ایسا ہے مسٹر طارق شیرازی کہ آپ اپنی والدہ محترمہ کو الٹی میٹم دے دیں کہ جو وہ کرنا چاہیں کرلیں اس لیے کہ مجھ سے ان کی ایک سال تو در کنار ایک سو سال کے انتظار کے بعد بھی یہ حسرت پوری نہیں ہوگی۔" اس درجہ سفاکی کے مظاہرے پر طارق نے بہت خاموشی مگر اسی قدر دکھ بھرے انداز میں اسے دیکھا تھا کہ ماہ نور نے جز بز ہوتے ہوئے نظریں چرائی تھیں۔ طارق نے جیسے تھک کر ایک گہرا سانس بھرا۔

"ٹھیک ہے...... جیسے تم اپنی مرضی کی مالک ہو ویسے ہی اماں بھی اپنے ارادوں میں خطرناک ہیں اور تم دونوں کے بیچ ایک میں ہوں۔ ایک ایسی لاچار کیفیت سمیت جس کی نہ تمہیں پرواہ ہے نہ اماں کو۔ وہ اپنی نفرت، تم اپنی انا میں قید ہو اس تصادم میں پسنے کے لیے میں ہوں تو ٹھیک ہے جو تم لوگوں کا جی چاہ رہا ہے کرو۔" اس نے کسی قدر غصے میں کہا تھا اور گاڑی کی اسپیڈ کچھ اور بڑھا دی۔

☆......☆......☆

رستے کئی نکل پڑے منزل کے بعد بھی
لاحاصلی کی گرد ہے حاصل کے بعد بھی

وہ خاموش گم صم نیم جاں سی لیٹی تھی۔ ارد گرد سب چہروں پر پریشانی کے تاثرات لیے بیٹھے تھے۔ ایک صرف وہی نہیں تھے۔ جنہیں دیکھنے کی آنکھوں کو پل پل خواہش تھی۔ اس کے اندر گھٹن بتدریج گہری ہوتی جا رہی تھی۔

"یامی۔ آر یو رائیٹ ناؤ۔" وقاص اس دہشت بھری خاموشی سے گھبرا کر بول اٹھا۔ تمکین نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ اداس ویران سرخ آنکھیں جن میں ناقدریوں کی دھول اڑ رہی تھی۔

"ہچ لیٹر۔" وہ جیسے پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔

"ایکدم کیا ہو گیا تھا آپ کو محض زکام فلو سے کوئی یوں حواس تو نہیں کھوتا۔" وقاص نے اپنی الجھن رفع کرنا چاہی۔

"مجھے اچانک یوں لگا تھا جیسے زندگی میرے لیے ختم ہو رہی ہو۔ ساری زندگی کی کمائی داؤ پر لگی ہو کشتیاں جل چکی ہوں آخری پونجی کا بھی اگر لٹنے کا خدشہ لاحق ہو جائے تو کیا پھر بھی بندے کے حواس نہیں کھونے چاہییں وقاص۔" وہ چپ ہی تھی وقاص اسے آرام کرنے کی تاکید کرتا ہوا اٹھ کر چلا گیا تو چاچی نے بھی اس پر دم کرنے کے بعد پیار کیا تھا۔

"اللہ جوڑی سلامت رکھے دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو۔ سدا سہاگ کے دل پر راج کرو معمولی بیماری ہے بچی یوں دل کیوں چھوٹا کرتی ہو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اس کی آنکھوں کے کناروں سے پھیلی نمی کو اپنی پوروں پر سمیٹتے ہوئے انہوں نے نرمی و حلاوت سمیت کہا تھا اور اٹھتے ہوئے فرحان شہیر اور چاچا کو بھی اپنے

ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے تسبیح اور اپنی کشمیری کڑھائی والی شال سنبھالتے باہر نکل گئیں۔

"فلم دھینگ جا پہلے ہمارے واسطے چائے بنا کے لا، ہاں ساتھ میں کچھ کھانے کو بھی لیتے آنا۔" انہوں نے ڈسٹنگ میں مصروف صابرہ کو دیکھ کر تحکمانہ انداز میں کہا اور خود وہیں لاؤنج میں صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"اجی سنتے ہیں۔" تسبیح گود میں رکھ کر وہ اب چاچا کی سمت متوجہ ہوئی تھیں۔ جن کی تمام تر توجہ ٹی وی اسکرین کی سمت مبذول ہو چکی تھی۔

"وہ والا ڈرامہ لگا پتر جس میں پنجابی ناکرا ہوتا ہے۔ سکھوں ہندوؤں کا۔" وہ بڑے اشتیاق سے ٹی وی دیکھتے ہوئے بولے۔ فرحان نے مسکراہٹ ضبط کی تھی اور چینل بدلنے لگا۔

"اے کوئی مارو ہندوؤں اور سکھوں کو میں کیا کہہ رہی ہوں آپ کو۔" چاچی کو غصہ آ گیا۔

"ہاں جی کہو کیا ہے۔" چاچا بدمزہ ہو گئے تھے اس مداخلت پر۔

"بچی کو دیکھا ہے؟ اپنا داؤدی خاصا کھنچا کھنچا نہیں رہتا اس سے دونوں بات چیت بھی شاذ ہی کرتے ہیں۔ کل رات تو میں نے بہو کو میں اسی صوفے پر سوتے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔" چاچی کا لہجہ انداز ایسا تھا۔ کہ چاچا کے ساتھ ساتھ فرحان اور شہیر بھی چونکتے ہوئے ان کی سمت متوجہ ہوگئے۔

"اوفوہ ہر کسی کی ٹوہ میں نہ رہا کرو عورت گناہ ہوتا ہے۔ ارے میاں بیوی کے رشتے میں سو لڑائی جھگڑا ہوتا ہے۔" چاچا نے جھلا کر کہتے گویا انہیں جھڑک ڈالا مگر چاچی نے الٹا انہیں گھور کر دیکھا اور بولیں۔

"تم مرد ہو لاپرواہ اور بے فکرا رے تمہاری تو آنکھوں کے سامنے گھر کے گھر جل جائیں تو پرواہ نہیں ہو۔ یہ ہم عورتیں ہی ہوتی ہیں جو اڑتی چڑیا کے پر گن لیتی ہیں۔" چاچی نے غصیلے انداز میں ہاتھ نچا نچا کر جیسے چاچا کے ساتھ شہیر اور فرحان کو بھی رگڑا۔ ان کے تو باقاعدہ چہرے اتر گئے۔

"ہاں بہت بڑی جاسوسہ ہو نا تم۔ اگر ایسی ہی چلتی پرزہ تھیں تو بیٹے کا گھر آج تک کیوں نہ بسا سکیں۔ ایک وہ ادھ بھری لڑکی تو تم سے سدھری نہ۔" لو چاچا باقاعدہ میدان میں اتر آئے طعنے تشنے کا آغاز کرتے ہوئے مورچہ سنبھالا۔ شہیر کا رنگ ایک دم بدلا تھا۔

"بس بس اب میری زبان نہ ہی کھلواؤ کرم دین تو بہتر ہے یہ تیرا پتر جیسے سات پانی کا دھلا ہوا ہے نا ایک غلطی تھی معصوم کی آج تک اسی کو گلے کا ہار بنا کے بیٹھا ہوا ہے۔" چاچی نے کینہ توز نظروں سے شہیر کو گھورا اب بھتیجے ارد گرد دیکھے بغیر تنا تن ہوا اٹھ کر باہر چلا گیا وہ اتنے غصے میں تھا کہ دروازے کی سائیڈ پر کھڑے ایک سکتے کے عالم میں انکشاف کی زد پر آئے داؤد حسن خاں کو بھی نہ دیکھ پایا۔ جو بہت شکستہ انداز میں واپس مڑ رہے تھے۔

☆......☆......☆

"میرے گھر والوں کو آپ کی ان نوازشات کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔" طارق گاڑی روک کر پھل مٹھائی وغیرہ لے کر آیا تو ماہ نور نے سلگتے ہوئے بہت تلخی سے کہہ ڈالا۔

"تمہارے گھر والے اب میں اور میری فیملی ہیں ڈیئر۔" اس نے جواباً بہت ہلکے پھلکے انداز کو اختیار کیا۔ اس کی کوشش تھی۔ پھپھو جانی کے سامنے جانے سے قبل اس کا موڈ ٹھیک کر دے۔

"اس قسم کی فضول باتوں سے آپ میرا جواب گول نہیں کر سکتے۔" وہ پھنکاری۔ طارق نے جواب نہیں دیا اور گاڑی آگے بڑھا دی ماہ نور کو سراسر اپنی توہین محسوس ہوئی تھی۔

"اب ان نوازشات کا مطلب؟ حالانکہ آپ کا مقصد تو نکل گیا۔" وار اس قدر کاری تھا کہ طارق کی برداشت جواب دے گئی۔ اس نے تیز جلتی آنکھیں اس کی سرد آنکھوں میں گاڑھ کر بہت ٹھہرے ہوئے لہجے

بڑے بارے میں یہ سوچے بغیر کہ میں حد سے زیادہ پرسل ہو رہی ہوں۔ یہ تمہارے لیے ایک بے حد مخلصانہ مشورہ ہے۔ اس لیے کہ یہ گھر جس کے مکینوں نے مجھے پناہ دی پوری محبت اور دلی آمادگی سمیت مجھے قبول کیا اس کے جواب میں یہ اس کے اور اس کے مفاد میں میری ایک انتہائی حقیری خدمت ہوگی اگر میں تمہیں سمجھا سکوں۔" وہ بہت سوچ سوچ کر بہت آہستگی سے بول رہی تھی۔

ماہ نور تو اس قدر شاک میں تھی کہ اس دوران زبان کو حرکت دینے سے بھی قاصر رہی۔

"تت تم تم سے یہ سب کچھ مما نے۔"

"نہیں۔" رابیل نے فی الفور اس کی بات کاٹی۔

"اس روز جب تم مما اور طارق بھائی۔ اندر اس موضوع پر بات کر رہے تھے تو چاہتے ہوئے بھی ہر بات کا مجھے علم ہو گیا تھا۔" رابیل نے جھکے سر سمیت جیسے کسی جرم کا اعتراف کیا۔ ماہ نور نے گہرا سانس کھینچا تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو بہنا مگر تم صرف آدھی ادھوری حقیقت سے آشنا ہو جن مصائب، ذلتوں اور بے بسی سے اس شخص نے مجھے دوچار کیا ہے ان سے صرف میں نبرد آزما ہوئی مجھے نہ تو اس کی پذیرائی کرنا ہے نہ ہی اس سے ایڈجسٹمنٹ کا کوئی ارادہ ہے۔ میری زندگی کی تمام تر بے بسی کا صرف یہی ذمہ دار ہے۔ اب تو چاہیے کتنے ہی زباں حصے میں آئیں۔ مجھے قبول ہیں مگر نہیں تو اس کی خوشی نہیں۔" وہ دوٹوک اور قطعی لہجے میں کہتی اٹھ کر چلی گئی۔ رابیل کی ساکن نظریں چائے کے مگ پر ٹھہری رہیں۔ جسے ماہ نور نے یونہی بھرا بھرایا چھوڑ دیا تھا اور اس پر بالائی کی جمی تہہ اس کے بدمزہ اور ٹھنڈا ہونے کا اعلان کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

اپنے بستر پر بہت دیر سے میں یہ سوچ رہا
سوچتی ہوں اس وقت وہ کہاں پہ ہوگا
میں یہاں ہوں مگر وہ میرے بغیر

"جہاں بھی ہوگا کم از کم وہ تمہارے متعلق تو بالکل نہیں سوچ رہا ہوگا۔ ارے کم عقل بیوقوف لڑکی تم آخر کیا سوچے بیٹھی ہو۔" سونیا حسب عادت شور مچاتی ہوئی اندر آئی تھی اور اسے ڈسٹرب کر دیا تھا۔

"کیا ہے یار۔" پریشے نے منہ بسورا۔

تیرے پل میں لائیاں اکھیاں
وے توں فیر وی دوریاں رکھیاں
توں جت گیوں بے دردی میں ہار گئی
تیری بے پروائی سجناں میں یوں مار گئی

سونیا نے باقاعدہ تان اڑائی تھی۔ پریشے کے لبوں پر موجود مسکراہٹ بھی جیسے غائب ہو گئی۔

"ہاں مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے۔" وہ یکدم ہی دل گرفتہ نظر آنے لگی۔

"کیا کہا؟" سونیا نے آنکھیں نکالیں۔ پھر چلا کر بولی۔

"بدشگونی کی باتیں مت کرو پری۔"

"یہ بدشگونی ہو یا کچھ اور بس میرا دل بہت مایوس ہوتا جا رہا ہے۔"

"تمہارے دل کو الہام کب سے ہونے لگے بس یہ بتا دے۔" سونیا نے یونہی گھورتے ہوئے کہا۔

"یہ تو مجھے پتہ نہیں۔" وہ یوں گہرے گہرے سانس بھرنے لگی جیسے سانس لینے میں وقت محسوس کر رہی

میں کہا تھا۔

"ہاں مگر دیکھ لو میں اپنی بات پر قائم ہوں۔ میں پہلے بھی خود کو پھپھو جانی کا بیٹا سمجھتا تھا اب بھی سمجھتا ہوں تمہاری مرضی ہے تم کچھ بھی قیاس کرتی پھرو۔" اس نے خود کو پرسکون رہ کر بھی گویا اسے آگ لگا دی تھی۔ گاڑی گھر کے سامنے رکی اور وہ دروازہ کھول کر خود باہر نکل آیا پہلے کال بیل بجائی پھر پلٹ کر پچھلا دروازہ کھول کر فروٹ اور مٹھائی کے شاپر نکالنے لگا۔ دروازہ رابیل نے کھولا تھا۔ ہلکے کاسنی شربتی کے سوٹ میں براؤن بڑی سی شال سے اپنا وجود اچھی طرح چھپائے وہ پہلے سے بھی زرد اور کمزور محسوس ہوئی۔ ماہ نور بے اختیار ہو کر اس کے گلے لگی تھی۔

"کیا ہو گیا ڈیر اتنی ویک کیوں ہو رہی ہو۔ جواباً رابیل پھیکے سے انداز میں مسکرا دی تھی۔

"بیٹا یہ تکلف مت کیا کرو۔" مما نے طارق کو شاپر سے لدے پھندے دیکھ کر مخصوص قسم کا احتجاج کیا۔

"تو اور کیا یہی میں بھی کہہ رہی تھی مما ان سے کہ ہمیں ان کے احسانوں کی ضرورت نہیں ہے۔" ماہ نور نے بھی ان کا ساتھ دیتے ہوئے جل کر کہا تو رابیل نے اس کے لہجے کی کڑواہٹ کو محسوس کرتے ہوئے بہت چونک کر اسے دیکھا۔

"اب یہ صرف اس کا نہیں بیٹا تمہارا بھی احسان ہے۔" مما کے جتانے پر اس کی بے اختیار نظر طارق کی سمت اٹھی جو اسے خاصے محظوظ ہونے والے تاثرات سمیت اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

وہ جھلاہٹ کا شکار ہوئی پلٹ کر اندر چلی گئی۔ ایک یہ مما بھی نا بس۔ اسے غصہ آئے جا رہا تھا اور جب کمرے کی ہر شے کو شخ کر تھک کر بیٹھ گئی۔ تب مزید غصہ طارق کی باتوں اور ہنسی کی آواز کو سن کر آنے لگا۔ اس کا رویہ وہی تھا ہمیشہ والا طلوع اور مما کے ساتھ جیسا شادی سے پہلے ہوا کرتا تھا۔ یہ بدلی ہے یا مصلحت اس کے دماغ میں ایکدم ہی یہ سوچ گھسی تھی اور ڈسٹرب کر گئی۔

"مومو یہاں کیوں اکیلی بیٹھی ہو۔ وہیں آجاؤ نا مما چائے بنا چکی ہیں۔" رابیل اسے بلانے آئی تھی۔

"پلیز ایک کپ چائے لا دو مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔" وہ بے زار نظر آنے لگی۔

"او کے قائن۔" رابیل نے کاندھے جھٹکے تھے اور وہیں سے پلٹ گئی۔ واپس آئی تو ٹرے میں ایک پیالی دیکھ کر ماہ نور نے حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔ "کیا تم چائے نہیں لو گی۔"

"نہیں میں چائے بہت کم پیتی ہوں۔" رابیل نے مسکرا کر جواب دیا اور پیالی اٹھا کر اس کی جانب بڑھائی۔

"پتہ مجھے لگ رہا ہے تم خوش نہیں ہو۔ دن بہ دن گھلتی جا رہی ہو۔" ماہ نور نے بہت متفکرانہ نظروں سے اسے دیکھا وہ پھیکی سی مسکراہٹ سمیت اسے دیکھتی سامنے بیٹھ گئی جو میرون جدید تراش خراش سے کے لباس میں میچنگ ہلکی پھلکی جیولری پہنے چہرے پر میک اپ سجائے اتنی پیاری اتنی دلکش لگ رہی تھی کہ رابیل کتنی دیر اسے یونہی تکے گئی تھی۔

"خوش تو تم بھی نہیں ہو مومو۔ خود کو دھوکہ دے رہی ہو یا دوسروں کو۔" رابیل کا سوال تھا یا کوئی طاقتور بم ماہ نور کو لگا تھا جیسے اس کا وجود ایکدم دھماکے سے پھٹا ہو۔

"جو ہوا تم اسے بھول کیوں نہیں جاتیں۔ ایک نئی زندگی کا آغاز کرو مومو اس یقین کے ساتھ کہ تمہارا شریک سفر شخص تم سے مخلص ہے جی جان سے تمہارا خواہش مند پلیز اسے اپنی لائف میں مداخلت سمجھنے یا

ہو۔ سونیا نے بے اختیار ان ہیلر کی تلاش میں نظریں دوڑائیں جو سائیڈ ٹیبل پر پڑا نظر آ گیا تھا۔ پری بیٹے نے اس کی اس حرکت کو نوٹ کیا تھا اور عجیب سے انداز میں مسکرا دی۔

”جس دن اس سانس کو تھمنا ہے ناں سونی ڈارلنگ اس روز اس ان ہیلر کی موجودگی میں بھی تھم جانا ہے۔“ اس پر مایوسی اور افسردگی کا دورہ پڑ رہا تھا۔

”یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہر انسان کو اس دنیا کی تمام سہولیات کی موجودگی کے باوجود اپنے مقررہ وقت پر واپس لوٹنا ہے۔ لیکن پری تمہیں ابھی بہت سا جینا ہے۔ تمہارے حصے کی تمام خوشیاں تمہاری منتظر ہیں اور مجھے لگ رہا ہے۔ یہ ساری اداسی کی اصل وجہ یہی ہے کہ میجر صاحب اس شہر میں موجود نہیں ہیں۔ یار وہ واپس آنے کے لیے ہی گیا ہے۔“ سونیا بہت سنجیدگی سے بات کرتے آخر میں لہجہ بدل کر خاصی شوخی سے کھلکھلائی تھی۔ پری بیٹے نے جواباً کچھ نہیں کہا۔ سر جھکائے اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں الجھی رہی تھی۔

”پتہ ہے سونی جب مما اور پھر رافع مجھے اور پاپا کو چھوڑ کر گئے ہم بہت عرصہ نہیں سنبھل پائے تھے میں سوچتی ہوں۔ جب میں بھی پاپا کو چھوڑ جاؤں گی تب پاپا کیسے سنبھالیں گے خود کو۔“

”ہم میجر صاحب سے دست بستہ درخواست کریں گے جناب عالی۔ پلیز ہماری پری بی بی کو رخصت کرا کے لے جانے کی بجائے پلیز خود رخصت ہو کر آ جایئے ناں۔ یعنی گھر داماد بن جائیں۔“ سونیا کے لہجے کی کھنک اور شوخی مصنوعی محسوس ہوتی تھی۔ پری بیٹے نے جھلائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا اور دل شگفتگی سے مسکرا دی۔

”تم میری بات کو سمجھ رہی ہو۔ سونی پھر بھی جیسے نا سمجھی کی ایکٹنگ ویری ویل مگر ڈیئر پلیز کسی کو دھوکہ دینا ہو تو لہجے کی پختگی ضرور حاصل کرنا چاہیے۔“

”یہ تم آج اتنی بڑی بڑی باتیں کیوں سوچ رہی ہو آخر۔“ سونیا چڑ پڑی۔

”یہ بڑی باتیں ہی سچی باتیں ہیں اس لیے۔ میں پھر کہتی ہوں کہ تمہیں بہر حال الہام نہیں ہو سکتے۔“

”چلو ٹھیک ہے لیکن میرا دل مجھے جانے کیوں اداسی کی راہوں پر گھسیٹ رہا ہے تو ایسی باتیں بے اختیار منہ سے نکل گئیں۔ سونی سنا ہے دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے تم دعا کرو اگر وہ میرے نصیب میں نہیں ہے تب بھی وہ مجھے مل جائے۔“ اس کے ہاتھ اپنے کانپتے لرزتے ہاتھوں میں دبوچ کر وہ پوری جان سے لرزتے ہوئے، اتنی لاچاری اتنی بے بسی سے بولی تھی کہ آواز آنسوؤں کی نمی غالب آ گئی۔ سونیا نے کچھ کہے بغیر اسے گلے لگا لیا تو اس کی آنکھوں کی نمی سونیا کے بالوں میں جذب ہونے لگی۔

☆......☆......☆

میں ہوں گردشوں میں گھرا ہوا مجھے آپ اپنی خبر نہیں
وہ جو شخص تھا میرا رہنما اسے راستوں میں گنوا دیا
مجھے عشق ہے کہ جنوں ہے ابھی فیصلہ نہیں ہوا
میرا نام اگر دشت تھا مجھے آندھیوں نے مٹا دیا

گاڑی شہر کے مضافات کو پیچھے چھوڑتی گاؤں کے راستوں کی سمت فراٹے بھر رہی تھی۔ اسٹیرنگ شہیر کے ہاتھوں میں تھا اور اس کی نظریں بیک ویو مرر سے داؤد حسن خان کے چہرے پر کچھ کھوج رہی تھیں سپاٹ چہرہ مگر مضطرب آنکھیں وجیہہ سحر آفریں نقوش آج بھی کسی کو بہکا سکتے تھا اور شہیر کا دل جانے کیا کچھ سوچ کر بیکل ہوا۔ داؤد حسن خان نے ڈرائیو کرنے سے معذرت کی تھی۔ ”کیوں؟“ شہیر نے بہت انجان بن کر

پوچھا۔

”ان راستوں کو چھوڑے ایک عرصہ ہو گیا ہے یار شاید میں اپنے ساتھ تمہیں بھی بھٹکا دوں۔“ انہوں نے جانے کس رو میں کہہ دیا تھا۔ مگر شہیر کے دل میں ترازو ہو گئی تھی یہ بات سو سو مطلب اخذ کیے تھے اور اضطراب بڑھا یا تھا۔

طویل سفر کی تھکن کے ہمراہ جب گاڑی گاؤں کے اونچے نیچے راستے پر ہوئی تو خاموش بیٹھی تمکین نے اپنے مغرور، بے نیاز اور کٹھور ہمراہی کے سرد وجود میں جیسے تحریک محسوس کی ان کی لاتعلق آنکھوں میں تحیر امڈتا دیکھا۔ نیم پختہ سڑک کی جگہ تارکول کی سرمئی سڑک نے لے لی تھی سڑک کے دونوں اطراف سفیدے کے درخت ایک قطار میں لگے تھے۔ کھیت باغات اور ٹیوب ویل کا وہ مخصوص سلسلہ نہیں تھا زیر تعمیر مکانات جو کوٹھیوں کی طرز پر بن رہے تھے۔ گاؤں کے مخصوص ماحول کو نگل چکے تھے۔ ایک بڑا اسکول کالج ہسپتال بھی راستے میں انہوں نے دیکھے تھے اور خوشی بھی محسوس کی تھی۔

”تم چاہو تو یہیں رہ سکتے ہو کالج بھی ہے ہوسپٹل بھی۔“ فرحان نے ان کی حیرت ملاحظہ کرتے ہوئے گویا چھیڑا تھا۔ وہ محض مسکرا دیے۔

گاڑی جس مکان کے سامنے رکی اس کے سامنے نہ تو بیری کا موٹی جڑ والا درخت تھا نہ شہتوت کے پیڑ۔ وہ میدان جہاں چارپائیاں ہر وقت بچھی رہا کرتی تھیں، وہاں بھی ایک جدید طرز کا مکان زیر تعمیر تھا۔ ریت بجری اینٹوں کے ڈھیر جا بجا بکھرے نظر آ رہے تھے۔ سبز رنگ کا لوہے کا اونچا گیٹ اور پختہ گھر کی عمارت وہ خاموشی سے ہر شے کا جائزہ لے رہے تھے۔

”آؤ داؤد گھر دلہن کے ساتھ پہلی بار آئے ہو میں تیل کی دھار ڈالوں گی دروازے پر۔“ چاچی نے بڑے چاؤ سے کہا تھا۔ آن کی آن میں پورا گھر ان کے سواگت کے لیے جمع ہوا داؤد حسن کو ہر کسی نے خصوصی محبت اور توجہ سے اس لیے بھی نوازا کہ صائمہ آپا اور بھائی صاحب کی وفات کی متعلق جان کر سب کے دلوں پر رقت طاری ہو رہی تھی۔

”تو بالکل نہیں بدلا داؤد بلکہ پہلے سے بڑھ کر خوبصورت ہو گیا ہے۔“ رافعہ آپا صرف ان سے ملنے کی غرض سے دو دن سے آئی بیٹھی تھیں۔

”اور یہ تیری دلہن ہے اللہ اتنی پیاری بچہ ماسی کو سلام کر دتاں۔“ انہوں نے ایک سائیڈ پر کھڑی تمکین کو دیکھ کر شرارت کی تھی۔

”بھئی جب ہمارا بانکا چھیلا یار اتنا سوہنا تھا تو اس کی دلہن کو بھی خوبصورت تو ہونا چاہیے تھا۔“ اکبر بھائی نے پیچھے سے آ کر داؤد کو باہوں کے گھیرے میں لیا۔ ملنے ملانے اور باتوں کے ساتھ مہمانوں کی ضیافت کا یہ سلسلہ دو گھنٹے تک چلتا رہا تھا اس کے بعد انہیں اس کمرے میں بھیج دیا گیا جہاں ان کے رہنے کا انتظام کیا گیا تھا۔

یہ وہی کمرا تھا جہاں داؤد نے لندن سے آنے کے بعد اپنا بسیرا کیا تھا۔ جہاں سارے گھر میں تبدیلیاں آئی تھیں وہاں اس کمرے میں بھی ویسا کچھ نہیں تھا جو کبھی پہلے تھا۔ ہلکے پیلے رنگ کی تازہ سفیدی کی گئی تھی جس کی مہک کمرے کی فضا میں محسوس کی جا سکتی تھی۔ سامنے دیوار پر جمبو سائز خانہ کعبہ بڑی تصویر آویزاں تھی۔ اس کے بالکل نیچے سنگل پلنگ تھا جس پر ہلکے رنگوں کی بیڈ شیٹ بچھی تھی۔ فرش پر درمیانے سائز کا ریڈ کارپٹ تھا۔ دوسری سائیڈ پر بیڈ کے بالکل سامنے کتابوں کا ریک تھا اور اس پر وہ ساری کتابیں نہایت سلیقے سے سجی ہوئی تھیں جو دوران تعلیم اور تعلیم کے بعد ان کے زیر مطالعہ رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر

ایک سایہ سا آکر گزر گیا۔ انہیں شہیر کی بات یاد آئی تھی۔

"بہت کچھ بدل جانے کے باوجود بہت کچھ ابھی بھی ویسا ہے مگر تمہاری کمی کے احساس سمیت۔" مگر اسی بات کا جب انہیں شام میں کسی اور انداز میں ادراک ہوا تو ان کے اندر سرما کی سرد ہوائیں سرسرانے لگی تھیں۔ یہ محض اتفاق تھا کہ وہ سیڑھیوں کی سمت چھت پر جانے کی غرض سے آئے تھے۔ سنگل بیڈ نے ان کے ساتھ مکین کو بھی اچھی خاصی پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا اور اس پریشانی سے جان چھڑانے کو وہ اسے کمرے میں تنہا چھوڑ کر چھت کی سمت آگئے تھے۔ جب انہوں نے شہیر کی وہ پھنکارتی ہوئی آواز نہ چاہتے ہوئے بھی سن لی تھی۔ جو غالباً انہیں یقیناً شہیر کے کمرے کی کھلی کھڑکی سے ان تک پہنچی تھی۔

"مجھے فریب دے رہی ہو مجھے جو تمہیں پندرہ سالوں سے برداشت کر رہا ہے۔ کیوں نہیں آئی تم کیوں نہیں ملیں اس سے تمہارے دل میں چور تھا اس لیے۔"

"چور میرے دل میں نہیں تمہارے دل میں ہے شہیر جمال وہ بات جسے میں تو جانے کب کی بھول گئی ہوتی مگر تمہاری نفرت نے مجھے بھولنے نہیں دیا تم اب بھلے سلگو تڑپو اور سسکو اس بات سے کہ میں نے داؤد سے بھی محبت کی تھی اور تم سے شادی کے بعد میں اسے بھول جانا بھی چاہتی تھی مگر تم نے مجھے اسے ہمیشہ یاد رکھنے پر اکسایا۔" جواباً شہیر بیگم کے لہجے میں نہ کوئی خوف تھا نہ لحاظ انہیں لگا تھا جیسے لڑکھڑا کر ایسا گریں گے کہ دوبارہ اٹھ نہ پائیں گے قسمت کیسی یہ کیسی آزمائش تھی جو ہر لمحہ ان کے پاؤں سے زنجیر بن کر لپٹی ہوئی رہتی تھی۔ مزید سننے کی تاب نہیں تھی وہ پلٹ کر تیز قدموں سے گھر سے باہر نکلتے چلے گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

راولپنڈی آفیسرز کالونی میں شام ڈھل کر رات کا لبادہ اوڑھ رہی تھی۔ جب طارق شیرازی کے ہمراہ ماہ نور نے اس گھر میں قدم رکھا۔ جو پاک آرمی کی طرف سے انہیں رہائش کے لیے دیا گیا تھا۔ گاڑی کے ہارن کی آواز سن کر بیٹ مین جو کچن میں مصروف تھا باہر آیا اور اپنے افسر کی خوش شکل اور نازک اندام بیوی کا خیر مقدم کیا۔

جب وہ انٹرنس سے آگے بڑھے تو بالکل سامنے گیلری میں بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کا قد آدم پورٹریٹ آویزاں تھا۔ بالکل بے ساختگی میں ماہ نور کی نظریں اس تخلیق کار کی تصویر پر پڑی تھی اور اس بے ساختگی و بے اختیاری کیفیت میں قدم ٹھٹک کر تھم گئے تھے۔ ستائشی نگاہوں سے عظمت و رفعت کے شاہکار سنہری فریم میں جڑے اس عظیم الشان پورٹریٹ کو تکتے ہوئے اس نے طارق کی سمت دیکھا جو داد طلب نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس نے دانستہ چپ سادھ لی مگر یہ چپ اس وقت قائم نہ رہ سکی جب اس کے ساتھ بیڈ روم میں داخل ہوتے پر خانہ کعبہ کے نگاہوں کو بے اختیار ستائشی چمک عطا کرنے والے چمکتے دمکتے ماڈل پر پڑی تھی۔ ایک بلند اور اونچے خوبصورت سٹینڈ پر ایستادہ یہ اتنا شاندار اور خوبصورت نظر آرہا تھا کہ حقیقت کا گمان ہونے لگتا اور جب طارق شیرازی نے اسے بتایا کہ خانہ کعبہ کے غلاف سے تبرک کے طور پر ملے ہوئے غلاف سے یہ ماڈل تیار کیا گیا ہے تو ماہ نور بے اختیار آگے بڑھی تھی اور محبت و عقیدت ایک بوسہ وہاں ثبت کر دیا تھا۔

"آپ کے پورے گھر میں سب سے زبردست چیز بس یہی ہے کیا میں یہاں رہ سکتی ہوں آئی مین۔"

"یہ بیڈ روم ہے ہمارا مائی۔" وہ جواباً بہت خوشدلی سے مسکرایا اور ماہ نور کی کیفیت بدل گئی۔

"ہمارا۔" اس نے اس ایک لفظ کو کھینچ کر لمبا کیا۔

"پھر اتنا بڑا تو ضرور ہوگا کہ اس میں مجھے علیحدہ کمرہ مل سکے۔" وہ جس قدر نارمل تھی طارق کو اسی حد تک اذیت سے دوچار ہونا پڑا۔ جبکہ اس کی سوالیہ نگاہیں اس پر فوکس تھیں۔

"اوکے ایز یو لائیک۔ تمہیں یہ بیڈروم پسند آیا ہے تم یہاں رہ سکتی ہو۔" ایک بار پھر وہ خود پر جبر کرتے ہوئے اسے اور اس کی بات کو وہی اہمیت دے چکا تھا۔ جو وہ اسے ہمیشہ ہی دیتا آیا تھا۔ ماہ نور نے دانستہ چہرے پر ممنونیت و تشکر کا تاثر نہیں آنے دیا اور بیٹ مین کے اندر لاکر رکھے بیگ کو کھول کر اپنے کپڑے نکالنے لگی۔ جبکہ طارق اس سے مزید کوئی بات کیے بغیر پلٹ کر باہر چلا گیا تھا۔ باتھ لینے کے بعد بھوک کا احساس ہوا تو یونہی دوپٹہ کاندھوں پر پھیلائے بیڈروم سے نکل کر باہر آئی تو لاؤنج سے ٹی وی کی آواز باہر تک آرہی تھی۔ اس نے اندر جھانکا صوفے پر طارق کا کوٹ اور ٹائی موجود تھی ہیٹر اور ٹی وی آن تھا وہ خود کہیں نظر نہیں آیا۔ اس نے ٹی وی کے ساتھ ہیٹر بھی آف کیا اور خود کچن میں آگئی۔ کوکنگ رینج کے دونوں برنر جل رہے تھے ایک پر دودھ کی پتیلی تھی دوسرے پر سالن پک رہا تھا۔ پرات میں آٹا چھان کر رکھا ہوا تھا گویا گوندھنے کی تیاری تھی مگر بیٹ مین میں خود وہاں نہیں تھا۔ ابھی وہ جائزہ ہی لے رہی تھی جب بیٹ مین اپنے دھیان میں اندر آیا تھا اسے موجود پاکر ایکدم سے گڑبڑا گیا۔

"کچھ چاہیے میم مجھے بتائیے۔"

"نہیں شکریہ۔" اس نے کسی قدر درشتی سے کہا اور فریج کھول کر اندر جھانکا جو انواع و اقسام کی نعمتوں سے بوجھل تھی۔ اس نے دو سیب اور کینو نکال کر پلیٹ میں رکھے اور چھری کے ساتھ نمک لیے باہر آگئی۔ ٹی وی لاؤنج میں صوفے پر بیٹھ کر ٹی وی آن کرنے کے بعد پیٹ پوجا کرتے ہوئے تھکان اچانک ہی اس پر غالب آنے لگی تو پلکیں بوجھل ہو کر باہم جڑنے لگیں اور وہ وہیں بیٹھے بیٹھے کشنوں کے سہارے غنودگی میں چلی گئی۔

طارق شیرازی فریش ہو کر وہاں آیا تو اسے یوں بے خبر سوتے دیکھ کر اس کی پیشانی پر ایک شکن ابھری تھی۔ ادھ کھایا سیب اور کینوؤں کے چھلکوں کی پلیٹ ٹیبل پر دھری تھی اور ان پر ایک مکھی منڈلانا شروع کر چکی تھی۔ ٹی وی پر کوئی ڈاکومنٹری فلم چل رہی تھی۔ اس نے پہلے ٹی وی آف کیا تھا پھر اس کی سمت متوجہ ہوتے ہوئے اسے ایک دوبار آواز دی۔

"ماہ نور۔" تیسری مرتبہ اس کے کاندھے کو خفیف سا جھٹکا دیتے ہوئے وہ قدرے بلند آواز میں پکارا۔ ماہ نور نے ذرا کی ذرا آنکھیں کھولیں۔ خمار آلود سرخ آنکھیں اس کے چہرے پر لمحہ بھر کو ٹھہری تھیں۔

"اٹھو اندر چل کے سوؤ اور ہاں آئندہ اس قسم کی بے احتیاطی سے گریز کرنا گھر میں ایک عدد میل سرونٹ بھی ہے یوں اچھا نہیں لگتا۔" وہ اٹھ کر بیٹھنے کے بعد ریشمی لانبے بال سمیٹ رہی تھی جب طارق کی اس بات پر اچھی خاصی خفت کا شکار ہو گئی۔

"وہ میں تو۔"

"اٹس آل رائیٹ بی کیئرفل نیکسٹ ٹائم۔" طارق نے اس کی خفت کو محسوس کرتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔ ماہ نور کو اپنا آپ اس کے گھمبیر لہجے کی پھوار میں بھیگتا ہوا محسوس ہوا تو سر جھٹک کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

☆.....☆.....☆

راولپنڈی چھاؤنی میں دوپہر ڈھل کر شام کا روپ دھار رہی تھی۔ وہ ڈیوٹی سے ابھی گھر لوٹ ہی رہا تھا۔ کہ راستے میں ہی بریگیڈیر سالار درانی کا فون موصول ہو گیا۔ انہوں نے اسے اپنے گھر پہ بلوایا تھا۔ وہ یونہی تھکن کی پرواہ کیے بغیر جیپ کا رخ موڑ تا ان کی رہائش گاہ کی سمت ہو گیا۔ بھیگی ہوئی سرد ہواؤں کی پرواہ کیے بغیر سونیا پریشے درانی کے ساتھ ٹیرس کی ریلنگ سے لگی کافی کا جگ ہاتھ میں لیے باتوں میں مصروف تھی جب طارق شیرازی نے جیپ گیٹ کے باہر ہی چھوڑ کر کال بیل بجائی تھی۔ گیٹ وا ہونے پر وہ اندر آیا تو ایک غیر شعوری نگاہ خوبصورت کپڑوں میں ملبوس ٹیرس پر کسی بات پر ہنستی ہوئی لڑکیوں کی سمت اٹھ گئی۔ سونیا بھی متوجہ تھی اس نے اخلاقاً مسکرا کر ہاتھ ہلا دیا۔ جواباً سونیا کی رگ شرارت پھڑک اٹھی تھی اور ہنستے ہوئے اس کی جانب شعر لڑھکا دیا تھا۔

نیچے سے جو اوپر صنم دیکھتے ہیں
وہ اپنا سر قلم دیکھتے ہیں

وہ بے اختیار کھلکھلائی تھی اور اس کے رنگ بدلتے چہرے کو دیکھ کر محظوظ ہوتی کچھ اور بھی زور سے ہنسنے لگی۔ طارق شیرازی نے پوری طرح سر اونچا کر کے اوپر دیکھا تھا اور بے اختیار محظوظ ہونے والے انداز میں ہنسا۔

ہمیں نہ تیری نہ تیرے حسن کی پرواہ
ہم سر وہ لوح قلم دیکھتے ہیں

"سمجھ لیں آپ نے مجھے پر حضرت اقبال کا جواب لازم کر دیا تھا۔ ویسے آپ کی تسلی کے لیے یہ کافی ہونا چاہیے کہ میں واقعی آپ کو نہیں دیکھ رہا تھا۔"

"تو پھر کسے دیکھ رہے تھے۔" سونیا کی آنکھوں میں شوخی اس کے لہجے سے عیاں تھی۔ وہ طرح دے گیا۔

"مجھے سر سے ملنا ہے۔"

"ارے رے ہماری بات کا تو جواب دیجئے۔" وہ بے اختیار چیخی تو طارق کے اٹھے ہوئے قدم تھم گئے۔

"آئی ایم شیور کوئی تو ضرور ہوگی جس کے حسن اور خود اس کی آپ کو پرواہ ضرور ہوگی۔" وہ جیسے آج مکمل تیاری کے ساتھ میدان میں اتر آئی۔ پریشے کی گھبراہٹ اور آنکھوں کے اشاروں کو صاف اگنور کیے طارق مسکرایا اور محض کاندھے اچکا دیے۔

"دیکھا ایسے لوگ چھپے رستم ہوتے ہیں۔" وہ چہک کر بولی پھر اسی قدر جوشیلے انداز میں گویا ہوئی تھی۔

"آپ بتائیں گے یا میں گس کر لوں۔"

"جی۔" اب کے طارق قدرے حیران ہوا۔

"آپ کیسے جانتی ہوں گی بھلا۔"

"کیوں نہیں جان سکتی۔"

باقی آئندہ ماہ

میرے ساحر سے کہو

ام مریم

سترہویں قسط کا خلاصہ

نگین داؤد حسن خاں کے دھوپ چھاؤں جیسے مزاج کی وجہ سے قدم قدم پہ ہرٹ ہوئے ہے۔ داؤد حسن خاں خون کے رشتوں کی محبت کے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو کر واپس گاؤں جانے پر آمادہ ہوتے ہیں مگر نگین سے اسی سرد رویے کے ساتھ بات کرتے ہیں جس سے طیش میں آکر نگین گاؤں جانے سے انکار کر دیتی ہے۔ شہریار روانیل کی ضدی اور زور آور محبت کے سامنے پوری طرح ہار تسلیم کرنے کے بعد روانیل کی گمشدگی سے پریشان ہے اور اسے دن رات ڈھونڈتا ہے۔

پریشے درانی کا بار بار سامنا طارق شیرازی سے ہوتا ہے مگر اسے ہر بار طارق سے مل کر ایک نارسائی کا احساس ہوا محسوس ہوتا ہے۔ جسے وہ کوئی بھی نام دینے سے گریزاں ہے۔ طارق شیرازی ماہ نور کو اپنے ساتھ اسلام آباد لے جانے کے لیے ایک دن کی چھٹی پر گھر آتا ہے تو گھر والوں کا ماہ نور سے رویہ دیکھ کر بہت دل برداشتہ ہوتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

ہاں اب کیوں! کس واسطے مجھے مسلسل گھوریاں اور دھمو کے مار رہی تھیں۔" سونیا اس کی سمت پلٹی تو پریشے جو خاموش مگر سوچتی ہوئی نظروں سے طارق شیرازی کو اندر کی سمت جاتے دیکھ رہی تھی اس کی سمت متوجہ ہوگئی مگر انداز کی خفگی کی جگہ اب بے بسی اور افسردگی نے لے لی تھی۔

"مجھے ڈر لگتا ہے سونی۔" وہ سخت مضطرب سی ہوتی اپنی نازک موسی انگلیاں بے دردی سے ملنے لگی۔

"آخر کسی بات ڈر آف کورس اسے الہام ہونے سے رہا کہ تم اس کے عشق کے سمندر میں گوڈے گوڈے ڈوب چکی ہو۔ سوچ کو کیا کرنا ہے آج سب کہہ دوں یا۔۔۔" پریشے ہاتھوں کے ساتھ اب ہونٹ بھی کچلنے لگی اضطراب بے پناہ تھا۔

"وہ میرے بارے میں کیا سوچیں گے سونی کیسی بے حجاب لڑکی ہے پہلے محبت کرتی ہے پھر اظہار بھی۔" اس کی آواز پر آنسوؤں کی نمی غلبہ پانے لگی۔

"تو پھر یونہی سلگتی سسکتی اور تڑپتی رہو ہجر کی آگ میں جل کر خاک ہوتی رہو وہ کبھی تم سے پر پوچھنے نہیں آئے گا کہ تم اس سے محبت کرتی ہو۔" سونیا اتنی دیر تک اسے ڈانٹتی ہی رہی تھی۔ اتنی دیر تک طارق بریگیڈیئر سالار درانی کے ساتھ چلتا ہوا باہر نہیں آ گیا۔

فل یونیفارم میں کیپ ہاتھ میں پکڑے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے بالوں کو سہلاتا ہوا باوقار انداز میں قدم اٹھاتا وہ اتنا شاندار اتنا وجیہ نظر آ رہا تھا کہ پریشے کی نگاہیں بنا تک اسے تکتی چلی گئی تھیں۔

"کیا اس شخص کو اتنی آسانی سے کھو دینا آسان ہوگا کیا اسے پھر سے کھو کر میں جی پاؤں گی۔" اور اس کے من میں ہر سو نہیں نہیں کی پکار اٹھنے لگی تھی۔

"پھر کیا سوچا تم نے۔" سونیا نے اس کی نگاہوں کا اٹھنا اور لپٹنا محسوس کر لیا تھا۔ جبھی مسکراہٹ دبا کر معنی خیزیت سے پوچھا گویا اس کی لاچاری بے بسی کی انتہاؤں سے اچھی طرح سے آگاہ ہو۔

"تم بات کرو گی میں سامنے ہرگز نہیں جاؤں گی۔" وہ ہمت ہارے ہوئے انداز میں سر جھکا کر بولی تھی جبکہ سونیا مسکرا دی تھی۔

"اوکے فائن تم یہاں کھڑی ہو کے اسے خوب جی بھر کے دیکھو ظاہر انکل کی موجودگی میں وہ تو ایسی جرات کرنے سے رہا۔" وہ ہنسی تھی اور سیڑھیاں پھلانگتی نیچے آ گئی۔

"انکل پلیز" وہ دوڑ رہی ہوتی نیچے آئی تھی دونوں نے ایک ساتھ اور پلٹ کر اسے ہی نگاہ سے اسے دیکھا۔

"یہ جا رہے ہیں۔" اس کے مخاطب سالار درانی تھے مگر دیکھ وہ طارق کو رہی تھی۔

"ایسا ہے انکل کہ مجھے ان سے کچھ ضروری کام ہے۔"

"اوکے بیٹا۔" بریگیڈیئر سالار درانی نے مسکرا کر کہا پلٹ کر پھر سے اندر چلے گئے۔

"آپ اتنے ہی بے نیاز ہیں جتنے کہ نظر آتے ہیں یا کہ پوز کرتے ہیں۔" وہ کڑے انداز میں اس کی سمت پلٹتے ہی تیکھے چتونوں سے بولی تو طارق شیرازی حیران ہوتا ہوا مسکرایا آپ یہ بتائیں آپ کو اتنا غصہ کس بات کا ہے خاتون۔

خاتون! وہ صدمے کی زیادتی چیخی مگر پر اگلے ہی لمحے دھیمی بھی پڑ گئی۔

"آپ بہت چالاک ہو میجر۔" وہ ٹھنڈا سانس بھر کے گویا ہوئی تو طارق کی نگاہیں کی الجھن کی جگہ حیرت نے لے لی۔

لیجیے یہ الزام بھی عائد ہو گیا ہم پر یہ جبکہ جرم کا ابھی تک پتہ نہیں۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"اگر محبت ہو اور اظہار نہ ہو تو گزرتا وقت بگاڑتی نہیں نقصان بھی جھولی میں ڈال جاتا ہے۔" اس فلسفیانہ انداز پر طارق شیرازی نے قدرے رکتے ہوئے ناقہم نظروں سے اسے دیکھا۔

"آئی ڈونٹ انڈرسٹینڈ مگر آپ یہ مجھے کیوں بتا رہی ہیں۔" وہ ہنوز حیران بلکہ پریشان تھا۔

شاہ عبداللطیف بھٹائی کی ایک نظم کا ترجمہ ہے۔

یاد کرکے ہر بات جن سے کہوں گی
سب کچھ بتاؤں گی مگر جب اس کا سامنا
ہوتا ہے تو سب کچھ بھول جاتی ہو

اس کے لہجے و انداز میں جو غیر معمولی پن تھا اس نے طارق کے حواس الرٹ کیے تھے وجیہ چہرے پر ہمہ وقت چھایا رہنے والا خوداعتمادی اور بے نیازی کا تاثر پھیکا پڑ گیا وہ قدرے چونک گیا۔

"یہ آپ۔۔۔!"

مجھے کیوں بتا رہی ہیں یہی کہنا چاہ رہے ہیں نا آپ۔" سونیا نے اس کی بات کاٹ دی اور بیچ میں ٹکڑا جوڑا طارق اس کسکتی ہوئی لڑکی کو محض دیکھ کر رہ گیا۔

"آئیے نا اندر چل کر بیٹھتے ہیں اب اتنی اہم بات یہاں کھڑے ہو کر تو ہونے سے رہی میں بیسٹ منٹ سے جائے گا کہہ دوں آپ چلیے۔" وہ اس کا ضبط آزماتی ہوئی کہہ کر آگے بڑھ گئی طارق شیرازی کے ڈرائنگ روم کی سمت اٹھتے ہوئے قدم اور مضبوط سینے کی دیواروں میں پھنسا ہوا دل بوجھل ہونے لگا۔

"آپ کچھ کہہ رہی تھیں۔" وہ دوبارہ اس کے سامنے آ کر بیٹھی تو طارق اپنا ضبط آخری حد تک آزما چکا تھا۔

"آپ بہت بے تاب ہو رہے ہیں سننے کو۔" وہ اس مسکراتی نگاہوں میں جھانک کر بہت شرارت سے مسکرائی طارق شیرازی کے لب آپس میں سختی سے پیوست ہو گئے۔ وہ سمجھ سکتا تھا آنے والے لمحات اس پر کسی درجہ سخت اور بھاری ثابت ہونے والے ہیں۔

"مجھے نہیں پتہ کہ آپ پریشے کے متعلق کیسے جذبات رکھتے ہیں مگر میں آپ سے ایک ریکوسٹ کرتی ہوں میجر پلیز اس کے احساسات کی پرواہ کیجیے صرف اس لیے ہی نہیں کہ آپ اس کی برسوں کی تلاش کا حاصل ہیں بلکہ اس لیے بھی کہ وہ اب آپ کو کھو کر زندہ نہیں رہ پائے گی۔" ہمیشہ کی بے فکر اور کھلنڈری نظر آنے والی سونیا اس وقت ایک یکسر بدلے ہوئے انداز میں اس کے سامنے تھی اور جو کچھ اس کے منہ سے نکلا تھا وہ طارق شیرازی کو شاکڈ کرنے کو کافی تھا مگر وہ خود کو سنبھال کر اٹھا تو سونیا نے بہت چونک کر اسے دیکھا تھا اور اس کی معمولی سے بڑھی ہوئی سنجیدگی سونیا کو عجیب سے خوف اور گھبراہٹ میں مبتلا کر گئی۔

"آ آپ۔۔۔۔ آپ نے کچھ کہا نہیں۔" وہ سٹپٹائی ہوئی اس کے پیچھے لپکی جو اسی سنجیدگی کے ساتھ جانے کے ارادے سمیت دروازے تک جا پہنچا تھا۔ طارق شیرازی رکا اور پلٹ کر اسے دیکھا اس کی نگاہوں کے اضطراب کو بڑھا اور گہرا سانس کھینچ کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور جب بولا تو ہی سنجیدگی اور متانت اس کے ایک ایک لفظ سے چھلکی تھی۔

"آئی ایم ساری مس سونیا! آپ نے میرے بارے میں غلط اندازہ قائم کیا میں آل ریڈی میرڈ ہوں اور شادی بھی اس سے ہی کی ہے جسے میں پسند کرتا تھا اب اس کے سوا کیا کہوں کہ میں پریشے صاحبہ کے جذبات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور مجھے ان سے ہمدردی ہے اینڈ ویٹ مس۔" اور اشتیاق و تجسس سے لبریز دل لیے دروازے کے باہر کھڑی ایک ایک حرف تمام گفتگو کا اپنے کانوں سے سنتی پریشے درانی کو لگا تھا جیسے اس کا دل پوری قوت سے اچھل کر سکڑا ہے اور دھڑکنا بھلا بیٹھا۔

"یہ کیا ہو گیا تھا ایکدم اچانک دنیا ختم ہو گئی۔ درانی ہاؤس کے در و دیوار پہ ایک زرد شام اپنی تمام تر حسرتوں سمیت اتر آئی اور اس زیاں کے احساس کو ذہنی طور پر قبول نہ کرتی پریشے درانی تیورا کر پورے قد سمیت گرتی چلی گئی۔

☆—☆—☆

اتنے چپ کیوں ہو رفیقانِ سفر کچھ تو کہو
درد سے چور ہوئے ہو کہ قرار آیا ہے
بھر گیا ہجر کا ہر زخم کہ جیسے ہار چلے
بجھ گیا شوق کہ پیغام نگار آیا ہے
نامرادی کی تھکن ہے کہ خمار شب وصل
جاں سلگتی ہے کہ چہروں پہ نکھار آیا ہے
کتنی اجڑی ہوئی رت ہے کہ سکوں ہے نہ جنوں
اتنی بے فیض ہوئی باد بہاری کیسے
نہ کہیں نوحہ جاں نہ کہیں نغمہ دل
کچھ تو بولو کہ شب درد گزاری کیسے
سر بریدہ تو ہو تو کیوں چاک گریبان والو
بازی راہ طلب جیت کے ہاری کیسے

درانی ہاؤس میں موت کا سناٹا طاری ہو چکا تھا پریشے درانی کو ہاسپٹل لے جایا گیا جہاں اسے پورے بیس گھنٹے بعد ہوش آیا اور یہ بیس گھنٹے سونیا سالار درانی کے ساتھ ساتھ طارق شیرازی نے بھی پل پل کے اضطراب میں بتائے تھے۔

پریشے درانی کو شدید قسم کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا اور ہوش میں آنے کے بعد وہ جس طرح بریگیڈیر سالار درانی سے لپٹ کر وحشت زدگی اور دیوانگی کی کیفیت میں دھاڑیں مار مار کے روئی تھی اس کی سسکیاں آہیں اور ہچکیاں طارق شیرازی کے دل کو درد کے ایک نئے مجرا میں لا کر چھوڑ چکی تھیں اس پر ستم یہ کہ جتنی مرتبہ بھی اس کی نگاہ ارادتاً یا غیر ارادی طور پر سونیا کی نگاہ سے ٹکرائی تھی اتنی مرتبہ وہ اس کی الزام دیتی نظروں سے آنکھیں چرا تا خفت و خجالت کا شکار ہوتا رہا تھا۔

"آئی ایم ساری شاید میری باتیں سن کر ہی ان کی زیادہ حالت خراب ہوئی مگر اتنی معمولی بات کا اتنا شدید ری ایکشن۔" اور اپنی بات کہہ چکنے کے بعد طارق شیرازی کو احساس ہوا تھا وہ اس پریشانی میں کیسی بے تکی بات کر چکا ہے اس پر سونیا کے الفاظ اور نگاہیں اسے مزید خجالت سے دوچار کر گئیں۔

"یہ معمولی بات آپ کے لیے ہو سکتی ہے میجر صاحب!! اس لڑکی کے لیے نہیں جس کو محض آپ کی ایک جھلک نے خود اسی سے چھین لیا تھا جو برسوں آپ کی تلاش میں ماری ماری پھرتی خود پر کھلنے والا خوشی کا ہر دروازہ بند کرتی آئی تھی جو استعمال جیسے خطرناک مرض کا شکار ہو گئی اس کی حساسیت اور شدتوں کا اندازہ آپ اس بات سے بھی لگا لیں کہ وہ کس درجہ حواس گنوا بیٹھی اس زیاں کے احساس کو سہتے ہوئے۔" سونیا نے تو گویا اسے آڑے ہاتھوں لیا پھر اس کے تسلسل سے بج اٹھنے والے موبائل فون کی سمت اشارہ کرتے ہوئے خاصے طنزیہ انداز میں بولی تھی۔

کال ریسیو کر لیں جناب آپ کی مسز آپ کی اس غیر حاضری کی وجہ سے خاصی ڈسٹرب ہو چکی ہوں گی۔"
طارق شیرازی مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی مجرمانہ شرمندگی میں مبتلا ہو گیا اور بالکل غیر شعوری طور پر اس نے موبائل کا سوئچ آف کر دیا ہاسپٹل کے خاموش پرسکون ماحول میں جو نامانوس سا شور اس گھنٹی نے برپا کیا تھا یکدم تھم گیا۔

"مجھے بالکل سمجھ نہیں آ رہی مجھے اس سچویشن میں اپنی پوزیشن کس طرح سے کلیئر کرنا چاہیے۔" وہ خاصا زیادہ پریشانی میں مبتلا ہو کر کہہ رہا تھا۔

سونیا نے ایک نظر اسے دیکھا صوفے سے اٹھ کر کاریڈور کے پار ہاسپٹل احاطے سے پرے گھاس کے

سرسبز قطعات پر گرتی بارش کی بوندوں کو تکنے لگی۔ تبھی بریگیڈیر سالار درانی آنکھوں کی نمی ہاتھ کی پشت سے پونچھتے ہوئے باہر آئے تھے۔ وہ تیزی سے ان کی سمت بڑھا۔

"سر اب کیسی ہیں مس پریشے!"

اور بریگیڈیر سالار درانی چونک گئے اور یوں بغور اسے دیکھا جیسے پہلی مرتبہ دیکھ رہے ہوں اور طارق شیرازی تمام تر اعتماد اسی ایک پل میں زائل ہوتا محسوس ہوا یہ آگاہی کے بعد کی نظر تھی اور اس ایک نگاہ میں کتنی بے بسی اور کتنا دکھ رچا تھا یہ وہ جان سکتا تھا۔

ہیجان اور جنوں کی کیفیت میں پریشے نے وہ سب ان پر عیاں کیا تھا جو حواسوں میں رہ کر کہنے کا تصور بھی محال تھا۔ ان کا سر اس کے سامنے جھک گیا اور وہ بے ربط سے بڑبڑانے لگے۔

"وہ ٹھیک نہیں ہے۔ میری بچی بالکل ٹھیک نہیں ہے۔ ڈاکٹر اس کی جانب سے تشویش میں مبتلا ہیں کچھ ٹیسٹ تجویز کیے گئے ہیں اس کے بعد ہی پتہ چل سکے گا۔"

وہ گھٹ گھٹ کر رو رہے تھے چھ فٹ لمبا مضبوط مرد بے بسی لاچاری کی انتہاؤں پر کھڑا آنسو بہا رہا تھا طارق شیرازی ششدر سا انہیں دیکھتا چلا گیا محبت کا یہ رخ اس قدر شدت سمیت پہلی بار اس کے سامنے تھا۔

"اس سے پہلے میری بیوی اور بیٹا بھی مرض میں مبتلا ہو کر اس دنیا سے منہ موڑ چکے ہیں اور اب ڈاکٹر پریشے کے متعلق بھی ایسے ہی خدشے کا اظہار کر رہا تھا مگر حتمی رائے وہ میڈیکل رپورٹ اور ٹیسٹ وغیرہ کے بعد ہی دے سکے گا۔" خوف وہ ہراس ان کے چہرے ہی نہیں آنکھوں سے بھی چھلک رہا تھا طارق کی آنکھ میں حیرانی در آئی۔

اور پھر خدشات سچ ثابت ہوئے ایک ہفتے بعد رپورٹس کا نتیجہ سامنے تھا کہ ہجر کا آکٹوپس نارسائی کے احساس سمیت اس کی رگ جاں میں گراپنے پنجے گاڑھ چکا تھا سالار درانی کو لگا تھا ڈاکٹر الفاظ نے ان کی روح ان کے وجود سے کھینچ لی ہے۔

کچھ ایسے اور گول بلڈ ریڈ Stone بھی ہے جو باہر تیز ہوائیں تھیں اور اندر بریگیڈیر سالار درانی کی وجود کی عمارت ریتلی دیوار کی طرح ڈھتی جا رہی تھی دکھ کرب اور مایوسی کا احساس ان کی آنکھوں کو دھندلاتا جا رہا تھا ڈاکٹر انہیں آپریشن اور اس بیماری کے متعلق مزید معلومات فراہم کر رہا تھا اور وہ سنا میں کسی طوفان کا پیش خیمہ محسوس کرتے ہر پل ہراساں ہوئے جا رہے تھے۔

☆......☆......☆

جب یار نے رخت سفر باندھا کب ضبط کا یارا اس دن تھا
ہر درد نے دل کو سہلایا کیا حال ہمارا اس دن تھا
جب خواب ہوئیں اس کی آنکھیں جب دھندلا اس کا چہرا
ہر اشک ستارہ اس شب تھا ہر زخم انگارہ اس دن تھا
سب یاروں کے ہوتے سوتے ہم کس کے گلے لگ کر روتے
کب گلیاں اپنی گلیاں تھیں کب شہر ہمارا اس دن تھا
جب تجھ سے ذرا غافل تیرے ہر یاد نے دل پر دستک دی
جب لب پہ تمہارا نام نہ تھا ہر دکھ نے پکارا اس دن تھا
اک تم ہی فراز نہ تھے تنہا اب کر تو بلاوہ جب آیا
اک بھیڑ لگی تھی مقتل میں ہر درد کا مارا اس دن تھا

سونیا کی آنکھیں بہت سرعت سے پانیوں سے چھلک گئیں تب اس نے ہونٹوں کو سختی سے بھینچا اور ڈائری بند کر دی اٹھی اور اس کے کمرے کی سمت آ گئی۔ دروازہ ادھ کھلا تھا اور کمرہ نیم تاریک بالکل کمرے والی کے نصیب کی

طرح۔ وہ آہستگی سے آگے بڑھ آئی پریشے تکیوں میں منہ دیئے سا کن لیٹی تھی۔ سونیا کو اس کے وجود کے اس سکتے نے وحشت کا شکار کیا تھا۔

''پریشے۔'' وہ اسے جھنجوڑ کر چیخی تو پریشے ایکدم سیدھی ہو بیٹھی۔ اس کے چہرے پر سرسوں کا رنگ جما ہوا تھا۔

''یہ سب آسان کہاں تھا ہجر بھوگنا آسان کہاں تھا پھر یہ تصور کہ وہ جسے ہر پل چاہا ہر پل سوچا وہ کس اور کا ہے کسی اور کے سنگ ہے دیوانگی کی سیڑھی پر پہلا قدم ہے پھر چاہے سانس تیز چلے یا مدھم یا چلے ہی نہ کیا فرق پڑتا ہے۔''

''سونیا کو پریشے کی ہی کہی بات یاد آئی جو اس نے چار دن کی جان ہوا خاموشی کے بعد اس کی منت سماجت کے بعد کہی تھی اور سونیا کو لگا تھا اس کا دل کسی نے چیر کر رکھ دیا ہو۔

''تم ایسا کچھ مت سوچو پری پلیز۔'' وہ گڑگڑائی تھی اور پریشے کے چہرے پر بے بسی پھیل گئی ایسی بے بسی جو صرف اس کے چہرے پر ہی نہیں دل اور آنکھوں پر بھی چھا گئی تھی جو اس کی ہر خوشی اور بے فکری کو چاٹ گئی تھی اور تب وہ اسے اپنے تصوارت بتانے لگی جنہیں جان کر سونیا پتھر کی ہونے لگی تھی۔

''پری۔'' وہ بے ساختہ سسکتی ہوئی اس سے لپٹ گئی تھی۔ جبکہ پریشے جیسے ہر احساس سے بے نیاز تھی ماسوائے ایک احساس زیاں کے۔

''وہ اس کے بغیر خود کو تنہا اور ادھورا محسوس کرتا ہوگا تبھی تو وہ جا کے اسے اپنے پاس لے آیا پاپا بتا رہے تھے تا کہ اس نے بالخصوص اپنی مسز کی خاطر رہائش کا مسئلہ اٹھایا تھا سونی اب وہ ماہ نور کے ساتھ ہے اور میجر عبداللہ کی مسز ان کی باتیں بتا دیں۔ وہ کہہ رہی تھیں طارق شیرازی محبت کے معاملے میں بہت شدت پسند واقع ہوا ہے اس نے خاندان کی مخالفت مول کر اس لڑکی اپنایا جو اس کی کزن تھی۔ سونی میں اسی لڑکی کو دیکھنا چاہوں گی جسے وہ مرتبہ ملا ہے جو مجھے دعاؤں اور التجاؤں کے بعد بھی نصیب نہیں ہو سکا۔'' کمال ضبط اپنایا تھا اس نے مگر اس کی آنکھوں میں نامرادی کا ماتم تھا وہاں نوحے تحریر ہو چکے تھے اور لبوں سے کراہیں لپٹ گئی تھیں۔ سونیا کو لگا اس وقت اس کے سامنے اس کی جانی پہچانی پریشے نہیں تھی وہ تو کوئی ایسی پگلی تھی جس میں ان گنت سوئیاں تھیں اور وہ بھٹی میں اترنے کو تیار تھی وہ تو کوئی جوگن تھی جو خود کو یکسر فراموش کیے پیا پیا پکارتی ہجر کے صحراؤں میں بھاگتی پھر رہی تھی۔

''جب بھی روح لا حاصل محبت کرتی ہے یہ دیوانے پن سے کیوں ہمکنار ہو جاتی کیا روح ہمیشہ لا حاصل راستوں پر ہی جانا پسند کرتی ہے کیا اس کے لیے دیوانگی کے علاوہ کوئی جائے پناہ نہیں۔'' وہ سوال کر رہی تھی اور سونیا کے پاس کوئی جواب ہی کہاں تھا اس نے تسلی دینے کو پریشے کا ہاتھ تھاما تو اس کے ہاتھ میں انگارے کی سی تپش اور گرمی تھی۔ وہ چونک گئی تھی۔

''تمہیں تو بخار ہے اور تم نے بتایا بھی نہیں۔'' وہ شاکی ہونے لگی پریشے کے لبوں پر زخمی مسکان بکھر گئی۔

''میرے اندر جو آگ ہے سونی! وہ باہر کی تپش کو محسوس نہیں ہونے دیتی۔'' وہ پھیکی سی ہنسی ہنسی۔

سونیا نے گہرے دکھ میں گھر کر اسے دیکھا جس کی آنکھیں ان چند دنوں میں ہی اندر کو دھنس گئی تھیں اس کے گالوں پر کھلے رہنے والے گلاب کتنی تیزی سے مرجھا رہے تھے اپنی مرجھاتے ہوئے گلاب سے رخساروں پر آنسو شبنمی قطروں کی طرح برسنے لگے ان آنسوؤں میں لاچاری تھی شکست خوردگی تھی۔ حسرتوں کی بے بسی تھی۔

''میں آدھی اس روز مر گئی تھی سونی جب وہ مجھ سے مل کر بچھڑ گیا اور میں ایک بار پھر اس روز آدھی پھر مر گئی۔ جب اس نے شادی کی پتہ نہیں کیوں میرا دل گواہی دینے لگا تھا۔ میں نے تمہیں بتایا تھا نا۔ مجھے اس کے دوبارہ ملنے پر وہ خوشی نہیں ہو پائی جو ہونا چاہیے تھی وہ میرا ہوتے کہاں آیا تھا میرے سامنے وہ تو کسی اور کا ہو کر میرے پاس آیا تھا۔''

''تمہیں ایسی باتیں کیونکر پتہ چل جاتی ہیں پری۔'' سونیا آنسو ضبط کرتی اس کا ہاتھ سہلا رہی تھی اسی دوران جانے کتنی مرتبہ اس کی سانس اکھڑی تھی اور سونیا نے ان ہیلر کے ذریعے سانس بحال کیا تھا مگر وہ اسے بولنے سے روک نہیں سکی شاید اس صورت دل کا غبار نکل جاتے اس نے کتنی بے دلی سے ایک ایسی بات سوچی تھی۔ جس کے نہ ہونے کا اسے خود بھی یقین تھا۔

''وجہ تو مجھے معلوم نہیں مگر پتہ چل جاتی ہیں۔'' پریشے نے تھکے تھکے انداز میں کہہ کر آنکھیں موند لیں۔

☆......☆......☆

''چپ کیوں ہو گئے دیجئے وضاحت! جب یہاں آپ کی دلچسپاں موجود ہیں تو پھر میں پوچھتی ہوں آپ کو میری زندگی برباد کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی بتایئے۔'' غصے اور ہیجان نے اس کی آواز کو بلند کر دیا تھا۔

''شٹ اپ موموا جسٹ شٹ اپ۔'' وہ بھینچے ہوئے لہجے میں ٹوک گیا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے جو تم سوچ رہی ہو۔ پریشے میرے آفیسر کی بیٹی ہے بیمار تھی پچھلے دنوں ہاسپٹلائزڈ تھی میں اس کی......''

''آپ اس کی دلداری کے لیے وہاں دن رات موجود ہے مجھے خود کو ہی نہیں گھر اور ڈیوٹی کو بھی بھلائے رکھا ہے نا۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر چیخی طارق شیرازی کو اس کے غصے اور نفرت جھلکاتی آنکھوں نے طیش نہیں دلایا بلکہ وہ اس کی جلن رقابت کو محسوس کرتا ایک بالکل نئے انوکھے احساس سے دوچار ہوا تھا۔ ماہ نور کا خالصتاً بیویوں والا یہ انداز اس کے اندر بھرپور طمانیت بری اور خوشی کے احساس کو جگا گیا تھا وہ آگے بڑھا اور بڑی طرح سے تملائی ہوئی ماہ نور کو شانوں سے تھام کر اپنے مقابل کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانک کر گویا ہوا تھا۔

''جیلسی فیل کر رہی ہو؟'' ماہ نور نے بھڑک کر اسے دیکھا اور ایک ہی جھٹکے سے اس کے ہاتھ ہٹا دیئے۔

''فضول بات مت کریں مائی فٹ میری جوتی کو بھی جیلسی فیل نہیں ہوئی سمجھے آپ! میں تو آپ سے یہ پوچھ رہی ہوں کہ اگر ایسی عیاشیاں آپ کی زندگی کا حصہ تھیں تو میرے ساتھ یہ گھٹیا حرکت کرنے کی کیا تک بنتی تھی۔'' طارق شیرازی کی سفید رنگی انگشت لفظ عیاشیوں پر ٹھٹک کر انگارہ ہوئی۔ اس نے لب بھینچ کر سگریٹ ایش ٹرے میں اچھال دیا۔

''جب تمہیں پرواہ ہی نہیں ہے تو پھر تمہیں میری کسی وضاحت کی بھی ضرورت نہیں ہونی چاہیے عیاشی کرنے والا یہ نہیں بتاتا تاہم سمجھ لو میں نے تمہیں بھی اپنی عیاشی فطرت کی بھینٹ چڑھا دیا ہے اور کسی اور کو بھی چڑھانے والا ہوں جو جیسا ہو رہا ہے ہونے دو۔

''آپ؟'' وہ چیخی تھی کہ طارق نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے اسے سرد نگاہوں سے دیکھا اور گویا خاموشی رہنے کا اشارہ کیا۔

''چلاؤ مت ماما اور جاؤ یہاں سے میں تمہاری ہر بات کا جواب کا پابند نہیں ہوں۔'' اس کی آواز اس کی نظروں سے بھی زیادہ سرد تھی۔ اس سے پہلے کہ ماہ نور اندر بھرتے اشتعال میں کچھ کہتی اس کا سیل فون گنگنانے لگا اور وہ اسے نظر انداز کرتا اس کی سمت متوجہ ہو گیا۔

''ہیلو۔ وسلام! کیسی ہیں آپ!'' وہ کتنا لاتعلق نظر آنے لگا تھا پل کے پل ہی ماہ نور نے اپنے اندر لاوا دہکتے محسوس کیے یہ کچھ فاصلے پر موجود چاکلیٹی کلر کے سیلپنگ گاؤن میں اپنی دراز قامت کے ساتھ بے حد خوبرو نظر آنے والا طارق شیرازی اس پل اسے نظر انداز کرتا اسے کیسے دیگر احساس میں مبتلا کر چکا ہے یہ ماہ نور نے لمحے کے ہزارویں حصے میں جانا اور آنکھوں میں اترنے والے آنسوؤں سمیت آہستگی سے پلٹ گئی۔

یہ سوچ کتنی ہرٹ کر دینے والی تھی کہ وہ اس کی موجودگی میں کسی یکسر غیر لڑکی سے اتنی تہذیب اتنی شائستگی سے بات کرتا ہوا اسے کیوں بھلا بیٹھا کہ وہ بھی وہیں ہے۔ اسے احساس تک نہ ہوا اور اس رقابت اس جلاپے میں جتلا

ہوتی چلی گئی جس سے آج سے پہلے تک یکسر انجان تھی۔

☆......☆......☆

مہندی سے لکھ دو ہاتھوں پر میرے میرے سنوریا کا نام

وہ کمرے میں کھڑکی کے سامنے بیٹھے تھے آنگن میں کھلنے والی کھڑکی کا ایک پٹ ادھ کھلا تھا اور اندر ڈھولک پر گاتی لڑکیوں کی آوازان کی کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ جس روز سے کی شادی کی تاریخ طے کی گئی تھی وہ اس روز گاؤں سے چلے گئے تھے اور آج آئے تھے انہوں نے جانا تھا دل جن راہوں پر جن کاموں پر آمادہ ہو نہ بھی ہو وہ بھی کرنے پڑتے ہیں زندگی کا اندازا تنا بھیانک تھا کہ قدم قدم پر آزمائش بن رہی تھی۔

"بھئی میں نے تو تمہاری کم عمر نازک اور پیاری سی بیوی کو اس لیے اسے پاس روک لیا تھا داؤد کہ تم بھاگ بھاگ کر یہاں آتے رہو مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹ ہو گیا تم تو جیسے جان چھڑا کر بھاگے۔" رافعہ آپا نے ان پر گرفت کی تھی۔ ان کی نگاہ نا چاہتے ہوتے بھی اٹھی تمکین کی خفا خفا سی صورت پر شرمندگی کے بھی سائے لرزاں نظر آتے تو لب بھینچ کر نگاہ کا زاویہ بدل ڈالا۔

"میں نے کوشش کی تھی مگر مصروفیت......"

"سب بہانے ہیں۔ کئی کہیں شہر میں بھی تو کوئی چکر نہیں چل رہا داؤد کچھ ذرا بتاؤ۔" آپا نے پہلی ان کی بات کاٹی پھر تمکین کو بھی شامل گفتگو کیا۔ پتہ نہیں انہیں کیوں اتنی شرارت سوجھ رہی تھی ایسے ہی ذو معنی فقروں اور معنی خیز شرارتوں سے جھنجھلاتے وہ جان چھڑا کر اپنے کمرے میں آ گئے مگر نیند اتنی مہربان ہوتی تو زندگی بھی کچھ سہل ہو جاتی وہ بستر پر تو لیٹ گئے مگر سوائے کروٹیں بدلنے کے اور کچھ نہ کر پائے نظریں خواہ مخواہ چھت کی ڈیزائننگ میں الجھتی رہیں تو جھلا کر اٹھ گئے سگریٹ سلگایا اور ایزی چیئر سنبھال لی۔ مگر جب تمکین بھی ان کے پیچھے ہی اندر چلی آئی تو محض وہ اس سے کترانے کو اٹھ کو ٹیرس کی بالکونی کا دروازہ کھول کر وہاں آ کر ریلنگ کے سہارے کھڑے ہو گئے۔

شہیر نے گھر تو بہت اچھا بنوا لیا تھا جالی دار دیوار کی منڈیر پہ ہاتھ رکھتے انہوں نے ایک لمحے کو اپنا ذہن بٹانا چاہا سردیوں کی نرم حرارت آ گئیں دھوپ نے نرمی و پیار سے انہیں چھوا گویا پیار کر لیا ہو مست ہوا نے ان کے بالوں کو بکھیر دیا انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے سامنے سڑک کا جائزہ لیا جہاں بنیادی مرکز صحت کی سرکاری عمارت دکھائی دے رہی تھی سڑک کے کنارے اس کا نیلے رنگ کا سائن بورڈ بھی نظر آ رہا تھا۔ سڑک کے پار کھیتوں کا سلسلہ پھیلا تھا جس میں مکئی اور کماد کی فصلیں لہلہا رہی تھیں۔ وہ یقیناً یونہی گم رہتے اگر جو انہیں اپنے پیچھے تمکین کی پکار نہ سنائی دیتی مگر جب وہ پھر بھی نظر انداز کیے۔ جیب سے نکال کر نیا سگریٹ سلگانے لگے تو تمکین خود بھی ان کے سلگاتے سگریٹ کی طرح سے سلگتی ان کے سامنے آ گئی۔

"آپ سوتے ہیں۔" ان کے مضمحل چہرے پر محض ایک نگاہ ڈال کر ہی وہ اپنا غصہ بھولنے لگی۔ دل جتنا بھی خفا ہوتا اس دشمن جاں سے مگر لاتعلق نہیں برت پاتا تھا۔ وہ جواب دینے کی بجائے اسے تکنے لگے گو کہ ان آنکھوں کا رنگ شوخ تھا نہ گہرائی لیے اس کے باوجود تمکین کے اندر ہلچل مچنے لگی اس کی نگاہیں جھک گئیں اور ایکدم سے اٹھنے والے ہوا کے شریر جھونکے نے اس کے کھلے بالوں کو مزید کھول کر بکھیر دیا۔

"چلیے اندر چلیں یہاں بہت ٹھنڈ ہے اور پھر آپ تو سفر سے تھکے ہوئے بھی آتے ہیں۔" وہ دوپٹے اور بالوں کو سنبھالتی اس پل کسی کو بھی اپنی خوبصورتی اور دلکشی کے ہمراہ اپنا اسیر کر سکتی تھی ماسوائے داؤد حسن خان کو جن کے اندر جذبوں پر اتنی برف گر چکی تھی کہ وہ اپنا احساس گم کر چکے تھے۔ انہوں نے نگاہ کا زاویہ بدلا اور پلٹ کر اندر آ گئے۔

سیاہ بادل آندھی کے ساتھ دیوانہ وار بھاگے چلے آ گئے اور آن واحد میں آسمان سیاہ پڑ گیا دیکھتے ہی دیکھتے موٹی موٹی بوندیں گریں اور موسلا دھار بارش کا روپ دھار گئی الگنی پر پڑے دھلے کپڑے یونہی پڑے رہ گئے۔ سکھ

چین کے پیلے پڑتے پتے ٹوٹ ٹوٹ کر صحن میں برسنے لگے۔ بادل زور سے گرج رہے تھے جب تمکین نے ٹیرس کی جانب کھلتا بالکونی کا دروازہ بند کیا اور انہیں دیکھا مگر وہ جیسے خود سے بھی غافل تھے تمکین کی نگاہ ان کی انگلیوں میں سلگتے سگریٹ پر جا رکی جو سلگ سلگ کر ختم ہونے کو تھا اس نے سرعت سے لپک کر سگریٹ ان کی انگلیوں کے درمیان سے نکالا اور کھڑکی سے باہر اچھال دیا۔

"خود سے اتنی غفلت خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔" اس کا انداز ناصحانہ تھا داؤد نے پہلے چونک کر پھر اچاٹ نظروں سے اسے دیکھا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر اسے حیران پریشان چھوڑتے کمرے سے نکلتے چلے گئے۔ برآمدے کو عبور کر کے سیڑھیاں اترنے کے بعد آنگن میں آتے ہی وہ گویا ایک دم جھٹکا کھا کر رکے تھے۔ بانہوں کے گھیرے میں گیلے سوکھے کپڑوں کا ڈھیروں سنبھالے شہرینہ اپنے دھیان میں دوڑ کر آنگن عبور کرتی ان سے ٹکراتے بچی تھی۔ انہیں روبرو پا کے اس کی آنکھیں پہلے بے تحاشا چمکیں۔

"کیوں آئے ہو اب؟ میری زندگی میں برپا تماشا دیکھنے۔" وہ ہونٹ سکوڑ کر پھنکاری اور داؤد کے اعصاب کشیدہ ہو گئے۔ وہ اس سے کترا کر سرعت سے نکلتے گئے تھے اور ان کے چوڑے مضبوط شانوں کو جلتی آنکھوں سے دیکھتی شہرینہ اس وقت بے اختیار ہنس پڑی تھی جب تمکین کو بھی اچھی خاصی عجلت میں بھاگ کر سیڑھیاں اترتے ان کے تعاقب میں جاتے دیکھا۔

"داؤد کہاں جا رہے ہیں رکیں تو پلیز!"

"اس نے جیسے شہرینہ کو دیکھا نہیں تھا۔ تمکین کی آواز پر ٹھٹک کر پلٹی اور حیران رہ گئی تو گویا یہ تمہاری بھی پہنچ سے باہر ہے؟ گڈ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔" وہ پاگلوں کی طرح سے ہنستی تمکین کو بھونچکا کر گئی۔

"واٹ یو مین آپ!"

"کچھ نہیں ڈیئر بس میرے دل میں آج ٹھنڈک پڑ گئی جو خوشی مجھے نہیں مل سکی وہ دنیا کی کسی بھی عورت کا نصیب نہیں بن سکی چھی ڈاماں ہو تم بھی ابھی تک؟" وہ اس کا چہرا اس کی آنکھیں کھوج رہی تھی اور تمکین یوں بوکھلا گئی جیسے سچ چرا ہے یہ کسی نے اسے بے پردہ کر ڈالا ہو۔ اس نے فق ہوتے چہرے سے شہرینہ کی فاتحانہ نظروں کو دیکھا اور پلٹ کر بھاگ گئی۔

☆......☆......☆

یہ اب جو موڑ آیا ہے۔
یہاں رک کر
کئی باتیں سمجھنے کی ضرورت ہے
سنا ہے ریگ صحرا کے سفر میں
راستے میں دو قدم بھٹکیں
تو منزل تک پہنچنے میں
کئی فرسنگ کی دوری نکلتی ہے
سو اب جو موڑ آیا ہے
یہاں رک کر
کئی باتوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے
یہ آپ کے لیے ہے۔ وہ اس کے چہرے پر پھیلی زاویوں کو ایک نظر دیکھتا ہوا تمکین خوبصورت ریپر میں لپٹا پیک اس کی جانب بڑھا کر بولا۔

"واٹ از دس۔" پریشے سنبھل کر بیٹھ گئی مگر کمبخت دل اسے روبرو پاتے ہی سینے کی کمزور دیواروں میں اچھل کود مچانے لگا تھا۔
"بکس ہیں آئی ایم شیور کہ آپ کو پسند آئیں گی۔" وہ اس کی عیادت کو ہی آیا تھا مگر اس پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا وہ جانتا تھا وہ کتنی خوددار ہے اس کی ہمدردی کو بھی پسند نہیں کرے گی اور وہ اس کے احساسات کو مجروح نہیں کر سکتا تھا۔
"تھینکس مگر میں اب کتابیں اتنے شوق سے نہیں پڑھتی۔" اس نے دانستہ نگاہ اٹھا کر دیکھنے سے گریز برتا کہ دل کے تقاضے اسے دیکھ کر کیسے خون رلانے لگتے تھے اور وہ اس سے اس کے ہر حق سے دستبردار ہوگئی تھی اور ایسا کرتے اس نے کتنی اذیت سہی تھی یہ کون جانتا تھا سوائے اس کے رب کے جو اس کے آنسوؤں سسکیوں آہوں کے ساتھ اضطراب اور بے کلی کا بھی گواہ تھا۔
"اب کیسی ہیں آپ؟" وہ کتنی گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا پریشے جلتی ہوئی شمع کی طرح سے پگھلنے لگی۔
"مجھے کیا ہوا تھا۔" وہ اس کے سامنے کمزور پڑنے سے ڈرتی جانتی تھی ذرا سی کمزوری اسے ایسا بکھیرے گی کہ پھر وہ کبھی خود کو جوڑ نہ پائے گی۔
"آپ کو سونیا کے بلانے پر بھی نہیں آنا چاہیے تھا وہ تو ہے ہی بیوقوف پتہ نہیں کیوں مجھے بیمار ثابت کرنے پر تلی ہوئی ہے۔" وہ اس کے کچھ جتا بھی نہیں رہی تھی اس کے باوجود وہ اتنا خفت زدہ ہوا کہ کئی ثانیوں کو کچھ بول نہیں پایا۔ یہ اس کی غفلت تھی یا دانستہ اپنایا گیا گریز کہ اس انکشاف کے بعد وہ پریشے کے سامنے سے بھی خائف ہو چکا تھا۔
"اگر سونیا نہ بھی کہتی تب بھی مجھے آنا تھا آپ میری دوست ہیں آپ کو خبر گیری میرا فرض بنتا ہے۔" وہ بڑی دقتوں سے مسکرایا جبکہ پریشے چونک گئی تھی۔
"دوست! مگر میں نے تو......"
"آپ نے نہ سہی مگر میں نے ضرور آپ کو دوست مانا ہے سمجھا ہے۔" وہ ابھی بھی مسکرا رہا تھا پریشے کی آنکھوں میں ہر دکھنے کے باوجود نمی بڑھنے لگی۔
"نہیں مجھے ان راستوں پر نہیں چلنا جن پر میرے لیے کچھ نہیں ہے۔" وہ مچلتے ہوئے دل کو جھڑک کر لب بھینچے بیٹھی تھی جبکہ طارق کی سوالیہ نگاہیں اسی پر فوکس تھیں۔
"آپ کو برا لگا کیا؟" پریشے نے چونک کر اسے دیکھا اور گہرے دکھ کو محسوس کرتی پھیکا سا مسکرائی۔
اس دنیا میں واحد انسان آپ ہیں جس کی کوئی نہیں بات مجھے بری نہیں لگ سکتی مگر آہ! تم ہی نہیں جانتے۔"
میری تربیت اس انداز میں نہیں ہوئی کہ مردوں کی دوست بننے کی آفر قبول کی جا سکے اور طارق ہنس پڑا تھا۔
"چلیں آپ مجھے اپنی سہیلی سمجھ لیں۔" اور پریشے کے اندر موجود دکھ رو پڑے میں نے تو تمہیں اپنا سب کچھ ہی سمجھا تھا مگر تم بہت جلد باز نکلے طارق شیرازی کاش آہ کاش تم میرا نصیب بن سکتے۔
وہ بے خیالی میں حسرت زدہ نگاہوں سے اسے تکنے لگی اور طارق شیرازی بے پناہ اعتماد کے باوجود کنفیوز ہونے لگا۔

باقی اگلے ماہ

میرے ساحر سے کہو

اُمِ مریم

اٹھارویں قسط کا خلاصہ

نگین داؤد حسن خاں کے روب جماؤ جیسے مزاج کی وجہ سے قدم قدم پہ ہرٹ ہوتی ہے۔ داؤد حسن خاں خون کے رشتوں کی محبت کے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو کر واپس گاؤں جانے پر آمادہ ہوتے ہیں مگر نگین سے اسی سرد رویے کے ساتھ بات کرتے ہیں جس سے طیش میں آکر نگین گاؤں جانے سے انکار کر دیتی ہے۔ شہر یار رائل کی ضدی اور زود رنج اور محبت کے سامنے پوری طرح ہار تسلیم کرنے کے بعد رائل کی گمشدگی سے پریشان ہے اور اسے دن رات ڈھونڈتا ہے۔

پرنیشے درانی کا بار بار سامنا طارق شیرازی سے ہوتا ہے مگر اسے ہر بار طارق سے مل کر ایک نارسائی کا احساس ہوا محسوس ہوتا ہے۔ جسے وہ کوئی بھی نام دینے سے گریزاں ہے۔ طارق شیرازی ماہ نور کو اپنے ساتھ اسلام آباد لے جانے کے لیے ایک دن کی چھٹی پر گھر آتا ہے تو گھر والوں کا ماہ نور سے رویہ دیکھ کر بہت دل برداشتہ ہوتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

انیسویں قسط

"سونیا کہاں ہیں؟" وہ پہلو بدل کر بولا تب پر یشے جیسے کسی گہرے خواب سے جاگ اٹھی اور صورتحال کو سمجھتے ہی خفیف نظر آنے لگی طارق نے اس کی خجالت کو محسوس کیا اور بات بدل دی۔

"موسم بہت اچھا ہو رہا ہے اور ایسے موسم میں مجھے ہمیشہ ہلکا پھلکا کچھ سننا بہت اچھا لگا کرتا ہے۔ آپ مجھے کچھ سنا ئیں گی؟ سونیا بتا رہی تھیں آپ کی آواز شاعری میں بہت اچھی ہے آئی مین لب و لہجہ بہت متاثر کن ہے مجھے بہت خوشی ہوگی پریشے اگر آپ مجھے بھی اس قابل سمجھیں۔"

وہ آج ایک انوکھی فرمائش کر رہا تھا اس لئے کہ وہ بھی تو جانتا تھا کہ یہ لڑکی موت سے چند فرلانگ کی دوری پہ ہے اور ایسے لوگوں سے تو ہر کوئی ہی ہمدردی کرتا ہے، وہ بھی اسے اسی ہمدردی سے نواز رہا تھا مگر اس کے باوجود پریشے کو برا نہ لگا نہ ہی وہ اس کی فرمائش ٹال سکی، اسے دیکھا اور خوشدلی سے مسکرائی۔

"چلیں ٹھیک ہے آپ بھی کیا یاد کریں گے۔" اس نے ایک حسرت و یاس زدہ نگاہ طارق شیرازی پہ ڈالی تھی۔

مانگے تو اگر جان بھی ہنس کر تجھے دے دیں
تیری تو کوئی بات بھی ٹالی نہیں جاتی

اور وہ بھی نظم اسے سنانے لگی جو اس نے سونیا کو یہ کہہ کر ادھوری چھوڑ دی تھی کہ اس میں نارسائی کا احساس ہے اور میں دل میں بہت سارے خوف اور خدشات رکھنے کے باوجود اس کا تصور بھی محال سمجھتی ہوں مگر اب جب آگہی کے درد ناک عذاب کے ہمراہ انہی الفاظ کو زبان پہ لے کر آئی تو اس کی آنکھوں کے ساتھ ساتھ آواز بھی بھیگنے لگی تھی۔

بہت اچھا بھی لگتا ہے
اچانک اس طرح دل کا دوبارہ مبتلا ہونا
محبت آشنا ہونا
مگر جب دیکھتی ہوں وقت کتنا جا چکا ہے
راستوں کی دھول رستوں اور سروں پر
کس طرح سے جم چکی ہے
اور ہم تم اپنی اپنی زندگی کے دو دائروں میں
اپنی اپنی گردشوں میں اس طرح الجھے ہوئے ہیں
جس طرح دشت فلک میں ساتھ چلتے دو ستارے
جو بظاہر پاس لگتے ہیں مگر ان کی مسافت میں
کروڑوں میل کی تنہائی کا دریا بھی ہوتا ہے
یہ دریا جو ہے
یہ ہم اس کنارے پر تم ہیں اس کنارے پر
سو بہتر ہے کہ ہم اپنے اپنے دائروں کے اس خلا میں گھومتے جائیں
ستاروں کی طرح اک ساتھ چمکیں اور دمکیں تو سہی لیکن
یہ اپنے بیچ جو فاصلوں کا سرخ دریا ہے
اسے تسلیم ہی کر لیں

وہ چپ ہوئی تو اس کی سانس اکھڑنے لگی اور پھر کھانسی کا بہت شدید حملہ ہوا تھا اس پہ اس کی آنکھوں سے جو بے تحاشا اور بے بہا آنسو بہہ رہے تھے ان میں اس کی بے بسی، نارسائی کا کرب اور حقیقت کی سفاکی کی کربناکی تھی طارق شیرازی جیسے وہاں ہوتے ہوئے بھی نہیں رہا تھا بس اچانک ایک احساس اس کے دل سے اٹھا تھا اور اسے جسم و جاں کو خس و خاشاک کرتا چلا گیا تھا، کیا دل شگاف احساس تھا یہ کہ یہ لڑکی محض اس کی وجہ سے اس حد تک تباہ و برباد ہو چکی تھی اور یہ احساس اتنا کربناک تھا اسقدر جان لیوا کہ وہ پریشے کی بگڑتی حالت کو بس ساکن خالی نظروں سے چپ چاپ بیٹھا دیکھتا رہا تھا، یہاں تک کہ اپنے دھیان میں مگن سونیا اندر آ گئی تھی اور اس کے لبوں کی وہ مسکان جو طارق کے لئے تھی پریشے پر نگاہ جاتے ہی لمحوں میں غائب ہو گئی وہ گھبرا کر بوکھلا کر پریشے کی طرف لپکی تھی اور سائیڈ ٹیبل پہ پڑا ان ہیلر اٹھا کر اس کا کیپ کا ڈھکن ہٹایا اور جھک کر پریشے کے منہ سے لگائے دوائی کا پف اس کے حلق تک پہنچانے لگی مگر اس کی سانس بحال نہ ہو سکی۔

"پری! کیا کر رہی ہو سانس کو اندر کھینچو، پلیز پریشے سانس کو اندر کی طرف کھینچو۔" سونیا کی یہ چیخوں سے مشابہہ آوازیں بھی طارق شیرازی کو سنائی نہیں دے رہی تھیں۔

ایک موہوم سی امید تھی مگر پریشے کے الفاظ اس کی حالت نے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جگنو کی مانند چمکنے والے اس خوشنما احساس کو بھی ختم کر ڈالا تھا وہ مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی خود کو مجرم محسوس کر رہا تھا اسے لگ رہا تھا کوئی تیز ترین ٹرین اس کے اوپر سے گزرتی چلی جا رہی ہے اس کا دماغ ابھی تک پریشے کی اکھڑتی بھیگتی آواز میں کھویا سا کہیں بھٹک رہا تھا۔

"میجر صاحب! طارق بھائی یہ دیکھئے پری کو کیا ہو گیا ہے۔ خدا کا واسطہ پلیز اسے کہیے آنکھیں تو کھولے۔" سونیا کی ہذیانی چیخوں پہ وہ ہڑبڑا کر چونکا اور صورتحال کی گھمبیرتا کا اندازہ کرتے ہی گویا بالکل ہی حواس باختہ ہو گیا، سونیا کے کانپتے ہاتھوں سے ان ہیلر لے کر وہ خود پریشے کی جانب آ گیا، ایک ہاتھ اس کے کھانس کھانس کر نڈھال ہو جانے والے ایک سائیڈ پہ ڈھلکے سر پہ رکھ کر دوسرے سے ان ہیلر اس کے ہونٹوں سے لگا کر کیپ دباتے ہوئے بوجھل لہجے میں بولا تھا۔

"سانس کو اندر کھینچو پریشے! پلیز سانس لو۔" اور پریشے کے نیم جان ہوتے اعصاب اس لمس مسیحا کو پہچان کر جیسے اس جانکنی کے عالم میں بھی چونک گئے بھلا اس حکم سے سرتابی کی تاب ہی کب تھی [illegible] وہ قوتوں کو اکٹھا کر لی اس کی ہدایت پہ عمل کرتی رہی اور دھیرے دھیرے سانسیں بحال ہو گئیں۔

آ گئی آپ کو مسیحائی
مرنے والوں کو مرحبا کہیے

نڈھال سانسیں کھینچتے ہوئے پریشے نے ایک نظر طارق شیرازی کے چہرے پہ ڈالی تھی اور ندامت زدہ انداز میں آنکھیں موند لیں جبکہ طارق کے اعصاب ہنوز ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھے وہ گرنے کے انداز میں صوفے پہ بیٹھ گیا۔

"ہائی گوڈنیس۔" وہ سر جھٹک رہا تھا۔

"انہیں اس طرح کا اٹیک کب ہوتا ہے؟" وہ خاصی دیر بعد سونیا سے مخاطب ہو پایا۔

"دن میں کسی بھی وقت اور کبھی کبھار تو لاتعداد مرتبہ مگر پچھلے کئی دنوں سے تو اسے دن میں کئی مرتبہ یہ اٹیک آنے لگا ہے، اگر میں کہوں تب سے جب سے اسے آپ کی شادی کے بارے میں آگاہی ہوئی ہے تو آپ برا محسوس کریں گے؟" وہ بہت مدھم آواز میں طارق سے بات کرتے ہوئے کمرے سے نکل آئی تھی، طارق شیرازی کے پیلے چہرے پہ تغیر بکھرا اور پھر اس کے لب باہم سختی سے بھینچ گئے تھے وہ سر جھکائے [illegible] دیکھ رہا تھا، سونیا نے ایک نظر اسے دیکھا تھا اور پھر گہرا سانس کھینچ کر دلگیر سی آواز میں مزید گویا ہوئی۔

"ڈاکٹرز نے اسی مہینے اس کا آپریشن تجویز کیا ہے، یہ جان لیوا مرحلہ ہم سب کے لئے پری سمیت بہت سارے خدشات وہم اور خوف لئے ہوئے ہے، ڈاکٹرز پرامید ہیں کہ اس آپریشن کے بعد پری کی زندگی کے باقی ماندہ دن سہولت سے کٹ جائیں گے مگر ہمارے لئے اسے اس تجربے سے گزارنا اتنا سہل نہیں ہے خوف اس کی راتوں کی نیندیں چرا چکا ہے۔" وہ آنکھوں میں آنسو لئے طارق کو دیکھے بغیر بول رہی تھی طارق پہ ایک سناٹا طاری تھا وہ جواب میں ایک حرف تسلی بھی زبان تک نہ لا سکا۔

"مسٹر شیرازی! کیا آپ کسی جاں بہ لب انسان کو ایک خوشی نہیں دے سکتے؟ میری اور انکل کی سب سے شدید خواہش یہی ہے کہ پری کی باقی ماندہ زندگی خوشی اور سکون سے گزر جائے۔" وہ آنکھوں میں آس لئے مگر بہت جھجکتے ہوئے انداز میں کہہ کر اسے دیکھنے لگی اور طارق شیرازی جیسے اس کی بات کو سمجھ کر بھی نا سمجھی کا تاثر دیتا اس پہ نظریں جمائے گیا تھا۔

"سوری میں سمجھ نہیں پایا؟" اور سونیا نے لبوں کو بہت سختی سے بھینچ لیا تھا، یہاں تک کہ طارق نے اس طویل خاموشی کو محسوس کر کے نظریں اٹھائی تھیں۔

"ہم بہت خوددار لوگ ہیں مگر جب وقت اور حالات نے اگر ہمیں آپ کے سامنے ہاتھ پھیلانے پہ مجبور کر دیا ہے تو پلیز اپنے رویئے سے ہمیں یہ احساس بے نیازی دے کر خود ہماری نظروں سے مت گرائیے۔" طارق نے جانا سامنے موجود لڑکی خوددار ہی نہیں ذہین اور پراعتماد بھی ہے اسے اپنی بات کہنے کا سلیقہ آتا ہے، وہ اپنے تجاہل اپنی چشم پوشی پہ بے حد خفت کا شکار ہو گیا۔

"آپ جانتے ہیں ہماری خواہش کیا ہے؟ جب سے انکل کو پری کی اس محبت کے بارے میں علم ہوا ہے وہ گویا دوہری اذیت کا شکار ہو گئے ہیں اگر پریشے کی یہ خواہش پوری نہ ہو پائی ساری زندگی کے پچھتاوا ان کے مجرم کی طرح انہیں عمر بھر اذیت میں مبتلا کئے رکھے گا کیا جائے گا آپ کا [illegible] یہ خوشی دے کر۔" وہ یہ کہتے ہوئے بلک اٹھی تھی ایک مجبور لاچار بے بسی کی انتہا پہ پہنچے ہوئے اس انسان کی طرح جس کے سارے اختیار کھو گئے ہوں اور طارق شیرازی کو لگا تھا جیسے زمین بہت آہستگی سے اس کے پیروں تلے سے کھسکتی جا رہی ہو۔

☆☆☆

قسم ہے جو تمہارے بعد کسی کا خواب دیکھا ہو
کسی کو تم نے چاہا ہو کسی کو ہم نے سوچا ہو
کسی کی آرزو کی ہو کسی کی جستجو کی ہو
کسی کی راہ دیکھی ہو کسی کا قرب مانگا ہو
کسی کو ساتھ رکھا ہو کسی کی آس رکھی ہو
کوئی امید باندھی ہو کوئی دل میں اتارا ہو

کوئی تم سے بھی پیارا ہو کوئی دل میں بسایا ہو
کوئی اپنا بنایا ہو کوئی، وفا ہو تو ہم نے اسے رو رو منایا ہو
دسمبر کی حسیں رت میں کسی کا ہجر جھیلا ہو
کسی کی یاد کا موسم پھر سے آنگن میں کھیلا ہو؟
کسی سے بات کرنی ہو کبھی یہ وقت ترسے ہوں
کسی کی بے وفائی پہ کبھی یہ نین برسے ہوں
کبھی راتوں کو اٹھ اٹھ کر تیرے دکھ میں نہ روئے ہوں
قسم لے لو تمہارے بعد ہم اک پل بھی سوئے ہوں
قسم لے لو کبھی جگنو کبھی تارہ کبھی مہتاب دیکھا ہو
قسم لے لو تمہارے بعد کسی کا خواب دیکھا ہو

بارش ایک تواتر سے برس رہی تھی اور وہ اس بارش میں بھیگتے خود سے بھی بے نیاز ہو کر چل رہے تھے سڑک کے اردگرد کھیت تھے جن میں کھڑے پانی میں بارش کا پانی بھی بھرتا جا رہا تھا، کبھی، وہ بھی ایک وقت تھا جب وہ انہی کھیتوں میں ننگے پاؤں گھس کر ڈھیروں ڈھیر گنے مٹھوں میں توڑ لایا کرتے تھے اور انہی سڑکوں پہ شہیر اور رابعہ کے ساتھ بارشوں کے موسم میں اونچا اونچا گانے کا شوق بڑے دل سے پورا کرتے تھے مگر اب سبزہ زمین بھی وہی تھیں اور گنے کے کھیت بھی اور بارش بھی مگر شوق سارے مر گئے تھے، بس تنہائی تھی اور درختوں سے چھنتی بارش اور لمبی سڑک جو بارش میں بھیگ کر دھل کر نکھر اور بھی گہری سرمئی رنگ اور [illegible] چلتے [illegible] آ گئے۔

جانے کس سے بھاگ رہے تھے حالات سے یا خود اپنے آپ سے وہ خود نہیں جانتے تھے باغ میں داخل ہوتے ہی لیموں کی ترش مہک پانیوں کی خوشبو کے ہمراہ ان کے ناک میں اپنا بھرپور احساس لئے تھے کئی لیموں کے چار پانچ جھنڈ کی شکل میں تھے رس سے لدے ہوئے بڑے موٹے لیموں جن پہ تیزی سے برستی بارش کے قطرے اچھلتے پھسلتے بہت دلربا منظر پیش کر رہے تھے انہوں نے سر اٹھایا بہت گہرے بادل تھے اور بہت تیز بارش جس سے پودوں کی نازک ٹہنیاں جھکی جا رہی تھیں گلابی پھول بیل سے ٹوٹ کر بارش کے ساتھ برس رہے تھے، وہ وہیں ایک درخت کے تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے تھکن زہر قاتل کی طرح قطرہ قطرہ اندر اتر رہی تھی، بارش من مرضی سے انہیں بھگو رہی تھی، ان کے بالکل سامنے ایک تیز رو نالہ بہہ رہا تھا جس کی سطح پہ بارش کی بوندوں کا رقص جاری تھا پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہتے پل ان کی توجہ کھینچنے میں ناکام رہے تھی خنکی اور تنہائی تھی یہ انسانی فطرت ہے وہ ہمیشہ ماضی کو سوچنا ماضی میں گم رہنا پسند کرتا ہے ایک وہ وقت تھا جب وہ یہاں آ کر اپنا بچپن سوچتے تھے مگر آج وہ یہاں اپنی نوجوانی کے بیتے انہی لمحوں کو سوچ رہے تھے، وقت خود آگے بڑھ کر اپنے پیچھے یادیں اور کسک چھوڑ جاتا ہے سمجھ دار تو وہی ہوا جو اس وقت کے صحیح استعمال کا طریقہ جان لے۔

انہوں نے چونک کر سر اونچا کیا ان سے کچھ فاصلے پہ گیلے کیچڑ سے کپڑوں پہ کیچڑ مٹی کے چھینٹوں کے داغ لئے شہیر اپنے نم بالوں کو اپنی پیشانی سے ہٹاتا ہوا عجیب سی نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا ان کے ہونٹ بے اختیار ہی باہم پیوست ہو گئے۔

"تمہیں ڈھونڈتے ہوئے یہاں تک پہنچا ہوں کہ جانتا تھا یہیں ملو گے، دیکھو کیا حال ہو رہا ہے۔" اب وہ لہجہ بدل کر دوستانہ انداز میں مخاطب تھا اشارہ اپنے کپڑوں کی جانب کیا تھا مگر داؤد حسن خان کی آنکھوں کی سلگن کم نہیں ہوئی جب وہ بولے تو بھی حدت ان کے لہجے میں بھی محسوس کی جا سکتی تھی۔

"تم میرے پیچھے کیوں آتے ہو شہیر؟" اور شہیر جیسے ان کی بات کی تہہ تک پہنچ کر ایکدم چپ سا ہو گیا پھر قدرے جھجک کر بولا۔

"معنی تمہیں خود کو کھوجنا ہے ڈونٹ وری۔"

"دنیا تمہیں کچھ نہیں ملے گا شہیر جو تم کھوج رہے ہو۔" ان کا لہجہ مزید بوجھل ہونے لگا تو شہیر جانے کیوں ہنس پڑا تھا۔

"اس او کے جو وہ زیاں کا حساب بعد کے لئے اٹھا رکھا ہے۔" وہ اب بھی انہیں نہیں دیکھ رہا تھا۔

"پلیز شہیر ٹرسٹ می اب کچھ بھی نہیں ہے زندگی کی تلخی کو ختم کر دو تم جانتے تھے میں یہاں کیوں آیا تھا۔" وہ جیسے بہت ضبط کرتے ہوئے بھی بکھر رہے تھے انہوں نے نیم تاریک فضا میں بغور شہیر کے چہرے کو دیکھ کر جیسے اس بات کا ردعمل دیکھنا چاہا مگر تیز بارش ان کی نظروں کے راستے کی دیوار بن کر حائل ہو گئی۔

"آؤ گھر چلتے ہیں۔" داؤد نے اس بات پہ اسے دیکھا تو جانا وہ بیلی شاخوں کے نیچے کھڑا بارش میں بھیگ رہا تھا جبکہ داؤد خود [illegible] تنے سے ٹیک لگائے سردی کی اس بارش سے محفوظ تھے، [illegible] آگے بڑھ آیا اور ان کی کلائی تھام لی۔

"تم ڈاکٹر ہو کر بھی یہ نہیں جان پائے کہ اس وقت بخار میں پھنک رہے ہو چلو واپس۔" وہ فکر مندی سے ڈانٹ کر بولا اور اسی وقت بادل بہت زور سے گرجے بجلی چمکی اور بارش کی رفتار کچھ اور بھی شدت پکڑ گئی، دونوں ایک دوسرے کے برابر ایک دوسرے سے گریزاں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

"میں نے کبھی بھی نہیں سوچا تھا دوبارہ اس قسم کے حالات سے نبرد آزما ہوں گا میں کہنا بھی نہیں چاہتا۔"

"مگر میں کہنے پہ مجبور ہوں، شہیر اگر تمہیں اس پہ اعتماد نہیں تھا تم اسے اچھی زندگی نہیں دے سکتے تھے تو تمہیں اسے اپنی زندگی میں شامل کرنے کا کوئی حق بھی نہیں تھا۔" وہ چلتے چلتے جیسے بہت نڈھال سے انداز میں راہ میں پڑی اس بنچ پہ بیٹھ گئے جس پہ مروا کی ٹہنیاں جھک آئی تھیں اور اب شدید بارش میں مسلسل سے ٹپک رہی تھیں ان کے عقب میں پھیلی پھلواری میں صد برگ کے سفید سرخ کناری والے ننھے منے پھول مسکراتے ہوئے جھومتے بارش سے بھیگتے خوشبو بکھیر رہے تھے۔

"تمہیں بخار ہے داؤد اور تم یہ لاپروائی برت رہے ہو۔" شہیر نے ان کی بات کے جواب میں وہ کہا تھا جس سے انہیں دلچسپی نہیں تھی انہوں نے ایک نئے کرب سے آشنا ہو کر شہیر کو دیکھا اور سر جھٹک کر لب بھینچ لئے۔

"کاش شہیر تم میری فکر میں ہلکان ہونے کی بجائے اپنی فکر کرتے تو بہت سی زندگیاں سنبھل بھی

"ہو سکتی تھیں۔" وہ جیسے بہت چڑ کر بولے تھے اور اٹھ کھڑے ہوئے، شہیر نے جیسے سکھ کا سانس بھرا تھا اور ان کے ساتھ قدم بڑھانے لگا۔

"مجھ سے غلطی ہوئی خیال ہی نہ رہا آتے ہوئے چھتری ہی لے آتا۔"

"تم سے یہ فضول باتیں نہ ہی کرو تو اچھا ہے۔" وہ جھنجھلائے اور ناراضگی کے اظہار کو اس سے دو قدم آگے ہو کر اکیلے چلنے لگے۔

"تم یہ سوچ کر کیوں ڈسٹرب ہو داؤد کہ ہمارے بیچ لازماً کوئی چپقلش ہے کم آن یار ہم خوش اور مطمئن ہیں ڈونٹ وری۔" وہ انہیں بہلا رہا تھا یا خود کو دھوکہ دے رہا تھا داؤد نے غصے سے اسے دیکھا اور سر جھٹک دیا۔

"اچھا!" وہ طنز سے ہنسے۔

"تو تم خوش ہو مگر مجھے کیوں نہیں لگتا۔"

"تم۔" شہیر نے دانت سختی سے ایک دوسرے پہ جمائے اور خود کو کچھ کہنے سے روکا پھر خاصی دیر بعد بولا۔

"میں جو کہنے جا رہا ہوں تم اس پہ یقین نہیں کرو گے۔"

"اگر تم سچ کہو گے تو سچ کو اپنا آپ منوانا آتا ہے۔" وہ اسے لاجواب کر گئے تو شہیر نے گہرا سانس کھینچا۔

"ٹھیک ہے تو پھر سنو جان من میں نے شہرینہ سے شادی واقعی اسے سبق سکھانے کی خاطر کی تھی، اس کی ہٹ دھرمی اور انا غرور اور نخوت کو توڑنے کی خاطر حالانکہ میں بھی جانتا ہے بیوقوف تھا کہ اس کا غرور تو تم ہی توڑ کر چاہیے تھے کسی مرد کا کسی عورت کو دھتکار دینا ہی اس کی سب سے بڑی توہین ہوا کرتی ہے میں نے اس کی یہ ناسلف دوسری مرتبہ کی داؤد مجھے اس پہ پوری دنیا کا غصہ تھا اس کا جرم کوئی چھوٹا جرم نہیں تھا اس نے مجھ سے میرا وہ دوست چھینا تھا جو صرف دوست نہیں تھا بھائی تھا عزیز تھا، ساتھی تھا میں نے اس پل پل اس کے اس جرم کی سزا دی مگر جیسے کہ نہیں دی، داؤد کمال یہ تو نہیں تھا ہاں داؤد کمال یہ ہوتا کہ اس کے دل سے میں تمہیں نکال دیتا وہ میرے بچوں کی ماں بھی بنی ہے داؤد مگر اس طرح کہ اس کے دل میں آج بھی میرے لئے کوئی جگہ نہیں حالانکہ میں انا اور نفرت کی اس جنگ میں جلد شکست کھا گیا تھا مردانگی کے اس زعم نے مجھے شکست بھی کرا ڈالا اور مجھے بہت دیر سے خبر ہوئی نفرت اور انا کے اس الاؤ میں کب محبت نے اپنا داؤ کھیلا اور فاتح ٹھہری مجھے خبر ہی نہ ہو پائی اور اس بے جواب میں، میں اس سے محبت کا طلبگار ہوا تب مجھے احساس ہوا دیوانے کا وہ خواب ہے جسے کبھی پورا نہیں ہونا، داؤد وہ تم سے محبت کرتی تھی تم یقین کرو گے میں اس بات کو جان کر بھی کبھی رقابت کے جذبے سے دوچار نہیں ہوا تم سے محبت کا یہ کون سا انداز یا رنگ تھا اتنا انوکھا کہ میں اسے سمجھنے سے قاصر رہا ہوں، شاید اس کی ایک وجہ یہ رہی ہو کہ شہرینہ کا جو جذبہ یکطرفہ تھا یا اس کی کوئی اور وجہ ہو بہر حال میں اس کی سائیکی سمجھنے سے قاصر رہا ہوں مگر مجھے اس بات سے ذرا برابر بھی تکلیف نہیں کہ وہ تم سے محبت کرتی ہے میں اس بات پہ مطمئن ہوں کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے جسے میں نے دیوانوں کی طرح سے چاہا ہے۔" وہ کہہ رہا تھا اور اسے سنتے داؤد حسن خان جیسے پتھر کے ہو گئے تھے۔

☆☆☆

وہ گھر لوٹا تو بہت نڈھال ہو رہا تھا اسے یوں لگ رہا تھا گویا درانی ہاؤس سے یہاں تک کا سفر اس نے کانٹوں پہ چل کر طے کیا ہو، پاؤں ہی نہیں اس کا تو دل بھی لہولہان ہو گیا تھا یہ حیات بھی انسان کو بھی کبھار کیسا امتحان میں ڈال دیتی ہے۔

آسمان پہ گہرے بادل تھے جو اس بات کی سمت اشارہ کر رہے تھے کہ مینہ برسنے والا ہے ساری رات اضطراب میں ہی گزری تھی، اول تو سو نہیں پایا اگر پل دو پل کو آنکھ لگی تو ڈراؤنے خواب نظر آنے لگتے، صبح وہ خلاف معمول بہت دیر سے اٹھا تو سر بے حد بھاری ہو رہا تھا اور دکھتی پیشانی رات کے ذہنی خلفشار کی بدولت حدت سے جل رہی تھی۔

اس نے اٹھ کر کھڑکی کھول کر چند گہرے گہرے سانس لئے یہ کھڑکی اس سرکاری رہائش گاہ کی طرف کھلتی تھی، باہر کا منظر ہی اور تھا، دور جنگلوں کی طرف جانے والی سڑک دھل کر گہری سیاہ اور چمکدار ہو رہی تھی جگہ جگہ ٹھہرے بادل رات بھر برس کر بھی آسمان پہ ڈیرے جمائے ہوئے تھے اور گویا مزید برسنے کا ارادہ تھا مروح بستگی کا احساس لئے بھیگی ہوائیں اسے چھو کر گزرتی رہیں مگر وہ یونہی ساکن رہا یہاں تک کہ اس کی ٹانگوں نے مزید اس کے وجود کا بوجھ سہنے سے انکار کیا تو وہاں سے ہٹ کر بیڈ پہ گر لیٹ گیا اور کھڑکیوں پر ادھر ادھر پھیلے بارش کے قطروں کو ادھر ادھر بھٹکتا رہا، اس کا چین و قرار تو سوتے کی راتوں اور پریشے کے چہرے کی زردیوں اور آنکھوں کی ویرانیوں نے لوٹ لیا تھا، وہ ایک بار پھر اٹھ کر مضطربانہ انداز میں چلتا ہوا کھڑکی کے سامنے آن رکا۔

"کیا کروں میں؟ ان کی بات مان لوں اور ماما؟ جو مجھ سے پہلے ہی بدگمان ہیں کیا اسے مزید خود سے بدگمان کر دوں اور اگر صرف ماما کا خیال کروں پھر (جس نے آج تک میرا بھی خیال نہیں کیا میری محبت اور [illegible] جواب میں مجھے صرف بے زاری نفرت اور بے سکوتی سے ہی نوازا) تو آپ ایسی لڑکی کو اس کی زندگی کی اس خوشی سے محروم کر دوں جس کی چاہ تمنا اور آس ہی وہ بچیز کے تحت اپنی بات کر یہاں تک پہنچی ہے۔"

"اور پھر میں میرا کیا قصور بھلا؟ مجھے کیا ماہ نور سے محض بے زاری اکتاہٹ یا پھر طنز و طعنے۔" معاً وہ ٹھٹھک گیا۔

"یہ میں کیا سوچ رہا ہوں؟" اسے اپنی سوچوں سے بھی خوف محسوس ہونے لگا۔

"یہ مجھے کیا ہو رہا ہے، میں کمزور پڑ رہا ہوں؟"

یہ ماحول کی خنک بستگی تھی کہ اندر کی ملامت کہ اس کے وجود میں کپکپاہٹ دوڑ گئی اس نے گھبرا کر ایکدم کھڑکی بند کر دی مگر اسی کھڑکی کے شیشوں میں اپنا عکس عجیب و غریب دکھائی دیا تو جلدی سے پردے برابر کر دیئے بستر پہ لیٹا اور سر سے پاؤں تک کمبل اوڑھ کر سونے کی کوشش کرنے لگا کب غنودگی طاری ہوئی سمجھ پتہ نہیں چلا وہ اس وقت ہڑبڑایا تھا جب ماہ نور نے آ کر اس کے اوپر تنا ہوا کمبل کھینچا۔

"ابھی تک کیوں سو رہے ہیں؟"

"ک.....کون......کون ہو تم؟" وہ سرخ سرخ آنکھیں نکال کر اس وحشت سے چلایا کہ ماہ نور ڈر کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی، پہلے تو اس لب و لہجے کی تبدیلی پہ دل ٹوٹا پھر آنکھیں لبالب پانیوں سے بھر گئیں اس نے بھلا کب اس طرح بات کی تھی مگر اگلا لمحہ تپش و نخوت کے ساتھ آیا تھا۔

"ماما کا فون ہے تمہارے لئے مجھے بھی تم سے بات کرنے کا اتنا شوق نہیں پڑا ہوا جا کے تو

اپنے سے بات کر لیتے۔" سیل فون اس کے بستر پہ پھینک کر وہ خود تنتناتی ہوئی باہر چلی گئی، کتنی احمق تھی تم بھی سب بےوقوف کر خود اپنے ہاتھوں اپنے لئے گڑھا کھود رہی تھی اور باخوشی اس میں گرنے کو تیار بھی وہ وہیں آکر صوفے پہ بیٹھ گئی طارق کا یہ عجیب و غریب رویہ اسے اتنا ہرٹ کر رہا تھا کہ نہیں اب پتہ نہیں کونسا احساس تھا جو بے چین کر رہا تھا شاید ان کا عزت نفس کا اور بس۔

ہے یہ بھی سچ کہ تیرے سامنے مجھے بہ رہوں
کوئی رنگی کوئی کام بھی نہ یاد آیا
یہ جھوٹ بھی نہیں ہے جو تجھ کو کل دیکھا
تو کتنی دیر تیرا نام بھی نہ یاد آیا

وہ جانے کتنی دیر اسی شعر کی تفسیر بنی ملول ہوتی رہی اور پھر چونک گئی یہ سوچ کر کیوں پریشان ہو رہی ہوں اس نے خود سے سوال کیا اور ششدر سی ہو کر گالوں پہ نمی کو محسوس کیا اور جو جواب ملا تھا وہ بے حد واضح تھا مگر وہ ہمیشہ کی طرح گریزاں رہنا چاہتی تھی۔

☆☆☆

تم میرے پاس رہو
میرے قاتل میرے دلدار میرے پاس رہو
جس گھڑی رات چلے آسمانوں کا لہو پی کے سیاہ رات چلے
بین کرتی ہوئی ہنستی ہوئی گاتی نکلے
درد کی کاسنی پازیب بجاتی نکلے
پھر یہ آنسو مچلے تو منائے نہ منے
جب کوئی بات بنائے نہ بنے
جس گھڑی ماتمی سنسان سیاہ رات چلے
تم میرے پاس رہو
میرے قاتل میرے دلدار میرے ساتھ رہو

موبائل پہ متواتر سے ہونے والی بیل نے خاموشی میں خلل ڈالا، خاموشی جو ریشمی پردوں جیسے بڑے سے گرینڈ کے گلدانوں، کھڑکی کے دریچوں اور بیڈ روم کے کونے کھدروں میں چھپی بیٹھی تھی، اس نے ہاتھ بڑھا کر سیل فون اٹھایا اور نمبر پہ نظر ڈالے بغیر ہی کال ریسیو کی۔
"ہیلو السلام و علیکم!" بھاری بیس والی گمبھیر مردانہ دلکش آواز اس کی سماعتوں میں اتری اور تمام حواس بیدار کر گئی۔
"وعلیکم السلام!" وہ ایک خوشگوار احساس سمیت تکیوں کے سہارے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔
"کیسی ہیں آپ پریشے؟"
"آ... آپ نے مجھے کیسے پہچانا؟" اس کا دل اچانک بہت خوبصورت لے پر دھڑک اٹھا۔
"جیسے آپ نے مجھے پہچانا۔" وہ ہنس رہا تھا اور پریشے کے چہرے پہ بہار رت کی پہلی کلی کی طرح کھل اٹھنے والی مسکان یکدم ماند پڑ گئی۔
"مجھے خود سے کمپیئر مت کریں طارق شیرازی آپ تو محبت کی ان راہگزاروں سے بہرے

سے انجان رہے جنہیں میں تن تنہا طے کر آئی۔"
"پریشے مجھے آپ سے کچھ کام تھا آپ مائنڈ نہ کریں تو آپ سے ملنے آ جاؤں؟" گلا کھنکار کر درمیان میں حائل ہو جانے والے خاموشی کے پردے کو چاک کرتا ہوا بڑے مہذب اور محتاط لہجے میں پوچھنے لگا پریشے نے گہرا سانس کھینچا۔
"آپ تو اس وقت آن ڈیوٹی ہوتے ہیں؟"
"نہیں آج میں گھر پہ ہی ہوں اصل میں کچھ طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔"
"کیوں کیا ہوا؟ رات بارش میں تو نہیں بھیگے آپ؟" وہ یکدم سے متفکر ہو کر سوال پہ سوال کرنے لگی تھی تشویش تھی اس کے انداز میں لب و لہجے میں طارق کے لئے اور طارق کو اس گھبراہٹ زدہ تشویش اس اپنائیت نے کتنا دلربا سا احساس بخشا تھا کہ اس کے سنجیدہ دلکش سے چہرے پہ مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔
"یہ سچ ہے کوئی جذبہ کوئی احساس چاہے کتنا ہی خالص ہو جواب مانگتا ہے اور جب ایسا نہیں ہوتا تو ہر وہ جذبہ جو کتنا ہی مضبوطی اور شدت لئے ہو بالآخر اپنی موت آپ مر جاتا ہے، یادوں کے معاملے میں بھی ایسا ہی ہوا تھا طارق شیرازی کی منتظر آس بالآخر تھکن کے احساس سے چور ہو کر کسی اور سمت اپنی توجہ مبذول کر رہی تھی، یہ ہمدردی کا احساس ہی تھا یا اس میں کوئی اور بھی جذبہ چھپا رہا تھا فی الوقت طارق شیرازی یہ بات خود بھی نہیں جانتا تھا البتہ یہ ضرور تھا کہ پریشے اپنے لہجہ اطوار مزاج کی متانت وقار اور طبیعت شیریں ادا اور سمیت اسے پہلی نگاہ سے ہی متاثر کر گئی تھی۔
"آپ بس رہنے دیجئے مجھے پریشان کرنے۔" وہ اچھے خاصے آف موڈ کے ساتھ بولی۔
"ہاں بس رہا ہوں بلکہ خوش ہو رہا ہوں بھئی مجھے آپ کا اپنے لئے پریشان ہونا اچھا جو لگ رہا ہے۔" جواباً وہ بے حد مزے سے مگر بھرپور سچائی سے بولا اور پریشے یکدم خفت زدہ سی ہو کر سلسلہ منقطع کر گئی اسے پتہ تھا اب وہ ضرور آئے گا تبھی اس نے بستر چھوڑ دیا اپنے لباس پہ نگاہ ڈالی جو شکنوں سے بھرا ہوا تھا، واش روم جا کے پہلے منہ ہاتھ دھویا پھر وارڈروب سے آف وائٹ چکن کے جوڑے کا سوٹ نکال کر پہنا اور بالوں میں برش چلا کر کیچر میں جکڑ لیا اور خود کھڑکی کے سامنے آن رکی، کھڑکی کے پار نظر آتے آسمان پہ بادلوں کے بیچ کہیں کہیں کچھ چھوٹے بڑے ٹکڑے نارنجی انگاروں کی مانند دہکتے ہوئے نظر آ رہے تھے وہ کچھ دیر خاموش کھڑکی پہ منظر دیکھتی رہی یہاں تک کہ گیٹ کے باہر کوئی جیپ کا ہارن سنائی دیا وہ ذرا سا چونکی اور پھر مسکراتے ہوئے کھڑکی سے ہٹ کر نیچے چل پڑی۔
طارق شیرازی کی جیپ پورچ میں آن رکی تھی بلیو جینز پہ اسکائی بلیو شرٹ اور براؤن لیدر جیکٹ میں وہ اپنی منصب کی مردانہ وجاہتوں کے ہمراہ جیپ کا دروازہ کھول کر اترتا ہوا اتنا شاندار اتنا مکمل نظر آ رہا تھا کہ پریشے بے اختیار اسے یک ٹک دیکھتی چلی گئی۔
"ہائے۔" اس نے وہیں سے اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا تو پریشے چونکتے ہوئے اپنی محویت پہ جھینپ گئی۔
"سوری میں آپ کو بتانا بھول گئی آپ کی دوست تو پاپا کے ساتھ کسی ضروری کام سے گئی

ہے۔" وہ نزدیک آیا تو وہ اس سے نظریں ملائے بغیر گھبرائی سی بولی طارق شیرازی نے بس خاموش نظروں سے پھر سے اسی خول میں سمٹی اس انا پرور لڑکی کو دیکھا تھا اسی وہ غرور میں بھی گیا مگر بچپن کی ضد کے ساتھ پریشے کی انا مگر اس لئے اسے اچھی لگی کہ خود کو وہ اس پہ عیاں کرنا تک نہ چاہتی تھی۔

"ڈونٹ وری ویسے بھی میں آپ سے ہی ملنے آیا ہوں آپ سے کوئی ضروری بات کرنا ہے۔"

دونوں بازو سینے پہ لپیٹے وہ اسے سامنے کھڑا بھرپور توجہ سے اسے دیکھ رہا تھا، آف وائیٹ دوپٹہ کاندھوں پہ پھیلائے تیمن کلر کا میٹ کا اونی اسکارف سر پہ لپیٹے وہ کتنی مقدس سی انوکھی اور بلا کی باطہر آ رہی تھی ایک ایسا راز جسے جاننے کو دل مچل اٹھے۔

"کیا بات؟" پریشے بری طرح سے چونکی۔

"آپ نے ابھی کہا پریشے کہ میری دوست یہاں نہیں ہیں، پریشے اگر میں کہوں کہ میں آپ سے دوستی کا خواہاں ہوں تو؟" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا پریشے نے فی الفور نظریں جھکا لیں۔

"تو میں کہوں گی اس بات کا جواب میں آپ کو دے چکی ہوں۔" طارق بے ساختہ مسکرایا اور بہت گہری دلچسپ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے گمبھیر آواز میں بولا تھا۔

"اور اگر میں یہ کہوں کہ میں آپ سے محبت کرنا چاہتا ہوں تو؟" اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی تھی تو پریشے کا رنگ فق ہو گیا اسے طارق سے اس بات کی توقع نہیں تھی۔

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ کیا آپ میرا مذاق اڑانے کی کوشش کر رہے ہیں۔" اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں لمحے کے ہزاروں حصے میں کیا کچھ تھا، پھر ہاتھ رکھ کر وہ گھبرائے ہوئے انداز میں دو قدم پیچھے ہٹی اور یوں گہرے گہرے سانس کھینچنے لگی، جیسے سانس لینے میں دقت کا سامنا ہو طارق اس کی حالت سے گھبرا گیا۔

"ریلیکس پلیز پری ٹیک اٹ ایزی، پلیز پلیز مجھے غلط مت سمجھئے۔" وہ بوکھلا کر وضاحتیں دیتا قریب آیا تو پریشے نے ہاتھ اٹھا کر بے اختیار یہ فاصلہ برقرار رکھا۔

"آپ جانتے ہیں آپ کتنی سنگین بات کہہ چکے ہیں؟" وہ کس طرح بھی آواز کو بھرانے سے نہیں روک پائی اس کا دل پھٹنے لگا یہ وہ لمحے تھے جنہیں اس نے بار بار رب سے التجا کر کے مانگا تھا مگر... لیکن اب کا نصیب ہوئے تھے تو درمیان میں کتنی اذیت انگیز حقیقت بھی آن ٹھہری تھی جس سے فرار چاہ کر بھی ممکن نہیں تھا اپنی من پسند شخصیت سے من پسند جملے سن کر بھی وہ خوش نہیں ہو پائی تھی جلا اذیت نا کہ ہونی نے اسے دردوں الماتی صحراؤں میں بھٹکا ڈالا تھا کئی لمحے یونہی چپ چاپ سرک گئے ایک ان دیکھی اذیت ناک خاموشی دواؤں کی ہلکی مہک ان کے درمیان ٹھہری رہی، جس میں دونوں نفوس اپنی اپنی جگہ اذیت محسوس کرتے رہے۔

پریشے کا دل مضطرب و بے کل تھا وہ اپنے جذبوں کی سچائی اور صداقت کے تناسب میں الجھی تھی حالانکہ اس کھیل میں ہار جیت کا مارجن کہاں دیکھا جاتا ہے مگر پھر بھی اس محبت نے اسے تو نہیں کا بھی رہنے نہیں دیا تھا اس کی سادگی اور خودداری کو جانے کیا کچھ رہ گیا تھا تو بس ایک اجڑا ہوا سسکتا ہوا دل۔

"پریشے پلیز اگر آپ یقین کر لو تو مجھے آپ کے یہ آنسو بہت تکلیف دے رہے ہیں۔"

پریشے نے جل تھل ہوتی آنکھوں سے دیکھا وہ مضطرب سا اسے ہی دیکھ رہا تھا چہرے پہ سنجیدگی کے رنگ تھے لب بھینچ کر سسکیوں پہ قابو پاتی وہ حسرت و یاس لئے اسے دیکھنے لگی، وہ حالانکہ وہ کبھی بھی اس سے نظریں چار نہیں کیا کرتی تھی مگر اس وقت طارق کی نظروں کو محسوس کر کے بھی اس نے پلکیں نہیں جھکائی تھیں کیا تھا ان آنکھوں میں؟ من کی پیاس، بیتا انتظار، اداس شاموں کی تنہائی، بے کیف صبح کی بے کلی تنہا راتوں کے وحشت انگیز رتجگے جو اسی ایک شخص کی یادوں کی چادر اوڑھ کر آنکھوں میں ٹھہر گئے تھے۔

ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں یا پھر درد لاانتہا ہی جو اس کی نارسائی نے اسے ودیعت کیا تھا۔

کیا کیا شمار کرتا وہ اور کیا کیا بتا سکتی تھی وہ۔

وہ ٹھہر گیا بار سا گیا تو نظریں چرا لیں۔

"پلیز پریشے پلیز یوں خاموشی اور آنسوؤں کی زبان میں شکایتیں مت کریں مجھ سے، مان لیا کہ آپ کا گنہگار ہوں مگر اس طرح سے مت دیکھیں مجھے کہ عمر بھر خود کو معاف ہی نہ کر سکوں۔" وہ تھکی تھکی سی آواز میں بولتا مضطرب سا ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔

پریشے کی آنکھوں میں جمی کہر کرچ کرچ کر ٹوٹی اور وہ تڑپ تڑپ کر روئی اپنی بلند ہو جانے کو مچلتی چیخوں کا گلا گھونٹتی حال سے بے حال ہوتی رہی۔

"پلیز پریشے بس کریں مجھے آپ کو یوں روتے ہوئے دیکھنا اور بھی محال ہے کہ ان آنسوؤں کو صاف کرنے کا کوئی حق مجھے حاصل نہیں۔" وہ اتنی بے بسی اتنی لاچاری سے بولا تھا کہ پریشے متحیر سی اسے دیکھنے لگی پھر سے بہلانے کو کچھ کہنے سے رک گئی۔ وہ بے ساختہ مسکرایا پھر جیسے چونکتے ہوئے جیکٹ کی جیب ٹٹول کر بولا تھا۔

"ارے ہاں مجھے یاد آیا میں تو آپ کے لئے کچھ لایا تھا، سنا ہے حیدر آباد کی چوڑیاں بہت مشہور ہیں۔" پریشے نے مختصر مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔

"یہ تو یہ اور مشہور ہو جائیں گی اگر آپ انہیں اپنی کلائی کی زینت بنا لیں گی تو؟" وہ ایک خوبصورت ریپنگ میں لپٹا ہوا چوڑیوں کا سیٹ اس کی جانب بڑھا کر بولا۔

"کیا لگتی میں کوئی ماڈل ہوں؟" پریشے نے منہ بنا کر برا منا لیا تو طارق شیرازی بے اختیار ہنستا چلا گیا تھا۔

"چوڑیاں ایسے نہیں کہتے ہیں یہ اور خوبصورت لگیں گی اگر یہ آپ پہنیں گی اب ٹھیک ہے؟" وہ مسکراہٹ ضبط کرتا شرارتی نظروں سے اسے دیکھنے لگا اور وہ چپ کی چپ رہ گئی۔

"پریشے!" وہ اسے گم صم دیکھ کر پکارا پریشے نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا اور آہ بھر کے سر جھکا لیا پھر خاصی دیر بعد بولی تھی۔

"پلیز آپ کو یہ چوڑیاں مجھے نہیں......"

"اپنی سزا تو دینی چاہیے...... پریشے پلیز اب یہ مت کہہ دیجئے گا۔" طارق نے اس کی بات چپ لی تھی اور پھر نرمی سے جھنجلا کر بولا تھا۔

"مجھے خود بہتر پتہ ہے مجھے کس وقت کیا کرنا چاہیے۔" پریشے کچھ دیر لب کچل کر کچھ سوچتی رہی پھر گہرا سانس کھینچ کر اس کا بڑھایا ہوا پیکٹ تھام لیا۔

"جی نہیں میں یہ نہیں کہوں گی ماشاءاللہ آپ سمجھدار ہیں۔" وہ رخ پھیر کر چوڑیاں دیکھنے لگی چہرے پہ ایسی جگمگاہٹ تھی کہ جس کے سامنے اگر کوہ نور بھی آ جاتا تو وہ بات نہ بنتی طارق اسے حیرانی بھرے چہرے سے دیکھتا چلا گیا اور پھر سنبھل کر مسکرایا۔

"تھینکس فار دی آنر۔" اور ریشے نے ایک بوجھل سانس فضا کے سپرد کیا تھا اس نے یہ تھینکس طارق کو نہیں اپنے رب کو ادا کرنا تھا یقیناً اس کی زندگی کا سب سے قیمتی لمحہ تھا خوش حال بھی ہوتا اگر جو حالات اس نہج پہ نہ آ چکے ہوتے مگر اب دل بوجھل تھا اتنی انمول خوشی کو پا کے بھی۔

"آؤ محبت کرتے ہیں۔" ایک بوجھل سرگوشی اس کے آس پاس بکھری اور دھنک رنگ چوڑیوں کو چھو کر محسوس کرتی پہ بیٹھے تھکتے ہی آتی پسینے کے قطرے اس کی اجلی پیشانی پہ چمکے اور اس سے سر اٹھا کر طارق کو دیکھنا دشوار ہو گیا، وہ گھبرا کر ایکدم جانے کو مڑی مگر وہ یوں ہی بیٹھے پہ بازو پھیلائے اس کے راہ میں حائل ہو گیا۔

"آؤ نا پری محبت کرتے ہیں۔" خوبصورت گہری سیاہ آنکھیں آج کتنی توجہ سے اس کے چہرے پہ مرکوز تھیں جن کے طلسم سے بچنا محال تھا مگر وہ اتنا گھبرا گئی تھی کہ خود پہ ناز کرنا بھی بھول گئی اور یونہی حواس باختہ سی کترا کر اس کے سامنے سے بھاگ آئی اور اپنے کمرے میں بند ہو کر تکیوں میں منہ چھپا لیا اور بلک بلک کر رو دی وہ خوش کیسے ہوتی جبکہ وہ جانتی تھی وہ شخص اس سے ہمدردی کر رہا تھا۔

اس خوف سے وہ ترے بچھڑنے لگے کہ ممکن ہے
ٹھکرا کے مجھے یہ پیار کی انمول دولت ہی چھن جائے

ترس اور ہمدردی اسے دہشت میں مبتلا کر دیا کرتے تھے جبھی وہ کسی پہ اپنے کسی بھی دکھ اور محرومی کو بھی عیاں نہیں ہونے دیتی تھی مگر یہ اس کی قسمت تھی کہ یہی ترس اور ہمدردی اسے وہاں سے بھی موصول ہوئی تھی جہاں سے اس نے محبت کی چاہ کی تھی کیا بھلا وہ پھر بھی نہ روتی، بیڈ روم میں چھائی خاموشی اب پہلے جیسی نہیں تھی اس میں کچھ سسکیاں بھی اٹھ آئیں۔

☆☆☆

اپنی قسمت کے اندھیروں کو مٹانے کے لیے
چاند سے حسن ستاروں سے ضیا مانگی تھی
اور جب بڑھنے لگی پاس تو ہنگام سحر
بھول جانے کی تجھے دل سے دعا مانگی تھی

شام سے پہلے ہی شام کا ملگجا اندھیرا تو موسم کی کرم نوازی کی وجہ سے چھا ہی چکا تھا جب شام کا وقت ہوا تو گویا رات کی تاریکی ہی پھیل گئی ایک تو موسم سرد اوپر سے طوفانی بارش گلیاں تو گلیاں گھروں کے آنگن بھی سنسان ویران پڑے تھے ایک وہی تھی جسے گرمے کی حدت آمیز فضا میں بھی چین تھا نہ نرم گرم بستر میں سکون جب سے داؤد حسن خان باہر گئے تھے اور پھر شہر بانو بھابھی نے عجیب غریب قسم کی نظروں سے دیکھ کر اس کی ہنسی اڑائی تھی تب سے جیسے تن بدن میں انگارے سلگ رہے تھے کسی طور قرار نہیں تھا جتنا سوچتی گویا اتنی قدر الجھتی جاتی۔

شہر بانو بھابھی کے رویے نے اسے تین چار گھنٹوں میں بہت سے زیادہ پریشان کیا تھا

پورے گھر میں ایک واحد ہستی وہی تھیں جنہیں نہ اس کے آنے کی خوشی تھی نہ داؤد کے مل جانے کی اول تو وہ اسے مخاطب ہی نہیں کرتیں اور اگر وہ خود سے بات کرتی تو بھی جواب نہ دیا کرتیں اگر کچھ کہتیں تو وہ اتنا تلخ ترش ہوتا کہ نگین بیچاری اپنی جگہ کھسیا کر رہ جاتی۔

گھر کے باقی افراد کو اس نے شہر بانو بھابھی کے اس رویے پہ نفرت زدہ تو کبھی غصے میں آتے بھی دیکھا البتہ اپنی عزت اپنے ہاتھ والے فارمولے پہ عمل پیرا ہوتی وہ ان سے محتاط ہو گئی تھی بلکہ ان سے کترانے بھی لگی تھی مگر کسی بھی چیز کی ایک حد ہوتی ہے اب ان کی کی بات جیسے نگین کے دل میں تیر بن کر گڑی رہ گئی تھی۔

"کہیں کچھ تھا ایسا جو ٹھیک نہیں تھا مگر کیا؟" وہ یہی سوچ سوچ کر پاگل ہوئی جاتی تھی جب دروازے پہ آہٹ محسوس کر کے چونکتے ہوئے پلٹی، داؤد حسن خان سرتاپا بھیگے شہیر کے ہمراہ داخل ہو رہے تھے۔

"بھابھی پلیز اس کے کپڑے نکال دیں۔" اس کے آگے بڑھ کر اٹھائے تولیے کو اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے شہیر نے اسے اگلا کام سونپا وہ سرعت سے الماری کی طرف بڑھ گئی ان کا ہینگر میں لٹکا سفید کلف شدہ کرتا شلوار نکال لائی۔

"چل جا اب چینج کر لے اور ہاں اب نہانے مت بیٹھ جانا بارش نے کم دھلائی نہیں کی ہے تیری۔" وہ ڈانٹنے کے انداز میں کہہ رہا تھا داؤد حسن خان کچھ کہے بغیر کپڑے لیے واش روم میں جا گھسا اور جب کپڑے بدل کر تولیے سے سر خشک کرتے باہر آئے تو شہیر ابھی خاصی خفگی سمیت نگین سے مخاطب تھا۔

"آپ بھی عجیب ہیں بھابھی اتنی خراب ہے ان کی طبیعت اور آپ نے پھر بھی اسے باہر جانے دیا۔"

"میں ان کی نیچر پہ اماں تھوڑا ہی ہوں بھائی جان کہ یہ مجھ سے پرمیشن لے کر گھر سے نکلیں گے۔" وہ جو پہلے ہی جھنجھلائی جا رہی تھی اس جھلاہٹ میں کہہ گئی داؤد حسن خان نے ایک سرد سی نگاہ ڈال کر اسے اس کی حد سے بڑھنے کا احساس بخشا اور برش اٹھا کر بال بنانے لگے جبکہ شہیر بے ساختہ و بے اختیار ہنسنے لگا تھا۔

"یہ خوب رہی اور بھابھی بیگم آپ تو مجھ اور اماں سے بھی بڑھ کر ہیں واقف ہی آج کل سب کچھ ہوتی ہے ہم سارے اختیارات ہی عہدے پہ فائز ہو کر مل جاتے ہیں۔" نگین خجل سی ہو کر رہ گئی جبکہ شہیر ایک بار پھر داؤد حسن خان کی سمت متوجہ ہو گیا تھا۔

"چھوڑو اسے یار آرام سے لیٹ اور خبردار جو بستر سے باہر نظر آیا تو، اماں سے چائے کا کہہ آیا ہوں۔" وہ برش ان کے ہاتھ سے چھین کر بازو سے پکڑ کر بستر پہ لٹاتے ہوئے بولا تھا۔

"یہ زبردستی ہے یار معمولی بخار ہے اتنا نازک کب سے ہو گیا ہوں بھلا کہ اب بستر سنبھال لوں اتنی بہ اچھی نہیں۔" وہ جھنجھلا کر رہ گئے۔

"معمولی بخار۔" شہیر اچنبھا چلایا پھر نگین کو مخاطب کرنے بڑھا تھا۔

"دیکھیے بھابھی بھٹی کی طرح سلگ رہا ہے ان کا بدن اور یہ کہہ رہا ہے معمولی بخار ہے۔" شہیر نے پاس کھڑی نگین کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی ان کے ہاتھ پہ رکھ کر گویا اپنی بات کی تصدیق کرائی

تھا۔

"اور آپ کی سہیلی؟"

"یہ اب آپ مجھ سے مت پوچھیں سہیلی آپ کے سامنے کھڑی ہے۔" سونیا طرح دے گئی اور وہ بڑے دل آویز انداز میں مسکراتا ہوا اس کے عین مقابل آن رکا۔

"میں بھی سہیلی سے ہی پوچھنا چاہ رہا ہوں؟ کیوں پریشے کیسا محسوس کر رہی ہیں اب آپ خود کو؟" شوخ لہجہ جس میں معنی خیزی ہی معنی خیزی تھی پریشے کو گھبراہٹ سے دوچار کر گیا اس نے لمحہ بھر کو نظریں اٹھائیں اور مقابل کی آنکھوں کی شوخ و شنگ مسکان سے پزل ہو کر پلکوں کی جھالریں پھر سے عارضوں پہ گرا دیں اس نے خود کو بے حد بے بس محسوس کیا تھا دل و دماغ کی جنگ پہ دل کی التجا پکار اور گڑگڑاہٹیں حاوی آنے لگیں تو آنکھوں میں اس بے بسی لاچاری نے نمی بھی بھر دی۔

طارق شیرازی نے بغور اس کے رنگ بدلتے چہرے کو دیکھا تھا اور مٹھی میں قید تر و تازہ مہکتی کلیاں ہتھیلیاں پھیلا کر اس کے سامنے کر دیں، پریشے ایک بار پھر چونکی تھی اور دھندلائی ہوئی بصارت سے اسے دیکھا وہ کیسے اس پیش رفت پہ لبیک کہہ ڈالتی کسی کے حق کو غصب کر کے وہ غاصب کہلانا نہیں چاہتی تھی مگر حالات ہی نہیں سوئی اور خود اس کا دل بھی اسے اس راستے کی جانب کھینچ رہا تھا اور اب یہ شخص جس کی کوئی بھی بات ٹالنا اس کے بس میں نہیں تھا اسے کن راستوں کی سمت بلا رہا تھا۔

"اوہو بھئی آپ کس سوچ میں پڑ گئیں [illegible] تذبذب کو محسوس کر [illegible] اپنی ناقدری کے احساس سمیت کیسی مرجھائی سی بیٹھا۔

پریشے کو پھر اعتراف کرنا پڑا کہ وہ صرف خوبصورت شخصیت کا مالک ہی نہیں تھا باتیں بھی خوبصورت کرتا تھا پھر اس کا دیوانہ سا دل بھی تو تھا جو ان حسین لمحوں سے خوشی کشید کرنے کو تڑپ رہا تھا اس نے ہر خیال کو جھٹکا اور صرف دل کو مانتے ہوئے اپنی گلابی شفاف ہتھیلیاں اس کے سامنے کھول دیں طارق یکدم کھل اٹھا۔

"تھینک یو سو مچ پریشے [illegible] اے لاٹ۔" پھول اپنے ہاتھ سے اس کی ہتھیلی پہ منتقل کرتے ہوئے وہ جس درجہ ممنونیت و تشکر سے بولا تھا ایک پل میں پریشے کے دل نے جانے کتنی بخشش سی کی تھی۔

"مجھے یقین ہے جس طرح آج آپ نے میرا یہ خوبصورت تحفہ قبول کیا اس طرح وہ دن بھی دور نہیں جب آپ میری محبت کو بھی قبولیت کی سند بخش دیں گی۔" وہ اس کی گلابی رنگت سے جھانکتی زردیوں کو یکسر نظر انداز کرتے مسکرایا پریشے جواباً اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو میں آپ کو گھر تک چھوڑ دوں؟" وہ دونوں واپسی کو مڑیں تو طارق نے کہا تھا سونیا کی سوالیہ نگاہیں پریشے کی سمت اٹھ گئیں اور اس نے فی الفور گردن نفی میں ہلا دی دل کی ایک مزید التجا کو بھی بے دردی سے رد کرتے ہوئے۔

"تھینکس ہم چلے جائیں گے۔" وہ قدم بڑھا چکی تھیں طارق نے تب تک رک کر انہیں دیکھا جب تک وہ نظر آتی رہیں پھر اس نے بھی واپسی کو قدم موڑ لیے تھے، بارش کے بعد بہت چمکیلی دھوپ نکل رہی تھی گو ہواؤں میں ابھی بھی نمی اور ٹھنڈک موجود تھی، یہ قانون قدرت ہے وقت اور حالات

کبھی بھی ایک سے نہیں رہتے کوئی بھی کسی کے بغیر مر نہیں جاتا ایک نہیں دوسرا سہی دوسرا نہ سہی تیسرا سہی، طارق نے سوچا تھا اور کاندھے جھٹک دیے وہ ماہ نور کے لئے مزید کچھ سوچنا چاہتا تھا جو ہو رہا تھا ٹھیک ہی تھا۔

☆☆☆

سرکی جو سر سے دھیرے دھیرے
[illegible] ہوا رے میں دھیرے دھیرے
تیری چنریا دل لے گئی

ابھی صبح ان کی آنکھ ڈھولک پہ زوردار طریقے سے پڑتی تھاپ اور اس بے سری آواز پہ ہی کھل گئی تھی جیسے نقاہت زدہ سے اعصاب یکدم کشیدگی کا شکار ہو گئے کچھ دیر تو یونہی خوابیدہ ذہن کے ساتھ بستر پہ لیٹے چھت کی کڑیاں شمار کرتے رہے پھر آ بیٹھے اور کسلمندی سے بستر چھوڑ دیا، نماز تو چھوٹ ہی چکی تھی رواؤں کی وجہ سے ایسی غافل نیند آئی تھی کہ ہوش ہی نہ رہا وال کلاک پہ نگاہ ڈالتے ہی ان کے اعصاب کو جھٹکا لگا دن کے بارہ بج رہے تھے۔

"اور کسی نے مجھے جگایا بھی نہیں۔" واش روم میں جا کر منہ ہاتھ دھویا اور تولیے سے خشک کرتے دروازے سے نکل آئے۔

ہائے [illegible] میرا بالم ہائے بڑا ظالم
[illegible] بڑا اے پیار
ہائے [illegible] میرا [illegible] ہائے بڑا ظالم

برآمدے میں ڈھولک کے گرد چھڑا ڈالے رنگ برنگی لڑکیوں کا جمگھٹا تھا انہیں کمرے سے برآمد ہوتے دیکھ کر گانے کی آواز یکدم تھمی اور دبی دبی ہنسی باتوں کی بھنبھناہٹ اور کھسر پھسر ہونے لگی وہ چند لمحے کھڑے رہے اور پھر کچھ نہ سمجھتے ہوئے پلٹ کر کمرے میں چلے گئے۔

"جاؤ نگی دیکھو دادو کو کسی چیز کی ضرورت ہوئی۔" رافیہ آپا جو اسی وقت کمرے سے نکلی تھیں اور دادو کو [illegible] اور پھر پلٹ کر اندر جاتے دیکھ چکی تھیں ڈھولک کے گرد بیٹھی لڑکیوں میں سے نگین کو مخاطب کر کے بولیں۔

"اوہو چھوڑیں بھی وہ بھیجو جس کی ضرورت ہو۔" شہرینہ برآمدے میں استری لگائے صبا کی برات کے لئے اپنے کپڑوں پہ استری کر رہی تھی اپنے مخصوص کٹیلے لہجے میں حقارت سے بولی تو ماحول پہ یکلخت سکوت چھا گیا۔

جو سمجھتے تھے ان کے چہروں پہ تغیر تھا تو جو انجان تھے ان کی آنکھوں میں تحیر و استعجاب کے رنگ تجسس کر دیکھ لیتے صاف نظر آ رہا تھا نگین کی تو حالت ہی غیر ہو گئی اس کا چہرہ پہلے سفید ہوا تھا پھر بے تحاشہ سرخ پڑ گیا دو دانت بھینچے جانے کیسے ضبط کیے کھڑی تھی کہ معاملہ سسرال کا تھا اور صاحب بہادر کے مزاج تو کیا کہنے تھے یہاں خاموشی ہی غنیمت تھی چاہے کتنی ہی تکلیف دہ کیوں نہ ہو۔

"چھوڑو نگی نیم تم دیکھنا اب اس کی طبیعت تو اچھی ہے نا؟ میں تب تک ناشتہ تیار کرتی ہوں ان کے لئے۔" رافیہ آپا نے بہت تیکھے انداز میں شہرینہ کو دیکھتے ہوئے ایک بار پھر نگین کو

مخاطب کیا جو لب بھینچے خاموش کھڑی تھی یونہی ایک لفظ کہے بنا آگے بڑھ گئی۔

''شہرینہ تم یہ اپنا کام بعد میں کر لینا پہلے آ کے میری بات سن لو۔'' ان کا لہجہ کڑا تھا دھیما ہونے کے باوجود۔

''آپا ابھی یہ ختم کر...''

''ابھی ختم کرتی ہوں ابھی... تو اس کا مطلب ہے کہ ابھی، میں کچن میں ہوں۔'' وہ آنکھیں نکال کر کسی قدر تلخی سے کہہ کر پلٹ کر چلی گئیں تو شہرینہ بھی بڑبڑا کر استری کا پلگ نکالتی ان کے پیچھے آ گئی تھی، آپا فریج سے دودھ کا جگ اور انڈے نکال رہی تھیں پلٹ کر اسے دیکھا ان کے ضبط کی کوشش میں سرخ پڑتے چہرے کو دیکھتی وہ خائف سی ہونے لگی۔

''یوں بلوایا ہے مجھے؟'' ان کی خاموشی طویل تر ہوئی تو اس کا ضبط چھلکا، فرائی ہوتے انڈے سے ارد گرد ہوتی کھی کی چھن چھن میں اس کی بدلحاظ آواز گونجی آپا نے پراٹھے کا پیڑا اٹھاتے ہوئے ملامتی نظروں سے اسے گھورا۔

''میں جانتی ہوں تمہیں اپنی عزت کا تو کبھی خیال نہیں تھا ہماری کا بھی نہیں مگر اب اس بھلے آدمی کا ہی کچھ لحاظ کر لو جس نے تمہاری تمام تر بدتمیزیوں اور بدنامی کے باوجود تمہیں اپنایا ہے کب بدلو گی اپنی روش کہ اب تو جوانی بھی بیت چلی اب ہی کچھ شرم کر لو۔'' ان کی خاموشی ٹوٹی تھی اور ایسی ٹوٹی تھی کہ شہرینہ کی ذات کے پرخچے اڑ رہے تھے۔

''آپا پلیز...'' وہ بلبلا کر چیخی اور بے اختیار ہو گئی۔

''اتنی بیبی نہیں ہوں میں کہ آپ یوں میرے پیچھے پڑ گئی ہیں۔''

''پوچھ رہی تھی تمہیں مجھ سے کہ تمہارا رویہ اس کے ساتھ ایسا کیوں ہے؟ کیا جواب تھا میرے پاس تم بتاؤ۔'' وہ سخت غصے میں تھیں۔

''اس عورت کو سامنے پا کر میرا دماغ خراب ہو رہا ہے۔'' چکی بھر کے نفرت زدہ انداز میں ہونٹ سکوڑ کر کہتی وہ دراصل آپا کے لبوں پہ زہر خند بکھیر گئی۔

''اور جب یہ سامنے نہیں تھی تب تمہارے دماغ کی خرابی کی وجہ کیا تھی؟ چودہ سال کم نہیں ہوتے کسی بھی واقعہ کو بھلانے یا کسی نئی چیز کو قبول کر لینے کو مگر تم دانستہ ہم سب کو اذیت دیتی ہو۔'' آپا آج سراپا قہر بنی ہوئی تھیں بھلا پہلے کب انہوں نے یوں اسے آئینہ دکھایا تھا وہ بلبلانے لگی۔

''بس کریں آپا۔''

''کیوں سچ سننے کی تاب نہیں ہے اس لئے شرم آتی ہے اس سچ کا سامنا کرتے ہوئے ہم کو تم سے کہنا چاہیے کہ اب بس کر دو تم۔'' انہوں نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

شہرینہ سکتے کے عالم میں ان کی نفرت ان کے قہر اور غصیلے انداز کو دیکھتی چلی گئی۔

''چند سال تک بیچ میں پھر جوان بچوں کی ماں کہلاؤ گی اور بچے بھی کیا بیٹیاں شہرینہ حق کے ناخن لو تمہیں اچھا لگے گا جب لوگ تمہاری بیٹیوں کو تمہارے نام کا طعنہ دیں گے؟ تم چاہو گی کہ تمہارے کردار کی وجہ سے تمہاری بیٹیوں کو بھی رگیدیں سوچ سمجھ لو ویسے تمہاری اپنی مرضی ہے۔'' آپا بے نیازی سے کہہ کر ابھی چائے کے نیچے آنچ دھیمی کر کے پراٹھا بیلنے لگیں، جبکہ شہرینہ شرمندگی سے جلتا چہرا لئے ٹک کھڑی تھی آپا نے دانستہ اسے اگنور کیا ان کے خیال میں یہ لمحہ آنے والے وقت

کے لئے بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

☆☆☆

سنا ہے ایک عمر ہے معاملات دل کی بھی
وصال جانفزا تو کیا فراق جاں گسل کی بھی
سو ایک روز کیا ہوا وفا پہ بحث چھڑ گئی
میں عشق کو امر کہوں وہ میری ضد سے چڑ گئی
میں عشق کا اسیر تھا وہ عشق کو قفس کہے
کہ عمر بھر کے ساتھ کو وہ بدتر از ہوس کہے
شجر حجر نہیں ہیں ہم کہ ہمیشہ پابہ گل رہیں
نہ ڈھور ہیں کہ رسیاں گلے میں مستقل رہے

وہ سخت بور ہو رہی تھی عارق کے کمرے میں وہ کسی کتاب کی تلاش میں آئی تھی جانتی تھی اچھی کتابیں ہمیشہ اس کے زیر مطالعہ رہا کرتی ہیں مگر رائٹنگ ٹیبل پہ پڑی ڈائری نے سب کچھ بھلا کر گویا ساری توجہ اپنی جانب کھینچ لی اس نے وہیں سے کھولی جہاں وہ لکھتے لکھتے صفحات کے درمیان قلم چھوڑ گیا تھا۔ اس نظم پہ تقریباً تیزی سے پھسلتی چلی گئیں پڑھتے ہوئے وہ ایک پل کو کھوئی اس میں تو شک نہیں تھا کہ یہاں اس کی مخاطب وہی تھی دل کی کیفیت عجیب ہونے لگی وہ اب بھی اس کے متعلق اتنا کچھ سوچتا تھا جتنا کہ [illegible] چند دنوں میں اس کا دل اس ساحر کی قربتوں میں وہ [illegible] ہونا چاہتا [illegible] ہے [illegible]۔

[illegible] تمہارے دست [illegible] میں ہیں
[illegible] درد سے تمہیں مسکان جا بجا میں ہیں
میں کوئی پینٹنگ نہیں کہ اک فریم میں رہوں
وہی جو من کا میت ہو اس کے پریم میں رہوں

ماذیہ ایک بار پھر چونکی اور دھڑک گئی دل خدشات کی یلغار لئے لرزنے لگا اس نے از سر نو ان الفاظ کو پڑھا اور بار بار پڑھا مگر مفہوم ہر بار وہی واضح ہوا۔

میں کوئی پینٹنگ نہیں کہ اک فریم میں رہوں
وہی جو من کا میت ہو اس کے پریم میں رہوں

''اس کا مطلب... اس کا مطلب...'' اس کا دل سہم گیا یہاں چند دنوں میں اس کا دل کتنا کمزور ہو گیا تھا۔

''یہ محبت سب سے پہلے دل پہ اٹیک کیوں کرتی ہے؟'' اس نے سوچا اور نظریں سطروں پہ آگے کی سمت بڑھا دیں۔

تمہاری جو بھی سوچ ہو میں اس مزاج کا نہیں
اسے وفا سے [illegible] ہے یہ بات آج کی نہیں
نہ اس کو [illegible] بات تھا نہ مجھ کو اس پہ زندگی
جو [illegible] کوئی نہ ہو تو کیا تم [illegible]

سو اپنا اپنا راستہ ہنسی خوشی بدل لیا
وہ اپنی راہ چل پڑے میں اپنی راہ پہ چلوں
دھندلی سی ایک شکل تھی بجلی تھی اک ہوتی
اب ایک سی یاد رات دن نہیں مگر کبھی کبھی

"کہاں تھیں تم؟" وہ اسی فکر، تشویش و پریشانی میں گھری اس نظم کے معانی و مفہوم میں گم تھی کہ وہ تب آیا اور اس کے پاس سے گزر کر صوفے پہ جا بیٹھا۔ بے خبری سی بے خبری تھی جبھی تو وہ اس کی بھاری آواز سن کر اس طرح ڈری کہ ڈائری ہاتھ سے چھوٹ گئی اس نے اچھی خاصی ناراضگی سمیٹ اسے دیکھا۔

"آرام سے نہیں بول سکتے آپ؟" وہ جھک کر ڈائری اٹھا رہی تھی، طارق نے سپاٹ نظروں سے اس کی اس حرکت کو دیکھا۔

"یہ میری بات کا جواب نہیں ہے کہاں تھیں تم؟ کچھ میری پریشانی کا بھی اندازہ ہے۔" جبڑے اور موڈ سے ناراض ہوا وہ کس قدر رکھائی سے بات کر رہا تھا، ماہ نور کو بے حد عجیب لگا۔

"آپ جاننا چاہتے ہیں؟ کس کس سے ملتے ہیں میں نے تو کبھی نہیں پوچھا۔" وہ جس درجہ سکون سے جواب دے رہی تھی طارق کا دماغ اتنی ہی تیزی سے گھوم گیا۔

"مجھے غصہ مت دلاؤ ماہا۔" وہ اٹھ کر اس کے پاس آ کر پھنکارا۔

"آپ کو اتنا غصہ کیوں آنے لگا ہے طارق؟" وہ ابھی بھی پرسکون تھی مگر بظاہر ہی تو تھا کہ اندر تو آگ ہی لگی ہوئی تھی۔

"تم۔" طارق نے دانت کچکچائے۔

"یہ آپ نے لکھی ہے؟"

اس نے ڈائری کھول کر نظم اس کی نگاہوں کے سامنے کی طارق نے ایک اچٹتی نگاہ اس پہ ڈالی اور اسے ایک ہاتھ سے اپنے آگے سے دھکیل کر خود واش روم میں جا کر بند ہو گیا۔

"نزہت بھابھی کے ساتھ گئی تھی مارکیٹ مجھے تو خیر کچھ نہیں خریدنا تھا ساری خریداری انہی کی تھی زبردستی ساتھ لے گئیں اتنے اصرار سے کہا تھا کہ مجھے انکار کرنا اچھا نہیں لگا۔"

وہ فریش ہو کر باہر آیا تو وہ اسے تفصیل سے آگاہ کرنے لگی جس پہ طارق نے مطلق دھیان نہیں دیا اور تولیہ گلے سے کھینچ کر بیڈ پہ پھینک دیا اور خود چلتا ہوا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا رکا ماہ نور نے نگاہ اتفاقاً اس کے چہرے پہ ڈالی وجاہت پہچان میں اس کا غضب کی مردانگی سمیٹے شاندار وجود کیسا ناقابل تسخیر محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے کیسے دو صدیوں کے فاصلے پہ محسوس ہونے لگا تھا اس نے طارق کی بے نیازی لاتعلقی اور خفگی کو محسوس کیا اور بوجھل ہو کر رہ گئی۔

"کچھ کام تھا؟" وہ اسے مسلسل سر پہ سوار دیکھ کر استفسار کرنے پہ مجبور ہوا اور ماہ نور کا دل کپ جانے کیوں اس بے اعتنائی کو برا کرنے کو چاہنے لگا۔

"نہیں۔" اس نے سر نفی میں جنبش دی اور آنسو پیچھے دھکیلے۔

"تو پھر پلیز، یہاں سے جا کر چائے کا ایک کپ بھجوا دینا۔" برش ٹیبل پہ اچھالتا وہ پلٹ کر بستر میں گھس گیا وہ بے لفظوں میں اسے فارغ کر دیا تھا ماہ نور ہونٹ بھینچے سختی سے مڑ کر کمرے

سے نکلتی چلی گئی ایک زوردار دھماکے سے دروازہ بند ہونے پہ طارق نے قدرے چونک کر دیکھا مگر پھر سر جھٹک کر ریموٹ سے ٹی وی آن کرنے لگا۔

☆☆☆

ہمیں چھوڑ چھاڑ کے بھیڑ میں
اب کس لئے ہو پکارتے
یہ جو ہجر ہے یہ تو روگ ہے
یہ جو روگ ہے یہی ہجر ہے
تو یہ طے ہوا کہ کبھی کبھی
کوئی خواب دیکھ کے روئیں گے
کبھی یاد آئے جو وحشت دل
تو سحاب دیکھ کے روئیں گے
یہ کتاب دیکھ کے روئیں گے
جو ڈسے ہوئے ہیں بہار کے
وہ گلاب دیکھ کے روئیں گے۔

نہر کے کنارے کنارے لگے پاپلر کے درخت ہوا سے مسلسل ہل رہے تھے نہر کنارے خود رو گھاس پر قدم قدم چلتے ہوئے وہ بے حد خوبصورت منظر تھا اچھلتے ہوئے بہتے پانی میں چھینٹا چھوڑتے بچے اڑتے ہوئے پرندے... اس نے چند نگاہوں سے ان کا جائزہ لیا جو بے خیالی سے گم صم سے قدرے سفید شلوار کرتے کلف لگا کرتا اور کاندھوں پہ براؤن گرم چادر سرخ و سفید رنگت اور ڈارک براؤن آنکھیں کیا تھے وہ؟ اس نے اپنی زندگی میں کبھی کسی کو اتنا حسین نہیں دیکھا تھا کھڑے ہوتے تو غضب کی دراز قامت اور اسمارٹنس نمایاں ہو کر انہیں خاص بناتی اور بیٹھنے کا اسٹائل اتنا مہذبانہ پروقار پر تمکنت اور شائستہ کہ لگتا وہ کبھی کھڑے ہو کر اتنے اچھے نہیں لگ سکتے ان سے ناراضی ان کی ذات سے منسلک اپنی موت آپ مر جاتی اور وہ پہلے سے بھی زیادہ طریقے کے ساتھ ان سے آگے بار حائل قربتوں کی دوریوں تک نارسائیوں کے جنگل چلا جاتا اس حسین مغرور اور شاندار شخص کو فتح کرنے کا سوچتی اور ہر بار ہار کر بے بس ٹھہرتی (اتنی عجیب بات تھی جس پہ چونک بھی گئی تھی وہ اتنی اجنبی بھی تھا) رافعہ آپا نے زبردستی دونوں کو گاؤں کی سیر کو بھیجا تھا جان تک۔ داور نے بھی جان چھڑانا چاہی تھی مگر سامنے بھی رافعہ آپا تھیں جو منوانے کے گر سے آگاہ تھیں۔

"وہی تم چلو نا ہمارے ساتھ۔" آپا کے سامنے ہتھیار ڈال کر انہوں نے اس تنہائی سے بچنے کی کوشش ہی تو کی تھی مگر وہ کیا کم چیز تھی فوراً سو بہانے گھڑ دیئے اور اب وہ دونوں ایک دوسرے سے بے نیاز ایک دوسرے کے ساتھ تھے پاپلر کے درختوں کے ساتھ نہر کے ساتھ پگڈنڈی میں چلتے رہے تھے۔

یہ شام خاموش تھی بس درختوں پہ بیٹھے کسی پرندے کے چہکنے یا پر پھڑپھڑانے کی آواز آ جاتی اور ان کی خاموشی... سے سیٹ اور روایت کی بارش سے گزری رات خوب بادل برستے تھے

میرے ساحر سے کہو

اُمِ مریم

انیسویں قسط کا خلاصہ

ہر گزرتے دن کے ساتھ طارق شیرازی کے دل سے ماہ نور کی محبت اس ناقدری کی بدولت کم ہو رہی ہے جو ماہ نور نے اپنے رویے کے ساتھ اس کے لیے مخصوص کر دی تھی اور پریشے کے لیے قدردانی اور عقیدت کے جذبات جنم لیتے ہیں۔ آج کے اس گھمبیر سے دور میں طارق شیرازی کو پریشے کی محبت سے زیادہ اس کی سادگی، حیا، پاکیزگی اور مکمل مشرقی انداز متاثر کرتا ہے اور وہ خود کو اس کی ذات میں انوالو ہوتا محسوس کرتا ہے، جبکہ ماہ نور کے دل میں اس وقت طارق کی محبت جنم لیتی ہے جب وہ اس کی طرف سے مکمل طور پہ مایوس ہونے کے بعد پریشے کی جانب بڑھ چکا ہے۔

داؤد حسن خان کا علیشہ کے ساتھ رویہ ویسا ہی ہے، البتہ وہ شہرینہ کے انداز و اطوار سے بہت الجھن کا شکار ہے اور جب اسی الجھن میں وہ رافیہ آپا سے یہ سوال کرتی ہے تو رافیہ آپا جواب میں شہرینہ کو اتنی کڑی باتیں سناتی ہیں کہ وہ بہت کچھ سوچنے پہ مجبور ہو جاتی ہے۔

بیسویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے

"پتہ نہیں بیٹا بس طارق کے متعلق خواب کچھ اچھا نہیں دیکھا تھا دل پریشان سا تھا سوچا اس سے بات کرلوں۔"

"ارے انہیں کیا ہونا ہے؟ بھلے چنگے ہیں۔" وہ ہنس پڑی تھی۔

"اللہ ہمیشہ تندرست بچوں اہی رکھے آمین۔" ماما نے سکھ کا سانس بھرا تھا۔

"ماما، رائیل کیسی ہے، منیزا اور طلحہ سب ٹھیک ہیں نا؟"

"ہاں بیٹا اللہ کا شکر ہے سب ٹھیک ہیں رائیل کی طبیعت تو بس ایسی ہی رہتی ہے ابھی بھی ہاسپٹل سے اس کا چیک اپ کروا کے لوٹی ہوں، ڈاکٹر نے دو ماہ بعد کی تاریخ دی ہے میرا خیال ہے تمہیں اب بلوا ہی لوں۔" وہ سوچ میں ڈوب کر کہہ رہی تھیں پھر جیسے کچھ خیال آنے پہ چونکیں۔

"تم آسکو گی؟ طارق کو پرابلم تو نہیں ہوگی نا بیٹا!"

"نہیں ماما! میرا نہیں خیال کہ ایسا ہو میں آجاؤں گی ڈونٹ وری۔" اس نے جواباً تسلی سے نوازا اور پھر بولی تھی۔

"یہ بیہ کہاں ہے اس سے بات کروا دیجیے ذرا۔"

اور جب رائیل آن لائن ہوئی تو اس کی تھکی ہوئی آواز سن کر ڈانٹنے کے انداز میں بولی تھی۔

"یار! کیا ہو گیا ہے کیوں خیال نہیں رکھتی ہو اپنا ماما تمہاری وجہ سے اچھی خاصی پریشان ہیں۔"

"کیا ہوا ہے مجھے؟" رائیل اس کو شالی پہ چیرا اٹھی۔

"طبیعت کیوں ٹھیک نہیں رہتی تمہاری کچھ کھاؤ پیو گی تو جان بنے گی جناب دیکھو! مجھے اپنا بھانجا بہت صحت مند اور خوبصورت چاہیے اور ہاں ابھی سے سن لو اس کا نام بھی میں نے ہی رکھنا ہے۔" اس کے رعب اور دھونس بھرے انداز پہ رائیل بس ہنستی رہی تھی۔

"کتنے نام رکھنے ہیں اس کے؟ ادھر منیزا اور طلحہ بھی اس قسم کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔"

"کیا؟ منیزا اور طلحہ انہیں کیسے پتہ ابھی سے؟" وہ اچھی خاصی متحیر ہوئی۔

"پتہ کیوں نہیں یہ آج کے دور کے بچے ہیں۔"

"مائی گاڈ!" ماہ نور جھینپ کر ہنسنے لگی تو رائیل نے اسے چھیڑتے ہوئے ساتھ نصیحت بھی کی تھی۔

"اچھی بات ہے تم احتیاط ضرور کرنا بچے کی پیدائش کے بعد ہی ان سب کے سامنے آنا پتہ ہے کل منیزا مجھ سے کیا کہہ رہی تھی، بیہ آپی ہمارے چھٹکو کے آنے میں ابھی اور کتنے دن ہیں، سچ اتنی شرم آئی مجھے کہ حد نہیں۔"

رائیل کی باتوں پہ ماہ نور کے چہرے پہ حیا اور خفت کے خوبصورت رنگ بکھر گئے اسے یہ محسوس کر کے حیرت نہیں ہوئی کہ اب کی مرتبہ اس قسم کی کوئی بات سن کر وہ ناگواری نہیں محسوس کی جو ہمیشہ ایسی باتوں کے ساتھ ہی اس کا دماغ خراب کرنے لگتی تھی۔

"یہ طارق بھائی کہاں ہیں ذرا بات کرواؤ انہیں بھی فون پہ ان سے بھی تو دو دو ہاتھ کرلیں، ارے ہماری اتنی پیاری بلی پالی تھی چھپا کر ایسے غائب ہوئے ہیں بالکل ہی قبضہ جما لیا۔" رائیل تو ہنس کر کہہ رہی تھی مگر ماہ نور کے دل میں ہوک سی اٹھی تھی۔

(اور کسی کو کیا پتہ وہ مجھے فتح کر کے مجھے جیت کر کیسے مجھ سے غافل بھی ہو گیا پہلے ہی تو کوئی بات تھی نہیں رہی اس میں) فون بند کر کے وہ ملول سی ہوتی وہیں صوفے پہ بیٹھ گئی۔

"مجھے تو ایسا لگتا ہے میں ایک ایسی گڑیا ہوں جسے شیشے کے شوکیس میں سجے دیکھ کر وہ حاصل کرنے کو مچل گیا تھا حاصل کیا اور اپنے اندر میں لا کر بھول بھال گیا۔" ایک بار پھر اس کا رونے کو جی چاہنے لگا، وہ ابھی بھی اپنا من پسند سوچ رہی تھی اس کی سوچ نے منفیانہ پہلو تھی نہ اب اس نے ہمیشہ اپنے لئے سوچا تھا اسے اس بات سے غرض ہی نہ تھی کہ طارق کیا سوچتا ہے۔

☆☆☆

تیرا یوں اچانک مل جانا
میری خواہش تھی حادثہ کب تھا

آتش دان میں سلگتی لکڑیوں کو چٹخنے کی آواز پہ باہر برستے والی بارش کا شور غالب آتا جا رہا تھا پریشے کی نگاہیں آگ سے نارنجی شعلوں پہ جمی تھیں اور ذہن میں اس دشمن جاں کا تصور پایا اور سونیا کے درمیان کون سی بحث چھڑی تھی، وہ اس کا ایک بھی لفظ سمجھنے سے قاصر رہی تھی جبھی بھاری قدموں کی آہٹ ابھری اور وہ اپنے لوازتی وجود کے ہمراہ مسکراتا ہوا اندر آ گیا۔

"سوری میں کل تو نہیں ہو گیا۔" وہ دروازے پہ ہی رک گیا کہ بر گیڈیئر سالار درانی اور سونیا کی خاموشی نے اسے نروس کر دیا تھا پریشے نے سر اونچا کر کے اسے دیکھا بلیک شرٹ پہ بلیک ہی لیدر جیکٹ، وہ سارے کا سارا بھیگا ہوا تھا اور بار بار چھینک رہا تھا۔

"ارے نہیں بیٹے آؤ آؤ۔" سالار درانی نے اس کی جھجک محسوس کرتے ہی خود کو اٹھ کر اس کا خیر مقدم کیا تھا سونیا نے آتش دان کے نزدیک اس کے لئے جگہ خالی کی اور خود جلدی سے اس کے لئے کافی بنانے لگی۔

"یہاں سے گزر رہا تھا سوچا آپ لوگوں سے حال احوال پوچھتا ہوا چلوں۔" وہ پریشے کے پاس سے گزر کر آتش دان کے پاس پڑی ایزی چیئر پہ جا بیٹھا اس کے لباس سے اٹھتی سگریٹ آفٹر شیو لوشن اور مردانہ کلون کی مہک نے پریشے کو مسحور سا کر دیا۔

"بہت اچھا کیا بیٹا ہمیں بہت خوشی ہوتی ہے آپ سے ملاقات کر کے۔" سالار درانی کا مشفقانہ لہجہ بے حد خاصیت لئے تھا طارق پریشے کو دیکھ کر بڑی دل آویزی سے مسکرایا وہ جو اسے ہی دیکھ رہی تھی یہ جواب سے غافل ہو کر اس کی توجہ پاتے ہی بری طرح سے جھینپی اور سر جھکا لیا، وہ بارش میں بھیگ کر کتنا شفاف اور نکھرا ہوا لگنے لگا تھا سونیا نے چائے کا بھاپ اڑاتا مگ اس کی سمت بڑھایا جسے اس نے شکریے کے ساتھ قبول کیا تھا اور جب ان کے درمیان پھر سے وہی بحث چھڑی طارق کے کہنے پہ تب پریشے جان پائی تھی کہ اس سے قبل وہ لوگ کرنٹ افیئر کے مشہور جرنلسٹ طلعت حسین کے گزرے میں اپنے ہوئے انٹرویو پہ مفکرانہ تبصرہ کر رہے تھے۔

"آپ کا کیا خیال ہے میجر صاحب! طلعت حسین یا خیریت ہمیں واپس مل جائیں گے۔" یہ سوال سونیا نے کیا تھا جو طلعت حسین جیسے بے باک اور سچ کے علمبردار جرنلسٹ کی دل سے دیوانی تھی۔

"انشاء اللہ ہماری تمام تر پرخلوص دعائیں طلعت حسین کے ساتھ ہیں۔" طارق نے بھرپور سنجیدگی سے جواب دیا تھا پھر پریشے کو مسکراتے دیکھ کر پوری طرح اس کی سمت متوجہ ہو گیا۔

"خیریت میم اتنی سنجیدگی کی گفتگو میں آپ کی مسکراہٹ تو سمجھ سے باہر ہے۔"

"جی انکل بیچ میں سونیا کی فکرمندی کو عام فکرمندی مت سمجھئے محترمہ طلعت حسین کے لئے خاص قسم کے جذبات رکھتی ہیں۔" پریشے نے شرارتی انداز میں سونیا کو دیکھتے ہوئے اس کا بھانڈا پھوڑا تو طارق بھی بے اختیار مسکرا دیا تھا۔

"کیوں سونیا؟" اور سونیا پر اعتمادی سے مسکرا دی تھی۔

"بھئی کیا حرج ہے وہ ہمارے قومی ہیرو ہیں۔"

"مگر وہ تو کب کے ہو چکے ہیں بیوی بچوں والے۔" پریشے نے پھر سے چھیڑا تو سونیا نے اسے گھورا تھا پھر جیسے بدلہ چکانے کو بولی تھی۔

"کیا کریں جناب ہم سہیلیوں کے نصیب ہی ایسے ہیں کسی کے لئے بچوں بیوی رکھنے والا تو کسی کے لئے صرف بیوی والا۔"

بات مذاق کی تھی مگر پریشے کا رنگ بالکل سفید پڑ گیا سونیا کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو فوراً سے پیشتر بات کو دوسرا رخ دے ڈالا۔

"بھئی سب سن لیں میں ایم بی اے کا ایگزام کلیئر کئے بغیر ہی ماس کمیونیکیشن کا شعبہ جوائن کر رہی ہوں سمجھا کریں نا ایک فیلڈ میں رہیں بہت چانس بن سکتا ہے اچھے طلعت صاحب سے ملاقات کا صرف ٹی وی پہ دیکھ کر ہی تو تسلی نہیں ہونے والی، پروگرام بھی میرے ساتھ اسی شعبے میں آ جا رہی ہیں میں نہ صرف اپنا اخبار نکالوں گی بلکہ ایک چینل بھی ضرور کھلواؤں گی۔"

"اور اس میں سب سے پہلے طلعت حسین کو ہی کرنٹ افیئرز پروگرام کی میزبانی کے لئے آفر کروں گی۔" طارق نے اس کی بات کاٹ کر کہا تو وہ اور خود بھی ہنسنے لگا اور درانی صاحب بھی کچھ دیر پہلے ہی کسی ضروری فون کو سننے کو اٹھ گئے تھے تب سے ان تینوں میں ہی نوک جھونک جاری تھی۔

"ہائے آپ تو دل کی باتوں کو بھی جان لیتے ہیں آپ سے تو بچ کے رہنا پڑے گا۔" سونیا کھلکھلاتی تھی پھر پریشے کی چپ کو محسوس کر کے بولی تھی۔

"بولو نا پریشے تم نے جواب نہیں دیا؟"

"ایسی پلاننگ کا کیا جواب دوں سونی ڈیئر تمہارے خوابوں اور پلاننگ کا یہ سلسلہ تو سالوں پہ محیط ہے جبکہ زندگی نے ہمیں اتنی مہلت نہیں دینی۔" پریشے کے لہجے میں موجود کرب نے سونیا کا دل بھینچ ڈالا جبکہ طارق شیرازی نے بہت چونک کر اس کے چہرے پہ پھیلے اذیت کے رنگوں کو دیکھا کمرے کی فضا میں تکلیف دہ خاموشی در آئی، طارق نے ایک خفا خفا سی نگاہ پریشے پہ ڈالی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"او کے سر اب چلتا ہوں، سونیا چائے کے لئے اسپیشل تھینکس۔" اس نے اسی پل اندر قدم رکھتے درانی صاحب کو مخاطب کرنے کے بعد سونیا کو ممنونیت سے دیکھا پریشے کو سرے سے نظرانداز کر ڈالا تھا۔

"کھانا تیار ہے بیٹا پلیز ہمیں آپ کی شمولیت سے بہت خوشی ہوگی۔" سونیا معاملے کی گمبھیرتا کو بہت حد تک محسوس کرتی گھبرا کر اسے روکنے کی سعی کرنے لگی سالار درانی نے بھی ہاں میں ہاں ملائی تھی مگر وہ کسی طور بھی رکنے پہ آمادہ نہیں ہوا تھا تب سالار درانی کو اجازت دینا پڑی۔

"او کے بیٹا ایز یو وش، آیئے میں آپ کو باہر تک چھوڑ آؤں۔" اس بات نے سونیا کے رہے سہے حواس بھی خبط کر ڈالے تو وہ گڑبڑا کر جلدی سے بولی تھی۔

"ن... نہ... انکل آپ کیوں یہ تکلیف کرتے ہیں، یہ پریشے ہے نا یہ انہیں باہر تک چھوڑ دے گی جا کر۔" وہ باقاعدہ اس کا ہاتھ پکڑ کر دھکیلتے ہوئے بولی تو طارق شیرازی سونیا کی سمجھداری پہ مسکراہٹ چھپا کر تیزی سے باہر نکل گیا۔

"کیا ضرورت تھی اتنے شدید موسم میں گھر سے نکلنے کی؟" وہ باہر آتے ہی سرد ہواؤں سے کپکپا گئی تھی شال کو اچھی طرح اپنے گرد لپیٹتے ہوئے کسی قدر خفگی سے بولی۔

"اس بے کیف سے موسم میں آپ کو میرا اپنے ہاں آنا اچھا نہیں لگا؟" وہ چلتے چلتے رکا اور پلٹ کر بہت عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا، پریشے نے کسی قدر ناراضگی سمیت اسے دیکھا تھا پھر ہونٹ سکوڑ کر بولی تھی۔

"ویل آپ مجھے زیادہ ہی تنگ کرتے لگتے ہیں۔" اس کے اس قدر برجستہ کئے گئے فقرے سے طارق شیرازی کا بے ساختہ قہقہہ درانی ہاؤس کی فضاؤں میں بکھر گیا تھا پریشے درانی نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا، اس کے انداز میں بڑی شان بے نیازی تھی وہ ایک عجیب سا جانے والی زبردست پرسنالٹی کا مالک تھا مضبوط شاندار وجیہہ سراپا ہر لحاظ سے ناقابل تسخیر نظر آتا تھا اگر یہ اس کی توجہ، اہمیت، محبت، ہمدردی نہیں تھی تو یہ محض خوش فہمی نہ تھا کہ وہ اسے یعنی اپنی محبت کو تسخیر کر چکی تھی۔

"پریشے مجھے سونیا نے بلوایا تھا آپ کو قائل کرنے کے لئے ان کا خیال ہے آپ میری بات نہیں ٹال سکیں گی، آئی ڈونٹ نو کہ اس میں کس حد تک صداقت ہے۔"

پورچ کے ستون سے ٹیک لگائے کھڑا طارق پریشے کے چہرے پہ یکلخت پھیلتے سکوت کو دیکھنے لگا۔

"پریشے آپ کی اس خاموشی سے کیا سمجھوں کہ آپ کو میرا اپنے پروگرام میں انٹرویو ہونا پسند نہیں؟" پریشے نے اس سوال پہ چونک کر بھینچتے ہوئے لبوں کے ساتھ اسے دیکھا تو۔

(پاپا تم کبھی بھی تنگ چال پڑو گے کہ تم میرے نزدیک کتنی اہمیت رکھتے ہو اور تمہارے منہ سے نکلی کوئی بھی بات چاہے وہ کتنی بھی کیوں نہ ہو مجھے کبھی بری نہیں لگ سکتی)

"پریشے پلیز آپ پروگرام کے لئے انکار مت کریں اس لئے بھی کہ آپ سے وابستہ بہت سے لوگوں کو آپ کی بہت ضرورت ہے۔"

(اور مجھے کو؟) اس کا جی شدتوں سے مچلا کہ وہ یہ ضرور پوچھ لے مگر اس کے لبوں سے یہ نکل نہ سکے وہ یونہی خاموش رہی یہاں تک کہ طارق شیرازی اس کی خاموشی کو انکار سمجھتے ہوئے نامحسوس انداز میں جیپ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔

"او کے فائن! میں اب پاپا سے انکار نہیں کروں گی۔" اس لئے طارق شیرازی کہ سونیا نے جو آپ سے کہا ہے، وہی سچ ہے۔

طارق شیرازی نے اس کی دھیمی آواز سنی تھی اور پلٹ کر بہت خوشگوار حیرت سمیت اسے دیکھا اور بے ساختہ مسکرا دیا۔

"کیا کہوں سوائے اس کے کہ تھینکس فار دی آنر۔" پریشے آہستگی سے مسکرائی اور سرگوشی میں جنبش دیتے ہوئے نرمی سے بولی تھی۔

"تھینکس نو سوری ان اور ریلیشن او کے۔" اور طارق شیرازی کی آنکھوں میں اس جواب نے انوکھی چمک اور خوشی بھر دی۔

"او کے اب اجازت اپنا خیال رکھیے گا پریشے اور یونہی مسکراتی رہیے گا بیسٹ آف لک خدا آپ کی عمر دراز کرے آمین۔" وہ اسے ہاتھ ہلاتے ہوئے جیپ نکال لے گیا پریشے وہیں کھڑی اسے اور اس کی باتوں کو سوچتی رہی پھر اپنے کمرے میں آ کر اپنے بستر پہ لیٹنے کے بعد تم چلیں باہم پہنچ لیں۔

"جو میری خواہشات ہیں وہ تمہاری خواہش نہیں ہیں کاش تم نے بھی وہی چاہا ہوتا جو میں نے چاہا ہے آہ۔" اس کے سینے کی گہرائیوں سے آہ نکلی تھی۔

"قسمت میں اور دل میں اتنا سا ہی فرق ہے جو قسمت میں ہوتا ہے وہ دل میں نہیں ہوتا اور جو دل میں ہوتا ہے وہ قسمت میں نہیں ہوتا۔" اس نے تکیے میں منہ گھسا لیا اور آنسوؤں کو آزاد چھوڑ دیا تھا۔

☆☆☆

وقت سے کون کہے یار ذرا آہستہ
گرنہیں وصل تو یہ خواب رفاقت ہی سہی کچھ دیر رہے
وقت خواب کے پابند ہیں اگر ہم تم
یہ جو ٹوٹا تو بکھر جائیں گے ہم بھی
وقت سے کون کہے یار ذرا آہستہ

اگلی صبح سونیا اسے ڈھونڈتی ہوئی باہر آئی تو وہ بہت بے قرار محسوس ہو رہی تھی۔

"پری آر یو آل رائٹ۔" وہ پریشان ہوتی اس کے نزدیک ہی بیٹھ گئی۔

"تمہیں پتہ ہے سونی آج جب وہ تیار ہو رہا تھا تو شیو کرتے ہوئے اس کی تھوڑی پہ بڑا گہرا کٹ لگ گیا ہے اور اب بھی بے بسی دیکھو میں اس کے زخم پہ مرہم رکھ سکی نہ اس کی تکلیف دور کر سکی۔" اور سونیا ہکا بکا رہ گئی تھی۔

"تمہیں کیسے پتہ پری کیا اس نے فون پہ تمہیں بتایا؟"

"نہیں فون پہ نہیں بتایا مگر پھر بھی مجھے پتہ چل گیا۔" سونیا نے محسوس کیا اس کی آواز میں بے حد رنجیدگی تھی وہ ششدر رہ گئی تھی اس انوکھے انکشاف پہ۔

"کیسے کیسے پتا چل گیا خود بخود تمہیں پری؟" وہ سراپا سوال تھی۔

"مجھے اس کے متعلق ہر خبر میرا دل دے جاتا ہے سونی جب اس کی شادی ہوئی میرے دل پہ الہام اتر آیا تھا اس کے حوالے سے میرا دل ولی ہو گیا ہے سب کچھ بتا دیتا ہے محبت میں ایسا ہوا کرتا ہے۔" وہ کتنی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی اور سونیا کی حیرت دوچند ہوتی جا رہی تھی۔

اس نے دیکھا اس وقت پریشے لان میں کافور کے درخت کے نیچے چپ چاپ بیٹھی تھی اس کے کھلے بال اس کے پہلوؤں سے ہوتے ہوئے لان کی نرم گھاس کو چھو رہے تھے وہ اس وقت سونیا کو چغتائی کی تصویروں جیسی غزالی اور لڑکیوں کی طرح عشق بلب محسوس ہو رہی تھی جس کا دل ہی نہیں اس کی روح بھی زخمی تھی اور وہ ہجر کی دلدل میں گویا گردن تک دھنسی ہوئی تھی۔

سونیا کو وحشت گھیرنے لگی اسے پریشے کی اندھی محبت سے خوف آنے لگا اس کی اس وحشت میں اضافہ کوئل کی اس کوک نے کیا تھا جو بار بار کسی درخت سے کوکتی تھی اس کی کوک میں گویا پریشے کے دل کی ہی ہوک در آئی تھی۔

"پری چلو اندر آؤ صبح ہی صبح یہاں آ بیٹھی ہو تمہیں پتہ ہے رات میں دیر تک ٹی وی دیکھتی رہتی ہوں بھئی ماشاءاللہ سے ہمارے عوام بہت غیور ہیں خاص حسین کی رہائی کے لئے سڑکوں پر نکل آئے عوام کی دعائیں رنگ لائیں اور انہیں آزادی کا پروانہ دے دیا گیا، آج کسی بھی وقت وطن پہنچیں گے۔"

"سونی وہ راتوں کو دیر تک جاگنے کا عادی ہے اور صبح جب شیو کرتے ہوئے اسے کٹ لگا ہوگا تو اس کی بیوی نے اپنے ہاتھ سے اس کے زخم کو صاف کیا ہوگا اور ایسا کرتے ہوئے وہ اس کے کتنا نزدیک آ گئی ہوگی۔"

سونیا کی بات نہ جواب میں پریشے نے جو کہا تھا وہ دیوانگی کے زیر اثر کہا تھا سونیا نے خوفزدہ سا ہو کر اسے دیکھا جس کی آنکھوں میں وحشت کے ساتھ ساتھ آنسوؤں کا ایک سمندر ہلکورے لے رہا تھا، سونیا کو لگا اس کے اندر ایک ریگستان پھیل چکا ہے جس میں وہ پاؤں ڈالے بغیر چل رہی ہے ہجر کے صحرا کو عبور کرتے وہ بس تپتی ریت پہ ایک ہی نام کی پکار کے ساتھ رو رہی تھی اور پیاس اس کے ہونٹوں کو خشک کر رہی تھی، فریق ثانی کا بدلہ ہوا رویہ بھی اس کے اندر کی اس تپش اس خلش کو ختم کرنے میں ناکام رہا بلکہ شاید وہ اس وحشت اور جنون میں کچھ مزید آگے بڑھ گئی تھی، اس کے ہر طرف ابھی بھی پھونک ڈالنے والی حسد کا ریگستان پھیلا تھا اور اس ریت پہ وہ کسی کی طرح ننگے سر ننگے پیر بھاگ رہی تھی اس کے چہرے پہ جما سرسوں کا رنگ کچھ اور بھی گہرا ہو چلا تھا۔

سونیا نے کہیں پڑھا تھا حسد میں یہ خوبی ہوتی ہے کہ انسان اس میں خواہ محبوب کے تصور کو کھو دیتا ہے یہ خیالات اس قدر پھیلے ہوتے ہیں زہر آلود اور وہم انگیز ہوتے ہیں کہ محبت کی ہاؤس وہ بھی اس آگ میں تپ کر جل جاتی ہیں اصل محبوب تو اندر ہی گم ہو جاتا ہے۔ وہ پریشے کو محبت سے حسد کے راستوں کا مسافر ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی، تبھی اس نے گھبرا کر اسے ایک ہیجان کی کیفیت میں جھنجوڑ ڈالا تھا۔

"پری پلیز پلٹ آؤ لوٹ آؤ کہ حسد اور محبت ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔" پریشے چونک گئی تھی پھر جیسے اس کی بات سمجھ کر دل شکستگی سے مسکرا دی۔

"یو آر رائٹ سونی حسد اور محبت ایک ساتھ نہیں چل سکتے حسد کا محبت سے کوئی تعلق نہیں اور میری محبت تو ہجر کی بھٹی میں جل کر عشق کے مرتبے تک جا پہنچی ہے سونی! تم جانتی ہو میرا عشق نارسائی کے احساس کو پانے کے بعد اتنا تھی ہو چکا ہے کہ اس کے بعد اس کی کوئی طلب ہی باقی نہیں رہی سوائے محبوب کی دید کے قلب کا راستہ جسم سے ہو کر نہیں گزرتا جس روحانی عمل سے مقدس ہوتا ہے انسانی روح کے لئے سب سے زیادہ معطر اور طیب روح کی محبت کی ضرورت ہوتی ہے شاہ عبداللطیف کا ایک بیت ہے جس کا ترجمہ ہے۔"

(اللہ) آنکھیں وہی رکھ جن سے مالک حقیقی کا دیدار کر سکو کسی اور کی طرف مت دیکھنا کیونکہ مالک حقیقی بڑا غیرت مند ہے)۔

"میری آنکھیں میلی ہو گئی تھیں سونی مجھے اس کی سزا تو ملنا تھی مگر وہ مالک حقیقی بہت ہی بہت مہربان بھی ہے تبھی تو اس نے میری خطا کے باوجود میری بہت بڑی آزمائش نہیں کی اس نے مجھے میری توقع سے بڑھ کر نوازا ہاں سونی مجھے کسی سے بھی کوئی شکوہ نہیں نہ اپنی قسمت سے نہ طارق شیرازی سے نہ اپنے رب سے میں مطمئن نہیں بھی ہوں تو میں شاکر ضرور ہونا چاہتی ہوں، مجھے

سب کی نافرمانی سے ڈر لگنے لگا ہے۔"

"تم شاید یقین نہ کر پاؤ کہ میں نے کبھی بھی طارق کی بیوی سے حسد یا رقابت محسوس نہیں کی ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کے تعلق کے بارے میں سوچ کر مجھے اپنی سانس گھٹتی محسوس ہوتی ہے تم دعا کرو سونیا میں پرسکون ہو سکوں۔" پھر وہ اٹھی اور اندر چلی گئی تھی جبکہ سونیا کی بولنے حرکت کرنے اور کچھ سمجھنے کی بھی صلاحیت ناکارہ ہو چکی تھی۔

☆☆☆

مہندی کی رات تھی پچھلے کئی دنوں سے وہی ڈھولک جس پہ ہر دم گیت الاپے جاتے تھے اب وہ دلہن بنی بیٹھی کمرے کے سب سے آخری کونے میں پڑی تھی اور اس کی سمت دیکھنے کا کسی کو بھی ہوش نہیں تھا بس اپنی اپنی تیاری کے سلسلے میں مچائی جانے والی ایک خوشگوار سی ہلچل تھی جو ماحول میں ایک خوبصورت سا ارتعاش پیدا کر رہی تھی تین گھنٹے مزید اس قسم کی افراتفری کا سلسلہ رہا پھر جب سب کی تیاری مکمل ہو گئی تو یہ ہلچل دوسری سرگرمیوں میں نظر آنے لگی رسم کی ادائیگی بھی شرارتوں شوخیوں اور برجستہ فقروں کی بوچھاڑ میں ہوئی اس کے بعد کچھ منچلیوں کو شرارت سوجھ گئی اور ایک دوسرے کو شرارت ہی شرارت میں ابٹن اور مہندی میں لت پت کرنے لگیں اور جنہیں اس شرارت کا شکار بنایا جا رہا تھا ان میں شہرینہ بھی شامل تھی وہ ان سے بچنے کی غرض سے بوکھلا کر اپنے کمرے میں پناہ لینے کی غرض سے دوڑی تھی مگر اندر گھس کر دروازہ لاک کرنے کی مہلت کہاں ملی تھی کہ وہ شیطانوں کا ٹولہ پیچھے ہی تو تھا شہرینہ کو بچنے کا صرف ایک ہی طریقہ سوجھا اور وہ تھا اسی وقت واش روم سے باہر نکلتا ہوا شہیر، وہ اندھا دھند بھاگتی اس کی جانب لپکی اور اس کے پورے مضبوط دراز قد وجود کی آڑ لیتے ہوئے پیچھے سے انہیں اپنے درمیان حائل کر لی۔

"مجھے بچاؤ شہیر پلیز یہ میرا نیا سوٹ خراب کر دیں گی۔" ایک پل کو تو شہیر بھی بوکھلا گیا تھا پھر خود کو سنبھال کر پورے استحقاق سمیت اس کے گرد اپنے فولادی بازوؤں کا حصار کھینچتے ہوئے اپنی پناہوں میں محفوظ کر لیا۔

"لیجئے چھپا لیا کوئی اور حکم۔" یہ سب کچھ اتنا غیر متوقع اور اتنا لاشعوری فعل تھا کہ سرزد ہو جانے کے بعد اپنی اپنی جگہ پہ دونوں ساکن ایک دوسرے کو دیکھتے چلے گئے اور یہی وہ پل تھا کہ جب دروازہ دھاڑ سے کھلا اور وہ سب کی سب پانی کے مٹکے اور رنگ کی صورت اندر گھستی چلی آئیں مگر سامنے منظر اتنا حیران کن اور غیر یقینی تھا کہ ان کے منہ سے حیرت کی زیادتی سے ایک لفظ نہیں نکل سکا سب سے زیادہ حیرت تو رافعہ آپا کو ہوئی تھی جو انہیں باز رکھنے کی نیت سے ہی پیچھے بھاگتی آئی تھیں۔

شہیر نے ان کی حیرت بھری خوشی ملاحظہ کی اور کھسیائے ہوئے انداز میں شہرینہ کو چھوڑ کر فاصلہ بڑھا دیا۔

"بڈھی ہونے جا رہی ہیں محترمہ اور حرکتیں ملاحظہ ہوں الہڑ دوشیزاؤں والی۔" خجالت سے نظریں چراتا وہ پھر سے رخ موڑ کر رومال تلاش کرنے لگا۔

"کیا کہا بڈھی اور میں؟ خود تو جیسے بہت جوان ہیں محترم ذرا دیکھ رہی ہیں آپا کتنی تیزی سے سر سفید ہو رہا ہے اور ماتھے پہ پڑی رہنے والی شکنیں اب جھریاں لگنے لگی ہیں میں تو بالکل فٹ فاٹ ہوں آخر کو پورے چار سال چھوٹی ہوں ان سے۔" وہ اب بھی جھگڑ رہی تھی مگر اس جھگڑے میں

نفرت تھی نہ حقارت طنز تھا نہ چبھن بلکہ میاں بیوی کے رشتے کی مخصوص اپنائیت اور نوک جھونک کا رنگ تھا رافعہ آپا کو اس بات کو جاننے کو ایک پل بھی نہیں لگا کہ دیر سے سہی مگر اس دیوانی لڑکی کی سمجھ میں ان کی باتیں آ گئی تھیں کیا ہوا جو اب کی بار انہوں نے سمجھانے کا انداز بدل لیا تھا وہ مسکرا دی تھیں اور سب لڑکیوں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتی پلٹ گئیں۔

"ارے مجھے یاد آیا، اسوہ کہہ رہی تھی مما مجھے نیا جوتا کاٹ رہا ہے سینڈل پہنا دیں رسم کرنے میں ایسا مگن ہوئی بالکل ذہن سے نکل گیا۔"

کمرے میں تنہائی پاتے ہی وہ شہیر کی نگاہوں کو خود پہ جمے پا کر اندر ہی اندر بوکھلائی بظاہر بڑے اعتماد سے کہتی جیسے ہی باہر جانے کو لپکی شہیر نے ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی پہ گرفت کر لی تھی۔

"اوں ہوں ایسے کیسے جانے دیں محترمہ ذرا اس تبدیلی کی وجہ تو بتلا دیجئے؟"

"کون سی تبدیلی؟" وہ بری طرح سے ششدر تھی یہ جواب دینا تو بڑا دشوار مرحلہ تھا یہی جسے میں ہی نہیں رافعہ آپا بھی محسوس کر کے حیران کم خوش زیادہ تھیں۔

وہ بہت گہری نگاہوں سے اس کے چہرے پہ بکھری خجالت بھری مسکان دیکھنے لگا مگر وہ طرح دے گئی۔

"کیا میں یہ سمجھوں کہ یہ داؤد کے مبارک قدموں کی بدولت؟"

"پلیز شہیر کبھی تو خود کو اور مجھے اس ایک بندے سے الگ کر کے بھی سوچ لیا کریں عجیب فضول سی محبت ہے آپ کی حالانکہ صورتحال کے مطابق تو آپ کو اس سے نفرت ہونا چاہیے تھی [illegible] نفرت کی جگہ وہ صرف محبت کرنے کو بنایا گیا ہے۔" شہیر [illegible] مسکرا کے دیکھا تھا۔

"نفرت میں کروں [illegible] نے اسے مجھ سے زیادہ محبت اور اہمیت دینے کی کوشش کی آپ جو سمجھتے ہیں کہ میں بہت شدت پسند ہوں اور میرے قول و فعل میں تضاد بھی نہیں تو میں آپ سے محبت نہیں کرتی مگر میں نے آپ کو اس رشتے کے حوالے سے پہلی بار قبول کیا ہے تو آپ میری طرف اتنی شدت سے [illegible] چاہے وہ کوئی عورت نہیں مرد ہی ہے تب بھی مجھے اچھا نہیں لگے گا۔" اس نے بڑی صاف گوئی سے دو ٹوک بات کی وہ ایسی ہی تھی وہ جانتا تھا۔

"جو حکم سرکار اب اپنے گھر کو بھی تو دیکھنا ہے ناں یہاں تو سگے ماں جائے [illegible] صد شکر کہ تم نے صرف میرے پیار کی محبت کے اظہار پہ ہی پابندی لگائی ہے۔" وہ ہنسا تو شہرینہ مسکرا دی۔

"ارے وہ وجہ تو بتاتی جاؤ جس نے ہمارے دل کو خزاں رت سے نکال کر بہار کے سندیسے سنائے ہیں۔" "اور بھی رستے ہیں اس گھر میں اس ایک مسئلے کے سوا۔" وہ شوخی سے مسکرا کر کہتی باہر چلی گئی شہیر گہرا سانس کھینچ کر خود بھی دروازے سے نکل گیا تھا۔

☆☆☆

کوئی پوچھے کہ آخر یہ وفا کا بوجھ کیسا ہے
سہارا بھی نہیں جاتا اتارا بھی جا نہیں سکتا
کہیں پہ رب بھی سکتا ہے ہمارے عشق کا سودہ
کہ جاناں حد سے آگے تو خسارہ جا نہیں سکتا

بارات کا انتظام شہر کے ہوٹل میں کیا گیا تھا وہ سب لوگ گاڑیوں میں لدلد کے بڑی مشکلوں

سے ہی وقت کے وقت پہنچ پائے تھے۔ خواتین کی تیاری مکمل ہونے میں کہاں آئی تھی یہ تو مردوں کی غصے میں چھوڑ جانے کی دھمکیاں تھیں کہ آدھی ادھوری تیاری سمیت گاڑیوں میں بیٹھیں اور باقی کے کام جیسے لپ اسٹک تو کسی نے بال بنانے کا کام وہیں انجام دیا۔

اور ہوٹل کے سبزہ زار پہ بارہا خواتین سے محو گفتگو تمکین کو گاہے بگاہے دیکھتے داؤد حسن خان مکمل طور پہ فکر بالائے طاق ہونے کے باوجود بھی یہ جان پائے تھے کہ دھنک کے رنگوں جیسا شوخ اور خوشنما سا لباس اس پہ کتنا جچ رہا تھا، ہیروں کی کنی کی مانند دمکتی روشن آنکھیں اور طمانیت کا احساس لئے ریشمی زلفوں کی گھٹاؤں میں دمکتا دلکش معصوم اور اجلا چہرا۔ وہ پہلے سے ہی اتنی حسین تھی یا آج کی خصوصی تیاری کے بعد نظر آ رہی تھی وہ سمجھنے سے قاصر رہے۔

"مامی! آپ کو ماموں یاد کر رہے ہیں۔" بلیک تو پیس میں ٹپ ٹاپ سے تیار وقاص نے ان کی نگاہوں کا بھٹکنا محسوس کر کے شرارت کی شروعات کی اور بارہا خواتین سے محو گفتگو تمکین نے اس کی بات پہ سر ہلا دیا اور جب وقاص نے دوبارہ اپنی بات دہرائی تو تمکین معذرت کرتی ہوئی اٹھ کر داؤد حسن خان کی سمت آ گئی جو آف وائٹ پینٹ کوٹ میں ملبوس ہمیشہ کی طرح سے باوقار اور شاندار نظر آ رہے تھے۔

سہانی شام تھی۔ درختوں کے پتوں کو چھو کر گزرتی تو ماحول میں ایک خنکی کا سا احساس بکھر جاتا۔ سارا انتظام سوئمنگ پول کے ارد گرد راہداریوں میں تھا وہ اطراف میں نگاہ ڈال کر جائزہ لیتی ہوئی ان تک آ گئی۔

"جی! آپ نے بلایا؟"

"میں نے؟" داؤد حسن خان نے خفیف سی نگاہوں سے اسے دیکھا پھر ہونٹوں میں جنبش دبا لی تھی۔

"نہیں تو۔"

"مگر وقاص تو کہہ رہا تھا کہ......"

"اوہو مامی میں نے یہ کہا تھا کہ ماموں یاد کر رہے ہیں۔" آس پاس ہی سن گن لیتا وقاص ایک کر نزدیک آ گیا۔

"کیا مطلب؟" داؤد حسن خان نے بھرپور خفگی کا اظہار ضروری سمجھا۔

"کیا آپ بار بار مامی کو نہیں دیکھ رہے تھے؟ ویسے اچھی بھی تو بہت لگ رہی ہیں نا ان کے ساتھ بیٹھیں گے تو سب ہی لوگ اس خوبصورت کپل سے امپریس ہوں گے اور سراہیں گے نا ویسے بے فکر رہیں نظر بد نہیں لگے گی آپ کو میں نے آیت الکرسی پڑھ کر دم کر دیا ہے۔" وہ مسکراہٹ دبائے کہ رہا تھا تمکین کا چہرہ جانے کس احساس کے تحت سرخ پڑ گیا۔

"او سے بائے۔" وہ ہاتھ ہلاتا ہوا کھسک گیا۔

"بہت اسٹوپڈ ہے۔" داؤد حسن خان کے لہجے میں اس کے لئے ہمیشہ والی محبت کے رنگ اب بھی چھلک رہے تھے تمکین نے جواباً کوئی تبصرہ نہیں کیا اور قدموں کو واپس موڑ لیا تو داؤد حسن خان بے اختیار پکار رہے تھے۔

"بیٹھ جائیں بھئی کیا اب آپ اس کی اتنی معصوم سی شرارت کو مائنڈ کریں گی؟" وہ اب اسے براہ راست دیکھ رہے تھے گو کہ لہجہ سنجیدہ تھا مگر آنکھوں میں خفیف سی مسکان ضرور تھی وہ نروس ہونے لگی اور آہستگی سے کرسی کھینچ کر ٹک گئی ان سے دھیان ہٹا کر سامنے دیکھا، سپرنگ بورڈ پہ ایک امریکی لڑکی چڑھی اور اس نے ہوا میں سمر سالٹ لگایا اگلے ہی پل وہ پانی تلے غائب ہو چکی تھی تمکین کا رنگ پہلے اڑا پھر بے تحاشا سرخ پڑ گیا اس نے چور نگاہوں سے داؤد حسن خان کا جائزہ لیا ان کا دھیان اس سمت نہیں تھا مگر ہو تو سکتا تھا۔

"اف کتنی واہیات جگہ ہے یہ شبیر بھائی بھی اٹینشن کا نشش ہوتے کسی فضول ہوٹل میں جگہ کرا بیٹھے۔" اس نے کلس کر سوچا اور اٹھتے ہوئے داؤد حسن خان کا بھی ہاتھ پکڑ کر اٹھا لیا۔

"آئیے میرے ساتھ۔"

"کہاں؟" وہ چونکے۔

"آئیے تو سہی آئیں۔" وہ کچھ اتنی بے چین ہوئی کہ ان کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی ساتھ گھسیٹ لے گئی اور پھر تقریب کے اختتام تک وہ اسی کوشش میں ہلکان ہوتی پھری تھی کہ داؤد کو کسی ایسی جگہ چھپا دے جہاں یہ واہیات قسم کے مناظر ان کی نظر میں نہ آ سکیں اور داؤد حسن خان اس کی اس حرکت کو محسوس کرتے محظوظ ہوتے رہے تھے۔

☆☆☆

"ہائے میم ہاؤ آر یو؟"

اس مرتبہ کا ٹکراؤ راہ چلتے ہوا تھا، وہ لوگ چہل قدمی کو نکلی تھیں ایک طرف گراؤنڈ تھا تو دوسری جانب بہت ہی اچھی قسم کا ہوٹل آج باتوں میں مگن ہو کر وہ کچھ زیادہ ہی دور نکل آئی تھیں۔

"اسلام وعلیکم!" پریشے نے دل سے اس پہ سلامتی بھیجی اور اس کے وردی میں سجے خوبرو سراپے پہ عقیدت بھری نگاہ ڈال کر نگاہوں کو احتراماً جھکا لیا۔

"وعلیکم السلام! کیسی طبیعت ہے؟" وہ اس سے ہی مخاطب تھا پریشے کے چہرے پہ ایک تاریک ایک سایہ لہرا کے گزرا۔

"پلیز! یہ مت پوچھا کریں طارق مجھے احساس ہوتا ہے میں کتنی خطرناک بیماری کی مریضہ ہوں جبکہ یہی اک بات ہے جسے میں بھلا دینا فراموش کر دینا چاہتی ہوں۔" وہ ایکدم شکستہ نظر آنے لگی طارق کے ساتھ ساتھ ہونیا کو بھی چپ لگ گئی۔

"جیسی بھی خطرناک بیماری ہو آپ کو تو بس تحریک ہوتا ہے اس لئے بھی کہ کسی کو آپ کی بہت شدتوں سے ضرورت ہے۔"

طارق نے درمیانی فاصلہ گھٹایا اور اس کے ہمقدم ہو کر سرگوشی سے ذرا بلند لہجے میں بولا تھا اس کے لہجے میں آس امید حوصلہ اور خوش خیالی سب کچھ تھا پریشے نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا ان طلسمی نگاہوں کی فسوں خیزیوں میں اور بھی بہت کچھ تھا محبت اور ہمدردی نہیں تھی اور اس کے دل سے جیسے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا تو جیسے زندگی کا سب سے روشن اور خوبصورت رنگ اس پہ آشکار ہو گیا۔

"کون سی مووی دیکھی تھی رات؟"

وہ باتیں ہوئی تھی اور یہ بار فریق ثانی پہ ظاہر بھی ہو چکی تھی پھر کیا حرج تھا گھڑی دو گھڑی ان لمحات سے زندگی کشید کرنے میں مگر یہ وجود کے اندر کون تھا جو ملامتی نظروں سے دیکھتا تھا اور کچو کے لگاتا چلا جا رہا تھا وہ پوری طرح خوش تو نہیں ہو پائی البتہ نڈھال ضرور ہو گئی اس کشمکش

ہے۔

"سوری نہیں پتا کہیں پر یشے جس میں افق کا دوسرا کنارہ تھا اور..... اور آپ کے ساتھ موسو تھی یعنی پیار کا نام ہے نا اس کا؟" وہ اس کی بات قطع کر گئی تھی اندر کا طلاطم اب خاموش تھا پریشے نے کرب سے نڈھال ہوتے آنکھیں سختی سے بھینچ لیں طارق شیرازی نے راہ میں پڑے پتھر کو بڑے زور کی ٹھوکر ماری اور اس کے اگلے لمحے نے کو نگاہ کی زد سے بچا بہت خاموش نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا ایسی نگاہیں جن میں شکایت گلہ اور اپنائیت بھری ہی تھی۔

"کیا ضروری ہے کہ ہماری اپنی باتوں میں اس کا ذکر آئے؟"

"وہ آپ کی زندگی میں مجھ سے پہلے آچکی ہے طارق تو پھر اس کا ذکر تو کوئی معنی نہیں رکھتا۔"

"میں کیا سمجھوں اس سے کہ آپ جیلس ہو رہی ہو۔" اس کے لبوں کے گوشوں میں ابھرتے سورج کی مانند مسکان کی جھلک نظر آئی۔

"میں ان سے جیلس کیسے ہو سکتی ہوں کم از کم۔"

"ہاں۔" طارق نے پیشانی کے بال مٹھی میں جکڑ کر خفیف سا جھٹکا دیا اور بے چارگی و دکھ سے بولا تھا۔

"اگر آپ اس سے جیلسی فیل کر رہی ہوتیں پریشے بہت اچھا لگتا لیکن یہ محبت کے ساتھ لازمی جذبہ ہوتا ہے۔" پریشے نے دھندلائی ہوئی سے اسے دیکھا اور دل پہ پتھر رکھ کے ہنسی۔

"آپ مرد حضرات کو یہ کریز کیوں ہوتا ہے طارق ..... کہ آپ کی ذات میں انوالو ہو؟"

"مجھے آپ کی اس بات سے بڑا شدید اختلاف ہے پریشے ہر لڑکی نہیں صرف وہ لڑکیاں، صرف تم اور موسو کیونکہ میری زندگی میں آنے والی لاتعداد لڑکیوں میں صرف تم ہی دو تھیں جن سے میں امپریس ہوا ہوں صرف تم دونوں سے محبت کی ہے۔"

وہ ازلی بے نیازی اور اعتماد سمیت کاندھے اچکا کر کہہ رہا تھا کتنی آسانی سے ایک ہی جست میں وہ آپ سے تم کا فاصلہ عبور کر گیا تھا پریشے کو برا نہیں لگا ان کی گفتگو میں شعوری یا لاشعوری طور پہ ماہ نور کا ذکر چلا آیا تھا اسے برا پھر بھی نہیں لگا اس کا مطلب تھا اس کے اندر سے رقابت کا جذبہ بھی ختم ہو گیا تھا اب صرف عشق کی شہنشاہت تھی عشق کی حکومت تھی اور عشق میں کسی سے نفرت کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔

"آپ کا زخم اب کیسا ہے؟ ریزر کا کٹ تو ہلکا بھی ہو تو گہرا گھاؤ ڈال جاتا ہے۔" اس نے پوچھا، اور طارق ٹھٹھک سا گیا۔

"تم..... تمہیں کیسے پتہ چلا کہ زخم ریزر سے لگا تھا؟"

(آپ کے بارے میں مجھے سب پتہ ہوتا ہے طارق شیرازی مجھے تو یہ بھی پتہ ہے کہ آپ کے اور ماہ نور کے درمیان کتنی دوریاں تھیں یہ فاصلے مٹے نہیں ہیں اور شاید کبھی میں بھی جی رہی ہوں سانسیں چل رہی ہیں ورنہ تو شاید)۔

"ضروری تو نہیں ہے کہ کسی کے بتانے سے ہی پتہ چلے ایک آگاہی محبت بھی تو بخشتی ہے نا سیدھا دل پہ الہام بن کر اترتی ہے، مرد اور عورت کی محبت میں یہی تو فرق ہے صاحب بہادر مرد محبت

کرتا ہے تو آگے بڑھ کر حاصل کرتا ہے مگر عورت وہ صرف گھٹ سکتی ہے مرد ازل سے بے باک ہے مگر عورت صرف رو سکتی ہے)۔"

"کیا موسی بہت خوبصورت ہے؟" اس کے لہجے میں محسوس کی جانے والی حسرت تھی ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں تھیں، طارق شیرازی نے اس سوال پہ گردن موڑ کر بغور اسے دیکھا پھر گہرا سانس کھینچ کر بولا تھا۔

"ہاں! تمہاری طرح۔"

(میں دنیا کی اس سب سے خوش نصیب لڑکی کو دیکھنا چاہتی ہوں) حسرت اس کی آنکھوں میں آ بیٹھی کہ جسے طارق نے پڑھ لیا۔

"تم کبھی میرے گھر نہیں آئیں پریشے اسی بہانے آجاؤ۔" اور پریشے درانی کی آنکھوں کے سنہرے کانچ پہ جیسے جگنی ہی چلی گئی۔

(آہ محبت کی یہ رسائی اور اس کے محسوسات اس کے گھر کے دروازے وا تو ہوئے تھے اس پر اس انداز میں نہیں جیسے اس نے چاہ کی تھی جیسے اس نے تمنا کی تھی اور خود کو جوگ دیا تھا)۔

"پھر بتاؤ نا کب آرہی ہو تم؟" طارق شیرازی کی سوالیہ نگاہوں میں بے چینی بھی در آئی اور خود سے بہت سارے فاصلے پہ اکیلی چلتی سونیا کو دیکھتے پریشے نے دانستہ اس کا سوال اگنور کر دیا۔

"یہ بھی ایک بہت بڑی بد اخلاقی ہے جس کا مظاہرہ ہم سوفی سے کرتے ہیں۔" وہ خاصی ندامت محسوس کرتے ہوئے بولی۔

"ارے بہت ہی! وہ خود بازگشت آپ کو پیچھے چھوڑ دینے کی خواہش ہی تو رکھتی ہیں۔" لہجہ معنی خیزی لئے تھا جبھی پریشے کے وجود میں سنسنی سی بھر گئی وہ بے اختیار ریلیکس ہوئی تھی اور طارق نے یہ منظر بے دھیانی میں دیکھا تھا اور پھر جیسے وہ اسی ایک لمحے کی گرفت میں آگیا یہ ایک لحہ ٹھہر نے زندگی پہ محیط ہونے آیا تھا جس کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا لامحدود وسعتوں تلک اور وہ کچھ بھی نہ کر پایا۔

"تم نے جواب نہیں دیا؟" وہ خاصی دیر بعد خود کو سنبھال کر پھر سے وہی سوال کرنے لگا۔

"ماہ نور کو برا لگ سکتا ہے طارق۔" وہ متذبذب تھی۔

"ارے۔" وہ بہت زور سے ہنسا۔

"اسے برا نہیں لگے گا یہ گارنٹی میں آپ کو دیتا ہوں۔" اور پریشے نے اس کے لہجے کی تلخی اور چبھن کو محسوس کیا تھا اور اندر تک آزردہ ہو گئی اس کے بعد اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا نہ وہ بولی تھی اور جب اس خاموشی کے ساتھ وہ ان کو ویرانی ہاؤس تک چھوڑ کر سونیا کی جانب کی آفر شائستگی سے ٹالتا ہوا پلٹ کر واپس گیا تو پریشے بہت تھکے ماندے انداز میں آ کر لان چیئر پہ گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی تھی۔

"پری! کیا ہوا؟ خیریت۔" وہ اس کا ہلدی کی طرح پیلا پھٹک ہوتا رنگ دیکھ کر ڈر سی گئی پریشے نے آنسوؤں سے دھندلائی نظروں سے اسے دیکھا اور پھر اس کے کاندھے سے سر ٹکا کر زار و قطار روتی چلی گئی تھی۔

سونیا تو اس کے یوں رونے سے اس طرح سے بوکھلائی کہ اسے حوصلہ دینا یہاں تک کہ رونے کی وجہ پوچھنا بھی بھول گئی مگر جب پریشے کی حالت بجائے سنبھلنے کے بگڑنے لگی تو سونیا نے

اسے خود سے الگ کر کے ایک وحشت کے عالم میں اسے جھنجوڑ ڈالا۔
"واٹ ہیپنڈ پری! اچنبز کچھ بولو پلیز تمہارے اس طرح رونے سے مجھے لگ رہا ہے میرا دل بند ہو رہا ہے۔" تب پریشے نے ہچکیوں اور سسکیوں کے درمیان بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا۔
"خوشی میرے نصیب میں نہیں تھی سونی تو کیا ضروری تھا خوشی طارق کو بھی نہ ملتی؟ وہ تو وہ اپنی پسند سے شادی کر کے بھی خوش نہیں ہے میں نے آج دیکھا اس کی آنکھوں میں نارسائی کے اسی صحرا کو ریت اڑاتے ہوئے جو میری بصارتیں نظارہ کر چکا ہے، وہ خوش نہیں اسے وصل نصیب نہیں ہے، مجھے متعدد بار میرے دل نے یہ بتایا تھا مگر میں ہر بار اسے اپنا وہم سمجھتی اور سر جھٹک دیتی بھلا ہو سکتا ہے سونی سوچو کہ طارق کو بھی کوئی ناپسند کرے اور اور کوئی اسے بھی ٹھکرائے۔" اور سونیا ان انکشافات کی زد پہ آئی حیرت سے آنکھیں پھاڑے بس اسے دیکھے گئی تھی۔
"کیا ماہ نور اسے پسند نہیں کرتی ہے بٹ وائے؟" وہ حیرت کی زیادتی سے چیخی۔
"آئی ڈونٹ نو، مجھے نہیں پتہ مجھے تو یہ دکھ ہو رہا ہے سونیا وہ اتنے ناقدرے لوگوں کو کیوں مل گیا جنہیں اس کی قدر و قیمت کا احساس تک نہیں، میرا دل قسمت کی اس بے نیازی پہ ریزہ ریزہ ہو رہا ہے سونیا کاش کاش میں اپنے اندر اٹھتی چیخیں باہر نکال دوں کچھ اس طرح سے بین کر روں کہ ایک ہجوم اکٹھا ہو جائے اتنے آنسو بہاؤں کہ زمین پہ سیلاب آ جائے۔" اس کے آنسو پھل پھل بہہ رہے تھے سونیا نے بہت آزردگی میں گھر کر اسے دیکھا۔
"اس نے تمہیں خود بتایا؟" سونیا کا دکھ گہرا ہونے لگا۔
"نہیں میں نے خود سے جانا اور میری یہ پرکھ ہرگز غلط نہیں ہے۔"
"او تم نے تو مجھے ڈرا کے رکھ دیا پریشان مت ہو پری میں مجید صاحب سے اس متعلق۔۔۔"
"نہیں سونی! یہ کسی طور بھی مناسب نہیں ہے ان کی مردانہ انا کو ٹھیس لگے یہ مجھے گوارا نہیں ہے۔"
"صدقے جاؤں کیا انوکھی محبت ہے محترمہ کی۔"
"تم۔ وہ بھی کہہ لو۔" وہ آنسو پونچھتے ہوئے اس کا طنز صاف پی گئی۔
"ٹھیک ہے نہیں پوچھتی بلکہ اب طرح سے دیکھا جائے تو یہ اچھا ہی ہوا ہے یار تمہارے لئے پرابلم نہیں ہو گی یعنی راستہ صاف۔" سونیا نے ہنس کر اسے چھیڑا جبکہ پریشے کے چہرے پہ سرخی سی چھا گئی تھی اس نے کسی قدر سنجیدگی اور دکھ کی ملی جلی کیفیت میں گھر کر اسے دیکھا تھا۔
"سونیا میں سیلفش نہیں ہوں کسی کی بربادی اور دکھ کبھی میری خوشی اور راحت کا سبب نہیں ہو سکتی انہیں اگر میرا نصیب ہونا ہوتا تو وہ ماہ نور کو کبھی نہ ملتے۔" سونیا نے اس کے لہجے کی نمی اور گہرے دکھ کو محسوس کیا تھا اور پھر اسے گلے لگا کر نرمی سے تھپکا۔
"وہ اب بھی تمہارا نصیب ہو سکتے ہیں۔" اور پریشے کی آنکھیں اس ایک بات پہ پھر سے بھیگنے لگی تھیں۔

☆☆☆

"یہ پھول دیکھ رہی ہیں؟"
"ہاں بہت خوبصورت ہیں۔" نگین حویلی کے پائیں باغ میں چہل قدمی کرتے سنہرے

پہ دل والی تھی وہ دیکھ کر مبہوت سی بیٹھی تھی جب وقاص نے آتے ہی یہ سوال کر دیا۔
"میرے ماموں بھی کچھ کم خوبصورت نہیں ہیں۔" وہ مسکرایا اور نگین جھینپ گئی۔
"یہاں ان کا کیا ذکر ہم تو پھولوں کی بات کر رہے تھے نا؟" وہ دانستہ کترائی۔
"ان پھولوں کے خوبصورت تصرف کا خیال کیوں نہیں آیا آپ کو؟" وہ گلاب کی کلی سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے بظاہر سنجیدگی سے بولا۔
"مہربان خاتون انہیں توڑیں دو چار کانٹے ضرور انگلیوں پہ چبھو لیجئے گا چاہے دانستہ سہی اور زخمی ہاتھوں کے ساتھ لے جا کر پھول اپنے محبوب کے قدموں میں نچھاور کیجئے رنگین وہ پھولوں کو بھول کر آپ پہ نثار ہو جائیں گے، آزمودہ ٹوٹکہ ہے بہت سی فلموں ڈراموں اور ناولز میں پڑھا ہے۔" نگین اس کی شرارت سمجھ کر اسے مارنے کو لپکی تو وہ سبزے کی باڑھ پھلانگ کر اس کی پہنچ سے دور ہو جانے کے بعد کھلکھلا کر چڑانے لگا نگین اسے گھور کر دیکھنے لگی۔
"سنئے مائی! آج بھی یہاں سے جانے کا ارادہ ہے یا نہیں؟ اچھی آئی ہیں بھئی یہاں آپ تو دل لگا کر ہی بیٹھ گئیں۔" وہ منہ بسور کر نئی بات کا آغاز کر چکا تھا۔
"نہ نہ غلط بیانی نہیں چلے گی ہمارا دل تو صرف آپ کے ماموں میں لگا ہے بچے اور یہ بات تم بھی اچھی طرح سے جانتے ہو اور تمہارے ماموں بھی بھلے کتنا ہی بچتے رہیں۔"
"آہم۔" وقاص خواہ مخواہ کھنکارا مگر وہ تو بہت جوش میں آ گئی تھی اس کی سمت قطعی توجہ نہ دی۔
"اور تم دیکھنا جس دن تج دیا نا انہیں سارے اگلے پچھلے بدلے ضرور چکاؤں گی۔"
"آ۔۔۔ آہم۔۔۔ آہم۔" وقاص نے اب کی مرتبہ کھنکار کو طویل کیا اور ہاتھ میں تھنی سمت کچھ پھول اس کے سر پہ مارا وہ ذرا سا چونکی تب ہی نگاہ داؤد حسن خاں پہ جا پڑی جو یقیناً اس کی ڈائیلاگ بازی پوری نہ سہی کچھ ضرور سن چکے تھے اس کی طراری تو ہوا ہوئی ہی شرمندگی بھی بہت تیزی سے وارد ہوئی تھی۔
"ہو گئی تیاری آپ کی؟" ان کی سنجیدگی اور متانت کا وہی عالم تھا مگر نگین کی خفت کم نہیں ہوئی اس پہ وقاص کے شگوفے۔
"تو مرا بھی رہتی ہے یہ پھول لگا دیں ان کی زلفوں میں بس یہی کمی ہے۔" وقاص نے پھر سے اپنی ٹانگ اڑائی تھی اور ہاتھ میں موجود سرخ دہکتا ہوا گلاب ان کی خدمت بڑے عقیدت مندانہ انداز میں جھک کر پیش کیا۔
"وکی!" داؤد حسن خاں نے تنبیہ کے انداز میں کہا اور وہ مسکین سی شکل بنا کر دو گلے ہی میں ہوا ہو گیا البتہ اس کی ہنسی کی دبی دبی آواز دونوں نے سنی تھی اور نگاہ ایک دوسرے سے جا ملی تھی، داؤد حسن خاں نے بغیر کسی خاص تاثر کے نگاہ کا زاویہ بدل کر کلائی پہ بندھی ریسٹ واچ پہ ٹائم دیکھا۔
"ایک ڈیڑھ گھنٹے میں ہمیں نکلنا ہے۔"
"جی بھئی یہ اپنے اور داؤد کے کپڑے رکھ لو یاد نہ بھول جائے ابھی وقاص نے بتایا تم لوگ یہاں ہو ورنہ میں تو سارے گھر میں ڈھونڈ آئی تمہیں۔" رافعہ آپا شمیرینہ کے ساتھ باتیں کرتی دور سے ہی بولتی آ رہی تھیں داؤد حسن خاں خاموش ہو گئے تھے۔
"ان فارملیٹیز کی کیا ضرورت ہے آپا میں چاچی کو بھی منع کر چکا تھا، کیا آپ مجھے غیر سمجھتے

ہیں؟''

''خیر نہیں ہو تبھی تو محبتوں کے یہ اظہار ضروری ہیں بچے یہ خاندانوں کے ریت رواج ہوا کرتے ہیں تم نہیں جانتے لگی ضرور جاتی ہوگی یہ جان کر اب کچھ مت کہو کہ یہ ہماری خوشی ہے۔'' آپا نے محبت سے اس کا کاندھا تھپک کر مسکراتے ہوئے کہا تو داؤد نے گہرا سانس بھر کے سر ہلایا تھا کھانے کے بعد ان کی واپسی تھی وہ فرداً فرداً سب سے ملے اور رافعہ آپا کو بالخصوص اپنے ہاں آنے کی دعوت دی تھی۔

''ہاں میری جان کیوں نہیں، لاہور میں تو ہمارا کئی بار چکر لگا مگر کیا خبر تھی تم وہاں ہو۔'' وہ جانے کیوں پھر سے آبدیدہ ہو گئیں

''چلیں اب تو پتہ چل گیا ہے نا اب ضرور تشریف لایئے گا خالہ جانی ہم منتظر رہیں گے دراصل مجھے بہت شوق ہے گھریلو لڑائی دیکھنے کا اور نند بھاوج کی لڑائی تو اور بھی مزے کی ہوتی ہو گی جلد آیئے گا، اور لڑائی کا پکا پروگرام بنا کر کتنا مزا آئے گا جب ایک ہی آدمی کے لئے دو خواتین لڑیں گی ایک کا بھائی تو دوسرے کا شوہر، حقوق کی جنگ، طعنے الزام کوسنے اور سر پکڑے بیٹھے ماموں بالکل فری شو۔'' وقاص نے مزے لے کر کہتے ہوئے داؤد حسن خان کو آنکھ ماری سب ہنسنے لگے۔

''او جیو بھانجے، تمہاری خالہ تو پتہ نہیں کب آئیں البتہ میں تمہاری مامی کو لے کر جلد ہی آؤں گا یار صرف نند بھاوج کی ہی نہیں دیورانی جٹھانی کے جھگڑے بھی کم مزے کے نہیں ہوتے۔'' شہیر کے خوشگوار انداز اور شرارت کے جواب نے کچھ تو اسے غور سے دیکھا آنکھوں کو داؤد حسن خان نے بہت اچنبھے میں گھر کر دیکھا تھا انہوں نے سوالیہ نگاہیں شہیر کی جانب اٹھائیں تو ان کے چہرے پہ ہی نہیں آنکھوں اور ہونٹوں پہ بھی بھرپور آسودہ مسکان تھی۔

''مطلع صاف ہو چکا ہے جان من کہتے ہیں نا ہر شب کی سحر ہوتی ہے، یار میری زندگی میں بھی جتنے اندھیرے تھے وہ چھٹ گئے ہیں اور میں تو اسے بھی تمہاری واپسی کی برکت سمجھ رہا ہوں، تمہارا کیا خیال ہے؟'' جب وہ ان سے الوداعی مصافحہ کر رہا تھا ان کے کان میں گھس کر ہنستے ہوئے بولا اور داؤد کو لگا تھا جیسے ان کے کاندھے پہ رکھے بوجھ میں کمی واقع ہوئی ہو انہیں یہ سب کے احسانوں میں سے ایک عظیم احسان محسوس ہوا تھا۔

☆☆☆

''مجھے لاہور جانا ہے۔'' طارق شیرازی رائٹنگ ٹیبل پہ جھکا نوٹ بک پہ کچھ تحریر کرنے میں مصروف تھا جب ماہ نور نے آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا اور یہ پہلی بار ہوا تھا کہ وہ طارق کے بیڈ روم میں بغیر ناک کیے داخل ہوئی تھی کتنی بڑی بڑی تبدیلیاں اس میں کتنے غیر محسوس انداز میں رونما ہوئی تھیں اور یہ سارا کچھ اس ساحر کی وجہ سے تھا جس نے بالآخر کسی طور اس کو بھی اپنی شخصیت کے طلسم میں جکڑ لیا تھا۔

طارق نے اس کی آواز سنی تھی وہ اپنا کام کرتا رہا پین بند کیا اور پلٹ کر سنجیدگی سمیت سپاٹ نظروں سے اسے دیکھا وہ گویا اپنی بات کی وضاحت دے رہی تھی۔

''او کے ایز یو وش، میں جب تم کہو سیٹ کنفرم کرا دوں گا۔'' ماہ نور کو جھٹکا لگا نہ کوئی حیرت نہ

استفسار وہ کتنا نارمل بات کر رہا تھا ماہ نور کے جیسے دل پہ گھونسا لگا تھا اس کی اس درجہ بے اعتنائی، لاتعلقی نے اس کا تو خیال تھا جیسے ہی وہ یہ بات کہے گی اس کی اتنے سارے دنوں سے برتی جانے والی بے اعتنائی دھری رہ جائے گی، دکھ حیرت اضطراب بے چینی کتنے ہی احساس اس کے وجود میں ہلچل مچانے لگے۔

''اب ایسے کیوں دیکھ رہی ہو میں نے انکار تو نہیں کیا جیتے ہے۔'' وہ اس کی شاکی نظروں کو محسوس کر کے جھلاہٹ میں آتا ہوا بولا۔

(کاش تم انکار کرتے یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے طارق مجھے انجانی ناپسندیدہ راہوں پہ زبردستی گھسیٹ لائے ہو اور اب، اب کیوں بدل رہے ہو۔)

اس کا جی چاہا وہ ایک دم سے بڑھ کے اس کا گریبان پکڑ کے اتنا جھنجھوڑے کہ اس کی ساری بے اعتنائی بے نیازی ختم ہو جائے، مگر اس نے ایسا نہیں کیا اور یکدم سے پلٹ کر باہر نکل گئی اسے لگا تھا اگر وہ ایک پل بھی مزید طارق کے سامنے ٹھہری تو وہ بڑے کی چھت سے پانی بن کر پگھل جائے گی اور ابھی تو اسے اپنی انا عزیز تھی طارق جو اس کے عجیب و غریب رویے پہ حیران ہوتا اس کے پیچھے جانے ہی والا تھا کہ اس پل اس کے سیل پہ کال آنے لگی اس نے نمبر دیکھا کال ریسیو کی تھی بہت عجلت بھرے انداز میں جیسے اس کام کو نمٹا کر ماہ نور سے بات کرنا چاہتا ہو سارا دھیان تو اس کی شکستہ رنگت اور چھلک جانے کو بے تاب آنکھوں میں اٹکا ہوا تھا۔

''وعلیکم السلام سونیا! میجر شیرازی کہاں ہیں آپ؟'' سونیا کی بے حد گھبرائی ہوئی آواز سن کر وہ کسی قدر ٹھٹکا۔

''سونیا وات ہیپنڈ؟ خیریت ہے۔''

''میجر آج پری کا آپریشن ہے، آپ کو ہمارے ساتھ ہونا چاہیے تھا وہ بہت اپ سیٹ ہے، میں جو دو ری تھی آپریشن روم میں جانے سے پہلے وہ آپ سے ضرور ملتی آپ سمجھ رہے ہیں وہ خود سے نہیں کہے گی مگر میں اس کی آنکھوں میں سلگتا آپ کا انتظار دیکھ رہی ہوں۔'' اس کی آواز پہ آنسوؤں کی نمی غلبہ پانے لگی تو طارق خفیف سا ہو گیا وہ اس بات کو سرے سے بھول چکا تھا۔

''اوہ سوری سونیا میں پتہ نہیں کیسے بھول گیا اینی وے آپ پریشان مت ہوں میں ان شاء اللہ ابھی پہنچتا ہوں۔''

''پلیز جلدی پہنچیں بی کوز آپریشن کا وقت بس شروع ہونے والا ہی ہے۔''

طارق نے اسے تسلی دے کر عجلت میں فون بند کیا اور جیسے تھا اسی حالت میں گاڑی کی چابی اٹھائے جب وہ کمرے سے نکل کر پورٹیکو کی سمت جا رہا تھا تو سرے سے اس بات کو فراموش کر چکا تھا کہ فون آنے سے قبل تک وہ ماہ نور کے حوالے سے فکر مند ہو رہا تھا ان چیئر پہ بیٹھی ماہ نور کو ایک بار پھر وہ اپنی تمام تر لاتعلقی سمیت اپنی پہنچ سے دور بہت دور محسوس ہوا تھا۔

طارق شیرازی جس پل پری بیٹی کے پاس پہنچا تو سیل نرس اسٹریچر پہ لیٹی پری بیٹی کو آپریشن روم میں لے جانے کو بالکل تیار تھے، ہاسپٹل کے مخصوص لباس میں اپنی بے تحاشا زرد رنگت کے ساتھ طارق کو اسے دیکھ کر یوں محسوس ہوا تھا جیسے اس کے وجود سے کسی نے خون کا آخری قطرہ بھی نچوڑ لیا ہو اسے رورو پاپا کے پریشے کی زندگی سے مایوس آنکھوں میں ستارے جھلملائے تھے اور خشک

ہونٹوں پہ شکستہ مسکان بکھر گئی، وہ بے اختیار اس کی جانب آیا اور اسٹریچر پہ دونوں ہاتھ اس طرح اس کے دائیں بائیں رکھے کہ وہ ایک طرح سے اس کے بازوؤں کے حصار میں گھر گئی۔

"میں نے آپ کی بات مان لی ہے طارق، حالانکہ مجھے آپریشن سے بہت ڈر لگتا ہے۔ بس ایک ہی خواہش تھی کہ اس بڑے امتحان سے دوچار ہونے سے پہلے آپ کو دیکھ لوں تاکہ مر بھی جاؤں تو میری آنکھوں میں آخری شبیہ ....." طارق نے بے اختیار تڑپ کر اس کے ہونٹوں پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"پریشے پلیز، پلیز پریشے۔" اس کا گھٹا ہوا لہجہ شدت ضبط سے گھٹ کر رہ گیا۔

"مت کرو ایسی خوفناک باتیں، کچھ نہیں ہوگا تمہیں دیکھو کتنے بہت سے لوگ تمہارے لئے دعا گو ہیں۔" اس نے اس کی توجہ دیوار کے سہارے کھڑے آنکھوں میں ہراس بھری نمی لئے سالار درانی کی سمت دلائی تو پریشے بہت کرب سے مسکرائی۔

"اچھا آپ کہتے ہیں تو مان لیتی ہوں ورنہ چند سال پہلے یکے بعد دیگرے ماما اور پھر رافع بھی آپریشن روم میں جا رہے تھے تب بھی پاپا نے بہت دعائیں کی تھیں مگر......"

"تقدیر ہر بار ایک ہی طرح کا فیصلہ کرے یہ ضروری تو نہیں ہے پریشے۔ آپ کو مایوس نہیں ہونا، مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ ہم شادی کریں گے پریشے اور بہت ساری خوشیاں ابھی ہماری منتظر ہیں۔" میل نرس نے اسے چلنے کا اشارہ کیا تھا اور اسٹریچر دھکیلنا شروع کر دیا تھا طارق شیرازی ساتھ ساتھ چلتا پریشے کا حوصلہ اور ہمت بندھاتا رہا یہاں تک کہ اسے آپریشن روم میں لے جایا گیا اور دروازہ بند ہو گیا، پیچھے وہ تینوں رہ گئے تھے اپنے اپنے انداز میں۔ سب [illegible] ہوئے جبکہ باہر طوفانی ہوائیں تھیں خوف اور خدشات لئے۔

☆☆☆

داؤد حسن خان، وقاص کے ساتھ شاپنگ کے لئے میکرو آئے ہوئے تھے لسٹ وقاص کے ہی ہاتھ میں تھی جس پہ گاہے بگاہے نگاہ ڈالتا ہوا وہ ٹرالی میں مختلف پیکٹ اور ڈبے وغیرہ رکھتا جا رہا تھا چونکے تو اس وقت جب کسی نے ان کے کاندھے پہ ہاتھ رکھ کر توجہ حاصل کی انہوں نے بے ساختہ گردن موڑی، بلیک ٹو پیس میں ملبوس ہلکی بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ وہ نوجوانی کے مخصوص نکھار اور رعنائی کے باوجود کچھ مضطرب اور تھکا تھکا سا ان کے سامنے تھا مگر ان کا موڈ اسے دیکھتے ہی برہم ہو گیا۔

"اس کا مطلب آپ نے مجھے پہچان لیا حالانکہ میرا خیال تھا تعارف کی زحمت اٹھانا پڑے گی مجھے۔" وہ خفیف سا مسکرایا تھا مگر اس مسکان میں طنز و حقارت کے ساتھ تضحیک کا بھی عنصر تھا۔

"کیسے ہیں آپ؟"

"کیا چاہتے ہو؟" انہوں نے اس کا مصافحے کو بڑھا ہوا ہاتھ نظر انداز کر کے رکھائی سے سوال کیا۔

"اپنی بیوی، میرا مطلب ہے رانیل، اس کے بارے میں پوچھنا چاہ رہا ہوں دیکھئے داؤد صاحب اگر وہ آپ کے پاس ہے تو.....؟"

"شٹ اپ۔ ... یہ کیا بکواس ہے؟" اس سے زیادہ وہ برداشت نہیں کر پائے تو دبے ہوئے

لہجے میں دھاڑے مگر وہ خائف نہیں ہوا۔

"جسارت معاف، آپ پہلے میری پوری بات....."

"مجھے تمہاری کوئی بھی فضول اور گھٹیا بات نہیں سننا مجھے اب راستہ ناپو اپنا۔" انہیں اتنا غصہ آ رہا تھا کہ حد نہیں۔

"تو اس کا مطلب وہ آپ کے پاس بھی نہیں گئی تو پھر کہاں...... مائی گاڈ اس کا تو کوئی بھی رشتہ دار نہیں ہے میں کہاں ڈھونڈوں اسے، میرا تو خیال تھا وہ آپ کے پاس گئی ہو گی مگر......"

شہریار کی زیرک نگاہ نے داؤد حسن خان کی برہمی سے جو اندازہ لگایا اس کے بعد وہ یکدم ڈپریس ہوتا وحشت زدہ انداز میں بڑبڑایا اور ایک دم پلٹ کر وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا، داؤد حسن خان جو اچھے خاصے طیش میں آ چکے تھے شہریار کے ردعمل پہ ساکن سے ہو گئے۔

"یہ کیا کہہ رہا تھا شہریار! مطلب رانیل...... رانیل اگر واقعی اس کے پاس نہیں گئی تو...... تو وہ مائی گاڈ۔" انہیں چکر سا آ گیا۔

"خیریت ہے ماموں؟ اور یہ کون تھا؟" وقاص جو ان کی باتیں سن چکا تھا انہیں پریشان ہوتا دیکھ کر جلدی سے نزدیک آ گیا داؤد حسن خان نے سرخ آنکھوں سمیت اسے دیکھا اور گہرا سانس کھینچا۔

"شہریار تھا رانیل کا ہزبینڈ۔" وہ پیشانی مسل رہے تھے۔

"رانیل کا......" وہ بے اختیار ٹھٹکا اور مڑ کے دروازے کی سمت دیکھنے لگا مگر اب وہاں کوئی نہیں تھا اس کی آنکھیں یوں جلنے لگیں جیسے کسی نے ان میں مٹھیاں بھر بھر مرچیں جھونک دی ہوں اور جب داؤد حسن خان نے شہریار سے ہونے والی [illegible] تو پریشانی کے ساتھ ساتھ ایک وحشت سی بھی شہریار کے چہرے پہ لہرا آئی۔

"تو...... تو ماموں کہاں گئی ہوگی رانیل؟ جبکہ اس کا کوئی عزیز رشتہ دار بھی نہیں تھا۔" داؤد حسن خان نے اس کے اضطراب کو محسوس کیا تھا اور کچھ کہے بغیر اس کے کاندھے پہ بازو پھیلا کر خود سے نزدیک کر لیا، وہ حواس باختہ سا انہیں دیکھتا رہا تھا۔

☆☆☆

یہ ان سب کی دعائیں ہی تھیں کہ پریشے کا آپریشن کامیاب رہا تھا جب آپریشن خیریت سے ہو گیا تو ایک اعصاب شکن کیفیت بھی آپ ہی آپ ڈھل گئی مگر فضا میں پھر بھی جیسے کسی طوفان کا پیش خیمہ تھا مگر یہ ان خوشی سے جگر جگر چمکتے چہروں کو نہیں پتہ تھا پریشے کے ہوش میں آنے کے بعد جب وہ [illegible] سالار درانی کے بعد پریشے کے روم میں داخل ہوا اور اس کے سرہانے ریڈ روزز کا فریش بکے رکھتے ہوئے بہت دل آویز انداز میں مسکرایا تھا۔

"کیسی ہو وارپک لڑکی! میں نے کہا تھا نا تم ٹھیک ہو جاؤ گی اب یقین کر لو ہماری دعائیں کتنی قبول ہوتی ہیں۔"

"آئی نو آپ بہت خاص ہیں۔" جواباً وہ دل سے مسکرائی تھی جبھی چہرہ اور دمکنے لگا تھا۔

"پتہ ہے میں کیا دعا کرتا رہا اللہ سے؟" وہ اسے دیکھتے ہوئے مسکراہٹ ضبط کر رہا تھا پریشے کی آنکھوں میں دیے سے جھلملانے لگے۔

"کیا؟" اور وہ اسے شرارتی متبسم نظروں سے دیکھتا ہوا گمبھیر لہجے میں گنگنایا تھا۔

وہ اک لڑکی جو کم کم ہے میسر ہم کو
آرزو ہے کسی روز وہ پوری مل جائے
اسے کہنا ملاقات ادھوری ہے وہ
اسے کہنا ابھی آ کے دوبارہ مل جائے

"امیزنگ آپ تو جناب شاعر بھی ہو گئے، مان لیا آپ کو۔" سونیا ہنستے ہوئے اندر آئی تھی اس کی بات سے ظاہر تھا وہ ان کے درمیان ہونے والی گفتگو سے فیض یاب ہو چکی ہے۔

"ویسے مجھے بھی اس وقت کچھ یاد آ رہا ہے اجازت ہو تو؟"

"ارشاد ارشاد۔" طارق نے خوشدلی کا مظاہرہ کیا تو سونیا، پریشے کو دیکھتی شرارتاً گنگنا ری۔

وہ مسکرا کے ہر درد کو ٹال دیتا ہے
کسی کسی کو خدا یہ کمال دیتا ہے
نظر اٹھا کے وہ جس کو دیکھ لے اک بار
یقین کرو اسے مشکل میں ڈال دیتا ہے

طارق کے ساتھ ساتھ پریشے بھی مسکرا دی۔

"تھینکس فار دس کمپلیمنٹ۔"

پھر پریشے کو دیکھ کر سونیا سے بولا تھا۔

"ویسے آپ کی سہیلی بھی ہمارے لئے کچھ کم اہمیت نہیں رکھتی ہیں اور اس میں کتنی شدت ہے اس کا ذرا اندازہ کیجئے۔" اس کا گمبھیر لہجہ سنجیدگی اور سچائی کے ساتھ بھرپور دلکشی بھی لیے ہوئے تھا۔

تجھے کیا معلوم تم ہو مقدس کتنے
دیکھتے ہیں تو عقیدت سے تمہیں دیکھتے ہیں

اور ابھی یوں جب وہ اپنی خوشی کو اس انداز میں منا رہے تھے دوسری سمت سرجن سراج منیر نے بریگیڈیئر سالار درانی کو اپنے آفس میں بلا کر بہت تاسف بھرے انداز میں یہ انکشاف کیا تھا کہ پریشے مزید صرف چھ مہینے تک زندہ رہ سکتی ہے اور اس انکشاف کی زد پہ آ کے سالار درانی کی آنکھوں کے آگے اندھیرے چھاتے چلے گئے تھے۔

یہ دکھ ان کے لئے اتنا ناقابل یقین اور اذیت ناک تھا کہ ان کی ذہنی حالت تباہ ہو کر رہ گئی تھی کارزار حیات میں ہر سو ویرانی کا راج تھا جس کا سلسلہ دراز ہوتا جا رہا تھا کہ ہر پل انہی کربناک سوچوں اور آنے والے وقت کے ہولناک تصور سے ہراساں رہنے کی بدولت ان کی کارکردگی بہت حد تک متاثر ہونے لگی تو فوج کے اعلیٰ حکام نے انہیں خصوصی رعایت دیتے ہوئے ایک ماہ کی چھٹیاں عنایت کر دیں مگر اس سے بھی کیا ہو جانا تھا ان کی ذہنی حالت ہنوز مخدوش رہی تھی۔

وہ راستے اور باتیں اکثر بھولنے لگے بعد کے دن تو بس گنتی کے تھے ان کی نگاہیں پریشے کے چہرے اور کیلنڈر پہ ٹھہری رہتیں اور ان پہ گزرتی وہ کیفیت جس کا بیان ناقابل بیان تھا کیسے کہا جاتا وہ زبان کہاں سے لائی جاتی کہ وہ ہستی ان کی بیٹی پھر نہیں رہے گی جبکہ وہ زندگی میں اس سے قبل بھی دوبارہ اس سچویشن سے گزر چکے تھے مگر آج پورا وجود جیسے پھر سے اسی آگ میں جل اٹھا

تھا مگر یہ تپش بدن تک ٹھہری رہتی تب بھی تھا اس نے تو روح کو اور دل کو بھی گھیرے میں لے لیا تھا، روح کی سلگن کیا ہوتی ہے وہ بہت اچھی طرح جان گئے تھے، روح سلگتی ہے اور دھواں بھی نہیں ہوتا اور یہ اسی وقت سلگتی ہے جب کسی بہت اپنے بہت پیارے کی دائمی جدائی سامنے ہو اور کوئی کچھ بھی کرنے پہ قادر نہ ہو۔

فقط چھ ماہ یعنی ایک سو اسی دن پہ شمار کس نے ایجاد کیا ان کا وحشی دل کرلاتا ایک مہینے میں صرف تیس دن اور ایک دن میں صرف بارہ گھنٹے، وقت خشک ریت کی مانند کتنے غیر محسوس انداز میں ان کی مٹھی سے نکل رہا تھا، انہیں آنے والا وقت ہراساں کیے رکھتا وہ اسے دیکھ دیکھ کر چپکے چپکے روتے ایسی ہی بے بسی اور لاچاری کی کیفیت میں انہوں نے طارق شیرازی سے از خود وہ التجا کی تھی۔

"میری بیٹی کی خوشی تمہارے ساتھ سے مشروط ہے بیٹا اسے اس کی خوشی دے دو۔" وہ اس کے سامنے اس طرح روئے تھے کہ ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی تھی اور طارق شیرازی نے ان کے ہاتھوں کو اپنے مضبوط توانا ہاتھوں میں لے کر وہ عہد باندھ لیا تھا جس کا تصور بھی اس کے لئے محال تھا۔

☆☆☆

"آیئے پلیز۔" طارق شیرازی نے بہت عزت و احترام سے کھلے دروازے سے اسے اندر آنے کا راستہ دیا، پریشے ابھی خاصی نروس تھی اس نے ایک نظر سونیا کو دیکھا تھا جو حوصلہ افزا مسکراہٹ سمیت اسے ہی دیکھ رہی تھی لہٰذا جھجکتے جھجکتے قدم اندر رکھ دیا وہ دونوں لائبریری سے کتابیں ایشو کروانے آئی تھیں مگر اپنی مطلوبہ کتاب پریشے کو نہیں ملی تھی واپسی پہ سر راہ طارق شیرازی سے ملاقات ہو گئی۔

"آپ یہاں کہاں؟" وہ انہیں دیکھ کر مسکرانے لگا اور جواب میں سونیا نے ساری بات تفصیل سے بتا دی۔

"غالباً یہ کتاب میرے پاس ہے۔" طارق نے ذہن پہ زور دیتے ہوئے کہا تو پریشے بے طرح خوش ہوئی۔

"اوہ رئیلی! پھر تو سمجھئے مسئلہ ہی حل ہو گیا آپ ایسا کیجئے کہ مجھے وہ کتاب لا دیجئے۔" طارق شیرازی نے اس کے یوں بچوں کی سی خوشی سمیت کہی گئی اس بات پہ بغور اسے دیکھا تھا آپریشن اور اس کے بعد ملنے والی ٹریٹمنٹ سے اس کا کھویا ہوا حسن اور رنگ روپ کسی حد تک لوٹ آیا تھا، چاند کی طرح دمکتی رنگت، شہد رنگ بالوں کی نرمی سے بھری ہوئی ریشمی لٹیں جو اس کے سر پہ لپٹے اسکارف سے آج جانے کیسے نکل کر اس کے چہرے کے گرد جھول رہی تھیں انہیں چھو کر محسوس کرنے کو طارق کا دل کچھ اس بری طرح سے مچلا کہ اپنی اس خواہش کی منہ زوری پہ وہ خود بھی ششدر رہ گیا اتنی شدید خواہش تو کبھی ماہ نور کے حوالے سے بھی اس کے دل میں نہیں اٹھی تھی۔

"تمہارا کیا خیال ہے میں وہ بک تمہیں اتنی آسانی سے دے دوں گا، ہم آپ کو وہ کب چاہیے تو اس کے لئے میرے گھر کو رونق بخشنا پڑے گی اسی بہانے گھر بھی دیکھ لیجئے گا اپنا۔" آخری بات وہ اس پہ قدرے جھک کر سرگوشی کے انداز میں بولا تھا پریشے تو بری طرح سے کنفیوژ ہو گئی تھی

اس سے نگاہ اٹھا کر بھی طارق کو دیکھنا بے حد دشوار ہو گیا تھا۔

"پھر تو میں بالکل نہیں جا رہی ہوں۔"

"کب تک بچیں گی میم آخر تو ہمیں آپ کو وہیں لے کر جانا ہے۔" طارق کو اس کا یہ خالص اور دلکش روپ بہت مزا دے رہا تھا جبھی بات کو طول دینے لگا، پریشے کا حیا کی حدتوں سے دہکتا دہکتا چہرا اس کی حیا آمیز خفگی بھری مسکان اسے خود سے نگاہ ہٹانے کی بھی گویا اجازت نہیں دے رہی تھی پریشے اس کی نگاہوں کے اس نئے رنگ کو محسوس کر کے اب راہ فرار ڈھونڈ رہی تھی۔

"آیئے نہ پریشے پلیز مجھے واقعی بہت خوشی ہوگی۔" طارق نے اتنے مان اتنے اصرار سے کہتے جیپ کا دروازہ کھول دیا تھا کہ انکار کے راستے ہی مسدود ہو گئے، وہ پیچھے بیٹھنے لگی تو جب سونیا نے اسے گھورا تھا۔

"تم آگے بیٹھو۔"

"میم ہم نے فرنٹ ڈور آپ کے لئے ہی اوپن کیا ہے اور یہی درحقیقت آپ کی جگہ ہے۔" طارق کی آج توجہ کا تمام ارتکاز وہی تھی اور یہ توجہ اسے بوکھلا رہی تھی۔

"مگر مجھے خبر ہوتی آج ملکہ عالیہ تشریف لانے والی ہیں تو پورے گھر کو پھولوں سے سجاتا۔" گاڑی پورٹیکو میں روک کر وہ اس کی سمت جھک کر شوخی سے گنگنایا تو پریشے اس کی اتنی توجہ نے اسے روہانسا کر دیا۔

"طارق پلیز ایسے بی ہیو مت کریں میرے ساتھ کہ خوشی سے میرا دل بند ہو جائے، مجھے خوشی راس نہیں آتی ہے۔" اور طارق نے لب بھینچ لئے تھے وہ انہیں اپنی ہمراہی میں ڈرائنگ روم تک لے آیا تھا پیٹ مین سے چائے کا کہہ کر وہ ان کے پاس آ کر بیٹھا تو پریشے نے آہستگی سے اسے مخاطب کیا تھا۔

"مومو سے نہیں ملوائیں گے؟" اور طارق چونک گیا تھا پھر خود کو سنبھال کر جبراً مسکرایا۔

"شیور وائے ناٹ میں بلواتا ہوں۔" وہ سونیا سے ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا جبکہ پریشے پسینے سے بھیگتی ہتھیلیوں کو باہم جکڑے خود کو اس کڑے وقت کے لئے مضبوط کرنے کی سعی کرنے لگی جب اسے ماہ نور کا سامنا کرنا تھا اور دل پہ بیت جانے والی ہزار قیامتوں کے باوجود خود کو سنبھالے بھی رکھنا تھا طارق یقیناً اس کی کیفیت کو سمجھ رہا تھا جبھی دانستہ اسے مخاطب نہیں کیا پیٹ مین چائے لے کر آیا تو طارق نے اسے ماہ نور کو وہاں بھیجنے کا کہا تھا اور جس پل بلیک ایمبرائیڈ خوبصورت لباس میں ماہ نور اپنی بے تحاشا خوبصورتی سمیت اندر آئی تو پریشے دراصل کو ایکدم اپنی تمام حسیات ساکت ہوتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔

طارق نے اس سے انہیں کسی انداز میں متعارف کروایا اور جواباً ماہ نور نے کس اخلاق کا مظاہرہ کیا وہ قطعاً کچھ بھی نہ سمجھ سکی اور جان پائی اس کے اندر سرما کی ہواؤں کی سرسراہٹیں تھیں تو وجود پہ جیسے زرد چیونٹیوں کی حرکت محسوس ہو رہی تھی، ماہ نور نے بہت الجھ کر اس صبح کی سی نوخیز اجلی کرن جیسی دلکش لڑکی کو دیکھا تھا جو اتنی گم صم اور ساکن تھی کہ اس پہ کسی مومی مجسمے کا گمان گزر رہا تھا جس کی سنہرے کانچ کی سی آنکھوں میں جانے ایسا کون سا انوکھا رنگ تھا کہ وہ ان آنکھوں کے اس غیر معمولی پن کو محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکی۔

"آپ کی فرینڈ تھوڑا زیادہ ہی خاموش طبع ہیں۔" اس نے بالآخر سونیا سے کہہ دیا تھا اور سونیا نے بس مسکرا کر کاندھے اچکا دیئے تھے۔

"آیئے پریشے میں آپ کو کتابیں دکھاؤں جو چاہیے ہوں لے لیجئے۔" طارق جس کی توجہ اور دھیان ابھی تک اسی میں اٹکا تھا بے چین سا ہو کر اٹھ کھڑا ہوا ماہ نور نے بہت چونک کر بغور طارق کو دیکھا تھا اور اسی پل جیسے اس کے ذہن میں کچھ سپارک ہوا اور وہ مضطرب ہو کر پریشے کو دیکھنے لگی جو لمبی پلکیں رکے ہوئے گالوں پہ جھکا چکی تھی اس کی ناک پہ سرخی یوں نمایاں تھی جیسے وہ بہت کڑے ضبط سے گزر رہی ہو، ماہ نور نے غیر یقینی نظروں سے طارق شیرازی کے ساتھ باہر جاتی پریشے کو دیکھا جس کی رفتار بے حد سست تھی اور طارق اس سے قدم ملانے کو دانستہ دھیما چل رہا تھا، وہ دروازے سے نکلے تو ماہ نور کو لگا جیسے کسی نے اس کا دل ایکدم سینے سے نوچ کر نکال لیا ہو اور وہ خالی کھڑی رہ گئی ہو وہ بے اختیار اٹھی تھی اور سونیا سے معذرت لئے بغیر ان کے پیچھے بھاگی۔

"طارق!" اس نے چند فاصلے پہ راہداری میں پریشے کے ہمراہ چلتے طارق کو بے ساختہ چیخ کر آواز دی اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو طارق کے ساتھ پریشے بھی پلٹی تھی اور ماہ نور کی آنکھوں کے سوال اور تیز ہوتے گئے پریشے کو بہت خاموشی کی نگاہ سے دیکھا (ایک بار میں نے بھی آپ سے منگنی کی تھی) وہ کہتے کہتے لب بھینچ گئی۔

"یس بولو؟" طارق کی منتظر نگاہوں میں سوال تھا۔

"تمہیں چاہیئے تو نہیں..." اس نے [illegible] اور ایک جھٹکے سے چھت کی ان کی بلند انا اور [illegible] اندر آگ سی لگ گئی تھی دل بے قرار نہیں تھا، جیسے کانٹوں پہ لوٹ رہی تھی، اور وہ چاہتی تو اپنا حق استعمال کرتے ہوئے [illegible] سے بھی اس سے کتاب چھین لیتی مگر [illegible] پہاڑ سے اتر [illegible] اپنے کمرے تک آنے تک یہ غصہ شدید ترین ہیجان میں ڈھل گیا تھا، جبھی اب شیلفوں میں کتابوں کو بے ترتیب کر رہی تھی اور اس کام میں وہ واقعی مصروف تھی کہ کب طارق اندر آیا اسے خبر ہی نہ ہو سکی، طارق شیرازی نے بہت خاموش نظروں سے پہلے بکھرے ہوئے کمرے اور پھر اسے دیکھا تھا اور اسی خاموشی سے سنجیدگی سمیت ہاتھ میں پکڑی کتاب اس کے سامنے کر دی۔

"یہ لو، یہی چاہیئے تھی نا تمہیں؟" ماہ نور جو اسے روبرو پا کے خود کو ہوا میں معلق محسوس کر رہی تھی اس کے لہجے پہ غور کئے بنا خفت سے نظریں چرا کر ہونٹ کچلنے لگی۔

"پریشے کو دیں، مجھے کیوں دے رہے ہیں۔" اس کی خفت پہ چھلا ہوا غصہ اور بے بسی کا غلبہ چھانے لگا تھا کیونکہ اس نے اپنی ذات پہ طارق کو کبھی بھی حق جتانے کی اجازت نہیں دی تھی مگر اب خود بڑے جبر سے اس پہ طنز کے تیر چلا کر اپنا حق اس پہ جتا رہی تھی طارق نے ایک نظر اس کے جھنجھلائے چہرے کو دیکھا اور سر جھٹکتے ہوئے انداز میں گہرا سانس کھینچا۔

"اسے ہی دے رہا تھا مگر تم نے یہ طوفان اٹھا دیا اب سوچ رہا ہوں اگر واقعی اسے دے دیتا تو نہ جانے کیا ہو جاتا۔" اس کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی کتاب تھماتا ہوا وہ ان سارے رازوں پہ سے پردے ہٹا گیا جو ماہ نور نے اس سے چھپا رکھے تھے، ماہ نور اتنی خفیف ہوئی کہ چند لمحوں کو کچھ بول ہی نہ

پائی یہاں تک کہ طارق نے قدم واپس کو موڑ دیے تھے تب وہ اپنی اسی نخوت اور ازلی بے نیازی سمیت بولی تھی۔

"میں ایک دو دن میں یہ بک پڑھ لوں تو پھر بے شک اسے دے دینا لیکن پھر تو میرے نزدیک اس کی اہمیت ختم ہو جائے گی، ویسے بھی میں اپنی چیز استعمال سے پہلے کسی کو دینا پسند نہیں کرتی۔" طارق کے قدم جو حرکت پہ تھے ساکن ہو گئے تھے، پتہ نہیں وہ ہمیشہ سے ایسی مغرور اور خود پرست تھی یا اب ہو گئی تھی طارق کو اس کی سوچ کے اس زاویے سے آگاہی نے اس سے گھن کا احساس بخشا تھا، وہ تیز قدموں سے دروازہ پار کر گیا۔

اگر جو پریشے نے اسے فورس نہ کر دیا ہوتا تو کبھی بھی وہ یہ کتاب ماہ نور کو نہ دیتا بلکہ وہ تو اس کے مطالبے پہ ٹھٹک گیا تھا۔

"مگر یہ کتاب پریشے صرف آپ کے لیے ہے۔"

"طارق پلیز موی کو بھی اس بک کی ضرورت ہے اور یہ بک چونکہ آپ کی ہے تبھی اس پہ پہلا حق موی کا ہے۔" اس نے جواباً کس متانت سے کہا تھا اور طارق جھنجھلا گیا تھا۔

"یہ فیصلہ تم مت کرو پری کہ میری چیز پہ کس کا پہلا حق ہے کس کا دوسرا، یہ میرا فیصلہ ہوگا اور ویسے بھی تم یہ بات کیسے کہہ سکتی ہو کہ ماہ نور نے مجھے اس بک کے لیے ہی آواز دی تھی۔" اور جواباً پریشے کے لبوں پہ زخم خوردہ سی مسکان ابھر گئی۔

"آپ نے اس کی آنکھوں کو دیکھا تھا طارق اس میں صاف صاف لکھا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ پریشے اس وقت بات ماہ نور کی نہیں میری اور تمہاری ہو رہی ہے تم اسے بیچ میں مت لاؤ۔" وہ اس کی بات قطع کر گیا تھا اور پریشے نے جواباً سرد آہ بھری تھی۔

"وہ سچ میں ہیں طارق شیرازی پھر اس بحث کو چھوڑیں فی الحال آپ یہ کتاب انھیں دے آئیں پلیز۔" اسے متامل دیکھ کر وہ ملتجی ہوئی تھی اور طارق کو ماننا پڑی تھی۔

وہ واپس لوٹا تو ڈرائنگ روم میں نہ پریشے تھی نہ سونیا گویا وہ دونوں جا چکی تھیں، طارق پلٹ کر اپنے بیڈروم میں آیا تو صدیوں کی مسافت کی تھکان اس کے ساتھ تھی۔

ماہ نور بھی ایک عورت تھی اور پریشے بھی ایک کے پاس محبت اور محبت میں سب کچھ قربان کر دینے کا جذبہ تھا تو دوسری کے پاس نفرت تھی انا و تکبر تھا اور خود غرضی و کم ظرفی تھی، دو لمحوں میں ان کی جانچ میں گویا صدیوں کا سفر طے کر آیا، ماہ نور نے کیا دیا تھا اسے بے بسی نفرت طنز اور بے رخی اور پریشے اب نے اسے محبت کے معانی و مفہوم سے آگاہ کیا تھا زندگی کے سارے حسین رنگ اس ایک لڑکی ہی کی ذات میں یکجا تھے۔

نہیں اب مجھے مزید ماہ نور کی سمت نہیں دیکھنا اب مجھے پریشے کو اس کی وہ محبت لوٹانی ہے جس کا قرض مجھ پہ سالہا سال سے چڑھتا آ رہا ہے، میں اتنی پیاری لڑکی کی اتنی انمول محبت سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں، فیصلہ ہو گیا تو سارا اضطراب بھی اطمینان میں ڈھل گیا۔

(باقی اگلے ماہ)

میرے ساحر سے کہو

امِ مریم

بیسویں قسط کا خلاصہ

پریشے کو آپریشن کے لئے راضی کرنے کو سونیا، طارق شیرازی سے کہتی ہے، طارق شیرازی جب یہ بات پریشے سے کرتا ہے تو پریشے اس کی بات مان لیتی ہے، تب طارق شیرازی پہ یہ انکشاف ہوتا ہے پریشے کی زندگی میں طارق کی اہمیت کس حد تک ہے۔

پریشے کی محبت الہام بن کر اسے طارق کے حوالے سے ہر احساس بخشتی ہے اور وہ آگاہی کے ان عذابوں میں مبتلا لحہ لحہ سسک کر ختم ہو رہی ہے۔

شہرینہ، رافعہ آپا کی سخت تنبیہ پر وہ بات بالآخر سمجھ جاتی ہے جو اسے پچھلے پندرہ برسوں سے سب کی نظروں میں ناپسندیدہ کر چکی ہے وہ ایک عرصے کے بعد شہیر کو اس کے رشتے سمیت قبول کرتی ہے تو داؤد حسن خاں کو حیرت کے ساتھ خوشگوار قسم کے اطمینان کا بھی احساس ہوتا ہے۔

وقاص، داؤد حسن خاں کی خاطر خود کو لاپرواہ بنائے ہوئے ہے مگر اس کی یہ مضبوطی کا خول تب چٹخ جاتا ہے جب وہ شہریار کے حوالے سے اس بات سے آگاہ ہوتا ہے کہ رانیل واپس اس کے پاس نہیں گئی۔

ماہ نور، طارق کے لئے اپنے دل میں نرم گوشہ محسوس کرتی ہے مگر ابھی بھی وہ اپنی بلند انا اور ضد سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں۔

پریشے کا آپریشن کامیاب ہوتا ہے مگر ڈاکٹرز سالار درانی کو یہ بتا کر ان کے حواس مختل کیے دیتے ہیں کہ پریشے صرف چھ ماہ زندہ رہ سکتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

اکیسویں قسط

آج آئی ہے لب ساز پہ جھنکار کی بات
اس میں پیکار کے قصے ہیں نہ تلوار کی بات
صرف اک گمشدہ فردوس کا افسانہ ہے
صرف اک پاس سے گزرے ہوئے کردار کی بات
چھوتی صبح کے چہرے پہ خمار یک شب
چاندنی رات میں خیام کے اشعار کی بات
جس کو چھو بھی نہ سکے کوئی سمجھ بھی نہ سکے
اتنی نازک ہے تیرے روپ تیرے پیار کی بات

ایک عجیب سی اداسی ہی جواب اکثر وحشت کا لبادہ اوڑھ لیا کرتی، وہ خود سے سوال کیا کرتا، کیا وہ واقعی چلی گئی؟ سب کچھ تو یونہی رکھا تھا جیسے وہ استعمال کرتی تھی، صوفے، بیڈ، کرسیاں، کشن، ڈریسنگ ٹیبل پہ دھری کاسمیٹکس کی لاتعداد چھوٹی بڑی رنگ برنگی شیشیاں، جن پہ ابھی تلک اس کا لمس زندہ تھا تو مہک باقی۔

بیڈروم، ڈائننگ روم، لاؤنج سب اپنی جگہ پہ ہیں پھر وہ...... وہ کیوں نہیں؟ وہ کہاں چلی گئی، کیوں چلی گئی؟ وہ اسے تلاش کر کر کے ہار جاتا، مگر وہ کہیں نہ ملتی، وہ ہر روز کوچہ کوچہ قریہ قریہ چھان مارتا، مگر وہ کہیں اس کی خاک کو بھی نہ پہنچتا، آہ، وہ اسے اس کی تلاش تھی، اس کی تلاش اسے قدم قدم بھٹکائے رکھتی، وہ ہر روز آنکھ کے چھلکتے جھروکوں میں یادوں کی کشتیاں لے کر گھر سے نکلتا اور جب واپس آتا تو اتنا تھکا ہوتا کہ حد نہیں اور اس رات کو وہ اتنا ٹوٹا کہ وہ ساری آنسو بن کے اس کی آنکھ سے چھلکنے لگی۔

"مجھے یقین تھا میں تمہیں ڈھونڈ لوں گا، مگر میں ہار رہا ہوں، دیکھو یہ تمہارا شہریار ہار چکا ہے تھکن سے نڈھال بے حال ہے تو آ جاؤ، پلیز آ جاؤ۔" بے بسی کی انتہا کو چھوتا وہ سسک سسک کر بلک بلک کر رو دیا اور باشعور ہونے کے بعد پہلی بار اس حاجت کو لے کر رب کے حضور جھکا تھا، شاید جان گیا تھا کہ اب رحمان کے سوا کوئی نہیں ہے جو اس کی مشکل کو حل کرے گا اور جب یونہی سجدے میں خدا سے التجائیں کرتے اس کی آنکھ لگ گئی تھی تو اسے کھانے کے لئے پوچھنے آئی شاں کو اس کا یہ نیا روپ بھونچکا کر گیا تھا، دل دکھ و تاسف سے بھر گیا، اس نے بیڈ پر پڑے کمبل کو اٹھا کر وہیں اس کو اوڑھایا اور دروازہ بند کر کے باہر آ گئی۔

"خدایا! یہ کیسی ہوتی ہیں آورش اور آرزوؤں کی پریاں، مضبوط دل اور مضبوط وجود کو اپنی محبت سے اس طرح موم کرتی ہیں کہ ایک مضبوط مرد کے دل کو قطرہ قطرہ پگھلا دیتی ہیں۔"

"مرد ذات کے ازلی ضدی وجود کو کبھی ماں بن کر اپنے دامن میں چھپا دیتی ہیں تو کبھی بہن بن کر رحمت کا آنچل بن جاتی ہیں اور کبھی شریک حیات کے روپ میں تن من میں رنگ بکھیرتی ہیں تو کبھی خود ہر تکلیف دکھ اٹھا کر تخلیق کے مراحل طے کرتے ہوئے اپنی زندگی داؤ پہ لگا کر اپنے خون سے سینچے ہوئے ننھے وجود کو جنم دیتی ہیں اور اس کی پل پل نگہداشت کرتے اس ننھی کونپل کو مضبوط تناور درخت بنا دیتی ہیں مولا اے کریم تیری دنیا کا یہ کردار کتنا معتبر ہے جو اپنے مرد وجود کے باوجود بھی صنف قوی کی نیندیں اڑانے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔" شاں نے سرد آہ بھری تھی اور پھر افسردگی سے سوچا تھا۔

"کاش رانی بی بی آپ آج صاحب کو دیکھتیں وہ صرف آپ کی وجہ سے آپ کو کھو کر کتنا بدل گئے ہیں، کاش آپ جان سکتیں۔"

☆☆☆

جاگتی رات کے ہونٹوں پہ فسانے جیسے
اک پل میں سمٹ آئے ہوں زمانے جیسے
عقل کہتی ہے بھلا دو جو نہیں مل پایا
دل وہ پاگل کہ کوئی بات نہ مانے جیسے
راستے میں وہی منظر ہیں پرانے اب تک
بس کمی ہے تو نہیں لوگ پرانے جیسے
آئینہ دیکھ کے احساس یہی ہوتا ہے
لے گیا وقت ہو عمروں کے خزانے جیسے
رات کی آنکھ سے ٹپکا ہوا آنسو شبنم
بکھریں گھاس پہ موتی کے ہوں دانے جیسے
بیٹھے ہیں شام کی دہلیز پہ اک آس لئے
کوئی آئے گا دلیل اب بھی بہانے جیسے
اس کی ہر بات بھی آنکھوں میں رقم ہے جیسے
اشک پلکوں میں چھپے ہوئے ہوں وہ چھپانے جیسے

"سونی...... سونی پلیز! میری بات سنو۔" پیچھے بکھرے ہوئے حواسوں اور اتھل پتھل ہوتی سانسوں کے ساتھ اس کے پیچھے بھاگی آ رہی تھی، سونیا نے شعوری کوشش کی تھی اس کے چہرے سے کوئی بھی ایسا تاثر اسے نہ ملنے پائے جسے دیکھ کر وہ کسی انہونی کو جانے بھی وہ دانستہ مسکرائی تھی مگر اسے لگا یہ دنیا کا مشکل ترین کام ہے اس پل۔

"ہاں بولو۔"

"کہاں جا رہی ہو تم؟"

"کہیں انکل کے ساتھ کسی ضروری کام سے۔" سونیا نے اس سے نظریں چرائیں۔

"میں بھی چلوں گی تمہارے ساتھ۔" وہ فی الفور بولی تو سونیا نے گھبرا کر پیشانی سے پسینہ پونچھتے سالار درانی کی سمت دیکھا۔

"بیٹا! ہم جلدی آ جائیں گے، آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی آپ گھر پہ ٹھہرو۔" انہوں نے جیسے صاف صاف اسے ٹالا پیشے کا دل گھبراہٹ کا شکار ہونے لگا۔

"آپ لوگ پریشان ہیں، کوئی بات ہے جو مجھ سے چھپائی جا رہی ہے، وات ہپنڈ پاپا پلیز مجھے بتا دیں میرا دل بہت گھبرا رہا ہے، مجھے کچھ ہو رہا ہے پاپا، یوں جیسے کچھ بہت برا ہوا ہو میں نے طارق کا نمبر بھی ٹرائی کیا تھا مگر ریسپانس جا رہا ہے، پتہ نہیں کیا بات ہے حالانکہ وہ تو کبھی بھی اپنا نمبر آف نہیں کرتے۔" وہ اضطراب اور وحشت کے ملے جلے احساسات سمیت تیز تیز بولتی چلی گئی اس کا سانس بے ترتیب ہونے لگا سونیا اور سالار درانی نے ایک دم ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر نظریں چرائیں۔

"سونیا بیٹے! بھن کی طبیعت ٹھیک نہیں آپ یہیں اس کے پاس رکو میں اکیلا ہی چلا جاتا ہوں۔" انہوں نے آہستگی سے کہا اور آگے بڑھ کر جیپ میں بیٹھ گئے جس کا ڈرائیور مستعد تھا ان کے بیٹھتے ہی گاڑی کا انجن ہلکے سے غرایا اور گاڑی بہت سبک روی سے چلتی گیٹ سے نکل گئی۔

"کچھ پتہ ہے سوئی! پاپا کہاں گئے ہیں؟" سونیا جو واچ مین کو گیٹ بند کرتے دیکھ رہی تھی اس سوال پہ چونک کر متوجہ ہوئی۔

"کہا نا ڈیئر کسی کام سے گئے ہیں، تم کیوں مضطرب ہو رہی ہو؟" سونیا نے اسے اپنے ساتھ لگا کر تسلی دینی چاہی مگر وہ مچل کر اس گرفت سے نکل گئی۔

"ڈونٹ سپیک ٹیک فیکٹس (جھوٹ مت بتاؤ)۔" وحشت بھرے انداز میں اتنی زور سے دھاڑی تھی کہ سونیا سہم کر اسے دیکھنے لگی۔

"تم کیا سمجھتی ہو تم مجھ سے چھپا لو گی تو کیا مجھے پتہ نہیں چلے گا؟" پھر وہ منہ پہ ہاتھ رکھ کے سسکی۔

"طارق!...... وہ ٹھیک نہیں ہے میرا وجود درد کا پھوڑا بنا ہوا ہے میں جان سکتی ہوں طارق کے ساتھ کچھ غلط ہوا ہے وہ درد سے بے کل ہے سونی وہ کراہ رہا ہے۔"

فروری کے آخر کی دھیرے دھیرے چلتی ہوئی ہوائیں اس کے وجود کے بوسے لیتی رہیں اور وہ سسک سسک کر روتی ہوئی وہ ان دیکھا ان سنا واقعہ محبت میں اترنے والے الہام کی صورت اسے سناتی رہی اور سونیا جیسے کتنی حیرت دکھ اور رنج سے پتھرائی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی اسے جس کا انگ انگ آتش عشق میں جھلس رہا تھا۔

"مجھے ان کے پاس لے چلو سونیا ورنہ میں مر جاؤں گی اس اذیت سے۔" وہ گڑگڑا رہی تھی، سونیا نے اسے کھینچ کر خود سے لگا لیا اور شدید بے بسی کے عالم میں خود بھی رو پڑی۔

☆☆☆

پورا دن گزرا اور پھر شام بھی بیت گئی یہاں تک کہ رات کا ایک پہر بھی بیت چلا تھا، اس کا نمبر ڈائل کرتیں ماہ نور کی انگلیاں شل ہونے لگیں مگر ہر بار نمبر آف ہونے کی ہی اطلاع ملی۔

"یا خدایا! اب کیا کروں؟ کس سے پوچھوں؟ مجھے تو ان کے آفس کا نمبر بھی نہیں پتہ۔" وہ سخت بے چینی اور اضطراب کے عالم میں ٹہلنے لگی۔

"کہاں ہو سکتے ہیں؟ اپنی بیوی کے ساتھ۔" اس سے آگے بس سوچوں میں آگ لگ گئی تھی، اس نے لب کچل کچل کر زخمی کر لیے۔

"طارق شیرازی! اب اگر تم نے میرے ساتھ کچھ غلط کیا تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" اس نے مٹھیاں بھینچ لیں، دفعتاً کچھ خیال آنے پہ بیٹ مین کو آواز دے کر بلایا۔

"جی میم!"

"صاحب ابھی تک نہیں آئے ان کا سیل بھی آف ہے، اب کیا کرنا ہے؟"

"آپ کھانا کھا کر سو جائیے میم! صاحب آج گھر نہیں آپائیں گے۔"

"واٹ! بٹ وائے؟" وہ زور سے چیخی اور غصے و ناراضگی سے اسے گھورا مگر بیٹ مین نظریں چرا رہا تھا۔

"یہ بھی ساتھ ملا ہوا ہے خبیث۔" وہ بیٹ مین کے کترانے والے انداز پہ فوراً بدگمان ہو کر

سوچنے لگی۔

"سنو تمہیں کیسے پتہ ہے کہ وہ آج گھر نہیں آئیں گے کچھ کہا انہوں نے تم سے؟" وہ مشکوک نظروں سے بیٹ مین کو گھورنے لگی۔

"جی...... جی! وہ بارہ بجے نکلی لینڈ لائن پہ آپ کے لیے میسج دیا گیا تھا کہ صاحب کی آج نائٹ ڈیوٹی ہے۔" بیٹ مین نے اب کے کسی قدر پر اعتماد لہجے میں کہا مگر وہ اور بھی الرٹ ہو گئی۔

"اچھا!...... کب؟ اور تم نے مجھے بتانا بھی گوارا نہ کیا۔" اس نے دانت پیسے، بیٹ مین نے خفت بھرے انداز میں سر جھکا لیا۔

"سوری میم! جب فون آیا آپ سو رہی تھیں، پھر ہم کام میں بھول گیا۔"

"بہت خوب، تو یہ ڈیوٹی نبھا رہے ہو تم؟ آنے دو اپنے صاحب کو تمہارا تو علاج کراتی ہوں۔" وہ بھڑک کر بولی اور اسے بے زار کن انداز میں جانے کا اشارہ کرتی اپنے کمرے میں آ گئی۔

"یقیناً پرانے پیشے کے ساتھ ہوں گے اس روز بہت فدا ہو رہے تھے ادھر۔" اس نے زور سے سر جھٹکا۔

"میم کھانا تیار ہے لگا دوں؟" بیٹ مین اب کے دروازہ ناک کر کے باہر ہی سے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں اب تو ہم کھانا نہیں تمہارے صاحب کو کھائیں گے وہ بھی قیمہ بنا کر۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی اور بیڈ پہ گر کر تکیے میں منہ دبا لیا اور پتہ بھی نہیں چلا کب آنکھ لگ گئی۔

ایمان کی آج آنکھ فجر کی نماز کے وقت ہی کھل گئی، وضو کر کے نماز ادا کرتے، ناشتہ کرتے اسے جانے کیوں قدم قدم پہ اس شخص کی یادستاتی رہی کمی کا احساس ہوتا رہا، حالانکہ اس سے پہلے بھی وہ ان معمولات میں اس کے ساتھ تو نہیں ہوتا تھا، مگر موجودگی کا احساس تو تھا، بھاری قدموں کی آہٹیں، گمبیر لہجے کا بھرپور خوبصورت احساس اور آتے جاتے ایک آدھ جھلک، پتہ نہیں وہ اسے اتنا کیوں سوچ رہی تھی، سارا دن ایک عجیب سی بے چینی اور بیکلی اس کے ہمراہ رہی اور سر شام ہی وہ پھر اس کی منتظر ہو گئی مگر جب شام کو وہ حسب معمول نہیں آیا اور شام نے بھی رات کا لبادہ اوڑھنا شروع کر دیا تو اس کا دل بری طرح گھبراہٹ میں مبتلا ہونے لگا، اس دوران جانے کتنی مرتبہ وہ ان کا نمبر ڈائل کر چکی تھی جو ہنوز بند تھا اور جب یہ گھبراہٹ بے چینی میں بدلی تو اس نے کچھ سوچ کر مسز عبداللہ کا نمبر ڈائل کر لیا تھا، ان سے رسمی سلام دعا کے بعد اس نے چھوٹتے ہی اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔

"بھابھی پلیز، عبداللہ بھائی سے کہہ کر طارق کا تو پتہ کروائیں کل رات بھی گھر نہیں آئے اور اب پھر رات ہو رہی ہے۔"

"ارے تمہیں نہیں پتہ؟ طارق تو ہاسپٹل میں ہے ما با کل سہ پہر میں اسے گولیاں لگی تھیں۔"

"جی...... کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" اس کی آواز کانپ اٹھی اس لگا پورا وجود ایک دم سے برف بن گیا ہو۔

"بھابھی پلیز مجھے کچھ بتائیے وہ ٹھیک تو ہیں نا؟" وہ انتہا بدحواس ہوئی کہ فون پہ ہی رو پڑی۔

دوسری سمت جیسے نزہت بھابھی کو بھی جیسے اپنی حماقت کا احساس ہوا تھا۔

"ارے......ارے گھبراؤ مت ماہا! میں حیران ہوں کہ تم ابھی تک لاعلم کیوں ہو؟ اچھا سنو خود کو سنبھالو طارق کی طبیعت اب بہت بہتر ہے۔ میں ابھی آ رہی ہوں تمہارے پاس۔" انہوں نے عجلت بھرے انداز میں فون بند کر دیا، ماہا لو رسیور تھامے وہیں گر سی گئی، اس کا دل سینے میں ہچکولے لینے لگا، یہ کیسی خبر سنی تھی جس نے وجود میں خوف بھر دیا تھا۔

"طارق شیرازی!" وہ سسک اٹھی، اس کے کتنے ہی مختلف روپ اس کی نگاہوں کے سامنے سے گزرتے چلے گئے، ہر روپ میں مکمل تھا بھرپور تھا، شوخی و شرارت کا ہو چاہے سنجیدگی و متانت بھری غصہ و خفگی کے رنگ ہوں یا پھر من مانی و زبردستی کرتا ہوا۔

اس کی آنکھوں سے جل تھل آنسو بہنے لگے، نزہت بھابھی جب تک پہنچیں وہ رو رو کر خود کو ہلکان کر چکی تھی، انہوں نے بڑی مشکلوں سے اسے سنبھالا تھا۔

"کیسے ہوا یہ سب؟" وہ ان سے لپٹ کر سسکیاں بھرتے ہوئے استفسار کرنے لگی۔

"یار ملک کے حالات کا تو تمہیں پتہ ہے، دہشت گرد تھے ان کا ارادہ آرمی کی مسجد میں بم بلاسٹ کرنے کا تھا مگر اس وقت جب کل وہاں نماز جمعہ کے وقت آرمی کے تمام اعلیٰ افسران نماز کی ادائیگی کر رہے ہوتے طارق شیرازی نے انہیں مشکوک سمجھ کر پوچھ گچھ کی تو انہوں نے پکڑے جانے کے خوف سے جیکٹ کی جیب میں چھپایا ریوالور نکال کر فائرنگ کر ڈالی، صد شکر کہ بڑا نقصان نہیں ہوا طارق کو گولیاں لگیں مگر وہ بھی اب خطرے سے باہر ہے۔" بھابھی بتا رہی تھیں اور وہ ڈوبتے دل کے ساتھ گم صم بیٹھی تھی۔

☆☆☆

تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ہے جیسے ویران ہو گیا گلزار حیات
جیسے خوابوں کے رنگ پھیکے ہوں جیسے لفظوں سے موت رستی ہو
جیسے سانسوں کے تار بکھرے ہوں تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ہے
جیسے خوشبو نہیں ہو کلیوں میں جیسے سونا پڑا ہو شہر دل
جیسے کچھ بھی نہیں ہو گلیوں میں جیسے دشمنی ہو جائے خوشیوں سے
جیسے آشنائی نہ ہو جذبوں سے تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ہے

وہ ٹی وی کے آگے بے خیال سا بیٹھا تھا، آواز بند تھی خاموش منظر متحرک تھے، جنہیں وہ خالی خالی نظروں سے دیکھ رہا تھا، اس سے کچھ فاصلے پہ داؤد حسن خان صوفے پہ بیٹھے تھے فائل ان کے گھٹنوں پہ کھلی ہوئی تھی ہاتھ میں پوائنٹر تھا جسے قلم چھوڑ کر وہ گاہے بگاہے انگلیوں میں گھمانے لگتے، وقاص کی طرح اگر وہ مکمل طور پہ غائب نہیں تھے تو مکمل طور پہ حاضر بھی نہیں کہا جا سکتا تھا، تمکین نے دونوں کا خاموش نظروں سے جائزہ لیا اور جیسے کسی غیر معمولی بات کو پا لیا، تبھی اس نے باقاعدہ کھنکار کر اپنی موجودگی کا احساس بخشا، داؤد حسن خان خفیف سا چونکتے ہوئے متوجہ ہوئے اور ایک نگاہ اس پہ ڈال کر پھر سے نظریں فائل پہ گاڑھ دیں، تمکین نے بے اختیار ایک ٹھنڈا سانس بھرا تھا۔

"(کاش میں بھی آپ کی طرح بے نیازی اور لاتعلقی کو اپنا کر بے حس ہو سکتی، مگر ہائے یہ دل اور اس کے تقاضے) کھانا نہیں کھائیں گے آپ لوگ؟"

"وقاص سے پوچھ لیں، مجھے بھوک نہیں۔" وہ فائل بند کر کے اٹھے اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے، وقاص اسی وقت چونکا تھا اور نا سمجھی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"وکی کوئی بات ہوئی ہے؟ تمہارے ماموں مجھے بہت پریشان لگے ہیں۔"

"آپ خوامخواہ پریشان مت ہوں مامی! کھانا کھا کر آرام کریں۔"

"اچھا!" وہ طنز سے چمکار کر بولی۔

"یعنی تم لوگوں کی پریشانی سے میرا کوئی تعلق واسطہ نہیں؟" وقاص اس کے یوں بھڑک اٹھنے پہ بوکھلا سا گیا۔

"کمال ہے مامی! بھلا اتنا ٹمپر لوز کرنے کی وجہ؟"

"تم مجھے یہ بتاؤ؟ تمہارا اپنے ماموں کی طرح منہ کیوں لٹکا ہوا ہے۔" اس نے کسی قدر منہ پھلا کر سوال کیا، وقاص نے لب بھینچ کر جیسے چند لمحوں کو سوچا آیا اسے بتائے یا نہ پھر جیسے کسی نتیجے پہ پہنچ کر آہستگی و دلگیری سے بولا تھا۔

"پریشانی کی بات تو ہے مامی! رائنل یہاں سے جب گئی ہے تو اپنے گھر آئی نہ اپنے ہزبینڈ کے پاس نہیں گئی، جبکہ اس کا اس شہر میں تو کیا اس کا تو کسی دوسرے شہر میں بھی دور نزدیک کوئی رشتے دار نہیں ہے اور اب اسے گئے ہوئے بھی کم و بیش چار ماہ ہو گئے ہیں۔" وہ بہت مدھم سا بول رہا تھا تمکین کے چہرے پہ تفکر پھیل گیا۔

"کیا مطلب؟ اب تمہیں اس بات کا کہاں سے پتہ چلا ہے؟"

"اس کا شوہر ماموں کے پاس آیا تھا منگل کو، ان سے رائنل کے بارے میں استفسار کر رہا تھا اچھا خاصا پریشان لگ رہا تھا۔" وقاص [illegible] ٹک ٹک کرتا جا رہا تھا۔

"اوہ" تمکین نے ہونٹ بھینچ لیے۔

"یہ تو واقعی پریشانی کی بات ہے وکی یہاں تو سب یہی سمجھتے رہے کہ وہ اپنے گھر....." معاً وہ ٹھٹکی تھی۔

"ون منٹ وکی! اس کے ہزبینڈ نے کہا اور تم نے یقین کر لیا، جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے تو رائنل کا شوہر اچھا خاصا فضول آدمی تھا، اس کی وجہ سے رائنل وہ گھر چھوڑ کر آئی تھی، کریکٹ؟" اس نے رک کر وقاص کو دیکھا جو حیرانی سے اس کی بات سن رہا تھا۔

"ممکن ہے وقاص کہ وہی آدمی گڑبڑ کر رہا ہو؟ تم ذرا پتہ لگانے کی کوشش کرو کہ اس کی بات میں کس حد تک صداقت ہے، پھر اس کے بعد کچھ سوچیں گے، اب کھانا کھائیں؟ رئیلی مجھے بہت بھوک لگی ہے۔" وہ اتنی بے چارگی سے بولی تھی کہ وقاص اس کی بات کو ٹالنے کا حوصلہ نہیں کر پایا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"آپ کھانا لگائیں میں ماموں کو بلاتا ہوں۔"

"ہاں ضرور، اللہ تمہارا بھلا کرے، ان کے بغیر مجھ سے بھلا کہاں کھایا جاتا۔" وہ ہنستی ہوئی کچن کی سمت چلی گئی تو وقاص بھی داؤد حسن خان کے کمرے کی طرف ہو لیا۔

☆☆☆

حد انتہا سے بہت آگے تمہیں چاہا ہے
ہم نے وفا سے بہت آگے تمہیں چاہا ہے

جہاں سے لوٹ آنے کا راستہ نہیں ملتا
اس راہ سے بہت آگے تمہیں چاہا ہے
ان سے کہو جن کی نگاہ میں محبت گناہ عظیم ہے
ہم نے گناہ سے بہت آگے تمہیں چاہا ہے
محبتوں میں حرف بہ حرف مجھے مانگنا نہیں آتا
میں نے آداب دعا سے بہت آگے تمہیں مانگا ہے

اس نے آنکھیں کھولیں اور سونیا کو دیکھا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے مس آپ اچھا کر رہی ہیں؟ ان کے ساتھ یا پھر میرے ساتھ بھی؟"

صحت مند فریش چہرے پہ نقاہت طاری تھی، بڑھی ہوئی شیو اور بے ترتیب بکھرے بال اس کے پرکشش مردانہ چہرے کو ایک پرسوز سا حسن بخش رہے تھے، سونیا کچھ دیر مبہوت سی اسے دیکھتی ہی رہ گئی، پریشے کی درد سے بوجھل آواز اس کے آس پاس گونجنے لگی۔

ناصح چند گرد راہ گزر تو دیکھو
وہ تو وہ ہے تمہیں ہو جائے گی الفت مجھ سے
تم اک نظر میرا ذوق نظر تو دیکھو

"کیا نہیں ہے وہ اس قابل کہ اس کے لئے زندگی تیاگ دی جائے؟ جان وار دی جائے؟ ہر درد باخوشی سینے کا روگ بنا کر محفوظ کر لیا جائے۔"

"وہ کچھ بھی نہیں جانتی ہے مگر مجھے سب کچھ بتا دیا گیا ہے، ہم نے اس لئے نہیں بتایا کہ شاید وہ آپ کو اس طرح نہ دیکھ پائے۔" معاً کچھ سوچ کے ذہن میں در آتے ہی وہ کچھ جوڑا ہے کچھ سمجھ بولی تھی۔

"آپ تو بیٹے آپ نے ماہ نور کو کیوں نہیں بتایا؟ اس لئے نہیں کہ وہ......"

"نہیں...... اسے نہ بتانے کی وجہ کچھ اور تھی میں جانتا تھا وہ اس بات کو اپنے تک محدود نہیں رکھے گی، میں نہیں چاہتا تھا کہ اتنی سی بات پہ اماں بابا جان اور باقی گھر والوں کو ڈسٹرب کر دوں۔"

طارق نے اس کی بات قطع کر کے وضاحت دی تھی، سونیا نے کاندھے اچکا دیے۔

"آپ کیا سمجھتے ہیں یہ اتنی سی بات ہے؟ مائی گاڈ آپ مت پوچھیں جب تک آپ خطرے سے باہر نہیں آ گئے ہماری کیا حالت رہی ہے۔" وہ ان لمحات کو تصور کر کے لرز اٹھی جب پریشے کی وحشتیں عروج پر تھیں۔

"لیکن سونیا اب تو میں ٹھیک ہوں، پلیز آپ پریشے کو بلا دیجئے، آپ کو پتہ ہے نا میں خود پتہ نہیں اور کتنے دن ان سے نہیں مل پاؤں گا۔" اس کے لہجے کی بے تابی و بے قراری نے سونیا کو یک گونہ سکون بخشا بعد شکر پریشے کے جذبے بے مایہ نہیں تھے۔

"او کے جناب ڈونٹ وری، میں کچھ کرتی ہوں۔" وہ ابھی بات مکمل بھی نہ کر پائی تھی کہ اسی پل دروازہ کھلا اور پریشے چہرے پہ سراسیمگی کے آثار لئے اندر چلی آئی، وفتاً اس کے قدم ٹھٹکے تھے اور آنکھیں سامنے ہو کر طارق شیرازی کے پٹیوں میں جکڑے سینے اور بازوؤں کو دیکھتیں آنسوؤں سے جھل تھل ہو گئیں، دروازے سے بیڈ تک کا راستہ اس نے لڑکھڑاتے قدموں سے طے کیا تھا اور پھر اگلا لمحہ حیران کن تھا وہ بیڈ کے کنارے گھٹنوں کے بل گری تھی اور طارق شیرازی کا

وہ بازو جس میں ڈرپ کی سوئی لگی تھی تھام کر اپنی ہاتھوں پہ چہرا ٹکاتے ہی خود پہ باندھے ضبط کے تمام بند توڑ دیے، طارق شیرازی ستائے میں گھر سا رہ گیا۔

اسے یاد تھا ابھی چند دن کی بات تھی طارق کے ہمراہ اونچے نیچے راستوں پہ چلتے ہوئے اس کا پیر پھسلا تھا تو بے اختیار غیر شعوری طور پہ ہی سہی طارق نے اپنا ہاتھ بڑھا کر اسے سہارا دینا چاہا تھا مگر پریشے سنبھل کر فاصلے پہ ہو گئی تھی۔

"نہیں طارق ایسے نہیں، مجھے محبت نے کتنا ہی بے بس کیوں نہیں کر ڈالا میں ایک کے بعد دوسرا غلط قدم نہیں اٹھانا چاہتی ہمارے درمیان یہ فاصلے قائم رہنے چاہئیں، آپ کو کیا خبر طارق؟ میں خود پہ اتنا سا بھی اختیار کھو کر کتنی نادم ہوں اپنے آپ سے۔"

اور طارق شیرازی جہاں نادم ہوا تھا وہاں اس کی شخصیت کے اس دوجہ نکھرے ستھرے رخ پہ دل میں موجود اس کے لئے عزت اور احترام کا احساس یکلخت دوگنا ہوتا ہوا محسوس کرنے لگا تھا اور تب اس نے اپنے ان جذبات کو زبان بھی دے ڈالی تھی۔

"آپ ریلیکس رہیے پریشے! جو عزت و احترام آپ کے لئے میرے دل میں ہے آپ کو اس حد تک جان کر میں ایسی کوئی بھی بات سوچ بھی نہیں سکتا پلیز ٹرسٹ می۔"

جب تک وضو نہیں کرتے
ہم تیری گفتگو نہیں کرتے
اور یہ کہ......
تم کو کیا معلوم تم ہو مقدس کتنے
سر جھکائے ہیں تو عقیدت سے تمہیں سوچتے ہیں

اور اب وہی پریشے، اضطراب، خوف یا پھر وحشت کی کس انتہا پہ پہنچ کر حواس اس حد تک مختل کر گئی تھی کہ اتنی احتیاط بھلا چکی تھی، وہ اس کے احساسات سمجھ سکتا تھا، جبھی بہت نرمی و ملائمت سمیت اپنا ہاتھ اس کے سر پہ رکھ کر بہت دھیرے سے سہلایا۔

"ریلیکس پریشے، ٹیک اٹ ایزی، دیکھئے میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ سے بات کر رہا ہوں، کنٹرول یور سیلف پلیز۔" سونیا اسے یونہی بکھرنے کے مراحل طے کرتے اور طارق کو مضطرب ہوتے دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھ کر پریشے تک آئی اور نرمی سے اسے طارق کے بازو سے الگ کر کے خود سے لگا لیا۔

"انہیں اگر کچھ ہو جاتا سونیا تو میں بھی...... میں بھی زندہ نہ رہ پاتی، انہیں اس بات کا خیال کیوں نہ رہا؟" وہ ہچکیوں اور سسکیوں کے درمیان بولی پورا چہرا آنسوؤں سے بھیگ رہا تھا، سونیا نے اس کے آنسو صاف کیے۔

"پریشے پلیز ڈونٹ کرائی، آپ جانتی ہیں میں اٹھ نہیں سکتا، لیکن اس کے باوجود اگر آپ چپ نہ ہوئیں تو پھر میں آپ کو چپ کرانے کو اٹھوں گا۔" طارق شیرازی کے چہرے پہ بے بسی کا واضح تاثر تھا، پریشے نے آنسوؤں سے دھندلائی آنکھوں کے پار سے اس کے پٹیوں میں جکڑے وجود کو دیکھا اور جلدی سے آنکھیں پونچھ دیں۔

"گڈ! یہ ہوئی نا بات۔" وہ ہلکا پھلکا ہو کر مسکرایا، پھر اس کی شدت گریہ سے گلابی ہوتی آنکھوں میں جھانک کر بولا تھا۔

بیٹھے بیٹھے کھو سا جانا یونہی دور خیالوں میں
ہنستے ہنستے رونا یہ بھی ایک اداسی ہے
یاد کے کنکر بھریں کتنا بیٹھ کے جھیل کنارے پر
کچھ لوگوں کا ہے کہنا یہ بھی اک اداسی ہے

وہ بازوؤں میں سر دیے بہت خاموش بیٹھی تھی جب فون کی بیل پہ یونہی ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

"جی السلام وعلیکم!" دوسری جانب ضوبیا تھی بڑے زوردار طریقے سے سلام کیا ماہ نور نے گہرا سانس کھینچا اور جواب میں سلامتی بھیجی۔

"کیسی ہو بابا، لگتا ہے ہمیں تو بالکل ہی بھول بھال گئیں اور سچ ہے یاد رکھنے کو تھا بھی ایسا کیا شاندار۔" وہ پتہ نہیں شاکی ہو کر کہہ رہی تھی کہ کسی سے ماہ نور سمجھنے سے قاصر رہی اسے جاننے کی خواہش بھی نہ ہوئی مگر اس وقت تو دل بہت بھرا ہوا تھا ابھی کچھ دیر قبل ہی تو نزہت بھابھی کے ساتھ جا کے ہاسپٹل طارق کو دیکھ کر آئی تھی اور دل کے نئے نئے مکین بننے والے اس شخص کی حالت نے دل کو دکھتا پھوڑا بنا دیا تھا، جبھی تو کسی اپنے کی آواز سنتے ہی آنسو بے اختیار ہو گئے تھے۔

"تم رو رہی ہو بابا؟ مائی گاڈ، میری کوئی بات بری لگی؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟ یا پھر بھائی سے جھگڑا ہوا ہے؟ کچھ تو بتاؤ نا پلیز۔" ضوبیا نے اس کی سسکیاں سنی تھیں اور بے طرح بے چین ہو کر سوال پہ سوال کرتی چلی گئی۔

یہ ضوبیا کی اپنائیت و محبت ہی تھی کہ وہ طارق شیرازی کی تاکید کے باوجود ضوبیا کو طارق کے متعلق سب کچھ بتاتی چلی گئی، ضوبیا خود اتنا گھبرائی تھی کہ کوئی ادھوری بات سن کر اسے تسلی دیے بغیر ہی فون بند کر دیا۔

پھر اسی شام جب طارق شیرازی ڈسچارج ہو کر گھر آیا تو ماہ نور کی موجودگی میں ہی طارق کے سیل پہ تائی اماں کا فون آ گیا تھا، وہ بار بار اس سے اس کی خیریت دریافت کر رہی تھیں اور وہ حیران ہوتا اپنی تسلی سے نوازتا رہا، مگر ادھر سے نجانے انہوں نے ایسا کیا کہا تھا کہ وہ یکدم لب بھینچ کر ان کی بات سنتے ہوئے خود سے کچھ فاصلے پہ موجود ماہ نور کو سرد نظروں سے گھورنے لگا تھا، جو اس کی تیز نظروں سے خائف ہوتی بے اختیار نظریں جھکا گئی، طارق نے سیل فون بند کر کے تکیے پہ پھینکا اور انتہائی رکھائی سے بولا تھا۔

"اماں کو میرے ہاسپٹل ایڈمٹ ہونے کا تم نے بتایا تھا؟"

"جی...... جی۔" وہ سٹپٹا کر نظریں چرانے لگی۔

"شٹ اپ ماما، جو پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔" وہ زور سے دھاڑا تو چہرے پہ یکدم ہی تکلیف کے آثار پیدا ہو گئے، داہنے پہلو پہ ہاتھ رکھ کر جھکتا ہوا وہ دانتوں پہ دانت جمائے چپ سا ہو گیا۔

"کیا ہوا؟ درد ہو رہا ہے؟" ماہ نور پریشان سی ہو کر تیزی سے اس کے قریب آئی اور آہستگی سے اس کے کاندھے پہ ہاتھ رکھا۔

"آ...... آپ ٹھیک ہیں طارق؟"

"ہاں جی آپ کو سہولت، مرنے والوں کو مرجانا کیسے۔" کاٹ دار لہجے میں تمسخر کا رنگ تھا تو

چہرے پہ وہی اذیت کے رنگ، ماہ نور کے چہرے پہ خجالت و خفت کی سرخیاں نمایاں ہو گئیں۔

"یہ سوپ پی لیجیے۔" وہ یونہی نظریں چراتے ہوئے نرمی سے بولی، پتہ نہیں اتنی لچک اتنی ملائمت اس میں کہاں سے آئی تھی۔

"کیا ضرورت تھی ماما، اماں کو پریشان کرنے کی، کسی طرح بھی تسلی نہیں کروا سکا ہوں ان کی جبھی تو اب خود آ رہی ہیں یہاں ابا فاروق اور ضوبیہ کے ساتھ، جبکہ انہیں اسی پریشانی سے بچانے کی خاطر میں......"

"آئی ایم ساری! ایکچوئلی جس وقت ضوبیا کا فون آیا تو میں بہت اپ سیٹ تھی۔"

"کیوں اپ سیٹ تھیں تم؟ تمہارے لئے تو یہ بہت خوشی کا مقام ہونا چاہیے تھا جان چھوٹ رہی تھی تمہاری ایک انتہائی ناپسندیدہ رشتے سے...... ہاں ٹھیک کہہ رہی ہو، چھوٹی تو نہیں نا، موت تو مجھے بس چھو کر گزر گئی۔" وہ ایک ایک لفظ چبا کر کچھ اتنی درشتی اتنی تلخی سے کہہ رہا تھا کہ ماہ نور سن سی ہو کر رہ گئی، سراسیمگی سمیت اس کی چمک دار آنکھوں میں ڈولتی ہوئی حد درجہ تندی اور سرد مہری کو دیکھتی رہ گئی، اس کا بھی شاید قصور اتنا کہاں تھا، اسے خود سے بدظن کرنے والا بھی تو ماہ نور کا خود اپنا شدید رویہ تھا کتنا سمجھایا تھا سب نے کہ سمجھوتا ہمیشہ عورت کو ہی کرنا پڑتا ہے اور وہ تو بہت دیر منتظر رہا تھا اس کا۔

"اب ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟ جیسے پتہ نہیں ظلم کے کون کون سے پہاڑ تم پہ توڑ دیے ہوں۔" وہ پتہ نہیں کیوں اتنا جھنجھلا رہا تھا، ماہ نور نے سوپ کا باؤل ٹیبل پہ رکھ دیا اور پلٹ کر تیزی سے کمرے سے نکل آئی۔

(آپ کا غصہ بجا ہے طارق! میں ہی غلط ہوں، میرے دل سے ہی غلطی ہوئی ہے جو آپ کا آپ کی چاہت کا طلبگار ایسے وقت ہوا ہے جب آپ کی چاہتوں نے اپنا رخ بدل لیا، یہ میرا نصیب تھا یا میری کوتاہی کی سزا، مجھے نہیں پتہ)۔

☆☆☆

تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ہے جیسے اک عمر کی مسافت پر
بات کچھ بھی سمجھ نہ آئی ہو
جیسے چپ چاپ ہوں آرزو کے شہر جیسے رک رک کے سانس چلتی ہو
جیسے بے نام ہو دعا کا سفر جیسے قسطوں میں عمر کٹتی ہو
تم کہیں ہو تو ایسا لگتا ہے جیسے اک خوف کے جزیرے میں
کوئی آواز دے کے چھپ جائے جیسے چلتے ہوئے اچانک ہی
غم کی پروائی سے آنکھ بھر آئے تم کہیں ہو تو ایسا لگتا ہے

وہ آہستگی سے چلتا آ کر کچن کے دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا، اس کے اعصاب جیسے سخت ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھے اور چہرے پر رقم ناکامی اس کی شکستگی کی گواہی بنی ہوئی تھی، کچن میں مرغی فرائی کرتے ہوئے یونہی کسی کی موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے گردن موڑی اور اسے دیکھ کر چونک سی گئی۔

"وقی تم؟ کیا ہوا؟ اتنے نڈھال سے کیوں ہو رہے ہو خیریت ہے نا؟" وہ اتنی پریشان ہو اٹھی تھی کہ کڑاہی کے نیچے یونہی چولہا جلتا چھوڑ کر اس کے نزدیک آ گئی، وقاص نے نظریں کیں

اٹھائیں آنکھوں میں موجود نمی کو وہ اس پہ عیاں نہیں کرنا چاہتا تھا۔
"وکی کچھ تو بولو سویٹ ہارٹ، تمہیں یوں دیکھ کر میرا دل گھبرانے لگا ہے۔" تمکین نے اس کے بازو کو دونوں ہاتھوں میں لے کر آہستگی سے دبایا۔
"تمہارے ماموں کہاں ہیں؟ وہ ٹھیک تو ہیں نا؟"
"جی مامی، ماموں ٹھیک ہیں البتہ رانیل...... آپ کے کہنے پہ میں نے رانیل کے بارے میں خود معلومات حاصل کی ہیں، وہ بھی سچ ہے مامی، وہ واپس گھر نہیں گئی وہ مسٹریئس لاپتہ ہے خود شہریار بھی ان کی گمشدگی سے بہت ڈسٹرب ہے۔" وہ یونہی سر جھکائے بول رہا تھا تمکین بس اس کے چہرے پہ بکھرے کرب و اذیت کے رنگوں کو شمار کرتی رہی۔
"تو اب کیا کرنا ہے؟ اس کے شوہر آئی مین شہریار نے پولیس میں اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج نہیں کرائی؟"
"چار پانچ ماہ کچھ کم عرصہ تو نہیں ہوتا، پولیس میں ایف آئی آر درج کرانے کا مطلب جانتی ہیں مامی، سراسر بدنامی اور پھر یہ ان کے آپسی جھگڑوں کی وجہ سے ہوا ہے، اصل بات کیا ہے یہ آپ بھی جانتی ہیں ہو سکتا ہے وہ جہاں کہیں ہو محفوظ ہو، اخبار وغیرہ میں اشتہار لگنے سے معاملہ بگڑ بھی تو سکتا ہے نا۔"
"ہاں ٹھیک کہہ رہے ہو تم، اب تو اللہ سے ہی اس کی بہتری کی دعا مانگی جا سکتی ہے۔" گہرا سانس بھر کے تمکین جلتے گوشت کی اسمیل محسوس کر کے تیزی سے کوکنگ رینج کی سمت چلی وقاص اس یاسیت بھرے انداز میں کچن سے نکل رہا تھا۔

☆☆☆

سوچتے ہیں چلتے چلتے اک ادھوری ٹھیک نہیں
جو کہنا ہے کھل کے کہہ دو بات ادھوری ٹھیک نہیں
ہم محفل میں آئے ہیں وہ پیچھے جا کر بیٹھ گئے
ہم سے دوری اچھی ہے پر اتنی دوری ٹھیک نہیں

سیل فون کان سے لگائے وہ بہت مدھم اور بھاری آواز میں کہہ رہا تھا، دوسری جانب پریشے ایک پل کو خاموش ہی رہ گئی، پھر اس نے پہلے کھنکار کر گلا صاف کیا تھا، پھر جوابی کارروائی میں بولی تھی۔
"آپ کا شکوہ بھی بجا ہے مگر۔"

کوئی حیلہ کوئی بہانہ کوئی مناسب راہ نکال
مجھ سے ایسے ملتے رہنا غیر ضروری ٹھیک نہیں

"رئیلی۔" وہ ایک دم سے کھل اٹھا۔
"ہمیں تو آپ کی اجازت درکار تھی، کہیں تو ابھی حاضر ہو جائیں سرِ دست آپ کا ہاتھ مانگنے؟"
"پلیز طارق!" وہ بری طرح سے جھینپ گئی۔
"میرا مقصد یہ تو نہیں تھا میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ روز روز ملنا۔"
"مگر میرا یہی مقصد ہے اس تعلق کو جائز رشتہ کا رنگ دینا چاہتا ہوں پریشے۔" طارق نے اپنی

بات پہ زور دیا تو پریشے کا دل بے نام سی اداسی کے ہمراہ تاریک گھاٹیوں میں اترنے لگا۔
"آپ یہ کیوں بھول رہے ہیں کہ آپ کی شادی ہو چکی ہے۔" اس کی آواز میں بھی دکھ رونے لگا۔
"آپ صرف اپنی اور میری بات کیجئے پریشے، میں آپ کو اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔"
"کیا میں یہ سمجھوں کہ......"

اس خوف سے وہ ساتھ نبھانے کے حق میں ہے
کھو کے مجھے یہ لڑکی کہیں دکھ سے مر نہ جائے

اس کی آواز میں خود ترسی کے رنگ نمایاں تھے، جنہیں محسوس کرتا طارق مضطرب ہوا تھا۔
"پریشے میں آپ سے ملنا چاہوں گا بہت جلد، آپ کو آنا ہے ہو گا یاد رکھیے اگر آپ نہ آئیں تو میں ڈاکٹرز کی ہدایت بھلا کر خود آپ کے پاس آ جاؤں گا۔"
"طارق......!"
"میں آپ کا ویٹ کروں گا۔" طارق نے کہا تھا اور کال ڈسکنکٹ کر دی تھی، اس کے وجیہہ چہرے پہ سوچ کے رنگ بہت گہرے تھے۔

☆☆☆

وہ صبح سے لگی تھی، پورا گھر خود ساتھ لگ کر صاف کیا تھا، یہ جانفشانی کی گئی محنت کا نتیجہ تھا کہ اب گھر کی اک اک چیز چمک رہی تھی اس کے بعد وہ ہاتھ منہ دھو کر خود کچن میں آ گئی، کھانا تو سارے کا سارا ملازمین ہونے کے باوجود خود تیار کیا تھا، وہ تائی اماں کو شکایت کا موقع تک نہیں دینا چاہتی تھی بلکہ دیکھو یہی کہ وہ ان پہ اپنے بیٹے کے ساتھ ساتھ ان کے دل میں بھی گھر کرنے کی ایک خواہش تھی جو اسے سرگرم عمل کر چکی تھی سب کچھ مکمل ہو جانے کے باوجود وہ خود بے حد نروس ہو رہی تھی کہ تائی اماں کے مزاج سے آگاہ جو تھی۔
طارق شیرازی ڈرائیور کے ساتھ ان لوگوں کو لینے خود ائیرپورٹ گیا ہوا تھا جبکہ وہ خود پیازی کلر کے شلوار سوٹ پہ ہلکی کڑھائی کے سوٹ میں نازک سی پرل کی جیولری اور نیچرل کلر کی لپ اسٹک لگا کر تیار ہوئی انوکھی سی محبوب کے پیا کے دل میں اتر جانے کی حد تک اچھی لگ رہی تھی مگر دل تھا کہ اندر سے جانے کیوں سہما جا رہا تھا، بالآخر وہ لمحات بھی آ پہنچے جس کا اسے انتظار تو تھا مگر جن سے وہ اندر سے خائف بھی تھی یعنی تائی اماں کے سامنے سے اور عام حالات میں بے حد پیار، اعتماد اور لڑنے مرنے کی حد تک نثار رہنے والی ماما اور کوئی جانتا تھا، اتنا پیارا کس جذبے کس احساس نے کیا تھا، یہ طارق شیرازی کی جگہ لینے والی محبت ہی تو تھی۔
فوجی جیپ کے ہارن کی آواز سن کر گیٹ مین نے وا کیا تھا اور صاحب کے ساتھ آنے والے معزز مہمانوں کو بہت خوشدلی و خوش اخلاقی سمیت احترام کے ساتھ ویلکم کیا۔
"بھابھی نظر نہیں آ رہی ہیں بھائی۔" فاروق نے جیپ سے باہر آ کر اس پھول پودوں سے گھرے خوبصورت مگر چھوٹے سے گھر کو ستائشی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے طارق کو مخاطب کیا تھا۔
"اندر ہو گی یار کسی کام سے مصروف، صبح سے تیاریوں میں لگی ہوئی ہیں محترمہ۔" طارق جیپ کا دروازہ بند کرتے ہوئے سرسری سے لہجے میں بولا تو تائی اماں نے تیوریاں چڑھا لیں۔

"اتنی ہی مصروف ہے کہ دو قدم چل کر پہلی بار گھر آنے والے سسرالیوں کا استقبال بھی نہ کر سکی۔" ان کا زہر میں بجھا ہوا لہجہ از حد تنفر سمیٹے ہوئے تھا، ضوبار نے گھبرا کر پہلے انہیں پھر طارق کو دیکھا اور متوقع بدمزگی کے خیال سے متوحش ہوئی فساد کی جڑ فاروق کو گھورنے لگی جو اس بات کا بھڑکانے کا سبب بنا تھا، فاروق بے چارا خود بات کو اس رخ پہ جاتے دیکھ کر ہڑبڑا اٹھا تھا۔

"ارے وہ کیا جانتی ہوگی کہ ہم اپنے بیٹے سے ملنے یہاں آئیں؟ اتنے بڑے گھر میں نوکرانی سے رانی بن کر آ بیٹھی اس کے نخرے تو آسمان پہ پہنچیں گے تو کیا اتارے؟"

اماں کو تو موقع ملا تھا دل کی بھڑاس نکالنے کا، فاروق کے چہرے پہ بے بسی سی چھا گئی، طارق لب بھینچے خاموش کھڑا تھا ہمیشہ کی طرح اس نے ماہ نور کی پوزیشن کلیئر کرنے کی کوشش نہیں کی تھی، اس کے خیال میں یہ ماہ نور کی غلطی تھی اسے اس وقت کا خیال رکھنا چاہیے تھا۔

"اوہو بیگم صاحبہ کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ موقع محل ہی دیکھ لیا کیجئے، خدانخواستہ آپ بیٹے کی عیادت کو آئی تھیں بہو سے لڑنے نہیں۔" بابا جان نے کسی قدر خفگی سے کہا، اسی پل ماہ نور متغیر رنگت اور جھکی ہوئی پلکوں سمیت قدرے جھجکتی ہوئی وہاں آئی تھی۔

"السلام علیکم!" اس کی آواز میں بھی اس کے وجود کی لرزاہٹ اتر آئی تھی، ضوبار کو اس پہ ترس آیا۔

"فرصت مل گئی تمہیں؟ اوہ نہ نہ... مہاجن پہ احسان تھا۔" ان کا تضحیک آمیز لہجہ سراسر تمسخر اڑاتا ہوا تھا، ماہ نور نے لمحہ بھر کو پانیوں سے بھری آنکھیں اٹھا کر انہیں دیکھا اور پھر سے سر جھکا لیا۔

(دیکھ لیں طارق! آپ نے مجھے اہمیت نہ دے کر کیسے لوگوں کا [illegible] بنا دیا ہے آپ کی ایک لغزش ہمیشہ کے لئے مجھے میرے مقام سے کتنے ہی فٹ نیچے گرا چکی ہے، آپ کو معاف کر بھی دوں تو یہ رویے تو یہ رویے مجھے ایسا نہیں کرنے دیتے) وہ پھر سے نفرت، ضد اور ہٹ دھرمی کے اسی نقطے پہ جا کھڑی ہوئی جہاں سے اس سفر کا آغاز ہوا تھا، بابا جان نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر خیریت دریافت کی دعاؤں سے نوازا، فاروق صرف سلام کر کے آگے بڑھ گیا، البتہ ضوبار نے گلے لگا کر گال پہ بوسہ ثبت کرتے ہوئے جیسے ماں کے رویے کا ازالہ کرنا چاہا مگر ماہ نور کو اب کچھ فرق پڑنے والا نہیں تھا۔

اس کے بعد وہ دانستہ مصروف رہی کھانا تیار تھا وہ ان لوگوں کو کولڈ ڈرنکس وغیرہ دے کر کچن میں آ گئی کھانا تیار تھا اس نے ٹیبل سجانا شروع کر دیا، کھانا کھانے کے بعد آرام کرنے کے لئے دوسرے کمرے میں چلے گئے، البتہ اماں ضرور طارق کے ساتھ اس کے بستر پہ اس کے ساتھ آ بیٹھیں اور اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔

"پتا ہے کوئی خوشی کی خبر بھی ہے؟"

"کون سی خوشی کی؟" طارق اپنے دھیان میں تھا بات کو سمجھے بغیر الٹا انہی سے سوال کر گیا۔

"میں اس کلموہی کی بات کر رہی ہوں، کوئی امید بر آئی کہ یونہی سبز قدم ہے۔" اور طارق کے نظریں چرانے پہ ان کا پارہ آسمان تک جا پہنچا اس سے پہلے کہ عادت کے مطابق آتش فشاں کی طرح پھٹتیں بیٹ مین دروازہ ناک کر کے اجازت ملنے پہ اندر آیا تھا۔

"سر! مس پریشے اور ان کی فرینڈ سونیا بی بی آئی ہیں۔"

"اوہ......" طارق کے چہرے پہ اس کو دیکھتے خفیف سی گھبراہٹ بکھری۔

"کون ہے؟" اماں کے کان کھڑے ہو گئے۔

"کوئی نہیں اماں میرے باس کی بیٹی آئی ہیں میری عیادت کے لئے۔" وہ کترائے ہوئے انداز میں سر کھجا کر اٹھتے ہوئے بولا تو اماں نے ٹوک دیا۔

"تو کہاں جا رہا ہے؟"

"اماں وہ ڈرائنگ روم میں میرا ویٹ کر رہی ہیں۔" طارق کے انداز میں عجلت تھی۔

"تو یہاں بلوا لے نا، میں بھی مل لوں گی، جا تو جا کے ان بچیوں کو یہیں لے آ۔" اماں نے اس کی سنے بغیر بیٹ مین کو آرڈر کیا تھا۔

اور جب تک پریشے وہاں رہی اماں کبھی حیرت سے کبھی تاسف سے تو کبھی خوشی و اشتیاق سے ملے جلے احساسات سمیت اسے دیکھتی رہی تھیں، ان کے لئے چائے ماہ نور خود لے کر آئی تھی۔

"آپ کے لئے چائے بناؤں اماں؟" پریشے اور سونیا کو کپ تھمانے کے بعد اس نے تائی اماں کو مخاطب کیا جن کی پر شوق والہانہ نظریں پریشے کے کن موہنے دلفریب سراپے اور خوش رو سے چہرے پہ نثار ہو رہی تھیں، اس کی آواز پہ چونکیں اور بہت بے دلی سے اسے گھورا۔

"ارے کیوں پیؤں اب پھر میں چائے؟ ابھی کچھ دیر پہلے تو پی تھی، چائے ہے مکھن دودھ بالائی تو نہیں کہ صحت بنائے۔" انہوں نے اپنے مخصوص اسٹائل میں اسے اچھا ڈانٹا، پریشے اور سونیا کا بھی خیال کیے بغیر۔

پریشے نے چونک کر پہلے انہیں پھر ماہ نور کو دیکھا، جس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا، اسے بہت ندامت سے ان کے رویے کی بدصورتی کا احساس ہوا تھا اور یہ سب بھگتا اسے اتنا عجیب محسوس ہوا تھا کہ زیادہ دیر وہاں ٹھہر نہ سکی اور جب اماں کے روکنے کے باوجود وہ جانے کو اٹھ گئی تو اماں نے اسے رخصت کرتے ہوئے بالخصوص اسے لپٹا کر ایک والہانہ سا بوسہ اس کی اجلی پیشانی پہ ثبت کیا تھا۔

"پھر دوبارہ آنا بیٹی! ابھی میں یہیں ہوں، تم سے مل کر دیکھ کر ماں کا دل بہت ٹھنڈا ہوا۔" پریشے ان کی اتنی اہمیت و لگاوٹ بھرے انداز پہ بے طرح ٹپٹا کر طارق شیرازی کی سمت متوجہ ہوئی جو ہنسی ضبط کرنے کی کوشش میں سرخ ہوتا ہوا اسے ہاتھ سے وکٹری کا نشان بنا کر دکھا رہا تھا، پریشے نے [illegible] نگاہ کا زاویہ بدل ڈالا اور اماں سے خود کو چھڑا کر سرعت سے باہر نکل گئی۔

"کتنی پیاری بچی ہے نا؟ اتنی حسین اور نازک، گویا گلاب دودھ اور شہد ور گوندھ کر بنائی گئی ہو اور چاندنی میں غسل دے دیا ہو۔" اماں کی شاعرانہ قسم کی تعریف پہ طارق کی ہنسی نکل گئی۔

(مجھے نہیں پتا اماں کہ وہ کتنی خوبصورت ہے، میری نگاہ تو کبھی اس کی خوبصورتی کو تلاشتی نہیں میں تو بس اتنا جانتا ہوں جب وہ میرے آس پاس ہوتی ہے تو مجھے زندگی مکمل محسوس ہوتی ہے مجھے اس کے سوا سب کچھ بھولنے لگتا ہے ہر الجھن کہیں دور ہٹ جاتی ہے اور ہماری زندگی میں کچھ لوگ ایسے ضرور آتے ہیں جو ہمیں مکمل کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں مگر مجھے اس بات کا دکھ ہمیشہ رہے گا وہ میری زندگی میں بہت دیر سے آئی)۔

(آپ نے پتہ نہیں اس کی آنکھیں کتنے غور سے دیکھی ہیں میں نے بہت غور سے دیکھی ہیں، جب وہ مسکراتی ہے نا؟ تو اس کی آنکھوں میں جگنو چمکتے ہیں اور یہ جگنو میری محبت کے ستارے ہیں

میں ان ستاروں کو ہمیشہ کے لئے اپنی مٹھیوں میں محفوظ کر لینا چاہتا ہوں کیونکہ مجھے لگنے لگا ہے ان جگنوؤں سے زیادہ دلکشی راحت اور کاملیت میرے لئے اور کہیں نہیں ہو سکتی)۔

"آگ لگی بولی بھی جنہیں شادی کی، ذرا سا صبر کیا ہوتا تو میں تیری اس لڑکی سے شادی کراتی۔" اماں جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھیں، وہ آہستگی سے مسکرا دیا۔

(دیر تو اب بھی نہیں ہوئی ہے اماں، میں اس سے اب بھی شادی کرلوں گا زندگی کی خوشیوں پہ میرا بھی حق ہے) ایک تمنا نے سر اٹھایا۔

"ہائے ہائے کہاں میرا شیر جوان سوہنا چھیلا بیٹا اور کہاں وہ چھٹکی۔" طارق کے لبوں کی مسکراہٹ سکڑتے سکڑتے بالآخر بالکل غائب ہوگئی۔

"اماں پلیز فارگیٹ اٹ۔"

"کیا کہا؟" وہ زور سے چلائیں تو طارق خائف سا ہوا اور کس قدر بے زاری سے بولا تھا۔

"کچھ نہیں اماں مجھے سونا ہے۔"

"ہاں تو سو میں نے کب روکا ہے۔" وہ بدمزگی سے کہتی ذرا سا دور سرکیں، طارق گہرا سانس کھینچ کر سیدھا ہو کر لیٹ گیا اور آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

کچھ ہم بھی تھے افسردہ سے کچھ تم بھی ہم سے روٹھ گئے
کچھ ہم بھی زخم کے عادی تھے کچھ شیشے ہاتھ سے چھوٹ گئے
کچھ ہم بھی تھے حساس بہت کچھ اپنے مقدر روٹھ گئے
کچھ تم کو سچ سے نفرت تھی کچھ ہم سے نہ بولے جھوٹ گئے
کچھ لوگوں نے اکسایا تمہیں کچھ اپنے مقدر پھوٹ گئے
کچھ ہم اتنے محتاط نہ تھے کچھ لوگ بھی ہم کو لوٹ گئے
کچھ تلخ حقیقت بھی اتنی کہ خواب ہی سارے ٹوٹ گئے

آج بہت دنوں بعد پھر اس کا ذہن بہکا تھا آج بہت سارے دنوں بعد وہ پھر بہت ٹوٹ کر یاد آئے تھے، اس کی آنکھیں بار بار بھیگ رہی تھیں۔

"رائل بیٹا! کیا بات ہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری؟" وہ کھانا کھانے بیٹھی تھی مگر چاولوں اور چمچ سے کھیل رہی تھی، ایک نوالہ بھی جو اس کے اندر گیا ہو، ماما کی تشویش فطری تھی، وہ چونک کر متوجہ ہوئی اور زبردستی خود کو سنبھالا۔

"کچھ نہیں ماما آپ تو ذرا خواہ مخواہ پریشان مت ہوں۔"

"کب سے یونہی کھانا سامنے رکھے بیٹھی ہو؟" ماما نے پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

"جی کھا رہی ہوں۔" اس نے محض ان کے اطمینان کے لئے چمچ منہ میں ڈالا ورنہ حقیقت یہ تھی کہ دل بالکل آمادہ نہیں تھا۔

"یہ لیجئے ماما چائے اور بابا آپ کے لئے دودھ۔" طلحہ ٹرے اٹھائے اندر آیا تھا پھر اس کے ہاتھ میں بھری ہوئی پلیٹ دیکھ کر مسکرا دیا۔

"تو گویا کھانے سے جنگ ہو رہی تھی آپ بھی نا آپا ماما کو بہت پریشان کرتی ہیں، جتنی آپ کو خوراک کی زیادہ ضرورت ہے آپ اسی قدر کم کھاتی ہیں۔" اس نے فراٹے سے وہ باتیں دہرائیں جو ماما کی زبانی اکثر و بیشتر سن چکا تھا ماما کی تو آنکھیں کھلی رہ گئیں رائل الگ خفت سے سرخ چہرا لئے بیٹھی تھی۔

"تمہیں کس نے کہا کہ اسے زیادہ خوراک کی ضرورت ہے؟ بدتمیز اتنا ہی بولا کرو جتنا اچھا لگے ہر وقت عورتوں میں گھس کر بیٹھا رہتا ہے پھر تو ایسی ہی باتیں کرتا ہے۔" ماما نے اچھا خاصا ڈانٹ کر رکھ دیا تھا، طلحہ پہلے تو حیران ہوا پھر منہ بنا کر احتجاجی لہجے میں بولا تھا۔

"آخر ایسا کیا غلط کہہ دیا ہے میں نے؟ آپ بھی تو آپا کو اس بات پر ڈانٹتی ہیں، میں تو ڈانٹ بھی نہیں رہا تھا ہمدردی کر رہا تھا۔" ماما کو اس کی معصومیت پہ مسکراہٹ چھپانا پڑی۔

"اچھا بس کرو بہت بولنے لگے ہو جاؤ دیکھو جا کے ہوم ورک کر لیا ہے؟ پھر ٹیوشن کا بھی ٹائم ہونے والا ہے۔" انہوں نے اب کے قدرے نرمی سے کہا تھا وہ منہ بسورے باہر نکل گیا۔

"ماما طارق بھائی کیسے ہیں اب؟ بابا کا فون آیا دوبارہ۔" رائل نے کسی دھیان سے نکل کر پوچھا۔

"اس کا تو نہیں طارق البتہ خود اکثر بات کر لیتا ہے کہتا تو یہی ہے کہ اب ٹھیک ہوں، ویسے بھائی صاحب بھابھی بیگم اور بچوں کے ساتھ آج کل طارق کے پاس گئے ہوئے ہیں۔"

ماما سلائی کے کپڑوں کا نیا بنڈل کھول رہی تھیں انداز میں مصروفیت تھی رائل نے رک کر انہیں بغور دیکھا پھر آہستگی سے بولی تھی۔

"ویسے ماما، ان کی عیادت کو جانے کا تو آپ کا بھی حق بنتا ہے مگر آپ میری وجہ سے۔"

"ہاں بیٹا! تمہاری حالت ایسی ہے بھی تو نہیں کہ چھوڑ کر جایا جائے، طارق نے تو بالخصوص مجھے کہا ہے۔" ماما اس کے تذبذب کو دیکھ کر آہستہ لہجے میں بولیں۔

"میری وجہ سے آپ کو بہت سارے ......"

"رائل! بیٹا میں کوئی بھی فضول بات نہیں سننا چاہتی، ماں اگر اپنی اولاد کے لئے کچھ کرے تو وہ احسان نہیں ذمہ داری اور فرض ہوتا ہے اول فول بکنے کی بجائے اچھا ہو جایا کرو۔" انہوں نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا کر تھپکا تو رائل آنکھیں جھپک جھپک کر آنسو اندر اتارتے ہوئے آنکھیں موند گئی۔

☆☆☆

"بھابھی! سخت بھوک لگی ہے پلیز ذرا جلدی سے کچھ ایسا بنا دیں جو فٹافٹ بن جائے۔"

رات کے گیارہ بج رہے تھے وہ سارا کام نپٹا کر بس خود لیٹنے کو ہی وہاں کھڑی تھی کہ اس کے بیڈروم میں تو اماں اور بابا جان کا قیام ہو چکا تھا، ضوبیہ ڈرائنگ روم میں صوفے پہ سو رہی تھی، رہ گیا فاروق تو وہ گیسٹ روم میں تھا اور وہ ابھی خاصی پریشانی میں مبتلا ہو چکی تھی، اس کے لئے جگہ طارق کے بیڈروم میں ہی بچی تھی جہاں خود سے جاتے ہوئے قدموں میں زنجیریں پڑ رہی تھیں اور وہ وہاں جانے کو ہرگز تیار بھی نہیں تھی وہ اسی سوچ کے ساتھ پریشان تھی کہ فاروق نے آ کر چونکا دیا۔

انہیں کھانا کھائے دو گھنٹے گزر چکے تھے اور وہ بھوک کا خاصا کچا تھا رات کو اگر وہ جاگ رہا ہے تو لازماً گھنٹے بعد اسے کچھ نہ کچھ کھانے کو چاہیے ہوتا تھا۔

"ایسا کریں چائے کے ساتھ سنیکس بنا دیں۔" وہ اسے سوچ میں گم دیکھ کر گویا مشکل آسان

کرتا ہوا خود بیٹ کر چلا گیا، ماہ نور گہرا سانس کھینچتی ہوئی معروف ہو گئی اور جس پل وہ غرارے کر آئی فاروقی ٹی وی لاؤنج میں سوہائی پہ محو گفتگو تھا اس سے فرے لے کر گیسٹ روم میں چلا گیا، ماہ نور نے ٹی وی آف کرتے ہوئے وہیں سونے کا پروگرام بنا لیا، صوفے پہ لیٹنے سے قبل اس نے لائٹ آف کر دی۔

(لاشعوری طور پہ آپ منتظر تو ہوں گے میرے طارق شیرازی مگر ماہ نور تمہاری محبت میں مجبور ہو کر بھی تمہیں نہ معاف کر سکی نہ تمہیں اس خوشی کو دے سکی، ماہ نور تم منتظر ہی رہو گے تب تک جب تک تمہارے گھر والے مجھے میری اہمیت سمیت قبول نہیں کر لیتے، یہ تمہاری اس زبردستی کی تمہیں سزا ہے اور مجھے اس لئے بھی کبھی یہ نہیں لگے گا کہ میں تمہارے ساتھ غلط کر رہی ہوں۔) ایسی ہی مبہم اور شدید سوچوں کے ساتھ وہ جانے کب نیند کی وادیوں میں گم ہو گئی تھی۔

☆☆☆

اب یہ پتہ نہیں کہ وہ کتنی دیر تک سوئی تھی، دوبارہ آنکھ اس وقت کھلی جب کوئی بہت جارحانہ انداز میں اس کی کلائی جھنجوڑ رہا تھا، اس نے کراہ کر آنکھیں کھول دیں، ایک پل کو تو اسے لگا تھا جیسے اس کی بازو کندھے سے نکل گیا ہو، مگر اگلے ہی لمحے اماں کو کڑے تیوروں سمیت اپنے سر پہ مسلط دیکھ کر نیند تو اڑی ہی تھی چودہ طبق بھی روشن ہو گئے، وہ ماؤف ہوتے دماغ سے گھر گھر انہیں دیکھنے لگی۔

"یہ کیا حرکت ہے ہاں؟" وہ دبے ہوئے لہجے میں چلائیں۔

"تو یہ گل کھلا رہی ہے، شک تو مجھے ان کو دیکھتے ہی ہو گیا تھا پر تیرے کچھ نے اور احتیاط کی چیزیں دیکھ کر ہی چپ کیا تھا مگر میں رنگے ہاتھوں ہی پکڑنا چاہتی تھی تمہیں۔" ان کا لہجہ اتنا تیکھا اور غصیلا تھا کہ ماہ نور کو خوف سے اپنا حلق خشک ہوتا ہوا محسوس ہوا، وہ سر جھکائے کسی مجرم کی طرح ان کی عدالت میں پیش تھی اور خود کو اس لاپرواہی پہ کوس رہی تھی کہ اسے یہ خیال کیوں نہیں آیا اس وجہ لاپرواہی کے مظاہرے پہ گرفت میں بھی آ سکتی ہے۔

"جی تو چاہ رہا ہے اسی ہٹ دھرمی اور بے غیرتی پہ سب کے سامنے جوتے لگاؤں تمہیں مگر اپنے بیٹے کی عزت کا خیال مجھے ایسا کرنے سے روک رہا ہے، دفع ہو جاؤ اب اپنے کمرے میں، صبح میں طارق کے ساتھ خود بات کروں گی، جوان بہن بھائی کے سامنے میں اس کا پردہ اٹھانا نہیں چاہوں گی۔" ان کا ایک ایک لفظ کسی تیر کی طرح سے سن سن کرتا اس کے وجود کے آر پار ہوتا جا رہا تھا، انہوں نے قہر بھرے انداز میں دھکا دے کر اسے دروازے کے باہر کھینچ دیا، تب وہ مرے مرے قدموں سے چلتی اس کے بیڈ روم کے دروازے پہ آن رکی تھی، یہ عمل گویا اس کی حد سے زیادہ ضدی، خوددار اور انا پرست طبیعت پہ تازیانہ ہی تھا، پھر اماں کا اس قدر اہانت آمیز رویہ، اس کا تو مر جانے کو جی چاہ رہا تھا، ان کے تضحیک آمیز لہجے میں موجود بے رخی میں کوئی رعایت نہیں تھی اور ان کی دھمکی اور تنبیہ اسے خائف کرنے کو کافی تھی، طارق کے لئے پگھلنے کی ذرا سی دل میں محسوس ہونے والی ایک بار پھر اسی کٹی اور سرد مہری اور نفرت میں ڈھلنے لگی، اب وہ پھر سے پہلے والی ماہ نور تھی اکھڑ، تند خو اور ضدی۔

دروازہ دھکیلنے کی آواز پہ طارق شیرازی جو تکیے سے ٹیک لگائے کسی کتاب کے مطالعے میں محو تھا ذرا سا چونکا اور اسے اندر آتے دیکھ کر بغیر کسی تاثر کے یونہی دیکھتا رہا، جس سے جزبز ہوتے

ہوئے ماہ نور نے لٹھ مار انداز میں کہا تھا۔

"آپ کی اماں کا حکم ہے کہ میں آپ کے کمرے میں سوؤں، ایک طرح سے گن پوائنٹ کے ذریعے یہاں بھیجا ہے۔" اس نے بلبلاتی ہوئی انا کی تسکین کی خاطر جتانا ضروری سمجھا، طارق کے چہرے پہ سکوت چھا گیا۔

"اور تم کہاں سونا چاہتی ہو؟" وہ اس سوال کے ذریعے جانے کیا کھوجنا چاہ رہا تھا جسے بغیر وہ رخ کر کے بے نیازی اور نخوت سے کہہ گئی تھی۔

"مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا میں کہیں بھی سوؤں۔" اپنے تئیں اس نے طارق پہ اپنی لاتعلقی اور بے نیازی کا اظہار کیا تھا مگر طارق کو شاید اسی جواب کی امید نہیں وہ ہمیشہ کی طرح اس کے انکار کا منتظر تھا، یہ سن کر چونکا اور اس کے لاتعلق اجنبی اکھڑے تیکھے تیوروں کو ملاحظہ کرتا ہوا یہ سوچنے پہ مجبور ہوا تھا۔

بھلا ایسی کون سی چیز تھی جس نے اس کا یہ خوف ہی ختم کر ڈالا تھا، یقیناً اس کا اپنا طرز عمل اس کے اس گریز کی وجہ سے وہ اس حد تک بے خوف ہوئی تھی۔

"اگر تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا تو یہاں بیڈ پر آ جاؤ میرے ساتھ۔" کتاب بند کر کے سائیڈ پہ رکھتے ہوئے وہ اس کی تمام تر لاتعلقی اور بے نیازی کو لمحے کے ہزارویں حصے میں اس کی ذات سے کھرچ کر دور پھینک چکا تھا۔

ماہ نور بری طرح سے چونکی اور اس کی نگاہوں کو محسوس کرتے ہوئے سراسیمہ اور بے اوسان ہوئی، ایک وقت میں خوف اور غصے سے گڑبڑا گئی، اسے طارق سے ہرگز ایسی بات کی توقع نہیں تھی، شپٹا کر اٹھی ہوئی گھبرائی تیز نظروں سے اسے دیکھتی جز بز ہو کر بولی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ آپ ایک مہذب انسان ہیں۔" طارق نے اس کی آواز پہ خوف کی لرزاہٹ محسوس کی اور دبی ہوئی مسکراہٹ سمیت بولا۔

"کیا مہذب انسان اپنی بیویوں سے اس قسم کی گفتگو نہیں کرتے مادام؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا پھر شرٹ کے بٹن کھولتے ہوئے بستر چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا، ماہ نور کے قدموں تلے سے زمین سرکنے لگی، تو کیا اب وہ اس کی انا ضد اور نسوانیت کے مان کو ملیا میٹ کر دے گا، وہ جو پتھر اور فولاد کو ملا کر بنا گیا تھا، بھلا اس کی موہوم سی پس و پیش اس کے ارادوں میں رکاوٹ کھڑی کر سکتی تھی، وہ گھبراہٹ سے مفلوج ہوتی حسیات سمیت اسے قدم بہ قدم اپنی سمت بڑھتے ایک سکتے کے عالم میں دیکھنے لگی۔

"یہاں آؤ پلیز۔" وہ اس کی بجائے اس شیلف تک آ کے رک گیا تھا جہاں اس کی دوائیاں پڑی تھیں، ماہ نور کی بے اوسان سانسیں ذرا سی بحال ہوئیں۔

"اگر زحمت نہ ہو تو یہ مرہم میرے زخموں پہ لگا دو پلیز۔" وہ ایک ٹیوب اس کی سمت بڑھا کر بولا، ماہ نور نے بے اختیار سکھ کا سانس لیا اور تنے ہوئے اعصاب کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

"اماں کی باتوں پہ دل چھوٹا مت کیا کرو، میں اپنی زیادتی پہ بھی بہت شرمندہ ہوں اور خود کو معاف نہیں کر پاتا جو میری خواہش کی شوریدہ سری میں تم سے ہوئی۔" وہ بیڈ پہ تکیوں کے سہارے نیم دراز ہو چکا تھا اور اسے زخم پہ مرہم لگانے کا اشارہ کیا تھا، ماہ نور جھجکتے ہوئے اس کے قریب ہوئی، غضب کی مردانگی سمیٹے اس کا لمبا چوڑا شاندار سراپا بیڈ پہ اس کے سامنے موجود گویا اس کے

حواسوں پہ اپنا سحر طاری کر رہا تھا، دائیں پہلو پہ موجود گھاؤ ابھی بھی پوری طرح سے بھرے تو نہیں تھے، اس نے محبوب سے مرہم نکالا اور زخموں پہ نرمی سے لگانے لگی، اس کی اتنی قربت ماہ نور کے وجود پہ لرزاہٹ طاری کرنے لگی، اسی کانپتے ہاتھ کا ذرا سا دباؤ متاثرہ جگہ پہ پڑا تھا، جو طارق کے منہ سے بے اختیار کراہ نکل گئی۔

"اوہ سوری بہت درد ہو رہا ہے آپ کو؟" وہ جو اس کی اتنی قربت میں نروس ہو رہی تھی اس کیفیت سے نکلنے کی خاطر یہ سوال کر گئی۔

"ہاں ہوتا تو ہے مگر اس قدر نہیں جتنا تمہیں پانے کی کوشش میں محسوس کر چکا ہوں۔" اس جواب پہ ماہ نور نے ایک دم ہونٹ بھینچ لئے، اسے آج ابھی کی تازہ ذلت یاد آ گئی۔

"بہت تکلف یوں آزماؤ گی ماہا، اب بس کرو، پلیز۔" قربتوں کا جادو صرف ماہ نور کو ہی نہیں طارق کو بھی جکڑ چکا تھا، اس نے یکدم ماہ نور کا ہاتھ پکڑ لیا، ماہ نور جواب میں کچھ کہے بغیر سرد نظروں سے اسے دیکھنے لگی، اب اس کے ذہن و دل میں صرف انسلٹ کا احساس تھا، طارق کی محبت طارق کی قربتوں کا سحر سب کچھ اسی انسلٹنگ رویے کی بھینٹ چڑھ گیا تھا اور یہ تو طے تھا کہ ماہ نور کو اپنی انا اپنی خود داری اپنی محبت اپنے مفاد سے بڑھ کر عزیز تھی۔

"کچھ بولو ماہا، کیا جواب ہے تمہارا۔" طارق کی آنکھوں میں اضطراب تھا، سوال میں بے چینی تھی، ماہ نور نے نہایت سکون سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکال لیا، اس سے پہلے کہ وہ یہ فاصلہ بڑھاتے ہوئے بیڈ سے اتر جاتی، طارق نے ایک دم سے شانوں سے جکڑ کر اپنے برابر گھسیٹ لیا۔

"میں کیا کہہ رہا ہوں، میری بات کی تمہارے نزدیک کوئی اہمیت ہے؟" وہ ایک دم غصے سے چلایا، ماہ نور نے بھرپور مزاحمت کی اور اس سے خود کو چھڑانا چاہا، طارق کے چہرے پہ زخم اور کھینچ تان کی وجہ سے تکلیف کے آثار بے حد نمایاں ہو گئے تھے، مگر وہ لب بھینچے ضبط کر رہا تھا جب اس نے ماہ نور کی پھنکارتی ہوئی آواز سنی۔

"پھر سن لو، میرے نزدیک تمہاری اہمیت نہیں ہے پھر تمہاری اس بات کی کیا ہو گی؟" اس کشمکش میں اس کا دوپٹہ وہیں بیڈ پہ گر گیا تھا، جسے اس نے اٹھانے کی کوشش نہیں کی۔

"یہاں آؤ ماہ نور۔" اب کی مرتبہ طارق نے بیڈ سے اٹھے بغیر وہیں رہ کر بہت سرد اور خطرناک تاثرات سمیت اسے پکارا۔

"زبردستی کا نکاح ہی کیا تھا طارق صاحب آپ نے مجھ سے، بہرحال زرخرید نہیں تھی میں کہ یوں آپ کا دل بہلانے کا سامان کروں۔" وہ جواباً پہلے سے بھی زیادہ درشتگی سے چلا کر بولی، طارق کا چہرہ غصے کی زیادتی سے دہک کر انگارہ ہو گیا۔

"تو اسکا مطلب ہے تم نہیں آؤ گی؟" وہ جانے کیوں جرح پہ آمادہ تھا۔

"نہیں..... نہیں کتنی مرتبہ کہوں تو یقین آئے گا تمہیں؟" ماہ نور نے اتنی حقارت سے کہا تھا کہ طارق بس کچھ دیر تک اس کے تاثرات کو دیکھتا رہا پھر ایک گہرا طویل سانس کھینچ کر ٹھہری ہوئی آواز میں بولا تھا۔

"یاد رکھنا ماہ نور! میں اس مرتبہ کی انسلٹ کو بھولوں گا نہیں۔"

"ڈیم اٹ! مجھے تم سے لینا دینا کیا ہے؟" وہ آج کی تازہ انسلٹ پہ جیسے ابھی تک آپے سے باہر تھی۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" طارق نے اس کا دوپٹہ گول مول کر کے اس کے منہ پہ دے مارا جسے ماہ نور نے کیچ کرنے کے بعد اطمینان سے اپنے کاندھوں پہ پھیلا لیا اور خود صوفے پہ بیٹھتے ہوئے دل جلانے والی مسکراہٹ ہونٹوں پہ سجا کر بولی تھی۔

"سوری فی الحال تو دفع نہیں ہو سکتی، مجبوری ہے تھوڑا سا برداشت کر لیں کہ آپ کے اس گھر میں میرے لئے اور کہیں بھی جگہ نہیں ہے۔" اس وقت وہ اپنی فتح پہ اتنی نازاں تھی کہ اپنے رویے کی بدصورتی پہ بھی دھیان نہیں دیا، طارق نے کمبل دور پھینکا اور بیڈ سے اتر گیا، اس کی مجبوری بھی تھی کہ اسے برداشت کرتا، جیسے تیسے شرٹ اٹھا کر پہنتا ہوا دروازہ کھول کر ٹیرس پہ آ گیا۔

(اور تم کیا جانو ماہا، یہ بھی تمہاری ایک آزمائش تھی، ایک آخری چیلنج، ٹیسٹ جس میں تمہاری عمر بھر کی ہار یا پھر جیت کا فیصلہ ہونا تھا اور فیصلہ ہو گیا، تم نے ہار کو اپنا مقدر کر لیا اور مجھے ایک جرم کے احساس سے رہائی دے ڈالی وہ جرم کا احساس جو تمہاری موجودگی کے باوجود پیشے کی طرف اٹھتے میرے ہر قدم کے ساتھ میرے دل پہ بھاری سل کی مانند آ گرتا تھا، اب میں کبھی خود پہ اس لئے نادم نہیں ہوں گا کہ میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی تھی، زیادتی تم نے خود اپنے ساتھ کی، میں نے شاید غلط سمجھا تھا کہ تم بدل رہی ہو تمہارے اندر کوئی تبدیلی آ گئی ہے تم مجھے آس مشتاقانہ نظروں سے دیکھنے لگی ہو، مگر نہیں یہ تو میری بھول تھی تم اور مثبت تبدیلی، ناممکن، تم اور انا و ضد سے دوری ناممکن۔)

ساری رات ٹیرس پہ گزار کر سگریٹ پھونک کر جب وہ اندر آیا تو ماہ نور بڑی مگن اور پرسکون نیند سو رہی تھی، طارق نے گہرا طویل سانس کھینچا۔

"یہ ہے تمہارا پیار، میں جہاں ہو کر سوچتا ہوں میرا یہ جذبہ کیا کہلاتا ہے؟ عشق اور محبت تو بالکل نہیں کیونکہ جو احساس میں نے پیشے کے لئے محسوس کیا وہ کبھی بھی تمہارے لئے نہیں، تم شاید میری ضد تھیں انا تھیں، یا پھر انا کو ٹھیس پہنچانے پہ لاشعوری انتقام کا ذریعہ، ہاں تم نے میری انا کو کچلا تھا اور مردانگی کو مجروح کیا تھا اپنے غرور سے قدم قدم پہ اور میری سیل انکو پھر اتنی ہی تمہارے ہاتھوں ذلت اٹھا کر جیسی تو انجام کی پروا کئے بنا میں نے تمہیں اپنا پابند کر لیا تھا، تمہیں خود تک محدود کر لیا تھا، اب بھی میں اگر چاہتا تو زبردستی تمہیں تم سے چھین لیتا، مگر آج ہی تمہارے اتنے نزدیک آ کر مجھ پہ ایک انوکھا انکشاف ہوا، میرے اندر اس قربت کی چاہ کی اتنی شدت ہی نہیں جتنی ہونی چاہیے، شاید میں تمہارے ساتھ زبردستی کرتا تو اس زبردستی میں تمہاری بے حرمتی کر جاتا اور پیشے کو دیکھ کر اس سے مل کر میرے ذہن میں عورت کو صرف عزت دینے کا ہی خیال پنپتا ہوا ہے، عزت کے بعد محبت، محبت محبوب کی رضا و رغبت کا نام ہے اس کی اطاعت و فرمانبرداری، جبکہ تمہارے لئے تو میرا دل میرے جذبات ہمیشہ فیصلے ہی رہے ہیں، تمہاری ضد نے مجھے ہمیشہ اذیت ہی دی، اور اسے محبت کا نام دیا بھی کیسے جا سکتا ہے؟"

"اور تمہیں کیا فرق پڑے گا؟ اگر میں کسی اور کو اپنی زندگی میں شامل کر لوں تو ٹھیک ہے، تمہارا شکریہ کہ تم نے مجھے دل سے فیصلہ کرنے میں آسانی اور سہولت مہیا کی۔" اس نے پلٹ کر الماری سے ٹوپی نکالی اور نماز کے لئے کمرے سے چلا گیا، جبکہ ماہ نور ہنوز گہری نیند کی آغوش میں پرسکون تھی، اس بات سے بے نیاز کہ اس کی زندگی میں کتنا بڑا نقصان کتنے غیر محسوس انداز میں ہو چکا تھا۔

☆☆☆

ایک ہفتہ گزار کر جب وہ لوگ جانے لگے تو ماہ نور نے جانے کیا سوچ کر طارق سے اپنے لاہور جانے کی بات کہہ ری تھی اور طارق نے بغیر کسی اعتراض کے اسے جانے کی اجازت دے ڈالی، اماں نے اس سے اگلی صبح ہی ماہ نور کے حوالے سے طارق کے سامنے خاصا واویلا کیا تھا مگر طارق نے ان کی ہر بات کو صرف سنا تھا جواب میں ایک لفظ نہیں کہا، وہ دونوں ہی اپنے اپنے تئیں جیسے کچھ ٹھان کر بیٹھے تھے۔

ماہ نور پیکنگ کر رہی تھی جب فاروق چلا آیا۔

"آپ ہمارے ساتھ چل رہی ہیں بھابھی؟" فاروق کو اس اطلاع نے اچھی خاصی تشویش میں مبتلا کیا تھا۔

"ہاں چل تو رہی ہوں۔" وہ بیگ میں اپنے کپڑے بھر رہی تھی یونہی مصروف رہ کر بولی۔

"کافی لمبا پروگرام لگتا ہے؟" بیگ کا سائز دیکھتے ہوئے فاروق کا اگلا پریشان کن سوال اٹھا۔

"ہاں، دراصل ممانے بلوایا ہے نا۔"

"تو آپ ادھر رہیں گی؟ بھائی کو پتہ ہے نا؟" وہ ششدر سا ہو کر رہ گیا، ماہ نور ہنسنے لگی تھی اس کی تفتیش پہ۔

"ہاں بھئی ان کی اجازت کے بغیر تو میں سانس بھی نہیں لیتی۔" اور فاروق اس کے جواب کی بجائے بے فکر مطمئن سی ہنسی سے مطمئن ہوا تھا اور اگلی صبح جب وہ لوگ رخصت ہو رہے تھے تو ماہ نور ان کے ساتھ تھی اماں کی تمام تر ناگواری اور حیلے کے باوجود طارق شیرازی خود انہیں ائیرپورٹ تک سی آف کرنے آیا تھا، ٹرمینل کی عمارت روشنیوں میں جگمگا رہی تھی وہ باہر پرسکون حالت کیا جا رہی بے تحاشا برسنے کے بعد اب خاموش ہو چکے تھے، فضا میں قدرے سکوت تھا، اس قدر سکون اور ہنگامے میں بھی ماہ نور کا دل جانے کسی احساس کے زیر تحت اندر ہی ڈوبا جا رہا تھا، ڈیپارچر لاؤنج کے شیشوں کے پار بالکل سامنے پی آئی اے کا جہاز اپنے سینے پہ پاکستان انٹرنیشنل ائیرلائنز کے الفاظ سجائے پر پھیلائے کھڑا تھا، لاؤڈ اسپیکر پہ اناؤنسمنٹ ہونے لگی تو مسافروں میں ایک خوشگوار سی ہلچل مچ گئی، وہ بھی سب باری باری طارق سے ملنے لگے۔

"اپنا بہت خیال رکھنا کرو بیٹا، تمہاری اماں تو بہت پریشان ہو گئی تھیں۔" بابا اسے گلے لگا کر آبدیدہ ہو گئے، تو طارق نے ان کے گرد اپنے مضبوط بازوؤں کا گھیرا تنگ کر لیا تھا۔

"بابا جان سچ تو یہ ہے کہ مجھ سے زیادہ اس وقت اس ملک کو آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے ایسے میں اگر ہم اپنے فرض کی ادائیگی کرتے ہوئے اس ملک کے لئے کچھ کر گزریں تو یہ ہماری خوش بختی ہو گی اللہ ہمارے ملک کو ہمیشہ آباد رکھے اور اسے دشمنوں اور حاسدوں کے شر سے محفوظ بھی رکھے آمین۔" اماں ضویا اور فاروق سے ملنے کے بعد وہ اس کی سمت متوجہ ہوا تو ماہ نور دانستہ نظریں چرا کر دوسری سمت دیکھنے لگی، طارق کے لبوں پہ اس کی اس حرکت سے بے نام سا تبسم بکھر گیا۔

(تمہیں مجھ سے اب نظریں چرانے کی بھی ضرورت نہیں ہے ماہا، میری تمہاری جانب اٹھنے

والی نگاہوں میں تم سے نہ کوئی آس بندھی ہو گی نہ امید، ڈونٹ وری) (آج سے میں تم سے تمہارے ہر حق سے دستبردار ہوا)

"ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا ماہا، میں اگر سوچوں تو حیران ہوتا ہوں، کیوں میں اتنی معمولی سی بات پہ تمہارے لئے اس قدر انتہائی فیصلہ کر گیا، جو اگر نہ کرتا تو اپنی اپنی جگہ پہ ہم دونوں مطمئن کس قدر سرشار ہوتے، اپنی وجہ جو کچھ ہوا اسے بھلا کر ہم نئے سرے سے بھی اپنی اپنی زندگی کا آغاز کر سکتے ہیں خداحافظ سے پہلے لہجہ ہرگز سرگوشی سے بلند نہیں تھا۔" ماہ نور کو پہلی بار اس کے لہجے سے کچھ غلط ہونے کا احساس جاگا تو دل بہت زور سے دھڑکا، اس نے نگاہیں اٹھا کر طارق کو دیکھا جس کے چہرے پہ ایسا ٹھہراؤ تھا جو کسی بڑے فیصلے کو کر لینے کے بعد اطمینان کی صورت ہے، وہ کم صم سی ہو گئی۔

(یہ وہ کیا کہہ رہا تھا؟ کیا وہ تھک گیا تھا انتظار کو لاحاصل جان کر، یا پھر ایک ناقابل تسخیر لڑکی کو تسخیر کر لینے کے بعد اس میں دلچسپی اور کشش ختم ہو چلی تھی؟)

"فی امان اللہ۔"

طارق شیرازی نے کہا تھا اور ماہ نور کا جی چاہا تھا آگے بڑھتے فاروق بابا جان اماں اور ضویا کا ساتھ یکدم چھوڑ کر طارق شیرازی کے ساتھ ہو لے، اس کا گریبان پکڑے اور زور زور سے جھنجوڑ کر چیخ چیخ کر اس سے اس کے لہجے اس کی بات کی وضاحت مانگے مگر وہ ایسا نہ کر سکی کیونکہ ڈیپارچر لاؤنج سے نکل جانے والی ضویا نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا ادھر سے وہیں سے جلدی آنے کا اشارہ کیا تھا، وہ نا چاہتے ہوئے بھی آگے بڑھنے لگی مگر پلٹ پلٹ کر پیچھے دیکھتی ہوئی جہاں سے طارق شیرازی کے بھی قدم وہیں کو موڑ لئے تھے اور بات کیا پتہ کہ طارق نے لے اور کس کس راستے سے واپسی اختیار کر لی تھی وہ اپنی انا کے مضبوط قلعے میں محصور پہچان ہی نہ پائی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ)

میرے ساحر سے کہو

اُم مریم

اکیسویں قسط کا خلاصہ

شہریار کا دل آگہی اور احساس زیاں کے ہمراہ ریتلی دیوار کی طرح لمحہ لمحہ بکھرتا جا رہا ہے وہ اپنے کیے پہ بے حد نادم ہر پل رانئل کا متلاشی ہے۔

طارق شیرازی زخمی ہو کر ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہوتا ہے پریشے جو ہمیشہ خود پہ اپنے جذبات پہ قابو پائے رکھتی ہے اس پل ضبط کے سارے بندھن ٹوٹتے محسوس کرتے طارق کے سامنے بکھری جاتی ہے طارق کو ایک بار پھر اس کی محبت کی گہرائیوں کا احساس ہوتا ہے طارق کے دل میں اس کے لئے قدر اور محبت کا احساس مزید گہرا ہونے لگتا ہے۔

ماہ نور، طارق کی وجہ سے پریشانی میں مبتلا ہے عین انہی لمحوں میں ضوبیا کا فون آتا ہے تو ماہ نور جذبات کی رو میں ضوبیا کو طارق کے ہاسپٹل ایڈمٹ ہونے کا بتا کر پریشان کر دیتی ہے، جس کے نتیجے میں طارق کے والدین اور بھائی بہن اسلام آباد اس کی رہائش گاہ پہنچ جاتے ہیں۔

اماں کا رویہ ماہ نور کے ساتھ ویسا ہی دل شکن ہے جس سے ماہ نور کا طارق کی طرف مائل دل پھر سرعت سے نفرت اور بغض سے لبریز ہونے لگتا ہے ایسے میں جب طارق محض اسے پرکھنے کی خاطر اس کی جانب بڑھتا ہے وہ اسے اسی تنفر اتنی ہی حقارت سے پھر اسے جھٹک دیتی ہے اور طارق اپنے فیصلے میں مضبوط ہو جاتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

بائیسویں قسط

ہجر کے موسم میں یہ بارش کا برسنا کیسا!
اک صحرا سے سمندر کا گزرنا کیسا!
اے میرے دل نہ پریشان ہو تنہا ہو کر
وہ تیرے ساتھ چلا کب تھا بچھڑنا کیسا
لوگ تو کہتے ہیں گلشن کی تباہی دیکھو
میں تو اک ویران سا جنگل تھا اجڑنا کیسا
دیکھنے میں تو کوئی درد نہیں دکھ بھی نہیں
پھر یہ آنکھوں میں اشکوں کا ابھرنا کیسا
بے وفا کہنے کی بھی جرأت بھی نہیں کرتا
اس نے اقرار کیا کب تھا مکرنا کیسا

رامین نے آٹا گوندھ کر فریج میں رکھا اور چاولوں کی ڈش فریج سے نکال کر چاول دیگچی میں منتقل کیے اور گرم ہونے کو چولہے پہ رکھ دیے، دوسری سائیڈ پہ کوفتوں کا سالن بالکل تیار تھا، اس نے باریک کٹا ہوا دھنیہ اور مصالحہ چھڑک کر چولہا بند کیا اور خود رائتے کے لئے دہی پھینٹنے کے بعد اس میں ڈالنے کے لئے پیاز، سوئی اور ٹماٹر باریک کاٹنے لگی، اس کام سے فارغ ہو کر ابھی سلاد بنانے کے لئے فریج سے کھیرے وغیرہ نکال ہی رہی تھی جب بیرونی دروازے پہ بیل ہونے لگی، وہ ہاتھ خشک کرتے ہوئے باہر آئی تو طلحہ جو عینا کے ساتھ برآمدے میں رکھی کرسیوں پہ بیٹھا کرکٹ میچ دیکھ رہا تھا اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپا آپ رہنے دیں میں دیکھتا ہوں۔" وہ کہتا ہوا اٹھ کر چلا گیا، ڈیوڑھی میں آ کر چٹخنی گرا کے پٹ وا کیا اور دھانی لباس میں ہاتھ میں سوٹ کیس اور گلے میں بیگ لٹکائے ماہ نور کو غیر متوقع طور پہ سامنے پا کر وہ حیرت و خوشی سے بے اختیار ہو کر چیخا۔

"آپا! ماما آپا! یہ واقعی آپ ہیں؟ واٹ اے سرپرائز، عینا، یہ آپا! ممّا! ذرا دیکھیں تو کون آیا ہے؟" وہ وہیں سے شور مچا کر سب کو پکارنے لگا ماہ نور مسکراتے ہوئے اندر آ گئی اور یونہی ہنستے ہوئے سب سے ملنے لگی۔

"کیوں بھئی! میرے آنے کی خوشی نہیں ہوئی؟" اس نے منہ بنا کر پوچھا تھا۔

"حیران ہیں بیٹا! تم اکیلی کیسے آ گئیں؟ طارق نے بھی ہمیں اس متعلق کچھ نہیں بتایا۔" ماما نے کہا اور اس کی ذہنی رو بہک گئی۔

(میں نے اس کی گنجائش چھوڑی تھی) دل نے ایک دم لعن طعن شروع کر دی وہ گھبرا کر سر جھٹکنے لگی۔

"پہلے کھانا کھا لیں ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" رامین نے کہا تو ماما نے طلحہ اور عینا کو دستر خوان لگانے کا کہا پھر ماہ نور سے مخاطب ہوئیں۔

"ماہ نور بیٹا! آپ پہلے طارق کو فون کر کے اپنے خیریت سے پہنچنے کی اطلاع کرو، بچہ پریشان ہو رہا ہو گا۔" ماما کے کہنے پہ ماہ نور ایک پل کو گڑبڑا گئی۔

"وہ ماما! بتا دیا ہو گا فاروق بھائی یا ضوبا نے، میں انہی کے ساتھ تو آئی ہوں۔" اسے بروقت بڑا اچھا جواب سوجھ گیا، ماما نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر جیسے ارادہ بدل دیا، کھانے کے بعد وہ تھکاوٹ کا بہانہ بنا کر سب کے درمیان سے اٹھ آئی، کمرے میں آ کر بستر پہ لیٹی تو دل میں اک عجیب سا سناٹا گونجنے لگا۔

"کیا میں نے اچھا کیا؟" اس نے کروٹ بدلتے ہوئے خود سے سوال کیا۔

"اور طارق کیا کہہ رہے تھے، میں اس السلف کو بھولوں گا نہیں؟ پتہ نہیں...... پتہ نہیں میں نے اب تک جو کیا اس میں کتنا غلط اور کتنا صحیح تھا۔" بالآخر اس نے سر جھٹک دیا نیند بھی جلد ہی آ گئی تھی۔

☆☆☆

اس کی آنکھ کسی ڈراؤنے خواب سے اچانک کھلی تھی، پورا وجود پسینوں سے شرابور تھا مگر حواس بحال تھے اس نے سائیڈ ٹیبل پہ رکھے جگ سے گلاس میں پانی انڈیلنے سے قبل ٹیبل لیمپ جلایا تھا، پھر پانی کا گلاس اٹھا کر غٹاغٹ ایک ہی سانس میں خالی کر دیا، تیز تیز دھڑکتا دل ذرا سا اعتدال پہ آیا تو اس نے تکیے سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں، مگر بند آنکھوں میں ایک چہرہ آن سمایا زوحا کا چہرہ، خوف، ہراس اور سراسیمگی لئے ہوئے۔

"مجھے چھوڑ کر مت جانا۔" وہ سسکیاں بھرتے ہوئے کہہ رہی تھی، اس نے گھبرا کر سرعت سے آنکھیں کھول دیں اور زور زور سے سر جھٹکا حویلی کی غلام گردشوں میں بھٹکتی ہوئی حوا کی بیٹی کی ایک اور داستان، جسے وہ یاد کرنا نہیں چاہتی تھی۔

"صوحا تو بہت لاابالی ہے نگی! اسے کبھی کسی بھی بات کی پرواہ نہیں رہی ہے، مگر میں...... تم جانتی ہو نا، مجھے ہر بات سے کتنا ڈر لگتا ہے، چاہے وہ تایا سائیں کے غصے بھری آواز ہو یا ان کے قدموں کی آہٹیں اور اب مجھے ان کی آنکھوں سے بھی خوف آنے لگا ہے، تم نے محسوس کیا نگی؟ وہ مجھے کیسے گھورتے ہیں۔" ایک دن زوحا نے سخت روہانسی ہو کر اسے کہا تھا اور نگین چونک گئی تھی۔

"کیا مطلب؟"

"مجھے ان کے عجیب دیکھنے سے بہت خوف آتا ہے نگی، جی چاہتا ہے کہیں چھپ جاؤں جہاں سے وہ مجھے نہ دیکھ سکیں۔" اس کے معصوم پیارے سے چہرے پہ کسی نادیدہ خوف کے سائے لرزاں ہو جاتے تھے۔

"کبھی کبھی میں سوچتی ہوں نگی، بڑی اور چھوٹی آپا کو کچھ نہ ہوتا، ان کی جگہ میں اور صوحا مر جاتیں۔" اس کے چہرے پہ حزن ملال تھا افسردگی تھی، نگین نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ایسا تو مت کہو زوحا!"

"کیوں نہ کہوں بھلا؟ ہمارا ہے ہی کون؟ نہ ماما رہیں بابا چھوڑ کر چلے گئے، ایک بھائی تھا سوتیلا ہی سہی مگر اسے بھی ہمارا خیال نہ تھا۔" وہ بات ادھوری چھوڑ کر بچوں کی طرح سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اب نگین بھول کر بھی یہ یاد نہیں کرنا چاہتی تھی مگر وہ یہ یاد کر رہی تھی، یہ بھی حقیقت تھی کہ حویلی سے قدم اٹھاتے سے اگر اس کے قدموں کو کسی کے خیال نے لڑکھڑایا تھا تو وہ صوحا اور زوحا ہی تھیں

مگر چونکہ وہ فطرتاً کسی حد تک خود غرض واقع ہوئی تھی یا شاید یہ بے حسی اسے اپنے بڑوں سے ورثے میں ملی تھی۔

"پتہ نہیں بڑا سائیں نے زبردستی زوحا اور صوحا سے ان کے حق بخشوا کر قرآن سے ان کے نکاح کر دیے ہوں، اگر ایسا ہوا تو ایک طرح سے بہتر ہی ہوا ہوگا، اس طرح سے جو دادا کی طرف سے ان کے خدشات تھے وہ ضرور ختم ہو جائیں گے۔" اس نے ایک بار پھر کروٹ بدل کر سوچا۔

"اور اگر ایسا نہ ہوا تو؟"

"آہ کاش چاچا سائیں ہی واپس آ جائیں، تب ہی ان دونوں کی زندگی میں بہتری آ سکتی ہے کہیں آپا اور آپی کی طرح زوحا اور صوحا کا بھی انجام...... اوہ نو......" اس نے جھرجھری سی لی اور ایک بار پھر بے چینی سے انداز میں کروٹ بدلی۔

"پتہ نہیں میری زندگی میں آنے والی تبدیلی بھی مجھے راس آئے گی کہ نہیں؟" بھٹکتی ہوئی سوچ اس مرکز پہ آ کے اٹکی اور افسردگی سمیت لائی، وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور سرہانے پڑی راؤ احسن خان کی سنہرے فریم میں جکڑی خوبصورت سی تصویر اٹھا کر دیکھتے ہوئے آنسوؤں سے بھیگی آواز میں گنگنانے لگی۔

کبھی جو ہم نہیں ہوں گے کہو کس کو بتاؤ گے
وہ اپنی الجھنیں ساری وہ بے چینی میں ڈوبے پل
وہ آنکھوں میں چھپے آنسو کسے پھر تم دکھاؤ گے
کبھی جو ہم نہیں ہوں گے
بہت بے چین ہو گے تم بہت رو جاؤ گے تنہا!
ابھی بھی تم نہیں سمجھے ہماری ان کہی باتیں
مگر جب یاد آئیں گی بہت تم کو رلائیں گی
بہت چاہو گے پھر بھی تم ہمیں نہ ڈھونڈ پاؤ گے
کبھی جو ہم نہیں ہوں گے

اس کی آنکھوں سے گرتے آنسوؤں سے فریم کو جکڑے ہوئے شیشہ دھندلاتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

شام کے سانولے چہرے کو نکھارا جائے
کیوں نہ ساگر سے کوئی چاند اتارا جائے
راس آیا نہیں تسکین کا ساحل کوئی
پھر مجھے پیاس کے دریا میں اتارا جائے
مجھ کو ڈر ہے تیرے وعدے پہ بھروسا کر کے
مفت میں یہ دل خوش فہم نہ مارا جائے
جس کے دم سے یہ دن رات درخشاں تھے
کیسے اب اس کے بنا وقت گزارا جائے

اس کے وجود پہ صدیوں کی تھکن تھی، سوچ سوچ کر دماغ شل ہو گیا تھا مگر وہ کسی نتیجے پہ پہنچ

بھی نہیں پہنچی تھی۔

ماہ نور کے ساتھ طارق کی والدہ کا رویہ روایتی ساسوں والا تھا مگر پھر بھی اس قدر انسلٹ؟

ماہ نور کی بے بسی سے بھرپور خاموشی اور طارق کی لاتعلقی، یہ سب کیا تھا، کیا؟

اس کا دماغ دکھنے لگا تو بستر چھوڑ کر کھڑکی کے سامنے آن رکی، پہلے پردے ہٹائے، پھر سلائیڈ کھول دیں کھلی کھڑکی سے نگاہ پچھلے برآمدے سے ہوتی ہوئی احاطے تک چلی گئی جہاں چھوٹے پتوں والے درختوں کا جھنڈ تھا اور جن کے پھولوں میں زردی مائل سفیدی جھلکتی تھی۔

ہوا کے خوشگوار جھونکے پھولوں کی خوشبو سے بوجھل ہوتے کمرے میں آنے لگی، وہ اس گم صم کیفیت میں کھڑکی باہر دیکھتی رہی، تبھی اس کے سیل فون پہ میسج ٹون بجی تھی، مگر اس نے دھیان نہیں دیا، جبکہ اندر داخل ہوتی سونیا نے ٹرے رکھ کر سیل فون اٹھانے کے بعد میسج کھول لیا کچھ دیر نظریں اسکرین پہ جمائے رکھیں اور پھر با آواز بلند وہ نظم پڑھنے لگی جو طارق شیرازی نے پریشے کے لئے بھیجی تھی۔

بہت ہی مان ہے تم پہ سنو پاس وفا رکھنا
کسی سے تم ملو لیکن ذرا سا فاصلہ رکھنا
بچھڑنا بھی تو پڑتا ہے ذرا سا حوصلہ رکھنا
وہ سارے وصل کے لمحے تم آنکھوں میں سجا رکھنا
ابھی امکان باقی ہے ابھی لب پہ دعا رکھنا
بہت نایاب ہیں دیکھو ہمیں سب سے جدا رکھنا

"چیک کیا میں نے، یہ آپ کے مسٹر طارق نے بھیجی ہیں۔" سونیا نے اس کا کپ بڑھاتے ہوئے شوخی سے آنکھیں گھمائیں، پریشے نے کپ تھام لیا اور گہرا سانس بھر کے صوفے پہ آ بیٹھی۔

تو پیا سے مل کے آئی ہے پی آج سے نیند پرائی ہے

سونیا کی گنگناہٹ جو بالخصوص اس کے لئے ہی شروع ہوئی، مگر اس کا گیان دھیان نہیں ٹوٹا۔

"خیریت؟ میجر صاحب نے باقاعدہ پروپوز کر ڈالا ہے؟ مگر تب تو یہ کیفیت نہیں ہونی چاہیے تھی، پری کیا ہو گیا یار؟" سونیا اس کے انداز سے ٹھٹک گئی، پریشے نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا مگر کچھ کہے بغیر پھر سے سر جھکا لیا۔

"اداس ہو؟ واٹ ہیپنڈ یار؟"

"تمہیں نہیں لگتا سونی! طارق نے میرے جذبوں کو پذیرائی بخش کر ماہ نور کے ساتھ زیادتی کر دی ہے؟" اس کی چپ ٹوٹی تھی تو اتنی غیر متوقع بات پہ سونیا نے بے اختیار ٹھنڈا سانس بھر کے اپنا سر پیٹا۔

"تم تب سے یہ سوچ کر ہلکان ہو رہی تھیں۔" اس نے ڈپٹا، پھر لہجہ بدل کر سمجھانے کے انداز میں بولی تھی۔

"دیکھو تم انکل اس سے چھین نہیں رہی ہو۔"

"لیکن شیئر تو کر رہی ہوں اور ایک عورت کے لئے یہ بہت بڑے امتحان سے گزرنا ہوتا ہے۔" پریشے کی آنکھوں میں نمی غیر محسوس انداز میں بڑھنے لگی۔

''سو وات؟ یار وہ اپنی مرضی سے شیئر ہو رہا ہے اور میری جان اس کی اپنی بھی کوئی زندگی ہے۔'' سونیا جھلانے لگی۔

''میں ایک عورت ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت کے ساتھ یہ زیادتی نہیں کر سکتی سونی، اس حق تلفی پہ شاید میں خود کو معاف نہ کر پاؤں۔'' وہ آنکھوں میں آئی نمی پیچھے دھکیلتے ہوئے بہت بے دردی سے ہونٹ کچل رہی تھی، سونیا نے تاسف سے اسے دیکھا۔

''اور اپنے ساتھ کر لو گی؟ دیکھو تم اسے چھین نہیں رہی ہو، اپنی خوشی سے اپنا حصہ لے رہی ہو اور بس۔'' پریشے نے جواب نہیں دیا، اس کا دل جیسے کند چھری سے کوئی چیرنے لگا، اس نے خود کو بے پناہ اذیت میں محسوس کیا، طارق سے دستبرداری کی اذیت تھی جو اس قدر ناقابل برداشت تھی کہ پریشے کو اپنا سانس اٹکتا ہوا محسوس ہونے لگا، وہ پہلی بار سونیا سے اپنی فیلنگ شیئر کرتے ہوئے ہچکچائی وہ سونیا کو یہ بتاتے ہوئے تذبذب کا شکار ہوئی کہ اس نے ماہ نور کی آنکھوں میں اپنے لئے کیسی نفرت، حقارت کو چھلکتے ہوئے دیکھا ہے، رقابت کا شعلہ نما احساس اس کی آنکھوں میں چنگاریاں بن کر چیخ رہا تھا۔

''محبت کرتی ہو طارق سے؟'' اس کے نازک لبوں نے انگارے برسائے تھے اور وہ جس کا خمیر ہی شرم و حیا کی مٹی سے اٹھایا گیا تھا جو کبھی طارق کے سامنے یہ اعتراف نہ کر پائی تھی، اس کے سامنے کسی مجرم کی طرح سر جھکا کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''تم کچھ بھی کر لو اسے مجھ سے نہیں چھین سکو گی، اس لئے کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔'' کتنا زعم تھا اس کے لہجے میں اور کتنا سچ ہی تو تھا، وہ ماہ نور جو سانپ کی پھنکاریاں بھرا کرب کے ساتھ ذلت اٹھا کر آنسوؤں سے چھلکتی آنکھیں لئے بھی وہیں بیٹھی رہ گئی تھی جب اس نے مخاطب ہوئی تو لہجہ و انداز یکسر بدل لیا تھا۔

''سنو لڑکی تم اپنی کوششیں ترک کر دو یہاں سے تمہیں کچھ بھی حاصل ہونے والا نہیں، کیونکہ میں اتنی آسانی سے ہار نہیں مانوں گی، طارق کو تم سے محبت ہے یہ سوچنا بھی مت، وہ تم سے صرف ہمدردی کر رہا ہے اور ہمدردی یا جیک میں بہت تھوڑا سا ہی فرق ہوتا ہے اگر تم سمجھو تو۔''

اور پریشے اسے لگا تھا اس کی سانسیں اس کے سینے کی تو پھر بھی رواں نہیں ہو پائیں گی، کیا فرق رہ گیا تھا طارق کی نیم خوابیدہ ماں اور پھر لاحقی ماہ نور کے رویے میں؟ اس کے باوجود پریشے کو ماہ نور سے ہمدردی تھی، حسد و رقابت کی وجہ بھی تو بہت خاص تھی بہت پرکشش طارق شیرازی جس کو کھونے کے خوف میں مبتلا ہو کر پاگل ہوا جا سکتا تھا۔

''کہاں کھو جاتی ہو پری؟'' سونیا کے زور سے کہنے پہ وہ جیسے اذیت کی پرخار وادیوں سے برہنہ پا چلتے ہوئے تھکی اور سرخ لہو رنگ آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''آؤ تو میجر کے ساتھ کوئی زبردست سا پروگرام بنا لیں۔''

''پلیز۔'' پریشے نے تھکی ہوئی آواز میں کہا اور اٹھ کر وہاں سے چلی گئی، سونیا نے ٹھٹک کر اس کے یکسر بدلے ہوئے انداز کو دیکھا تھا اور کسی سوچ میں ڈوب گئی اور پھر اس کی انگلیاں طارق شیرازی کا نمبر ڈائل کر رہی تھیں۔

''پریشے خفا ہے آپ سے؟'' رابطہ بحال ہوتے ہی اس نے ذہن میں ہلچل مچاتا ہوا سوال کیا تھا، طارق متحیر ہو گیا۔

''بالکل نہیں، خیریت؟''

''پتہ نہیں کیا بات ہے میجر جس دن سے آپ کے ہاں سے لوٹی ہے بہت اپ سیٹ ہے بے حد خاموش گم صم، مجھیں میری ہر کوشش اسے بہلانے کی ناکام جا رہی ہے، طبیعت بھی خراب ہی ہے۔''

''یہ تو واقعی پریشانی والی بات ہے مگر وہ مجھ سے نہ ملتی ہیں نہ فون اٹینڈ کرتی ہیں۔'' طارق کے لہجے میں اضطراب سا در آیا تھا، جس نے سونیا کو انوکھی سی خوشی بخشی۔

''آ جایئے میجر ورنہ وہ بیوقوف لڑکی ہمیں مزید پریشان کرتی رہے گی، اب آپ ہی اسے سنبھالیے۔'' وہ آخری فقرے پہ آ کر شریر ہوئی تھی، طارق مسکرا دیا۔

بصد شوق

سونیا نے فون بند کر دیا اور مسکرا دی۔

☆☆☆

عادتیں اس کی تھیں بس مجھ کو جلانے والی
بات کی بس کے نکر دل کو دکھانے والی
آج کل وہ مجھے کچھ بدلا ہوا لگتا ہے
ہو گئیں اس کی نگاہیں بھی بیگانے والی
ہم نے اخلاص کا دامن نہیں چھوڑا اب تک
ہائے اس کی محبت ہے رلانے والی
ہم نے سمجھا تھا گزر جائے گا موسم لیکن
رت برسات بھی نکلی تو ستانے والی
تمہارے واسطے اب کوئی نہیں آئے گا وسی
خود سے باتیں کرو دل کو بہلانے والی

تاریکی ہر سو پوری طرح کا بض ہو چکی تھی، چاندنی اولین تاریخیں تھیں اس لئے وہ بھی آسمان پہ ڈھونڈے سے نہ ملتا تھا چونکہ دن بھر آسمان پہ بادل چھائے رہے تھے اس لئے اس وقت آسمان پہ تارے بھی دکھائی نہیں پڑتے تھے اس کی نگاہیں آسمان پہ بھٹکتی رہیں تو ذہن کہیں اور بھٹکنے لگا۔

پریشے کی خطرناک حد تک سفید پڑتی ہوئی رنگت کو دیکھ کر ایک پل کو تو اسے اپنے لہجے کی سختی اور رویے کی تلخی کا احساس ہوا تھا، محض ایک پل کو اسے لگا تھا جیسے بغیر کسی ثبوت کے اس پہ الزام لگا کر وہ اس کے ساتھ زیادتی کر رہی ہے، مگر پھر نفرت و عداوت نے اس احساس کو ماند کر دیا، پریشے کے چلے جانے کے بعد وہ اپنی پرزم تفاخرانہ مسکان کے ساتھ پلٹی تو خود سے کچھ فاصلے پہ ایک سکتے کی کیفیت میں کھڑے طارق شیرازی کو دیکھ کر ایک پل کو اسے لگا تھا جیسے اس کی جان نکل گئی ہو۔

''تم؟'' معاً وہ اس صدماتی کیفیت سے نکل کر اسے طیش زدہ اور غیض بھرے انداز میں اس کی سمت بڑھا تھا کہ ماہ نور کو لگا تھا اگر وہ اس کے سامنے کھڑی رہ گئی تو وہ اس کا گلا دبانے سے بھی

گریز نہیں کرے گا، یہی خوف اسے وہاں سے سرپٹ دوڑا کر کمرے میں بند ہونے پہ اکسا گیا تھا، گرتے پڑتے کمرے میں گھس کر اس نے کانپتے ہاتھوں سے دروازہ لاکڈ کیا تھا، دل اتنی تیزی سے دھڑک اٹھا تھا کہ جیسے ابھی پسلیاں توڑ کر باہر آگرے گا۔

"دروازہ کھولو پلیز۔" طارق نے یقیناً دروازے پہ اپنے وزنی بوٹ کی ٹھوکر رسید کی تھی جو بھاری دروازہ بری طرح سے جھنجھنا اٹھا تھا، وہ سہم کر رہ گئی۔

"نہیں کھولوں گی آپ اس پریشے کی خاطر مجھ سے جھگڑا کریں گے نا۔" ایکدم ہی اس کا خوف زائل ہو گیا اب غم و غصے اور توہین کے احساسات تھے جنہوں نے اس کی آواز کو بوجھل بنا دیا تھا، مگر طارق تو جیسے غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔

"میں پریشے کی خاطر تمہارے ساتھ اور بھی بہت کچھ کر سکتا ہوں، تمہیں جرأت کیسے ہوئی اس کے سامنے اتنی فضول بکواس کرنے کی؟ یاد رکھنا ماہا! اگر پری کو کچھ ہوا تو میں تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" پھنکار پھنکار کر کہتا وہ راہ میں آئی ہر شے کو ٹھوکروں کی زد پہ رکھے پلٹ کر چلا گیا تھا اور ماہ نور کے جسم سے طارق کے لہجے نے طارق کے الفاظ نے جیسے جان کھینچ لی تھی، کیا تھا اس کے لہجے میں؟ پریشے کے لئے خاصیت ہی خاصیت اور ماہ نور کے لئے بے نیازی لاتعلقی نفرت یا پھر غصہ۔

"پری یہ بے تکلفی کی کون سی منزل تھی۔" اس کا دل خالی ڈھنڈورا ہو کہ اس سے سوال کرنے لگا۔

"اگر پری کو کچھ ہوا تو تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" اس کی برداشت جواب دے گئی، وہ وہیں بیٹھ گئی تھی۔

"پری کیا طارق نے؟ اور کیوں؟" وہ تب تک اس سوال کا جواب ڈھونڈتی رہی جب تک اسلام آباد کی خاص خاص جگہوں پہ سیر کے لئے گئے ہوئے فاروق ضو یا اماں اور بابا واپس نہیں آ گئے۔

رات کو وہ بہت دیر سے کمرے میں آیا تو ماہ نور کو اپنا دل لرزتا ہوا محسوس ہوا تھا پتہ نہیں اب وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرتا، مگر طارق نے خلاف توقع منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکالا، بستر پہ لیٹنے کے بعد کمبل لپیٹا اور سوتا بن گیا، ایک پل کے لئے اس کی یہ اس حد تک برتی گئی بے نیازی نے اندر ہی اندر ماہ نور کو انسلٹ اور بے عزتی جیسے احساس کو جگایا تھا مگر پھر وہ سر جھٹک کر خود بھی بے نیاز بن گئی۔

"مسز شیرازی میں نے جو کچھ آپ کے ساتھ کیا یا پریشے کے ساتھ بھی، مجھے اس پہ بالکل کوئی ملال نہیں ہے میں ایسا کرنے میں حق بجانب تھی۔"

اگلی صبح وہ جلدی اٹھ کر معمول کے کاموں میں مصروف ہو گئی تھی، طارق کا شاید آفس جانے کا ارادہ نہیں تھا اسے ناچاہتے ہوئے بھی طارق سے ناشتے کا پوچھنے آنا پڑا وہ اندر آئی تو اسے فون پہ مصروف پایا تھا۔

"مگر کیوں، کل بھی وہ مجھ سے نہیں ملیں، ان سے کہیں فون پر تو بات کریں مجھ سے۔" ماہ نور کے اعصاب الرٹ ہو گئے، وہ وہیں دروازے پہ تھم گئی۔

"ہاں ہے حق خفا ہونے کا، مگر میں تب مناؤں گا نا جب وہ میری سنیں۔" ماہ نور کے دل نے ایک بیٹ مس کی تھی، اس نے فق ہوتے چہرے کے ساتھ طارق شیرازی کو دیکھا جو اس کی سمت متوجہ نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے آپ فکر مت کریں میں انہیں منا لوں گا، ڈونٹ وری یہ میرا ہیڈک ہے گڈ بائے۔" وہ غالباً مسکراتا تھا اور پھر فون بند کر دیا۔

"کس سے بات کر رہے تھے آپ؟" ماہ نور نے سرد بھنچی ہوئی آواز میں استفسار کیا تھا، طارق نے ایک سرد مگر ملامتی نگاہ ڈالی تھی مگر جواب نہیں دیا۔

"سونیا سے، ہے نا؟" وہ زور سے چیخی تو طارق کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

"ڈونٹ شاؤٹ، اینڈ ناؤ گیٹ لاسٹ فرام ہیئر۔" طارق نے پلٹ کر کس قدر تلخی سے کہا تو ماہ نور روہانسی ہو گئی تھی۔

"کیوں کر رہے تھے آپ اس سے بات کیوں؟ میرے ہوتے ہوئے آپ کی زندگی میں کسی اور کی گنجائش نہیں نکل سکتی طارق۔"

"ٹھیک کہتی ہو مگر تمہارے ہوتے ہوئے میری زندگی میں گنجائش نکلی ہے تو کیوں؟ تم بس یہ سوچو اور ہاں تمہاری اطلاع کے لئے عرض کر دوں کہ میں بہت جلد پریشے سے شادی کر رہا ہوں۔" وہ اس کے سر پہ بم پھوڑ کر خود سائیڈ سے ہو کر چلا گیا، ماہ نور کو لگا تھا کوئی تیز رو ٹرین اس کے اوپر سے گزر گئی ہو، کتنی دیر تک اس کا ذہن سائیں سائیں کرتا رہا تھا، پتھرائی ہوئی آنکھوں میں صرف دکھ، حسرت اور رنج کا احساس منجمد ہو کر رہ گیا تھا اس نے جانا عورت پل بھر میں کیسے ہار جاتی ہے کیسے بے وقعت ہو جاتی ہے، اس کے منہ سے پھر ایک لفظ نہیں نکلا، شاید وہ خود ہی قصور وار تھی، بے وقوف تھی، ایک کمزور عورت ہوتے ہوئے بھی وہ ایک بااختیار زور آور اور من مانی کرنے والے مرد سے ٹکرا گئی تھی اس کی محبت اس کے فیصلے سے ٹکرانے کی غلطی کر بیٹھی تھی، اسے شاید اتنی ضد ہی نہیں کرنی چاہیے تھی، عورت تو نام ہی کمپرومائز کا ہے، اسے بھی کمپرومائز کر لینا چاہیے تھا، جانے کتنی بار ماما نے سمجھایا تھا، اپنی عقل نے دہائی دی تھی، مگر تب اس کے ہٹیلے دماغ نے کسی کی مان کر نہ دی اور اب اب کیا ہوگا؟

طارق کی دوسری شادی کے بعد اس کی حیثیت کیا رہ جائے گی، اس کے میکے میں سسرال میں اور طارق کے گھر میں، صرف ایک حیثیت تیسرے درجے کی، بے وقعتی ہی بے وقعتی، آہ طارق نے تو اسے محبت سے اپنایا تھا، محبت سے رکھنا چاہتا تھا، پھر اس نے کیوں اپنی نفرت سے محبت کے دریا کو رخ بدلنے پہ مجبور کر دیا، ہاں سارا قصور اسی کا ہی تو تھا۔

اسے پتہ بھی نہ چلا اور وہ گھٹ گھٹ کر رونے لگی تھی، آہیں سسکیاں بے چینی سی نازک سے ہاتھ کا لمس اس کے کاندھے پہ اترا تو اس کا سسکتا تڑپتا وحشت بھرا دل ایکدم ٹھٹھک گیا، وہ یونہی آنسوؤں سے تر چہرا لئے پلٹی تو پاور سیور کی روشنی میں رانیل آنکھوں میں الجھن و پریشانی لئے اسے دیکھ رہی تھی، ماہ نور خفیف سی ہو کر دوپٹے سے رگڑ کر چہرا اور آنکھیں پونچھنے لگی۔

"بھابی! آنکھ کھلی تو تم بستر پہ نہیں تھیں یہاں کیا کر رہی ہو اور روئیں کیوں؟" اس کے لہجے میں تشویش تھی، ماہ نور نے سر جھکا لیا۔

"بتاؤ ماہا! کیا ہوا؟ کہیں طارق بھائی تو یاد نہیں آ رہے؟" رائنل نے تو مذاق کیا تھا مگر ماہ نور کا ضبط جواب دے گیا تھا، اگلے ہی لمحے وہ رائنل کے کاندھے سے لگ کر زار و قطار رونے لگی تھی، رائنل تو ششدر رہ گئی اور جب وہ اسے چپ کراتے ہار گئی تو گھبرا کر بولی تھی

"میں ماما کو جگاتی ہوں وہی پوچھیں گی تم سے اصل بات۔" ماہ نور نے اس دھمکی پہ گھبرا کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور ہاتھ کی پشت سے آنکھیں پونچھنے لگی۔

"پلیز، خواہ مخواہ انہیں پریشان مت کرنا۔"

"اور جو تم مجھے حواس باختہ کر چکی ہو؟ اس طرح رو رہی ہو جیسے خدانخواستہ......" رائنل نے جھرجھری لے کر بات ادھوری ہی چھوڑ دی۔

"بس یونہی، رونے کو دل چاہ رہا تھا۔" وہ نظریں چرا رہی تھی، رائنل نے بہت دھیان سے اسے دیکھا۔

"یونہی تو رونے کو دل نہیں چاہا کرتا ماہا، ضرور کوئی بات ہوئی ہے۔" ماہ نور نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر سے سر جھکا لیا۔

"بس ایک بات بتاؤ؟ کیا واقعی بیٹیاں ماؤں جیسا نصیب لے کر پیدا ہوتی ہیں؟" رائنل نے پہلے چونک کر پھر ٹھٹکتے ہوئے اسے دیکھا۔

"کیا کہنا چاہتی ہو ماہا؟"

"کچھ نہیں......" ماہ نور نے ایک دم ہونٹ بھینچ لیے، اسے ایکدم ہی یہ احساس ہوا تھا کہ رائنل کی حالت ابھی نہیں کہ اس سے اس قسم کی باتیں کی جائیں۔

"تم مجھے ڈسٹرب کر چکی ہو ماہا، جانے کیوں مجھے کچھ ہو جانے کا خوف محسوس ہو رہا ہے۔"

"ایسا کچھ نہیں ہے، پلیز تم ریلیکس کرو۔" ماہ نور اس کی خاطر جبراً مسکرائی، مگر رائنل کی تسلی ممکن نہ ہو سکی۔

"سنو ماہا! مجھے لگ رہا ہے جیسے تمہاری طارق بھائی کے ساتھ لڑائی ہوئی ہے، جیسے تمہیں کوئی پرابلم ہے۔"

"ہم صبح بات کریں گے، اس وقت مجھے نیند آ رہی ہے۔" ماہ نور نے صاف اسے ٹالا اور اندر چلی گئی، رائنل وہیں کھڑی رہ گئی تھی، متفکر اور الجھی ہوئی۔

"یا اللہ اس کے حال پہ رحم فرمائیو۔" اس نے دل سے دعا کی تھی۔

☆☆☆

تو بنا کے پھر سے بگاڑ دے مجھے چاک سے نہ اتارنا
رہوں کوزہ گر تیرے سامنے مجھے چاک سے نہ اتارنا
تیری انگلیاں میرے جسم میں یونہی چاک بن کے گڑی رہیں
کف کوزہ گر میری مان لے مجھے چاک سے نہ اتارنا
تیرے چاک کی بھی گردشیں میرے سب گل میں اتر گئیں
میرے ساتھ مٹی سے کاٹ کے مجھے چاک سے نہ اتارنا
مجھے رقص کرتا دیکھ کے کہیں وہ بھی رقص نہ چھوڑ دے
کسی گرد باد کے سامنے مجھے چاک سے نہ اتارنا
ترا زعم فن بھی عزیز ہے بڑے شوق سے تو سنوار دے
میرے پیچ و خم میرے زاویے مجھے چاک سے نہ اتارنا
ترا گیلا ہاتھ جو ہٹ گیا میرے بھیگے بھیگے وجود سے
مجھے احتساب لینا ہے آگ نے مجھے چاک سے نہ اتارنا

اس کا دل تڑپ رہا تھا، اسی التجا کے ساتھ سسک رہا تھا مگر وہ دل سے ہی تو روٹھ گئی تھی، اس کا دل جیسے بجھنے کے قریب ہونے لگا، دل و نظر کے تقاضے ایک ہوں تو دماغ کا فیصلہ آپوں آپ ہی کمزور پڑنے لگتا ہے، دل جو پورے وجود پہ حکمران ہے، اگر اس کی نہ مانی جائے تو وجود کی عمارت اس حکمران کی بے اعتنائی اور لاتعلقی کے احساس سمیت ڈھنے بکھرنے لگتی ہے، وہ بھی ٹوٹنے اور بکھرنے کے مراحل میں تھی، وہ بھی دل کی نہیں مان رہی تھی، پچھلے ایک ہفتے سے اس نے طارق شیرازی کی ہر پیش رفت کو ناکامی سے دوچار کیا تھا۔

ترا گیلا ہاتھ جو ہٹ گیا میرے بھیگے بھیگے وجود سے
مجھے احتساب لینا ہے آگ نے مجھے چاک سے نہ اتارنا

کبھی اس کی بھی یہی خواہش تھی، کبھی اسے بھی یہی خوف تھا مگر اب وہ آگ میں اترنے کو تیار تھی، اس نے خود اپنے دل کا قتل کرتے ہوئے اس سے ہر رابطہ ہر تعلق توڑ لیا تھا۔

دروازہ ناک ہوا اور ملازمہ گلابوں کے بکے ٹیبل پہ رکھ کر واپس مڑ گئی، پریشے نے ساکن نظروں سے کتنی دیر تک اس بکے کو دیکھا تھا، وہ جانتی تھی یہ پھول کس نے بھیجے تھے، اس کا دل سسک سسک کر اس سے اس بکے کو چھونے اور انہیں محسوس کرنے کی التجائیں کرنے لگا، مگر وہ ضبط کیے رہی، وہ خود پہ ظلم ہی تو کر رہی تھی، مگر اسے اپنی نگاہوں پہ اختیار نہیں رہا تھا، جو پھولوں کے درمیان اٹکے کارڈ سے لپٹ گئی تھیں، جس پہ کوئی نام نہیں لکھا ہوا تھا، صرف بلیک اینڈ وائٹ اینوائرمنٹ میں سوگ کے بچے کی پیشانی پہ آئی ایم رئیلی سوری کے الفاظ درج تھے، اس کی آنکھیں آنسوؤں کے باوجود جلنے لگیں، وہ منہ پہ ہاتھ رکھ کے سسک اٹھی۔

"ایسا مت کریں طارق، میں بے حد کمزور ہوں، کہاں سے لاؤں وہ ہمتیں جو تمہیں اگنور کرنے کو صرف کرتی رہوں۔" وہ بے تحاشا بے حساب روتی چلی گئی اور اسے چپ کرانے والا کوئی نہیں تھا۔

☆☆☆

آباد گھروں سے دور کہیں جب تنہا تن میں آگ جلے دل دکھتا ہے
جب رات کا قاتل سناٹا پر ہول ہوا کے وہم لیے
قدموں کی چاپ کے ساتھ چلے دل دکھتا ہے
جب وقت کا نابینا جوگی کچھ ہنستے بستے چہروں پہ
بے درد رتوں کی راکھ ملے دل دکھتا ہے
جب عمر رگ میں بیٹھ کے نشتر تو نے دل دکھتا ہے
جب ہاتھ سے ریشم ... دامن چھوٹے دل دکھتا ہے

جب تنہائی کے پہلو سے انجانے درد کی لے چھونے دل دکھتا ہے
جب زخم دہکنے والے ہوں اور خوشیوں کے پیغام ملیں دل دکھتا ہے
جب آنکھیں خود سے خواب بنیں
خوابوں میں سے چہروں کی بھیڑ لگے
اس بھیڑ میں جب تم کھو جاؤ دل دکھتا ہے
جب جس بڑھے تنہائی کا جب خواب جلیں جب آنکھ بھیگے تم یاد آؤ دل دکھتا ہے

اس کے سیل فون پہ میسج ٹون بجی تھی اس نے بے دلی کی کیفیت میں اٹھا کر میسج چیک کیا یہ طویل نظم طارق شیرازی کی طرف سے تھی اس نے لب بھینچ لئے، سیل فون ابھی ہاتھ میں ہی تھا جب دروازہ ناک ہوا اس نے سر اٹھایا سالار درانی تھے، وہ سنبھل کر بیٹھ گئی اور دانستہ چہرے پہ بشاشت پیدا کرنے کو مسکرائی۔

"طارق سے کسی قسم کی کوئی خفگی ہے بیٹا؟" چند رسمی باتوں کے بعد ان کی طرف سے ہونے والے سوال پہ پریشے کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا۔

"نو پاپا!" اس نے لب بھینچ کر سر جھکایا تھا، انہوں نے مزید زرد مزید دیک ہو جانے والی بچی کو دکھ کی نگاہ سے دیکھا۔

"مگر وہ کہہ رہا ہے تم اس سے نہ بات کر رہی ہو نہ ملنے پہ آمادہ ہو۔"

"میں ان سے نہ ملنا چاہتی ہوں پاپا نہ بات کرنا۔" وہ بھیگی بھرائی ہوئی آواز میں بولی تھی سالار درانی نے ٹھٹھک کر اسے بغور دیکھا۔

"بیٹا یقیناً کوئی مس انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی ہو گی آپ طارق کی بات سنیں تو کھلا یہ تو بالکل اچھی بات نہیں ہے، آپ اسے بہت پریشان کر رہی ہیں اپنے پاپا ہو نیز سے، وہ مجھے تمہارا پرپوزل دے چکا ہے۔" پریشے کا چہرا الم کی شدت سے نیلا ہونے لگا۔

"ایک مرتا ہوا انسان کسی انسان کو بھلا کیا خوشی دے سکتا ہے پاپا! میں یہ خود غرضی کا فیصلہ نہیں کر سکتی۔" سالار درانی کو لگا جیسے کسی نے ان کے دل پہ گھونسا دے مارا ہو، وہ سخت اضطراب کے عالم میں پریشے کے وحشت چھلکاتے چہرے کو تکنے لگے، جو ضبط کے بڑے کڑے مراحل جانے کیسے طے کر رہی تھی، جب وہ خاصی دیر بعد خود کو سنبھال کر بولی تو اس کا لہجہ آنسوؤں کی نمی سے بھیگا ہوا تھا۔

"پاپا! آپ نے وہ لاسٹ لیف والی کہانی پڑھی ہے؟ جس میں ایک کریکٹر کو نمونیہ ہو جاتا ہے اس کے کمرے کی کھڑکی کے باہر ایک بیل لگی ہوئی ہے، بیل پہ تیزی سے ختم ہوتے پتوں کے ساتھ اسے یہ وہم ستانے لگتا ہے کہ آخری پتہ گرنے تک وہ بھی مر جائے گی اور ایسا ہی ہوا جب آخری پتہ گرا تو وہ بھی مر گئی۔"

وہ بے دھیان تھی ورنہ ضرور دیکھ پاتی کہ اس کی بات سننے کے بعد سالار درانی کی رنگت کیسے بالکل سفید پڑ گئی تھی یوں جیسے خون کا آخری قطرہ بھی نچوڑ لیا گیا ہو۔

"او نہ! آپ کی معلومات ادھوری ہیں، لاسٹ لیف والی اسٹوری میں وہ ایک پینٹر بھی تو تھا جو ساری رات رنگوں کے ساتھ پتہ بناتا رہا تھا۔" اندر داخل ہوتے طارق شیرازی نے جو اس کی بات سن چکا تھا، مداخلت کی اور سالار درانی کے مقابل بیٹھنے کے بعد پریشے کی آنکھوں میں جھانک کر بولا تھا جہاں آنسوؤں کی نمی کے ساتھ ضبط کی سرخیاں بھی نمایاں تھیں۔

"اور وہ پینٹر ساری رات سردی میں رہنے کی وجہ سے مرا جبکہ اس کہانی کا مرکزی کردار زندہ رہا تھا، میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا پریشے، اس لئے کہ ہمیں ایک دوسرے کے لئے زندہ رہنا ہے، اس لئے بھی کہ ہمیں ایک دوسرے سے محبت ہے۔" وہ اٹھ کر پنجوں کے بل کارپٹ پہ گھٹنے ٹیک کر اس طرح اس کے سامنے بیٹھا کہ اپنے ہاتھ اس کے گھٹنوں پہ رکھ دیئے تھے، پریشے نے نگاہ ڈالی، سالار درانی کمرے سے جا چکے تھے اس نے پہلے طارق کے ہاتھ ہٹائے تھے پھر اٹھ کر کھڑی ہوئی اور بیگانگی اور اجنبیت کے احساس کو لہجے میں دانستہ سمو کر بولی تھی۔

"میری زندگی کے حوالے سے کوئی بھی فیصلہ آپ اکیلے کیسے کر سکتے ہیں طارق!" اور طارق نے ایک کرب ایک اذیت سے گزرتے ہوئے پلٹ کر بہت تعجب کی نگاہ اس پہ ڈالی تھی۔

"تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتیں، بلکہ مجھے یہ کہنا چاہیے کہ میں تمہیں اپنے ساتھ ایسا نہیں کرنے دوں گا، اس لئے کہ میں کوئی کھلونا نہیں ہوں، تمہیں جو کچھ بھی کہا ماما نے کہا گو کہ اس میں میرا قصور نہیں تھا پھر بھی میں تم سے اس قدر ایکسکیوز کر چکا ہوں کہ اب تمہیں مان جانا چاہیے۔"

"آپ مجھ سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہیں؟" پریشے نے پل کی پل اسے دیکھا اور وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔

"اس لئے کہ میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔"

"مسٹر طارق میری مختصر کی رفاقت آپ کو کوئی خوشی نہیں دے سکے گی الٹا میں آپ کو دکھی کر دوں گی اور تنہا ایسے لمحوں میں جب حتیٰ کہ چھوٹی چھوٹی بہت مشکل ہوتی ہیں، کسی کو ترک کر دینا اور پھر اسے بھولانے میں مشکل برداشت کرنا، کسی کو جان سے بڑھ کر چاہنا اور پھر اس کو کسی اور کی دسترس میں دیکھ کر ضبط کرنا، کسی کو اپنے ہاتھوں سپرد خاک کرنا اور پھر گھر آ کر از سر نو یہ یقین کرنا کہ وہ واقعی مر چکا ہے، طارق! یہ وہ پہلی مشکلیں میرا نصیب بنیں، مگر کب تک؟ اب تو مشکلوں کے آسان ہونے کا وقت بھی بہت قریب آتا جا رہا ہے، وہ آخر یہ سب ختم ہو جائے گا، میں تیسری مشکل کو آپ کے ساتھ نہیں کرنا چاہتی پلیز، میری یہ آپ سے عشق کی انتہاؤں کو چھوتی ہوئی محبت کا تقاضا ہے طارق کہ میں آپ کو اس دکھ سے بچا لوں۔" اس نے طارق شیرازی کی آنکھوں کی سطح پہ آ ٹھہرنے والے حیرت رنج اور غیر یقینی کے ساتھ نمی کے احساس کو دیکھا تھا اور لب بھینچتے ہوئے سر جھکا لیا تھا۔

"بولیں طارق اگر میں آپ سے اپنی محبت کے مان پہ یہ جدائی مانگوں تو مجھے دیں گے؟" اس نے بڑے ضبط حوصلے اور ہمت کے ساتھ اپنے دل کے ساتھ سب سے بڑا ظلم سب سے بڑی زیادتی کر ڈالی اور اس کی کراہوں سسکیوں اور آنسوؤں سے ہمیشہ کے لئے نگاہ چرا لی۔

طارق شیرازی کے اندر سناٹے در آئے، وہ ساکت سا بیٹھا جیسے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کرتا رہ گیا آس پاس خاموشی تھی گہری خاموشی، مگر اس خاموشی میں بھی کسی کی کراہیں اور سسکیاں تھیں۔

اس نے مانگا بھی اگر مجھ سے تو جدائی مانگی
اور ہم ایسے کہ انکار نہ کرنا آیا

اس نے اس کی لہو رنگ آنکھوں میں جھانکا جس کی نمی میں موجود بے بسی کی ایک ہی پکار تھی، مجھے بہت مان ہے تم پہ اپنی محبت کی ریاضت پہ، میرے اس مان کو ٹوٹنے سے بچالو۔

اور طارق نے اس مان کو سلامت رکھ لیا تھا، اس نے ضبط کے کڑے مراحل طے کیے اور سر کو اثبات میں ہلا دیا، بھلا کیا قصور تھا اس کا وہ کیوں ہر بار تہی دست کی دامان رہ گیا تھا۔

"ماہ نور کی وجہ سے..... ہاں..... ماہ نور کی وجہ سے ہی۔" وہ اس عظیم لڑکی کے بنا کیسے جی جان گیا تھا اس دل فگار فیصلے کے پیچھے کیا وجہ ہو سکتی ہے، اس نے متعدد بار پریشے کی حیات کو محسوس کیا تھا، وہ ہمیشہ اتنی محبت کے باوجود اس کی سمت بڑھتے ہوئے ہچکچائی تھی، ایک ان دیکھے مجرمانہ احساس میں گھری رہتی اور بالآخر اس نے وہ فیصلہ کیا تھا جس نے اس کا اپنا دل اذیت کے صحراؤں میں بھٹکنے کے لئے لاوارث چھوڑ دیا تھا۔

اور ماہ نور کہتی تھی وہ تم سے محبت نہیں ہمدردی کرتا ہے، کوئی دیکھتا وہ ان چند گھنٹوں میں محبت کے سفر کے کتنے مرحلے طے کر آیا تھا جو شاید کوئی صدیوں میں بھی نہ کر پاتا، یہی محبت تھی اس کی کہ اس نے دل کو ویران کر ڈالا تھا مگر اس کا مان رکھ لیا تھا، ہاں یہی محبت تھی، صرف محبت یہاں ضد کی انا تھی، نہ اپنے ہونے کا احساس جگاتا احساس، محبت تو آغاز ہی فنا سے شروع کرتی ہے وہ بھی فنا ہو گیا تھا۔

"او کے چلتا ہوں۔" اس نے اپنا کوٹ اٹھا کر کہا تھا۔

جب وہ آیا تھا کو کتنا با حوصلہ تھا واپسی کے رستے میں صرف شکستگی کا احساس ہی اس کے ہمراہ تھا اور پریشے کا دل کٹنے لگا، اپنی زندگی کی سب سے قیمتی متاع گنوا کر اسے رونا تھا اور وہ رو رہی تھی۔

☆☆☆

جو ہم محسوس کرتے ہیں اگر تم تک پہنچ جائے
تو بس اتنا سمجھ لینا یہ ان جذبوں کی خوشبو ہے
جنہیں ہم کہہ نہیں سکتے
مگر تم جو اجازت دو
تو چند لفظوں میں کہہ ڈالوں
کہ تم بن مر تو سکتے ہیں پر تم بن جی نہیں سکتے

اس صبح جب دھوپ رینگتی ہوئی صحن میں اتر رہی تھی تو وہ برآمدے میں کرسی پہ بیٹھی اپنی ہی سوچوں میں الجھ رہی تھی، عجا اور طلحہ اسکول جا چکے تھے اور مما تیار ہوا آرڈر لے کر فیکٹری گئی تھیں گھر میں صرف وہ اور رائنل تھیں، ناشتے سے اس نے منع کر دیا تھا، رائنل گھر کی صفائی کرتے ہوئے گاہے بگاہے اسے عمیق سوچوں کی گہرائیوں میں گم دیکھ رہی تھی اور وہ اتنی غافل تھی کہ رائنل کی موجودگی کو بھی فراموش کیے بیٹھی تھی، رائنل صفائی سے فارغ ہو کر کچن میں چلی گئی اور جب چند منٹ بعد وہ اس کے لئے ناشتہ تیار کر کے لائی تب اس کے پکارنے پہ چونکی تھی اور صاف ستھرا گھر دیکھ کر اتنی خفت زدہ ہوئی کہ حد نہیں، ماما تو جا ہی نہیں رہی تھیں اس نے اصرار کر کے بھیجا تھا کہ وہ ڈسٹنگ بھی کرے گی اور اپنا رائنل کا ناشتہ بھی بنا لے گی۔

"یہ سب تم نے کب کر لیا، میں کر لیتی نا۔"

"تب کیا جب تم پتہ نہیں کن خیالوں میں گم تھیں، خیر اب ہم ایک دن کی مہمان سے تو کام کرانے سے رہے، ویسے تم طارق بھائی کے خیالوں میں کھوئی اچھی لگ رہی تھیں میرا دل نہ مانا چونکانے کو۔" رائنل نے اسے ناشتہ شروع کرنے کا اشارہ کیا تھا، تب ماہ نور کا بوجھل دل کچھ اور بھی یاسیت سمیٹ لایا۔

"کتنا بے نیاز ہو چلا تھا وہ اس کی تسلی کی خاطر نہ سہی ماما کو ہی ایک کال کر لیتا۔" اس کا دل یکا یک ہی اتنا بھر آیا نوالہ حلق میں پھنسنے لگا تو ٹرے کھسکا کر پرے کر دی، رائنل اسے بہت دھیان سے دیکھ رہی تھی، اصرار کیے بنا ٹرے اٹھا کر کچن میں ڈھک کے رکھ آئی۔

"ہاں اب بتاؤ کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟" رائنل نے دوبارہ اس کے سامنے آ کر بیٹھتے ہوئے کہا تو ماہ نور بس خاموش نظروں سے اسے دیکھے گئی تھی۔

"اگر تمہارا دل یہاں نہیں لگ رہا ہے تو خود پہ جبر مت کرو، ماما طارق بھائی کو فون کر دیں گی وہ آ کے تمہیں لے جائیں گے، اس میں اتنا منہ لٹکانے والی کون سی بات ہے بھلا؟" رائنل کے اس طرح ہلکے پھلکے انداز میں کہتے ہی وہ بھڑک سی گئی۔

"ہرگز نہیں، میں اب کبھی ان کے پاس واپس نہیں جاؤں گی۔"

"کیوں؟" رائنل نے حیران ہو کر جانچتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"اس لئے کہ اب انہیں میری ضرورت نہیں رہی ہے۔" وہ جیسے پھٹ پڑی تھی اور غم و غصے کی کیفیت میں رائنل کو سب کچھ بتاتی چلی گئی، جیسے سنتے رائنل کے چہرے کی رنگت اڑنے لگی تھی۔

"تم نے کیا کیا ماہا؟ بہت برا کیا تم نے، پہلی بات تو یہ کہ تمہیں بغیر کسی ثبوت کے پریشے کو اتنا کچھ نہیں کہنا چاہیے تھا پھر یہ بھی تو دیکھتیں کہ تمہارا اپنا تعلق طارق بھائی کے ساتھ ابھی کتنا کمزور تھا، تم نے ان کا دل اور اعتماد حاصل کیا نہیں تھا تو ان پہ اجارہ داری کیسے کر لی تم نے، جبکہ تم نے ہمیشہ ان کے حقوق کو سلب کیا تھا، بے وقوف لڑکی، میں تو حیران ہوں طارق بھائی کی برداشت پہ کہ انہوں نے ہمیشہ تمہاری رضا کو اہمیت دی، تمہیں پتہ ہے شہریار کو میں پسند نہیں کرتی تھی مگر اس کے باوجود وہ مجھ سے کیا سلوک کرتا تھا، اس نے ہمیشہ میرے ساتھ زبردستی کی ہمیشہ اپنی منوائی اور ایک بار ہمارا بہت زیادہ جھگڑا ہو گیا تھا کسی بات پہ تو میں نے اس کا ہاتھ جھٹکنے کی جرأت کر لی تھی، بہت کڑی سزا پائی تھی اس گستاخی کی، وہ میرے وجود کو نیلوں نیل کرتے ہوئے غراتے ہوئے بار بار ایک ہی بات دہراتا رہا تھا۔"

"تم نے رفیوز کیا مجھے؟ مجھے یعنی شہریار گیلانی کو؟ ہاؤ ڈیئر یو۔" اس نے رک کر ماہ نور کی پھٹی پھٹی آنکھوں میں جھانک کر دھیمی مسکان سے کہا تھا۔

"کیا پھر میں یہ کہنے میں حق بجانب نہیں ہوں ماہا کہ تم بہت خوش نصیب تھیں کہ تمہیں طارق شیرازی جیسا ڈیسنٹ اور شاندار ساتھی ملا تھا، مگر تم اس کی قدر نہ کر سکیں۔" ماہ نور کی پیشانی پہ ناگواری کی شکنیں پڑ گئیں اور رنگت سرخ ہونے لگی رائنل نے گہرا ٹھنڈا سانس بھرا۔

"اگر حالات اس حد تک بگڑ چکے تھے ماہ نور تو تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا، یہ تمہاری ایک اور غلطی ثابت ہوگی۔"

"مجھ سے کسی کے اعصاب پہ زبردستی سوار ہونا نہیں آتا۔" وہ تنک کر بولی تو رائیل نے تاسف سے اسے دیکھا تھا، ہاں یہ مزاج کی ہی تو بات تھی، کیونکہ وہ اتنی کسمپرسی بے قدری اور غربت میں پل بڑھ کے جوان ہو کر بھی ماش کے آٹے کی مانند اینٹھی ہوئی تھی اپنی غلطی ماننے کو تیار نہیں تھی، دوسری طرف رائیل تھی۔

بے تحاشا دولت، اہمیت اور محبت پا کر بھی جو اس طرح لٹی تھی کہ وقت نے اسے پسپا کر دیا تھا، حالات نے بری طرح شکست خوردہ کر دیا تھا اور اس نے ہار تسلیم بھی کر لی تھی، شاید اس لئے کہ اس کا مزاج ماہ نور کی طرح سے ہٹیلا اور تلخ نہیں تھا اور صد شکر کہ نہیں تھا۔

"ماما! انہوں نے تمہیں ہاتھ سے پکڑ کر تو گھر سے نہیں نکالا نا؟ یہ وقتی غصہ بھی ہو سکتا تھا۔" وہ زچ ہو کر سمجھاتے ہوئے بولی۔

"اور جو انہوں نے میرے ساتھ کیا؟ صرف اپنی مرضی کو اہمیت دی میری حیثیت کیا تھی تب؟" وہ بے اختیار چیخ اٹھی۔

"اب چھوڑ بھی دو اس گھسی پٹی بات کو ماما! ورنہ مزید تنہا رہ جاؤ گی، سال بھر سے زیادہ عرصہ بیت گیا تم نے ان کی اس سرکشی کا جواب خوب لوٹا دیا انہیں، مگر غصے کی بھی تو کوئی حد ہوتی ہے اب معاملہ سیٹ تو ہونے دیتیں تم، یو نو ماما! میں نے کہیں پڑھا تھا کہ مرد کی ذات ایک سمندر سے مشابہ ہے اس میں ہمیشہ پرانے پانی بھی رہتے بستے ہیں اور نئے دریا بھی آ کر گلے ملتے ہیں، سمندر سے پرانی وفا اور نیا پیار علیحدہ نہیں کیا جا سکتا ورنہ وہ ان دونوں کے لئے کٹ مرے گا، میں سمجھتی ہوں اگر تم محتاط رہتیں تو یہ وقت کبھی نہ آتا مگر تم یہ برداشت ہرگز نہیں کر سکتیں، وہ میرے ہوتے ہوئے کسی اور کی سمت متوجہ ہوا بھی کیسے؟ یہ بھی تمہاری اپنی حماقت ہے خود سے سوال کرو گی؟" رائیل نے تلخی سے کہا تو ماہ نور نے سلگتی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"ان کی غلطی وہیں تک تھی اس سے آگے میری غلطیاں اور حماقتیں شروع ہو گئیں چلو مان لیا لیکن میں اپنی غلطی یا حماقت کا ازالہ کرنا نہیں چاہتی، میں اپنا سب کچھ ہارنا نہیں چاہتی میں خود سے اس کے اتنا نزدیک نہیں جانا چاہتی کیونکہ میں جانتی ہوں پھر میں کوشش کے باوجود نہیں پلٹ سکوں گی۔" اس نے اپنے دل کا نیا نویلا راز محبت چھپا کر بظاہر بہت بے نیازی سے کہہ ڈالا تھا، مگر رائیل یوں ہنسی جیسے اس کے اندر کی بات کو پا گئی ہو، پھر اس نے جتانے میں بھی کسی قسم کا کوئی تامل نہیں کیا تھا شاید آج وہ اسے ہر طرح سے سمجھا کر دیکھ لینا چاہتی تھی۔

"تم اب بھی کہاں پلٹ سکی ہو ماما! تم انہیں چھوڑ بھلے آئی ہو مگر اپنا دل وہیں ان کے پاس چھوڑ کے تمہارا اضطراب تمہارا یہ گم صم انداز اس بات کا گواہ ہے کہ تمہیں طارق شیرازی سے محبت ہو چکی ہے چاہے مانو چاہے نہ مانو، مگر اس سے دل پہ ہونے والی اس واردات پہ کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔" رائیل نے بہت جرأت مندانہ انداز میں اس کے سامنے آئینہ رکھ دیا تھا، جس میں اس کی کچی سچائی کا عکس واضح تھا، اپنی بے بسی کا احساس ماہ نور کو روہانسا کر کے رکھ گیا، رائیل نے اس کی آنکھوں میں امڈتے آنسوؤں کو دیکھا اور گہرا طویل سانس کھینچا۔

"ایسا مت سوچو ماما! کہ اس اعتراف میں تمہاری ہار ہے، پاگل ہو تم، تمہیں ان کے قریب جا کے واپس آنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یا پھر ڈرتی ہو اس ہار سے، مگر سوچو یہ ہار تو نہیں ہے اگر

مان بھی لیا جائے تو اس ہار میں بھی تو تمہاری جیت چھپی ہوئی ہے، پگلی یہ بھی تو سوچو وہ تم سے پہلے ہار چکے ہیں اس جذبے سے۔" اور ماہ نور کی آنکھوں کی نمی اس کے گال بھگونے لگی۔

(میں اس راستے پہ چلنا نہیں چاہتی تھی مگر جانے کیسے میری مرضی کے خلاف میرے قدم اس کی جانب اٹھ گئے، بھلا اعتراف کرنے یا نہ کرنے سے کیا ہوتا ہے، جیسے وجود سے انکار ممکن نہیں، ٹھیک ویسے ہی وجود میں سرائیت کرتی ہوئی دنیا کی سب سے بڑی حقیقت محبت کا انکار کیسے ممکن ہو سکتا ہے، مگر میں تمہیں کیا کیا بتاؤں بیٹا اپنی حماقتوں کے بارے میں، وہ ایک بار پھر بڑھے تھے میری جانب اور میرا یہ غصہ جس نے مجھے آج اس نہج پہ لا کر تنہا چھوڑ دیا ہے اس وقت بھی سارا کام خراب کر گیا اور تمہیں کیا پتہ میرے اندر کس چیز نے آگ بھڑکا ڈالی ہے، اپنی موجودگی کے باوجود میں نے انہیں بیٹے کی ذات میں گم ہوتے دیکھا ہے اور یہ میری صرف انسلٹ ہی نہیں شدید ترین نقصان کی بات ہے، تمام غلطیاں میری نہ بھی ہوں مگر یہ سارے کے سارے زیاں میرے حصے میں آتے ہیں۔)

"اب کس سوچ میں گم ہو گئی ہو؟ اتنا سر کھایا ہے میرا پلیز ایک کپ اسٹرانگ چائے کا پلا دو۔" رائیل کی آواز نے اسے سوچوں سے نکال لیا، ماہ نور پھیکی سی مسکراہٹ سمیت اٹھ کر کچن میں چلی گئی رائیل کے چہرے پہ متفکرانہ سوچوں کا جال پھیلتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

عجیب کشمکش کے راستے ہیں
بڑی عجیب سی مسافتیں ہیں
میں جس کی راہوں میں بچھ گیا ہوں
اس کو مجھ سے شکایتیں ہیں
میں کیسے اس کو یقین دلاؤں
اسے بتاؤں تو مر نہ جاؤں
میں اس خاموشی کے امتحاں میں
کہاں کہاں سے گزر گیا ہوں
اسے خبر بھی نہیں ہے شاید
میں دھیرے دھیرے بکھر گیا ہوں

سڑک تقریباً سنسان تھی، یوں تو اسلام آباد ہے ہی خاموشی اور سکون کا گہوارا شہر مگر شہر کا یہ علاقہ تو گویا انتہائی خاموشی اور پرسکون ماحول کی وجہ سے اسے بے حد پسند تھا، فضا میں اداسیاں گھلی تھیں سڑک سے بھی کبھار کوئی اکا دکا گاڑی گزر جاتی تو اس خاموشی اور سکون میں ایک ارتعاش سا پیدا ہو کر پھر وہی سناٹا طاری ہو جاتا۔

سڑک کے دونوں اطراف درختوں کی لمبی قطاریں دور تک جا رہی تھیں حالانکہ بہار کے موسم نے درختوں کو خوبصورت اور نئے پیراہن پہنا دیئے تھے اور منظر میں ہر سو خوبصورتی اور تازگی تھی، جو راہ چلتوں کی توجہ اپنی جانب کھینچتی تھی، مگر اس کو اس منظر میں کوئی کشش محسوس نہیں ہو رہی تھی، اس جگہ پہ وہ متعدد بار بیٹے کے قدموں سے قدم ملا کے چلا تھا، بے اختیار ہی اس نے جیپ روک

دی اور دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔

درختوں سے جھڑ کر گرنے والے پتے کچھ خشک ہونے کے بعد زرد ہو چلے تھے کچھ ابھی سرسبز ہی تھے جو ادھر ادھر بکھرے پڑے تھے، اس کے دل کی اداسی نے اس خوبصورت جگہ پہ بھی گویا اداسیاں پھیلا دی تھیں، اچانک خنک ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور پتوں کو اڑاتا ہوا دور تک لے گیا، ایک پتہ اڑتا ہوا آیا اور اس کے بالوں میں آ کر اٹک گیا۔

سورج اپنے سفر کا اختتام کرنے والا تھا، مغرب کی طرف نارنجی رنگ گہرا ہوتا جا رہا تھا، وہ تھک کر ایک چوڑے تنے والے درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

"تم نے اچھا نہیں کیا پریشے، میرے ساتھ بالکل اچھا نہیں کیا، دکھ اس بات کا نہیں کہ تم نے مجھے چھوڑ دیا، مجھے دکھ اس بات کا ہے کہ تم نے مجھے ماہ نور کے لئے چھوڑ دیا، وہ ماہ نور جس نے نہ مجھے سمجھا نہ میری محبت کو، اسی طرح نہ وہ تمہیں سمجھی اور نہ کبھی تمہاری اس اتنی بڑی قربانی کو سمجھے گی، کچھ لوگ پیدائشی خوش قسمت ہوتے ہیں، جیسے ماہ نور، اور کچھ لوگ اپنی قسمت خود بنانے کی کوشش کرتے ہیں خوشیوں سے جھولیاں بھرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر ان کی یہ کوششیں رائیگاں چلی جاتی ہیں جیسے میں، اور کچھ لوگ تمہارے جیسے بھی ہوتے ہیں پریشے درانی کہ جنہیں قدرت آزماتی ہے جو آزمائش میں پورے اترتے ہیں تو قدرت ان کے لئے انعام کی صورت میں پسند تحفہ عطا کرتی ہے اور وہ اپنی درویش فطرت کی بدولت اپنی خوشی کسی دوسرے کی جھولی میں ڈال کر خود قناعت اور صبر کرتے ہیں، مگر پریشے درانی! تم جیسے لوگ عظیم ہو کر بھی دنیا پہ اپنی عظمت ثابت نہیں کر پاتے کیونکہ تم نیکی اور احسان بھی ایسے کرتے ہو کہ جس سے کرتے ہو اسے خبر تک نہیں ہوتی۔"

"آہ۔" اس نے کرب سے گزرتے ہوئے جلتی آنکھیں بند کر لیں۔

"کاش میں تمہیں بتا سکتا کہ تمہارے بغیر زندگی کا باقی ماندہ سفر جتنا بھی خوشگوار سہی مگر ایک کمی ایک خلش اور کسک ہمیشہ میرے ساتھ رہنے والی ہے۔"

"تم کہہ رہی تھیں تم مجھے اس دکھ سے بچانا چاہ رہی ہو؟ نہیں پری! تم مجھے اس دکھ سے نہیں بچا پائی ہو جو میرے نصیب میں ازل سے درج کیا جا چکا۔"

پاک سرزمین شاد باد

کشور حسین شاد باد

اس کا سیل فون گنگنانے لگا، اس نے جیکٹ کی جیب سے سیل نکالا بلینک کرتی اسکرین پہ بابا کالنگ کے الفاظ جگمگ کر رہے تھے، وہ اتنا خفا تھا کہ لائن ڈسکنکٹ کر دی اور پھر سے اس آزردگی کی کیفیت میں گم ہونے لگا جبھی ایک بار پھر سیل گنگنانے لگا، اس نے سخت بے زاری کے عالم میں نمبر دیکھا۔

"پریشے کالنگ۔" اس کا دل بہت زور سے دھڑکا اس نے فوری طور پہ کال ریسو کی تھی۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام! آپ اس وقت آ سکتے ہیں؟ ایک ضروری کام تھا۔" اس کی آواز بے حد شکستہ تھی نڈھال سی تھی۔

"او کے آ رہا ہوں۔" وہ ایک بار پھر اس کے سامنے ہار گیا۔

"تھینکس!" وہ آہستگی سے بولی تو طارق کے لہجے میں شکوہ مچل اٹھا۔

"فار واٹ؟ تمہاری بات مان لینے پہ؟ یا پھر خود کو ہار جانے پہ؟" اس کا بھاری بھرکم بارعب سا لہجہ اس وقت کتنا پژمردہ اور نڈھال تھا، دوسری جانب یکلخت خاموشی چھا گئی، طارق شیرازی نے لب سختی سے بھینچتے ہوئے سلسلہ منقطع کر ڈالا اور قدم واپسی کو موڑ لئے۔

☆☆☆

کٹھن ہے زندگی کتنی سفر دشوار لگتا ہے
کبھی رستہ نہیں ملتا ہمارا ساتھ دے پائے کوئی ایسا نہیں ملتا
فقط ایسے گزاروں تو یہ روز و شب نہیں کٹتے
مگر پھر بھی میرے مالک میں ہر دکھ جھیل سکتا ہوں
اگر تو آج ہی کہہ دے محبت ہم سفر میری
ہر چیز خوبصورت ہے اگر محسوس کی جائے تو

اس نے ہاتھ بڑھایا اور گلابی پھول اس کے ہتھیلی پہ مسلا گیا

"ہوں جیسے عورت!" روحینہ کی آنکھوں میں معنی خیز سی شرارت اتری شہریار نے ہتھیلی پہ مسلا ہوا گلابی پھول پھونک مار کر اڑا دیا اور پھر مبہم سا مسکرایا۔

"ہوں مگر ڈھکی چھپی عورت جیسے رائنل۔" اس نے کہا اور آگ بھڑکا دی، روحینہ کی شکل دیکھنے والی ہو گئی تھی۔

"تم اسے بھول کیوں نہیں جاتے؟" روحینہ نے ہونٹ سکوڑ کر بولی۔

"کوئی اچھے آپ کو بھول سکتا ہے؟ وہ میرا عشق ہے۔" روحینہ نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا، اس جیسے شخص کو تابو کرنا آسان تھوڑا تھا وہ نکیل ڈالنے والا تھوڑا ہی تھا، وہ تو اپنی مرضی سے اپنی دھن پہ بھاگنے والا تا تیگر تھا جو کسی کے ہاتھ نہیں آتا اور کبھی اسے صرف دولت حاصل کرنے کی ہوس تھی، مگر اب وہ ایک یکسر بدلے ہوئے روپ میں سامنے تھا، خود روحینہ جو کام نہیں کر پائی تھی وہ رائنل کی محبت اس کی جدائی نے کر دکھایا تھا۔

وائیٹ پینٹ کوٹ کے ساتھ موو کلر کی شرٹ، اس کی ڈریسنگ ہمیشہ ہی شاندار ہوتی تھی، اس پہ اس کی غضب ڈھاتی بھرپور مردانگی وہ ذرا سی توجہ خود پہ دیتا تھا اور پرنس لگنے لگتا تھا، اس وقت بھی وہ بہت سی ستائشی نگاہوں کا مرکز بنا ہوا تھا، مگر وہ اس کا نہیں رائنل کا تھا، رائنل جس سے اس نے ہمیشہ رقابت محسوس کی تھی۔

"تم خود کو اب کوئی توپ چیز سمجھنے لگے ہو۔"

"توپ چیز مطلب؟" وہ دانستہ اسے کلسانے کو تجاہل برت رہا تھا، وہ گھور کر اسے دیکھتی دھپ دھپ کرتی آگے بڑھ گئی، شہریار نے جھک کر مسلے ہوئے گلابی اور سفید پھول کو دیکھا جو بالکل رائنل کی طرح سے تھا فریش اور حسین، مگر پھر اس نے اس کی ساری تازگی ساری جاذبیت مسل دی تھی اور اب جبکہ وہ نہیں تھی تو اس کے ساتھ کی گئی زیادتیاں اس کے دل پہ بھاری بوجھ کی طرح دھری رہتی تھیں۔

اسے یاد تھا ایک بار وہ اس سے کسی بات پہ الجھ گیا تھا، رائنل کی آنکھوں میں آنسو تھے، وہ اٹھ

کر بیڈروم سے چلی گئی تھی اور جب بہت دیر کے بعد وہ کمرے میں آئی تو اسے جاگتے اور کاؤچ پہ بیٹھ کر سگریٹ پھونکتے دیکھ کر ٹھٹک سی گئی تھی۔

"تم خود کو سمجھ کیا رہی ہو ہاں؟" وہ اس کا بازو درشتی سے پکڑ کر جھٹکا دیتے ہوئے اپنے مقابل گھسیٹ لایا تھا۔

"جب میں نے تمہیں کہا ہے کہ مجھے یہ بچہ نہیں چاہیے تو تم ضد کیوں کر رہی ہو۔" وہ تسلسل کے ساتھ رائیل کے نازک گالوں پہ تھپڑ مارتا ہوا چیخ رہا تھا، کتنا سفاک تھا وہ کتنا بے حس اب وہ سوچتا بھی تھا تو اسے حیرت ہوتی تھی۔

"شہری مر گئے ہو کب سے آوازیں دے رہی ہوں، سنتے ہی نہیں یہ نئی بیماری لگ گئی ہے تمہیں بیٹھے بیٹھے گم ہو جانے کی۔" روحینہ اس کے سر پہ کھڑی چلا رہی تھی، شہریار نے ایک نظر اسے دیکھا اور بیزار کن تاثرات سے بولا تھا۔

"کیوں چیخ رہی ہو؟" اور وہ چیخنے کی وجہ بتانے کی بجائے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ گھسیٹ لے گئی جہاں ڈانسنگ فلور پہ کپلز بانہوں میں بانہیں ڈالے تھرک رہے تھے، وہ بھی اسے لئے انہی میں گھس گئی، شہریار کو نا چاہتے ہوئے بھی اس ماحول کا حصہ بننا پڑا تھا، ڈیک فل والیوم میں بج رہا تھا ساتھ ساتھ روحینہ بھی گانے لگی۔

اپنی تو جیسے تیسے تھوڑی ایسے یا ویسے کٹ جائے گی
آپ کا کیا ہوگا جناب عالی آپ کا کیا ہوگا جناب عالی
اپنے آگے نہ پیچھے نہ کوئی اوپر نیچے
رونے والا نہ کوئی رونے والی جناب عالی
آپ کا کیا ہو گا جناب عالی

شہریار نے اس کی بانہوں کا حصار توڑ کر وہاں سے نکلنا چاہا مگر روحینہ کو تو ایسا موقع قسمت سے ملا تھا کہ وہ اسے دستیاب تھا وہ مستی میں آ کر پھر گنگنانے لگی۔

آپ بھی میری طرح انسان کی اولاد ہیں
آپ سے پہلے بھی ہم ان کی فریاد ہیں

اس کے سیل پہ وائبریشن ہو رہی تھی اس نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور سیل فون نکالا تھا، پھر جھک کر روحینہ کے کان میں بولا تھا۔

"ثمرہ کا فون ہے۔" اور اسے خود سے دھکیل کر دور ہٹاتا ہوا سرعت سے اس ملتے کو چیرتا باہر نکل گیا، اس نے پہلے فون آف کیا تھا پھر تیزی سے اس ماحول سے نکلتا چلا گیا تھا، رائیل نے اس کی عادات ہی نہیں مزاج بھی بدل ڈالا تھا، اب اسے یہ سب ہنگامے بالکل اچھے نہیں لگتے تھے اگر وہ کسی کے قریب ہوتا تو اسے یوں لگتا جیسے وہ رائیل کے حق پہ ڈاکہ مار رہا ہے اور وہ رائیل کے حقوق کسی اور کو ہرگز نہیں دینا چاہتا تھا جبھی وہ بے حد محتاط ہوتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

"مجھے ساری شکایتیں آپ سے ہیں میجر! آپ اتنی آسانی سے مان کیسے گئے؟ وہ تو بیوقوف ہے نادان ہے آپ نے اسے سمجھایا تو ہوتا ڈانٹا تو ہوتا، یا پھر میں سمجھوں کہ آپ محض ہمارے فورس کرنے پہ اوپری دل سے یہ کر رہے تھے، اس طرح آسانی سے جان چھوٹ گئی سو لاکھوں پائے۔" سونیا کا لہجہ غم و غصے اور ہیجان سے کھنچا ہوا تھا، وہ ذہنی طور پہ اس قدر مضطرب تھی کہ اسے طارق کے ساتھ اپنے رویئے کی بدصورتی کا بھی خیال نہ رہا۔

وہ جو مضطرب سا پیپر ویٹ کو میز کی چکنی سطح پہ گھما رہا تھا، سونیا کے اس الزام پہ اس کا چہرا ایکدم سرخ پڑ گیا، اس نے بے ساختہ گھومتے ہوئے پیپر ویٹ پہ اتنی زور سے ہاتھ مارا کہ ٹیبل کا شیشہ دور تک چٹختا چلا گیا، سونیا اس کے چہرے کے تاثرات کو دیکھتی ایکدم سہم سی گئی تھی، وہ پیپر ویٹ کے بازو پہ آیا تھا مگر اس سے پہلے سونیا نے اسے آڑے ہاتھوں لے لیا تھا۔

"آئی ایم ساری! آپ نے شاید مائنڈ کر لیا، بلکہ مجھے یہ حق ہی نہیں تھا کہ میں آپ سے اتنی سختی سے آپ سے باز پرس کرتی، ایکین سوری۔" وہ تب بھی خاموش رہا تو سونیا کی خجالت کچھ اور بڑھنے لگی۔

"آپ کی خاموشی بہت غیر معمولی ہے میجر! پلیز اس چپ کو توڑ دیجئے۔" وہ اس کے سامنے بیٹھ کر بے ساختہ سسک اٹھی، طارق نے ضبط کی سرخیوں سے دہکتی انگارہ صفت آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا جن میں بہت کچھ کھونے کا ملال جیسے جم کر بیٹھ گیا تھا۔

(میں آپ کو کیسے سمجھاؤں سونیا خان کہ یہ پیشہ ماؤں نہیں ہے، جس کے جذبات، احساسات کی پرواہ کیئے بغیر وہ اس کی بدتمیزیوں یا گستاخیوں کی سزا سوچے سمجھے بنا دے ڈالوں ہر انجام کی پرواہ کیئے بغیر، وہاں محبت کے ساتھ ضد اور انا تھی، مگر یہاں محبت سے بھی پہلے احترام اور عقیدت کے جذبے تھے جنہیں مجروح نہیں کیا جا سکتا یہ محبت نہیں ہے سونیا خان، یہ تو عبادت ہے جو میں کر رہا ہوں۔) وہ بنا کسی وضاحت کے اٹھ کھڑا ہوا تو سونیا نے بہت زخمی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"میں اس جرم پہ آپ کو بھی معاف نہیں کروں گی میجر آپ بھی عام سے مرد نکلے، حالانکہ آپ اپنی عادات اور کردار کی وجہ سے مجھے بہت خاص لگے تھے۔" سونیا کی آنکھوں میں بے بسی کے آنسو تھے، طارق کے اندر تک تھکن اتر گئی۔

"پری پیشے سے نہیں ملیں گے؟"

"اگر وہ چاہیں گی تو ضرور ملوں گا۔" اس کے لہجے میں شکستگی تھی، سونیا نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

"وہ تو بہت کچھ چاہتی تھی میجر صاحب مگر، چاہئیے وہ آپ کی منتظر ہو گی اور پلیز ہمارے درمیان جو بھی بات ہوئی آپ اسے مت بتایئے گا۔"

"اس کی آپ کو فکر نہیں کرنی چاہیے۔" طارق نے نرمی و سبھاؤ سے تسلی دی، اس کا لہجہ، انداز اس قدر تھکن زدہ تھا کہ ایک پل کو سونیا کو اس پہ ترس آیا تھا۔

"اور پلیز میں نے اگر آپ کے ساتھ مس بی ہیو کیا ہے تو مجھے معاف کر دیجئے۔"

"اٹس آل رائیٹ۔" وہ آہستگی سے کہتا آگے بڑھ گیا، سونیا لب بھینچے اس کی چال کے اضمحلال کو دیکھے گئی۔

"یار تم نے پری پیشے کو دیکھا؟" وہ زہت بھابھی کی شوخ و شنگ سی نند تھی، جو ابھی کچھ دیر قبل ہی پری پیشے سے پڑھنے کے لئے کوئی بک لینے آئی تھی، بہت خوش مزاج لڑکی تھی صحنوں میں دوستی گانٹھنے والی۔

''کہاں؟'' سونیا نے الجھ کر اسے دیکھا۔

''ابھی وائیٹ سوٹ میں اندر گیا ہے، قسم سے کب سے منتظر ہوں کم بخت باہر ہی نہیں نکل رہا ویسے یار اس کی چال ڈھال اور ہیر کٹ سے تو سو بر ہی لگتا ہے۔'' سونیا کے لبوں پہ بے اختیار مسکراہٹ بکھر گئی۔

''طارق شیرازی! عہدے کے لحاظ سے میجر! ویسے عبداللہ بھائی کے دوست ہیں محترم۔'' سونیا نے تفصیلی تعارف پیش کیا، اس کی آنکھیں ایکدم چمکنے لگیں۔

''اُف یہ لڑکیاں اور ان کی حماقتیں۔'' وہ کوفت زدہ ہو گئی تھی۔

☆☆☆

''السلام وعلیکم!'' طارق شیرازی نے دروازہ ناک کیا اور اجازت ملنے پہ اندر داخل ہوا تھا، پریشے صوفے پہ بیٹھی تھی گھٹنوں پہ میگزین کھلا ہوا تھا۔

''وعلیکم السلام، پلیز سٹ ڈاؤن۔''

آف وائیٹ کڑھائی کے لباس میں وہ سر کو اسکارف سے ڈھانپے عام دنوں سے بہت سنجیدہ تھی چہرے پہ سرسوں کا رنگ جما ہوا تھا، طارق شیرازی نے ایک نظر اسے دیکھا اور ایک عجیب سا دکھ اپنے اندر اترتا ہوا محسوس کیا، دونوں کے درمیان یہ تکلفات آپ ہی آپ در آئے تھے۔

''آئی ایم ساری طارق کہ میرے اس فیصلے نے آپ کو ہر سمت سے طعنوں اور بدگمانی کی زد پہ لا کھڑا کیا ہے، مجھے اس بات پہ بھی معذرت کرنی ہے کہ میں نے آپ کے ساتھ دیا دلی کی ہے مگر آپ بہت اعلیٰ ظرف ہیں آئی نو، آپ ہر بات کو سہہ لیں گے، یہی تو اعتماد تھا، مجھے آپ پہ بیا تھا تو میں آپ کو سمجھتی تھی جبھی تو اتنے مان سے آپ کو اپنا فیصلہ سنایا تھا، میں نے بہت کوشش کی تھی کہ پاپا اور سونیا کو ابھی حقیقت سے آگاہ نہ کروں مگر وہ لوگ اب چند دنوں میں نکاح کرنا چاہ رہے تھے مجھے مجبوراً ان کے علم میں یہ بات لانا پڑی۔'' وہ کہہ رہی تھی اور طارق شیرازی بس بہت خاموش نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

پریشے نے ایک نگاہ اس کی بے تحاشا سرخ آنکھوں کو دیکھا اور آہستگی سے بولی تھی۔

''رات آپ سوئے نہیں؟''

''تم بتاؤ تمہارا تو مجھ سے نیلی، جھک کر جھکت ہے نا۔'' وہ شکست خوردگی کے احساس سمیت ہنسا، پریشے کے لب باہم بھینچ گئے۔

''کوئی بات تو کریں پلیز۔'' وہ اس کی خاموشی پہ گھبرا کر بول پڑی اور طارق نے ایک طویل سانس کھینچ کر خود کو کمپوزڈ کیا تھا، پھر بہت آہستگی سے کہنے لگا۔

بتاؤ کیسا لگتا ہے کسی کو پا کے کھو دینا
کسی کے ساتھ تو چلنا مگر اس کا نہ ہو پانا
خود ہی کو کوستے رہنا مگر اس کا نہ کچھ کہنا
خودی گرنا سنبھلنا ہنسنا اور رو دینا

بتاؤ کیسا لگتا ہے خزاں کی سخت سردی میں
ہجر کی لمبی راتوں میں کسی کی یاد میں رونا

کسی کو سوچتے رہنا اور اپنی آنکھیں کھو دینا

''طارق پلیز!'' وہ رخ پھیر کر آنسو چھپانے لگی۔

''اگر آپ نے شکوہ کیا آپ نے وضاحت مانگی تو پریشے موم بن کر پگھل جائے گی۔''

''اوکے فائن۔'' وہ بہت آسانی سے اپنے اس حق سے بھی دستبردار ہو گیا۔

''سر بتا رہے تھے آپ جا رہے ہیں؟'' وہ کہہ رہی تھی اور طارق شیرازی اسے دیکھے گیا، اس کی آنکھوں میں پیاس تھی، ان خوبصورت ساحر آنکھوں کے گوشوں پہ نمی جھلک رہی تھی، پریشے کے دل کا درد بڑھنے لگا، اس نے نظریں چرا لیں اور طارق کے لبوں پہ شکستگی سے بھرپور مسکان بکھر گئی۔

☆☆☆

میرا سوچنا تیری ذات تک
میری گفتگو تیری بات تک
نہ تم ملو جو کبھی مجھے
میرا ڈھونڈنا تجھے پار تک
میں نے اپنا سب کچھ گنوا دیا
تیرے قربتوں سے پیار تک
کبھی کر سکیں جو تجھے
میری زندگی کے حصار تک
میں نے جانا کہ میں کچھ نہیں
تیرے پہلے سے تیرے بعد تک

اس نے آہستگی سے سیل فون رکھ دیا، اس کا نمبر ڈائل کرتیں اس کی انگلیاں تھک گئی تھیں مگر وہ کال ریسیو نہیں کرتا تھا اور یہ رات تو ویسے بھی اضطراب کی تھی، ماما رانیل کو ہاسپٹل لے کر گئی تھیں، جس کی طبیعت کل شام سے ہی خراب ہو گئی تھی، ماہ نور نے بھی جانا چاہا تھا مگر ماما نے ٹوک دیا تھا۔

''تم گھر پہ رکو بچوں کے ساتھ ورنہ مجھے فکر رہے گی۔''

بات تھی بھی درست، پوری رات گزر گئی تھی، مگر کوئی اطلاع نہیں تھی، اس کا دل تو اب گھبرانے لگا تھا اس گھبراہٹ کو دور کرنے کو اس نے طارق سے بات کرنا چاہی مگر......

(باقی آئندہ ماہ)

میرے ساحر سے کہو

ام مریم

بائیسویں قسط کا خلاصہ

شہریار کا دل آگاہوں اور احساس زیاں کے ہمراہ ریتلی دیوار کی طرح لمحہ لمحہ بکھرتا جارہا ہے وہ اپنے کیئے پہ بے حد نادم ہر پل رانئل کا متلاشی ہے۔

طارق شیراز زخمی ہو کر ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہوتا ہے پریشے جو ہمیشہ خود پہ اپنے جذبات پہ قابو پائے رکھتی ہے اس پل ضبط کے سارے بند ٹوٹتے محسوس کرتے طارق کے سامنے بکھری جاتی ہے طارق کو ایک بار پھر اس کی محبت کی گہرائیوں کا احساس ہوتا ہے طارق کے دل میں اس کے لئے قدر اور محبت کا احساس مزید گہرا ہونے لگتا ہے۔

ماہ نور، طارق کی وجہ سے پریشانی میں مبتلا ہے میں انہی لمحوں میں ضوبیا کا فون آتا ہے تو ماہ نور جذبات کی رو میں ضوبیا کو طارق کے ہاسپٹل ایڈمٹ ہونے کا بتا کر پریشان کر دیتی ہے، جس کے نتیجے میں طارق کے والدین اور بھائی بہن اسلام آباد اس کی رہائش گاہ پہنچ جاتے ہیں۔

اماں کا رویہ ماہ نور کے ساتھ ویسا ہی دل شکن ہے جس سے ماہ نور کا طارق کی طرف مائل دل پھر سرعت سے نفرت اور بغض سے لبریز ہونے لگتا ہے ایسے میں جب طارق تحفظ اسے پرکھنے کی خاطر اس کی جانب بڑھتا ہے وہ اسے اسی تنفر اتنی ہی حقارت سے پھر اسے جھٹک دیتی ہے اور طارق اپنے فیصلے میں مضبوط ہو جاتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

تئیسویں قسط

ساری رات گزر گئی تھی، مگر کوئی اطلاع نہیں آئی سیل فون اس کے پاس خاموش پڑا رہا، حالانکہ کئی بار غنودگی میں کئی بار اونگھ کے بعد اس نے چونک کے موبائل ضرور چیک کیا تھا، اس کی کمر رات بھر ایک ہی زاویے سے بیٹھے رہنے سے تختہ سی ہو رہی تھی، ماما نے اسے فون کرنے سے منع کیا تھا۔

"جب کوئی اطلاع دینی ہوگی ہم خود دیں گے تم بار بار ڈسٹرب نہ کرنا۔" ان کی خاص تاکید کے باوجود ماہ نور کا کئی بار دل مچلا بھی تھا مگر پھر خود کو ٹوک گئی تھی، بیٹھے بیٹھے ذرا سی نیم دراز ہو کے پیچھے سے سر ٹکایا تو زیر لب دعا مانگتے جانے کب وہ نیند کی وادی میں اتر گئی، دوبارہ اس وقت آنکھ کھلی جب برآمدے میں رکھے فون کی بیل زور دشور سے بج رہی تھی، وہ ہڑبڑا کر اٹھی، فضا میں فجر کی اذان کی پکار تھی، اس نے پہلے سر سے ڈھلکا آنچل درست کیا پھر سرعت سے لپک کر دروازہ کھول کر باہر آئی اور ریسور اٹھایا، دل بہت سے انجانے تفکرات سمیت دھڑکے جا رہا تھا۔

"ہیلو......" اس کی آواز بھی لڑکھڑا سی گئی تھی۔

"ہاں ماہ نور!" دوسری سمت ماما ہی تھیں اس نے گویا سانس تک روک لی۔

"مبارک ہو بیٹا! تم خالہ بن گئی ہو، بیٹا ہوا ہے آپریشن سے۔"

"رابعہ کیسی ہے ماما؟"

ماما کے لہجے کی تھکن میں بھی انوکھی سی خوشی تھی۔

"ٹھیک ہے اب تو اسے ہوش آنے والا ہے۔"

"اچھا، تھینک گاڈ!" وہ بے اختیار ریلیکس ہو کر ہنسی۔

"میں نے اس لئے بتایا کہ تم پریشان ہوگی، ایسا کرو طارق کو بھی فون کر کے بتا دو اور اس کے علاوہ سات آٹھ بجے طلحہ اور حنا کو ساتھ لے کر آ جانا رابعہ کے لئے سوپ وغیرہ اگر لانا ہوا تو میں تمہیں پھر فون کر کے بتا دوں گی۔" وہ خاصی عجلت میں لگ رہی تھیں، ماہ نور فون بند کر کے پلٹی تو حنا اور طلحہ آنکھوں میں ابھی نیند کا خمار لئے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"کس کا فون تھا آپا؟" سوال حنا کی طرف سے ہوا تھا وہ مسکرا دی تھی۔

"ماما کا ہاسپٹل سے، میری چھوٹی سی پیاری سی گڑیا خالہ بن گئی ہے، ایک ننھا سا گڈا کھیلنے کو دیا ہے اللہ نے آپ دونوں کو۔" اس نے خوشی سے بھرپور کھنکتے لہجے میں کہہ کر دونوں کو ایک ساتھ بانہوں میں بھر لیا، حنا کا چہرا چمک اٹھا جبکہ طلحہ کچھ جھینپ سا گیا تھا۔

"کیسا ہے آپا وہ؟" حنا کے لہجے میں اشتیاق سمٹا ہوا تھا۔

"ارے یہ تو میں نے ماما سے پوچھا ہی نہیں۔" وہ اپنی بے وقوفی پہ خجل ہو کر ہنسی تو طلحہ نے مدبر بن کر کہا تھا۔

"چلیں کوئی بات نہیں آپا! ہم اسے دیکھنے تو چلیں گے نا؟"

"ہاں کیوں نہیں ماما نے کہا ہے ہم ذرا ٹھہر کے ہاسپٹل آ جائیں، ایسا ہے کہ میں تم لوگوں کا ناشتہ تیار کرتی ہوں تم ذرا اپنے طارق بھائی کو کال کر کے یہ خوشی کی خبر سنا دو۔" وہ یہ بھاری ذمہ داری ان پہ ڈال کر خود باہر نکل گئی تھوڑی دیر بعد جب وضو کر کے اندر آئی تو دونوں ننھے مہمان کی باتیں کر رہے تھے۔

"آپا طارق بھائی اتنی جلدی کہاں جاگے ہوں گے؟"

"ہاں یہ تو ہے، تم لوگ ایسا کرو پہلے نماز پڑھ لو۔" اس نے جائے نماز بچھاتے مصروفیت کے عالم میں کہا اور نیت باندھ لی اور جب وہ پون گھنٹے بعد نماز اور کلام پاک کی تلاوت سے فارغ ہو کر کچن میں مصروف تھی تب حنا اس کے پاس آئی تھی۔

"ہم نے طارق بھائی کو بتا دیا ہے آپا!"

"اچھا! کیا کہہ رہے تھے؟" اس کے ہاتھ غیر محسوس انداز میں تھمے۔

"بہت خوش ہوئے سن کر پھر کہنے لگے نام کس نے رکھنا ہے اور کیا؟ اور جب میں نے کہا آپا سے بات کریں تو کہنے لگے خود کال کریں گے۔" حنا کی اگلی بات پہ اس کے مسکراتے ہونٹ سکڑ گئے، وہ ہاتھ کھینچ گئے تھے وہ حنا کے جانے کے بعد بھی گم صم کھڑی تھی۔

☆☆☆

ساتھ چلنے والے جب ساتھ چھوڑ جاتے ہیں
وقت تھم نہیں جاتا کوئی مر نہیں جاتا
کوئی مر بھی جائے تو زندگی نہیں رکتی
راستوں کو چلنا ہے راستے تو چلتے ہیں
یار دوست ملتے ہیں زخم ایسے سلتے ہیں
گرد گردشوں میں عمر کٹ ہی جاتی ہے
کچھ مسافروں کو بس منزلیں نہیں ملتیں

اس بڑی ساری وسیع و عریض حویلی میں وہ سارا دن بولائی ہوئی پھرا کرتی، ایک نگین آپا کی صورت کمک میسر تھا وہ بھی چلی گئیں، بلکہ اچھا کیا، ہاں، اگر کبھی مجھے پہلے ان کے پروگرام کا پتہ چل جاتا تو میں بھی بھاگ جاتی ان کے ساتھ ہی، اس حویلی کی غلام گردشوں میں روحوں کی طرح سے تو بھٹکتی ہوئی نہ پھرتی، اس نے سوچا اور سوچ کر منہ بسور لیا۔

حویلی کیا تھی محل تھا پورا، چمچاتے فرش، یہ بڑی بڑی کھڑکیاں اور در بچے اور اونچی اونچی چھتیں جس میں لٹکتے فانوس دیکھنے والوں کی توجہ کھینچ لیتے، سامان آرائش ایسا جس کی قیمت اس کی چمک کی زبانی معلوم ہوتی اور پھر ادا کے کمرہ خاص میں رکھی وہ چھوٹے بڑے سائز کی مورتیاں جو اس کول وسیع کے کمرے یا ہال میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پہ رکھی ہوئی تھیں، اللہ جھوٹ نہ بلوائے تو خاصی سے زیادہ بے ہودہ تھیں اور پوری حویلی میں ادا کے بعد یہ واحد چیز تھی جس سے وہ نظریں چرایا کرتی جس سے سامنے پسینا کواری محسوس کرتی۔

"توبہ ادا سائیں کیا بالکل ہی کافر ہیں؟ کتنی واہیات سوچ ہے ان کی۔"

وہ جب بھی زندگی کی یکسانیت سے گھبراتی تو پوری حویلی کے دورے پہ نکل کھڑی ہوتی، ہر بار اس کمرے میں آ کر وہ پھر کبھی نہ آنے کا تہیہ کرتی اور ہر بار بھول جاتی، پتہ نہیں اس کی فطرت میں تجرل اور ایڈونچر ہی بہت زیادہ تھا یا وہ زوحا کی طرح سے ڈل اور بزدل نہیں تھی، اب وہ گیلری میں چلی آئی تھی جہاں دھوپ رینگتی ہوئی دیوار پہ چڑھتی رخصتی کے مرحلے میں تھی، یہاں آ کر اسے عموماً وقت کا احساس مٹ جاتا تھا، اس گیلری کی دونوں طرف کی دیواروں پہ اس حویلی کا ماضی اور ماضی کا ماضی فریموں میں جکڑا محفوظ تھا، کالی سفید فوٹو گراف جو وقت گزرنے کے ساتھ پیلی پیلی اور دھوپ میں الٹی لگتی ایک گروپ فوٹو اس کی نگاہ کے عین سامنے تھا، وہ بے اختیار مسکرائی۔

کیمرے کا فوکس اتنا بڑا نہیں تھا جتنے لوگوں نے اس میں سمانے کی کوشش کی تھی، کھڑے لوگ کرسیوں پر بیٹھے فرش پر براجمان، جیسی اس دور میں سب کی تصویریں ہوا کرتی تھیں، تمام مرد حضرات گھٹنوں پر ہاتھ رکھے اکڑی ہوئی کمر کے ساتھ تن کر بیٹھے کیمرے کی آنکھ میں دم بخود دیکھ رہے تھے جبکہ سب خواتین کیمرے سے یا شاید کیمرہ والے سے بہت شرما رہی تھیں، سب کے سروں پہ دوپٹے تھے اور ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ کی مٹھیاں، تصویر میں موجود سے افراد جیسے شدید تناؤ کے عالم میں تھے کسی کے چہرے پہ بھولی بسری مسکراہٹ بھی نہیں تھی۔

شاید اس دور میں مسکرانا کوئی معیوب عمل سمجھا جاتا ہوگا۔

چند سال قبل جب آغا بھی ان کے ساتھ کھڑا ہو کر یہ تصویریں محویت کے عالم میں دیکھتا تو ساتھ رواں کمنٹری بھی کیے جاتا اور وہ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوتے جاتی، جبکہ وہ اس کی ہنسی پہ دھیان دیے بغیر اسی سنجیدگی سے مزید چٹکلا چھوڑتا۔

”یہ دیکھو نا؟ یہ سلطان شاہ صاحب یعنی ہمارے پاپا! جو اس وقت شاید ایک سال کے ہوں گے کیسے زار و قطار رو رہے ہیں اور اپنے دادا یعنی ہمارے پردادا کے گھٹنے سے اچھل کر وہ اس شیطانی چرخے (کیمرے) کی نگہ جادو کاریوں سے بچ نکلنا چاہ رہے ہوں گے۔“ وہ زور زور سے قہقہے لگاتا اور مختلف دادوں، چچاؤں اور ماموؤں سب کی اولاد کے گروپ فوٹوز کو بغور دیکھتے رہنے کے بعد وہ اچانک اسے مخاطب کر لیا کرتی۔

”آغا دیکھو ذرا غور سے دیکھو ان تصویروں کی آنکھوں میں، دیکھو صاف لگتا ہے یہ مرے ہوئے لوگ ہیں۔“ اور جواباً وہ مسکراہٹ ضبط کیے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا اس کی تصویروں کے پاس لا کھڑا کرنے کے بعد معصوم سی شکل بنا کر کہتا تھا۔

”ہاں صحیح کہتی ہو، صاف لگتا ہے یہ مرے ہوئے لوگ ہیں۔“ اور وہ اتنا چڑتی اتنا چڑتی کہ اسے مارنے کو اس کے پیچھے دوڑتی مگر وہ اس کے ہاتھ بھلا کہاں آیا کرتا تھا، پوری حویلی کا چکر لگوا کر اس کا سانس پھلا دیتا اور ایسے میں اگر تایا سائیں یا ابا نظر آ جاتے تو اسے بے دریغ ڈانٹ پڑا کرتی آغا کو البتہ کچھ نہیں کہا جاتا تھا، وہ حویلی کا لاڈلا سپوت جو تھا، جس کی ہمیشہ سے بے حد اہمیت تھی، وہ بھی تو اس بات کو لے کر بے حد افسردہ ہوتی اور کبھی آغا جیسے بھائی کو لے کر فخر سے گردن تان کر تمکین سے کہا کرتی۔

”میرا بھائی ہے آغا! اتنا ہینڈسم جیسے انگریزی فلموں کا ہیرو، ایک تمہارے ابا ہیں، دونوں ہی پنجابی فلموں کے ولن جیسے ہیں بلکہ نہیں پنجابی فلموں کے ہیرو سے بھی ملایا جا سکتا ہے جیسے سلطان راہی جیسے علی اعجاز۔“ وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر پرانی فلموں کے خرافات کردار ڈھونڈ کر اس کے آگے رکھتی اور پھر بھرپور شرارتی انداز میں آغا کی طرح اونچے اونچے قہقہے لگایا کرتی، پھر پتہ نہیں کیا ہوا؟ سب کچھ ہی بدل گیا، پاپا تو کبھی لوٹ کر آئے ہی نہ تھے، ماما بھی بیمار ہوئے بغیر ہی جھٹ پٹ عدم سدھار گئیں اور آغا، وہ ان کا خیال کیے بغیر ہی ایسا شہر گیا کہ پھر کبھی لوٹ کر آیا ہی نہیں حالانکہ پہلے بھی کہاں وہ حویلی رہتا تھا، وہ شروع سے ہی تعلیم کے سلسلے میں شہروں میں رہا تھا، مگر آنا جانا تو تھا جو پھر بعد میں چھوٹ کر رہ گیا اور وہ بھی ہوئی لڑکیاں تنگ چہروں والے سخت پردے تایا سائیں اور ابا کے رحم و کرم پہ رہ گئیں اور جن دنوں آپا آپی کی موت کے واقعات کے بعد تمکین بھی حویلی چھوڑ کر چلی گئی تھی، ان دنوں انہیں تایا سائیں سے کتنا ڈر لگنے لگا تھا، پھر دونوں بڑی آپاؤں کے کمرے

جہاں بقول زوہا کے بند دروازوں کے باوجود جیسے آہیں اور سسکیاں اور چیخیں بند دریچوں سے نکل کر آسیب کی طرح پھیلی محسوس ہوتی تھیں۔

☆☆☆

کبھی مہربان تھا تو کبھی انجان تھا
وہ میرا وہم تھا یا گمان تھا
دے کر زخم وہ مرہم رکھتا تھا
بن رہا تھا یا پھر واقعی نادان تھا
مجھ سے بچھڑ گیا تھا وہ اک شام
وہ شخص جو میری پہچان تھا
کاش وہ مجھے مل جاتا زندگی میں
دل کو اس بات کا ارمان تھا
خدا تو چاہے تو پھول بھی جاتا
افسوس جس کو چاہا وہ انسان تھا

ماہ نور نے اپنے آنسو چھپانے کی غرض سے جھک کر ایزد کو پیار کیا تھا، اس وقت سیل فون ماما کے پاس تھا دوسری سمت طارق شیرازی لائن پہ تھا، ماما بہت خوشگوار موڈ میں اس سے محو گفتگو تھیں، راحیل کے بیٹے کو پا کر وہ یوں سرشار تھیں جیسے اپنی اولاد سے انہیں یہ خوشی ملی ہو، پتہ نہیں یہ کیسا احساس اندر سے محرومی بن کر اٹھا تھا جس نے اس کی آنکھوں کے گوشوں کو نم کر دیا تھا، طارق نے فون پر خوشدلی سے بات کی ماسوائے ماہ نور کے اب وہ راحیل کو وش کر رہا تھا اور وہ فقاہت کے باوجود خوشدلی سے مسکرا دی تھی دونوں کی نگاہیں مل گئیں، ماہ نور نے فوراً نظر جھکالی، راحیل نے تاسف سے اسے دیکھا تھا پھر طارق سے مخاطب ہوئی تب بھی اس کی نظروں کا مرکز ماہ نور ہی تھی۔

”آپ بتایئے بھائی! میرے بیٹے کو دیکھنے یہاں کب آ رہے ہیں؟“ دوسری جانب جانے طارق نے کیا کہا تھا کہ راحیل ہنستی چلی گئی تھی۔

”یہ تو فاؤل ہے نا، سیل فون کے ذریعے ایس ایم ایس کر دوں اپنے بیٹے کی تصویر تاکہ آپ اس کی منہ دکھائی کا تحفہ بھیج سکیں؟ آپ کو آنا پڑے گا بھائی، اس لئے کہ آپ نے ہماری بابا کو اپنے ساتھ رکھ کر اس کی عادتیں بگاڑ دی ہیں، قسم سے اس کا اب ہمارے پاس تو دل ہی نہیں لگتا، جب دیکھو اداس، کم صم یہ کیا کر دیا ہے آپ نے اسے؟“ ماہ نور نے ہونقلا کر اسے گھورا تھا مگر وہ اس کی گھوری کو خاطر میں نہیں لائی اور مزید ایسی ہی باتیں کرتی رہی تو ماہ نور ایزد کو ماما کی گود میں ڈال کر خود باہر نکل گئی، برآمدے کے پلر سے ٹیک لگائے وہ اپنے اندر اترتی یاسیت کو گہرا ہوتا محسوس کر رہی تھی جب حنا سیل فون لئے اس کے پاس آ گئی تھی۔

”آپا طارق بھائی سے بات کر لیں۔“ اس نے بہت حیرانگی کی نگاہ سے حنا کے ہاتھ میں موجود سیل فون کو دیکھا پھر اس خاموشی سے فون لے لیا۔

”السلام علیکم!“ اس نے بہت جھجکتے ہوئے سلامتی بھیجی۔

”وعلیکم السلام!“ طارق نے جیسے جبراً کہا اور خاموش ہو گیا، وہ بھی خاموش تھی، شاید دونوں ہی اپنی اپنی طرف سے دوسرے کی بات کے منتظر تھے، پھر ماہ نور نے ہی یہ خاموشی توڑی تھی۔

"کیسے ہیں آپ؟"
"الحمدللہ۔"
"اور پریشے؟" اس نے اپنا ضبط آزما لیا اور دماغ کی تمام رگیں تن کر ٹوٹنے کے قریب جا پہنچیں۔
"وہ بھی ٹھیک ہے۔" پتہ نہیں وہ اتنا خفا تھا کہ خود سے کوئی بات نہیں کر رہا تھا یا پھر اتنا اعلیٰ ظرف تھا کہ اس وجہ خفگی کے باوجود اس کی ہر بات کا تحمل سے جواب دے رہا تھا، وہ کسی بھی ایک سوچ پہ ٹھہر نہ پائی۔
"شادی کرلی آپ نے؟"
دوسری سمت پہلے خاموشی چھائی پھر رابطہ کاٹ دیا گیا، ماہ نور نے ضبط کی طنابیں ٹوٹتی محسوس کی تھیں اس نے ہونٹ سختی سے کاٹتے ہوئے آنکھوں میں اترتی نمی کو روکنے کی سعی کی تھی مگر آنسو بہتے چلے گئے تھے۔

☆☆☆

جستجو جس کی تھی اس کو تو نہ پایا ہم نے
اس بہانے سے مگر دیکھ لی دنیا ہم نے
کب ملی کہاں بچھڑی ہمیں یاد نہیں
زندگی تجھ کو تو فقط خواب میں دیکھا ہم نے
اے ادا اور سنائیں بھی تو کیا حال اپنا
ریت کا لمبا سفر طے کیا تنہا ہم نے

سلطان شاہ نے ایک تھکی ماندی طویل سانس کھینچی اور کھڑکی سے ہٹ گئے، باہر ہر سو کہر کا راج تھا، درخت، عمارتیں، سڑکیں ہر شے پہ برف کی سفید چادر تن چکی تھی، رات بھر ہونے والی برف باری سے سردی کی شدت میں بے پناہ اضافہ ہوا تھا، انہوں نے پہلے سگریٹ سلگا کر گہرے گہرے کش لئے پھر الیکٹرک کیتل پہ کافی بنانے کے لئے پانی کو رکھا اور خود پلٹ کر کیبنٹ سے کافی کا جار نکالنے لگے، پانچ منٹ میں کافی تیار کر کے واپس بیڈ روم میں آئے تو سامنے فریم میں ان کی شادی کی تصویر آج بھی اسی اہتمام اور شان سے دیوار پہ نصب تھی جیسے کہ انہوں نے اسے پہلے دن انلارج کروا کے لگایا تھا، بلیک ٹو پیس میں بھرپور مردانہ وجاہتوں کے ساتھ وہ خود اور پنک غرارے میں ملبوس کندن کے جڑاؤ زیورات پہنے تھی ستوری سائرہ!
"گاؤں جاتے ہیں تو یہ کیوں بھول جاتے ہیں سلطان کہ پیچھے بھی کسی کو انتظار میں سلگتا چھوڑا ہوا ہے۔" کال بیل کے جواب میں دروازہ وا کرنے والی وہی تھی اور لڑنے کے زبردست موڈ کے ساتھ، وہ اچھا خاصا گڑبڑا گئے تھے۔
"اُفوہ یار آتے ہی لڑائی مجھے اندر تو آنے دو۔" انہوں نے اس کا ننھا سا ناک دبا کر اپنی کوتاہی پہ پردہ ڈالنا چاہا تو وہ تلملا کر بولی تھی۔
"جی تو چاہ رہا ہے کہیں سے لوٹا دوں، کبھی کبھار تو مجھے لگتا ہے سلطان شاہ آپ نے گاؤں میں بھی ایک شادی کر رکھی ہے۔" وہ اپنا خدشہ ظاہر کرتی اور وہ سخت بدمزا ہو جاتے۔
"لاحول ولاقوۃ بیوی کبھی کوئی ڈھنگ کا شک بھی کر لیا کرو، یہ تو بہرحال میں بھی جانتا ہوں

کہ اگر کبھی بھولے سے بھی میں نے ایسی کوئی حرکت کی نا تو تم یہ بھلا دو گی میں تمہارا کتنا محبوب شوہر ہوں۔" انہوں نے اس کی کہی بات ذرا سے ردوبدل کے ساتھ دہرائی تو اس کی کھنک دار ہنسی ان کی مسکراہٹ کو گہرا کر گئی تھی۔
"اچھا بتاؤ، آغا اور ماہا کدھر ہیں؟" انہوں نے بچوں کے متعلق استفسار کیا تب ماہ نور تین سال کی جبکہ آغا چھ سال کا ہو چکا تھا۔
"آپ کا انتظار کر کر کے ابھی سوئے ہیں، آغا تو ضد میں آج اسکول بھی نہیں گیا، کہہ رہا تھا بابا نہیں ہیں تو مجھ سے واک کر کے اسکول نہیں جایا جاتا، حالانکہ اسکول ہے کتنی دور، مگر یہ نا جاگیرداروں کی کاہل پسند اولاد، محترم خاصے نازک مزاج رکھتے ہیں۔"
سائرہ کے لہجے میں بیٹے کے لئے بے پناہ ہی پیار تھا، سلطان شاہ مسکرا دیئے تھے اور رات کا کھانا کھا کر جب کچن کے تمام کاموں سے فراغت پانے کے بعد جب سائرہ، ماہ نور کو بانہوں میں لئے ان کے برابر آ کے لیٹی تو سلطان شاہ آغا کے ریشمی بالوں والے سر پہ چہرا ٹکائے کسی گہری سوچ میں تھے، اتنی گہری سوچ میں کہ اس کا اپنے پہلو میں آ جانا بھی محسوس نہ کر پائے حالانکہ اس سے قبل وہ ہمیشہ اس کے منتظر رہا کرتے تھے، اسے بار بار کام چھوڑنا پڑتا۔
"رہنے دو یار پھر کر لینا، ابھی بس میرے پاس بیٹھو۔" یہ ان کا مخصوص ڈائیلاگ تھا جس سے سائرہ تو اکثر چڑا کرتی۔
"حد کرتے ہیں شاہ آپ بھی، سات سال ہونے والے ہیں ہماری شادی کو دو بچے بھی ہو گئے مگر آپ کی دیوانگی کا وہی عالم۔"
"ہاں تو کیا ہوا ہم بوڑھے تو نہیں ہو گئے اور میری زہرہ جبیں تو ابھی تک ہے حسین اور میری جان۔" وہ چڑانا چاہتے ہوئے اسے اور چڑایا کرتے اور وہ جھینپ کر رہ جاتی مگر بظاہر خجل کرتی۔
"مجھے تو لگتا ہے آپ بوڑھے ہو کر بھی ایسے ہی عاشق مزاج رہیں گے۔"
"شاہ!" سائرہ نے انہیں یونہی بے خبر اور گم صم پا کر بے ساختہ پکار لیا، وہ جب سے آئے تھے ایسے ہی الجھے ہوئے پریشان تھے اس کے استفسار پہ ٹال گئے تھے مگر اب وہ ٹلنے والی نہیں تھی۔
"کیا بات ہے؟ آپ پریشان ہیں؟"
"نہ بالکل نہیں۔" وہ فی الفور سنبھلے مگر سائرہ نے منہ پھلا لیا تھا۔
"نہ بتائیں تو آپ کی مرضی ورنہ بات کوئی ہے ضرور۔" اور سلطان شاہ اسے دیکھ کر رہ گئے۔
"بھائی صاحب نے کوئی مسئلہ تو کھڑا نہیں کر دیا؟ کہیں انہیں ہماری شادی کا تو پتہ نہیں چل گیا؟" وہ ہراساں ہی سوال کرنے لگی۔
"ایسی بات نہیں ہے سائرہ!"
"پھر کیا بات ہے؟ آپ ایسے کیوں ہو رہے ہیں؟" وہ چڑ گئی تھی جرح پہ اتر آئی۔
"کیا ہو رہا ہوں بتاؤ، یار رومینس کروں تب بھی تم راضی نہیں رہتی ہو اب تحمل سے بیٹھا رہا ہوں تمہیں تب بھی تشویش لاحق ہو رہی ہے، آخر تم کیسے خوش ہو گی؟" اور سائرہ اتنا جھینپی تھی اتنی خفت زدہ ہوئی تھی کہ ان کے کاندھے پہ مکے مارنے لگی تھی۔
"بہت بدتمیز ہیں آپ؟"
اسے تو انہوں نے بہلا لیا تھا مگر خود بہت ڈسٹرب رہے تھے، تو جہ یہی تھی کہ ادا سائیں نے

ان کی ایک بھی سنے بغیر سمیعہ سے ان کا نکاح کروا کے دم لیا تھا، سمیعہ ان کے چاچا کی اکلوتی بیٹی تھی، ساری جائیدادوں جاگیروں کی تنہا وارث اور ادا سائیں یہ سارا مال ہاتھ سے نکلتا ہوا کیسے برداشت کر لیتے، حالانکہ سلطان شاہ نے کتنے ہاتھ پیر مارے تھے مگر ایک بھی جو چلی ہو اور انہوں نے محض ایک بات کہہ کر ان کے حواس سلب کر لئے تھے۔

''تم کیا سمجھتے ہو سلطان شاہ ہم تمہاری شہر میں اڑائی جانے والی عیاشیوں سے بے خبر ہیں؟ ارے یہ تو جوانی کی غلطیاں ہیں جو تم کرتے پھر رہے ہو، یہ سمیعہ ہی تمہاری اصل بیوی ہوگی۔''

اور وہ جو اپنے تئیں سمجھ بیٹھے تھے ادا سائیں بے خبر ہیں اتنے خائف ہوئے تھے کہ ان کی بات مان لی تھی، پھر وہ صرف ایک رات سمیعہ کے ساتھ گزار کر واپس آ گئے تھے، مگر اس طرح کہ سائرہ کے ساتھ کی گئی یہ زیادتی انہیں بے چین کر رہی تھی، پھر یہ بھی جانتے تھے کہ وہ محبتوں کے معاملے میں کتنی شدت پسند اور ضدی سوچ رکھتی ہے، یکن جان کرنے والی ان سے محبت کی تھی تو انہیں پانے کو اپنا سب کچھ داؤ پہ لگا کر ان کے ساتھ چلی آئی تھی اور سات سالوں میں ایک بار بھی جو پلٹ کے واپس دیکھا ہو، اب اگر اسے ان کی دوسری شادی کا پتہ چل جاتا تو طوفان آ جانا تھا اور کیا طوفان نہیں آیا تھا؟

شادی کے اگلے سال ہی سمیعہ نے دو جڑواں بچیوں کو جنم دیا تھا، سلطان اپنی پہلی بے اختیاری پہ بہت اتنے خفت زدہ تھے کہ پھر حویلی تو جاتے رہے مگر سمیعہ سے کوسوں دور بھاگتے ہوئے، سمیعہ جیسی بھی صابر و شاکر اور شرم و حیا کا پیکر تھیں مگر اپنی اس حق تلفی پہ اندر ہی اندر کڑھتی رہتیں، پھر مزید چار سال ایسے ہی گھٹ گھٹ کے گزر گئے اور سائرہ کسی بھی بات سے باخبر نہ ہو سکی اور طلحہ نے آ کر ان کی زندگی کو مزید خوبصورت بنا دیا۔

یہ ان ہی دنوں کی بات تھی جب سمیعہ جیسی صبر و استقامت کی تصویر اور وفا شعار عورت کا گھریلو معاملے پہ جٹھانی سے جھگڑا ہوا اور غم و غصے کی شدتوں میں وہ اپنا خلوت۔ کا یہ راز عیاں کر گئیں، جو ان کے اور سلطان شاہ کے سوا صرف اللہ کے علم میں ہی تھا، وہ تو اس انکشاف پہ ششدر رہ گئی تھیں، اسی رات دیورانی سے تمام اختلافات بھلائے انہوں نے سلطان شاہ کی یہ زیادتی شوہر کے گوش گزار کی اور وہ جو سنتے ہی بپھر اٹھے تھے اور اگلے ہی دن فون کر کے چھوٹے بیٹے کو بلوا لیا، سلطان شاہ ادا سائیں کی عدالت میں پہلے تو خفت زدہ ہوئے پھر خائف ہوئے بنا اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''سوری ادا سائیں میں سائرہ کے علاوہ کسی اور عورت کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتا، میں مانتا ہوں میں نے سمیعہ کے ساتھ ناانصافی کی کسی کے حقوق کو سلب کرنا ناانصافی ہی ہے، اگر آپ کہیں تو میں اسے طلاق.....'' ان کی بات ادھوری رہ گئی ادا سائیں کی دھاڑ نے ان کی آواز کو دبا لیا تھا۔

''کسے؟ طلاق تم سمیعہ کو نہیں اسے دو گے جسے تم نے شہر میں اپنی داشتہ بنا کے رکھا ہوا ہے۔''

''ادا سائیں!'' وہ ان کی غراہٹ پہ بپھر کر چلائے تھے مگر ادا سائیں نے جیسے ان کا بپھرنا خاطر میں نہیں لایا۔

''تم ابھی اور اسی وقت سلطان شاہ اس واہیات بازاری عورت کو طلاق دو گے ورنہ جو کچھ میں کروں گا وہ تم سے برداشت نہیں ہوگا۔''

''کیا کریں گے آپ؟ سن لیں ادا سائیں میں آپ سے ڈرتا نہیں ہوں۔'' انہوں نے درشتی

سے کہا تھا اور غصے میں وہاں سے چلے آئے تھے اور یہیں ان سے گویا بہت بڑی حماقت سرزد ہوئی تھی اور وہ ساری عمر پچھتائے تھے، حالانکہ واپس آ کے انہوں نے مناسب الفاظ میں سائرہ کو ساری بات بھی بتا دی تھی اور وہ ان سے خفا بھی ہوئی تھی اور انہیں یقین تھا کہ وہ اسے منا لیں گے مگر ان کا یہ یقین اگلے ہی دن شدید قسم کی دہشت کا روپ دھار گیا تھا، جب آفس سے واپسی پہ انہوں نے اپنے گھر کو جل کر خاکستر ہوتے دیکھا تھا تو حواس کھو گئے تھے، چھ ماہ تک وہ اس صدمے سے باہر نہیں نکل سکے، ادا سائیں نے ہی ان کا علاج کروایا تھا، وہ ٹھیک تو ہو گئے مگر بیوی بچوں کا زندہ آگ میں جل رہنے کا ادا سائیں کا انتقام انہیں ادا سے شدید نفرت میں مبتلا کر گیا تھا، وہ شاید بھی یقین نہ کرتے اگر جو ادا سائیں خود اپنے اس سفاکانہ عمل کا اعتراف نہ کرتے۔

''یہ ایک بیٹا تھا نا تمہارا؟ دیکھ لو بچا لیا ہم نے باقی بیٹیاں تھیں تم نے کیا کرنی تھیں؟ دو ہیں نا۔'' انہوں نے ہراساں بچے سے آغا کو سامنے کرکے کہا تھا، انہیں ادا سائیں سے ایسی گھن آئی تھی کہ ہمیشہ کے لئے حویلی کو چھوڑ گئے اور ایسا کرتے ہوئے انہیں ایک بار بھی آغا کا خیال نہیں آیا تھا، اس کے بعد وہ سائرہ کی یادوں سے چھٹکارا پانے کو وہ ملک بھی چھوڑ گئے، ایک خوبصورت آشیانہ بکھر گیا بربادی کے آثار چھوڑ کر، بھلا جگہیں بدلنے سے یادیں بھی دامن چھوڑ جایا کرتی ہیں، ان کا بسیرا تو دل و ذہن میں ہوتا ہے، وہاں تو آج بھی ان کا قبضہ تھا، انہوں نے گہرا سانس کھینچا اور اپنے سرد ہوتے وجود کو ڈھیلا چھوڑ دیا، اس تصویر کو دیکھتے وہ ایک بار پھر ماضی کا سفر طے کر آئے تھے، اب پھر کتنے ہی دن انہیں نڈھال رہنا تھا، معاً وہ چونک گئے۔

''آغا!'' ان کے ہونٹ ایک بھولے بسرے تصور کے ساتھ پھڑ پھڑائے۔

آج انہیں چند دو سیلہ سالوں کے بعد اس کا خیال تڑپا گیا تھا، وہ مضطرب سے ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''مجھے واپس جانا ہے، کسی اور کی خاطر نہ بھی سہی آغا کی خاطر ورنہ شاید سائرہ مجھے کبھی معاف نہ کرے۔''

☆☆☆

رائیل نے ابھی پچھلے ہفتے ہی چلہ نہایا تھا، گل گوتھنا سا ایزی سارا دن سارے گھر کے افراد کی توجہ کا مرکز بنا رہتا، وہ اتنا خوبصورت اور پیارا تھا کہ ماہ نور تو اس کے گال چوم چوم کر سرخ کر ڈالتی مگر جی پھر بھی نہ بھرتا۔

''ہائے اللہ! یہ اتنا پیارا پتہ نہیں کیوں لگتا ہے؟'' وہ اسے گدگداتے ہوئے کہتی۔

''میرا بیٹا ہے نا اس لئے۔'' رائیل گردن اکڑا کر کہتے سارا کریڈٹ لے لیتی۔

''رائیل بیٹا! ایزد کے سارے کپڑے بھاری ہیں بھلا ماہ نور کو کیا پتہ تھا گرمیوں میں ایسے کپڑے پہنائے جاتے ہیں اتنے چھوٹے بچے کو، تم ایسا کرو مجھے بچوں لان والی کے کٹ پیس لانے کا یاد کرانا اور کچھ سلیولیس ریڈی میڈ گرمیاں آسانی سے نکل جائیں گی، بلکہ آج ہی لے آتی ہوں یہ نزدیک ہی تو مارکیٹ ہے۔'' ماما ایزد کو نہلا کر پاؤڈر لگاتے ہوئے کہہ رہی تھیں، رائیل نے سر کو اثبات میں ہلا دیا، مگر شام ڈھلنے تک ان کا بی پی کچھ شوٹ کر گیا تھا، رائیل نے انہیں مہلت لے کر سونے کی تاکید کی تھی۔

''چلو میں لے آتی ہوں تم ذرا ایزی کو سنبھال لینا۔'' اس نے سبزی بناتی ماہ نور سے کہا اور

اندر سے چادر اور پرس لینے چلی گئی، ایزی نے جو اسی وقت بھی شرٹ پہن رکھی تھی وہ خاصے گرم کپڑے کی تھی۔

"ٹھہر جاؤ بیا اطلو کو آ جانے دو پھر اسے ساتھ لے جانا۔" ماہ نور اس کے اکیلے جانے پہ متامل تھی۔

"ارے بھئی وہ تو شام ڈھلے آئے گا، پھر نا تم کہاں ہوگا جانے کا تم فکر نہ کرو جلدی آ جاؤں گی، بچی تھوڑی ہی ہوں اب تو ایک بیٹے کی ماں بن کر سگھڑ خاتون کے مرتبے پہ بھی فائز ہو چکی۔" اس کے مسکرا کر کہنے پہ ماہ نور نے کاندھے اچکا دیے تھے۔

☆☆☆

چا اشتیاق عشق تو کر دا ایں
کدی عشق دا محل کھول تے سہی
تینوں مٹی دے وچ نہ رول دیوے
دو چار دے بول بول تے سہی
سکھ گھٹ تے درد ہزار ملن
کدی عشق نوں تکڑی تول تے سہی
تیری ہسدی اکھ وی بھج جاوے
کدی ساہنوں اندروں پھول تے سہی

پریشے لان میں جھولے پہ بیٹھی تھی ڈھلتی ہوئی شام کے خوبصورت رنگوں میں کھوئی تھی جب اس کا سیل فون گنگنایا اس نے دیکھا روشن ہوئی اسکرین پہ چندا کے نمبر میں دیا بند لفافہ اسکرین پہ لہرا رہا تھا اس نے گہرا سانس بھر کے میسج کھولا اور نظم پڑھ کر بھیجنے والے کا نام دیکھنے کی ضرورت باقی نہ رہی تھی اس نے لب بھینچے اور سیل فون سائیڈ پہ رکھ دیا تبھی سونیا اندرونی حصے سے نکل کر اسی سمت آ گئی۔

ہو سکے تو میرا ایک کام کرو
شام کا ایک پہر میرے نام کرو

وہ گنگنائی اور دھپ سے اس کے مقابل بیٹھ گئی، پریشے کے اداس پر سوز سے چہرے پہ ایک دھیمی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"تو ختم ہو گئی تمہاری ناراضگی۔"

"ہر کوئی تمہاری طرح تھوڑا اور بے حس نہیں ہوتا ہے پری۔" سونیا نے ایک شاکی نگاہ اس پہ ڈال کر جتانا ضروری خیال کیا، پھر اسے تھکا تھکا سانس بھر کے سر جھکاتے دیکھ کر آہستگی سے بولی تھی۔

"ویسے طارق کے ساتھ بہت زیادتی نہیں کر رہی ہے تم نے؟ رئیلی مجھے تو بہت ترس آیا بیچارے پہ تم تو بہت نازک تھیں پری، پھر اتنا بڑا فیصلہ؟"

"میں بہادر نہیں تھی سونی، میں بے حس اور خود غرض بھی نہیں تھی، مجھے ماہ نور کے آشیانے کو اجاڑ کے اپنا گھر نہیں بنانا تھا، چاہے یہ کتنا ہی عارضی اور وقتی ہوتا، مگر میرا ضمیر مجھے اس کی اجازت نہیں دے رہا تھا جو ظلم تم نے سوسو پہ نہیں کیا خود پہ کر ڈالا، یہ زیادتی نہیں ہے؟" سونیا کا طیش ایک

بھر بھر اُمڈ آیا تھا۔

"میں نے ایک قربانی دی ہے سونی میرے جذبے کو بے شک نہ سراہو مگر پلیز مجھے ملامت بھی مت کرو، اپنی چند روزہ خوشی کی خاطر میں ماہ نور کے دل میں طارق کے لئے عمر بھر کی ایک شکایت ایک شکوہ نہیں رکھنا چاہتی مجھے ماہ نور سے بھی زیادہ طارق کا خیال دامن گیر رہا ہے، سونی وہ شخص جو ساری دنیا میں میرے لئے سب سے خاص ہے میں اس کے دل میں اپنی محبت پھر جدائی کے زخم کو نہیں رکھنا چاہتی۔"

"اور تم کیا سمجھتی ہو پریشے! اب طارق کے دل میں کوئی رنج و ملال نہیں؟ شناسائی کے لئے وہ جنہیں درکار ہو سکتی ہیں مگر محبت تو ایک لمحے میں بھی صدیوں کا سفر طے کر سکتی ہے، اگر میں کہوں تم نے صرف خود پہ ہی نہیں میجر پہ بھی بہت ظلم کر ڈالا ہے تو؟ مجھے لگ رہا ہے پری، وہ شوخ و شنگ اور زندگی کے احساس سے بھرپور طارق تمہارے اس احمقانہ فیصلے کی بھینٹ چڑھ گیا ہے، میں مانتی ہوں کہ کسی کو کھو کے کوئی مر نہیں جاتا مگر جینے کا انداز وہ پہلے سا بھی تو نہیں رہتا، طارق کی زندگی میں رنگ تم نے بھرے تھے پری اور اب وہ رنگ تم نے ہی نوچ بھی لئے ہیں اور اب بھی کھل کر مسکرا نہیں سکے گا۔" اس کے لہجے میں اتنا یقین اتنا اعتماد تھا کہ پریشے نے بہت متوحش ہو کے اسے دیکھا تھا۔

"تم نے اس کے ملنے پہ بھی پابندی لگا دی، پری جتنی دیر تم یہاں ہو اتنی دیر تو..... پلیز اپنی خاطر نہ سہی اس کی خاطر سہی، تمہیں ایسا ضرور کرنا چاہیے۔" وہ اٹھ کر چلی گئی مگر پریشے نے جیسے اس کی باقی باتیں تو سنی ہی نہیں تھیں، اس کے ذہن میں تو بس ایک ہی جملے کی بازگشت تھی۔

وہ اب بھی کھل کر مسکرا نہیں سکے گا۔

چا اشتیاق عشق تو کر دا ایں
کدی عشق دا محل کھول تے سہی
تیری ہسدی اکھ وی بھج جاوے
کدی ساہنوں اندروں پھول تے سہی

اسے لگا تھا طارق کی شاکی نظریں اس کا حصار باندھے ہوئے ہیں، آنسو قطرہ قطرہ اس کی آنکھوں سے گرنے لگے۔

☆☆☆

سنا ہے اس محبت میں بہت نقصان ہوتا ہے
مہکتا چہکتا جیون دکھوں کے نام ہوتا ہے
سنا ہے چین کھو کر وہ صبح و شام روتا ہے
محبت جو بھی کرتا ہے بہت بدنام ہوتا ہے
سنا ہے اس محبت میں کہیں بھی دل نہیں لگتا
بتا اس کے نگاہوں کو کوئی موسم نہیں جچتا
خفا جس سے محبت ہو وہ جیون بھر نہیں ہنستا
بہت انمول ہے وہ دل اجڑ کے پھر کہاں بستا

ڈس پوزیبل مگ میں کافی لے کر وہ اپنے دھیان میں پلٹا اور سنبھلتے سنبھلتے بھی اچانک پیچھے آ

کر کھڑی ہو جانے والی لڑکی سے ٹکرانے سے بچ نہ سکا، اس کو ہاتھ جھٹکا لگنے سے کافی کا مگ چھلکا اور اس لڑکی کی آف وائٹ بے داغ چادر کو داغدار کرتا چلا گیا۔

"او... اوہ سوری، ویری سوری۔" بے اختیار گھبراتے ہوئے اس کے منہ سے نکلا اور سامنے کھڑی رینبل ایسی بے بسی کی تصویر تھی کہ جواب میں اٹس او کے یا آل رائٹ بھی نہ کہہ سکی کہ یہاں اس کے خیال میں یہ سچویشن نہیں رہی تھی۔

"آپ واش کر لیں پلیز۔" وقاص نے عجلت سے بھرپور نظر اٹھائی اور صحیح معنوں میں پتھر کے مجسمے میں ڈھل گیا۔

"کیا واش کر لوں؟" وہ کافی جلا کر بولی گرم کافی کی تھوڑی جلن تو پہنچی تھی مگر یہ آکورڈ سچویشن زیادہ کوفت زدہ تھی، پرس سے ٹشو نکال کر چادر کو جھٹکا اور صاف کیا مگر بے سود اس نے سامنے کھڑے بت بنے لڑکے کو سخت نظروں سے گھورنا چاہا تو اس کی خود پہ جمی پھٹی پھٹی آنکھوں کو دیکھ کر دانت پیس کر رہ گئی۔

"ربش۔ لگتا ہے اس سے پہلے کبھی کوئی لڑکی نہیں دیکھی۔" وہ ایک جھٹکے سے تلملا کر پلٹی غلطی یہ ہوئی تھی کہ دوپہر کا کھانا نہیں کھایا تھا ایزی کے کپڑے دھونے کی فکر میں پہلے اگنور کیا پھر واقعی بھول گئی، اب شاپنگ کے دوران آنکھوں تلے بھوک سے ایکدم اندھیرے سے چھا گئے تو اس خوف سے کہیں راستے میں ہی نہ گر پڑے وہ اس ریستوران میں برگر لینے کے ارادے سے آ گئی تھی کہ اس افتاد کا سامنا کرنا پڑ گیا۔

"سنیے سنیے پلیز رائبل، آ... آپ رائبل ہی ہیں نا؟" اتنے عرصے بعد اسے روبرو پا کے وہ صحیح معنوں میں گنگ ہو گیا تھا، مگر اس موقع کو گنوانا نہیں چاہتا تھا، جبھی بوکھلایا سٹپٹایا سا اس کے پیچھے لپکا تھا اور بڑھ کر اس کا راستہ روک لیا، رائبل کے اعصاب کو دھکا سا لگا اس نے قدرے خوفزدگی کے عالم میں وقاص کی شکل دیکھی۔

"کیا مطلب؟ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟ جبکہ میں تمہیں جانتی تک نہیں۔"

یوں سر راہ نام لے کر پکارا جانا اسے اکیلے گھر سے نکل آنے کی حماقت کا احساس دلا کر پریشان کر گیا تھا، پہلا خیال تو شہریار کا ہی آیا تھا، یقیناً اسی نے اس کی تلاش میں اپنے آدمیوں کو لگا رکھا ہو گا، یہ خیال اتنا وحشت بھرا تھا کہ اس کی روح تک کانپ اٹھی، جبکہ وقاص اس کی پہچانی سے عاری آنکھوں میں اپنے نام کا کوئی جگنو کوئی ستارہ نہ اترا دیکھ کر جیسے اپنی وحشتوں اپنی بے تابیوں اور رتجگوں کے سامنے تہی ہو کر رہ گیا، اس کے چہرے پہ ایک تاریک سا سایہ لہرا کر معدوم ہوا تھا، (گویا وہ ایک ملاقات جو اس کے لئے اس کی ذات کی ہر خوشی رہن رکھوا گئی تھی رائبل کے نزدیک اتنی سرسری اتنی عام سی تھی کہ وہ اسے یکسر فراموش بھی کر چکی تھی) دکھ کا گہرا احساس خنجر بن کر اس کے دل میں ترازو ہو گیا، اس نے پھیکی سی مسکان سمیت اسے دیکھا تھا۔

"آپ تو آپ مجھے نہیں جانتیں (میں جو بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں تمہیں، اور کبھی بھول ہی نہ پایا بلکہ خود کو تمہاری یاد میں گم کر بیٹھا ہوں)۔" اس کی آنکھوں میں حدتیں سمٹ آئیں۔

"تو پھر اس طرح سے روکنے کا مطلب؟" رائبل کی تیوری حیرت سے چڑھی تھی۔

"میں وقاص ہوں داؤد حسن خان کا بھانجا، آپ ہمارے ہاں آئی تھیں نا؟" وہ اتنا مدھم بولا تھا کہ رائبل بمشکل سن پائی اور سن کر وہ حرکت کرنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

"سر!" اس کے لب کانپے تھے اور آنکھوں میں ایک صحرا آباد ہو گیا، اس کی آنکھ میں ایک ان کہی حسرت آن پہنچی، اس کا جی چاہا وہ وقاص سے ان کا حال دریافت کرے مگر پھر جانے کیا ہوا وہ ہونٹوں کی سختی سے بھینچی ہوئی ایک جھٹکے سے پلٹ گئی اور یہ اس کا خود سے اطراف سے برتا گیا تغافل ہی تھا کہ اس پل اندر آتے شہریار گیلانی کو نہیں دیکھ پائی، جو اسے دیکھتے ہی جھٹکا کھا کر رکا تھا، حیرت غیر یقینی خوشی حسرت کیا کچھ نہ اترا آیا تھا اس ایک پل میں شہریار کی آنکھوں میں۔

"رائبل!" اس کے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی تھی اور اگلے ہی لمحے وہ دیوانہ وار اس کی جانب دوڑ پڑا تھا۔

"رائبل... رائبل رکو پلیز ٹھہرو بیبی!" اور رائبل نے اس پکار پہ بہت چونکتے ہوئے پلٹ کر دیکھا اور ایک لمحے میں گویا زمین و آسمان اس کی آنکھوں میں گھوم گئے تھے، اس کے حلق سے شدید خوف اور بے بسی کے عالم میں ایک دبی ہوئی چیخ نکلی تھی اور بدحواس ہو کر دوڑتے وہ دیوار کے ساتھ لگے بڑے سے آرائشی گلدان سے ٹکرا گئی تھی، وہ تو لڑکھڑا کر سنبھل گئی مگر گلدان ماربل کے فرش پہ لڑھکتے ہی چکنا چور ہو گیا تھا، ایک پل کو رائبل ٹھہری گئی، ہوٹل کا منیجر سرعت سے کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل کر اس جانب آیا تھا، ٹیبلز کے گرد بیٹھے لوگ بھی متوجہ ہو چکے تھے، شہریار نے رائبل کا فق ہوتا ہوا چہرہ دیکھا تھا، اسے لگا تھا ابھی رائبل پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے گی اور اب بھلا وہ اسے روتے ہوئے دیکھ سکتا تھا، اس کا ہاتھ میکانکی انداز میں کوٹ کی جیب میں پڑے والٹ تک گیا اور جب وہ اس نقصان کا بھگتان بھگت کر پلٹا تو رائبل کو وہاں سے غائب پا کر اس کے پیروں تلے سے زمین سرکنے لگی تھی، وہ پاگلوں کی طرح سے دیوانہ وار باہر کی جانب بھاگا تو اسے رائبل ایک رکشا روک کر اس میں بیٹھتی نظر آئی، وہ ٹریفک کی پرواہ کیے بغیر روڈ کراس کر کے دوسری جانب آیا اور اپنی گاڑی میں بیٹھتے ہی اسے اسٹارٹ کر کے رکشے کا تعاقب کرنے لگا۔

☆☆☆

نہ رستے میں ہی ٹھہریں نہ اپنے گھر جائیں
یہ فیصلے کی گھڑی ہے چلو بکھر جائیں
ترا وجود بھی سچ ہے مگر ہمیں تم سے
وہ عشق ہے کہ تمہیں سوچ کر ہی مر جائیں

طارق شیرازی نے نگاہ بھر کے اپنے مقابل سیٹ پر بیٹھے رانی کو دیکھا تھا، جو سر جھکائے گود میں رکھے ہاتھوں کو یک ٹک دیکھ رہی تھی، طارق نے گہرا طویل سانس بھر کے گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی۔

"آپ بھی چلیں نا ہمارے ساتھ۔" طارق نے اس پل جب سونیا نے پریشے کا ہاتھ چھوڑ کر واپس کو قدم موڑے، بہت خلوص سے دعوت دی تھی۔

"کباب میں اگر ہڈی آ جائے تو منہ کا ذائقہ خراب ہو جاتا ہے منیجر صاحب۔" وہ شرارتی لہجے میں بولی تھی مگر طارق کی سنجیدگی قائم و دائم رہی۔

"یہاں ایسا کوئی معاملہ نہیں ہے ڈونٹ وری۔" سونیا نے اس کی خفگی کو جی جان سے محسوس کیا پھر نرمی سے بولی تھی۔

"آج شام کا کھانا آپ دونوں کسی اچھے سے ریستوران میں اکٹھے کھائیے گا، یہ زندگی

خوبصورت تو ہے ہی اسے اور خوبصورت بنا لیں۔"

اور طارق کی نظریں آتشی گلابی اور مرجنڈا کلر کے خوبصورت کمبی نیشن کے بناری سوٹ کے سادہ سے سوٹ میں میک اپ سے مبرا صاف شفاف چہرے کے گرد اسکارف لپیٹے ہوئے اپنے پہلو میں رہ رہ کر اوڑھی گڑی پریشے کی جانب اٹھ گئی تھیں۔

"آپ کیا کہتی ہیں پریشے؟"

"آپ کو اتنا فرمانبرداری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے یہ خواہ مخواہ سر چڑھ رہی ہے۔" سونیا نے احتجاج بلند کیا تھا، طارق نے سرکوشی میں جنبش دی تھی۔

"سوری میں آپ کی بات سے ایگری نہیں کرتا، انسان کو اس کے درجے کے مطابق تو قیر و اہمیت دینا ہمارا فرض ہے۔" سونیا کو جواب دینے کے بعد وہ سوالیہ نگاہوں سے پریشے کو دیکھتا ہوا بولا تھا۔

"آپ نے جواب نہیں دیا؟" پریشے نے غیر محسوس انداز میں اس کی سنجیدگی اور متانت کو محسوس کیا اور اندر تک دکھی ہوتی چلی گئی۔

(کیا واقعی سونیا سچ کہتی ہے؟ کیا واقعی میں نے اسے اتنا ہرٹ کر دیا ہے کہ اب اس کی زندگی کا انداز اور ہوگا) اس کا دل گھبرانے سا لگا۔

"میں چل رہی ہوں آپ کے ساتھ۔" اس نے ایکا ایکی فیصلہ کر لیا اس طرح گویا وہ اس زیادتی کی تلافی چاہ رہی تھی مگر نادان تھی جانتی نہیں تھی کہ اب یہ ممکن ہی نہ تھا، تب سے اب تک خاموشی تھی دونوں ہی اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے، سو طارق نے ہاتھ بڑھا کر ٹیپ ریکارڈ کا بٹن پش کیا تو گاڑی کے ماحول میں مینا قاضی کی پرسوز آواز بکھرنے لگی۔

دلاں دیاں گلاں دلاں وچ رہ گئیاں
نہ تو سنیاں نہ میں کہیاں
اکھیاں چھم چھم وسیاں
او اکھیاں چھم چھم وسیاں

پریشے نے بہت چونکتے ہوئے یکدم سر کو ترچھا کر کے اسے دیکھا طارق کا چہرہ جانے کس جذبے کے تحت بے تحاشا سرخ ہو رہا تھا، ہونٹ سختی سے بھینچ رکھے تھے تو آنکھوں میں ضبط کی سرخیوں نے ایک حشر سا اٹھا دیا تھا، پریشے کا اپنا مشکلوں سے سنبھالا دل جیسے اس پل پھر سے کرب جھیلنے لگا۔

کیڑی گلوں ماہیا تو کھ ساتوں موڑیا
دل ساڈا تھاں دے سمندراں وچ روڑیا
ایسے دل چندرے دی اکھے اسی لگ کے
دکھاں وچ اینج پھسی آں
ہائے اکھیاں چھم چھم وسیاں
او اکھیاں چھم چھم وسیاں

پریشے نے محسوس کیا کہ آنکھوں کی نمی گالوں پہ اتر آئی ہے تو بہت بے بسی بے کسی کے عالم میں اس نے اپنا رخ کھڑکی کی جانب پھیر لیا تھا جانے کیسے پھٹ رہا تھا، زندگی میں موجود بے بسی

یکلخت شدید ہو گئی تھی، یہ احساس سے جتنا موڑ کر بس دل میں ایک ہی خواہش تھی وجود کو طارق کی آغوش میں چھپالے مگر یہ ممکن کبھی نہ تھا اب تو اور بھی ناممکن ہو گیا تھا۔

نہ توں چدوں پاس چناں کی ساڈے پاس وے
رت دی اداس ساڈے راتاں وی اداس وے
لٹ گیا چین ساڈا رس گئے ہاسے وے
خوشیاں نے دور نسی آں
اکھیاں چھم چھم وسیاں
اکھیاں چھم چھم وسیاں

اور جب طارق شیرازی اس گانے کو ری وائینڈ کر کے لگانے لگا، تو پریشے نے یونہی بہتے ہوئے آنسوؤں اور شدت غم سے کانپتے ہونٹوں سمیت اس کی یہ کوشش ناکام بنا دی تھی۔

"بس کریں طارق! پلیز بس کر دیں، آپ کیوں یہ چاہتے ہیں کہ میں اپنا ضبط کھو دوں کس نے کہہ دیا آپ سے کہ میں بہت بہادر ہوں۔" اس کا لہجہ بھنچا ہوا گھبراہٹ زدہ تھا، طارق شیرازی نے گاڑی روک دی اور تھکے ہوئے انداز میں اسے دیکھا۔

(میں کب تمہارا ضبط آزمانا چاہتا ہوں پریشے! مگر آج دل بغاوتوں پہ آمادہ ہو رہا ہے، میں اس وقت کو روک نہیں سکتا، مگر جی چاہ رہا ہے تم یہ ضبط کھو دو میرے کاندھے پہ سر رکھ کے رو پڑو شاید اس لیے کہ میں خود بھی دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہ رہا ہوں)۔

"کہاں چلیں پریشے؟ چائنیز یا فاسٹ فوڈ؟" اس نے خود کو سنبھال لیا اور بہت نرمی سے استفسار کیا تھا۔

"ابھی کھانے کا وقت کہاں ہوا ہے یا پھر آپ میری روتی بسورتی شکل سے اکتا کر جلدی جان چھڑانے کے موڈ میں ہیں؟" پریشے نے بھی خود پہ خول چڑھا لیا اور مسکرا کر جواب دیا تھا حالانکہ اس کی آنکھوں میں اب بھی آنسوؤں کی نمی تھی حالانکہ اس کے دل میں اب بھی احساس زیاں کا درد گہرا تھا، طارق نے اسے دیکھا اور گہرا سانس کھینچا تھا۔

(تم میرے لیے کیا ہو پریشے، یہ تم کبھی نہیں جان سکتیں، شاید میں خود بھی تمہاری اہمیت سے آگاہ نہ ہو پاتا اگر جو تم جدائی کے فیصلے کو یوں بیچ میں نہ لے آتیں اور یہ ایک ایسی زیادتی ہے جس میں کوئی احتجاج بھی بلند نہیں کر پایا، محبت کا پہلا قرینہ ادب ہوتا ہے اور میرا ادب یہ تقاضا کرتا ہے کہ میں ہر بات پہ صرف سر جھکائے رکھوں) (حالانکہ جب تم نے یہ فیصلہ مجھے سنایا تو مجھے لگا تھا کسی نے مجھے میرے وجود کو روئی کی طرح دھنک کے رکھ دیا ہو میرے وجود کا ریشہ ریشہ بکھر گیا تھا، میں چاہوں بھی تو طوفانوں کی زد پہ آ کے بکھر جانے والے وجود کے ریشوں کو سمیٹ نہیں سکتا) (یہ تم نے کیا کر دیا پریشے؟ تم سمجھتی ہو تم نے مجھے ماہ نور کے لیے چھوڑ دیا تمہیں کیا خبر تم نے مجھے تباہ کر دیا برباد کر دیا۔)

"پہلے لانگ ڈرائیو پہ چلتے ہیں پھر کھانا کھائیں گے۔" پریشے نے ہی ایک بار پھر فیصلہ کیا اور طارق نے تعمیل کو سر جھکا لیا اور اس طویل ڈرائیو کے دوران انہوں نے دنیا بھر کے موضوعات پہ گفتگو کر لی ماسوائے اس ایک موضوع کے جس پہ دونوں کے دل سانجھے دھڑک رہے تھے اور جب کھانے کے دوران پریشے نے بے دھیانی میں طارق کے گلاس کو اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا تھا تو

طارق کے لبوں پہ یکدم ہی بہت حسین مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"کیا ہوا؟" پریشے نے اس کی یہ دل آویز مسکان دیکھی اور حیران ہو کر سوال کیا۔

"یہ میرا گلاس تھا پری۔" وہ بتا کر ہنسنے لگا، اس کی یہ ہنسی بہت معصوم سی خوشی کے احساس سے کھنک گئی تھی، پریشے جھینپ کر خجالت آمیز تاثرات سے سرخ پڑ گئی۔

"اوہ اوکے، سنا ہے ایسے طرح محبت بڑھتی ہے۔" اس نے یہ جھینپ مٹانے کو کہا تھا یا پوری سچائی سے اعتراف کیا تھا طارق کو حیرانی نے آن لیا۔

"ویسے بھی آپ کی اور میری چیزیں الگ الگ تھوڑا ہی ہیں۔" اور طارق کچھ معنوں میں گنگ ہو گیا تھا، کیا ابھی جو اس نے سنا واقعی پریشے نے ہی کہا تھا؟ مگر پھر اس حیرت تا خوشی یا یاس نے غلبہ پانا شروع کر دیا۔

(ہاں میری اور تمہاری چیزیں نہیں بس ایک صرف تم میری نہیں بن سکیں)

ایسی ہی سوچیں اسے نڈھال کرنے لگیں اور وہ اس کی سوچوں اس کے خیالوں تک سے آگاہ ہوا کرتی تھی جبھی لمحوں میں ملول نظر آنے لگی۔

"پریشان ہو رہے ہیں؟ کوئی بات کیجئے نا۔"

"اگر جھوٹا کھانے سے محبت بڑھتی ہے پریشے تو اس کی آپ سے زیادہ مجھے ضرورت ہے۔" اس نے ایک سرد آہ کھینچی تھی اور ہاتھ بڑھا کر اس سے اپنا گلاس واپس لے لیا تھا، جس سے پریشے ایک سپ لے چکی تھی، اب کی بار پریشے نہ جھینپی نہ نروس ہوئی بلکہ اس کے اندر تک آتش عشق اتر کر سب کچھ جلا کر خاکستر کرنے لگی، اس نے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے۔

"آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔"

"بخدا ایسی بات نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مجھے آج پہلی بار آپ کے منہ سے ایک بات سننا بہت اچھا لگا ہے۔" وہ بے اختیار سچ کہتے ہوئے بولا تو پریشے نے جھرجھری لے کر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

☆☆☆

نہ وہ اقرار کرتا ہے نہ وہ انکار کرتا ہے
ہمیں پھر بھی گماں ہے وہ ہمیں ہی پیار کرتا ہے
منڈیروں پہ کوئی مانوس سی آواز آتی ہے
کوئی تو یاد ہم کو بھی پس دیوار کرتا ہے
حسن راتوں کو جب لوگ میٹھی نیند سوتے ہیں
تو اک خواب آشنا چہرا ہمیں بے دار کرتا ہے

ماہ نور کو جب بستر پہ کروٹیں بدل بدل کر بھی نیند نہیں آئی تو بستر چھوڑ دیا، جانے دل ہر لمحہ ہر پل اس دشمن جاں کی ہڑک میں کیوں رہنے لگا تھا اور اب تو ماما بھی اس کے طویل قیام اور طارق کی سادھی چپ سے ڈسٹرب سی معلوم ہونے لگی تھیں، ابھی کل ہی انہوں نے بڑے دوٹوک انداز میں اسی سے اصل بات پوچھی تو وہ ہمیشہ کی طرح آئیں بائیں شائیں نہ کر سکی اور مجرمانہ انداز میں سر جھکا لیا۔

"جھگڑا ہوا ہے تمہارا اس سے؟" انہوں نے خطرناک قسم کی سنجیدگی سے سوال کیا تھا ایسی

سنجیدگی جس سے ماہ نور کو بہت ڈر لگتا تھا اور رائنل کو ہر بات بے دھڑک بتا دینے والی ماہ نور کے ہونٹوں پہ ماں کے سامنے قفل پڑ گئے تھے اور اس کی یہی خاموشی ماما کو تشویش دلا گئی تھی۔

"کتنا سمجھایا تھا میں نے تمہیں ماہ نور مرد کے ساتھ کسی بھی بات میں مقابلہ نہیں کرنا چاہیے یہی چیز عورت کی تباہی کا آغاز ہے بربادی کی طرف اٹھنے والا پہلا قدم ہے، وہ غصے کا تیز ہے جذباتی ہے تم کیوں اپنی چھوٹی شوگر کے تلخیاں بڑھاتی رہیں۔" وہ سر جھکائے ان کی ڈانٹ سنتی رہی تھی کہ وہ کچھ اتنا غلط بھی نہیں کہہ رہی تھیں، وہ اٹھ کر باہر آئی تو شام مکمل طور پہ رخصت ہو چکی تھی، ماما برآمدے میں بچھے تخت پہ بیٹھیں ایزد کو گود میں لئے تسبیح پڑھنے میں مصروف تھیں، گھر کی خاموشی اور سکون سے پتہ چلتا تھا طلحہ اور حنا ابھی ٹیوشن سے واپس نہیں آئے تھے، ورنہ ٹی وی تو ضرور چل رہا ہوتا اور کچھ نہیں تو ایزد کو گود میں لینے کی وجہ سے ہی دونوں کے درمیان جھگڑا ہو جاتا، ایزد دونوں کو ہی خوب پیارا تھا۔

"رائنل نہیں آئی ابھی تک ماما۔" اس نے کچن کی سمت قدم بڑھاتے ہوئے ان سے سوال کیا تھا۔

"نہیں ابھی تک نہیں آئی، منع بھی کیا تھا بچی اکیلی نہ جائے مگر---" ان کی بات بیچ میں ادھوری رہ گئی، کسی نے کال بیل پہ ہاتھ رکھا تو پھر اٹھانا یاد نہیں رکھا ساتھ ہی دروازہ بھی زور زور سے دھڑ دھڑایا جانے لگا۔

"یہ کون ہے بدتمیز، صبر نہیں ہوتا۔" ماہ نور جھلا کر کچھ تیزی سے آگے بڑھی جبکہ ماما نے بے اختیار دھڑک اٹھنے والے دل پہ ہاتھ رکھ لیا تھا۔

"یا اللہ خیر۔" انہوں نے دہل کر کہا اور پریشانی سے ڈیوڑھی کے پار دروازے کی سمت دیکھنے لگیں، ماہ نور نے جیسے ہی چٹخنی گرائی رائنل اندھا دھند ہوئے مختل حواسوں کے ساتھ گرتی پڑتی اندر داخل ہوئی اور پھولے ہوئے سانسوں سے بولی تھی۔

"بند کرو، دروازہ بند کر دو موسو، خدا کے لئے جلدی دروازہ بند کر دو۔" دھاڑ سے دونوں پٹ بند کر کے جب وہ لرزتے کانپتے ہاتھوں سے چٹخنی چڑھانے میں ناکام ہوئی تو ہیجانی لہجے میں چیخ کر بولی تھی۔

"کیا ہوا ہے؟" ماہ نور اس کی گھبراہٹ پہ متوحش ہو گئی۔

چھلک پڑنی خوفزدہ آنکھیں حواس باختہ سے انداز کسی انہونی کے گواہ تھے، تب تک ماما بھی تسبیح اور ایزد کو تخت پہ چھوڑے افتاں و خیزاں لپک کر اس تک آئیں تو رائنل یونہی کانپتی لرزتی ہوئی ان سے لپٹ کر بے اختیار سسک گئی۔

"مجھے چھپا لیں ماما! وہ---- وہ مجھے دیکھ چکا ہے، اس نے مجھے تاڑ لیا تو بھی کیا وہ یہاں تک بھی آ جائے گا میں نے اس کی گاڑی کو گلی میں داخل ہوتے بھی دیکھا ہے۔" وہ یونہی بے قراری کی کیفیت میں روتے سسکتے ہوئے ان کے وجود میں گھستے ہوئے کہہ گئی تو ماما اور ماہ نور کی حیران پریشان نظریں ایک دوسرے سے ٹکرائی تھیں۔

"کون؟ کس کی بات کر رہی ہو بیٹا؟" ماما نے قدرے مضطرب ہو کر اسے تھپک کر یہ سوال کیا تھا۔

"شہریار! شہریار نے مجھے دیکھ لیا تھا ماما وہاں مارکیٹ میں اس نے میرا پیچھا کیا وہ......وہ

یہاں بھی آجائے گا ماما! اب کیا ہوگا؟"

"وہ...... وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا وہ...... وہ ایزد کو بھی مار دے گا۔" خزاں رسیدہ پتے کی طرح سے تھر تھر کانپتی نو سالہ بچی نے الفاظ میں وجہ کہہ رہی تھی اسے ماما اور ماہ نور نے سمجھا تھا اور فطری طور پہ پریشانی میں گھر گئیں، انہوں نے بے اختیار ہی رائنل کو خود سے چمٹا لیا۔

"چلو اندر چلو، ماما بیٹا آپ ایزد کو دیکھو وہ رو رہا ہے۔" انہوں نے رائنل کو اپنی بانہوں کے سہارے اندر لے جاتے ہوئے ماہ نور کو مخاطب کیا اس سے پہلے کہ وہ جواب میں کچھ کہتی دروازہ ایک بار پھر بہت زور دار طریقے سے کھٹکھٹایا گیا، رائنل بہت زور سے اپنی جگہ اچھلی اور بہت وحشت بھرے انداز میں ماما کی سمت آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔

"وہ...... وہ ہی ہے ماما! وہ آگیا ہے۔" بے ربط سا لہجہ ہیجان زدہ ہو گیا، اس نے چیل کی طرح سے جھپٹ کر تخت پہ ہاتھ مار کر روتے ہوئے ایزد کو اٹھا کر سینے میں بھینچا تھا، ماما کو اس پل اس پہ بے تحاشا رحم آیا، تبھی آگے بڑھ کر اسے محبت و نرمی کے ساتھ اپنے ساتھ لگا لیا۔

"ٹیک اٹ ایزی بیٹا! ریلیکس، تم یہاں بالکل محفوظ ہو اپنے رب پہ بھروسہ کرو کچھ نہیں ہو گا۔" انہوں نے اس کے سرعت سے بہتے آنسوؤں کو پونچھ کر بھرپور تسلی سے نوازا پھر ماہ نور کی سمت پلٹی تھیں۔

"جاؤ ماہا! دیکھو باہر کون ہے؟ میرا خیال ہے عینا اور طلحہ آئے ہوں گے۔" اس دوران دروازہ وقفے وقفے سے ٹوک ہوا تھا، ماہ نور نے سر اثبات میں ہلایا اور پلٹ کر ڈیوڑھی میں آگئی۔

"کون؟" احتیاطاً دروازہ کھولنے سے قبل اس نے پوچھا تھا۔

"پلیز محترمہ! دروازہ کھولئے مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے۔" بند دروازے کے پار سے ایک بھرپور اور مہذبانہ لہجہ میں مخاطب کیا گیا، ماہ نور نے متذبذب کی سی کیفیت میں پلٹ کر دیکھا ماما اور رائنل اب برآمدے میں نہیں تھیں، اس نے کچھ سوچا پھر دروازہ ذرا سا کھولا تھا ظاہر ہے وہ جو کوئی بھی تھا اسے کھانے سے تو رہا تھا، اس نے ذرا سا باہر جھانکا۔

بلیک جینز پہ گرے اور بلیک لائنز کی شرٹ میں ملبوس چہرے پہ پریشانی کے آثار لیے لمبا تڑنگا سا نوجوان لڑکا مضطربانہ سی نظروں سے اپنی سمت دیکھتا نظر آیا۔

"جی فرمایئے۔" اس نے خشک سے انداز میں استفسار کیا، اسے صاف لگا تھا اس لڑکے کو اس کے چہرے کو دیکھتے ہی مایوسی سی ہوئی تھی، مگر جب وہ بولا تو اس کی آنکھوں کی مایوسی کا شائبہ تک بھی اس کے پریقین لہجے میں نہیں تھا۔

"ابھی یہاں ایک لڑکی آئی ہے رائنل! مجھے اس سے ملنا ہے۔" لوز ماہ نور کو اس کے لہجے کے اعتماد اور یقین نے ہی بھونچکا کر دیا تھا، مگر وہ جلد ہی سنبھل کر برہمی سے بولی تھی۔

"یہاں کوئی رائنل نہیں آئی آپ کو غلط فہمی ہوئی ہوگی۔"

"مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی میں نے خود اسے اس دروازے سے اندر جاتے دیکھا ہے، پھر آپ جھوٹ کیوں بول رہی ہیں؟" وہ غصے میں کہتا آخر میں ہسٹریک ہو کر چیخا تھا تو ماہ نور کو بھی غصہ آ گیا اس نے بڑی تیز نظروں سے اسے گھورا پھر نخوت سے بولی تھی۔

"بکواس مت کرو مجھے نہیں پتہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ جاؤ یہاں سے، خواہ مخواہ دماغ خراب کرنے آ جاتے ہیں لوگ۔" اس نے اپنے تئیں اس کی طبیعت صاف کر کے دروازہ بند کرنا چاہا مگر

شہریار نے طیش میں آتے ہوئے لمحے کے ہزارویں حصے میں اس درمیانی فاصلے کو سمیٹا اور ایک زور دار ٹھوکر دروازے کو رسید کر کے اسے دھکیلتا ہوا زبردستی اندر گھس آیا۔

"ایسے نہیں جاؤں گا جب تک اپنی تسلی نہ کر لوں۔" ماہ نور لڑکھڑا کر گرتے بچی تھی، اس کے حلق سے بے اختیار چیخ نکل گئی، شہریار چوپٹ کر دروازہ بند کر چکا تھا اس کے ہوائیاں اڑاتے چہرے کو دیکھ کر اپنی نازیبا حرکت پہ یکدم خجل ہو کر رہ گیا۔

"آئی ایم ساری فار دیٹ مس! لیکن آپ پلیز میری بھی تو مجبوری سمجھیں نا، وہ میری بیوی ہے، اک عرصے سے میں پاگلوں کی طرح سے ڈھونڈ رہا ہوں اسے، اب اگر وہ مجھے یہاں نظر آئی ہے تو آپ......"

"ماما...... ماما دیکھیں ذرا یہ ہمارے گھر میں زبردستی گھس آیا ہے پولیس کو فون کریں۔" ماہ نور نے اس کی پوری بات سنے بغیر ہی شور مچا دیا تھا، شہریار نے بھنا کر اسے دیکھا اور اس سے پہلے کہ کچھ کہتا اندر سے حراساں سی ماما باہر نکل آئی تھیں اور زرد چہرے سمیت تقریباً بھاگتے ہوئے ماہ نور کے ساتھ آ کھڑی ہوئیں اور خائف سی نظروں سے اکھڑے اکھڑے ترش تاثرات لیے ہوئے کھڑے شہریار کو دیکھا۔

"کون ہو تم؟"

"ڈاکو نہیں ہوں۔" شہریار نے چڑ کر بدمزگی سمیت ترش کر جواب دیا۔

"لیکن کام تو ڈاکوؤں والے ہی کرتے ہو، دن دہاڑے کسی کے گھر گھس آنا وہ بھی زبردستی یہ کیا ہے؟" ماہ نور نے پھنکار کر کہا تھا اسے اتنا غصہ آ رہا تھا بس نہیں چلتا تھا سامنے کھڑے اس لڑکے کا گلا دبا دے۔

"موہوم اندر جاؤ۔" انہوں نے تخاطب سے انداز میں کہا۔

"میں آپ کو اس بدمعاش کے پاس تنہا چھوڑ کر ہرگز نہیں جاؤں گی، کیا پتہ اس کے پاس اسلحہ بھی ہو۔" ماہ نور نے سرد آواز میں کہتے ہوئے نفرت سے بھری نگاہ شہریار پہ ڈالی، جو کچھ عجیب سی نظروں سے ماما کو دیکھے جا رہا تھا۔

"دیکھو بیٹا ہم نے کہا نا یہاں کوئی رائنل نہیں ہے پھر تمہیں کیوں یقین نہیں آتا؟ یہ میری بیٹی ہے موہوم تم نے اسے اندر آتے دیکھا ہوگا۔" انہوں نے شہریار کے سرکش انداز کو دیکھتے ہوئے سختی کی بجائے نرمی و ملائمت سے معاملہ سمجھانے کا آغاز کیا۔

"اوکے فائن! آپ اگر کہتی ہیں رائنل یہاں نہیں ہے مان لیتا ہوں۔" وہ عجیب سے انداز میں مسکرایا، ماما حیران ہو کر گھبرا کر اسے دیکھنے لگیں جو گہرا سانس کھینچ کر بولا تھا۔

"مگر مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے یہاں رائنل کی تلاش میں ناکام ہو کر میں نے وہ سب کچھ پا لیا ہے جس کے ملنے کی مجھے کبھی بھی توقع نہیں تھی، یہ سلطان شاہ کی تصویر ہے نا؟" اس نے بات کرتے ہوئے اچانک مڑ کر برآمدے کی دیوار پہ لگی تصویر کی جانب اشارہ کیا اور ماما ششدر رہ گئیں، انہوں نے ٹھٹک کر شہریار کو دیکھا تھا۔

"خالہ! آپ کے شوہر اور آپ کی بیٹی موہوم یعنی ماہ نور کے والد صاحب۔" وہ اب ٹکٹکی باندھ کر سلطان شاہ کی تصویر کو دیکھ رہا تھا اس کے لہجے میں وہ پہلے کی سی گھن گرج تھی نہ آنکھوں میں اجنبیت اور خفگی کی لہر۔

مما کے ساتھ ساتھ ماہ نور کو بھی ہزار وولٹیج کا کرنٹ لگا تھا۔ یہ چند دن پہلے مما کی الماری کے سب سے نچلے خانے سے طلحہ کو تصویر ملی تھی پوچھنے پہ ماما کی خاموشی کے باوجود ماہ نور نے بتا دیا تھا۔

"یہ پاپا ہیں ہمارے۔" اور بس طلحہ نے ضد کر کے رو پیٹ کے اپنی منائی تھی اور تصویر یہاں سجا دی تھی حالانکہ ماما اس بات کے حق میں نہیں تھیں مگر ماہ نور نے سمجھایا تھا۔

"چند دن کی بات ہے... پھر میں اسے سمجھا بجھا کر اسے اتار لوں گی، ڈونٹ وری۔"

"اُف ہمارے پاپا تو بہت ہینڈسم تھے اس کا مطلب......" طلحہ نے بہت فخر سے کہا تھا۔

اور مما ڈرتی تھیں اس تصویر کے یہاں سجنے سے کوئی نئی مصیبت نہ کھڑی ہو جائے اور اب شہریار کی یہاں بن کر آنکلنے لگا تھا ان کا خوف درست ہی تھا، ان کا رنگ ایکدم پیلا پڑ گیا تھا، (اگر ادا سامیں تک یہ بات پہنچ گئی کہ ان کا منصوبہ کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوا اور ہم بچ گئے تھے تو تو) وہ اس سے آگے کچھ سوچ ہی نہ پائیں۔

"تم......تم یہ ساری باتیں کیسے جانتے ہو؟ کون ہو تم؟" ان کے اندر مچلتے سوال ماہ نور نے کئے تھے مگر اس کی آواز بھی خدشات کی یلغار تھی، شہریار سکون سے پلٹا اور حسن ماما کے سامنے آن کھڑا ہوا، جنہوں نے خود کو گرنے سے بچانے کو ٹیبل کا سہارا لے رکھا تھا۔

"پندرہ سال طویل عرصہ ہے بلاشبہ مگر اتنا بھی طویل نہیں خاص طور پہ اس بچے کے لئے جو اس وقت دس سال کا ہو جب اس نے اپنا سب کچھ کھو دیا ہو۔" اس کی روشن بڑی بڑی بادامی آنکھوں میں ڈھیروں ڈھیر نمی در آئی تو ہونٹوں پہ اندرونی جذبات نے لرزش پیدا کر دی تھی۔

"پہچانا نہیں مجھے ما! جیسے میں نے آپ کو پہچان لیا اپنی ما کو۔"

"آغا!"

اگلے ہی لمحے ان کے ہونٹ کانپے تھے اور وہ بے ہوش ہو کر اس کی بانہوں میں جھول گئی تھیں اور اندر دروازے کے ساتھ لگ کے دم سادھے کھڑی اپنی زندگی کا فیصلہ سننے کی منتظر رائنل ایک شاک کے عالم میں نیچے بیٹھتی چلی گئی۔

☆☆☆

عجب پر لطف منظر دیکھتا رہتا ہوں بارش میں
بدن جلتا ہے اور میں بھیگتا رہتا ہوں بارش میں
نئے موسم کی خوشبو سے چرا کر آنکھ لی وہ بھی
گئے موسم کی باتیں سوچتا رہتا ہوں بارش میں
صدائیں ڈوب جاتی ہیں ہوا کے شور میں اور میں
گلی کوچوں میں تنہا چیختا رہتا ہوں بارش میں
دیئے جلتے ہیں بجھتے ہیں میرے اطراف میں اور میں
بس اک سائے کے پیچھے بھاگتا رہتا ہوں بارش میں
نہ سونا میرے بس میں ہے نہ شب بھر جاگنا خالد
میں آنکھیں میچتا اور کھولتا رہتا ہوں بارش میں

اس کے کمرے میں بے حد اندھیرا تھا، وہ لیمپ کو جلا اور بجھا رہا تھا۔

"کیا واش کروں؟" اس کے اردگرد رائنل کی آواز کی بازگشت بکھری پڑی تھی۔

"رائنل!" جھنجھلاہٹ خفگی جھلاہٹ سب کچھ تھا اس کے لہجے میں ما سوائے پہچان اور شناسائی کے کسی رنگ کے اس کا دل رو اٹھا تھا ابھی تک رو رہا تھا۔

"میں تو آپ کو نہیں جانتی آپ ہیں کون؟" رائنل کے الفاظ تمام تر سفاکیوں لاتعلقی بے نیازی اور اکھڑ پن کے ساتھ تیز سے تیز دھار تلواروں کی طرح اس کے آس پاس شدید طوفانی ہواؤں میں اڑتے پھر رہے تھے اور اس کے وجود سے ٹکراتے ٹھوکریں مارتے لہولہان کرتے جا رہے تھے، اس کی لہو رنگ آنکھوں میں بے بسی کے احساس نے نمی بھر دی، وہ انگاروں پہ چلتا ہوا گھر آیا تھا، یہ تھا اس کی وحشتوں بے قراریوں اور بے پایاں محبتوں کا خراج اس کا صلہ اور انعام۔

اس کا دل پھوٹ پھوٹ کر رونے کو چاہنے لگا، بھی دروازہ ناک ہوا تھا مگر وہ حواسوں میں ہی کہاں تھا، بے خبر سا آنسو بہاتا رہا یہاں تک کہ داؤد حسن خان نے اندر آ کر لائٹ جلا دی پھر اسے حیران ہو کر دیکھا، وہ اوندھے منہ لیٹا ہوا تھا چہرا کشن کے انبار میں چھپا ہوا تھا۔

"بی کیا ہوا؟ تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟" انہوں نے اس کے کاندھے پہ ہاتھ رکھا اور تشویش سے سوال کیا، ابھی اس کا لرزتا کانپتا وجود یکدم ساکن ہو گیا، اس نے بہت غیر محسوس انداز میں آنکھوں کو رگڑ کر پونچھی پھر آہستگی سے سیدھا ہو گیا۔

"اندر گھسے ہوئے ہو، باہر موسم اتنا اچھا ہو رہا ہے۔" انہوں نے پیار سے اس کے بال سمیٹے تو اس نے بہت دھیرے سے انداز میں اپنا سر ان کے کاندھے سے ٹیک دیا، اس کے کمرے میں موجود اندھیرا اس کے رونے کے بھید کو چھپا گیا تھا اور یہ اسے اس پل بہت غنیمت لگا تھا۔

"کیا ہوا موڈ کیوں آف ہے؟" وہ اس کے بجھے ہوئے رویئے سے پریشان ہوئے تھے مگر بظاہر بشاشت سے پوچھا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے موڈ ٹھیک ہے میرا بس ویسے ہی۔" اس نے خفگی سے کہتے پھر سے خود میں سمیٹا، اس کی آواز ہی نے اپنا مطلب پا لیا تھا، داؤد حسن خان نے پہلے اٹھ کر لائٹ آن کی پھر اس بچے کو کھینچ لیا تھا جس میں وہ منہ دے چکا تھا اسے مجبوراً سیدھا ہونا پڑا۔

"کیوں اداس ہو بی؟"

"میں نے رائنل کو دیکھا ہے آج ماموں!"

"واٹ؟" اس نے توقع کے عین مطابق انہیں چونکا لگا تھا۔

"کب کہاں؟ اور تم مجھے اب بتا رہے ہو بی۔" انہوں نے اسے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا تھا، وہ جس نے بہت خاموش نظروں سے انہیں دیکھا، ان جیسا سلیف کنٹرول بندہ بھی اس لڑکی کے لئے یوں ایموشنل ہو رہا تھا تو وہ تو تھا ہی جذباتی پاگل دیوانہ۔

"وہ بالکل ٹھیک تھی ماموں! میں نے اسے ریستوران میں دیکھا تھا، بالکل بدل گئی ہے... ایک ماڈرن امیر زادی کی بجائے ریز روڈ اور مڈل کلاس کی عام سی لڑکی ہو کر بھی وہ کتنی خاص ہے یہ کوئی میرے دل......" معاً وہ جیسے زبان دبا گیا اسے یکلخت احساس ہوا تھا وہ داؤد حسن خان کے سامنے بیٹھا انہی سے مخاطب ہے۔

"ہاں ہاں بولو نا۔" داؤد حسن خان نے مسکراہٹ دبا کر بہت محظوظ ہونے والی کسی قدر شوخ نظروں سے اسے دیکھا مگر وہ نہ جھینپا نہ شرمایا اسی بے چینی سی کیفیت کا شکار رہ کر بولا تھا۔

"مجھے دکھ اس بات کا ہے ماموں کہ اس نے مجھے سرے سے پہچانا نہیں۔" اس کا لہجہ ٹوٹا ہوا

تھا، اپنی محبت کی ناقدری کا احساس اس کے لہجے میں ٹوٹتے کانچ کی چبھن بکھیر گیا تھا، داؤد حسن خان کو اس کے بچگانہ سے دکھ پہ بے اختیار ہنسی آ گئی تھی۔

"بالکل بچے ہو ری! اس بچاری نے تمہیں دیکھا ہی کہاں تھا کہ پہچانتی۔" اور وقاص کے اندر ناقدری بے مائیگی کے احساس نے ببول اگا دیے۔

(ہاں آپ سچ کہہ رہے ہیں ماموں! آپ کے سامنے وہ مجھے دیکھ بھی کہاں سکتی تھی میں اسے نظر ہی کہاں آتا تھا، دیکھا تو میں نے تھا اسے اور بس کہیں کا بھی نہیں رہا۔)

"اچھا یہ بتاؤ اس کے ٹھکانے کا کچھ پتہ چلا؟ اور یہ کہ......"

"نہیں ماموں کچھ نہیں، میں اتنا ہرٹ ہوا تھا کہ مزید کچھ دیکھے بغیر بس پچھلے دروازے سے باہر آ گیا۔" اس نے جیسے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور داؤد حسن خان کے اعصاب پہ مایوسی چھا گئی وہ یونہی سر جھکائے کچھ سوچنے لگے۔

☆☆☆

تمہیں معلوم ہے ہم نے
کسی کے ہجر میں یہ زندگی کیسے گزاری ہے؟
ہر اک خوشبو کی آہٹ پہ گماں اس کا گزرتا ہے
ہر اک ساعت یہ دل آنکھوں میں آ کر بیٹھ جاتا ہے
کئی پہلو بدلتی خواہش ہاتھوں کو پھیلائے
دعائیں مانگتی اور ہانپتی دل سے گزرتی ہیں
مگر جو ہجر لاحق ہے
وہ جسم و جاں کی دیواریں گراتا ہے
امید و بیم کی آنکھوں سے سارے منظروں کو
خاک کرتا اور مٹاتا ہے
سو ہم بھی خاک ہیں اور خاک کی تقدیر میں لکھا گیا ہے
بے اماں رہنا

وہ کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح جو گویا اپنا سب کچھ داؤ پہ لگا کر ہاتھوں پہ سر گرائے بیٹھے تھے، چودہ سال بعد بھی وہ یہاں لوٹے تھے تو ان کے لئے چودہ سال کی وہی مایوسیاں اور اندھیرے تھے، بلکہ انہیں تو لگا تھا یہ اندھیرے بڑھ گئے اور گہرے ہو گئے تھے۔

انہوں نے کیا کر دیا تھا؟ کتنے لوگوں کے مجرم تھے وہ اور کتنے نقصان اپنے حصے میں ڈال بیٹھے تھے۔

"نسیمہ مر گئی ہے اور آغا وہ آوارہ ہو گیا تھا، شہر پڑھنے بھیجا تھا تمہارے کہنے پہ، مگر اس کی صحبت ٹھیک نہیں رہی، پتہ نہیں کہاں جانے لگا تھا کہ اتنے پیسوں کی ضرورت پڑنے لگی تھی اسے، جب میں نے اپنا ہاتھ ذرا سخت کیا ذرا ڈانٹا ڈپٹا تو اپنی گز بھر لمبی زبان سے مجھ سے بدتمیزی کرنے لگا، ارے میرے تو اپنے سگوں کو بھی ہمت نہ تھی میرے آگے آنکھ اٹھانے کی وہ اس دو ٹکے کی عورت کا جنا دیدے دکھاتا تھا مجھے، میں نے لونڈے کو اکٹھی چار چوٹ کی مار لگائی کہ بھاگ گیا بگوڑی ماں کا پتر۔" ان کا وہی لہجہ تھا وہ تکبر وہی اکڑ اور غرور کہیں تبدیلی نہیں تھی ادا سائیں میں، حالانکہ نقصان

صرف سلطان شاہ کے حصے میں ہی تو نہیں آئے تھے، وہ بھی برابر کے حصے دار تھے، بیوی جنہوں کے غم میں چل بسی، پچھلے سال بڑے بیٹے کو شکار کے دوران اپنے ہی ساتھی کی گولی لگ گئی، بھلے انہوں نے پھر خون بہا میں کئی ایکڑ زمین اپنے نام کرالی مگر بیٹا تو واپس نہیں مل سکتا تھا، مگر انہیں فرق بھی کیا پڑنا تھا، بیٹیوں کو اپنے ہاتھ سے موت کے گھاٹ اتارنے والے کا دل بیٹے کی موت پہ کانپا تو ضرور تھا، مگر یہ صدمہ عمر بھر کا روگ نہیں بنا تھا۔

"یہ بیٹیاں ہیں تمہاری؟ میرا مطلب سمیعہ سے جو تمہاری بیٹیاں ہیں، بچپنے سے لگا کر پالا ہے ہم نے، پوری دس دس جماعتیں شہر کے اسکولوں سے پاس کرائی ہیں۔" انہوں نے بڑے فخر سے بتایا تھا اور وہ لڑکھڑاتے قدموں سے پلٹ کر اپنے کمرے میں آ گئے تھے، صوحا اور زوحا نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا صوحا کی آنکھوں میں باپ کے اس بیگانہ اور لاتعلق رویئے پہ بے مائیگی کے احساس کی نمی سی تیرتی رہ جاتی رہی تھی۔

"آؤ نا بابا سے مل کر آتے ہیں۔"

"مل تو لیے ہیں دیکھا نہیں ایک نظر نہیں ڈالی ہم پہ، ان کا سلوک ہماری ماما کے ساتھ بھی ایسا ہی تھا، وہ بھی مر گئیں کسی دن ہم دونوں بھی مر جائیں گی، انہیں بھلا کیا فرق پڑے گا؟" تایا سائیں کے کمرے سے باہر آ کر زوحا کی پیشکش پہ وہ پھٹ پڑی تھی، صوحا نے صبر اور برداشت اپنی ماں سے لیا تھا مگر آج سلطان شاہ کے اجنبی بیگانہ سے رویے پہ وہ خلاف عادت مزاج شکوہ کر گئی۔

بالآخر 2010ء بھی اپنے اختتام کو پہنچا، نئے نئے سال کی آمد آمد ہے نئے سال کے حوالے سے بے شمار خدشات اور امیدیں ہمارے دل میں موجود ہیں خدا کرے کہ نیا سال ہم سب کے لئے اور وطن عزیز میں بسنے والے ہر فرد کے لئے امن و آشتی کا پیغام لے کر آئے۔ (آمین)۔

جنوری 2011ء کا شمارہ سال نو نمبر ہی نہیں بلکہ نئے سال کے شروع ہوتے ہی ماہنامہ حنا نے عزیز کی اگلی سیڑھی پر قدم رکھ دیا ہے، یوں جنوری کا شمارہ سالگرہ نمبر ہوتا ہے ہم نے سالگرہ نمبر اور سال نو کے حوالے سے ایک سروے ترتیب دیا ہے جس کے سوالات مندرجہ ذیل ہیں۔

سروے کے سوالات:

۱۔ نئے سال کے حوالے سے آپ نے کیا سوچا ہے یا اس سے کیا امیدیں وابستہ کی ہیں؟

۲۔ 2010ء میں پیش آنے والا کوئی خوشگوار واقعہ یا کوئی ایسی خوشی جو غیر متوقع طور پر آپ کو ملی ہو؟

۳۔ کیا آپ گزرے ہوئے خوشیوں بھرے لمحات کی یاد مناتی ہیں اور اگر مناتی ہیں تو کس طرح؟

۴۔ آپ کو کب اس بات کا احساس ہوا کہ آپ کے اندر ایک لکھاری موجود ہے؟

۵۔ کوئی ایسا موضوع یا کردار جس پر آپ لکھنا چاہتی ہوں مگر کوشش کے باوجود لکھ نہ پائی ہوں؟

۶۔ اپنی سالگرہ کے حوالے سے کوئی ایسا جملہ، شعر یا نظم جو آپ کے چاہنے والوں نے آپ کی نذر کی اور وہ آج بھی آپ کو یاد ہو۔

کڑا امتحان

حنا ملک

"پاپا! سرب تھے سوچا تم نے دیکھا نہیں تھا؟ آغا بھائی اور ماما کے متعلق جان کر وہ بہت ہرٹ ہوئے ہیں۔" زوجا نے تحمل سے سمجھایا۔

"پاپا کے لیے نہیں صرف آغا کے لیے۔ ہماری اور ہماری ماں کی ان کے نزدیک کبھی بھی کوئی اہمیت نہیں تھی۔" اس نے زور شے پن سے کہا اور پلٹ کر بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں جا کر بند ہو گئی، زوجا کچھ دیر وہیں کھڑی کچھ سوچتی رہی جیسے فیصلہ نہ کر پا رہی ہو اسے پہلے کہاں جانا چاہیے باپ کے پاس یا بہن کے پاس، پھر اس نے سلطان شاہ کے پاس جانے کا فیصلہ کیا تھا اور چلتی ہوئی ان کے کمرے تک آ کر دروازہ ناک کیا، اجازت ملی تو آہستگی سے اندر قدم رکھ کر سلام کیا، سلطان شاہ نے سرخ جلتی ہوئی آنکھیں اٹھائیں اور سوالیہ نگاہوں سے زوجا کو دیکھا۔

"میں زوجا ہوں بابا!" اپنے ہی باپ کو اپنا تعارف کرواتے ہوئے اس کا اپنا دل بھی کچھ دیر پہلے زاروقطار روتی ہوئی صوحا کی طرح رویا۔

"آؤ بیٹھو بیٹا!" اس نے محسوس کیا صرف وہی نہیں سلطان شاہ بھی اس سے ملتی جلتی شرمندگی سے دوچار ہوئے ہیں۔

"بابا! یقیناً آپ اکیلے تھے اور دسرب بھی میں اس وجہ سے آپ کے پاس آئی تھی۔" وہ ان کے سامنے صوفے پہ بیٹھتے ہوئے گویا وضاحت پیش کر رہی تھی، اتنی ٹینشن زدہ کیفیت سے دوچار ہوتے ہوئے بھی ان کے ہونٹوں پر مدھم مسکان بکھر گئی تھی۔

"مجھے پتہ ہے آپ بہت اچھی بیٹی ہو ہماری۔" اور زوجا کے چہرے پہ خوشی کے الوہی رنگ بکھر گئے تھے۔

"اب آپ آغا بھائی کو کیسے ڈھونڈیں گے پاپا؟" اس کے معصومیت سے پوچھے گئے سوال پہ ان کے چہرے پہ تھکن اتر آئی۔

"پاپا! ہم لاہور چلتے ہیں آغا وہیں پڑھتا تھا، ہوسکتا ہے وہ ابھی بھی وہیں رہتا ہو اور آپ کو پتہ ہے یہ حویلی جتنی خوبصورت ہے اس سے بڑھ کر خوفناک ہے، بلکہ صوحا تو کہتی ہے یہ گھر نہیں قبرستان ہے، اس حویلی کی دیواروں سے لہو رستا ہے۔"

"آپ کو پتہ ہے پاپا! تایا سائیں اور ادا سائیں نے زینی آپی اور مہرو آپ کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا تھا، اور آغا پہ چوری کا الزام لگا کر مار پیٹ کر یہاں سے نکالا تھا اور پتہ ہے پاپا ٹی نے کیا کہا؟" اس کی بڑی بڑی سے چمکیلی چمکیلی آنکھوں میں یکدم سے مسکراہٹ کوندی۔

"وہ اس حویلی کو چھوڑ کر بھاگ گئی، وہ کہتی تھی اگر میں یہاں رہی تو بابا سائیں اور ادا سائیں دونوں آپ ہی کی طرح سے مجھے بھی حق بخشوانے کی خاطر قتل کر دیں گے، یا قرآن پاک سے نکاح کر دیں گے۔"

"چپ کرو بیٹا چیز۔" انہوں نے یکدم دہل کر اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا۔

"یہ تو قرآن پاک سے نکاح نہیں ہوتا، یہ بہت غلط بات ہے اور میری بیٹی یہ غلط بات اپنے منہ سے نہیں نکالے گی اوکے۔"

زوجا نے پہلے حیران ہو کر ان کے ہاتھ کے لمس کو محسوس کیا پھر مسکرا کر سر کو اثبات میں جنبش دی اور پھر گہری ہوتی مسکراہٹ سمیت جھک کر ان کے ہاتھ کو عقیدت بھرے انداز میں چوم لیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ)

میرے ساحر سے کہو

ام مریم

پچھلی قسط کا خلاصہ

رانیل کے ہاں جنم لینے والا بچہ گھر میں خوشیوں کا پیامبر بن کے آتا ہے، بچے کو پا کے رانیل کے ہونٹوں پہ بھی خوشیوں کی کلیاں چٹکتی ہیں۔

حویلی کے مکین زوحا اور سوحا سلطان شاہ کی دوسری بیوی کی جڑواں اولاد ہیں جنہیں ان کی ماں سمیت سے سلطان شاہ ادا سائیں کی ضد میں قبول نہیں کرتے اور چھوڑ کر ملک سے باہر چلے جاتے ہیں۔

سلطان شاہ کو ماضی بار بار تنگ کرتا ہے یادیں ان کا سکون چھینے ہوتے ہیں، اپنی بیوی بچوں کی بے رحمی کی موت کا غم بھلائے نہیں بھولتا ایسی ہی تلخ یادوں میں انہیں اپنے بیٹے کا آغا کا خیال آتا ہے جسے وہ حویلی میں ادا سائیں کے پاس چھوڑ آئے تھے وہ واپس پاکستان جانے کا فیصلہ کرتے ہیں۔

پریشے اپنے فیصلے پہ قائم ہے طارق اس فیصلے کی سزا کی کو سہتے ہوئے دن رات نارسائی کی آگ میں جل رہا ہے، سونیا پریشے کو اس کے فیصلے کی زیادتی کا احساس دلاتی ہے تب پریشے اپنے فیصلے میں یہ ترمیم کرتی ہے کہ وہ کبھی کبھار طارق سے مل لے گی۔

ماہ نور کا ٹکراؤ ریسٹوران میں پہلے وقاص سے ہوتا ہے مگر وہ اسے پہچان نہیں پاتی جس سے وقاص بہت دل برداشتہ ہوتا ہے وہیں شہریار رانیل کو دیکھ لیتا ہے اور اس کا پیچھا کرتے ہوئے گھر تک آ جاتا ہے، رانیل کی بجائے وہاں اس کا سامنا ماہ نور اور ماما سے ہوتا ہے وہ ماما کو پہچان لیتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

چھبیسویں قسط

پھرا ہوں ساری دنیا میں دربدر کیسا !
میں تیرے بعد بھی زندہ رہا مگر کیسا !
وہ جانتا تھا کچھ روز وہ نہیں تو میں
پکارتا رہا اس کو ادھر ادھر کیسا
بس ایک شخص کی خاطر بس ایک دل کے لیے
وطن کو چھوڑ دیا دیوانگی میں گھر کیسا

شہریار کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، اس نے گھبراہٹ سے بھری ہوئی نظروں سے اپنی بانہوں میں بے ہوش ماما کے وجود پہ ڈالی تھی اور دوسری ماہ نور کے متغیر چہرے پہ پھر انہیں وہیں برآمدے میں بچھے تخت پہ لٹاتے ہوئے ماہ نور کو پانی لانے کو کہا تھا، ماہ نور ابھی تک انکشاف اور ماما کی بے ہوشی کے اثر سے نہیں نکلی تھی زور سے چونکی اور بدحواس سی دوڑ کر پانی کا گلاس بھر لائی۔

"ماما! آنکھیں کھولیں کیا ہو گیا ہے آپ کو، پلیز انہیں میرے ساتھ ایسا مت کریں، ماما!" ماہ نور کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لے کر ماما کے چہرے پہ پانی کے چھینٹے ڈال کر ہوش میں لانے کی سعی کرتے ہوئے وہ نیم دیوانگی کی سی کیفیت میں مسلسل انہیں پکار رہا تھا، ماہ نور بالکل خاموش گم صم کھڑی تھی، تبھی رائنل چہرے پہ وحشت اور خوف کے آثار لئے کمرے سے باہر چلی آئی اور ماما پہ جھکے ہوئے شہریار کی شرٹ کو پیچھے کاندھے سے پکڑ کر ایک زور کا جھٹکا دیا تھا، وہ لڑکھڑا کر پلٹا اور رائنل کو سامنے پا کر جیسے حیرت کی زیادتی سے پتھر کا ہو گیا۔

"یہ..... یہ صرف تمہاری نحوست کی وجہ سے ہوا ہے، سمجھے تم۔" اس کا گریبان پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے وہ نفرت زدہ لہجے میں پھنکاری اور ماما کے وجود پہ ایک شکستہ نظر ڈال کر دوبارہ کٹیلی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے چیخ کر بولی تھی۔

"سنو! اگر انہیں کچھ ہوا تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی، چلے جاؤ تم یہاں سے، دفع ہو جاؤ۔" اسے دونوں ہاتھوں سے پورے زور سے دھکا دے کر وہ ہسٹریک سی ہو کر کہہ رہی تھی، شہریار تو گویا اس پل مٹی کا مادھو تھا خاموش لب بستہ گم صم، اس کا دھکا لگنے سے وہ بے توازن ہو کر برآمدے کے ستون سے ٹکرایا تھا۔

"رائنل پلیز!" ماہ نور جو تب سے بالکل خاموش کھڑی یہ تماشا دیکھ رہی تھی شہریار کے ستون سے ٹکرانے پہ بے اختیار تڑپ اٹھی تھی، ناگواری کا احساس برقی رو بن کر پورے وجود میں سرایت کر گیا، اس مداخلت پہ رائنل نے چونک کر اسے دیکھا اور بہت خاموش نظروں سے بہت دیر تک دیکھا، ماہ نور اس کی الزام دیتی چبھتی نظروں کے وار نہ سہہ سکی اس کی نگاہ بہت آہستگی سے جھک گئی، مگر وہ بہت آہستگی سے چلتی رائنل اور شہریار کے درمیان آ گئی۔

"پلیز، پلیز ایسا مت کرو۔" رائنل کے چہرے پہ ایک تاریک سایہ لہرایا تھا، اس کے تنے ہوئے نقوش یکلخت ڈھیلے پڑ گئے اور آنکھوں میں موجود نفرت کی جگہ آنسوؤں نے لے لی۔

"اوہ! آئی ایم ساری! میں بھول گئی تھی کہ میں شہریار سے نہیں آغا سے مخاطب ہوں، جو اس گھر کا بیٹا اور بھائی ہے اور سب کو بہت عزیز بھی ہے ایکسٹریملی سوری۔" اس نے کاٹ دار لہجے میں کہا اور پلٹ کر اندر کمرے میں چلی گئی، ماہ نور نے بے بسی کے شدید احساس میں گھر کر شہریار کو دیکھا جو سختی سے ہونٹ بھینچے اب ماما کو دیکھ رہا تھا، جو ہوش میں آ چکی تھیں اور اب ایک خوف کی کیفیت

میں ایک ایک کی شکل دیکھ رہی تھیں، ان کے چہرے پہ برسوں کی دعاؤں کی مقبولیت اور حاجت پوری ہو جانے کی خوشی پہ حالات کی نزاکت کا خوف طاری تھا، ماہ نور کو ان پہ بے تحاشا ترس آیا، وہ آہستگی سے چل کر ان کے نزدیک آئی تھی اور ان کا سرد ہوتا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

"آر یو اوکے ماما؟" شہریار آ کر ان کے اوپر جھکا تھا، ماما نے آنسو بھری نظروں سے اسے دیکھا پھر بھیگی آواز میں بولی تھیں۔

"بیٹا وہ رائنل....." شہریار نے ایک نظر ان کے زرد پڑتے چہرے کو دیکھا پھر گردن موڑ کر بند دروازے کو جس کے پیچھے رائنل گم ہو چکی تھی۔

"ہاں وہ مجھ سے بہت بدگمان ہے۔" ان کے بال نرمی سے سہلا کر اس نے افسردگی سے جواب دیا تھا، پھر گہرا سانس بھر کے ان کی کمر میں ہاتھ ڈال کر ذرا سا انہیں اونچا کیا اور اپنے کاندھے سے ان کا سر ٹکا کر نرمی و محبت سے بولا تھا۔

"آپ یہ دو گھونٹ پانی پئیں گلوکوز ملایا ہے اس میں ابھی طاقت بحال ہو گی۔" ماہ نور کے ہاتھ سے گلاس لے کر اس نے ماما کے ہونٹوں سے لگایا جس سے ایک گھونٹ لیتے ان کی آنکھیں بھر بھر بہنے لگیں۔

(میں کیا کروں خدایا! یہ کیسی مشکل گھڑی ہے، ایک جانب میرا برسوں کا بچھڑا ہوا بیٹا ہے جس کے لیے سجدوں میں التجائیں کی ہیں تجھ سے، دوسری جانب وہ بن ماں باپ کے بے سہارا مظلوم بچی، جس پہ میرے اسی بیٹے نے ظلم کے پہاڑ توڑ دیئے ہیں، میں کیا کروں؟ کس کا ساتھ دوں میرے مالک)

شہریار نے گلاس رکھ کر تڑپنے کے سے انداز میں ان کا لرزتا کانپتا ہوا وجود اپنی بانہوں میں بھر کے ساتھ لگا لیا۔

"کیوں رو رہی ہیں آپ! کیا ہوا ہے ماما مجھے بتائیں۔" وہ دیوانہ وار ان کے چہرے کے نقوش کو چومتا ہوا بے قراری سے پوچھ رہا تھا، ان کے آنسوؤں میں روانی آ گئی وہ اور پریشان ہوا تھا۔

"ایسا مت کریں ماما میرے ساتھ۔"

(کیا بتاؤں میرے چاند! میں انتہائی خوشی اور انتہائی غم کے احساس سے مغلوب ہوتے دل کو سنبھال نہیں پا رہی ہوں مجھے لگ رہا ہے ان سے کوئی ایک احساس جو زیادہ شدید ہے میری جان لے لے گا)

"آغا!" ان کے ہونٹ کانپے تھے شہریار نے ان کا چہرا ہاتھوں کے پیالے میں لے لیا اور تمام توجہ سے انہیں دیکھنے لگا۔

"تم نے رائنل کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟" انہوں نے کہا اور پھر اس سے لپٹ کر بری طرح رو پڑیں، شہریار کا رنگ بالکل سفید پڑ گیا، اسے لگا تھا اس نے جیتی ہوئی بازی اسی پل ہار دی ہو۔

☆☆☆

کچھ ایسے گھاؤ بھی ہوتے ہیں
جن سے زخمی آپ نہیں ہوتے
بن روئے ہوئے آنسو کی طرح سینے میں چھپا کر رکھتے ہیں
اور ساری عمر نہیں روتے

نیندیں بھی مہیا ہوتی ہیں سپنے بھی دور نہیں ہوتے
کیوں پھر بھی جاگتے رہتے ہیں؟ کیوں ساری رات نہیں سوتے
اب کس سے کہیں اے جان وفا! یہ اہل وفا!
کس آگ میں جلتے رہتے ہیں
کیوں بجھ کر راکھ نہیں ہوتے۔

داؤد حسن خاں چلتے چلتے ٹھٹھک کر تھم گئے تھے، انہیں مغالطہ نہیں ہوا تھا، واقعی انہیں کسی نے پکارا تھا، اس سے پہلے کہ وہ پلٹ کر دیکھتے وہ خود چلتی ہوئی آ کے ان کے سامنے کھڑی ہوگئی اور داؤد حسن خاں کو لگا تھا جیسے وقت کی آزمائش ایک بار پھر ان سے بھگتان بھگتنے آن کھڑی ہوئی ہے۔

''پہچانا نہیں صاحب میں رباب ہوں۔'' وہ مسکرائی اس کی مسکراہٹ میں آج بھی کوندے سے لپکتے تھے، مگر داؤد حسن خاں کو اپنا آپ بجھ بجھ جتا محسوس ہوا۔

''جانے کیوں مجھے یہ خوش فہمی لاحق ہے کہ تم مجھے بھولے نہیں ہو۔'' وہ بہت زعم سے کہہ رہی تھی اپنے الفاظ کے ہیر پھیر کے برعکس اس کے لہجے کا یہ اعتماد یہ یقین بہت خوب تھا اور وہ سچ ہی تو کہہ رہی تھی، وہ اسے جھٹلانے کی پوزیشن میں تھے ہی نہیں۔

''آؤ نا صاحب! کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' اس نے ان کا ہاتھ تھاما جسے اگلے ہی پل انہوں نے جھٹک دیا، اس کے باوجود کہیں لگا ان کے ہاتھ میں جو آگ اس لمس سے اتری تھی وہ سرعت سے پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لیتی گئی۔

''اوہ سوری صاحب سوری، میں بھول ہی گئی تھی کہ میں اب عزت دار لڑکی نہیں رہی ہوں بلکہ میں اب ایک مشہور بلکہ بدنام اور ذلیل خوار کال گرل ہوں اور آپ جیسے عزت دار شخص کی نیک نامی میرے پاس بیٹھنے سے داؤ پہ لگ سکتی ہے۔'' وہ طنز نہیں کر رہی تھی اس کے باوجود اس کے الفاظ داؤد حسن خاں کو کند چھری کی طرح سے کاٹ کر رکھ گئے، وہ ایک دم قدرے ڈھیلے پڑ گئے۔

''آؤ وہاں چل کر کافی پیتے ہیں، اسی دوران باتیں بھی ہو جائیں گی۔'' انہوں نے ضمیر کی عدالت کے سامنے ہتھیار ڈالے اور تمام احتیاط بالائے طاق رکھ دی، رباب نے اچنبھے میں گھر کر ان کی صورت دیکھی تھی پھر گہرا سانس بھر کے سر کو نفی میں جنبش دی۔

''ارے نہیں صاحب! میں تو مذاق کر رہی تھی۔''

''لیکن میں مذاق نہیں کیا کرتا اور یہ بات آپ جانتی ہیں۔'' انہوں نے درشتی سے کہہ کر قدم بڑھائے تو رباب تڑپ کر ان کی تقلید میں چل پڑی۔

''کیا کہنا تھا آپ کو؟''

کافی آرڈر کرنے کے بعد انہوں نے استفہامیہ نگاہوں سے اس کا چہرہ دیکھا، جو آج نسوانیت کا بھرم رکھے ہوئے تھی، ورنہ اس سے قبل جب بھی انہوں نے اسے دیکھا تھا وہ ہمیشہ بہت فضول ڈریسنگ کیے ہوئی تھی اور ہر بار وہ اسے دیکھنے کے بعد بہت تاسف و ملال میں گھر کر سوچا کرتے تھے۔

(برائی کی زندگی کو اپنانا تمہاری مجبوری ہوگی رباب مگر لباس کے نام پہ دھجیاں وجود سے لپیٹ لینا بہرحال تمہاری مجبوری نہیں ہو سکتی۔)

وہ بہت حسرت بھری نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی، ان کی گرومنگ شائننگ پر ستائش ان کا باوقار مہذب لہجہ ان کا رکھ رکھاؤ کیا کچھ قابل ستائش نہ تھا اور کتنا گھاٹے کا سودا کر چکی تھی وہ برسوں پہلے، ملال اس کا دل خون کرنے لگا۔

''سب سے پکی بات تو یہ ہے صاحب! کہ میں خود کو اس عزت کے قابل نہیں سمجھتی جو آپ نے ابھی مجھے دی۔''

''اس بات کا فیصلہ آپ کیسے کر سکتی ہیں؟'' انہوں نے رسانیت سے کہا پورے وجود میں گویا کوڑیالے سانپ کا زہر پھیلنے لگا تھا۔

''میں ہی کر سکتی ہوں صاحب! دنیا میں ہر انسان خود ہی اپنے دل کے حال سے واقف ہو سکتا ہے اور آج میرا جی چاہا ہے کہ میں آپ کو آپ کے ضمیر کے بوجھ سے رہائی دلا دوں۔'' اس نے افسردگی سے مسکرا کر کہا اور داؤد حسن خاں بہت بری طرح سے چونک گئے، وہ اپنے دوپٹے سے اپنا چہرا اس طرح سے ڈھانپ چکی تھی کہ اب صرف آنکھیں عیاں تھیں، (یقیناً اس نے ان کی عزت اور ساکھ بچانے کی ادھوری ایک کوشش کی تھی۔)

وہ ان کی حیران آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گہرا سانس لے کر بولی تھی۔

''ہاں صاحب! میں اگر آج ذلت بدنامی اور گناہ کی دلدل میں گردن تک دھنسی ہوئی ہوں تو اس میں آپ کا جانے یا انجانے میں کہیں بھی کوئی دوش نہیں ہے، یہ راہ میری اپنی منتخب کردہ ہے۔'' اس نے سر جھکا لیا تھا، داؤد حسن خاں کو اپنی سانسیں اٹکی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔

''میں اس بھاری پتھر جیسے بوجھ کو اٹھاتے تھک گئی ہوں صاحب!'' اس نے گہرا سانس بھر کے پھر توقف کیا، داؤد حسن خاں خالی نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''اس رات اپنے گھر کو چھوڑنے سے قبل میں جان چکی تھی صاحب کہ آپ نہیں آؤ گے، اس کے باوجود اگر اس شب میں گھر سے نکلی تھی تو قصوروار میں ہی نہ کہ آپ؟''

''تت..... تم کیسے جانتی تھیں کہ میں.....؟'' شدت حیرت سے ان کی زبان لڑکھڑا گئی، وہ دکھ کی شدتوں سے چور ہو کر مسکرائی۔

''شہرینہ بی بی کی وہ باتیں میں نے سن لی تھیں صاحب جو وہ اپنی اماں سے کر رہی تھیں۔'' اس نے ایک نگاہ ان کے متغیر چہرے پہ ڈال کر آہستگی سے پھر سے کہنا شروع کیا۔

''انہی دنوں تھیٹر کا ایک ڈائریکٹر جو میری بڑی بہن کا جاننے والا تھا میرے پیچھے پڑ گیا تھا، اسے اپنے تھیٹر میں کام کرنے والی ایک خوبصورت چہرے کی تلاش تھی، دراصل اس کا تھیٹر ان دنوں مندے میں جا رہا تھا اور وہ اس طرح اس ڈوبتی ہوئی کشتی کو ابھارنے اور کنارے آنے کی کوششوں میں تھا، اس نے مجھے بہت سبز باغ دکھائے تھے، ویسے ہی سنہرے خواب صاحب جو آپ نے میری آنکھوں کو سونپے تھے، مگر شہرینہ بی بی کی باتوں کو سن لینے کے بعد میں نے اسی وقت جان لیا تھا کہ میں نے آپ کے حوالے سے دیکھے گئے یہ خواب کبھی پورے نہیں ہو سکیں گے۔''

''صاحب! میں نے یہ بھی جان لیا تھا کہ ہم جیسے اگر عزت کی خواہش کریں تو ہمارے لئے یہ خواہش دیوانے کا خواب ہی ثابت ہو سکتی ہے۔''

''آپ یقین کرو صاحب اس رات میں نے آپ کا انتظار کیے بغیر اپنی بہن کے ساتھ آپ کے دیئے ہوئے وقت سے بھی کہیں پہلے اس گاؤں کو چھوڑ دیا تھا، اس عجلت کی وجہ یہ بھی رہی تھی صاحب کہ اگر آپ شہرینہ بی بی کے پھینکے گئے جال کو توڑ کر آنے میں کامیاب ہو گئے تو...

صاحب آپ کے جذبے جیتے بھی اصول سہی مگر میرے خون میں موجود گناہ کی آمیزش نے میرے قدموں کو بہکا دیا تھا، میں جانتی ہوں صاحب آپ بہت حساس سہی ہیں، بہت دیانت دار اور بہت وفا دار بھی ہو۔"

"جانے کیوں مجھے ابھی تک ایسا گمان تھا بلکہ یقین تھا کہ آپ اس ایک ناکردہ جرم کے احساس سے نکل نہیں پائے ہوں گے، جبھی میں نے آج آپ کو اس بوجھ سے آزاد کرانے کا سوچتے ہوئے یہ جرأت دکھائی تھی، سچی ہوں صاحب، ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجئے، اس محبت کے صدقے نہ سہی جو آج تک میں آپ سے کرتی چلی آ رہی ہوں، ہاں اس محبت کے واسطے جو آپ نے بھی مجھ سے کی تھی۔" اس کی آواز بھرا ہٹ چھا گئی وہ اچانک اٹھی تھی اور پلٹ کر تیز تیز چلتی ہوئی وہاں سے نکلتی چلی گئی، کافی کے دونوں مگ ٹیبل پہ پڑے پڑے ٹھنڈے ہو گئے تھے، داؤد حسن خان اس کے چلے جانے کے بعد بھی ساکن بیٹھے تھے۔

☆☆☆

تیرے بغیر بھی اکثر رکھا ہے دل اپنا
کہ جتنے چہرے تھے سب تیرے خدوخال کے تھے
ہزار کم تھے تیرے غم سے ماورا لیکن
وہ زندگی کے نہ تھے صرف ماہ و سال کے تھے

وہ اندر کمرے میں دیوار سے ٹیک لگائے نیچے زمین پہ بیٹھی تھی، دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپٹے تھے، گالوں پہ آنسوؤں کی لکیریں، عجیب لٹا پٹا سا انداز تھا، ماما نے دیکھا تو تڑپ کر اس تک آ گئیں اور اس کا سر سینے سے لگا لیا۔

"بیٹا! بیٹا ایسے کیوں بیٹھی ہو؟" انہوں نے کچھ دیر اس کے پتھر بنے وجود کو دیکھا پھر کچھ توقف سے بولی تھیں۔

"مجھے پتہ ہے تم کیا سوچ رہی ہو، جو خدشے ہیں تمہارے دل میں، مگر میری جان کیا ماں پہ بھروسہ نہیں ہے؟" وہ اسے ساتھ لگا کر تھپکتے ہوئے دھیرے دھیرے کہنے لگیں، رائقل نے آنسوؤں سے جل تھل ہوتی نظروں سے انہیں دیکھا اور سسکی لے کر بولی۔

"وہ آپ کا بیٹا ہے، برسوں کا بچھڑا ہوا بیٹا اور میں ___" وہ ہچکیاں بھر بھر کے رونے لگی، ماما نے اسے اپنے ساتھ لگا کر نرمی سے تھپکا وہ تھکی ہوئی بھرائی آواز میں پھر سے کہنے لگی۔

"میں آپ کی محبت کو آپ کی ممتا کو آزمائش میں مبتلا کر کے خوش اور مطمئن کیسے ہو جاؤں ماما، میں یہ بھی جانتی ہوں وہ میرے لئے جیسا بھی تھا آپ کے لئے وہ بہت اچھا ہو گا، مجھے تو دکھ اس بات کا ہے کہ میرا یہ ٹھکانہ بھی عارضی ثابت ہوا دوبارہ مجھے آپ جیسے پرخلوص محبت کرنے والے لوگ شاید بھی نہ ملیں۔" ماما کے اعصاب کو دھچکا لگا تھا انہوں نے ایک خوف کی کیفیت میں گھر کر رائقل کا چہرہ دیکھا۔

"کیا مطلب؟ تم کہیں نہیں جا رہی ہو رائقل، خبردار جو ایسی فضول بات منہ سے بھی نکالی۔" انہوں نے سخت خفا ہو کر اسے ڈانٹا، وہ چپ چاپ آنسو بہائے گئی، طلحہ اور حنا سہمے ہوئے ان کی شکلیں دیکھ رہے تھے، ماہ نور اندر آئی تو انہیں اٹھا کر دوسرے کمرے میں بھیج دیا، پھر رائقل کو مخاطب کر کے گویا اطلاع دینے کے انداز میں بولی تھی۔

"ماما نے بھائی کو خود یہاں سے جانے کا کہا ہے، کس کے لئے؟ تمہاری خاطر نا۔" رائقل کو جیسے سانپ نے سونگھ لیا، اس کی تحیر سے بھری ہوئی نگاہ ماما کی سمت اٹھی جو اسے دیکھ کر بہت حوصلے سے مسکرائی تھیں، پھر اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر رسانیت سے گویا ہوئیں۔

"میں نے کہا تھا نا بیٹا! میں نے تمہیں ماہ نور سے کبھی کم نہیں سمجھا۔"

"اور رائقل!" اس نے خفت اور شرمندگی کے احساس سمیت سر جھکا لیا تھا۔

"تو کیا اب وہ بھی یہاں نہیں آئے گا؟" اس نے دل میں کسی خلش کی طرح سے چبھتا ہوا سوال بہت جھجکتے ہوئے کیا تھا۔

"آئے گا مگر اس کا تم سے کوئی تعلق نہیں ہو گا، کم از کم اس وقت تک جب تک کہ تم خود نہیں چاہو۔" ماما کے نرمی سے وضاحت دینے پہ رائقل کی آنکھوں میں پانی ٹھہر لیا اتر آیا۔

"میں کیوں چاہوں گی؟ اور ماما آپ کو نہیں پتہ وہ شیطان ہے پورا وہ ___" معا اس نے ماما کے فق ہوتے چہرے کو دیکھا اور ایکدم زبان دبائی اور خاصے توقف سے خود کو کمپوز کرنے کے بعد ہارے ہوئے شکست خوردہ سے انداز میں کہا تھا۔

"ٹھیک ہے ماما مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، ایک طرح سے یہ بھی آپ کا مجھ پہ بہت بڑا احسان ہے۔" وہ واقعی ممنون و مشکور ہوئی تھی، ماما نے اس کا گال تھپک کر صرف مسکرانے پہ اکتفا کیا ان کے لئے یہی بہت تھا کہ وہ بغیر ضد کے مان گئی تھی۔

"میرا خیال ہے ایز دو رہا ہے؟" ماہ نور نے چونک کر کہا تو ماما جواباً بولی تھیں۔

"وہ بچے کے پاس ہے، دیکھو بیٹا اسے بھوک لگ رہی ہو گی۔" ماما کے کہنے پہ رائقل اٹھ کر چلی گئی، ماہ نور کرسی پہ کسی سوچ میں گم بیٹھی ماما سے مخاطب ہوئی تھی۔

"بھائی نے برا تو منایا ہو گا ماما کہ آپ نے ان سے زیادہ بیبو کو ___" ماہ نور کی آواز دکھ کی شدت سے بوجھل ہو گئی تو بات یونہی ادھوری چھوڑ دی، اسے اس بات کا بے حد ملال تھا کہ قدرت اب اگر مہربان ہوئی تھی اسے اس کا کھویا ہوا بھائی ملا تھا تو حالات کی ستم ظریفی کی وجہ سے جی بھر کے خوش بھی نہ ہو پائی تھی۔

"میرا نہیں خیال ایسا ہو گا، وہ میری بات سمجھ گیا تھا یقیناً۔" انہوں نے آہستگی سے کہا پھر جیسے کسی خیال کے تحت افسردگی سے بولی تھیں۔

"ماہ! بیٹا اگر وہ واقعی اچھا انسان نہیں ہے تو ___"

"پلیز مما اس بات کی ٹینشن مت لیجئے۔" اس نے جلدی سے ان کے ہاتھ تھام کر نرمی سے دباتے ہوئے لجاجت سے کہا۔

"میں بیبو کی بات سے اختلاف نہیں کر رہی ہوں مگر مما مجھے لگ رہا ہے جیسے بھائی اگر ایسے تھے بھی تو کوئی بہت بڑی تبدیلی انہیں چینج کر چکی ہے، یہ میری خوش فہمی بھی ہو سکتی ہے، مگر وہ کیا کہتے ہیں کہ کسی کی پہچان کے لئے ایک نظر بھی کافی ہوتی ہے۔"

"خدا کرے بیٹا! یہ تمہاری محض خوش فہمی نہ ہو، وہ واقعی بدل چکا ہو، اس میں ہماری اور اب رائقل کی بھی بہتری ہے، یقین جانو میں اکثر یہ بات سوچ کر ہولا کرتی تھی کہ بچی اتنی پہاڑ سی عمر اکیلی کیسے کاٹے گی۔" مما کے کہنے پہ ماہ نور مسکرا دی۔

"ویسے مما دونوں کا پیئر ہے کتنا پیارا ہے نا؟ ایک بات ہے بھائی نے لڑکی بڑی چن کے

وجودگی اپنے لئے، خوبصورت، معصوم اور پارسا اور اب تو اللہ نے پیارا سا بیٹا بھی دے دیا ہے، رائنل کو ایزد کی خاطر ہی دل میں گنجائش پیدا کرنی چاہیے۔"

"اللہ مالک ہے بیٹا! اللہ سے دعا کرو۔" ممانے کہنے پہ وہ بغور انہیں دیکھنے لگی۔

"ویسے مما آپ تو بہت خوش ہوں گی ہے نا؟" اور مما کے چہرے پہ موجود افسردگی میں مسکراہٹ بکھر گئی۔

"یہ کوئی کہنے کی بات تھوڑا ہی ہے، بچہ بھی اچھا پیارا تھا، دل اپنے بچے کے لئے تڑپ جاتا تھا، ساری اولادیں آنکھوں کے سامنے تھیں ماسوائے اس کے ہر وقت اس احساس کے ساتھ کڑھا کرتی پتہ نہیں کس حال میں ہوگا۔" وہ آبدیدہ ہونے لگیں۔

"حال تو خیر بہت اچھے رہے موصوف کے، ہر طرح سے عیش اڑا رہے تھے۔" ماہ نور نے ان کی اداسی دور کرنے کو ہی قدرے شوخی کا مظاہرہ کیا تھا، تبھی رائنل ایزد کو لئے چلی آئی تھی۔

"آپ یقین نہ کریں مما لیکن جب بھی یہ حقیقت ہے کہ رائنل کو جب پہلی بار دیکھا تو بالکل بھی اجنبیت کا احساس نہیں ہوا تھا، پھر ایزد اس سے جو محبت دل سے پھوٹی تھی اس میں بھی بہت بے ساختگی تھی اور یہ خون کی کشش ہی تو تھی، آخر کو بھتیجا تھا ہمارا۔" اس نے شوخ سی نظروں سے رائنل کو دیکھا جس نے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے تھے۔

"میں تو بہت خوش ہوں، جی چاہ رہا ہے مٹھائی بانٹوں۔" وہ پھر رائنل نے نظریں اٹھا کر بہت خفگی سے اسے دیکھا وہ صاف نظر انداز کر گئی۔

"مما آغا بھائی آ کے چلے کیوں گئے ہیں؟" بھنے نے اندر آ کر پوچھا تھا۔

مامانے گھبرا کر رائنل کی جانب دیکھا جو کوئی تاثر دیئے بغیر ایزد کے کپڑے بدل رہی تھی۔

"وہ پھر آئیں گے جانو!" ماہ نور نے اس کی تسلی کرائی رائنل کو یکسر نظر انداز کر کے کہا۔

"وہ تو اتنے اچھے ہیں آپا! طارق بھائی سے بھی زیادہ اچھے، آپ کو پتہ ہے طلحہ کیا کہہ رہا تھا؟" وہ لوہا بھر کو رکی پھر شوخ سی مسکراہٹ سے رائنل کو دیکھا اور معصومانہ سی شرم سے بولی تھی۔

"یہ جو پیہ آپی ہیں نا، یہ آغا بھائی کی دلہن ہیں، وہ یہ بھی کہہ رہا تھا اب وہ پیہ آپی کو آپی نہیں بھابی کہا کرے گا، ایک ہی تو بھابی ہوگی ہماری۔" حنا جو بولنے پہ آئی تو ماما کے ساتھ ساتھ اب کے ماہ نور کو بھی شپٹا دیا۔

"اچھا چپ کرو اور میں طلحہ کے بھی کان کھینچتی ہوں ذرا۔" ممانے حنا کو گھرک کر رکھ دیا تو وہ معصومیت اور حیران سے آنکھیں پٹپٹا کر بولی تھی۔

"کیوں ماما! کیا وہ جھوٹ بول رہا ہے؟"

"اُف وہ!" ماما نے اپنا سر پیٹ لیا، ماہ نور مسکراہٹ ضبط کرتی ہوئی حنا کو گھسیٹ کر باہر لے گئی۔

"بیٹا تم ان کی باتوں سے پریشان مت ہو، بچے ہیں نا سمجھ۔" ماما نے ملائمت سے کہتے رائنل کا دھواں دھواں چہرہ دیکھا، رائنل نے جواب میں کچھ نہیں کہا، البتہ چہرے پہ ناگواری کا تاثر بہت گہرا تھا۔

☆☆☆

تمہارا زخم جدا ہی نہیں ہوا مجھ سے
تمام عمر یہ مجھ سے نشان لپٹا رہا

تمہارے بعد گیا ہی نہیں کہیں رستہ
ہمارے پاؤں سے یہ بدگمان لپٹا رہا

طارق شیرازی نے پہلے چینج کیا پھر تمام لائٹس بجھاتا ہوا بیڈ پہ آ گیا، سارا دن بہت مصروف گزرا مگر اتنی تھکن کے باوجود نیند مہربان نہیں تھی، کروٹ پہ کروٹ بدلتے ہوئے اس کے دل نے بہت شدت سے خواہش کی تھی پری چہرے سے بات کرنے کی مگر وہ از خود اسے کال کرنا نہیں چاہتا تھا، عین اسی پل اس کے سیل فون پہ بیپ ہوئی تو اس کا دل بہت زور سے دھڑکا، وہ سرعت سے اٹھا تھا اور سائیڈ ٹیبل پہ پڑا ہوا موبائل اٹھا کر دیکھا، موسو کالنگ۔

اب کا جوش و خروش ایک دم جھاگ کی طرح سے بیٹھ گیا، موبائل ہنوز بجے جا رہا تھا، اس نے بے دلی سے کال ریسو کی (یہ دن بھی آنا تھے) اسے اپنی کیفیت پہ ہنسی سی آنے لگی۔

"اسلام وعلیکم!"

"وعلیکم اسلام!" انداز کی بے دلی لہجے سے عیاں تھی، مگر دوسری جانب ماہ نور بہت پر جوش اور خوش تھی، جبھی کچھ بھی محسوس کیے بنا بولی تھی۔

"ایک بہت بڑی خوشی کی خبر ہے طارق! بس میرا جی چاہ رہا تھا کسی سے شیئر کرنے کو تو آپ کو فون کر لیا، ویسے ڈسٹرب تو نہیں کر ڈالا آئی مین آپ سو تو نہیں رہے تھے؟"

(اب تم مجھے کیا ڈسٹرب نہیں کر سکتیں۔)

"نہیں۔" انتہائی مختصر جواب جو خفیف سی رکھائی لیے ہوئے تھا، ماہ نور ایک پل کو چپ سی ہو گئی ایک وقت تھا جب اس کی عام سیدھی سی بات سے وہ مطلب اخذ کر کے وہ بات کو شوخ رخ دے کر اسے زچ کر ڈالا کرتا تھا، وہ کتنا بدل گیا، اسے ایک دم ہی احساس ہوا اور دکھ نے دامن پکڑ لیا۔

"تم کچھ کہہ رہی تھیں؟" اس کی طویل خاموشی پہ طارق نے اکتاہٹ زدہ انداز میں ٹوکا تھا۔

"ہاں سوری مجھے خیال نہیں رہا، بھلا ہماری خوشی سے آپ کا کیا تعلق؟" اس نے اندر کی تپش اس انداز میں نکالی۔

"اگر تمہارا لڑنے کا موڈ ہے تو معذرت میں تمہارا ساتھ نہیں دے پاؤں گا۔" طارق شیرازی نے بے اعتنائی سے کہا تھا اور ماہ نور اسی درجہ توہین پہ سلگ سی گئی۔

"جی ہاں بہت اچھی طرح سے آگاہ ہوں کہ آپ کو کس کا ساتھ دینے ساتھ چلنے کی خواہش ہے، مگر ایک بات یاد رکھیے طارق میں آپ کو چین سے تو نہیں رہنے دوں گی، ماہ نور اتنی بے بس کمزور نہیں جتنا......"

"شٹ اپ ہاؤ جسٹ شٹ اپ۔" وہ زور سے دھاڑا تو دوسری سمت ماہ نور نے سلسلہ منقطع کر ڈالا، طارق نے دانت بھینچ کر خود کو قابو کیا۔

"اسٹوپڈ، نان سینس ایڈیٹ، جانے کس بات پہ اتنا اکڑتی ہے، پتہ نہیں کیا کہنا چاہتی تھی؟ مجھے خود کال کرنا چاہیے؟ مگر وہ اب ریسو نہیں کرے گی۔" وہ الجھ رہا تھا جب ایک بار پھر سیل فون بجا اس نے سرعت سے لپک کر نمبر دیکھے بغیر کال ریسو کی۔

"آئی ایم سوری۔" اس نے چھوٹتے ہی کہا تھا۔

"سوری فار واٹ؟" دوسری جانب پری تھی، وہ ایک دم کنفیوژڈ ہو گیا، فوری طور پہ کچھ نہیں

سوچا کیا کرے۔

"میں نے دو تین بار آپ کا نمبر ٹرائی کیا بزی جا رہا تھا۔"

"ہاں وہ گھر سے کال تھی۔" وہ پتہ نہیں کیوں ماہ نور کا نام لینے سے کترا گیا۔

"خیریت تھی آپ مجھے پریشان لگ رہے ہیں؟" پریشے نے نرمی سے کہا اور وہ ہلکے سے ہنس پڑا۔

"اب نہیں ہوں آپ نے کیوں کال کیا ہے پریشے؟ خیریت ہے نا؟"

"کیا مجھے نہیں کرنا چاہیے تھی؟" وہ شاکی ہوئی۔

"خود سے پوچھیں طارق کیا آپ ایسا نہیں چاہ رہے تھے؟" وہ اسی شکایت بھرے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"ہاں!" طارق آسودگی سے بھرپور ایک گہرا سانس کھینچا، مگر یہ کیفیت لمحاتی تھی۔

"مان لیا پریشے آپ کو بھی اور آپ کی اس الہامی محبت کو بھی۔" پریشے نے اس کی بات سنی تھی اور آنسوؤں کو بے آواز بہنے دیا تھا اور دوسری جانب طارق شیرازی سخت مضطرب ہو گیا تھا، اس کا جی چاہا پریشے سے گزارش کرے کہ وہ اپنے اس سنگدلانہ فیصلے پہ نظر ثانی کرے اس میں زیادہ نہیں تھوڑی سی ترمیم کرے، اسے اپنی بے قراری اضطراب اور خالی پن کے بارے میں بتائے، مگر وہ ایسا نہیں کر پایا۔

"فوج کے اعلیٰ حکام نے پاپا کی لانگ لیو ایکسپٹ کر لی ہے، ایک مرحلہ تو طے ہوا اب بس پاسپورٹ وغیرہ بننے کا کام رہ گیا ہے۔" وہ بتا رہی تھی اور طارق کو چپ لگ گئی تھی۔

"کتنے عرصے کی یہ لیو ہوگی؟"

"جتنے عرصے میں اس دنیا میں مہاجان رہوں گی۔" وہ بہت حوصلے سے ہنسی اور با حوصلہ طارق شیرازی اپنا ضبط اور حوصلہ ہارنے لگا، غم کا گولا اس کے گلے میں آ کر پھنسنے لگا۔

"پریشے!" اس نے بے حد دکھ بے حد کرب سے پکارا۔

"اگر آپ سمجھیں تو یہ بہادری نہیں ہے یہ قربانی نہیں ہے، یہ صرف زیادتی ہے میرے ساتھ خود تمہارے ساتھ۔"

تمام تر عہد ٹوٹ گئے وہ بے حد اذیت کا شکار ہو کر ایک ایک گزارش اس کے سامنے بیان کر گیا، پریشے ایکدم خاموش ہوئی تھی، طارق بھی دکھ جھیلتا رہا، پھر خود پہ ضبط کر کے بہت بوجھل آواز میں بولا تھا۔

"ایک نظم سنو گی، خاص تمہارے لئے ہے۔"

"ضرور۔" پریشے نے آہستگی سے کہا اور طارق بہت سارا ضبط کر کے بہت بوجھل بہت دھیمی آواز میں گویا ہوا تھا۔

کن لیا ہم نے فیصلہ تیرا اور سن کے اداس ہو بیٹھے
ذہن چپ چاپ آنکھ خالی ہے
جیسے ہم کائنات کھو بیٹھے
دھندلے دھندلے سے منظروں میں مگر چھیڑتی ہیں تجلیاں تیری
بھولی بسری ہوئی رتوں سے ادھر یاد آ گئیں تتلیاں تیری

دل یہ کہتا ہے ضبط لازم ہے
ہجر کے دن کی دھوپ ڈھلنے تک اعتراف شکست کیا کرنا
فیصلے کی گھڑی بدلنے تک
دل یہ کہتا ہے حوصلہ رکھنا، سنگ رستے سے ہٹ بھی سکتے ہیں
اس سے پہلے کہ آنکھ بجھ جائے جانے والے پلٹ بھی سکتے ہیں
اب چراغاں کریں ہم اشکوں سے، یا مناظر بجھے بجھے دیکھیں
ایک طرف تو ہے ایک طرف دل ہے دل کی مانیں کہ اب تجھے دیکھیں
خود سے بھی کشمکش سی جاری ہے راہ میں تیرا غم بھی حائل ہے
چاک در چاک ہے قبائے حواس بے رفو خوشی روح گھائل ہے
تجھ کو پایا تو چاک سی لیں گے غم بھی امرت سمجھ کے پی لیں گے
ورنہ یوں ہے کہ دامن دل میں چند سانسیں ہیں گن کے جی لیں گے

وہ چپ ہوا تو پریشے کی ہچکیاں سسکیوں کی آواز بہت واضح تھی، اس نے سختی سے ہونٹوں کو بھینچ لیا تھا۔

(آپ نے تو اتنا حق بھی نہیں دیا مجھے کہ آپ کے آنسو پونچھ سکوں، غم کی اس ساعتی گھڑی میں آپ کے گلے لگ کر رو سکوں، بہت ظلم کیا ہے آپ نے مجھ پہ)

"ایسا مت کریں میرے ساتھ طارق میں نے یہ فیصلہ دل پہ پتھر رکھ کر کیا ہے، مجھے پھر سے کمزور نہ کریں۔" وہ بلک بلک کر رو رہی تھی، طارق نے ایک بہت سرد آہ کھینچی تھی۔

"ہو سکے، آئندہ آپ کو کبھی بھی مجھ سے شکایت نہیں ہوگی۔" اس نے کہا اور سلسلہ کاٹ دیا، مگر پریشے بعد میں بہت دیر تک جاگتی رہی روتی رہی۔

☆☆☆

پھولا بھی کسی کے ہجر کی شنائیں ملیں
گھر میں کھلے تو بھیگی تنہائیاں ملیں
وہ تھا ہمارے پاس تو اپنی خبر نہ تھی
اس سے بچھڑ کر اپنی شناسائیاں ملیں

ماحول میں سناٹا تھا، پراسرار خاموشی بس ہوا کی سرسراہٹیں تھیں، خشک سوکھے پتے اس ہوا کی شرارت سے اپنی جگہ سے اڑ کر کہیں اور جا کے گرتے تو ماحول میں چونکا دینے والا ارتعاش بکھر جاتا، انہوں نے اپنے ساتھ لائے گئے پھول قبر پہ چڑھائے اور فاتحہ کے لئے ہاتھ بلند کر دیئے، صبر و حیا کی پیکر اپنی شریک حیات کی زندگی کے بہت سے ایسے لمحات نظروں میں آن سمائے جب جب اس نے امید بھری نظروں سے انہیں دیکھا تھا اور وہ ہر بار ہر بار نفرت سے منہ پھیر گئے تھے، جانے یا انجانے میں وہ اولاد نرینہ کی خواہش کی تمام تر شدت لیے اس معصوم وجود سے بے زاری اکتاہٹ اور نفرت کا اظہار کر کے اپنے اندر سے مٹانے کی کوشش کرتے رہے تھے۔

"کیا ان کا یہ گناہ قابل معافی تھا؟"

"کیا اتنی بڑی زیادتی اور حق تلفی کو یہ پچھتاوے اور ندامت کے چند آنسو دھو سکتے تھے؟"

"نہیں۔" ان کے دل نے فوری فیصلہ سنایا اور وجود میں اضمحلال اتر آیا۔

"آپ رو رہے ہیں پاپا؟" زوحا جو ماں کی قبر پہ درختوں کی گھنیری شاخوں اور پتوں سے چھن کر آتی دھوپ چھاؤں کی خوبصورت آنکھ مچولی میں ایک سفید تتلی کو اڑتے پھرتے بہت مگن انداز میں دیکھ رہی تھی جیسے ان کی آنکھوں سے بہتے اشک پہ ٹھٹک کر بولی تھی، صوحا البتہ ابھی بھی فاصلے پہ بھی تکر دیکھ وہ بھی انہیں ہی رہی تھی۔

سلطان شاہ نے یونہی جھکے سر سمیت ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کے نم کنارے رگڑ ڈالے۔

"آپ کی آنکھوں سے بہتے یہ آنسو ماما کو تکلیف دے رہے ہوں گے پاپا! پلیز مت روئیے۔" زوحا ان کے بازو سے چہرا لگا کر بھرائی ہوئی آواز میں بولی تو صوبا نے پہ ہاتھ رکھے سسکیاں دبانے کی کوشش میں سرخ پڑ گئی۔

"سوری بیٹا! پاپا نے آپ کو رلا دیا۔" انہوں نے ایک ساتھ دونوں کو اپنے بازوؤں میں بھر لے کر دائیں بائیں پہلوؤں سے لگا کر بھاری آواز میں کہا تو زوحا بہت حوصلے اور ضبط سے مسکرائی تھی۔

"نہیں تو پاپا آئی ایم اوکے اور یہ صوحا اسے کوئی کام ہی کب ہوتا ہے رونے اداس ہونے یا پھر کسی بھی بات پہ پریشان ہونے کے سوا۔" اس کے منہ بسور کر کہنے پہ سلطان شاہ نے بہت چونک کر صوحا کی شکل دیکھی تھی۔

"کیوں بیٹا! بہن کیا کہہ رہی ہے؟" صوحا سخت جز بز ہو گئی غیر محسوس انداز میں زوحا کو گھورنا بھی چاہا مگر۔

"میں بھی اتنے دنوں سے محسوس کر رہا ہوں کہ یہ ہماری پیاری سی بیٹی کچھ زیادہ ہی چپ اور اداس رہتی ہے۔" سلطان شاہ کی اس پل ساری توجہ ساری محبت گویا اسی کے لیے تھی اور وہ جو جنم جنم کی پیاسی تھی پل پل اس ایک بات کے لئے ترستی تھی جانے کیوں ایکدم بوکھلا گئی، اس پہ زوحا کی زبان کی قینچی جو کہہ رہی تھی۔

"پاپا اسے آپ سے بھی بہت سی شکایتیں ہیں، یہ میرے جتنی محبت بھی آپ سے نہیں کرتی۔" وہ بہت بے نیازی سے بتا رہی تھی اور صوحا کا رنگ ایکدم پیلا پڑ گیا تھا، اس نے ایک خائف سی نگاہ سلطان شاہ پہ ڈالی، شکست خوردگی، مایوسی و دل گرفتگی جن کے خوش رو سے وجیہہ چہرے پہ ایکدم ہی تاریک سایوں کی صورت لرزنے لگی تھی اور وہ یہ کبھی نہیں چاہتی تھی اس کی وجہ سے پاپا کا دل ٹوٹے۔

"نہیں پاپا! یہ بہت جھوٹی ہے، اس کی بات کا ہرگز یقین نہ کریں، رئیلی آئی لو یو پاپا۔" وہ ایکدم ان سے لپٹ کر بے اختیار رو تی چلی گئی، جبکہ زوحا اس کا سر نرمی سے تھپک کر آنسو پونچھ کر ماتھے پہ پیار کرتے سلطان شاہ کو چمکتی نظروں سے دیکھتی گویا اپنی کامیابی پہ خود کو خود ہی داد دے رہی تھی۔

☆☆☆

دھیان رہتا ہے تیرے گھر کی عنایت کی طرف
کیسے جائیں گے کسی اور کی چاہت کی طرف
بات نکلے گی تو سب تیری طرف دیکھیں گے
مجھ کو آنے ہی نہیں دیں گے وضاحت کی طرف
تھی مناسب تھا مگر میں نے مسلسل دیکھا
تھی جو اک تم سے مشابہ اسی صورت کی طرف

شام کا وقت تھا، سورج ڈھلے کچھ ہی دیر ہوئی تھی، آسمان کے مغربی کنارے سرخ ہو کر درختوں کی سبز شاخوں سے جھانک رہے تھے، ماما، ماہ نور کو ساتھ لے کر مارکیٹ گئی تھیں، مینا اور طلحہ ٹیوشن سینٹر پیچھے وہ رہ گئی تھی، گھر میں اکیلی، جب ایزد بھی سو گیا تھا اس نے اٹھ کر صفائی کا ارادہ کیا اور دوپٹہ اتار کر برآمدے کے ستون سے دو تین بل دے کر گرہ لگا دی، پائپ لگایا اور شراپ شراپ چھینٹے اڑاتے ہوئے دھلائی میں مصروف ہوئی، پہلے کمرے دھو کر پیچھے چلائے اور خود برآمدے میں نکل آئی۔

کمرے ستھرے فرش ٹھنڈی سکون بخش فضا جالی کے سفید پردے کھینچنے سے کیسا خوشگوار سا تاثر ابھر آیا تھا اب وہ برآمدے اور صحن پہ اپنی توانائیاں صرف کرنے لگی، پورا گھنٹہ لگا کر اس کام سے فارغ ہوئی تو مسلسل جھکنے سے کمر تختہ ہو رہی تھی، مگر ابھی وائپر لگانا باقی تھا، پھر ایزد کا بھی کچھ پتہ نہیں تھا کب جاگ اٹھتا جبکہ اسکا ارادہ اس کام کے بعد دال چاول پکانے کا تھا، اس نے چپل بھی اتار دی اور برآمدے کا پنکھا چلا کر ایک بار پھر وائپر سنبھال لیا۔

اسے اب سب سے زیادہ فکر ایزد کی ہی تھی اگر وہ اٹھ جاتا تو اسے کون سنبھالتا، حالانکہ ماما متامل تھیں اسے تنہا گھر چھوڑ کر جانے پہ مگر اس نے تسلی کرا دی تھی۔

"مگر بیٹا اگر ایزد نے تنگ کیا تو.......؟" ماما کو پتہ نہیں کیوں اتنی پریشانی تھی حالانکہ وہ اب ایزد کو سنبھالنا خاصا سیکھ گئی تھی۔

"کچھ نہیں ہوتا ماما، آپ اپنا کام کر آئیں کتنے دنوں سے اٹکا ہوا ہے۔"

اسے ہمیشہ ہی اپنی وجہ سے ماما کے ہونے والے نقصانات پہ شرمندگی محسوس ہوا کرتی تھی۔

"افوہ بھئی! امی بہت شکی ہو رہی ہیں، یہ دراصل تمہارے بھتیجے سے نہیں اپنے بیٹے سے خائف ہو رہی ہیں، گھر میں موجود ایک خوبصورت جوان لڑکی جو حسن اتفاق سے محترم کی بیوی بھی ہوتی ہیں، تو معاملہ گڑبڑ بھی تو ہو سکتا ہے نا۔"

ماہ نور کا موڈ آج کل بہت خوشگوار رہنے لگا تھا وہ اکثر اس قسم کی باتیں کر کے محظوظ ہوا کرتی جواب میں اسے رائیل کی خفگی کی بالکل پرواہ بھی نہیں ہوا کرتی تھی، اس وقت بھی رائیل کا منہ بن گیا تھا۔

"تم مجھ سے اس قسم کی فضول باتیں مت کیا کرو ماہا۔" اس نے بہت تلخی سے کہا تھا۔

"میں تو کروں گی کوئی برا مانتا ہے تو مانے۔" ماہ نور نے بے نیازی سے کاندھے جھٹک کر کہہ دیا تھا۔

"تو پھر ٹھیک ہے مجھ سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔" رائیل نے سخت طیش کے عالم میں کہہ ڈالا۔

"شرم کرلو، دو ٹکی اور بنا پا بھلا کر بھاوج بن رہی ہو۔" ماہ نور نے ذرا جو اس کی بات کا اثر لیا ہو الٹا مسکراہٹ دبا کر پھر بھی شرارت سے باز نہیں آئی تھی، رائیل کا چہرا غصے کی زیادتی سے سرخ ہو کر دہکنے لگا۔

"جب تم دو ٹکی اور بہنا پا بھلا کر نند بن بیٹھی ہو تو کیا حرج ہے پھر میں بھی......" جوابا وہ غصے

میں آؤٹ ہوتے ہوئے جو منہ میں آیا کہہ رہی تھی کہ ماہ نور کے قہقہے پہ غلطی کا احساس ہونے پہ ہونٹ بھینچ گئی۔

"تو پھر مانتی ہو کہ تم بھابھی ہی ہو ہماری۔" ماہ نور کو شہریار کے حوالے سے اسے تنگ کرنا چھیڑنا ستانا اور پھر اس کا غصے سے کچھ خفت و خجالت سے لحظہ بہ لحظہ سرخ پڑتا چہرا بہت مزا دیا کرتا تھا۔

"ماما کیوں زچ کر رہی ہو مجھے؟" وہ روہانسی ہو کر رہ گئی۔

"زچ تو تم کر رہی ہو میرے اتنے اچھے سے بھائی کو۔" ماہ نور نے اس پل اس سے نظریں چرالیں پھر لجاجت سے بولی تھی۔

"پلیز بیا معاف کر دو نا انہیں۔" اور رائنل کی آنکھوں میں ڈھیروں ڈھیر نمی اتر آئی تھی۔

"تمہیں سب بتا چکی ہوں نا ماما، اس نے میرے ساتھ کیا کچھ کیا ہے پھر بھی؟"

"ہاں پھر بھی۔" اس نے اپنی بات پہ زور دیا پھر عجیب سی بے بسی سے بولی تھی۔

"تمہیں بھی پتہ ہے نا طارق شیرازی نے میرے ساتھ کیا کیا تم بھی تو مجھے سب کچھ بھلا کر نئی زندگی جینے کا مشورہ دیتی ہو نا؟" ماہ نور نے جتایا رائنل نے سر جھٹک دیا۔

"تم نے کون سا مان لی وہ بات۔"

"مان چکی ہوں، مجھے تو بہت شدت سے طارق کی واپسی کا انتظار ہے بیا۔" ماہ نور نے شوخی سے کہا تو رائنل نے غیر یقینی میں مبتلا ہو کر اسے دیکھا، اس کی آنکھوں میں سچائی کی اور شکست کے رنگ تھے وہ واقعی ساحرہ ہے بیا اس نے مجھ پہ دھیرے دھیرے اپنا سحر پھونکا اور مجھے اسیر کر لیا۔

"میں ہار گئی ہوں، میں نے تمہاری بات کو سمجھ لیا ہے بیا اور اب یہ ہار مجھے ہارنی ہی تھی۔"

اس کی آواز سرگوشی میں ڈھل گئی، وہ مسکرا رہی تھی۔

"واقعی جہاں محبت ہو وہاں انا اور ضد نہیں ہونی چاہیئے۔"

"جہاں محبت ہو نا؟ یہاں تو محبت ہے ہی نہیں، کبھی تھی بھی نہیں، یہ تو مجبوری کا بندھن تھا اور نفرت بیچ میں چلی آئی، خود سے مجھے کمپیئر مت کرو ماما۔" رائنل نے رسانیت سے بھرپور ٹھہرے لہجے میں کہا تھا اور اسے وہیں چھوڑ کر اندر کمرے میں چلی گئی، جہاں سے چادر اوڑھ کر نکلیں ماما جانے کیوں ساکن سی ہو گئی تھیں، یقیناً انہوں نے بھی ان کے بیچ ہونے والی باتیں سن لی تھیں اور اب اسے بار بار ان کا چہرا یاد کر کے ایک ملال سا گھیر رہا تھا۔

"میرے دل میں جو ہے اسے الفاظ کا پیرہن پہنا کر مجھے ان اچھے لوگوں کو دکھی نہیں کرنا چاہیے اور جہاں تک شہریار کا معاملہ ہے، اس کے ساتھ جو کچھ کرنا ہے وہ میں خود اچھی طرح سے سمجھتی ہوں۔" وہ ان سوچوں میں اس حد تک گم تھی کہ کب بیرونی دروازہ کھول کر شہریار اندر آیا اسے قطعی خبر نہ ہو سکی، جبکہ شہریار وہیں ٹھٹھک گیا تھا۔

نیوی بلیو کمیض کی آستینیں کہنی تک فولڈ کیں اس کمر میں اس کا دودھیا شفاف رنگ لشکارے مار رہا تھا شلوار کے پائنچے بھی گیلے تھے، صبیح چہرا اس ڈھلتی ہوئی شام کی سرمئی اور شفق سے تمتما رہا تھا، پسینے کے قطرے اس کے ماتھے کی روشن چمک دار سطح پہ جیسے شبنم کے موتی بن کر چمک رہے تھے، خود میں مگن وہ نرم و نازک اور بے حد حسین لڑکی جس کی ریشمی چوٹی بہت بے نیازی کے عالم میں دائیں کاندھے پہ پڑی تھی اور کچھ آوارہ جھولتی لٹیں سورج کی روشنی میں چمک رہی تھیں، یہ سادہ سا مگر سحر طاری کرتا ہوا سراپا شہریار کی تمام محویت اور توجہ کا مرکز بن کر رہ گیا، یہ یقیناً اس کی انگی بے

پناہ اور گستاخ نظروں کا شاخسانہ تھا کہ جانے کیسے گیلے فرش پہ اس کا پاؤں پھسل گئے اگلے ہی لمحے وہ صحن کے بیچوں بیچ گری پڑی تھی۔

پلک جھپکتے ہی سحر ٹوٹا اور منظر بدل گیا، رائنل نے سنبھل کر اٹھتے ہوئے نظر اٹھائی تو عین سامنے مسکراتا شہریار نظر آیا تو رائنل کی آنکھیں جانے کس کس احساس سے انگارے برسانے لگیں اور چہرے پہ خفت و خجالت کی سرخیاں اُمڈ آئیں۔

"ارے ارے سنبھل کے۔" وہ لپک کر سہارا دینے کو نزدیک آیا، لحظہ بھر کی مسکان کی جگہ چہرے پہ اب تشویش اور گھبراہٹ تھی۔

"ڈونٹ ٹچ می۔" رائنل کرنٹ کھا کر تڑپی تھی، شہریار خفیف سا ہو کر دو قدم پیچھے ہوا۔

"ماما اور ماہ نور دونوں ہی گھر پہ نہیں ہیں۔" ستون کے گرد بندھا دوپٹہ اتار کر شانوں پہ پھیلاتے ہوئے اس نے بہت رکھائی سے اسے دیکھے بغیر اطلاع دی تھی، مطلب صاف ظاہر تھا کہ وہ جا سکتا ہے۔

"منا اور طلحہ تو ہوں گے؟" شہریار جو اندر کی جانب بڑھ رہا تھا رک کر اسے دیکھنے لگا، اس کے چہرے پہ ناگواری کے تاثر کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔

"وہ بھی نہیں ہیں، ٹیوشن سینٹر ہوتے ہیں اس وقت۔" اس نے گویا بادل ناخواستہ ہی جواب دیا مگر اس طرح کہ شہریار کو لگا گویا پھر کھینچ مارے ہوں۔

"اٹس او کے اور کوئی نہ سہی مگر میرا بیٹا تو ہے نا میں اس کے ساتھ وقت گزار لوں گا۔" وہ اطمینان سے کہتا آگے بڑھ کر کاٹ میں سوئے ایزد کو اٹھانا چاہ رہا تھا، جب رائنل نے سرعت سے لپک کر بہت ہی جارحانہ انداز میں اسے بازو سے پکڑ کر کھینچا تھا۔

"کیا کہا تم نے اسے؟ تمہارا بیٹا؟ یہ تمہارا بیٹا کیسا ہے کیسے تم؟" وہ بولی نہیں تھی دھاڑی تھی اور اسے دونوں ہاتھوں سے پیچھے کی جانب بہت طیش بھرے انداز میں دھکا دیا تھا۔

"اس گھر کے ہر فرد سے تمہارا رشتہ ہو سکتا ہے ما سوائے میرے اور میرے بیٹے کے۔" اس نے کہتے ایزد کو جھک کر یوں اپنی بانہوں میں چھپایا، جیسے شہریار سے چھین لینے کا خوف ہو۔

"اس وقت چونکہ گھر میں ہم دونوں کے سوا اور کوئی نہیں ہے تو تم یہاں سے جا سکتے ہو۔" شہریار جو بالکل ساکن کھڑا اسے دیکھ رہا تھا اس کے ماتھے کی تیوریاں اس کی آنکھوں سے نکلتے شعلوں کو محسوس کرتے دم بخود رہ گیا۔

"سنا نہیں ہے تمہیں جاؤ یہاں سے۔" وہ پھر چیخی اور شہریار کے چہرے پہ بے بسی کا تاثر ابھر آیا اس نے ایک نظر اسے دیکھا تھا پھر واپسی کو قدم موڑ لئے اور جب وہ بیرونی دروازہ پار کر رہا تھا عین اسی پل طلحہ اور منا چہتے مسکراتے چلے آئے تھے اور اسے دیکھتے ہی بے اختیار چہک اٹھے۔

"آغا بھائی!" منا تو اس سے بیگ سمیت چپک گئی، شہریار نے بہت نرمی اور پیار سے اس کے ریشمی بال سہلائے۔

"کیسی ہے مائی سویٹ ڈول۔" وہ مسکرایا تھا بجھی ہوئی مسکراہٹ سے ہاتھ بڑھا کر طلحہ کو بھی خود سے قریب کر لیا۔

"ہم تو بالکل ٹھیک ہیں بھائی! آپ اتنا کم کم کیوں آتے ہیں؟ آپ نے ہی تو کہا تھا نا آپ ہمارے بڑے بھائی ہو پھر ہمارے ساتھ کیوں نہیں رہتے؟"

''کیا جن کی شادیاں ہو جاتی ہیں وہ الگ رہنے لگتے ہیں؟'' عینا نے جھٹ سے سوال داغ دیا تھا، شہریار کے چہرے پہ عجیب سا سکوت پھیل گیا، اس نے نگاہ اٹھائی رائنل لب بھینچے ابھی تک وہیں کھڑی تھی، اس کے متوجہ ہونے پہ تنفر بھرے انداز میں پلٹ کر کمرے میں گھس گئی، وہ انہیں جاکلیٹ دینے کے بعد کسی نہ کسی بہانے بہلا کر چلا گیا تھا اور جب ماما اور ماہ نور کی آمد پہ دونوں نے انہیں شہریار کے متعلق بتایا تو دونوں کی نگاہیں یکبارگی رائنل کی سمت اٹھی تھیں، گو کہ ان نگاہوں میں کسی قسم کی کوئی ملامت نہیں تھی الزام نہیں تھا، پھر بھی جانے کیوں اسے پہ نگاہیں شکایت کرتی محسوس ہوئیں تو دل پر ایک انجانا سا بوجھ آن گرا تھا۔

☆☆☆

کوئی ٹھہرا ہے اس بھاگتے وقت میں
کب رکا ہے کبھی کرد باد زماں
راہ دشت میں جیسے ریگ رواں
جو گزر جائے لوٹ پلٹتا نہیں
پانیوں پہ کوئی نقش جمتا نہیں
اک تحیر کا طلسم ہے چاروں طرف
کچھ سراغ اس مسافر کا ملتا نہیں
جو بھی ہے اس غبار شب روز میں
بے سبب، بے طلب، بے نشاں، بے گماں
کچھ بھی آگے نہیں کچھ بھی پیچھے نہیں
آج ہی آج ہے، ہے اگر کچھ یہاں
آؤ اس پل کے پل پر پڑاؤ کریں
کیا خبر ہوں گے کل ہم کہاں تم کہاں

مغرب سے ذرا پہلے کا وقت تھا، جب نیلے آسمان کے سیاہ پڑتے کناروں کے ساتھ ساتھ پرندوں کی واپسی کا بھی سفر شروع ہو چکا تھا، ایسے میں وہ باغ میں چہل قدمی کر رہی تھی، آم کا درخت نسبتاً گھنا تھا، شدید آندھی میں جھٹکے کھاتے یوں سجدے میں پڑا کہ پانی کے نالے پہ پل سا بن گیا مگر اس شدید جھکاؤ کے باوجود درخت نے اپنی جڑیں نہیں چھوڑی تھیں، ہرا بھرا تھا موسم کی مناسبت سے پھل بھی خوب لگتا، کچی پکی کیریاں گرتیں تو پانی میں بہت دور تک جاتیں، ایسے میں نالے پہ کپڑے دھونے والی عورتوں کے ساتھ آئے بچے ڈبکیاں لگاتے چھپا چھپ کھیلتے اور کیریاں پکڑ پکڑ کر کھائے جاتے اور ایک دوسرے کے ساتھ لڑتے، اسے زندگی کے یہی حسین رنگ بہت بھاتے تھے، انہی کو دیکھنے وہ یہاں چپکے سے آ جایا کرتی، کبھی تایا سائیں اور ادا کی آنکھ بچا کر تو کبھی ان کے شہر چلے جانے کی صورت میں، وہ ہمیشہ سے من موجی اور بے فکری تھی، آنے والے وقت کے خدشات سے کبھی دل میں دھڑکا نہ آنے دیا، بس جو جی میں آتا انجام کی پرواہ کیے بغیر کر گزرتی، ایسے میں صوحا کا خوامخواہ ڈرنا سہمنا اسے کبھی ڈرانا بہت تاؤ دلا جاتا۔

پھر اب تو پاپا آ گئے تھے ہر خوف اور ڈر جو پہلے بھی اسے کبھی پریشان نہیں کر پایا تھا یوں بھی دور ہو گیا تھا، اس نے صوحا کو بھی ساتھ گھسیٹ لیا تھا۔

''کیا پتہ ہم واپس یہاں آ بھی پائیں کہ ہمیشہ کے لئے پاپا کا حویلی چھوڑنے کا ارادہ ہو۔''
صبح پاپا کی زبردست جھڑپ ہوئی تھی تایا سائیں کے ساتھ، جسے زوحا نے خود پائیں باغ کی طرف کھلنے والی کھڑکی سے سنا تھا، طبیعت صاف کی تھی پاپا نے ان کی، اسے سوچ کر ہی نئے سرے سے لطف آنے لگا۔

''آپ انسان ہیں یا روبوٹ! ادا سائیں مجھے یہ سوچ سوچ کر حیرانی ہو رہی ہے کہ آپ نے اپنی بیٹیوں کو خود اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیا، وہ بیٹیاں جو پل پل آپ کی نظروں کے سامنے رہی تھیں ان کی معصومیت ان کا بچپنا ان کی نوجوانی کا ہر لمحہ آپ کے سامنے تھا، آپ کیسے باپ تھے؟ مجھے دیکھیں میں نے اپنی بچیوں کی صورت بھی نہیں دیکھی تھی مگر اب چند دنوں میں یہ مجھے اتنی عزیز ہو گئی ان کی آنکھ کا آنسو بھی مجھے راتوں کو بے چین کرنے لگتا ہے۔'' ان کی بات سن کر ادا سائیں بھڑک اٹھے تھے۔

''تو انہوں نے کیا کیا؟ باپ کے سفید بالوں کا بھی خیال کیے بغیر ان کمینوں کے ساتھ...'' وہ غصے میں کانپنے لگے۔

''تو آپ نے ایسی نوبت ہی کیوں آنے دی ادا سائیں؟ دیواروں کو اتنا اونچا کیوں کر دیا کہ باہر کی دنیا کو دیکھنے کو انہیں ان ہی حویلی کی دیواروں میں نقب لگانا پڑا، جائز خواہشات کو پورا کرنے کے جرم میں آپ مجرم ٹھہرے وہ الگ، جو قتل کر کے گناہ سمیٹا وہ الگ، مجھے بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے ادا سائیں کہ میں آپ کے ساتھ ان فرسودہ رسموں رواج کے بیچ نہیں رہ سکتا، مجھے خوف محسوس ہونے لگا ہے کہ کہیں آپ کے مزاج کی سختی اور بربریت بھی میرے اندر نہ آن سمائے، ابھی میں نے کہا بچیوں کے ساتھ شہر جا رہا ہوں، اس لئے بھی کہ جب آپ کو دیکھتا ہوں تو مجھے اپنا کھویا ہوا وہ معصوم بیٹا یاد آ جاتا ہے جو آج میرے پاس ہو سکتا تھا اگر آپ......'' انہوں نے شدت ضبط سے لب بھینچے اور کتنی ہی دیر خاموش رہے تھے۔

''آپ کی کون کون سی زیادتی کو بھلاؤں ادا سائیں! میری بیوی اور دو معصوم بچے جنہیں آپ نے زندہ آگ میں جلا ڈالا! یہ میرے سینے کا ایسا زخم ہے جو کینسر بن کر میرے پورے وجود میں پھیل چکا ہے۔'' زوحا کو لگا تھا پاپا رو رہے ہیں، اس سے مزید نہیں سنا گیا تو وہاں سے ہٹ گئی اور جاکر ساری تفصیل صوحا کو بتا دی اور اسی شام سلطان نے انہیں اگلے دن روانگی کا مژدہ سنا کر اپنی تیاری کا کہا تھا، صوحا چلتی ہوئی آ کے اسی پل نما درخت کے تنے پہ بیٹھ گئی اور پاؤں پانی میں لٹکا دیئے۔

''اتنی چپ کیوں ہو؟'' زوحا نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرائے۔

''مجھے تائی اماں یاد آ رہی ہیں، ان کی بھی ساری عادتیں تمہارے جیسی تھیں، بہتے پانی کی تو دیوانی تھی پتہ نہیں اب کہاں ہوں گی؟'' صوحا کے چہرے پہ آنکھوں میں اداسیاں تھیں، زوحا نے سر کو اثبات میں ہلا دیا۔

''ہاں یہ تو ہے پریشانی والی بات تو ہے۔'' صوحا نے اس کی بات سنی اور باقاعدہ اسے گھورا اور چپ کر بیٹھ گئی۔

''یوں نہیں پریشانی ہوتی ہے، پورے تین مہینے محترمہ کا سوگ ختم نہیں ہوا تھا کہ گگی صاحبہ نے یہ کارنامہ اکیلے اکیلے انجام دے لیا اگر تمہیں بھنک بھی پڑ جاتی تو تم بھی ساتھ ہی سدھار تیں۔'' صوحا

☆☆☆

اب کس سے کہیں اور کون سنے جو حال تمہارے بعد ہوا
اس دل کی جھیل سی آنکھوں میں اک خواب بہت برباد ہوا
یہ ہجر ہوا بھی دشمن ہے اس نام کے سارے رنگوں کی
جو نام میرے ہونٹوں پہ خوشبو کی طرح آباد ہوا
اس شہر میں کتنے چہرے تھے کچھ یاد نہیں سب بھول گئے
اک شخص کتابوں جیسا تھا وہ شخص زبانی یاد ہوا
وہ اپنے گاؤں کی گلیاں تھیں دل جن میں ناچتا گاتا تھا
اب اس سے فرق نہیں پڑتا ناشاد ہوا یا شاد ہوا
بے نام ستائش رہتی تھی ان گہری سانولی آنکھوں میں
ایسا تو کبھی سوچا بھی نہ تھا دل اب جتنا بے دار ہوا

شہریار تخت پہ مما کی گود میں سر گھسائے لیٹا تھا، بلیو جینز میں قید لمبی لمبی ٹانگیں تخت سے بھی نیچے لٹک رہی تھیں۔

"امی یہ ایزد کو دیکھیں کیسے چلا رہا ہے، چلا چلا کر باہیں بھی شل ہو گئیں مگر یہ مجال ہے چپ ہو۔" تبھی ماہ نور کمرے سے بولتی ہوئی باہر آئی تھی، مچلتا روتا ہوا ایزد بانہوں میں تھا، شہریار نے سر اونچا کر کے اسے دیکھا۔

"مانا کہاں ہے اس کی بھوک لگی ہے بھئی اسے۔" انہوں نے ہاتھ بڑھا کر ماہ نور سے ایزد کو لیتے استفسار کیا۔

"کچن میں ہے کھانا بنا رہی!......" ماہ نور نے مما کو بتانے کے ساتھ وہیں سے ہانک لگا کر پکارا۔

"آ رہی ہوں بس یہ آخری روٹی رہ گئی ہے۔" رائنل نے کچن سے ہی جواب دیا تھا، شہریار نے مما سے ایزد کو لے کر ہاتھوں پہ اٹھاتے ہوئے سر سے اونچا کیا۔

"مما یہ رائنل کو گھر کے کام کاج کس نے سکھا دیے۔" اس کی آنکھوں میں واضح حیرانی تھی، آج وہ صبح سے ہی آ گیا تھا، رائنل کی پیشانی پہ اسے دیکھتے ہی سلوٹیں ابھر آئی اور آنکھوں میں غصے کی سرخی چھلکنے لگی مگر باقی سب کے چہروں پہ اسے دیکھتے ہی خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی جبھی تو وہ رائنل کے ناروا رویے کی کھلی دھتی ہوئی محسوس کرتا تھا، یوں بھی اب اسے رائنل کے کسی بھی عمل سے تکلیف نہیں ہوتی تھی، رائنل کو اس کے ہر عمل میں وہ جائز سمجھتا تھا، ان زیادتیوں کے مقابلے میں جو وہ اس سے کر چکا تھا۔

"حالات خود بخود سکھا دیتے ہیں بیٹے۔" ماما نے آہ بھری تھی، دھیرے دھیرے ہی مگر شہریار پہ گھر کے سارے بھید عیاں ہوتے جا رہے تھے، ماما نے مسکرا کر اس کی بانہوں میں قلقاریاں مارتے ایزد کو طمانیت کی نگاہ سے دیکھا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے کیسا رو رہا تھا اور اب باپ کے سینے پہ لیٹا اس کی شرٹ کے بٹنوں سے کھیل رہا تھا، یقیناً بچے قدرتی طور پہ والدین کے لمس کو پہچاننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔"

ماما کو اس منظر نے بہت آسودگی بخشی تھی، مگر بعض خوشیاں بس لمحاتی ہوا کرتی ہیں، اسی پل

رائنل کچن سے باہر آئی تھی اور ایزد کو شہریار کے پاس دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی اور اگلے ہی لمحے وہ گویا انگاروں پہ چلتی ہوئی شہریار تک آئی تھی اور غضب میں بپھرتے ہوئے ایزد کو شہریار سے جھپٹنے کے انداز میں چھین لیا تھا۔

"ماما! اس سے کہیں کہ جس طرح سے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے میرے بیٹے کا بھی یہ کچھ نہیں لگتا، یہ آخر کیوں یہ بات بھول جاتا ہے کہ یہ وہی بچہ ہے جسے دنیا میں آنے سے پہلے ہی یہ مار دینا چاہتا تھا، یہ آپ کو تو دھوکہ دے سکتا ہے چہرے پہ اچھائی کا نقاب چڑھا کر مگر مجھے نہیں۔" وہ چیخ چیخ کر اس طرح سے بولی کہ تنفس تیز تر ہو کر رہ گیا، ہر انداز سے اتنی وحشت جھلک رہی تھی کہ مما خائف سی ہو کر رہ گئیں، جبکہ شہریار کو شاید ماما کے سامنے اس سے اتنے شدید ردعمل کی توقع نہیں تھی کہ اس کا چہرا ایک دم سے سفید پڑ گیا تھا۔

"سوری، مجھے واقعی اسے چھونے سے پیار کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، کوشش کروں گا آئندہ اپنی اس خواہش پہ قابو رکھ سکوں۔" بوجھل آواز میں کہتا وہ اٹھا تھا اور پلٹ کر تیز قدموں سے باہر نکلتا چلا گیا، رائنل نے گھبرائی ہوئی سی بیٹھی ماما کو دیکھا اور جب اپنے طیش اور غصے کے باوجود ٹھنڈی پڑ گئی، اس نے مجرمانہ سے انداز میں سر جھکا لیا تھا، ایک بار پھر وہ جذباتیت میں خود سے کیا عہد بھلا بیٹھی تھی، ایک بار پھر وہ غصے میں ماما کا خیال بھلا بیٹھی تھی۔

☆☆☆

اس موسم میں جتنے پھول کھلیں گے
ان میں تیری یاد کی خوشبو ہر سو روشن ہو گی
پتہ پتہ بھولے بسرے رنگوں کی تصویر بنائے گزرے گا
اک یاد جگاتا گزرے گا
تیری یاد کی بن گن لینے چاند میرے گھر اترے گا
آنکھیں پھول بچھائیں گی
خوشبو مجھ کو دان کرو اور اسے دل میں آنے دو
یا میری جھولی کو بھر دو یا مجھ کو مر جانے دو

شہر انجان تھا نہ راستے مگر ایک عرصے کی جدائی نے اجنبیت کا احساس ضرور اجاگر کر دیا تھا، وہ بہت سنبھل کر ڈرائیو کر رہے تھے، گو کہ یہاں آنے سے قبل انہوں نے اس کوٹھی کی صفائی و مرمت کرائی تھی مگر ان کے خیال میں اس مکان کو گھر بناتے شاید ان کی باقی ماندہ عمر بیت جانی تھی۔

اظہار افسوس

ہماری ہر دلعزیز مصنفہ فرحت شوکت کے والد طویل علالت کے بعد بیس دسمبر کی شام قضائے الٰہی سے انتقال کر گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

ادارہ حنا کی اس گھڑی فرحت شوکت کے لئے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کے گھر والوں کو صبر جمیل عطا فرمائیں اور ان کے والد صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے آمین۔

انہوں نے گاڑی کی اسپیڈ کم کی اور احتیاط سے موڑ کاٹا۔ تو دے کارپٹ سڑکیں صاف ستھرے فٹ پاتھ اور بڑے بڑے پلازے اور شاپنگ مالز۔ لاہور نے پندرہ سالوں میں بہت ترقی کی تھی ان کا دھیان شاید بھٹکا تھا کہ اسی پل دوسری سمت سے آتے موٹر سائیکل سوار سے ٹکر ہوتے ہوتے رہ گئی۔ بریک لگانے کی کوشش میں ایک زبردست جھٹکا لگا اور فرنٹ سیٹ پہ ان کے ساتھ بیٹھی صوحا کا سر اسی بے احتیاطی کے نتیجے میں پوری قوت سے ڈیش بورڈ سے جا ٹکرایا۔ سرخ سرخ ابلتا ہوا خون منٹوں میں پہلے اس کی پیشانی پھر چہرے کے بعد سفید دوپٹے کو بھی داغدار کرتا چلا گیا۔

"اوہ نو۔ مائی گاڈ نہیں۔" انہوں نے بے طرح گھبراتے ہوئے ٹشو کیس سے ایک ساتھ بہت سے ٹشو کھینچ کر اس کی پیشانی پہ رکھتے ہوئے خون روکنے کی ناکام سی کوشش کی۔

"بہت درد ہو رہا ہوگا نا بیٹا، آئی ایم سوری۔" ان کے لہجے میں اتنی پریشانی اور تشویش تھی کہ صوحا بری طرح سے شرمندہ ہوگئی۔

"اٹس آل رائٹ پاپا، ذرا سی چوٹ ہے مجھے ڈیڈی درد نہیں ہو رہی۔ آپ پریشان نہ ہوں پلیز۔" ان کا فکر مند چہرہ دیکھ کر وہ کھسیا کر کہہ رہی تھی، جبکہ پچھلی سیٹ پہ بیٹھی زوہا قدرے آگے کو جھک کر خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔

"چلیں پاپا جی، یہاں کوئی کلینک دیکھ کر اسے زخم کی ڈریسنگ کروا دیں۔" اس نے خاموشی توڑ کر مشورہ دیا تو سلطان شاہ نے بھی اسی وقت گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی اور جو کلینک سب سے پہلے نظر آیا اسی کے سامنے گاڑی روک کر پہلے خود اترے پھر دوسری سمت سے گھوم کر آنے کے بعد دروازہ کھول کر صوحا کو سہارا دے کر نیچے اترنے میں مدد دی۔

وہ ان کی پریشانی محسوس کر کے خود کو [illegible] جب وہ تینوں آگے پیچھے چلتے ہوئے دور دھکیل کر کلینک میں داخل ہوئے تو شیشے کی میز کے پار ریوالونگ چیئر پہ بیٹھا انہیں لاپرواہی سے دور تک پھیلائے سیل فون پر فراغت میں گپیں ہانکتے فاروق کو دیکھ کر سلطان شاہ کی نظریں تلاشی انداز میں یہاں وہاں بھٹکی تھیں۔

"اوہ۔ آئی تھنک ڈاکٹر موجود نہیں ہیں۔"

"جج... جی... نہیں ایسی بات نہیں ہے میں موجود ہوں۔" فاروق نے ہڑبڑا کر جلدی سے سیل فون کان سے ہٹا کر جینز کی جیب میں اڑسا پھر سرعت سے ٹانگیں کھینچیں اور بکھرے بالوں میں ہاتھ چلا کر خود کو سنبھالا۔

"جی آپ تو ہیں مگر ہم ڈاکٹر کی بات کر رہے ہیں نا۔" زوہا نے مسکراہٹ دبا کر شرارتی نظروں سے اسے مزید پزل کرنا چاہا، پھر شرارت سے چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھتی ہوئی بولی تھی۔

"دیکھیے نا میری سسٹر کا خون کس تیزی سے بہہ رہا ہے، فوری طبی امداد کی ضرورت ہے مگر آپ تو مجھے کمپوڈر ہی کی ٹائپ لگ رہے ہیں اور کچھ نہیں تو مرہم پٹی ہی کر دیں۔" فاروق نے ہونق ہو کر اسے دیکھا اور اس کا یہ جھنجھلایا ہوا انداز زوہا کو شرارت پہ اکسا رہا تھا۔

"آپ یہاں بیٹھیے۔" فاروق نے اس شوخ و شنگ سی لڑکی سے نگاہ ہٹا کر صوحا کو مخاطب کیا تھا، جو قدرے جھجکتے ہوئے انداز میں کرسی پہ بیٹھی تھی۔

(باقی اگلے ماہ)

میرے ساحر سے کہو

ام مریم

پچھلی قسط کا خلاصہ

سلطان شاہ کو پاکستان آنے کے بعد اپنا بیٹا موہنی سے نہیں ملتا۔ ابا سائیں انہیں اس کی آوارگی اور غلط صحبت کی اطلاع دے کر اس دکھ کو اور بڑھا دیتے ہیں، سلطان شاہ، زوطا اور صوحا کو اپنی پدرانہ شفقت میں لے لیتے ہیں اور حویلی چھوڑ کر آغا کی حویلی میں شفٹ ہو جاتے ہیں، جہاں صوحا کے زخمی ہونے کی صورت میں ان کی ملاقات فاروق سے ہوتی ہے جو صوحا سے پہلی نگاہ میں ہی محبت کر بیٹھتا ہے۔

رباب، داؤد حسن خاں سے ملتی ہے اور انہیں اس جرم کے احساس سے نجات دلا دیتی ہے جس میں وہ پچھلے چند برسوں سے گرفتار تھے۔ ہر خوشی حرام کیے بیٹھے ہیں، مگر یہ سکون بھی انہیں راس نہیں آتا کہ نینا انہیں رباب کے ساتھ ہوٹل میں دیکھ لیتی ہے، ان کے درمیان کشیدگی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

رانیل کا رشتہ واضح ہونے پر سب سے زیادہ خوش ماہ نور ہے۔ اسے شہریار سے رانیل کا خشک اور سرد رویہ کھٹکتا ہے وہ ہر صورت رانیل کی شہریار سے شادی کی خواہش مند ہے۔

ماہ نور، طارق کی طرف جھکاؤ محسوس کرتی ہے، وہ اسے اپنی بے تابی شاعری کی صورت ظاہر کرتی ہے مگر طارق اس کی جانب سے چپ سادھے ہوئے ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے | پچیسویں قسط

صنوحا کا زخم صاف کرتے ڈریسنگ کرتے ہوئے فاروق کا ہاتھ بار بار ٹھٹکتا رہا صرف ہاتھ ہی نہیں نظریں بھی دل بھی، جانے کیسے لمحے میں اٹکی تھی وہ نگاہ اس چہرے پہ جس نے دل کو پابند کر ڈالا تھا اور وہ حیران پریشان سا الجھا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔

"دھیان سے صاحب! چوٹ ہماری بہن کے ماتھے پہ لگی ہے، آپ اس کے چہرے کے خد و خال کا معائنہ کیوں کیے جا رہے ہیں؟"

وہ ایسا ہی ایک بے خود لمحہ تھا جب فاروق کی نگاہ ایک بار پھر بہکی تھی اور زود رنج سی شوخ لڑکی کی گرفت میں آ گئی تھی، فاروق چوری پکڑے جانے پر جو کھسیاہٹ اور خجالت محسوس ہوئی وہ بیان سے باہر۔

اس نے بہت جز بز ہو کے اس بے باک لڑکی کو جارحانہ نگاہ سے دیکھا اور ایک خائف سی نگاہ سوبر اور باوقار سی شخصیت کے مالک سلطان شاہ پہ ڈال کر ایک دم سنبھل گیا اور جب سلطان شاہ صنوحا کو اپنے بازو کے حلقے میں لیے کلینک سے نکل رہے تھے تو جانے کیوں جانے کیسے فاروق کے تاب بے قرار سے دل نے اس چارمنگ اور ڈری سہمی ہوئی سی لڑکی کے چہرے سے ملنے کی خواہش اور دعا بہت شدتوں سے کر ڈالی تھی۔

☆☆☆

چہرے لکھتا آنکھیں پڑھتا رہتا ہوں
میں بھی کیسی باتیں لکھتا رہتا ہوں
تیرے ہجر میں اور مجھے کیا کرنا تھا
تجھ سے مل کر سارے دکھ دہراؤں گا
ہجر کی ساری باتیں کہتا رہتا ہوں
سوکھے پھول کتابیں زخم جدائی کے
تیری سب سوغاتیں رکھتا رہتا ہوں

وہ کچن میں مصروف تھی، روٹیاں پکا رہی تھی دوسری طرف چولہے پہ سالن تیاری کے آخری مرحلے میں تھا، جب شہریار نے کچن کی دہلیز پہ قدم رکھا، ماہ نور طلحہ اور عینا سمیت سب اس وقت ٹی وی کے آگے بیٹھے کوئی ٹاک شو دیکھ رہے تھے، مما دوسرے کمرے میں عشاء کی نماز پڑھ رہی تھیں اسے یہ بہترین موقع ملا تھا رائیل سے کھل کر بات کرنے کا، اس کے پکارنے پہ وہ بہت چونک کر متوجہ ہوئی اور حسب سابق چہرے پہ ناگوار سا تاثر ابھر آیا۔

"کیا چاہیے؟ بہر حال جو بھی چاہیے اس وقت کچن میں آنا جب میں اپنا کام مکمل کر لوں۔"

اس کے روکھے سرد لہجے میں کسی قسم کی کوئی گنجائش نہ پا کر بھی شہریار نے حوصلہ نہیں ہارا۔

"پلیز میری بات......"

"آگے مت بڑھو، میں کہہ رہی ہوں شہریار وہیں رہو۔" وہ پلٹ کر خوفناک تیوروں سے للکار کر بولی تو شہریار نے بے بس سا ہو کر اسے دیکھا تھا۔

"مجھے تم سے ایکسکیوز کرنا ہے مجھے اعتراف ہے کہ میں تمہارے ساتھ غلط کر چکا ہوں، مگر یقین کرو تمہارے جانے کے بعد مجھے صحیح معنوں میں تمہاری قدر و قیمت کا اندازہ ہو پایا، بہت تڑپا ہوں تمہارے لیے، بہت گڑگڑایا ہوں خدا کے آگے تب کہیں جا کے تم ملی ہو۔"

"بس کہہ چکے تم یا کچھ اور بھی کہنا باقی ہے؟" رائیل نے ہونٹ سکوڑ کر بے رخی سے پوچھا تھا، شہریار کے لہجے میں جتنی بھی بے بسی ہوتی جتنا بھی درد امڈ آتا جتنی بھی سچائی ہوتی اب وہ اس کا یقین کرنے کو تیار نہیں تھی، شہریار نے لاچاری کے شدید احساس سمیت ہونٹ کچل کر ڈبڈبائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا اور بھاری آواز میں بولا تھا۔

"تو تم مجھے معاف نہیں کرو گی؟"

"معاف!" رائیل عجیب دل شکستگی سے مسکرائی، پھر باقاعدہ جان چھڑانے والے انداز میں اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ کر سپاٹ پن سے بولی تھی۔

"معاف تو تم مجھے کر دو پلیز چھوڑ دو میری جان اور سنو، آئندہ یہ معافی تلافی کا ڈرامہ کرنے کی ضرورت نہیں اس لیے کہ میرا تم سے اعتبار اٹھ گیا ہے اگر تم مرتے مرتے بھی مجھے یہ کہو کہ تم بدل گئے ہو تو میں ماننے کو تیار نہیں ہوں گی وہ شکستہ سی چال چلتا کچن کے دروازے تک پہنچ گیا تھا جب رائیل نے پھنکار کر اس پہ اپنی نفرت کا اظہار کرنا ضروری خیال کیا۔" شہریار چند ثانیوں کو ساکن ہوا تھا پھر دروازہ پار کر گیا، رائیل اپنا کام نپٹا کر باہر آئی تو وہ کہیں نظر نہیں آیا، اس نے پرواہ بھی نہیں کی۔

"اونہہ جائے گا کہاں؟ آخر کو یہیں آنا ہے۔" اس نے صبح ہی تو اسے مما سے کہتے سنا تھا۔

"مجھ سے اب تنہا وہاں نہیں رہا جاتا ہے ماما! آپ کہیں تو اب میں بھی یہیں آ جاؤں؟"

"آ جایئے نا بھائی، اس سے اچھی بھلا اور کیا بات ہو سکتی ہے۔" ماہ نور نے بھرپور خوشی کا اظہار کیا تھا جبکہ ماما کی خائف سی نظریں رائیل کے چہرے کی جانب اٹھ گئی تھیں جہاں سرد سا تاثر مزید گہرا ہو گیا تھا۔

"ماما آپ کی بہو کو اچھا نہیں لگے گا؟" ماما کی نظروں کے تعاقب میں دیکھتا ہوا وہ کس قدر شوخ ہو گیا تھا۔

"اوپر اوپر سے ظاہر کریں گی بھائی دل میں تو ان کے بھی لڈو پھوٹیں گے رنگیلی۔" ماہ نور نے اس کی شوخی و شرارت میں اس کا ساتھ دیا تھا اور دونوں ہنس پڑے تھے۔

رائیل کو اتنا غصہ آیا تھا کہ پیر پٹختی ہوئی وہاں سے اٹھ کر کمرے میں چلی گئی تھی، مگر ماہ نور کی شرارت سے بھرپور آواز اسے اندر بھی سنائی دیتی رہی تھی۔

"او مما تیری نوں (بہو) دا نخرہ بڑا۔" وہ اسے سنانے کی غرض سے ہی خوب اونچے سروں میں گنگنا رہی تھی اور رائیل کا جانے کتنا خون جل گیا تھا اور اب شہریار اس کے پیچھے لگ گیا تھا تو سارا بار اسی پہ نکال دیا تھا کہ ماہ نور تو چکنا گھڑا ثابت ہوئی تھی اس معاملے میں۔

"کیا لگا دوں مما؟" اس نے دعا کے بعد منہ پہ ہاتھ پھیرتی ماما کو آہستگی سے مخاطب کیا۔

"تم رہنے دو بیٹا! شام سے مسلسل لگی ہوئی ہو، ماہ نور لگا دے گی۔" مما نے اسی وقت اندر آتی ماہ نور کو دیکھ کر ٹوکا تو رائیل خفیف سی ہو گئی۔

"ارے نہیں مما، تھکن کیسی؟ یہ تو میرے حق میں اچھا ہی ہے نا، اسی طرح گھر سنبھالنا آ گیا اور پھر یہ میری ذمہ داری بھی تو ہے، ماہا تو اب یہاں مہمان ہے چند دنوں کی۔"

"جی بالکل بلکہ محترمہ صرف گھر سنبھالنا ہی نہیں بلکہ گھر والے کو سنبھالنا بھی سیکھو اور دوسری بات یہ کہ واقعی یہ گھر تمہارا ہے تو ذمہ داری بھی تمہاری ہی ہوگی، بہویں کام کرتی ہی اچھی

گئی ہیں۔" ماہ نور نے تو گویا اس کے ایک ایک لفظ پہ گرفت کر کے معنی خیزی سے کہا تو رائیل کا چہرہ آن واحد میں سرخ ہو گیا۔

"ماہا جاؤ تم کھانا لگوا کے اور طوطا مینا سے بولی دی بند کریں اب۔" ماما کی بروقت مداخلت پہ ماہ نور شرارت کے جامے میں آ گئی کان لپیٹ کر نکل گئی، ایزد اٹھ گیا تھا، کاٹ میں لیٹا بسور رہا تھا، رائیل خاموشی سے اس کی سمت بڑھ گئی، تو ماما بھی باہر نکل گئی تھیں۔

"بیٹا مجھے ذرا طارق کا نمبر تو ملا کے دو، کتنے دن ہو گئے ہیں نہ اس کا فون آیا نہ ہم نے کیا، میرا تو خیال ہے اسے آغا کے مل جانے کا بھی پتہ نہیں ہے۔" انہوں نے رائیل کو باہر آتے دیکھ کر ایزد کو اس سے لیتے ہوئے کہا تو رائیل ایک ثانیے کو چپ سی ہو گئی پھر کچھ کہے بغیر فون سیٹ کے نزدیک جا کر ریسیور اٹھاتے ہوئے بولی تھی۔

"مما پلیز ذرا نمبر بتائیے مجھے تھوڑی سی کنفیوژن ہے۔"

مما نے نمبر دہرایا جسے ڈائل کر کے اس نے ریسیور ان کی سمت بڑھا دیا تھا۔

"یہ لیجئے بیل جا رہی ہے۔" مما ایزد کی شرٹ کے بٹن بند کر رہی تھیں یونہی مصروف رہ کر بولیں۔

"تم بات کرو میں بھی کر لوں گی۔"

"السلام وعلیکم! جی بھائی رائیل ہوں۔"

"کیسی ہیں رائیل؟" طارق شیرازی نے بہت شائستگی سے دریافت کیا تھا، وہ دھیرے سے مسکرا دی، اسے یہ مہذب رکھ رکھاؤ والا شائستہ سا بزنس آفیسر بہت اٹریکٹو لگتا تھا، ماہ نور کی حماقتوں پہ اسے صرف حیرانی ہوتی تھی، ورنہ حقیقت یہ بھی کہ طارق شیرازی جیسا شاندار آدمی ہرگز نظر انداز کیے جانے کے قابل نہیں تھا۔

"میں تو ٹھیک ہوں آپ کی خیریت مشکوک ہو گئی ہے کیا بہت مصروف رہنے لگے ہیں؟" اس نے نا چاہتے ہوئے بھی شکوہ کیا تو دوسری جانب طارق بے دلی سے مسکرا دیا تھا۔

"جتنا بھی مصروف ہوں بہرحال مجھے اپنے رشتوں کی اہمیت کا احساس کبھی نہیں بھولتا۔"

"اچھا!" وہ ذرا سا ہنسی۔

"مما تو خاصی ڈسٹرب ہو چکی ہیں اس بات کو لے کر کہ آپ تو ہمیں شاید بھولتے جا رہے ہیں اور ایک پیاری سی لڑکی جو خوش قسمتی سے آپ کی بیوی کہلاتی ہیں، پل پل آپ کو یاد کرتی ہے۔" رائیل کی شوخ کھنک دار آواز کو سن کر طارق کے اندر بہت سا بوجھ اتر آیا۔

"کتنے ہفتے ہو گئے ہیں بھلا آپ کو یہاں کا چکر لگائے؟ تاخم لگا لیے نا بھائی اب تو آپ کی نصف بہتر بھی یہیں ہیں۔"

"ہاں کوشش کروں گا۔" طارق نے آہستگی سے کہا اور گویا بات ہی ختم کر ڈالی، رائیل نے مسکراتے ہوئے ریسیور مما کی سمت بڑھا دیا۔

"السلام وعلیکم پھپھو جانی! کیسی طبیعت ہے؟" طارق نے اپنی کوتاہی پہ نادم ہوتے آہستگی سے مخاطب کیا۔

"وعلیکم السلام جیتے رہو بیٹا! الحمدللہ بالکل ٹھیک ہوں، رائیل بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے چکر لگاؤ نا، خیر اگر تم مصروف ہو تو خیر ہے میں خود ماہ نور کو لے کر آ جاتی ہوں اسی بہانے تمہاری عیادت بھی

ہو جائے گی۔"

"ارے ارے پھپھو جانی! بائی گاڈ! ان تکلفات میں کیوں پڑ رہی ہیں، مائی گاڈ! مجھے اندازہ ہوتا آپ کو میری لاپرواہی اس قدر پریشانی میں مبتلا کرے گی تو..... خیر معذرت! آپ حکم کریں میں خود حاضر ہو جاؤں گا۔"

مما اس کی اس درجہ فرمانبرداری لحاظ اور رواداری پہ جیسے ایکدم مطمئن اور آسودہ ہوئی تھیں۔

"خوش رہو بیٹا! خدا عمر دراز فرمائے، بس ماہ نور کی طرف سے پریشانی ہے تم تو اس کی حماقتوں سے آگاہ ہو بے وقوف ہے، جانتی نہیں ہے گھر مشکلوں سے بنتے ہیں مگر ٹوٹنے میں لمحہ لگ سکتا ہے، پھر جن حالات میں یہ بندھن بندھا تھا بہت سے لوگ ناخوش بھی ہیں، نام لینے کا فائدہ بندے کو خود سمجھ ہونی چاہیے جس کی ماما سے تو تلخ سی بحث اس لڑکی نے ذہنی اذیت سے دوچار کر کے رکھا ہے، میں تو مطمئن اسی صورت میں ہو سکتی ہوں تا کہ ماہ نور تمہارے ساتھ خوش اور مگن زندگی گزارے۔"

"آپ بالکل بے فکر رہیے پھپھو جانی! اللہ نے چاہا تو آپ کو اس حوالے سے کبھی کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔" طارق کے دلاسے پہ انہوں نے بہت دیر تک اسے دعاؤں سے نوازا تھا پھر قدرے توقف کے بعد بہت فریش اور زندگی کے بھرپور احساس سے لبریز آواز میں بولی تھیں۔

"بیٹا تمہیں ماہ نور نے بتایا تو ہو گا، آغا مل گیا ہے، برسوں کی روٹھی خوشی میری آنکھوں کی ٹھنڈک رب نے بہت بڑا احسان کیا ہے مجھ پہ بہت بڑی خوشی ہے میرے لئے بس اس موقع پہ تمہاری کمی بہت محسوس ہوئی، مبارک ہو پھپھو جانی آپ کو بہت زیادہ۔" اس نے ماہ نور کا ذکر گول کر کے دل سے انہیں وش کیا۔

"رائیل آغا کی ہی تو بیوی ہے، اللہ نے اسے صحیح جگہ پہنچایا تھا شکر ہے خدا کا۔" ماما دھیرے دھیرے اسے سب کچھ بتا رہی تھیں تو اس کی وجہ ہی تھی کہ رائیل کب کی وہاں سے اٹھ کر جا چکی تھی۔

☆☆☆

اک شخص کی چاہت کا ارمان رہا اکثر
جو جان کر بھی سب کچھ انجان رہا اکثر
پیار محبت کا ہے کھیل خدا جانے کیسا!
مگر جس نے وفا کی اس کو نقصان رہا اکثر
آتا ہے وہ نیندوں میں رہتا ہے وہ خوابوں میں
اک مجھی تو اس کا مجھ پہ احسان رہا اکثر

اشیاء خورد و نوش کے سامان سے بھرے شاپر بائیک سے اتار کر وہ اندر آیا تو مما کو تخت پہ سلائی مشین پہ جھکے دیکھ کر رک سا گیا، ان کے ارد گرد لاتعداد رنگ برنگے کپڑے بکھرے ہوئے تھے، ایک جانب رائیل اور ماہ نور بیٹھیں ابھی سلے کپڑوں کے ڈھیر کو استری کر کے تہہ لگا کر لفافوں میں پیک کر رہی تھیں۔

"آؤ بیٹا! رک کیوں گئے؟" سب سے پہلے مما ہی اس کی آمد سے باخبر ہوئی تھیں انہوں نے بہت خوش دلی سے اس کا سواگت کیا تھا۔

"واٹ از دس مما! یہ سب کیا ہے؟" شاپرز کچن میں رکھنے کے بعد وہ الجھا ہوا کس قدر پریشان سا پوچھتا ان تک آ گیا، رانئل نے نظروں میں تمسخر اور استہزا لئے اسے دیکھا تھا جبکہ ماہ نور اور بابا کچھ خفیف سی نظر آنے لگی تھیں۔

"آپ یہ سلائی کا کام کرتی ہیں مما مگر کیوں؟" وہ بہت ضبط کرتے ہوئے بھی جیسے اندر سے بہت بکھر رہا تھا۔

"گزر اوقات کا بھی تو کوئی ذریعہ ہونا چاہئے تھا بیٹا! زندہ رہنے کے لئے خوراک کی ضرورت تو فطری تقاضا ہے پھر یہ تو بہت عزت سے گھر میں بیٹھ کر کرنے والا کام تھا۔" مما نے اس کے چہرے پہ بکھرے اذیت کے رنگوں کو دیکھ کر ہلکے پھلکے انداز کو اختیار کیا تھا، شہریار تختی سے ہونٹوں کو بھینچ کر سر جھکا چکا تھا، ماہ نور بہت خاموش نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"آپ نے ساری عمر یہ کام کیا ہے مما! اسی لئے آپ اپنی ایج سے بہت بڑی نظر آنے لگی ہیں، مگر اب کبھی پہلے کی بات اور تھی اب آپ کا بیٹا آپ کے ساتھ ہے میں آپ کو مزید مشقت نہیں کرنے دوں گا۔" خاصی دیر کی تکلیف دہ خاموشی کے بعد اس نے ان کے ہاتھ سے کپڑا لے کر تخت پہ رکھتے ہوئے اتنی قطعیت بھرے عزم اور مضبوطی سے کہا تھا کہ جہاں مما اور ماہ نور کے چہروں پہ رونق سی اتری تھی وہاں رانئل کے چہرے پہ بکھرے تمسخر میں زہر خند سا بھی بکھر گیا۔

"ویل ڈن! مما ان سے پوچھیں کون سی فلم کے ڈائیلاگ ہیں یہ؟ ویسے پاکستانی اور انڈین موویز میں بیشتر ہیرو یہ ڈائیلاگ جھاڑتے ہوئے اکثر سنا ہے میں نے بھی۔" اس کے لہجے میں تضحیک کا بہت واضح عنصر تھا پھر وہ اسی طرح بھرپور طنز اور حقارت سے لہجے میں شہریار سے مخاطب ہوئی تھی جس کا چہرہ اس کی بات پہ سرخ پڑ چکا تھا۔

"مگر شہریار گیلانی! آپ کی اطلاع کے لئے عرض کر دوں کہ یہ کوئی فلم کی کہانی نہیں ہے کچھ ڈائیلاگ جھاڑے اور بغیر کسی ذمہ داری اور عہد کو نبھائے اپنے راستے پہ ہو لئے یہ زندگی کی بہت تلخ حقیقت ہے، ویسے یہ قناعت پسند لوگ ہیں کم کھاتے ہیں مگر رزق حلال، جبکہ آپ تو بکھرے جرائم اور گھمبیر دنیا کے باسی، انہیں آپ کی یہ خیرات قابل قبول نہیں ہوگی۔"

اس کے ایک ایک لفظ میں حقارت نفرت ہی نہیں بلکہ اتنی تحقیر تھی کہ شہریار کی آنکھیں جلنے لگیں، ماما اور ماہ نور گنگ بیٹھی تھیں، وہ زہر افشانی کرنے کے بعد ایک جھٹکے سے پلٹ کر اندر جانے کو مڑی تو تب سے لب بھینچے خاموش کھڑے شہریار نے اسے کلائی سے پکڑ کر روک لیا تھا۔

"تمہاری ہر بات بجا لیکن رانئل حقیقت یہ ہے کہ تم سے اور اپنی ماما سے ملنے سے قبل میں ہر برائی کو چھوڑ چکا ہوں۔"

"اونہہ، تمہارا کیا خیال ہے کہ تم کہو گے اور ہم یقین کر لیں گے؟ اتنا قابل اعتبار کب ہوئے تم ہوئے ہوئے؟" وہ نہایت تنفر زدہ انداز میں اپنی کلائی اس سے چھڑاتے ہوئے سرد لہجے میں بولی تھی، شہریار بے بس سا ہو کر اسے تھکی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"مگر اب میں جو کچھ کماؤں گا اپنے زور بازو سے، محنت کروں گا چاہے مجھے مزدوری کرنا پڑے۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے رکا نہیں تھا انہی قدموں سے پلٹ کر چلا گیا، اس کے جانے کے بعد مہیب خاموشی تھی۔

☆☆☆

تیرے فراق کے لمحے شمار کرتے ہوئے
بکھر گیا ہوں تیرا انتظار کرتے ہوئے
تو میں بھی خوش ہوں کوئی اس سے جا کے کہہ دے
اگر وہ خوش ہے مجھے بے قرار کرتے ہوئے

وہ آفس کے لئے تیار ہو رہا تھا جبھی اس کے سیل فون پہ کال آنے لگی، اس نے مصروف سے انداز میں سیل فون کی اسکرین پہ نگاہ کی، فاروق کی کال تھی اور وہ کبھی بھی غیر اہم وجہ سے کال نہیں کرتا تھا، طارق نے بلا تاخیر کال ریسیو کی۔

"ہاں فاروق خیریت؟" اس نے گلے میں لٹکا ہوا تولیہ نکال کر صوفے پہ پھینکا اور شرٹ اٹھا کر پہننے لگا، کان سے موبائل کندھے کے ذریعے اٹکایا ہوا تھا جسے بوقت ضرورت ہاتھ میں بھی منتقل کر لیا جاتا۔

"کیا سناؤں بھائی خیریت نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟" طارق کے سرعت سے بٹن بند کرتے ہاتھ ٹھٹک سے گئے۔

"بھائی مجھے بھی بڑی بیماری لگ گئی ہے جو جوانی میں نہیں لگنی چاہیے ورنہ بہت نقصان ہوتا ہے اور جو آپ کو بھی لگ گئی تھی۔"

"کیا لگ گئی مجھے؟" اب کے طارق جھلایا۔

"محبت!" وہ منہ لٹکا کر بولا اور طارق کا جی چاہا اپنا سر پیٹ لے۔

"ایسا ہے فاروق اس وقت میں بہت جلدی میں ہوں، آفس جانا ہے مجھے ابھی کوئی بات نہیں سن سکتا وہ بھی اتنی بے تکی، رات کو کال کرنا۔"

"ارے بھائی! میری بات...... سنیں تو......" وہ پکارتا رہ گیا مگر طارق نے کال ڈس کنکٹ کر دی تھی اور رات تک وہ تو بھول بھال بھی گیا تھا مگر فاروق نے یاد رکھا اور پھر فون کھڑکا دیا۔

"کوئی مشورہ دیں نا بھائی! میں کیا کروں؟ پچھلی راتوں کو نیند نہیں آئی، آپ تو اس کھیل کے پرانے کھلاڑی ہیں۔" وہ چھوٹتے ہی کراہنے کے انداز میں بولا تھا، طارق کا موڈ آف ہونے لگا۔

"کومت، میں کیا مشورہ دوں؟ تم نے مجھے لڑکیاں پٹانے والا سمجھ لیا ہے۔" وہ سخت جھلا کر اس پہ برس پڑا، فاروق نے بڑے تحمل سے ساری ڈانٹ سنی اور مسکرا کر بولا۔

"تو کیوں ڈرتے ہیں بھائی! آپ بھلا کیوں لڑکیاں پٹائیں گے، لڑکیاں خود آپ پہ مرتی ہیں اس کی ضرورت تو مجھے ہے، کچھ کریں نا۔" ادھر ادھر کی ہانک کر وہ پھر دہائی دینے کے انداز میں بولا۔

"یار کیوں سر کھا رہے ہو؟ کچھ بتاؤ گے بھی، کہاں دیکھا کیسے ملی وغیرہ۔"

"اوہ کیا پوچھ لیا بھائی۔" وہ کراہا، پھر دلگیری سے بولا تھا۔

"انجانی بے رنگ سی ستوری ہے، نہ رنگ برسے نہ پھول کھلے، نہ شرمانا نہ لجانا، آو تو گویا مجھ جیسے بیچاری واردات مجھ سے ہی ہوئی، وہ انجان سی رہی، اپنے والد محترم اور تیز طراری بہن کے ساتھ آئی تھی کھینک پی کر واکے چلی گئی۔"

"اور تم اس کے ہجر میں آہیں بھر رہے ہو۔" طارق نے ٹکڑا لگایا۔

"ہاہ! کتنے چھچھے ہوتے ہیں بھائی آپ! میں نے آپ سے ایسے ہی تو مشورہ نہیں مانگ لیا۔"
فاروق سر دھننے لگا، طارق نے اس کی بکواس پہ دانت پیسے۔
"سنو پھر تم ایسا کرو۔"
"ایک منٹ بھائی میں کاپی پین لے آؤں۔"
"وہ کیوں؟" وہ واقعی حیران ہوا تھا۔
"آپ کے مشورے نوٹ کرنے کے لئے جیب میں رکھوں گا فوٹو کاپی کروا کے باوقت ضرورت نکال کر استفادہ حاصل کروں گا اگر ایک آدھ ادھر ادھر ہو بھی جائے تو ڈر تو نہ رہے گا، پیچھے مل گیا، بیٹنگ پیڈ اور پوائنٹر اب بولیے۔" فاروق کی چہکتی آواز نے اس کا موڈ مزید غارت کر ڈالا۔
"ہاں تو پھر لکھو شاباش۔"
"تم اسے بھول جاؤ اور ابا سے کہو کسی بھی اچھی لڑکی کو دیکھ کر تمہاری شادی کر دیں، یہ عشق کا بھوت بہت آسانی سے اتر جائے گا، کیونکہ اتفاقیہ طور پہ ہونے والی محبت کا یہی انجام ہو سکتا ہے۔"
فاروق کے احتجاج کو نظر انداز کرتے وہ خدا حافظ کہہ چکا تھا۔

☆☆☆

شہریار نے یہ بات صرف کہی نہیں تھی، نبھا کے بھی دکھا دی، اگلے کئی دن وہ اسے نظر نہیں آیا، اگر آتا بھی تو پہلے نام پہ جب وہ کام پہ جا رہا ہوتا، کھڑے کھڑے ماما کو سلام کر کے ماہ نور سے رسمی سی بات چیت کر کے چلا جاتا اور جاتے جاتے عنایہ اور عمر کو ہاتھ پہ اسکول بھی ڈراپ کر دیتا، ماہ نور نے ہی باتوں میں رائنل کو بتایا تھا کہ شہریار نے کسی جنرل اسٹور پہ بطور سیلز مین کے عارضی جاب اختیار کی ہے۔
"کیا ثبوت ہے اس بات کا؟" اس نے سن لینے کے بعد طنزیہ وار کیا تھا۔
"تمہیں کسی ثبوت کی ضرورت ہی کیوں ہے؟ تمہارا ان سے کوئی تعلق واسطہ تو غالباً نہیں ہے۔" ماہ نور کو بہت سخت غصہ آیا تھا تبھی وہ بہت تلخی سے کہہ گئی تھی، رائنل کو جواب میں کاندھے جھٹکتے دیکھ کر اس بے نیازی نے اسے مزید ہرٹ کیا تھا تبھی بہت جتانے والے انداز میں بولی تھی۔
"وہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں ہمارے لئے کر رہے ہیں اور ہمیں سچائی اور جھوٹ کی پرکھ ہے، شاید اس لئے کہ ہماری آنکھوں پہ نفرت کی پٹی نہیں بندھی یا پھر اس لئے کہ ہمارا ان سے خون کا رشتہ ہے اور ہمارے دلوں میں ان کے لئے بہت گنجائش ہے۔"
"دوسری بات دل کو زیادہ لگتی ہے۔" رائنل نے نخوت سے کہا تھا اور ماہ نور بس تاسف سے اسے دیکھ کر رہ گئی، اسے یہ بات بھول نہیں رہی تھی کہ کل صبح کی بات تھی، رائنل سب کو ناشتہ بنا کر دے چکی تھی، طلحہ اور عنایہ تو اسکول جا چکے تھے وہ اور ممانا ناشتہ کر رہی تھیں جب شہریار چلا آیا تھا۔
"تم بھی ناشتہ کر لو بیٹا!" ممانے ہمیشہ کی طرح اس کا سواگت پیشانی چوم کر کیا تھا۔
"جی کروا دیں بلکہ اپنے ہاتھ سے کھلائیں مجھے۔" وہ ان کے برابر تخت پہ آ بیٹھا تھا اور ممانے اپنے پراٹھے سے اسے نوالے بنا کر کھلانے لگی تھیں جو تھوڑا سا باقی رہ گیا تھا۔
"میں اور پراٹھا لاتی ہوں، آملیٹ بھی کم ہے۔" ماہ نور تیزی سے اٹھ گئی تھی۔

"تم ذرا بس طرف آ کے چائے ڈال لو بیٹا مجھے پراٹھا بنانا ہے۔" وہ چونکہ دونوں کے بیچ اختلافات کی خلیج کو جانتی تھی تبھی اسے یہ کام نہیں سونپا تھا۔
"یہ لو بھئی! میں اور بنا لیتی ہوں۔" رائنل نے اپنا پراٹھا پلیٹ میں رکھ کر اس کی جانب سرکایا، وہ ابھی تک شہریار کی آمد سے بے خبر تھی۔
"بھائی کے لئے چاہیے ممانو کھا چکی ہیں۔" ماہ نور نے کہہ کر اپنی بات کا اثر اس کے چہرے پہ دیکھا جہاں بغیر کسی لحاظ کے درشتی سمٹ آئی تھی۔
"ہاں پھر خود بنا لو۔"
وہ اپنی پلیٹ لئے اٹھا کر لے گئی یہ بات بھی اتنی بڑی نہیں تھی اگر اسی وقت اگلی بات نہ ہو جاتی، وہ تازہ بنا ہوا پراٹھا لے کر برآمدے میں آئی تو شہریار بہت آہستگی سے ماما سے مخاطب تھا۔
"رائنل کا دل شاید میری طرف سے بھی صاف نہیں ہو گا ماما، یہ اس کی پراپرٹی اور گھر کے ڈاکومنٹس کی فائل ہے جو میں اپنے نام کروا چکا تھا، مگر اب میں نے پھر سے انہیں رائنل کے نام منتقل کروا دیا ہے، آپ یہ پلیز اسے دے دیجئے گا۔"
"بھائی کیا یہ صرف اس لئے ہے کہ آپ رائنل کے دل میں اپنا مقام بنانا چاہتے ہیں؟" ماہ نور نے ناشتے کی ٹرے اس کے سامنے رکھتے ہوئے جانے کیا کھوجنا چاہا تھا۔
"نہیں بلکہ میں اپنے کیے پہ نادم ہوں، ازالہ تو شاید ممکن ہی نہیں ہے، مگر میں اللہ کے حضور معافی کی درخواست پیش کرنے سے قبل اپنی ساری خطائیں ان کے بندوں سے معاف کروانا چاہ رہا ہوں۔" اور ماہ نور کے لبوں پہ اس کے جواب نے مسکراہٹ بکھیر دی تھی، عین اسی پل رائنل وہاں آئی تھی، ایسا شہریار کے چہرے سے ظاہر ہوا اور اس نے جھٹ ایزد کے کپڑوں والی باسکٹ اٹھا کر کمرے سے جانے کا قصد کیا تو شہریار کو جانے کیا سوجھی کہ اسے باقاعدہ آواز دے کر بلایا تھا۔
"رائنل! ہمارے درمیان تعلق میں جتنی بھی تلخی ہو بہرحال اتنی گنجائش تو باقی رہنی چاہیے کہ سامنا ہونے پہ اور کچھ نہیں تو سلام تو ضرور ہی کر لیا جائے۔" اس کی بات سن کر رائنل کو جھٹکا لگا تھا، اس نے مڑ کر خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا پھر بھرپور رکھائی سے بولی تھی۔
"ہمارے درمیان جو تعلق ہے پہلے اس کی پائیداری پہ تو غور کریں، کیا اسے مزید کتنی دیر تک قائم رہنا چاہیے اور جبکہ میرا اسے قائم رکھنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے تو پھر میرا نہیں خیال کہ اس قسم کی مزید کوئی گنجائش نکلتی ہے۔" اس کے لہجے میں ہی نہیں آنکھوں میں بھی آگ کی چنگاریاں تھیں، شہریار کا چہرا ایک دم سے فق ہو گیا، وہ پلٹ کر کمرے میں جا چکی تھی پیچھے ہر سو گہرا سناٹا تھا، مما کے وجود میں خفیف سی لرزش اتر آئی تھی اور یہ اس سے ٹھیک اس دن بعد کی بات ہے جب وہ اپنی پہلی تنخواہ لے کر سیدھا ماما کے پاس آیا تھا۔
"یہ لیں ماما اور میرے ساتھ چل کر خالصتاً اپنی پسند سے اپنے لئے شاپنگ کریں۔" ہزار ہزار کے چند نوٹ اس نے ماما کے ہاتھ پہ رکھ کر اتنی خوشی اتنے جوش سے کہا تھا کہ مما نے آبدیدہ ہو کر اس کی پیشانی چوم لی تھی۔
یہی تو تھا ان کا خواب، اس کے حوالے سے ایسی ہی اپنائیت ایسی ہی فرمانبرداری اور ذمہ داری کا احساس اور آج یہ خواب پورا ہوا تھا تو کتنی آسودگی اتر آئی تھی ان کے اندر یہ ان کی جگر جگر چمکتی آنکھوں کو دیکھ کر بخوبی پتہ چل رہا تھا۔

"ارے بیٹا! میں اس عمر میں کیا خریدوں گی بھلا؟ تم ماشاءاللہ سے گھر بار والے ہوا پنے بچے سے بیوی سے لئے خریداری کرواتے۔"

"ارے وہ سب سے پہلے آپ کا حق ہے پھر باقی کا، بس اٹھیں آپ چلیں میرے ساتھ۔" وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا اٹھانے لگا اور جب وہ جوش خوشی سے تمتماتا چہرا لئے پلٹا تو رائنل کو برآمدے کے ستون سے ٹیک لگائے کھڑے دیکھ کر رک سا گیا تھا۔

"ماما آپ چادر لے کر آئیے میں ویٹ کر رہا ہوں۔" اس کے کہنے پہ ماما مسکراتے ہوئے اٹھ کر اندر چلی گئیں اور رائنل کو جیسے موقع مل گیا تھا اس پہ طنز کرنے کا۔

"اتنی مہنگائی کے دور میں آپ جناب کا کیا خیال ہے ان چند ہزار میں آپ اتنے بڑے کنبے کا پیٹ پال لیں گے، اور نہ ہوئے تو کوئی بھی بڑھ چڑھ کر سکتا ہے مگر ان پہ پورے اترنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔" اس کی مسکراہٹ زہر میں بجھی ہوئی تھی، شہریار نے ہونٹ بھینچ لئے۔

جا رہی اس کی ہنسی بس مجھ کو جلانے والی
وہ تو ہنسی ہے مگر دل کو جلانے والی
آج کل وہ مجھے کچھ بدلا ہوا لگتا ہے
ہو گئی اس کی نگاہیں بھی بیگانے والی
ہم نے اخلاص کا دامن نہیں چھوڑا اب تک
ہاں مگر اس کی محبت ہے رلانے والی
ہم نے سمجھا تھا گزر جائے گا یہ موسم لیکن
رت برسات کی آگ لگانے والی
تمہارے واسطے اب کوئی نہیں ہے ویسی
خود سے باتیں نہ کرو دل بہلانے والی

ممّا چادر اوڑھ کر اندر سے آئیں تو وہ بہت تھکے ماندے سے انداز میں سر نیہوڑائے چارپائی پہ بیٹھا تھا۔

"کیا ہوا بیٹا؟" انہوں نے اس کے کاندھے پہ ہاتھ رکھا اور وہ جیسے اذیتوں کے سمندروں سے ڈوب کر ابھرا اور پھیکے سے انداز میں مسکرایا۔

"کچھ نہیں ماما آیئے۔" وہ اٹھ کر بیرونی دروازے کی سمت بڑھ گیا ماما بھی الجھی الجھی سی اس کے پیچھے چل دی تھیں۔

☆☆☆

ہوا تھی ضرور لیکن
وہ شام جیسے سسک رہی تھی
کہ زرد پتوں کی آندھیوں نے
عجب قصہ سنا دیا تھا
کہ جس کو سن کر تمام پتے
سسک رہے تھے بلک رہے تھے
جانے کس سانحے کے غم میں

شجر جڑوں سے اکھڑ رہے تھے
بہت تلاشا تھا ہم نے تم کو
ہر ایک وادی ہر ایک رستہ ہر ایک پربت
کہیں سے تیری خبر نہ آئی
تو یہ سمجھ کے ہم نے دل کو ٹالا
ہوا کے رخ پہ تو دیکھیں گے
ہم اس کے رستے کو ڈھونڈ لیں گے
مگر ہماری یہ خوش خیالی
جو ہم کو برباد کر گئی تھی
ہوا تھی ضرور لیکن
بڑی ہی مدت گزر گئی تھی

ایک ماہ ہو گیا تھا انہیں لاہور آئے ہوئے اور یہ تیس دن انہوں نے خود پہ آرام سکون غارت کیے رکھا تھا، کہاں کہاں نہیں تلاش کر لیا تھا انہوں نے آغا کو، مگر وہ اتنی بڑی دنیا میں جانے کہاں جا کھویا تھا کہ مل کر ہی نہیں دیتا تھا اور اب تو صحیح معنوں میں وہ تھکنے لگے تھے، کہ دل مایوسیوں کی اتھاہ میں ڈوبتا جا رہا تھا بقول شاعر۔

دل یاد بھی کرتا تو کہاں ڈھونڈنے جاتا
آنکھوں نے محفوظ تو وہ نقش بھی نہ رکھا

جن دنوں وہ اسے چھوڑ کر امریکہ چلے گئے تھے، آغا بمشکل دس سال کا تھا سرخ و سفید صحت مند جسم تیکھے نقوش بڑی بڑی روشن آنکھوں والا خوبصورت بچہ جو آج پندرہ سال گزر جانے پہ یقیناً ایک بھرپور جوان مرد کا روپ دھار چکا ہو گا بھلا کیسے پہچانتے وہ اسے۔

جب سے یہ خیال دل میں آیا تھا، صحیح معنوں میں ان پہ پژمردگی اور یاسیت نے حملہ کر دیا تھا، افسردگی ایسی تھی کہ وہ ہر وقت اپنے کمرے میں اندھیرا کیے پڑے رہتے، پچھتاؤں میں گھرے ہوئے، یہ تو زوحا کی ہمت تھی کہ وہ آج انہیں کمرے سے نکال لائی تھی۔

"دیکھیں پاپا ذرا کتنا اچھا موسم ہے۔"

"مگر بیٹا پاپا کی طبیعت اچھی نہیں ہے۔" ان پہ وہی قنوطیت طاری تھی، جسے زوحا جان گئی تھی۔

"پاپا ایسے موسم میں ہی تو شاپنگ کا لطف آتا ہے۔"

"شاپنگ؟" وہ حیران ہوئے تھے۔

"جی پاپا! آپ نے ہمارا جس کالج میں ایڈمیشن کروایا ہے نا وہاں لڑکیاں اتنے اسٹائلش اور نیو فیشن کے کپڑے پہنتی ہیں کہ ہم تو ان میں صاف پینڈو لگتے ہیں، ہمیں نئے کپڑے دلائیں نا پاپا۔" وہ ٹھنک کر کہہ رہی تھی اور سلطان شاہ ابھی اس کو تاکتے صحیح معنوں میں نادم ہو گئے تھے۔

"اوکے بیٹا! جاؤ بہن سے بھی کہو تیاری کرے ہم ابھی شاپنگ کے لئے چل رہے ہیں۔" انہوں نے زوحا کا سر تھپک کر نرمی سے کہا تو زوحا اپنی کامیابی پہ سرشاری اندر دوڑ گئی اور جب وہ شاپنگ مال میں کپڑے کی ایک بڑی سی دکان پہ صوحا اور زوحا کے ہمراہ ان کے لئے ملبوسات

دیکھ، بے شک تب قدرت نے ان پہ ایکدم ہی اپنی رحمتوں کی برسات کر دی تھی، وہ لمحے بہت انمول تھے ان کی زیست کا حاصل جب انہوں نے اپنی داہنی جانب وہ آواز سنی تھی جسے وہ برسوں برس گزر جانے کے بعد بھی بھول نہیں پائے تھے کہ آج بھی دل کے ایوانوں میں وہ اس کی آواز کی بازگشت بہت دھیان سے سنا کرتے تھے۔

"یہ پیازی کلر کا سوٹ بہت یونیک ہے آغا! اس کی ڈیزائننگ بھی بہت اچھی ہے، کیا خیال ہے مانیل کے لئے نہ لے لیں؟" انہیں اپنی سماعتوں پہ شبہ ہوا تھا، وہ ساکن کھڑے خود کو یہ یقین دلا رہے تھے یہ آواز انہوں نے حقیقت میں نہیں سنی۔

"میں نے کہا تھا ماما، پچھلی بیکری میں صرف آپ کی شاپنگ ہوگی آپ کسی اور کا نام بھی مت لیں۔" شہریار کا لہجہ خفا خفا سا تھا، پھر وہ ایک ہینگ شدہ سوٹ کھینچ کر بولا تھا۔

"یہ دیکھئے آپ پہ آف وائٹ کلر بہت سوٹ کرتا ہے، پھر اس کی کڑھائی بھی ہم رنگ ہے، بہت سوبر لگیں گی میری ماما اسے پہن کر۔" وہ چہک کر کہہ رہا تھا، جبکہ ماما جانتی تھیں یقیناً اس سوٹ کی بھی قیمت باقی ملبوسات کی طرح ان کے ہوش اڑا دے گی مگر شہریار نے شاید بھی ان سیلز والوں کا بھی چکر نہیں لگایا تھا جہاں سے وہ خریداری کرتی رہی تھیں وہ اس کا کچھ کہہ کر دل بھی توڑنا نہیں چاہتی تھیں اور اس کی مہینے بھر کی کمائی ایک سوٹ پہ ضائع بھی نہیں کرنا چاہتی تھیں، عجیب مشکل میں پڑی ہوئی تھیں۔

"اتنا خاص نہیں ہے، ہم کہیں اور سے دیکھ لیتے ہیں نا۔"

اور اب کی مرتبہ سلطان کو یقین ہو گیا، یہ خواب نہیں ہے انہوں نے ایک جھٹکے سے رخ موڑا اور اسی پل ممّا نے بھی شہریار کا ہاتھ پکڑ کر واپسی کو قدم موڑے تھے اور ایکدم تینوں آمنے سامنے آ گئے، سلطان شاہ ایک غیر یقینی کے عالم میں یک ٹک سے انہیں دیکھتے چلے گئے تھے۔

"ممّا مجھے یہی سوٹ پسند ہے آپ یہی لیں گی۔"

سلطان شاہ کی نظریں ان کا انداز ہی چونکا دینے والا تھا اور سلطان شاہ بھی جیسے اسی پل اس خواب سے نکلے تھے اور بے قراری سے ان کی جانب لپکے تھے، اتنی بے قراری سے گویا ایک پل بھی کھو دیا تو پھر سے کسی عظیم نقصان سے دوچار ہو جائیں گے۔

"سائرہ! تم...." ان کے ہونٹ کانپے تھے اور شہریار کے اصرار پہ پھر سے سوٹ کی سمت متوجہ ہوتیں ممّا نے قدرے چونک کر گردن موڑی اور پھر وہی سکتہ ان پہ طاری ہو گیا تھا، جس نے چند لمحے قبل سلطان شاہ کی تمام صلاحیتیں وقتی طور پہ بے کار کر دی تھیں۔

☆☆☆

شام ہوتے ہی جانے کیوں خود کو
بے ارادہ تلاش کرتے ہیں
جو تیرے راستے سے مل جائے
ایسا رستہ تلاش کرتے ہیں

داؤد حسن خان کلینک سے اٹھنے کا قصد کر ہی رہے تھے کہ اسی وقت ان کے سیل پہ کسی انجان نمبر سے کال آنے لگی۔

"السلام وعلیکم!" انہوں نے تھکی ہوئی آواز میں گفتگو کا آغاز کیا۔

"جناب! یہ میں ہوں رباب! میں آپ سے آخری بار ملنا چاہتی ہوں صاحب انکار مت کیجئے پلیز۔" داؤد حسن خان کی سنے بغیر وہ اتنی لجاجت اتنی بے قراری سے بولی تھی کہ داؤد حسن خان سانس بھر کے رہ گئے۔

"او کے فائن اور کچھ؟"

"نہیں صاحب! بہت شکریہ، دراصل مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنا تھی۔" اس نے ملاقات کا وقت اور جگہ کے متعلق بتا کر رابطہ منقطع کر دیا، داؤد حسن خان نے سیل فون کوٹ کی جیب میں رکھتے ہوئے رسٹ واچ پہ ٹائم دیکھا، ایک بجنے میں دس منٹ باقی تھے آج وہ معمول سے بہت زیادہ لیٹ ہو چکے تھے، پتہ نہیں وہ کس سے بھاگ رہے تھے، پتہ نہیں ان کی زندگی کا نظام درست کیوں نہیں ہو پاتا تھا، انہوں نے افسردگی سے سوچا اور واپسی کو اٹھ کھڑے ہوئے۔

اس روز اتفاقاً تمکین اور وقاص نے انہیں رباب کے ساتھ اسی ریسٹورانٹ میں دیکھ لیا تھا اور وہ اس قدر بدگمان ہو چکے تھے جتنا کہ انہیں ہونا چاہیے تھا، وقاص کو تو انہوں نے مختصر سی کہانی سنا کر مطمئن کر دیا تھا مگر تمکین کچھ بھی سننے پہ آمادہ نہیں ہوئی تھی۔

"تو یہ تھا آپ کا معیار، آپ کی چوائس اور انتخاب اور میں، میں خواہ مخواہ آپ جیسے انسان کو عظمتوں کے مینار پہ بٹھائے پوجتی رہی، جو ایک کال گرل کے ساتھ اپنی راتیں......" اور اس کی رنج اور نفرت سے کانپتی آواز ان کے اٹھے ہوئے ہاتھ کے تھپڑ سے گھٹ کر رہ گئی تھی۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" ان کا ضبط جواب دے گیا تھا، وہ کچھ سننے پہ آمادہ ہی نہ تھیں اور تمکین وہ تو پتھر ہو گئی تھی، بنا کچھ کہے ان کی آنسوؤں سے چھلکتی آنکھوں میں رنج، تاسف، دکھ نے اتنا وقت ان کے رویوں سے کہیں گہرا ہوا تھا۔

جبکہ داؤد حسن خان جیسے تو ہاتھ اٹھ جانے کے بعد ششدر سے اپنے عمل پہ ملال سے (کیا ہو گیا تھا) انہیں عجیب سی شرمندگی نے آن لیا، وہ لب بھینچ کر نظریں جھکا گئے اور تمکین کی نگاہ میں گویا اپنا جرم ثابت کر دیا۔

اس روز کے بعد سے ان کے کشیدہ تعلقات میں مزید کشیدگی در آئی تھی اور وہ اس قدر ڈسٹرب رہنے لگے تھے کہ زیادہ وقت کلینک پہ ہی گزارنے لگے۔

"عارف میں جا رہا ہوں تم لاک وغیرہ دھیان سے لگا دینا اوکے۔" وہ اپنا بیگ اور سنبھالے اپنے آفس سے نکل کر جونیئر ڈاکٹر کے پاس آئے تو وہ جو انٹرکام پہ بات کر رہا تھا رکھ کر ان کی سمت متوجہ ہوا تھا۔

"سر کچھ لوگ ایک پیشنٹ کو لے کر آئے ہیں، شاید کسی گاڑی وغیرہ سے خاصی سیریس ہے پیشنٹ کی۔"

"اوہ! تم انہیں لے کر آؤ میں دیکھتا ہوں۔" وہ فوراً الرٹ ہوئے تھے۔

"مسئلہ کیا ہے؟"

"سر شاید ہارٹ اٹیک آیا ہے۔"

"اوکے۔" وہ تیز تیز چلتے کوریڈور عبور کر گئے جہاں کچھ لوگوں کے تیز تیز بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں، اگلے چند منٹ بعد وہ مریض کو ٹریٹمنٹ دیتے یہ بات یکسر بھول گئے تھے کہ وہ کتنا لیٹ ہو چکے ہیں۔

☆☆☆

سکون بھی خواب ہوا نیند بھی ہے کم کم پھر
قریب آنے لگا ہے دوریوں کا موسم پھر
مجھے سناؤں کہ اپنی انا کی بات سنوں
الجھ رہا ہے میرے فیصلوں کا ریشم پھر
بہت عزیز ہیں آنکھیں اسے میری لیکن
وہ جاتے جاتے کر گیا ہے انہیں پر نم پھر۔

اس نے کسلمندی سے کروٹ بدلی اور پھر وال کلاک پہ نگاہ ڈالتے ہی ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی، رات وہ داؤد حسن خان کے انتظار میں لاؤنج میں ہی صوفے پہ بیٹھے بیٹھے سو گئی تھی، انا نے اجازت ہی نہیں دی کہ خود کال کر کے خیریت کی اطلاع لے لے، ورنہ تمام تر کج ادائیوں بے رخی، سرد مہری کے باوجود دھیان کے تمام ارتکاز تو اب بھی اسی دشمن جاں کی سمت رہتے تھے جب وہ بارہ بجے تک بھی نہیں آئے تو بے چینی نے دل میں گھر کرنا شروع کر دیا، عجیب کیفیت تھی اس کی وہ اس کے تقاضے عجیب تر بھی حوصلہ افزائی بھی نہ ہوئی تھی پھر بھی جب تک وہ گھر نہ آ جاتے کھانا نہ کھا لیتے اس کے نہ حلق سے کچھ اترتا نہ آنکھ میں نیند آتی۔

چناوے چنا تیرے نیناں دیاں تیریاں نے دل چیر سوٹیا
اک پل چین نہ آوے میرا دل گھبراوے چناوے چنا

وہ اسی بے چینی سے اٹھ کر باہر آئی تو صابر گنگناتے ہوئے بڑے فریش موڈ میں کچن کے کام کرتا نظر آیا، وہ کتنا سوئی تھی کہ صبح بھی مکمل طور پہ طلوع ہو چکی تھی۔

”صابر!“

”جی بی بی جی!“ وہ فوراً متوجہ ہو گیا۔

”تمہارے صاحب رات کتنے بجے آئے تھے؟“

”جی کتنے بجے بھی نہیں۔“ پھر اس کی آنکھوں کو نکلتے دیکھ کر گڑبڑا کر خود ہی اپنی تصحیح کر لی تھی۔

”جی میرا مطلب ہے بی بی جی صاب رات آئے ہی نہیں تھے۔“

”تو کیا اب صبح آئے ہیں۔“ اس نے خشک سے انداز میں دریافت کیا ساری رات کی غیر حاضری کی اطلاع اسے جلا بھنا کے رکھ گئی تھی اور دماغ فوراً شکوک سمیت لایا۔

”صبح بھی نہیں بی بی جی! وہ آئے ہی نہیں ہیں سرے سے۔“ صابر کی اطلاع پہ اسے دھچکا لگا تھا۔

”اور فون؟“ اندر ایک دم تشویش نے سر ابھارا (آئے کیوں نہیں) دل بے تحاشا دھڑکنے لگا، ساری ناراضگی جیسے ایکدم سے غائب ہو گئی تھی کہیں۔

”جی نہیں جی فون میں نے تو کوئی نہیں سنا۔“ صابر نے کہا اور اس کا دل بند ہونے لگا، ایسا تو کبھی نہیں کرتے تھے وہ۔

”یا اللہ خیر ہو۔“ اس کا دل رونے کو چاہنے لگا، بامشکل واپس آ کر صوفے پہ ڈھے سی گئی۔

”اب کیا کروں۔“ آنسو گالوں پہ پھسلنے لگے، تب ہی داؤد حسن خان کی گاڑی کا مخصوص ہارن سن کر جیسے تن مردہ میں جان سی پڑ گئی، وہ تیزی سے اٹھی، دروازے تک آئی تو انہیں تیز

قدموں سے اپنے کمرے کی سمت جاتے نظر آئے تو دل گویا ایکدم ہی گہرے سکون سے شاد آباد ہو گیا۔

”بی بی جی! صاحب آپ کو اپنے کمرے میں بلا رہے ہیں۔“ صابر نے دانت نکوس کر اطلاع دی اس نے نخوت سے سر جھٹکا۔

”صاحب نہ بھی بلاتے تو ہمیں جانا تھا، آخر کو خیر خبر بھی تو لینی ہے، ساری رات کہاں رہے صاحب بہادر۔“ وہ غصے سے کھول کر کہتے دروازے سے نکلی تو وقاص کو وہاں ہاتھ سینے پہ باندھے مسکراتے ہوئے پا کر ایک پل کو بے تحاشا خجل ہوئی یقیناً وہ اس کی بات سن چکا تھا۔

”جی ضرور پوچھیے گا کہ کہاں گزاری ساری رات وہ۔“

”میرا جی......“

”وقاص...... !“ وہ جھینپ مٹانے کو چیخی اور وہ مودب ہو گیا۔

”جی!“

”بکواس۔“ اس نے دانت پیسے اور وقاص نے سر تسلیم خم کر دیا تھا۔

”جو حکم جناب!“ نمین اسے ایک دھپ رسید کرنے کے بعد کڑے تیوروں سمیت ان کے بیڈ روم کی جانب آ گئی اور ناک کیے بنا بڑے جارحانہ انداز میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی، داؤد حسن خان کاؤچ پہ نیم دراز گویا اسی کے منتظر تھے، سرخ ڈوروں سے سجی آنکھوں میں رتجگے کا خمار ان کی بے تحاشا خوبصورتی مزید بڑھا گیا تھا۔

”آ گئیں، بیٹھیے۔“ وہ [illegible] بولے تھے۔

”مجھے بیٹھنا نہیں ہے آپ یہ بتائیے کیوں بلایا ہے؟“ وہ جو سخت باز پرس کا ارادہ لے کر آئی تھی مگر ان کے سامنے آتے ہی جیسے ساری ہمتیں جواب دے گئی تھیں یا ناراضگی البتہ اپنی جگہ قائم تھی، داؤد حسن خان نے ایک نظر اس کے تنے ہوئے نقوش والے ملکوتی چہرے پہ ڈالی اور گہرا سانس بھر کے کچھ توقف سے گویا ہوئے۔

”آپ کے گاؤں کا نام ملکوال ہے؟“

”جی مگر......“ اس نے چونک کر انہیں دیکھا (یہ کون سا قصہ کھول کر بیٹھ گئے تھے)

”اور آپ کے بھائی یعنی ادا سائیں کا نام سانول شاہ ہے اور والد محترم کا نام میر عنایت علی شاہ۔“

”آپ یہ سب جانتے ہیں تو پھر کیوں پوچھ رہے ہیں مجھ سے؟“ وہ بہت تیز ہوئی تھی مٹھیاں بھینچ کر چلائی۔

”میں یہ سب جانتا تھا تو یاد رکھ کے نہیں بیٹھا ہوا تھا، سرسری طور پہ آپ سے سنا تھا جو شاید اگلے ہی لمحے ذہن سے محو بھی ہو گیا تھا۔“

”ہاں میں آپ کے نزدیک اپنی اور اپنی باتوں کی اہمیت سے بہت اچھی طرح آگاہ ہو چکی، مزید کوئی خوش فہمی نہیں ہے مجھے۔“ نمین نے ان کی بات کاٹ دی اس نے ان کی بات سے اپنی مرضی کا مطلب اخذ کیا تھا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی تھی، داؤد حسن خان نے لب بھینچ کر اس کی ناراضگی کے گراف کو مزید اونچا ہوتا دیکھا تھا۔

”یہ سارے نام مجھے رات پھر سننے کو ملے تو مجھے لگا جیسے میں پہلے بھی انہیں سن چکا ہوں آپ

ہے۔" انہوں نے اس کے چہرے پہ نظریں جما کر بہت ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا تو تمکین پہلے چونکی پھر اس کے چہرے کا رنگ ایکدم اڑ سا گیا۔

"کیا...... کیا مطلب؟ کس نے آپ سے ذکر کیا یہ...... کہاں گئے تھے آپ؟" وہ بے ہوش ہونے کے قریب ہوتی ہی گویا۔

"میں کہیں نہیں گیا تھا، وہ لوگ خود آئے ہیں میرے کلینک، آپ کے بابا سائیں کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے، مگر فکر نہ کریں اب ان کی حالت خطرے سے باہر ہے۔" تمکین کے چہرے پہ زلزلے کے آثار نمودار ہوئے تھے وہ کھڑے سے ایکدم گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی، اس کے پورے وجود میں جیسے سرد لہریں دوڑتی چلی گئی تھیں۔

"آر یو او کے۔" داؤد حسن خان اس کی غیر ہوتی حالت پہ فکر مند سے ہوتے اس کے قریب آ کر گال سہلا کر بولے تھے۔

"وہ...... وہ اب نہیں چھوڑیں گے مجھے...... آپ...... آپ نے بتا دیا مجھے کہ میں......" اس نے ہکلا کر گھبرا کر کہتے متوحش نظروں سے ان کی صورت دیکھی اور وہ جھلا سے گئے۔

"اتنا احمق سمجھ رکھا ہے؟" انہوں نے ناراضگی سے کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے پھر جیسے اس پہ ایک ازلی پڑتی نظر ڈال کر گویا ہوئے تھے۔

"ویسے بھی بات ہے وہ لوگ مجھے اتنے خونخوار نہیں لگے جتنا آپ نے بتایا تھا۔" وہ اپنی رائے سادہ سے انداز میں دے کر خود آگے بڑھ کر وارڈ روب سے کپڑے نکالنے لگے، تمکین کی روح تک سلگ اٹھی تھی اس تبصرے پہ۔

"تو پھر ٹھیک ہے آپ میری بات کی جانچ کرنے کے لیے مجھے ان کے حوالے کر کے دیکھ لیں، جب آپ کو میرے ٹکڑے ہوئے ملیں تو کہیے گا۔" وہ بھرپور ناراضگی سے کہتی غصے سے باہر نکل گئی، داؤد حسن خان سر جھٹک رہے تھے۔

☆☆☆

ایسا نہیں کہ ہم کو محبت نہیں ملی
ہاں جس سے چاہتے تھے وہ قربت نہیں ملی
ملنے کو زندگی میں کیا ہمسفر ملے
لیکن طبیعتوں سے طبیعت نہیں ملی
چہروں کے کار ہجوم میں ہم ڈھونڈتے رہے
صورت نہیں ملی تو کہیں سیرت نہیں ملی
وہ یک بیک ملا تو بہت دیر تک ہمیں
الفاظ ڈھونڈنے کی بھی مہلت نہیں ملی
ہر شخص زندگی میں بہت دیر سے ملا
کوئی بھی چیز حسب ضرورت نہیں ملی

ساری ہی رات آنکھوں میں بیت گئی، باتیں کرتے ماضی کے دکھ دہراتے اور آنے والے وقت کی پلاننگ کرتے، ان کی نگاہ میں اپنے ہر رشتے کے لیے بہت پیاس تھی، یہ وہ رشتے تھے جنہیں اپنے تئیں وہ رو کر صبر کر چکے تھے، مگر خدا جب کسی کو بچانا چاہے تو ہزار سبب بھی پیدا فرما دیا

کرتا ہے اور اپنے ہی بندوں کے ذہنوں کو مفلوج بھی کر سکتا ہے۔

جیسے اس روز عنایت علی شاہ نے سفاک کی انتہاؤں کو چھوتے ہوئے اسکول جاتے ہوئے آغا کو پہلے اغواء کیا تھا اور خود اسے لے کر گاؤں روانہ ہو گئے تھے، پیچھے ان کے کارندے رہ گئے تھے جنہیں سائرہ کے گھر کو پیٹرول چھڑک کر آگ لگا دینا تھی اور ایسا ہوا بھی تھا، مگر اتفاقاً اسی روز سائرہ کو بہت ضروری کام سے قریبی مارکیٹ جانا پڑ گیا تھا، آغا تو اسکول جا ہی چکا تھا انہوں نے ماہ نور کی انگلی پکڑی تھی اور طلوع کو گود میں لیے آٹومیٹک دروازہ لاک کرنے کے بعد مارکیٹ چلی گئی تھیں اور جب واپس آئیں تو دور سے ہی اس کے گھر کو لگتے آگ کے شعلوں کو دیکھ کر وہ بہت خاموشی سے پلٹ کر آغا کے اسکول آ گئیں اور جو قیامت ان پہ اپنے گھر کو جلتے دیکھ کر نہیں ٹوٹی وہ آغا کو اسکول سے غائب پا کر ٹوٹ پڑی تھی، ان کی غیر ہوتی حالت کو دیکھ کر پرنسپل خود ان تک آئی تھیں، پانی پلایا سہارا دیا، ان دنوں وہ پریگننٹ تھیں، ذرا سا صدمہ بھی دل سہارنے کے قابل نہیں تھا، کجا اتنا بڑا دکھ۔

پرنسپل صاحب نے ان کی پوری بات سنی تھی اور مخلصانہ مشورہ دیا تھا۔

اگر وہ اپنی اور اپنے باقی بچوں کی زندگی محفوظ دیکھنا چاہتی ہیں تو جب سادھ کر روپوش ہو جائیں، ورنہ جو اپنے تئیں انہیں ان کے بچوں سمیت گھر کو نذر آتش کر کے مطمئن ہو گئے تھے ان کی زندگی کی خبر پا کے پھر سے کوئی ایسا قدم اٹھانے سے کہاں چوکیں گے اور یہ بات ان کی سمجھ میں آ گئی تھی اور وہ روتی دھوتی ہوئی پلٹ کر اسی دہلیز پہ آ گئی تھیں جسے بھی سلطان شاہ کا سہارا پا کے انہوں نے بہت زعم سے چھوڑا تھا۔

"جب آپ نے بھی پلٹ کر ہماری خبر نہیں لی تو میں جان گئی آپ کو بھی یہی بتایا گیا ہے۔" انہوں نے آہستگی سے کہتے اپنے شریک حیات کا چہرا دیکھا جہاں غموں کی رات کے بعد صبح روشن کے رنگ بکھرے ہوئے تھے۔

وہ لوگ گھر پہنچے تو ماہ نور طلوع اور صبا کے لیے یہ ایک بہت بڑا سرپرائز تھا صبوحا اور زوحا کا بھی سب سے تعارف ہوا تھا۔

"ماہ نور بیٹا! یہ آپ کی چھوٹی بہنیں ہیں۔" انہوں نے ماہ نور کے سر پہ بوسہ ثبت کرنے کے بعد بہت پیار سے کہا تھا، پھر اچھا خاصا چونکے تھے۔

"ارے ہاں ابھی تک ہم اپنی اکلوتی بہو سے نہیں ملے، سائرہ تو کہہ رہی تھی آغا کی شادی ہو چکی ہے۔" سلطان شاہ کے کہنے پہ شہریار جھینپ کر مسکرایا تھا۔

"صرف بہو نہیں پاپا! ان کا تو بہت پیارا سا بیٹا بھی ہے۔" ماہ نور نے اہم اطلاع قدرے شوخی سے دی تھی پھر اسی شوخی میں شرارت کا رنگ بھرتے ہوئے شہریار کو مخاطب کر لیا تھا۔

"جائیے نا بھائی! بھابی اندر ہیں انہیں بلا کر تو لائیے۔" ماہ نور کی شرارت کو سمجھ کر وہ مزید شپٹا گیا اور گھبرا کر ماما کو دیکھا وہ دراصل اس موقع پہ رابیل کا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتا تھا جبھی یہ احتیاط ضروری تھی اور ماما کو تو اس کا ویسے بھی بہت خیال رہتا تھا، جبھی اس کی آنکھوں کی ان کہی بات کو سمجھا اور اٹھ کر اندر چلی گئیں، رابیل بظاہر الماری میں منہ دیے کپڑوں کی ترتیب ٹھیک کر رہی تھی، مگر حقیقت یہ تھی کہ وہ ساری باتیں بھی سن چکی تھی اور اب شہریار کے حوالے سے متعارف ہونے کے خیال سے ہی بہت بے زار بھی تھی، ماما نے اس کے کاندھے پہ نرمی سے ہاتھ رکھا تو وہ

خود کو سنبھال کر بیٹھی۔

''کانگریچولیشن ماما! آپ کو یہ ڈھیر ساری خوشیاں بہت مبارک ہوں۔'' ان سے لپٹ کر اس نے واقعی دل سے انہیں وش کیا تھا، ماما بے اختیار مسکرا دیں۔

''شکریہ بیٹا! اللہ تمہیں بھی وہ خوشیاں مبارک کرے جو خدا نے تمہیں عطا کی ہیں، آؤ اپنے بابا سے ملو وہ تمہارا ویٹ کر رہے ہیں۔'' انہوں نے اس کی پیشانی پہ بوسہ ثبت کر کے نرمی سے ہاتھ تھام کر اتنی محبت سے کہا تھا کہ وہ کوئی بھی پس و پیش نہ کر سکی اور سر پہ آنچل ڈالتی ہوئی جھک کر سوتے ہوئے ابزد کو اٹھا کر ماما کی گود میں دے دیا اور ان کے ہمراہ چلتی ہوئی باہر آ گئی اور جب وہ پاپا کے سامنے جھک کر ان کی دعائیں سمیٹ رہی تھی اس نے اپنے اردگرد شہریار کی پرتپش نگاہوں کا حصار بندھتا ہوا محسوس کیا تھا اور اندر ہی اندر جز بز ہوتی رہی تھی۔

''بہ فیکٹ بھابھی! آغا کی چوائس بہت زبردست ہے۔'' زوجا ہمیشہ کی بے تکلف تھی مزے سے رائیل سے ہاتھ ملاتے ہوئے بڑے اعتماد سے مسکرائی، رائیل کی غیرارادی نگاہ شہریار کی سمت اٹھی جو کالر کھڑا کرتے ہوئے یہ تعریف وصول کر رہا تھا، اس نے زوجا ہی دل آویز سی مسکراہٹ اس کی سمت اچھال دی، اس نے بی انفور نہایت بے مروہ ہو کر چہرے کا رخ پھیر لیا تھا، بات کو سب کا ٹل کر جانے کا ارادہ تھا مگر رائیل کترانا چاہ رہی تھی، مگر زوجا نے اس کی جان ہی کب چھوڑنی، وہ تو اس پہ دل و جان سے فدا ہو گئی تھی۔

''بھئی آغا کی مسز بہت ہی اٹریکٹو ہیں، میں تو عاشق ہو گئی ہوں ان کی۔''

''خبردار لڑکی ان پہ عاشق ہونے کا صرف ہمارا ہی حق ہے اور ہم اپنے رقیب کو قتل کرنے کا بھی عزم رکھتے ہیں سو ذرا سنبھل کے۔'' شہریار نے آنکھیں نکال کر کہا تھا زوجا ہنسنے لگی تھی جبکہ رائیل کا چہرہ تپ سا گیا تھا، وہ رات سب کے لئے بہت یادگار اور خوشگوار رہی تھی ماسوائے رائیل کے مگر وہ کوئی بھی تلخ بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی اور صبح دم جب سب پہ سستی سوار ہو رہی تھی اور سب ادھر ادھر لڑھکنے لگے تھے تو ماما انہیں ڈانٹ کر نماز کے لئے اٹھانے لگیں۔

''مما آپ کو مجھے ڈانٹنا نہیں پڑے گا میں نماز پڑھے بغیر نہیں سو سکتی۔'' زوجا نے اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھتے ہوئے کہا تھا تو سلطان شاہ نے مسکرا کر پہلے اسے پھر سائرہ کو دیکھا تھا جنہوں نے مسکرا کر اسے ساتھ لگا کر پیشانی چوم لی تھی۔

''اس لئے کہ آپ میری بہت اچھی سی بچی ہو۔'' اور سلطان شاہ نے بہت طمانیت سے آنکھیں موند لیں تھیں ایک خدشہ سا تھا دل میں جو سائرہ کے رویے سے دور ہوا تھا۔

☆☆☆

تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے
ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا
تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
حال دل یار کو لکھوں کیونکر
ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا
چارہ دل سوائے صبر نہیں

سو تمہارے سوا نہیں ہوتا

داؤد حسن خان اس پہ قیامت ڈھا کر خود معمول کے کاموں میں لگ گئے تھے، پہلے انہوں نے ہاتھ لیا، پھر صابر سے ایک بڑا مگ کافی کا بنوا کر پیا پھر دوبارہ سے تیتنا کالج کے لئے تیار ہونے لگے تھے اور جب وہ وائیٹ پینٹ کوٹ میں مکمل تیاری کے ساتھ اپنے بیڈ روم سے نکلے تو چادر میں لپٹی ان کی منتظر تھیں سرعت سے لپک کر ان کی سمت آئی تھی۔

''داؤد!'' اس کے پکارنے پہ وہ اپنے کسی دھیان سے چونک کر متوجہ ہوئے تھے۔

''مجھے بھی آپ کے ساتھ کلینک جانا ہے۔''

''مگر میں تو شام کو کلینک جاؤں گا، آپ تب تک ویٹ کر سکتی ہو تو ٹھیک ہے ورنہ آپ وقاص کے ساتھ چلی جائیے۔'' ان کی آنکھوں میں اس کے اچانک فیصلے سے جو حیرت ابھری تھی اس پہ قابو پا کر وہ نارمل انداز میں بولے، مگر اس نے جیسے سنا ہی نہیں تھا۔

''مگر مجھے بابا سائیں کو دیکھنے جانا ہے داؤد اور یہ بے حد ضروری ہے۔'' وہ اپنی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی ہچکیوں کے رو پڑی تھی، داؤد حسن خان کے اعصاب ایکدم کشیدہ ہوئے تھے۔

''اوکے اوکے ریلیکس! میں آپ کو کلینک ڈراپ کر جاتا ہوں رائیٹ؟ ویسے ابھی چند گھنٹے قبل تو آپ کو یہ خوف لاحق تھا کہ وہ لوگ آپ کو جان سے مار دیں گے۔'' وہ بات کے آخر میں مبہم سا مسکرائے تو تکین نے اتنی ٹینشن میں بھی کڑھنے کا قائم نکال لیا۔

''اب آپ کی طرح میں نے بھی یہ سمجھ لیا کہ میں انہیں خواہ مخواہ ہی خوفزدہ سمجھتی رہی ہوں۔'' ان کی اس اہم سوچ پہ بھی اپنا اتحاد تحویز جانے کی جو جھنجھلاہٹ محسوس کی تھی وہ اس نے اس انداز میں نکالی اور داؤد حسن خان نے جان لیا کہ یہ لڑکی ان کی ذات میں اس حد تک انوالو ہو چکی ہے کہ ان کی تمام تر بے نیازی کے باوجود اس کی امیدیں دم توڑتی ہیں نہ اس کا انتظار ختم ہوتا ہے، ایک خوشگوار سے احساس نے اس سوچ کے ساتھ انہیں چھوا تھا اور وہ کاندھے اچکا گئے تھے۔

''آ جائیے ان باتوں سے بعد میں جان چھڑایئے گا۔'' وہ آگے بڑھتے ہوئے بولے تو تکین آنسو ضبط کرتی ان کے پیچھے ہو لی تھی اور جب وہ کالج جانے کی بجائے اس کے ساتھ کلینک چلے آئے تھے تو وہ دل ہی دل میں مطمئن اور سرشار ہوتی بظاہر بڑی بے نیازی سے بولی تھی۔

''اب آپ بے شک کالج چلے جائیں۔''

''تکین اگر آپ کے بھائیوں نے آپ کو مارنے شارنے کا منصوبہ بنایا اور آپ کو میری مدد کی ضرورت پڑی تو میں بروقت نہیں پہنچ سکوں گا اس طرح نقصان تو ہو گا نا۔'' مسکراہٹ دبا کر شریر سے انداز میں کہتے وہ اسے سامنے والے روم میں جانے کا اشارہ کرتے ہوئے خود اپنے آفس کی جانب بڑھ گئے تکین جیسے ساکن کھڑی ان کی بات کا مفہوم سمجھنے کی کوشش میں ہلکان تھی۔

☆☆☆

میرے بے خبر تجھے کیا خبر! میری زندگی کا ہر ایک پل
تیری آرزو تیری جستجو میری جیت تو میری ہار تو
میرے بے خبر تجھے کیا خبر
تیری ذات میں وہ نصاب ہے
جسے پڑھنا میرا خواب ہے

جو میرے لئے سراب ہے
میرے لئے خبر تجھے کیا خبر میرے بے خبر میری بات سن
میری پلکوں سے میرے خواب چن
میری چاہتیں اور وفا میں تیرے نام میں تیرے نام ہیں
میرے دل کی ساری ہی دھڑکنیں ہیں تیرے مجھ پہ محال ہیں
میرے بے خبر میرے بے خبر

شہریار نے کچن اور دوسائی کے اس موسم کو بہت مبارک جانا تھا اپنے لئے اسے امید تھی رائیل کی یہ ناراضی وقتی ہے، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، اس نے چوڑے کمرے سے ماہ نور، طلحہ اور زوحا کے ساتھ مل کر سارا سامان باہر نکال دیا تھا، سامان تھا ہی کتنا چند کرسیاں ایک میز ایک پلنگ۔

وہاں بڑی سی چٹائی بچھا کر اس کے اوپر دستر خوان بچھا یا گیا، اب سب لوگ یہاں بیٹھ کر بہت آرام سے نہ صرف کھا پی سکتے تھے بلکہ سارا دن اگر اکٹھے بیٹھنے کا ارادہ تھا تو یہیں انتظام ہوا تھا۔

کچن میں رائیل کے ساتھ صوحا ناشتہ بنا رہی تھی ماہ نور بھی ان کے ساتھ جا لگی، جبکہ زوحا ماما کے ساتھ ٹی وی کے آگے بیٹھی پاپا کو اخبار پڑھ کے سنا رہی تھی، مگر جب شہریار بھی وہیں ان کے پاس آ گیا تو زوحا نے اخبار سائیڈ پہ رکھ دیا تھا۔

''کیسے ہیں پارٹنر؟'' وہ اسے دیکھ کر بشاشت سے مسکرائی۔

''ہمیشہ کی طرح فرسٹ کلاس فٹ فاٹ، کیا تمہیں پہلے سے زیادہ خوبصورت ہینڈسم نہیں لگ رہا ہوں؟'' اس کا اعتماد قابل دید تھا، زوحا ہنسنے لگی، جبکہ ماما اور پاپا مسکرا رہے تھے۔

''سچ بتاؤں آغا! کیا ہوا ہے آپ پہلے جیسے نہیں رہے ہو؟'' زوحا نے اپنی بات پر زور دیا اور وہ اب کے واقعی چونک گیا۔

''مطلب؟''

''مطلب یہ کہ پہلے آپ بہت ہنس مکھ ہوا کرتے تھے چھیڑ چھاڑ شوخی شرارت اور یہ سب آپ پہ بہت سوٹ بھی کرتا تھا۔'' اور اس کی بات پہ شہریار نے گہرا سانس بھر کر رائیل کو کچن سے نکلتے دیکھ کر خاصی شوخی سے گویا ہوا تھا۔

''تب میں غیر شادی شدہ ہوا کرتا تھا لڑکی۔'' اس کی ترچھی نگاہیں رائیل پہ تھیں۔

''تو کیا شادی کے بعد بندہ سڑے کریلے جیسا ہو جاتا ہے؟'' زوحا نے ننھا سا ناک سکوڑ لیا۔

''شادی ہو کے تو پتہ نہیں البتہ محبت میں ناکام ہو کے بندہ ضرور ایسا ہو جاتا ہے۔'' اس نے قریب آ کے ماما اور پاپا کو چائے سرو کرتی رائیل کو دیکھ کر عاشقانہ سی آہ بھری، آنکھوں میں شرارت ہونٹوں پہ خوبصورت مسکان تھی، رائیل نے نظر بھر کے بھی اسے نہیں دیکھا اور واپس کو مڑ گئی۔

''ہائے اللہ! تو کیا آپ محبت میں ناکام ہو چکے ہیں؟'' زوحا نے حیرت بھری چیخ کے ساتھ پوچھا تھا، شہریار نے کاندھے جھٹک دیئے۔

''کہہ سکتی ہو۔''

''بھابھی کو بتاؤں آپ کی آوارگی۔'' زوحا نے شرارت سے آنکھیں نچائیں، پاپا بہت دلچسپی سے مسکرائی نظروں سے انہیں دیکھتے ان کا مکالمہ سن رہے تھے جبکہ ماما کی آنکھوں میں بیٹے کے دل

کا دکھ بھی بھر رہا تھا۔

''افوہ فائدہ، اس کی بحث میں تو ہوتے ہیں۔'' اور زوحا کے ساتھ پاپا بھی ہنس پڑے۔

''آپ بھی آغا بھائی کبھی نہیں سدھریں گے۔'' وہ یونہی ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی جبکہ سلطان شاہ جیسے کسی خیال کے زیر تحت بولے تھے۔

''آغا بیٹا آپ نے طارق کو دیکھا ہے۔''

''کون طارق پاپا!'' وہ بے دھیانی سے بولا پھر ایکدم خفیف ہو کر رہ گیا۔

''طارق بھائی؟ ماما کے بڑے بیٹے، نہیں پاپا، ابھی تک ایسا حسین اتفاق ہی نہیں ہوا، ویسے ماما نے بتایا تھا وہ آرمی میں میجر ہوتے ہیں اور ان دنوں اسلام آباد پوسٹڈ ہیں، کیوں خیریت؟ آپ مجھے پریشان لگ رہے ہیں۔'' وہ جیسے لمحوں میں ان کی آنکھوں سے تفکر کو پا کر مضطرب ہوا تھا ماما ابھی کچھ دیر قبل ہی ایزد کے رونے کی آواز سن کر اندر اٹھ کے گئی تھیں۔

''تشویش کی بات تو ہے بیٹا وہ آپ کے ماموں زاد ہیں اور اپنے بھائیوں کے ساتھ تمہاری ماما کے تعلقات اچھے نہیں ہیں۔'' ان کا لہجہ ہنوز متفکر تھا، شہریار بے اختیار مسکرا دیا تھا۔

''مگر ماما تو بہت مطمئن ہیں پاپا! اور طارق بھائی بھی بہت نائس اور کیئرنگ ہیں، ماما سے میری اس سلسلے میں تفصیلی بات ہو چکی ہے، طارق بھائی ذاتی طور پہ اپنی فیملی سے ڈفرنٹ ہیں، ماما بتا رہی تھیں جب میں بھی نہیں ملا تھا اور ماما کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی تب سے ہی کیا وہ جب سے انہوں نے ہوش سنبھالا تھا ماما سے ملتے رہے تھے بلکہ وہ اکثر بہت کچھ لاتے بھی تھے مثلاً راشن وغیرہ اور جب ماما منع کرتیں تو کہا کرتے تھے میں آپ کا بھتیجا نہیں بیٹا ہوں اور آپ کے بھائیوں کی ایک زیادتی کا ازالہ کرنے کی ادنیٰ سی کوشش کرتا ہوں۔''

''واؤ... پھر تو ان سے ملنے کا مجھے اور بھی اشتیاق ہو گیا ہے۔'' زوحا جو بہت دھیان سے ساری بات سن رہی تھی واقعی بہت متاثر ہو کے بولی۔

''اس سے پہلے کہ پاپا بھی جواب میں کچھ کہتے ان کے سیل فون پہ کال آنے لگی تھی۔'' انہوں نے جیب سے موبائل نکالا۔

''سالول کالنگ۔'' نمبر دیکھتے ہی ان کے اعصاب کشیدہ ہوئے تھے، قدرے تذبذب کے چند ثانیے بعد انہوں نے کال ریسیو کر لی تھی اور جو کچھ ادھر سے سنا وہ ان کے چہرے پہ بدحواسی اور گھبراہٹ پیدا کر گیا تھا۔

''کیا ہوا پاپا، خیریت؟'' شہریار نے ان کا ہاتھ تھاما، جو دھیرے دھیرے لرزنے لگا تھا۔

''اوا سائیں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہیں مجھے ضروری جانا ہو گا۔''

''میں ساتھ چلتا ہوں آپ کے۔'' وہ ان کے ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا کچن سے رائیل ماہ نور اور صوحا کے ساتھ نکل آئی تھی، اندر کمرے سے ماما بھی۔

''ہاں بیٹا چلیں، ڈرائیو تم ہی کرنا میں نہیں کر پاؤں گا۔'' انہیں اس وقت اس کے ساتھ کی واقعی بہت ضرورت تھی۔

''اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں اور ماہ نور بھی آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔'' ماما نے ایزد کو بہلاتے ہوئے آگے بڑھ کر کہا تھا۔

''نہیں فی الحال تو میں آغا کے ساتھ جاتا ہوں، وہاں جانے کے بعد حالات دیکھ کر کوئی فیصلہ

باہر نکل گئے تھے۔

☆☆☆

نام نہاد زعم جھوٹا بھرم اور دکھاوے کی ضد اور اکڑ بھی اس انسان کو کچھ نہیں دیتی جس نے عمر بھر اپنے ذاتی مفاد کی خاطر زیاں کے راستے اختیار کیے ہوں، انہیں بھی ان کی فرعونیت نے کبھی انسانیت کی سطح پہ رہ کر کچھ سوچنے ہی نہ دیا، ان کے پرکھوں سے یہ روایت چلی آرہی تھی کہ جو کچھ بھی ہے اس پہ صرف مردوں کا ہی حق ہے، عربوں میں جاہلیت کے دور کی جتنی برائیاں تھیں وہ بدرجہ اتم ان میں بھی آ موجود ہوئی تھیں، بس صرف نام کا اسلام تھا ان کے پاس، ورنہ خوف خدا ہوتا تو اتنے بڑے بڑے ظلم کرتے ہوئے ان کا دل ضرور کانپتا۔

مگر کہا جاتا ہے ہر دور میں ہر اندھیری رات کی ایک روشن صبح ضرور طلوع ہوا کرتی ہے، یہاں بھی اندھیرا چھٹنے کو تھا صبح طلوع ہونے والی تھی، تغیر کا آغاز تو عرصے سے غیر محسوس انداز میں حکمران کے اندر شروع ہو چکا تھا۔

شاید تب جب زینی کو زہر دیتے ہوئے ان کے ہاتھوں میں خفیف سی لرزش اتری تھی، یا تب جب مہرو کی کرب ناک چیخیں سن کر وہ بستر پہ کروٹیں بدلنا شروع کرتے تو پھر نیند اس رات آنکھوں سے روٹھی رہتی یا شاید تب جب سانول اور توقیر نے تمکین کے خون سے ہاتھ رنگنے کا منصوبہ ترتیب دیا، مگر یہ سارے احساس اتنے غیر شعوری اور وقتی ہوا کرتے تھے کہ وہ ان پہ دھیان نہ دے پائے، مگر جب توقیر کی خون میں لت پت لاش کو انہوں نے دیکھا تو ان کے وجود کی فصیل میں پہلا بم بلاسٹ ہوا اور وہ دھڑام سے گر گئی، پھر تو پے در پے صدمات تھے، صفیہ کا دنیا سے جانا، جوان بھی شریک حیات کا سسکتے ہوئے دنیا سے منہ موڑ لینا اور واقعی اندر سے ریتلی دیوار کی طرح سے گرتے جا رہے تھے، کہ سلطان شاہ کے الفاظ کی سنگینی نے ایک آخری زوردار دھکا دے ڈالا۔

"کیسے انسان ہیں آپ؟"

"سینے میں دل کی جگہ پتھر ہے آپ؟ کتنے بڑے بڑے گناہ کر ڈالے آپ نے اور آپ کا دل نہیں کانپا۔" سلطان شاہ تو آئینہ ان کے سامنے رکھ کر چلے گئے اور ان کے لیے احتساب کا کڑا وقت شروع ہو گیا۔

زینی، مہرو اور تمکین کے چہرے بیک روپ دھار دھار کر انہیں ڈراتے رہے اور تمکین انہیں پہلی بار احساس ہوا وہ انہیں کیسے ناقابل تلافی نقصان سے دوچار کر گئی ہے۔

وہ عزت تھی اس خاندان کی اس حویلی کی، اس حویلی کے مردوں کی جنہوں نے ہمیشہ غیر عورتوں کی عزتوں کو نیلام کیا تھا، یہ رب کا کوئی انتقام تھا کہ ان پہ وہ وقت آگیا تھا کہ ان کی عزت نے انہیں خود اپنے آپ کو غیر محفوظ کر لیا تھا، زینی اور مہرو کو تو انہوں نے موت کی نیند سلا دیا، مگر یہ تو بھاگ گئی، واللہ جانے کس کے ہاتھ لگی اور کیسے کیسے حویلی کی عزت کی چادر تار تار ہوئی۔

وہ جتنا سوچتے اسی قدر تڑپتے ایسی ہی سوچیں تھیں ایسے ہی زیاں کے احساسات تھے جنہوں نے مل جل کر آکٹوپس کی مانند انہیں جکڑ لیا تھا، انہیں اپنا سینہ بوجھل ہوتا جکڑا جاتا محسوس ہوا۔

درد تھا لامتناہی درد، ایسا ناقابل برداشت کہ وہ کسی کو پکارنے کسی کو بلانے کی کوشش میں اٹھنے لگے تھے کہ ایکدم سینے کے درد نے طوفان سا اٹھا دیا اور وہ اوندھے منہ وہیں پلنگ سے نیچے جا

مگر سب! اس کے بعد ان کا ذہن مکمل تاریکیوں میں ڈوب گیا تھا۔ انہوں نے ساحل کی مدھم آواز سنی تھی اور تمکین کا نام بھی۔ انہوں نے سمجھنے کی کوشش کی کچھ کہنا بھی چاہا مگر غنودہ ذہن نے زبان کو جنبش کرنے کی بھی اجازت نہیں دی۔ اس کے بعد جب جب بھی ان کی آنکھ کھلی انہوں نے خود پہ ایک مہربان چہرا جھکا پایا۔ وہ چہرا اکثر تمکین کے چہرے سے مشابہہ لگتا تھا۔ پتہ نہیں وہ واقعی تمکین تھی یا ان کا وہم۔

☆☆☆

سمندر سے میں صحرا ہو گیا ہوں
میں پہلے کیا تھا اب کیا ہو گیا ہوں
مجھے خود بھی نہیں معلوم کیسے
میں خود سے بھی جدا سا ہو گیا ہوں

اسلام آباد کے من چلے موسم نے منٹوں میں رنگ بدلا اور گہرے کالے بادل آسمان پہ چھا گئے۔ اگلے چند لمحوں میں جب کالی گھٹائیں برسیں تو آفس سے گھر جاتا طارق شیرازی راستے میں بارش میں گھر گیا۔ گھر پہنچ کر اس نے پہلے باتھ لے کر چینج کیا پھر چلتا ہوا لان میں آ کر چیئر پہ بیٹھ گیا۔

دل اس بھیگے موسم میں آنکھوں اور وجود کے ساتھ خوب بھیگ جانے کا خواہش مند تھا۔ ابھی اسے وہاں بیٹھ کر بھیگتے بمشکل دس منٹ گزرے ہوں گے جب بیٹ مین اس کے پاس آ کر مودب انداز میں بولا تھا۔

"سر آپ کے سیل فون پہ کال آ رہی ہے۔ یہیں لے آؤں؟"

"نہیں میں خود اندر جا رہا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا اور پانی سے بھیگے بال ہاتھ کی انگلیوں سے ماتھے سے ہٹاتے ہوئے اندرونی حصے کی جانب آ گیا۔ ٹیبل پہ پڑا سیل فون اٹھایا۔ دوسری جانب فاروق تھا۔ وہی اتنا مستقل مزاج ہو سکتا تھا۔

"ہاں فاروق!" وہ پردے ہٹا کر دریچے کی سلائیڈ کھول رہا تھا۔

"بھائی کیسے مزاج ہیں؟"

"الحمدللہ خیریت سے ہوں۔ تم سناؤ کیسے فون کیا؟"

"بھائی فار گاڈ سیک، اتنے فارمل مت ہوا کریں کہ ہمیں لگے ہم نے اپنے بھائی کو نہیں کسی وزیر سفیر کو فون کر لیا ہے سر۔" فاروق نے سخت ناراض ہو کر ناراضی سے کہا تو طارق کے ہونٹوں پہ ایک بھولی بسری سی مسکان بکھر گئی۔

"اچھا بتائیے فاروق صاحب! آپ کیسے ہیں؟ کیا کر رہے ہیں؟ اب ٹھیک؟" طارق نے خوشدلی کا مظاہرہ کر کے اس کا موڈ بحال کرنا چاہا تو جواباً وہ چہک اٹھا تھا۔

"یہ ہوئی نا بات۔ جی کیسا ہوں کا جواب ہے پرفیکٹ ہوں۔"

"کیا کر رہا ہوں کا جواب ہے ابھی کچھ دیر قبل فراق یار میں آہیں بھر رہا تھا، مگر ابھی ابھی ایکدم ہی دل کا موسم بدلا ہے۔" معاً وہ رکا اور ایکدم ہی بے حد جوشیلا ہو رہا تھا۔

"یہ بتائیں آپ کا ارادہ ابھی ہے کہ نہیں ہے؟" طارق کے چہرے پہ سکوت سا چھا گیا۔

(جاری ہے)

میرے ساحر سے کہو

ام مریم

پچیسویں قسط کا خلاصہ

شہر یار ہر ممکن طریقے سے رابیل کو منانے کی سعی کرتا ہے مگر رابیل اسے معاف کرنے کو تیار نہیں اس کا رویہ نہایت دل شکن ہے، شہر یار یکسر بدلے ہوئے انداز و رویے کے ساتھ قدم قدم پہ ہرٹ ہو رہا ہے، شاپنگ کے دوران سلطان شاہ اور سائرہ کا آغا سمیت ایک دوسرے سے سامنا ہوتا ہے اور لمحے ان کے لئے خوشیوں کے پیامبر بن جاتے ہیں، ان کے گھر یہ خوشیوں کے قافلے اتر آتے ہیں، ماہ نور اسی خوشی کے موقع پہ طارق کی کمی محسوس کرتی ہے اور اسے آنے پہ اصرار کرتی ہے مگر طارق آمادہ نہیں۔

فاروق، طارق کو اپنے دل پہ ہونے والی واردات کا بتانے کے ساتھ یہ انکشاف بھی کرتا ہے کہ صوحا نام کی لڑکی ماہ نور کے گھر پائی جاتی ہے، ماہ نور سے طارق حقیقت جانتا ہے ادھر اماں پشتم ماہ نور کو گھر لانے پہ آمادہ ہیں اور فاروق کا رشتہ مانگنے پہ بھی۔

داؤد حسن خان، نگین کی بدگمانی سے ڈسٹرب ہیں اور زیادہ وقت کلینک پہ گزارتے ہیں، تب ایک رات ان کے پاس ایک مریض آتا ہے وہ یہ جان کر حیران رہ جاتے ہیں کہ وہ ہارٹ پیشنٹ کوئی اور نہیں نگین کے بابا عنایت علی شاہ ہیں۔

چھبیسویں قسط

اب آپ آگے پڑھئے

''وعلیکم السلام! پھپھو جانی سے بات کرادیں پلیز۔'' اس نے دانستہ ماہ نور کا نام نہیں لیا۔

''او کے مگر آپ ہیں کون یہ تو بتایئے؟'' بڑی شان بے نیازی سے پوچھا گیا تھا۔

(کہیں یہی تو صوحا صاحبہ نہیں ہیں؟) طارق نے سوچا اور سنجیدگی و متانت سمیت بولا تھا۔

''میجر طارق شیرازی!''

''ارے طارق بھائی! یعنی کہ ماہا آپا کے ہزبینڈ کیسے ہیں آپ جناب!'' وہ ایکدم ہی بے تحاشا جوش و خروش سے یوں گویا ہوئی جیسے بہت اچھی طرح سے اس سے شناسا ہو، طارق اب کے صحیح معنوں میں الجھ گیا۔

''جی الحمدللہ! سوری میں آپ کو......''

''ارے ہاں میں اپنا نام بتانا تو بھول ہی گئی میں زوحا ہوں، ماہا آپی اور آغا کی چھوٹی بہن۔'' وہ مزے سے کھلکھلا کر بتا رہی تھی، طارق نے سیل فون کان سے ہٹا کر حیرانی سے گھورا، قدرے نخوت سے بولا تھا۔

''آئی تھینک، میں غلطی سے رانگ نمبر ملا چکا ہوں، بی کوز میری معلومات کے مطابق ماہ نور کی صرف ایک ہی چھوٹی بہن ہے اور وہ غالباً زوحا نہیں عینا ہے۔'' اس کی بات کے جواب میں زوحا نے بڑا ہی خوشگوار سم کا قہقہہ لگایا تھا، پھر اسی ہنسی کے درمیانی شریر سے لہجے میں بولی۔

''لگتا ہے آپ کی ماہا آپی سے خاصے عرصے سے بات نہیں ہوئی ہے، ورنہ یہ انفارمیشن آپ کے علم میں ہوتی کہ میں اور صوحا ماہا جی کی اسٹیپ سسٹرز ہیں آئی مین ان کے فادر کی دوسری بیوی کی اولاد، ابھی پرسوں ہی تو پاپا کو اپنی گمشدہ فیملی سے معجزانہ طور پر ملنا نصیب ہوا ہے، ہم سب یہاں اکٹھے ہیں اور بہت خوش ہیں بس آپ کی کمی محسوس کر رہے ہیں وہ یعنی بہت شدتوں سے۔'' وہ اندر آتی ماہ نور کو دیکھ کر قدرے شوخی سے ہنسی۔

''آپ واقعی سچ کہہ رہی ہیں؟'' طارق شیرازی واقعی ششدر سا ہو کر سوال کر رہا تھا۔

''ارے صاحب! یہ شک و شبے تو پولیس والوں کی عادت ہوا کرتی ہے نا، آپ تو خیر سے پاک فوج کے سینئر آفیسر ہوتے ہیں، چلئے اگر میری بات کا آپ کو اعتبار نہیں تو اپنی ڈیئر وائف سے اس کی تصدیق کرالیں۔'' زوحا نے ماہ نور کو دیکھ کر آنکھیں نچائیں اور فون کا ریسور اس کی سمت بڑھا کر شوخ و شنگ سے لہجے میں بولی تھی۔

''لیجئے آپ کے سرتاج ہیں۔'' ماہ نور نے جھینپی ہوئی مسکان کے ہمراہ ریسور لے لیا۔

''السلام وعلیکم! کیسے ہیں طارق؟'' اس کا دل بہت مدھر سروں میں دھڑکنے لگا اور طارق نے سمجھا وہ زوحا کی وجہ سے اخلاق برت رہی ہے۔

''وعلیکم السلام! یہ بتاؤ یہ صوحا کون ہے؟'' طارق نے مطلب کی بات ہی کی تھی۔

''یہ صوحا نہیں زوحا تھی جس کی آپ سے بات ہوئی۔'' ماہ نور نے اپنے پاس کھڑی مسکراتی ہوئی زوحا کو دیکھ کر تصحیح کی۔

''مگر میں صوحا کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔'' طارق نے درشتی سے کہہ کر گویا اپنی بات پہ زور دیا۔

''زوحا اور صوحا دونوں ہی پاپا کی بیٹیاں ہیں مطلب پاپا کی دوسری بیوی سے ہیں۔'' ماہ نور کے اس کے لہجے میں اس کے موڈ کی بے اعتنائی کو پایا تھا اور افسردہ سی ہوگئی۔

''یعنی تمہاری بہنیں؟'' طارق نے جانے سے کیا جتانا چاہا۔

(زوحا پلٹ کے کمرے سے چلی گئی اسے ماہ نور کا پاپا کی بیٹیاں اور پاپا کی دوسری بیوی کی اولاد کہنا اچھا نہیں لگا تھا، کیا تھا اگر وہ کہہ دیتی ہماری بہنیں، اس کا مان رہ جاتا۔)

''ہاں کہا جا سکتا ہے۔'' اس نے جواباً بادل خواستہ کہا۔

''کیوں کہا جا سکتا ہے؟ اگر وہ تمہارے فادر کی اولاد ہے تو تمہارا رشتہ خود بخود ان سے قائم ہو گیا۔'' وہ جانے کیوں تلخ ہونے لگا۔

''کسی بھی نئے رشتے کو قبول کرنے کو کچھ وقت تو لگے گا۔''

''تم ہر نئے رشتے کی ایکسپٹ کرنے میں اتنا وقت کیوں لیتی ہو ماہا؟'' وہ بہت تھکے ہوئے انداز میں استفسار کر رہا تھا اور ماہ نور کے اندر عجیب سا سکوت پھیل گیا، (وہ غلط نہیں کہہ رہا تھا مگر)

''پھپھو سے بات کراؤ میری۔''

''ماما نماز پڑھ رہی ہیں۔'' وہ جیسے کسی خیال سے چونکی۔

''انہیں میرا اسلام کہہ دینا پھر کال کروں گا۔'' اس نے سلسلہ منقطع کر دیا، ماہ نور خالی الذہن کی کیفیت میں بیٹھی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

پھر شفق رنگ ہوئی کوچہ جاناں کی زمیں
آبلہ پاؤں کا پھر پھوٹ رہا ہو جیسے
روشنی پائی نہیں رات بھی باقی ہے ابھی
چاند سے ربط مگر ٹوٹ رہا ہو جیسے

لان سے اندرونی حصے کی جانب جاتی سفید ماربل کی سیڑھیوں پہ بیٹھی تھی اور بارش میں بھیگ رہی تھی، پورٹیکو کے ڈرائیو وے کی سرخ ٹائلوں کی روش پہ گرتی بوندوں کو دیکھتی وہ لاشعوری طور پہ اپنا موازنہ ان بوندوں سے کر رہی تھی جو زمین پہ گرتے ہی اپنا وجود کھو کر بے وقعت ہوئی جا رہی تھیں، برسوں قبل ایک اٹھی ہوئی نگاہ کا خمیازہ وہ اب تک اس کے ساتھ تھا اور آخری سانس تک اس بھگتنا تھا، یہ نہیں تا قسمت مہربان نہیں ہوئی تھی، مگر حالات سازگار نہیں رہے تھے اور ایک فیصلہ ناگزیر ہو گیا تھا، جو دل و جاں کی خواہشوں کے منافی تھا اور اب جس نے وجود میں عمر بھر کی نارسائی کا احساس ببول کی جھاڑیوں جیسا ہر سو بکھیر دیا تھا۔

کیسی مہیب رات آ ٹھہری تھی روح کے ایوانوں میں
کیسے کہیں کہ جان سے پیارا نہیں رہا
یہ اور بات اب وہ ہمارا نہیں رہا
کچھ دن تھے کہ اس کے لوٹ کے آنے کی آس تھی
اب اس امید کا بھی سہارا نہیں رہا

اس کی آنکھیں بارش سے ازلی وفاداری نبھانے لگیں، چہرے پہ گرتے ابر و باراں کے ساتھ آنکھوں کا گرم سیال بھی گھلنے لگا، اسے خبر بھی نہیں ہوئی کب سالار درانی اس کے برابر آن کے بیٹھ گئے، وہ چونک کے متوجہ ہوئی، ان کی آنکھوں میں درد کے رنگ تھے، مگر ہونٹوں پہ اس کے فیصلے نے خاموشی کی مہر لگا دی تھی۔

کتنا مہربان تھا اس کا باپ ہمیشہ اس کی ہر خواہش پہ سر جھکایا اور کتنی کٹھور تھی وہ انہیں دکھ کے سوا کبھی کچھ نہ دے سکی، ایک عجیب احساس اس کا دل رگیدنے لگا۔

تیرے لئے سب چھوڑ کے تیرا نہ رہا میں
تیرے لئے سب چھوڑ کے تیرا نہ رہا میں

اس کا دل کرلانے لگا تھا بے بسی کی انتہاؤں کو چھوتے اس نے اپنا سر ان کے کاندھے سے ٹکا دیا تھا۔

☆☆☆

محبت کچھ نہیں دیتی روایت کے اسیروں کو
سوئے خامشی کے جو رگوں میں بجتی رہتی ہے
سوائے ایک ویرانی جو دل پہ چھائے رہتی ہے
سوئے درد رسوائی جو چاروں سمت ہوتا ہے
سوائے ایک اذیت جو ساری عمر رہتی ہے
وہ اپنا سر اٹھ کے چل نہیں سکتے
روایت کے اسیروں کو محبت کچھ نہیں دیتی

انہوں نے اپنے اردگرد لاتعداد نفوس کی موجودگی کو محسوس کیا تھا، بھی چہرے تنہا سا تھے مگر ایک چہرا جو بہت ہی شناسا تھا جس کی شبیہ نے پل پل انہیں مختلف کیفیات سے روشناس کرایا تھا۔

رنج و ملال و احساس ذلت
احساس زیاں اور اور احساس جرم

ہاں انہیں اب مکمل طور پہ ہار جانے کے بعد اس اعتراف میں عار نہیں تھی کہ اس کے اس چرگا لگا جانے کے باوجود بھی انہیں اکثر اپنا جرم کا احساس بے چین رکھنے لگا تھا۔

''نگین!'' ان کے ہونٹ کانپے اور آنکھوں سے بے بسی آنسوؤں کی صورت بہہ نکلی۔

''بابا سائیں! نگین آپ کے پاس ہے، اپنے جرم کی سزا پانے کو باخوشی تیار، آپ آنکھیں تو کھولیے بابا سائیں!'' انہوں نے اس مہربان آواز کے ساتھ نرم ہاتھ کی انگلیوں کا لمس اپنے گالوں ہاتھوں اور آنکھوں پہ محسوس کیا اور ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھول دیں۔

نہیں یہ محض اُن کا الوژن تو نہیں؟ مگر وہ روشن خوش رو سا چہرہ تو واقعی ان کے روبرو تھا، ان کی دھندلی بصارتیں دھوکہ نہیں کھا رہی تھیں۔

''بے شک مجھے معاف نہیں کریں بابا سائیں، کہ میرا جرم بڑا ہے، مگر خود کو اس طرح سے شکستہ تو نہ کریں، آپ تو اسی طرح اچھے لگتے تھے، سربلند مغرور اور بے نیاز......'' وہ رو رہی تھی۔

یعنی، سفاکی و غرور میں فرعون، ظلم و جبر میں نمرود، نہیں نہیں، ان کی روح بھی کانپ اٹھی۔

''میں حویلی کو ضرور چھوڑ آئی تھی بابا سائیں مگر میں نے آپ کی عزت کی چادر کو داغدار نہیں ہونے دیا، خدا کی قسم میں جیسے حویلی سے نکلتے وقت پاک دامن تھی ویسے ہی آج بھی پاکیزہ ہوں۔'' وہ انہیں یقین دلا رہی تھیں اور ان کا دل رو اٹھا تھا، (یہ کیسے ممکن ہے یہ کیسے ممکن ہے) (چادر... کی حرمت کو میلا کرنے والوں کی عزت کی چادر محفوظ رہے)

''بابا سائیں! میرے کردار کی پاکیزگی کا ثبوت وہ شخص ہے جس نے مجھے اپنے گھر میں پناہ

دی، وہ نیک صفت انسان خدا نے گویا میری ہی مدد کو فرشتوں کی صفات کے ساتھ دنیا میں بھیجا ہو گا، داؤد حسن خان سے تو ملے ہیں نا آپ؟ آپ کے معالج، وہی میرے بھی محسن ہیں بابا سائیں!'' ان کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو دیکھ کر وہ تڑپ تڑپ کر وضاحتیں دے رہی تھی، ان کا طوفان کی زد پہ ڈولتا لرزتا کانپتا وجود اپنے یقین کے سہارے اذیتوں کے سمندر سے کھینچ کر سکون کی وادی میں لا رہی تھی، مژدہ جانفزا سنا رہی تھی، خدا کی قسمیں کھا کر یقین دلا رہی تھی اور وہ ششدر ہونے لگے تھے۔

(آہ کیا یہ ممکن تھا؟ رب تو بڑا محتسب ہے، کیا اس نے مجھ سے انتقام نہ لیا ہو گا؟) وہ ہنوز غیر یقین مگر تبھی ان کی عقل سلیم نے انکار اس پکڑ کر جھنجھوڑا تھا۔

(رب محتسب ہے عنایت علی شاہ! جبھی تو اس نے تمہارا اور تمہارے بیٹوں کے برے اعمال کا بدلہ تمہاری معصوم بے گناہ بیٹی سے نہیں لیا، تم اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتے) اور وہ عرق ندامت میں ڈوبنے لگے، انہوں نے پوری آنکھیں وا کر کے اپنی بیٹی رب کی رحمت کو دیکھا تھا۔

جس رحمت وہ، وہ اس سے قبل اپنی فرعونیت کے باعث پہچاننے سے قاصر رہے تھے، انہوں نے دھیان سے دیکھا تو انہیں نظر آیا، اس کا روشن چہرا گناہ کی آلائش سے پاک صاف تھا، کسی ہوس پرست کی بھینٹ چڑھ جانے والا چہرا اتنا مقدس اور مطمئن تو نظر نہیں آ سکتا۔

ان کے اندر سے صدا ابھری اور انہیں لگا تھا جیسے اس آخیری عمر میں رب کریم نے ان کے تمام گناہوں کے باوجود انہیں اپنی رحمت خاص سے نوازا ہے اور توبہ کا در ان کے لئے کھولا ہے اور انہوں نے دل کی گہرائیوں سے لبیک کہہ کر سر جھکایا تھا۔

☆☆☆

تم جو ہوتے ہنسی بھول جاتے تمہیں
تم جو ہوتے خوشی چھوڑ آتے تمہیں
سر جو ہوتے تو نہ گنگناتے تمہیں
نہ ہنسی نہ خوشی نہ ہی سنگیت ہو
جس سے جیون بنے تم وہی گیت ہو
دل کی دھڑکن ہو تو آنکھ کا نور تم
بولو خود سے جدا تم کو کیسے کریں
اور کچھ بھی نہیں زندگی ہو تم

وہ بہت سی خوشیاں پا کے بھی جیسے ناخوش تھا، ہر طرح سے مکمل ہو کے بھی جیسے ادھورا تھا، ایک خلا ایک کمی ہر احساس پہ حاوی تھی اور وہ تھی رابیل کی ناراضی، وہ اب صحیح معنوں میں ڈسٹرب ہونے لگا تھا۔

کیسے کیسے انقلاب آئے تھے، تایا سائیں کا اتنا بدلا ہوا رویہ صرف اسے ہی نہیں ماما اور پاپا کے ساتھ ساتھ ان کے مزاج کو جاننے والے ہر شخص کو اچنبھے میں مبتلا کر رہا تھا، دوسرا جھٹکا اسے نگین کو وہاں موجود پا کے لگا۔

''ارے بھگوڑی تم یہاں؟ سنا ہے محترمہ نے ایسا کام کیا جو کسی کو جرأت نہ ہوئی تھی۔'' وہ اسے چھیڑنے کو ہنس کر کہہ رہا تھا۔

''تم سے سیکھا تھا مجھ سے پہلے تم بھگوڑے ہو چکے تھے اور میں تو شروع سے ہی تم سے انسپائر تھی۔'' نگین نے جواباً برا مناتے ہوئے اس کے حملہ کر دیا، وہ بہت فریش تھی ہلکی پھلکی سی۔

جب ہاسپٹل میں اس کا سامنا سانول سے ہوا تو وہ وہاں کی سچویشن اور ماحول کو یکسر فراموش کر کے اسے مارنے پہ تل گئے تھے، مگر پتہ نہیں اس کے اندر کہاں سے اتنا اعتماد اور بے خوفی در آئی تھی کہ اس نے انہیں منٹوں میں جھاگ کی طرح سے بٹھا دیا تھا۔

''میرا آپ سے کوئی لینا دینا نہیں ہے ادا سائیں! میں بابا سائیں کی بیٹی ہوں، انہی کی خاطر آپ کو یہاں نظر آ رہی ہوں، اگر میں مجرم ہوں تو ان کی ان کی دی ہر سزا مجھے قبول ہو گیا اور ایک بات اور۔'' اس نے اک تنبیہ کے انداز میں انگلی اٹھا کر کہا تھا۔

''یہ بات بھی یاد رکھیئے یہ نہ تو آپ کی اونچی فصیلیوں والی حویلی ہے، جہاں جنگل کا قانون چلتا تھا اور نہ ہی میں وہ پہلے والی ڈری سہمی دبی دبائی نگین، سو کوئی بھی احمقانہ قدم اٹھانے سے قبل بہت اچھی طرح سے انجام سوچ لیجئے گا۔''

اور ادا سائیں واقعی اس سے خائف ہو گئے تھے، یا مصلحتاً چپ سادھ لی تھی کچھ بھی تھا اس کے بعد اسے ان کی طرف سے کوئی پریشانی نہیں ہوئی تھی اور وہ بڑی مطمئن تھی۔

''ویسے آپس کی بات ہے کہاں روپوش ہو گئی تھیں تم؟'' شہریار نے راز دارانہ انداز میں سرگوشی کی تھی اور نگین جواباً افسردگی سے مسکرا دی۔

''اللہ اپنے بندوں کی آسانی کے لئے زمین میں توسیع پیدا کر دیا کرتا ہے جناب! ہجرت کی تھی ظلم کے خلاف۔'' شہریار کو وہ ویسی ہی لگی تھی، حاضر جواب اور شوخ بلکہ اس نے محسوس کیا تھا اس کی شخصیت کو اس کے پر اعتماد انداز نے مزید نکھار دیا تھا، وہ اس کے جواب پہ باقاعدہ سر دھننے لگا۔

''پھر بھی کچھ پتہ تو چلے؟ اتنی راز داری کا مطلب......؟''

''بالکل نہیں راز داری کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے مجھے، ہم تو کھلی کتاب ہیں، ان سے ملو ڈاکٹر داؤد حسین خان! میرے محسن میرے شوہر۔'' وہ اس پل شہریار کے ساتھ کاریڈور میں کھڑی بات کر رہی تھی کہ راؤنڈ پہ نکلے ہوئے داؤد حسن خان کی اس پہ نظر پڑی تھی، انہوں نے ایک نگاہ شہریار کو دیکھا تھا اور ان کے چہرے پہ ناگواری کا ایک بہت واضح تاثر ابھرا تھا جسے نگین نے بہت خصوصی طور پہ نوٹ کیا اور انہیں نزدیک سے انجان بنتے گزرتے دیکھ کر ہاتھ پکڑ کر گویا زبردستی کھینچ کر شہریار کے مقابل کرتے ہوئے تعارف کروایا تھا اور شہریار کے اعصاب پہ گویا کوندتی بجلیاں گر پڑی تھیں، دوسری جانب داؤد حسن خان نے ایک نظر اس پہ ڈال کر سوالیہ نگاہوں سے نگین کی جانب دیکھا، ان نگاہوں میں سوال سے بڑھ کر ناگواریت کے رنگ تھے، وہ تھوڑا سا خائف ہوئی۔

''آغا، شہریار! میرے چاچا سائیں کے لاڈلے چہیتے سپوت! ہمارے ساتھ ہی ہوا کرتے تھے حویلی میں۔'' معاً اسے دونوں جانب کی خاموشی اور لاتعلقی کا احساس ہوا تو بری طرح سے چونکی۔

شہریار کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور چہرا متغیر تھا، وہ سر جھکائے گم صم سا کھڑا تھا، جبکہ داؤد حسن خان کے تاثرات سرد تھے ان کی سرد بیگانہ سی آنکھوں میں ایک جامد بے اعتنائی تھی۔

''کیا ہوا؟'' وہ خاصی سے زیادہ نروس ہو چکی تھی۔

''آپ نے ادھورا تعارف کروایا ہے نگین ان کا مکمل تعارف یہ ہے کہ یہ رابیل سکندر حیات کے شوہر بھی ہوتے ہیں، کیوں شہریار!'' داؤد حسن خان نے بہت خفا خفا سی نظروں سے اسے دیکھ کر گویا تصدیق چاہی، جبکہ اب حیرت اور غیر یقینی کے ساتھ گویا صدمے سے بھی نگین ساکن ہو گئی تھی، رابیل کے شوہر کا جو تعارف اس تک پہنچا تھا وہ ایسا ہرگز نہیں تھا کہ اس پہ خوش ہوا جا سکتا۔

''میرے خدا! یہ کیسے کیسے انکشافات ہو رہے ہیں دل ناتواں پہ۔'' اس نے خود کو سنبھال کر قدرے ناراضی سے کہا پھر شہریار کو گھور کر بولی تھی۔

''تم بتاؤ ذرا بیبہ کہاں ہے؟''

''اپنے اصل ٹھکانے پہ، آئی مین ہمارے گھر، میری والدہ یعنی اپنی محترم ساس کے ہمراہ، ابھی صبح ہی اس نے ہمیں اپنے ہاتھ سے ناشتہ بنا کر دیا تھا۔'' شہریار نے خود کو بہت سرعت سے کمپوزڈ کر لیا، وہ اپنے سب سے بڑے رقیب کے سامنے اپنی انا کے اس بہت بڑے معاملے کو آشکار کرنے کے حق میں ہرگز نہیں تھا۔

داؤد حسن خان نے بہت چونک کر بغور اسے دیکھا اور جیسے ان کی اندر تک کا بھید پا لینے والی نظروں سے جز بز سا ہو گیا، داؤد حسن خان نے کچھ کہے بغیر قدموں کو آگے بڑھا دیا اور جس پل وہ عنایت علی شاہ کے روم میں آ کر ان کا احوال دریافت کر رہے تھے وہ نرمی و آہستگی سے جواب دیتے ایک محویت کے عالم میں انہیں دیکھے گئے تھے، آج ان نظروں کا انداز جداگانہ تھا، ان میں عقیدت ومحبت کے ساتھ شفقت و تشکر کے بھی رنگ تھے، جنہیں انہوں نے محسوس تو کیا مگر سمجھنے سے قاصر رہے تھے۔

''آج شام تک آپ کو ڈسچارج کر دیا جائے گا، آپ بالکل ٹھیک ہیں اب، بس کچھ دنوں تک مکمل بیڈ ریسٹ کرنی ہوگی۔'' انہوں نے چیک اپ کے بعد اسٹیتھو سکوپ ہاتھ میں لٹکا کر کہا۔

''گڈ پھر ہم بابا سائیں کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔'' نگین جو ان کے پیچھے ہی وہاں تک آئی تھی قدرے چہک کر بولی، شہریار کے ہونٹوں پہ اس کی بات کے جواب میں چڑانے والی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''واؤ کیا خود پسند سوچ ہے، محترمہ اطلاعاً عرض ہے یہ روایت پسند لوگ ہیں، بیٹی اور داماد کے گھر مہمان بن کر گھڑی دو گھڑی تو جا سکتے ہیں اس طرح مستقل قیام کو ہرگز نہیں، یہاں سے بابا سائیں ہمارے ساتھ چلیں گے وہاں سے ہم سب حویلی چلے جائیں گے اور یوں ایک طویل مگر خوفناک سی فلم کا ہیپی اینڈ ہو جائے گا، یہ تایا سائیں مستقبل کا پروگرام ابھی پاپا کو بتایا ہے، کیوں پاپا۔'' شہریار نے سلطان شاہ کی تصدیق کرائی جو تایا سائیں کے بیڈ کے سرہانے کرسی پہ بیٹھے ہوئے تھے، اس کی بات کے جواب میں محض مسکرائے تھے۔

''ناٹ بیڈ آئیڈیا!'' نگین مسکرائی تھی۔

''ویسے مبارک ہو لڑکی بہت لکی ہو تم ہاتھ تو بہت بڑا مارا ہے۔'' شہریار کی ستائشی نگاہیں داؤد حسن خان پہ جمی تھیں جو سلطان شاہ سے نگین کے حوالے سے متعارف ہو جانے کے بعد ان کی خوشگوار قسم کی باتوں کا جواب بہت سبھاؤ اور اعتماد سے دے رہے تھے، نگین نے گردن اکڑا کر یہ تعریف وصول کی تھی مسکراتے ہوئے۔

''ویسے ہاتھ تو تم نے بھی بڑا مارا رابیل سکندر حیات مل چکی ہوں میں اس چارمنگ گرل سے، رئیلی جتنی وہ حسن کی مالک ہے نا وہ اس سے بھی پیارا دل ہے اس کا۔'' نگین نے سچائی وخلوص سے کہا تھا، شہریار بوجھل دل سے مسکرا دیا۔

(پتہ نہیں وہ پیارے دل کی لڑکی مجھے معاف بھی کر سکے گی کہ نہیں؟)

''ویسے ایک بات ہے آغا! سچ سچ اگر مجھے پہلے پتہ چل جاتا کہ رابیل کو اتنا تنگ کرنے والا کوئی اور نہیں تم ہو تو رئیلی میں اسی وقت تمہارے سامنے آ کر خوب عزت افزائی کرتی تمہاری۔'' نگین دانت کچکچا کر کہہ رہی تھی، شہریار کا رنگ ایک دم سے پھیکا پڑ گیا۔

(کہاں کہاں نہیں رسوا کر دیا تم نے بیبہ ڈارلنگ! پھر بھی خفا ہو؟)

''اور جو تمہارے کرتوت تھے اس کے بعد جو تمہیں رسوائی ملی شہریار گیلانی یہ تو کچھ بھی نہیں۔'' ضمیر نے کوڑا سا کھینچ مارا وہ گم صم سا کھڑا رہ گیا تھا۔

''آغا ادھر آؤ بیٹے!'' سلطان شاہ کی پکار پہ وہ چونکا اور خود کو سنبھال کر ان کی جانب آ گیا۔

''داؤد حسن خان سے ملے آپ؟ نگین کے ہزبینڈ کی حیثیت سے۔'' انہوں نے بہت خوشدلی سے سوال کیا تھا، شہریار نے پھیکی سی مسکان سمیت سر اثبات میں ہلایا۔

''جی پاپا! خوش قسمتی سے میں ان سے بہت پہلے سے متعارف ہوں، مگر اب اس حوالے سے رشتے کا مضبوط ہونا اور بھی اچھا محسوس ہو رہا ہے۔'' جواباً اس نے بہت خوشدلی اور اخلاق کا مظاہرہ کیا تھا، داؤد حسن خان نے نظریں اٹھا کر بغور اسے دیکھا۔

(خوش قسمتی سے یا بدقسمتی سے شہریار؟)

''آغا بیٹا! آپ ایک کام کرو گھر سے اپنی مما اور بہنوں کو لے آؤ، رابیل سمیت، ادا سائیں سب سے ملنے کو بہت بے چین ہیں۔'' انہوں نے اس کا کاندھا تھپک کر کہا تو شہریار جواب میں کچھ کہے بغیر پلٹ گیا تھا۔

☆☆☆

کہا اس نے رکو اب تک بہت مل کے چلے ہم تم
بہت کچھ پا لیا ہم نے بہت کچھ کھو دیا ہم نے
ہمیں اب لوٹنا ہوگا سنا یہ تو بہت روئے
بہت ضدی ہو تم لیکن ہمیں اب تو بچھڑنا ہے
چلو ہم مان لیتے ہیں تمہیں ہم کھو چکے لیکن
تمہاری یاد اب تک بھی ہمیں بے تاب رکھتی ہے
ہماری سانس اب تک بھی تمہاری آس رکھتی ہے

اس نے اس نظم کو ٹائپ کیا اور پریشے کے نمبر پر سنڈ کرتے کرتے تھم سا گیا۔

''نہیں مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے، میری ذات سے تمہیں کانٹے برابر بھی دکھ پہنچے مجھے یہ گوارا نہیں ہے۔'' اس نے سوچا اور سیل فون تھکے تھکے انداز میں واپس رکھ کر وہیں کارپٹ پہ کشنز کے ڈھیر پہ سر رکھ کر لیٹ گیا، دکھ بارش کی طرح تسلسل سے دل کی دھرتی پہ برسنے لگا، سیل فون پہ میسج ٹون پہ وہ چونکا تھا اور ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھا کر میسج کھولا، ماہ نور کا نمبر تھا، وہ سرسری سے انداز میں نظریں دوڑانے لگا۔

اک پشیمان سی حسرت ہے تجھے سوچتی ہے
اب وہ لڑکی شہر محبت سے تمہیں سوچتی ہے
تو تو محدود سے لمحوں میں ملا تھا اس کو
پھر بھی وہ کتنی وضاحت سے تمہیں سوچتی ہے
جس نے سوچا ہی نہ تھا ہجر کا ممکن ہونا
دکھ میں ڈوبی ہوئی حیرت سے تمہیں سوچتی ہے
گرچہ اب ترک مراسم کو بہت دیر ہوئی
اب بھی وہ تیری اجازت سے تمہیں سوچتی ہے
کتنی خوش فہم ہے وہ لڑکی کہ ہر موسم میں
اک نئے رخ نئی صورت سے تمہیں سوچتی ہے

(یہاں خوشیاں اور رنگ ہیں طارق! اور میرا من اتنی خوشیوں کا پا کے بھی خالی خالی ہے، جانتے ہیں نا کیوں؟ پلیز کم بیک) وہ ضدی انا پرست لڑکی محبت کے بعد اب اس کے آگے گھٹنے ٹیک رہی تھی، اس کے لبوں پہ شکستہ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

(بہت دیر کر دی تم نے بہت وقت بیت گیا ہے، احساسات پہ برف آ گری ہے اور اس سب کی ذمہ داری بھی تم پہ آتی ہے ماہ نور! پریشے نے بعد میں آ کر بھی مجھے جن احساسات کا شکار کیا جس محبت و خاصیت کے احساس سے روشناس کرا کے پھر مجھے چھوڑ کر جو خلا رہنے دیا، اس کی وجہ ڈائیریکٹ یا ان ڈائیریکٹ تم ہی ٹھہریں، اب میں شاید لوٹنے میں بہت دیر لگا دوں ہو سکتا ہے کبھی نہ لوٹ سکوں اور مجھے اس بات کا بالکل بھی کوئی پچھتاوا نہیں ہوگا۔)

اس نے بے دلی سے فون رکھا ہی تھا کہ اس کی بیپ ہونے لگی، وہ جھنجھلا اٹھا اس وقت وہ صرف ریلیکس کرنا چاہ رہا تھا مگر..... سیل فون کا سوئچ آف کرنے کو اٹھایا تھا مگر نمبر گھر کا تھا، وہ رک سا گیا کال ریسیو کرنا پڑی تھی۔

''السلام وعلیکم!''

''وعلیکم السلام طارق پتر! تم وہاں جم کے بیٹھے ہو اور یہاں کیا کیا کچھ نہیں ہو گیا۔'' دوسری طرف اماں تھیں خاصے جوش و خروش اور حسرت سے بولیں، اسے حیرت ہوئی یہ اماں ہی ہیں وہ بھی اتنے خوشگوار موڈ کے ساتھ۔

''خیریت اماں کیا ہو گیا؟'' وہ گہرا سانس کھینچ کر نرمی سے بولا۔

''ارے بیٹا! یہ اپنی ماہ نور ہے نا۔'' (اپنی) طارق کے اعصاب کو جھٹکا لگا تھا۔

''ارے قسمت ہی ہری ہو گی ماں بیٹی کی پتر! کیا مینہ برسایا ہے قدرت نے ان کے ویڑے، ہائے ہائے۔'' وہ پتہ نہیں رشک کر رہی تھیں یا حسد، وہ قطعی سمجھنے سے قاصر رہا اور ان کی اگلی بات کا منتظر بھی۔

''ارے وہ لڑکی نہیں اٹھا لائے تھے کہیں سے؟ پہلے کسی انجانی لڑکی کو جو حاملہ بھی تھی کو بیٹی بنا کر سہارا دیا تھا گھنی سائرہ نے اور پورے خاندان کی باتیں شربت سمجھ کر پی گئی، ہاں بھئی یہ سائرہ کا ہی حوصلہ ہے۔''

''کس کا؟ لڑکی کو سہارا دینے کا یا خاندان کی باتیں سننے کا۔'' وہ یہ سوال اماں سے نہیں کر سکا، البتہ ہونٹوں کو ناگواری سے بھینچ ضرور لیا، ان کی باتوں کو سننا اس کی مجبوری تھی احترام کا تقاضا تھا وہ ماں تھیں اس کی۔

''مگر پھر سائرہ بیگم کا کھویا ہوا بیٹا بھی کہیں سے آن ملا، پتہ چلا وہ لڑکی اسے لونڈے کی بیوی تھی، چلو یہ بھی مان اب، اب سائرہ کا شوہر بھی چلا آ رہا ہے دو دو بیٹیوں کے ساتھ، پھر شوہر کا بھائی اور بیٹی داماد..... کیا کیا بتاؤں پتر یہاں تو سب منظر ہی بدل گئے ہیں، سائرہ کا حال تو وہ ہوا کہ چودہ سال بعد خدا روڑی (کوڑے کے ڈھیر) کی بھی قسمت بدل دیتا ہے، کیسی آزمائشیں کاٹیں بیچاری نے اور اب اللہ نے کتنا اچھا اجر دیا۔'' اماں بے تکان بول رہی تھیں، ان کے لہجے میں طنز تمسخر اور تحقیر کے بعد آخیر میں نام نہاد سی ہمدردی اور بے تحاشا رشک سمٹ آیا تھا۔

طارق مہر بالب تھا حیرت اس لئے ہوتی اگر جوان کے مزاج سے آشنائی نہ ہوتی۔

''تم آج ہی آ جاؤ، ہماری بڑی بہو ہے ماہ نور! ارے بھاوج کے چلے کے دن کٹانے گئی تھی ہمیں اسے واپس بھی تو لانا ہے۔'' اماں بڑے پیار سے کہہ رہی تھیں اور طارق کے سینے کا بوجھ یکلخت بڑھ گیا تھا۔

(بہت خوش نصیب ہو ماہ نور! اتنی ضد اکڑ نفرت تکبر کے باوجود قدرت کی مہربانی ہے تم پہ، حسب منشا حسب خواہش وہ عزت وہ مان وہ پذیرائی ملنے جا رہی ہے جس کے لئے تم نے ہمیشہ مجھے ذلیل کیا مجھے ٹھکرایا اور پھر اپنی ضد اور اکڑ کی وجہ سے دل سے نکل گئیں۔)

''پھر دو دو کنواری حسین لڑکیاں وہاں بیٹھی ہیں، میں بتا رہی ہوں ایک کو تو ہم اپنے فاروق کے لئے مانگ لیں گے۔'' اماں زعم سے کہہ رہی تھیں اور یہ کایا پلٹ کاہے کو تھی یہ طارق خوب سمجھتا تھا، یہ مایا کا جادو بولتا تھا، پیسے میں بڑی طاقت ہے اماں کی نفرت غصہ سب بہا لے گیا تھا، اب انہیں اسی خاندان میں رشتہ جوڑنے پہ کوئی عار نہ تھی، اس کا تاسف بڑھنے لگا۔

''کس سوچ میں گم ہو پتر چلے آؤ اب خوشیاں ویڑے آنے کو راہ دیکھ رہی ہیں، ہم شام کو ماہ نور کو لینے جائیں گے تمہاری موجودگی تو ضروری ہے نا۔'' وہ اسے پکار کر پھر سے ہوش کی دنیا میں کھینچ لائیں جو بہت تلخ تھی۔

''نہیں اماں میں نہیں آ سکتا، چھٹی نہیں ملے گی۔''

''ارے چھٹی نہ ملے بس آ جاؤ کہہ رہی ہوں نا تمہارا آنا ضروری ہے۔'' انہوں نے ہمیشہ کی طرح اپنی سنانے کے بعد اپنی منانا چاہی اور رابطہ کاٹ دیا، طارق نے سیل فون کان سے ہٹا کر دیکھا ماہ نور کا ایک اور میسج تھا، وہ بے خیالی میں کھول کر دیکھنے لگا۔

وہ کسی اور کا ہوگا تو قیامت ہوگی
پھر کسی کو بھی کسی سے نہ محبت ہوگی
اس کو دیکھے کوئی اچھا نہیں لگتا مجھ کو
اس سے بڑھ کر بھی کوئی اور محبت ہوگی
رات جو چاند کو دیکھا تو یہ احساس ہوا
وہ اکیلا ہے اسے میری ضرورت ہوگی
اے خدا اس کو کسی اور کا نہ ہونے دینا
ورنہ زندگی سے میری یہ آخری شکایت ہوگی

طارق کے سپاٹ چہرے پہ ایک سخت تا تاثر ابھر آیا، اس نے میسج اسی وقت ڈیلیٹ کر ڈالا اور دھیرے سے بڑبڑایا۔

سمندر کب کا پیچھے جا چکا ہے
بس اب ساحل پہ آئی ہے نظر
یادوں کی کانی
درد کی ریت اور مردہ سیپیاں
سمندر آرزوؤں، خواہشوں کا جلتے خوابوں کا
تیری چاہت کا بے پایاں سمندر
تو جانے کب کا پیچھے جا چکا ہے

☆☆☆

تمنا بجھ گئی ہو تو دعا مانگی نہیں جاتی
دنوں کی بے ثباتی سے صبا مانگی نہیں جاتی
یہ اپنی بے بسی ہے یا پھر بے حسی کہہ لیں
بلا کا حبس ہے لیکن ہوا مانگی نہیں جاتی

مما نے اسے کہا تھا ہاسپٹل جا کے تایا سائیں سے مل آئے، وہ خود ابھی کچھ دیر پہلے ہی ماہ نور، عینا، طلحہ، زوحا، صوحا کے ساتھ وہاں سے ہو کر لوٹی تھیں، زوحا اور صوحا تو تگین کی وجہ سے وہیں رک گئی تھیں، مما نے اسے سسرالی رشتوں اور معاشرے کے تقاضوں کے متعلق اونچ نیچ سمجھانے کے بعد جو بات کہی تھی وہ یہی تھی اور رائیل جو پہلے ان کے ساتھ جانے سے بھی کترا گئی تھی، اب جانے کیوں انہیں انکار نہیں کر سکی، ان کی امید سے بھری آنکھوں کی آس کو توڑنا اسے دنیا کا مشکل ترین کام لگا تھا۔

''یہ بھی ہو سکتا ہے وہ شام تک ڈسچارج ہو کر گھر آ جائیں، مگر بیٹا پھر بھی وہاں جانا تو ضروری ہے نا؟'' انہوں نے اس کی گہری چپ کو دیکھتے ہوئے کہا تھا اور اسے ہاں کہتے ہی بن پڑی تھی۔

''ایزد کو میں گھر یہ خود سنبھال لوں گی تم بے فکر ہو رہو۔'' وہ اس کا اقرار سنتے ہی بے طرح خوش نظر آنے لگیں، رائیل بھاری دل کے ساتھ جب چینج کر کے باہر آئی تو اس کے گمان تک نہ تھا مما کا ارادہ اسے شہریار کے ساتھ بھیجنے کا ہوگا جو برآمدے میں ٹی وی کے آگے بیٹھا نیوز سنتے ہوئے چائے کے سپ لے رہا تھا۔

''ہو گئیں تیار تم، میں شہریار سے کہتی ہوں۔'' انہوں نے اس پل دانستہ اس کی شاکی یا پھر متحیر نظروں سے نظریں چار نہیں کی تھیں اور شہریار ان کی بات سن چکا تھا جبھی واضح حیرانی سمیت کسی قدر خوشگوار سے احساس میں گھر کر باری باری اسے اور ماما کو دیکھنے لگا تھا۔

''جاؤ نا بیٹا! پہلے ہی خاصی دیر ہو گئی ہے۔'' ماما کے کہنے پہ وہ بوکھلا کر یکلخت اٹھ کھڑا ہوا اور آدھا بھرا کپ جھک کر میز پہ رکھتے ہوئے بائیک کی چابی اٹھانے اندر بھاگا۔

''دھیان سے بھائی! اب کے کوئی دھاندلی نہیں ہونی چاہیے، اس بات کا خاص خیال رکھیے گا کہ اب آپ سے زیادہ الزام ماما پہ آئے گا کیونکہ یہ اسٹیپ انہوں نے ہی لیا ہے۔'' ماہ نور کے

انداز میں صرف شرارت نہیں تھی، تنبیہ کا رنگ بھی تھا، جس نے اس کی بے پایاں سی خوشی کو کافور کر کے اچھی خاصی خجالت میں مبتلا کر دیا، ماہ نور نے اس کے چہرے پہ لرزتے تاریک سائے کو دیکھا اور دکھ سے بولی تھی۔

''وش یو بیسٹ آف گڈ لک خدا کرے آپ کی جلد صلح ہو جائے آمین۔'' شہریار نے پھیکی سی مسکان سے اسے دیکھا اور کارنر سے چابی اٹھا کر پلٹ آیا۔

''چلیں؟'' اس نے ماما کے پہلو سے لگی کھڑی رائیل پہ ایک محتاط سی نگاہ ڈالی۔

''ہاں بیٹا جاؤ فی امان اللہ۔''

شہریار نے قدم ڈیوڑھی کی سمت بڑھا دیئے اسے یقین تھا کہ وہ اس کے پیچھے ضرور آئے گی، رائیل باہر آئی تو اسے بائیک اسٹارٹ کیے اپنا منتظر دیکھ کر ایک پل کو رکی، پھر لب بھینچ کر سر جھٹک دیا تھا۔

''پاپا نے اپنی گاڑی کی چابی بھی میرے حوالے کی ہوتی ہے، مگر میں بائیک پہ اس لئے جا رہا ہوں کہ اس بہانے ہی سہی تم میرے نزدیک تو آؤ گی نا۔'' شہریار نے بائیک کو کک لگاتے ہوئے قدرے شوخی سے گردن موڑ کر بالخصوص اسے جتایا، رائیل کی جان جل کر رہ گئی۔

''تھرڈ کلاس اور سطحی سوچ رکھنے والوں سے بھلا کسی اچھی حرکت کی توقع بھی کیسے رکھی جا سکتی ہے۔'' وہ جواباً پھنکار کر بولی، الفاظ ہوا کی گنگناہٹوں میں گم ہوئے کچھ شہریار کی سماعت تک بھی رسائی کر گئے مگر لہجہ ایسا تھا کہ جس نے شہریار کو کچھ لمحوں کو سہی چپ لگا دی تھی، ہوا رائیل کے مہکتے مہکتے وجود سے اٹھکیلیاں کر کے شہریار کی مشام جاں کو مہکانے لگی، اس نے گہرا سانس بھر کے اس مہک کو جی بھر کے اندر بھر لیا۔

''تمہیں برا لگا؟''

''مجھے اچھا کیوں لگے گا یہ بتاؤ؟'' جواباً رائیل نے زہر خند سے کہا تھا اور شہریار کے اندر تک حبس بھر گیا، وہ جیسے لمحوں میں تھک گیا تھا۔

''تم نے یہ کمپرومائز کیا تھا یہ! میرا خوش فہمی میں مبتلا ہونا فطری بات تھی، اگر تمہیں میری جسارت بری لگی ہے تو میں معذرت کر لیتا ہوں۔''

''ایسا کام کرتے ہی کیوں ہو کہ معذرت کی زحمت اٹھانا پڑے۔'' رائیل اسے بخشنے کو ہرگز تیار نہیں تھی، موڈ بے حد خراب تھا کیوں نہ اسی پہ بھڑاس نکالی جاتی۔

''یہ بہت بدگمان ہو مجھ سے؟ میرا یقین کرو پلیز کہ اب میں وہ نہیں رہا ہوں جو پہلے تھا، تمہاری جدائی.....''

''کیوں بتا رہے ہو جب مجھے دلچسپی نہیں ہے تم میں نہ اس تمہاری تبدیلی کی کہانی میں۔'' وہ انگارے کی طرح سے چیخی اور شہریار اندر سے بجھنے لگا۔

''منانا چاہتا ہوں تمہیں، اپنی محبت کا یقین دلانا چاہتا ہوں۔'' شہریار کے لہجے میں بے بسی تھی باجت تھی۔

''اس کی ضرورت یوں بھی نہیں کہ مجھے اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا، میں تمہاری زندگی سے نکلی تھی تو تمہیں ہمیشہ کے لئے بھلا دیا تھا، مما کے بہت احسانات ہیں مجھ پہ، سمجھ لو میں ان کی بات نہیں

ٹال گئی۔'' اس نے آخری بات کہہ کر شہر یار کو گم صم کر دیا، باقی کا راستہ اسی خاموشی سے طے ہوا تھا، شہر یار نے کلینک کے سامنے پارکنگ میں بائیک روکی تو رابیل اتر کر سائیڈ پہ کھڑی ہو گی اور جس پل وہ شہر یار کے ہمراہ چلتی ہوئی کاریڈور عبور کر کے تایا سائیں کے روم کی سمت بڑھ رہی تھی، بلیک پینٹ کوٹ میں ملبوس داؤد حسن خان ایک نرس کے ہمراہ چلتے باہر آئے تھے، رابیل کا وجود جھٹکا کھا کر تھم گیا تھا تو آنکھیں غیر یقینی اور تحیر سے پھیلی پھیلی سی تھیں، جسم یوں کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہ ہو۔

شہر یار کے ساتھ ساتھ داؤد حسن خان نے بھی اس کا رکنا پھر ساکن ہو جانا محسوس کیا تھا، داؤد حسن خان اور رابیل یوں ایک دوسرے کے مقابل آ کر ٹھہر گئے تھے کہ اب کسی ایک کو اپنا راستہ چھوڑنا پڑتا اور دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پہ ساکن و سامت تھے، معاً داؤد حسن خان ہی سنبھلے تھے اور گہرا سانس بھر کے نگاہ کا زاویہ بدل لیا تھا اور کچھ کہے بغیر کترا کر گزرنے لگے (اور کترا کے گزرنے کا فن داؤد حسن خان کو ہی آتا تھا، وہی اتنی بے اعتنائی دکھا سکتے تھے رابیل تو خود کو آج بھی ابھی تک اسی مرکز پہ ٹھہرا ہوا جامد محسوس کرتی تھی جہاں انہوں نے اسے جھٹک کر چھوڑا تھا۔)

''سوری میں بتانا بھول گیا، تایا سائیں داؤد حسن خان کے ہی کلینک میں ایڈمٹ ہیں۔'' شہر یار نے ہی صورتحال سنبھالنے کی کوشش کی تھی، داؤد حسن خان پھر سے رک گئے تھے، اس کی پانیوں سے بھری آنکھوں میں ہر منظر دھندلاتا چلا گیا۔

''جسٹ ریلیکس! آؤ پلیز۔'' شہر یار نے نرمی و حلاوت سمیت کہتے رابیل کا ہاتھ پکڑ لیا۔

اب فاصلہ اتنا کم تھا کہ داؤد حسن خان چاہتے تو کترا کر بھی نہیں نکل سکتے تھے اور رابیل کے لئے ان کا سامنا وہ بھی شہر یار کے ہمراہ اذیت کے پل صراط کا سفر تھا۔

''السلام علیکم! کیسی ہیں رابیل؟'' داؤد حسن خان نے خود کو سنبھال کر مسکرا کے روا داری نبھائی اور رابیل کو لگا تھا ابھی اس کا بھرم ٹوٹ جائے گا اور ایسا ہی ہوا آنسو اس کی ایک نہ مانتے ہوئے پلکوں کی دہلیز پھلانگتے گالوں پہ اتر آئے۔

(یہ دل کا حال بیان ہوا تھا) داؤد حسن خان نے پڑھا سمجھا اور جیسے کسی کرب سے گزرتے ہوئے ہونٹ بھینچ لئے۔

شہر یار کے چہرے پہ شکستگی کا احساس گہرا ہو گیا، داؤد حسن خان سائیڈ سے کترا کر تیزی سے نکلتے چلے گئے، شہر یار نے ایک تھکا ماندا سانس فضا کے سپرد کیا تھا۔

''ٹیک اٹ ایزی رابیل تمہیں داؤد بھائی کو یوں پریشان نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' وہ بہت ملائمت سے کہتا اس کے آنسو پونچھنے لگا اور رابیل کے اندر اتنا ملال اترا ہوا تھا کہ شہر یار کی یہ حرکت محسوس ہی نہ ہوئی، تبھی زوحا کسی بات پہ ہنستی ہوئی باہر آئی انہیں یوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے دیکھ کر چونکی، پھر قدرے شرارتی نظروں سے انہیں دیکھ کر بولی تھی۔

''ارے واہ آغا! یہ کون سا فلمی سین اوکے کروا رہے ہیں؟ یہ ہاسپٹل ہے جناب!''

''شٹ اپ۔'' شہر یار جھینپا، رابیل خود کو سنبھالتی کترا کر نکل گئی۔

''یہ کیا ہو رہا تھا بھئی؟'' زوحا نے شہر یار کو دیکھ کر آنکھیں گھمائیں۔

''تمہارا سر۔'' شہر یار جھلا سا گیا اسے وہیں چھوڑا اور اندر چلا گیا، وہ اپنے دھیان میں کاندھے جھٹک کر ایڑیوں کے بل گھومی تو پھولوں کے سبک اٹھائے اندر آتے وقاص سے ٹکرا گئی۔

''یا وحشت۔'' اس نے گھومتا ہوا سر ہاتھوں میں تھام کر گھور کر بوکھلائے ہوئے وقاص کو دیکھا۔

''یہ کیا بدتمیزی تھی آپ کو میں نظر نہیں آئی؟'' وہ گرجی۔

''سوری۔'' وقاص جھک کر گر جانے والے پھول اکٹھے کر رہا تھا۔

''اونہہ محض تین فرضی لفظ کہہ کر آپ تو صاف بچ نکلے۔'' اس نے آنکھیں نکال کر کہا تو وقاص نے کسی قدر ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔

''تو آپ کیا اس جرم میں جیل بھجوانے کا ارادہ رکھتی ہیں؟''

عجب لڑکی تھی خوامخواہ الجھ رہی تھی۔

''جی بالکل جتنا نقصان ہوا ہے اس حساب سے سزا بھی ملنی چاہیے آپ کو۔'' وہ اطمینان سے کہہ کر کاندھے جھٹک رہی تھی، وقاص نے اسے سخت نظروں سے دیکھا۔

''دماغ ٹھیک ہے آپ کا؟ کون سا نقصان؟ اچھی بھلی صحیح سالم کھڑی ہیں سامنے۔''

''صاحب ہمارا دماغ بالکل ٹھیک ہے، ہم دوسروں کا دماغ خراب کرنے کے ہنر سے واقف ہیں۔'' زوحا نے سر سے لے کر پیر تک اسے گھورا اور گویا دھمکی دی۔

بادامی کرتا شلوار سلیقے سے بنے بال پیروں میں لیدر کی نفیس سی چپل متناسب نقوش جن میں آنکھیں بے حد نمایاں تھیں اور دراز قامت!

''تو پھر کہیں اور یہ ہنر آزمایئے۔'' وہ کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

''کیوں آپ کہیں بک ہو چکے ہیں؟'' زوحا اس کے پیچھے ہی آئی تھی، مزاج کی شوخی اس پل عروج پہ تھی، مگر وقاص نے اس کی یہ معنی خیز بات سنی ہی کہاں تھی اندر آتے ہی اس کی پہلی نگاہ رابیل پہ ہی پڑی تھی اور جیسے اس کے روم روم میں اداسی و ویرانی کا احساس بن کر بکھر گئی تھی۔

(یا رب یہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ؟ اتنی بڑی آزمائش، کاش آج میں نے مامی کی خاطر یہاں آنے کا فیصلہ نہ کیا ہوتا۔)

وہ دل ہی دل میں شکوے کیئے گیا تھا، یہاں تک کہ رابیل واپسی کو اٹھ کھڑی ہوئی، وہ بھی جیسے کسی مقناطیسی کشش کے زیر اثر اٹھا، وہ جیسے اپنے حواسوں میں تھا ہی نہیں، نگین نے اسے بیٹھنے کا کہا بھی مگر اس نے جیسے اس کی بات بھی نہیں سنی اور جب پارکنگ سے اپنی گاڑی نکالتے ہوئے اس نے رابیل کو بائیک پہ شہر یار کے ساتھ جاتے دیکھا تو اس کے تب سے ضبط کیئے ہوئے آنسو بے اختیار ہو گئے تھے۔

اک بار جو گلے لگا کر رونے دیا ہوتا
ہم نے بھی کوئی پل محبت کا جی لیا ہوتا
ٹوٹ کر بکھر جاتے تیرے قدموں میں
تیری دھڑکن نے میرا نام تو لیا ہوتا

☆☆☆

تو کیا یہ طے ہے کہ اب عمر بھر نہیں ملنا
تو پھر یہ عمر بھی کیوں؟ تم سے گر نہیں ملنا

چلو کہ دنیا کی خاطر یہ جبر بھی سہ لیں
کہ اب ملیں جو کبھی تو ٹوٹ کر نہیں ملنا
جدا تو جب بھی ہوئے تو دل کو یوں لگا جیسے
کہ اب جو بچھڑے تو کبھی لوٹ کر نہیں ملنا

''ارے؟ آپ تو مجھے رخصت کرنے والے تھے نا؟ یہ کیا کہ خود ہی ہمت ہار کر جا رہے ہیں۔'' پریشے اس کی بات سن کر بڑے ضبط سے مسکرائی تھی طارق شیرازی نے اپنی لہو رنگ آنکھوں کو اٹھا کر اسے دیکھا اور بہت دیر تک دیکھتا رہا، پھر آہستگی سے بولا تھا۔

''آپ کے جانے کے قبل لوٹ آؤں گا پریشے! اماں کی بات نہیں ٹال سکتا۔''

''ارے کیوں نہیں طارق ضرور جایئے، بلکہ اماں اور ماہ نور دونوں کو میرا اسلام کہہ دیجئے گا۔'' اس نے نرمی سے مسکرا کر کہا تو طارق شیرازی اس چھوٹی سی مگر بہت بڑے دل والی با حوصلہ لڑکی کو دیکھ کر رہ گیا۔

(کہتے ہیں درخت اپنی جڑ سے کٹ کر مردہ ہو جاتا ہے تم میری جڑ تھیں پریشے! جس سے میں ہرا بھرا تھا، تم سے الگ ہونے کے بعد میرے وجود پہ زردی اتر آئی ہے اور میں دھیرے دھیرے ہر احساس سے بچھڑ رہا ہوں، مجھے تمہاری رضا اتنی عزیز تھی کہ میں نے اپنی محبت کی فتح کے لئے بغیر لڑے ہتھیار ڈال دیئے، مگر مجھے صبر نہیں آ رہا، یہ الگ بات کہ جتنی سانسیں میرے رب نے میرے لئے لکھ دی ہیں انہیں صبر اور شکر سے پورا کرنے کی کوشش میں ہوں، میں تو تم سے اتنا بھی نہیں کہہ سکتا کہ تم نے اگر مجھے تشنہ رکھنا تھا تو میری زندگی میں نہ آئی ہوتیں، نہیں پریشے! ہر قیمتی چیز ہمارے لئے ہو یہ ضروری نہیں ہے، ماہ نور کا ملاپ دنیا کی نظر میں جتنا مشکل تھا قدرت نے اسے میرے لئے آسان بنا دیا اور تمہارا ملاپ جتنا آسان تھا اس قدر دشوار ہو گیا ہے، ہاں میں نے بھی اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے اپنے رب کو پہچان لیا ہے، ہاں مجھے آگاہی حاصل ہوئی ہے کہ ہم جو جیسا چاہیں ویسا ہو بار نہیں ہو سکتا۔)

''چائے لیں طارق! ٹھنڈی ہو رہی ہے۔'' پریشے کے پکارنے پر وہ چونکا تھا اور گہرا سانس بھر کے ذرا سا جھکتے ہوئے چائے کا کپ اٹھا لیا۔

☆☆☆

آگ اور برف کے درمیان گھلے ہوئے لاوے کی صورت یہ آنکھیں
جو دلوں کی نمی ان کہی ہوتے دیکھیں
برس لیں تو اچھا ہی ہو
نمائش کی تحریر سے زندگی کی روایت نبھاتے عمر گزری
بہت حوصلوں کی شکستوں کو پندار نے خاموشی کے کفن میں لپیٹا
بس اب راستوں میں
درختوں کی پرچھائیوں کا سندیسہ سمجھ لو
وہ دیوار گرتی نظر آ رہی ہے

ان کے چھوٹے سے آنگن میں ڈھیر ساری خوشیاں اتر آئی تھیں، اماں بھی فاروق اور ضویا

سے ملنے چلی آئی تھیں انہوں نے ڈھیروں تحفوں اور ڈھیروں ڈھیر پھلوں کے ہمراہ تشریف لائی تھیں، بظاہر تایا سائیں کی عیادت کے لئے اور ماہ نور کو ایسے لپٹا لپٹا کر پیار کیا تھا کہ خود ماہ نور اور مما بھی ششدر رہ گئی تھیں، جبکہ فاروق اور ضویا جھل جھل سے اپنی مسکراہٹ چھپا رہے تھے۔

''طارق نہیں آیا؟'' اس کے دل میں ہلچل مچاتا سوال مما نے کیا تھا اور اس کی سماعتیں ان کا جواب سننے کو بے قرار ہو اٹھی تھیں۔

''آئے گا، اسلام آباد سے تو نکل آیا تھا کہہ رہا تھا ایک دو گھنٹوں میں پہنچ جائے گا۔''

''اچھی بات ہے۔'' ماما سے زیادہ ماہ نور سرشار ہوئی تھی، (کہاں تک بھاگو گے؟ طارق شیرازی آنا تو تمہیں بہر حال مجھ تک تھا) وہ اتنی [illegible] ہونے کو بھاگی تھی، پہلی بار وہ مکمل آمادگی کے ساتھ اس کے لئے [illegible]

''ارے رہنے بھابھی کہاں بھاگی [illegible] وہ بھی راستے میں ہی ہوں گے۔'' فاروق اچھل کر اس کے راستے [illegible] اور ضویا ماما کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلی گئی تھیں۔

''خیریت؟'' ماہ نور کو [illegible] یہ مداخلت [illegible] نہیں لگی۔

''سنا ہے آپ کو دو دو پلی پلائی بہنیں ملی ہیں۔''

''ہاں ایسا ہے تو...'' وہ الجھ کر اسے دیکھنے لگی جیسے کہہ رہی ہو تمہاری بھلا کیا دلچسپی۔

''ذرا تعارف شعارف ہی کروا دیں مس صوحا کو تو ہم آپ کی دیورانی بنانے کا عزم بنا چکے ہیں۔'' وہ شوخی سے آنکھیں گھما کر بولا تو ماہ نور کے چہرے پہ ایکدم ہی سختی سی چھا گئی۔

''یہ کس نے کہا؟ ایسا کچھ نہیں ہو گا فاروق بھائی!'' اس نے اتنی قطعیت سے کہہ کر آگے قدم بڑھا دیئے جیسے مزید کچھ نہیں سنے گی، جبکہ فاروق تو جیسے تڑپ اٹھا تھا بے اختیار بڑھ کر اس کا راستہ روک لیا۔

''کیوں؟ کیوں بھابھی! مجھے یہ سزا کیوں؟'' اس کے چہرے کی ساری تازگی ساری چمک لمحوں میں جیسے کھو گئی تھی اس کی جگہ اضطراب نے لے لی۔

''اس لئے کہ میں نہیں چاہتی کہ میری طرح اس گھر کی کسی اور بیٹی کا نصیب وہاں پھوٹے، وہ میری سوتیلی بہن سہی مگر مجھے بہر حال اس سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔'' ماہ نور نے قدرے سختی سے جواب دیا تھا۔

''اماں کا بدلا ہوا رویہ تو دیکھ چکی ہیں نا آپ، پھر یہ اعتراض کیوں؟'' فاروق نے بھر پور احتجاج کیا تھا۔

''یہی تو حیرت کا مقام ہے میرے لئے، اب کیا تبدیلی آ گئی ہے؟ اب کون سے لال جڑ گئے ہیں بھلا؟'' اس کے کاٹ دار لہجے میں پھنکاریں سی تھیں، فاروق نظریں چرا گیا، جبکہ ماہ نور اندر چلی گئی تھی۔

☆☆☆

یہ میرا حوصلہ ہے کہ تیرے بغیر
سانس لیتا ہوں بات کرتا ہوں

واپسی کا یہ سفر اس کے اندر ایک بے نام سی تھکان سمیٹ لایا تھا، وہ سوچتا تو حیران ہوتا تھا، کتنی جلدی وہ پریشے کے کتنا نزدیک آ گیا تھا، کتنی تیزی سے پروان چڑھے تھے اس کی محبت کے ننھے پودے دل میں کہ اب تناور درخت بن کر لہلہانے لگے تھے، وہ جس کام کے لئے بلایا گیا تھا وہ کرنا بھی چاہیے تھا مگر دل میں کوئی گنجائش بھی تو باقی ہو ایک بغاوت سی دماغ میں اٹھ رہی تھی، نظروں کے سامنے وہ منظر ہٹتا ہی نہیں تھا جب ماہ نور کی زبان سے نکلتے نشتروں نے پریشے کی صبیح اجلی رنگت سے لہو نچوڑ لیا تھا اور اس کے بعد اس کا وہ جان لیوا فیصلہ جس نے طارق شیرازی کے وجود میں برف ڈال دی تھی۔

یعنی وہ دوسری مرتبہ اس کی رنجکشن کا باعث بن چکی تھی، وہ کس کس جرم پہ معاف کرتا اسے، غصہ کسی شوریدہ سر لہر کی طرح اس کے دماغ کو ٹھوکریں لگا رہا تھا۔

''نامراد صرف میں رہوں کیا ایسا ضروری ہے ماہ نور بیگم، یہ نامرادی تمہارا نصیب کیوں نے بنے۔'' وہ کہتے ہوئے سوچ رہا تھا، جب اس کے سیل پہ میسج ٹون بجی تھی، اس نے سیل فون اٹھایا اور کسلمندی سے میسج کھولا۔

مصروف ہے دن رات اسے وقت کہاں ہے
وہ مجھ سے کرے بات اسے وقت کہاں ہے
بے تابی دل کا اسے انداز نہیں ہے
سمجھے میرے جذبات اسے وقت کہاں ہے
وہ پونچھے میری آنکھ سے بہتے ہوئے آنسو
اے رنگ برسات اسے وقت کہاں ہے
بھولے سے ہی وہ پوچھنے آ جائے میرا حال
اے گردش حالات اسے وقت کہاں ہے
موجوں میں تڑپتا ہوا میں ڈوب رہا ہوں
تھامے وہ میرا ہاتھ اسے وقت کہاں ہے

آپ کی منتظر ماہ نور

ماہ نور کا میسج تھا اس نے پڑھا تھا اور لاپرواہی سے سیل فون بستر پہ پھینک کر خود بھی لیٹ گیا، کم از کم آج کی رات وہاں جانے کا اس کا بالکل کوئی ارادہ نہیں تھا۔

اسے لیٹے اتنی دیر نہیں ہوئی تھی وہ غنودگی میں تھا جب اس کا سیل فون تسلسل سے بجتا چلا گیا، وہ بھی ڈھیٹ بن گیا مگر کال کرنے والا اس سے بھی زیادہ ڈھیٹ تھا جبھی اس وقت تک ہمت نہیں ہاری جب تک کہ طارق نے فون نہ اٹھا لیا۔

''کیا تکلیف ہے، تمہیں اندازہ ہے میں کتنا تھکا ہارا ہوا آیا ہوں۔'' دوسری جانب فاروق تھا اور طارق نے مقدور بھر ملامت اسے کی تھی، مگر فاروق نے مجال ہے جو برا مانا ہو بھرپور مسکینیت سے بولا تھا۔

''ساری زندگی آرام کر لیجئے بھائی! مگر اس ٹل پلیز یہاں آ کر معاملہ سنبھالیں بہت گڑبڑ ہو گئی ہے۔''

''کیا مصیبت آ گئی ہے؟'' وہ بدمزگی سے پوچھنے لگا، جواب میں فاروق نے اپنی اور ماہ نور کی ساری گفتگو گوش گزار کر دی، طارق کا دماغ جیسے شعلوں کی زد پہ آ گیا تھا۔

''ڈونٹ وری فاروق!''

''کیا ڈونٹ وری بھائی! مجھے بتائیں آپ آ رہے ہیں کہ نہیں؟''

''آ رہا ہوں، (محترمہ کا دماغ بھی تو درست کرنا ہے نا)۔'' اس نے دانت کچکچا کر کہا اور سلسلہ کاٹ کر اٹھ کھڑا ہو گیا تھا۔

☆☆☆

اک تیری دید چھن گئی مجھ سے
ورنہ دنیا میں کیا نہیں باقی
تیری چشم الم نواز کی خیر
دل میں کوئی گلہ نہیں باقی
اپنی مشق ستم سے ہاتھ نہ کھینچ
میں نہیں یا وفا نہیں باقی!

''چلیں نا! آپ ابھی تک تیار نہیں ہوئے؟ افوہ وہاں سب پہنچ بھی گئے ہیں۔'' نگین سخت جھنجھلائی ہوئی اندر آئی تھی، انہیں ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے پرفیوم اسپرے کرتے دیکھ کر تھم سی گئی، ایک مانوس دلفریب اور خوشگوار سی مہک نے اس کی مشام جاں کو محسور کر ڈالا تھا۔

''آج آپ کو بہت جلدی ہے جانے کی؟'' داؤد حسن خان نے پرفیوم کی بوتل واپس رکھتے ہوئے آئینے میں جھلملاتے اس کے نازک سے من موہنے سراپے کو دیکھا، آج ان نگاہوں کا انداز پہلی بار کچھ اور تھا بہت بدلا ہوا، شاید ایک مسلسل کی مسافت کے بعد زندگی کے خوبصورت رنگوں سے سکھ کشید کرنے کی خواہش ان کا دامن تھامنے میں کامیاب ہو گئی تھی یا آغاز سفر سے ہی ساتھ آ لگنے والے ملال اور دکھوں نے ساتھ چھوڑ دیا تھا تو وہ کھل کر سانس لینا چاہتے تھے، ایسے میں زندگی میں موجود سب سے خوشگوار تبدیلی پہ سب سے پہلے نگاہ اٹھی تھی اور وہ حیران ہو کر سوچتے رہ گئے تھے۔

وہ جنوں خیز مسافت تھی کہ دیکھا ہی نہیں
عمر بھر پاؤں سے لپٹی رہی منزل میرے

''آپ ہو گئیں تیار؟''

''جی بس یہ بریسلٹ کا لاک شاید خراب ہو گیا ہے، بند ہی نہیں ہو رہا، چلیں خیر رہنے دیتی ہوں۔'' وہ ہاتھ میں پکڑے بریسلٹ کو لئے مڑی اس سے پہلے کہ دور جاتی داؤد حسن خان نے ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی نرمی سے تھام لی۔

''لائیں دکھائیں مجھے ہو سکتا ہے مجھ سے بند ہو جائے۔'' وہ اس کے چونکنے حیران ہونے کو صفائی سے نظر انداز کیے بریسلٹ اس کے ہاتھ سے لے کر اطمینان بھرے انداز میں اس کی کلائی کے گرد لپیٹ کر لائنڈ کر رہے تھے، وہ اتنا اس کے نزدیک خود سے پہلی بار آئے تھے، وہ تو جیسے بے ہوش ہونے والی ہو گئی۔

''یہ لیجئے اتنا سا کام تھا جو آپ سے نہیں ہو پا رہا تھا۔'' وہ اس کی پھیلی ہوئی آنکھوں میں جھانک کر دل آویزی سے مسکرائے۔

''تھینک یو۔'' اس کی پلکیں لرزیں اور گالوں پہ سرخیاں بکھرنے لگیں۔

''تو تھینکس بی کو زا اسقدر خوبصورت ذمہ داری کو نبھایا بھلا کیسے برا لگ سکتا ہے؟'' انہوں نے اس کا گال نرمی سے تھپتھپایا وہ سر تا پا جل اٹھی۔

''داؤد!'' اس کے ہونٹ کانپے۔

''جی مسز داؤد!'' انہوں نے اچھی خاصی شوخی سے کہہ کر اس کے چھکے چھڑا ڈالے۔

''یہ آپ ہیں؟ میں کیسے یقین کر لوں۔'' وہ حق دق سی تھی داؤد حسن خان نے مسکراہٹ دبائی۔

''اچھا تو آپ کو یقین دلانے کو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟'' انہوں نے کہا اور پھر اسے بازو سے تھام کر خود سے لگا لیا۔

''بہت اچھی لگ رہی ہو اپنی اپنی سی۔'' ان کی آواز کی گمبھیرتا اور قربتوں کی آنچ نگین کو حواس باختہ کر گئی کہاں دیکھے تھے ان کے یہ روپ اس نے، اسے بے تحاشا شرم نے آ لیا، جلدی سے پیچھے ہوئی تھی۔

''میں آپ کو بلانے آئی تھی۔'' دوپٹہ درست کرتے اس کی جھکی جھکی پلکیں حیا سے کانپی تھیں۔

''اور ہمارے ارادے تو کچھ اور تھے کیا خیال ہے آپ کے چاچا سائیں سے آج کی دعوت سے ایکسکیوز نہ کر لیا جائے؟'' ان کا تو آج ہر انداز ہی جدا سا تھا، وہ بالکل ہی سٹپٹا گئی۔

''نہیں نہیں پلیز چلیے نا وہاں سب انتظار کر رہے ہیں، دو بار فون بھی آ چکا۔''

''او کے ایز یو وش مگر مسز واپسی جلدی ہوگی رائیٹ۔'' اب کی مرتبہ انہوں نے بہت خاص نظروں سے اسے دیکھا تھا، نگین کا چہرا کانوں کی لوؤں تلک سرخ پڑ گیا، ان کی بات کا جواب دیئے بغیر وہ بوکھلا کر تیزی سے کمرے سے نکل بھاگی تو سفید شلوار سوٹ تیار ہو کر اسی جانب آتے وقاص سے ٹکر ہوتے ہوتے رہ گئی۔

''اُفوہ! لڑنے آ رہی ہیں؟ اتنی خطرناک اسپیڈ ٹھیک نہیں۔'' وہ جلدی سے کترا کر سائیڈ پہ ہوتا ہوا اپنے مخصوص انداز میں گویا تھا۔

''لڑنے نہیں جیتنے جناب!'' نگین کا لہجہ انوکھی سی جلترنگ سے کھنک اٹھا تھا۔

''کیا میچ؟'' وقاص چونکا۔

''اتنی جلدی تو ممکن نہیں تھا آسٹریلیا نے خاصا بڑا ٹارگٹ دیا تھا پاکستان کو۔''

''نہیں بیوقوف! مون الیورسٹ۔'' نگین نے چہک کر کہا تو وقاص کا منہ کھل گیا اور جب تک وہ سمجھ کر اس کے پیچھے لپکا وہ جا چکی تھی۔

☆☆☆

میں اس کا نام لیتا ہوں
تو ہونٹوں پر تبسم کی دھنک لہرانے لگتی ہے
میں اس کو یاد کرتا ہوں تو اک مانوس سی خوشبو

مجھے مہکانے لگتی ہے
وہ میرے دل میں رہتا ہے گل امید کی صورت
زمانے کی شب تاریک میں خورشید کی صورت

عینا اور صوحا کو ساتھ ملا کر اس نے یہ پروگرام بنایا تھا کہ طارق شیرازی کی آمد پہ شاندار استقبال پھول نچھاور کر کے کیا جائے گا، شہریار سے کہہ کر اس نے پھولوں کی پتیاں بھی منگوالی تھیں اور پلیٹیں بھی بازار سے سجی سجائی آ گئی تھیں، ماما ان کا منصوبہ سن کر ہنسنے لگی تھیں۔

''ارے بیٹا! وہ نیا نویلا دولہا تھوڑا ہی ہے ایک سال ہو رہا ہے شادی کو۔''

''ہوا کرے ہمارے لئے تو نئے نویلے ہیں نا جناب! کہ ہم تو پہلی بار دیکھیں گے پہلی بار ملیں گے اور یہ موقع یادگار رہنا چاہیے۔''

اس کا اپنا ہی انداز تھا سوچنے کا اور جب وہ اوپر والے کمرے سے پھولوں سے بھرا تھال لئے اندھا دھند سیڑھیاں اتر رہی تھی کہ باخبر ذرائع سے اطلاع ملی تھی محترم طارق شیرازی بس آیا ہی چاہتے ہیں کہ اپنے دھیان میں مگن بلکہ بے خیال سے سیڑھیاں چڑھتے وقاص سے ایک بار پھر اس کی ٹکر ہو گئی، تھال اس کے ہاتھ سے چھوٹا اور سیڑھیوں پہ وقاص کے پیروں کے آس پاس جا بجا پھول ہی پھول بکھر گئے۔

''او مائی گاڈ!'' صدمے میں گھر کر وہ بے اختیار چیخی اور پھر اس گستاخی کے مرتکب بندے کو گھورا جس نے بنا بنایا کام بگاڑ کے رکھ دیا تھا۔

''تم ...؟'' اس نے غرانے کے انداز میں کہہ کر دانت کچکچائے۔

''سوری۔'' وقاص واقعی شرمندہ ہو گیا۔

(وہ نگین کی تلاش میں اوپر جا رہا تھا، کہ تب سے وہ اکیلی ہاتھ ہی نہیں لگی تھی، جبکہ وہ راحیل کے سامنے سے گریزاں جیسے خود سے بھی چھپا پھر رہا تھا۔)

''پھر سوری!'' وہ جی بھر کے بیزار ہوئی پھر ڈانٹنے کے انداز میں بے حد رعب سے بولی تھی۔

''یہ صرف سوری سے بننے والا کام نہیں ہے، یو نو یہ پھول کتنے ضروری تھے؟ چلیں انہیں اکٹھا کریں اور اس میں ڈالیں، اتنی جلدی دوبارہ منگوائے بھی نہیں جا سکتے۔'' وہ اس کے ہاتھ پہ تھال پٹخ کر بولی تو وقاص نے عافیت اس میں جانی تھی کہ اس کا حکم بجا لائے اور جب وہ جھک کر اوک میں بھر بھر کے پھولوں کی پتیاں تھال میں منتقل کر رہا تھا زوحا فرمانبرداری کے اس مظاہرے پہ مسکراہٹ ضبط کرتی سرخ ہوتی جا رہی تھی۔

''یہ لیجئے اور آئندہ آنکھیں کھلی رکھ کر چلا کیجئے گا۔'' وہ سخت بھنا سا گیا تھا مفت کی اس بیگار سے جیسے تیسے پھول اکٹھے کر کے تھال بڑھاتا ہوا بدمزگی سے بولا۔

''ہائے! ایسا تو نہیں ہونا چاہیے، آپ میرا نقصان نہیں کریں گے تو پھر مجھ سے خائف کیسے ہوں گے اور ابھی آپ فرمانبرداری سے میری بات کی تعمیل کرتے کتنے اچھے لگ رہے تھے۔'' وہ آنکھیں پٹپٹا کر بولی تو وقاص نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''مطلب کیا ہے اس بات سے؟'' وہ دانت پیس کر رہ گیا تھا اور جواباً زوحا نے ازلی اعتماد اور

فطری شوخی سے آنکھیں گھما کر کہا تھا۔

مطلب یہ کہ۔۔۔۔

کسی بھی لمحے کوئی دھیان میں آسکتا ہے
کسی کی باتیں، کسی کا چہرا کسی کا دھیما دھیما لہجہ
کوئی بھی اپنا یا بیگانہ
سوچے بنا بے دھیانی میں
نادانستہ بس یونہی بھی
یکدم دل کو بھا سکتا ہے

وہ کہہ کر رکی نہیں چھپاک سے باقی ماندہ سیڑھیاں پھلانگ گئی۔

وقاص کا منہ کھلا اور آنکھیں پھٹی رہ گئیں، اگلے کئی لمحوں تلک وہ اپنی جگہ سے ہلنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

☆☆☆

تیری یادیں
دسمبر کی شبوں جیسی
جو آتی ہیں۔
تو جانا بھول جاتی ہیں

اس کا استقبال بہت ہی والہانہ انداز میں کیا گیا تھا، اتنی پذیرائی اتنی چاہت وہ تو بس حیران ہوتا رہ گیا، سلطان شاہ اور عنایت علی شاہ کے ساتھ بالخصوص اسے متعارف کرایا گیا، انہوں نے محبت سے گلے لگایا تھا پیشانی چومی تھی دعاؤں سے نوازا تھا۔

سلطان شاہ کی نگاہوں میں اس کے شاندار سراپے کو دیکھ کر جو پسندیدگی اتری تھی وہ اس سے مخفی نہیں رہ پائی۔

''اور یہ داؤد بھائی ہیں، نگین کے ہزبینڈ اور نگین تایا سائیں کی بیٹی ہیں۔'' شہریار نے اسے داؤد حسن خان کے برابر لا کھڑا کیا تھا، جو بلیک ٹو پیس سوٹ میں اپنی سحر انگیز پروقار شخصیت سمیت بہت متانت سے اس سے ملے تھے۔

''یہ صوحا اور زوحا ہیں۔''

''صوحا!'' طارق نے زیرلب دہرایا اور بغور اس نازک مگر دلکش سی نوعمر لڑکی کو دیکھا، جس کے چہرے پہ کچی عمر کا مخصوص بانکپن بکھرا ہوا اس کی معصومیت بھری خوبصورتی کو دلکش روپ بخش رہا تھا۔

فاروق کا انتخاب واقعی اچھا تھا، وہ قدرے مطمئن ہوا مگر...... اس کا دماغ ماہ نور کی بات یاد آتے ہی نئے سرے سے سلگا۔

''ماشاءاللہ چشم بدور، جیسا سنا تھا آپ کو اس سے بہت بڑھ کر پایا۔'' زوحا کی مسکراہٹ دباتے ہوئے اس کی بڑی بوڑھیوں کے اسٹائل میں بلائیں لیں تو طارق نے دلچسپی سے اسے دیکھا اور محظوظ ہوا تھا جبکہ اس پاس موجود سب لوگ ہنسنے لگے تھے، شہریار جھینپ کر زوحا کو ایک دھپ لگا

کر طارق کے ہمراہ آگے بڑھا۔

''اور یہ وقاص ہے، داؤد بھائی کا بھانجا! یوں ہمارا بھی بھانجا ہی ہوا نا۔'' شہریار نے قدرے شوخی سے کہا ایک بار پھر سب ہنس پڑے، طارق نے خوشدلی سے اس بے حد سنجیدہ سے نظر آتے لڑکے سے ہاتھ ملایا تھا۔

''خیر ہمارا وکی اب اتنا چھوٹا بچہ بھی نہیں کہ سب اس کے ماموں بن کر بیٹھ جائیں، میڈیکل کے فائنل ائیر میں ہے۔'' داؤد حسن خان کے برابر کھڑی نگین نے وقاص کی سائیڈ لی تھی۔

''جی بالکل اتنے بڑے ہیں موصوف کہ بھلے آج ہی شادی کر دیں۔'' زوحا نے وقاص کو دیکھ کر معنی خیزی سے کہا وہ جز بز ہو کر رہ گیا۔

''باقی سب کو تو آپ جانتے ہی ہیں۔'' شہریار نے سادگی سے کہا تو طارق کو شرارت سوجھ گی تھی۔

''نہیں میں آغا سے تو ابھی تک نہیں ملا وہ کہاں ہے؟''

''جی!'' شہریار ایک پل کو ہونق ہوا پھر اس کی شرارت بھانپتے ہوئے اس کے ساتھ ہنس پڑا تھا۔

''تمہارے ولی عہد کہاں ہیں؟ اسے تو واقعی ابھی تک نہیں دیکھا اور رانیل تمہاری مسز کی حیثیت سے تو ابھی ملوں گا نا۔'' وہ رواداری نبھاتے اندر سے بے تحاشا تھکنے لگا، مگر اس کی بات نے شہریار کے چہرے پہ چمک سی پیدا کر دی تھی تبھی رانیل وہاں چلی آئی تھی۔

پیازی شیفون کا خوبصورت کڑھائی سے مزین سوٹ پہنے وہ خود بھی گلابی گڑیا کی طرح لگ رہی تھی۔

''کھانا لگ گیا ہے ماما کہہ رہی ہیں آجائیے۔'' اس نے وہاں موجود سبھی لوگوں کو اطلاع دی تھی، پھر طارق پہ نگاہ پڑی تو دلکش سی مسکان لبوں پہ بکھر گئی۔

''السلام وعلیکم! کیسے ہیں آپ؟'' وہ یونہی مسکراتی قریب چلی آئی شہریار کو سرے سے نظر انداز کر کے۔

''وعلیکم السلام جیتی رہیئے خوش آباد رہیئے۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ کر نرمی سے مسکرایا۔

''آپ کا سپوت کدھر ہے؟ اس کے پاپا نے تو اس کی شرارتوں کا ذکر کر کر کے میرے کان کھا لئے ہیں۔'' اس نے شہریار کی سمت اشارہ کیا تو رانیل کے چہرے کے زاویے بگڑنے لگے۔

''ہر کہی سنی بات پہ یقین نہ کریں بھائی! میرا بیٹا بہت شریف النفس بچہ ہے۔''

''ہے کہاں؟'' طارق کے استفسار پہ رانیل نے اسے بغور مگر قدرے شوخی سے دیکھا تھا۔

''سیدھی طرح سے پوچھ لیں نا ماما کدھر ہے، کچن میں ہے۔'' وہ کہہ کر خود ہی ہنسی جبکہ طارق کا حلق کڑوا ہو گیا تھا، جبکہ رانیل کی نگاہ یونہی ہنستے ہوئے داؤد حسن خان کی جانب اٹھ گئی تھی، اگلے ہی لمحے اس کے مسکراہٹ یوں غائب ہوئی تھی جیسے کسی نے نوچ کر پھینک دی ہو۔

(جاری ہے)

میرے ساحر سے کہو

ام مریم

پچھلی قسط کا خلاصہ

نگین باپ کی بیماری کا سن کر خود کو روک نہیں پاتی اور ہاسپٹل ان سے ملنے چلی جاتی ہے جہاں عنایت علی شاہ ضمیر کی عدالت میں پیش ہیں، وہیں نگین کی ملاقات شہریار کے ساتھ زوحا، صوحا اور سلطان شاہ سے بھی ہوتی ہے، وہ سب کو اپنے اور داؤد کے رشتے کا بتاتی ہے۔

وقاص، نگین کی تاکید پہ عنایت علی شاہ کی خبر گیری کو ہاسپٹل آتا ہے تو زوحا سے اُس کا پہلا ٹکراؤ ہوتا ہے، زوحا کو وہ اپنے لئے دیئے انداز اور بے نیازی کے ساتھ بہت بھاتا ہے وہ اسے قدم قدم پہ تنگ کرتی ہے۔

رابیل کونا چاہتے ہوئے بھی شہریار کے ساتھ ہاسپٹل جانا پڑتا ہے مگر راستے میں وہ شہریار کو کھری کھری سنا کر بھی کلستی رہتی ہے، ہاسپٹل میں اس کا سامنا ایک عرصے بعد داؤد حسن خان سے ہوتا ہے وہ خود کو بے حد اذیت سے دوچار محسوس کرتی ہے ایسے میں شہریار کا جذباتی سہارا اسے بہت حوصلہ دیتا ہے مگر وہ یہ سہارا لینے کو آمادہ نہیں۔

وقاص رابیل کو دیکھ کر پھر سے اپنے اندر اکھاڑ پچھاڑ سی محسوس کرتا ہے وہ اس اذیت سے چاہ کر بھی فرار حاصل نہیں کر پا رہا۔

طارق اماں کے بلاوے پر نا چاہتے ہوئے بھی جانے کو تیار ہے، پرلشے اسے بہت خوشی سے رخصت کرتی ہے مگر طارق کا دل بوجھل رہتا ہے، اماں کے رشتہ مانگنے پہ ماہ نور بہت سخت الفاظ میں فاروق سے انکار کرتی ہے جس پر فاروق ہرٹ ہو کر طارق کو سب کچھ بتا کر جلد آنے کی تاکید کرتا ہے۔

ستائیسویں قسط

اب آپ آگے پڑھیئے

داؤد حسن خان کی توجہ اس کی سمت نہیں تھی، وہ نگین کی کسی بات کا جواب دے رہے تھے تو توجہ کا مرکز بھی وہی تھی اور یہ ان کی توجہ ہی تھی کہ نگین کے چہرے پر آسودگی تازگی اور رشنیاں سی اتر آئی تھیں اس کی آنکھوں میں کتنے رنگ تھے گویا پوری دنیا کو فتح کر لیا ہو، جبکہ رابیل کی آنکھیں گویا اپنی کائنات لٹا کر دھندلاتی چلی گئی تھیں۔

''ہائے رابیل کیسی ہو ڈیئر!'' نگین نے مسکرا کر کہتے ہاتھ ہلایا تھا، رابیل درد کے سمندروں سے جیسے ڈوب کر ابھری، اس کے چہرے پر لمحوں میں زردیاں بکھر گئی تھیں، بڑی مشکل سے اس نے خود کو سنبھالا اور اس سمت بڑھی کہ داؤد حسن خاں بھی اس کی سمت متوجہ ہو چکے تھے اور وہ انہیں نظر انداز کرنے کا حوصلہ کہاں رکھتی تھی۔

''السلام وعلیکم سر! آپ کب آئے؟'' اس کے لہجے میں اس کی چال جیسی لڑکھڑاہٹ تھی، کیسے وہ لمحوں میں کمزور پڑ گئی تھی ہر لحاظ سے ابھی کچھ دیر پہلے، انہوں نے جواب میں سلامتی بھیج کر اس کی بات کا خوشدلی سے جواب دیا۔

''آپ ٹھیک ہو رابیل؟'' وہ اس کا چہرا پڑھنے کی کوشش کر رہے تھے، رابیل نے تھک کر سر جھکا لیا۔

(... بتایئے نا سر کیسی نظر آنے لگی ہوں اب؟ کسی اور کے ساتھ کسی اور کے حوالے سے ... ہوں بھلا؟ پھر آپ کو کسی اور کی دسترس میں دیکھ کر ٹھیک ہو سکتی ہوں آہ! پتہ نہیں ... نقدیر سے سمجھوتہ کیوں نہیں کرتے؟ پتہ نہیں کیوں ہمیں کچھ بہت خاص گنوا کر ہمیشہ کے لئے کھو ... کیوں نہیں آ جاتا۔'')

''بیٹھ جاؤ نا بیا!'' نگین کے کہنے پہ وہ چونکی تھی اسے وہ آغا کے حوالے سے ایکدم ہی بہت ... لگنے لگی تھی۔

''نہیں چچی ہوں، ایز دماما کے پاس ہے تنگ نہ کر رہا ہو۔'' وہ کہہ کر رکی نہیں تیزی سے پلٹ گئی اور اسے یک ٹک دیکھتے وقاص نے آہستگی سے سر جھکا لیا۔

(کیا ضروری تھا کہ اگر اس لڑکی کو میرا نہیں ہونا تھا تو میرے دل کی تمام خوشیں اس کی راہوں میں بکھر جاتیں، زخموں پہ کھرنڈ آئیں بھی تو کیونکر کہ متاثرہ جگہ پہ بار بار ضربیں پڑ رہی ہیں۔)

اور دل و جان سے وقاص کی سمت متوجہ زوحا کا دل تھم سا گیا، یہ بھلا کیا انکشاف ہوا تھا پل کے پل میں جو دل کی بستی کو بسنے سے قبل ہی اجاڑنے کے در پے ہو گیا تھا، اس کا دل بے طرح گھبرانے لگا۔

(کیا میں برداشت کر لوں گی؟ ایک شکست خوردہ دل جو پہلے ہی کسی اور کا اسیر تھا۔)

وہ گم صم سی ہو کر سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

بہت عرصے کے بعد اتنی خوشیاں اکٹھی ان کے دامن میں سمٹ آئی تھیں، انہوں نے شکرانے کے نوافل پڑھے تھے اور تمام مہمانوں کو روک لیا تھا، یوں بھی اگلے چند دنوں میں تو یوں بھی انہیں تایا سائیں کی فرمائش پہ حویلی چلے جانا تھا، وہ یہی چاہتے تھے سائرہ اپنا حق لے لیں، ان کا اصرار ہی یہی تھا کہ تب وہ مانیں گے کہ انہوں نے دل سے انہیں معاف کیا ہے جو اپنا یہ حق قبول کریں

اور ماما نے بہت تذبذب سے سلطان شاہ کو دیکھا تھا۔

''آپ پورے دل کی آمادگی کے ساتھ ہاں کہیں سائرہ یہ واقعی آپ کا حق ہے جو اتنی دیر سے آپ کو دینے پہ ہم دونوں بھائی ہی آپ سے شرمندہ ہیں۔'' اور ماما کے پاس انکار کا کوئی جواز رہ ہی نہ گیا تھا۔

''بھئی ہم تو اپنی بہو کو کل یہاں سے ہی رخصت کرا کے لے جائیں گے، رات آپ کے کہنے پہ رک رہے ہیں تو یہ بات آپ کو بھی ماننی پڑے گی اور ہاں ایک بات اور ہمیں فاروق کے لئے صوحا بیٹی کا رشتہ بھی چاہیے۔'' اماں کا بات کرنے کا اپنا ہی انداز تھا، ماما کے ساتھ پاپا بھی اس اچانک مطالبے پہ چپ سے ہو گئے تھے، جبکہ ماہ نور کے چہرے پہ واضح ناگواری چھلکنے لگی، تب پاپا نے ہی رسانیت و سبھاؤ سے معاملہ سنبھالا تھا۔

''ہم آپ کو سوچ کر جواب دیں گے بھابھی بیگم!'' فاروق کا چہرا ایکدم چمکنے لگا۔

''دیکھ لیجئے آپ کا آنا ہی مبارک ثابت ہوا ہے۔'' اس نے ساتھ بیٹھے طارق کا ہاتھ جوش مسرت سے پکڑ کر دبایا تھا، جو ماہ نور کے چہرے کے تناؤ کو پا کر برہم ہو چکا تھا۔

''آپ ایسے میں رہیے محترم ابھی فیصلہ ہونا باقی ہے۔'' اس نے گویا ماہ نور کا غصہ فی الحال اس پہ نکالا جبکہ زوحا جو وہیں تھی اور اس نئی صورتحال پہ کچھ غیر یقین کچھ پر جوش ہوئی تھی ایکدم سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگی۔

''بھابھی! بھابھی صوحا کدھر ہے؟'' اس نے کچن میں چائے بناتی رابیل کو جا لیا تھا۔

''ابھی تو یہیں تھی دیکھو شاید اندر ہو، ویسے خیریت؟'' رابیل سے بھی اس کا جوش پوشیدہ نہیں رہ سکا تھا، زوحا بے ساختہ کھلکھلائی۔

''دراصل صوحا کی نیا پار لگنے والی ہے نا۔''

''کیا مطلب؟'' رابیل نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''وہ طارق بھائی کے بھائی ہیں نا ڈاکٹر فاروق!''

''ہاں انہیں کیا ہوا؟''

''محترم اپنا پروپوزل لے کر آئے ہیں، آپ کو پتہ ہے ہماری ان سے پہلی ملاقات کہاں ہوئی تھی؟'' وہ اسے ہنستے ہوئے بتائے گئی پھر کچن کے دروازے پہ حیران پریشان بلکہ گھبرائی ہوئی سی صوحا کو دیکھا تو اسے پکڑ کر دو تین گول گھول چکر دے ڈالے تھے، پھر شوخی سے بولی تھی۔

''مجھے تو تب ہی محترم کی حالت دیکھ کر شک ہو گیا تھا۔''

''کیا حالت تھی ان کی؟'' رابیل ہنستے ہوئے پوچھ رہی تھی، زوحا کی آنکھیں شرارت سے اور بھی چمک اٹھیں۔

''ٹھہریں میں آپ کو شاعری کی زبان میں ان کے جذبات آشکار کرتی ہوں، سمجھ لیں بالکل یہی حالت تھی ان کی۔''

دل ٹھہرنے دے تو آنکھیں بھی جھپکتے جاویں
ہم کہ تصویر بنے بس تجھے تکتے جاویں
تیری بستی میں تیرا نام پتہ کیا پوچھا
لوگ حیران و پریشان ہمیں تکتے جاویں

مژدۂ وصل سے کچھ ہم ہی ازخود رفتہ نہیں
اس کی آنکھوں میں بھی جگنو سے چمکتے جاویں

''آپ کو کیسے لگے فاروق صاحب! ویسے کم و بیش ایسی ہی کیفیت تھی نا ان کی؟'' اس نے گھبرائی سٹپٹائی سی صوحا سے پے در پے سوال کر کے کچھ اور بوکھلا دیا۔

''پاپا کہہ رہے تھے سوچ کر جواب دیں گے، میں سمجھتی ہوں اگر پاپا یہ شرمایا لجایا لال گلال چہرا دیکھ لیتے تو اسی وقت ہاں کہہ دیتے۔'' زوحا کو تو جیسے ایک بہانہ مل گیا تھا شرارت کا۔

''بھابھی اسے ڈانٹیئے نا ورنہ یہ اسی طرح سے مجھے زچ کرتی رہے گی۔'' صوحا جھینپی جھینپی سی آ کر رابیل کے پہلو سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔

''ہاں بھئی بالکل، صوحا کو تو لاہور آنا مبارک ثابت ہوا ہے، ذرا تم بھی کچھ بتاؤ نا، تمہارے ساتھ تو کوئی حادثہ نہیں ہوا؟'' رابیل نے واقعی گفتگو کے موضوع کو صوحا سے پلٹا کر زوحا پہ ڈال دیا، وہ کس طرح بھی چہرے کی رنگت کو متغیر ہونے سے نہیں بچا سکی، وقاص کا رابیل کو دیکھ کر اطراف سے کٹ جانا دل میں کسی پھانس کی طرح سے چبھا تھا، اس نے نظریں اٹھا کر رابیل کے صبیح چہرے کو حاسدانہ سی نگاہوں سے دیکھا، جہاں بے خبری اور معصومیت تھی، اسے اپنی لمحہ بھر کی سوچ پہ ندامت نے آن لیا۔

''کیا ہوا اب چپ کیوں ہو گئی ہو؟'' رابیل جوش کھاتے قہوے میں دودھ ڈالتے ہوئے مسکرائی، زوحا نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

''داؤد بھائی کا بھانجا وقاص ہے نا جو؟''

''ہاں ہاں کیا ہوا؟'' رابیل نے دلچسپی لی۔

''آپ اسے کب سے جانتی ہیں بھابھی؟'' وہ جیسے کوئی الجھی گرہ سلجھانا چاہ رہی تھی۔

''میں؟'' رابیل حیران رہ گئی۔

''جیسے ابھی آج اور بہت سے لوگوں سے ملاقات ہوئی ویسے ہی وکی سے بھی میں اسے کوئی بہت خاص نہیں جانتی ڈیئر۔'' رابیل کے لہجے میں سادگی تھی سچائی تھی، وقاص سے اس سے قبل جو اس کا سامنا ہوا تھا یا سرسری ملاقات ہوئی تھی وہ اس کے نزدیک اتنی قابل ذکر کب تھی کہ وہ یاد رکھتی، زوحا نے سر ہلا دیا تھا، یہ الگ بات کہ اسے یقین نہیں آیا تھا۔

☆☆☆

اسے اتنا بتا دینا ہم اس سے دور ہو کر بھی
بہت مجبور ہو کر بھی دکھوں سے چور ہو کر بھی
اس کو یاد کرتے ہیں اسے اتنا بتا دینا
ہم دکھ اپنے چھپا کر بھی خوشی کے گیت گا کر بھی
ہنسی ہونٹوں پر سجا کر بھی اسی کو یاد کرتے ہیں
اسے اتنا بتا دینا جہاں کے غموں میں کھو کر بھی
ہم دل کے داغ دھو کر بھی کسی کے پاس ہو کر بھی
صرف اسی کو یاد کرتے ہیں اسے اتنا بتا دینا

ہنستے بستے خوش باش ماحول میں بھی وہ الگ تھلگ سا گم صم سا رہا تھا اور کسی نے یہ بے دلی محسوس کی ہو نہ کی ہو ماہ نور نے ضرور کی بہت چبھی تھی بہت کڑھی تھی وہ اسے خود سے بے نیاز غافل اور لاپرواہ پا کے، حالانکہ کتنا دل سے تیار ہوئی تھی، ڈل گولڈن خوبصورت سے لباس میں اس کی سب نے ہی تعریف کی تھی جبکہ جس کے لئے یہ سب کیا تھا اس نے تو نگاہ بھر کے اسے دیکھا تک نہیں تھا، اس سے بڑھ کے بھی بھلا کوئی توہین ہو سکتی تھی اس کی۔

''طارق بھائی آج کی رات کو ہم سب جاگ کر ہلا گلا کرنے کا پروگرام بنا چکے ہیں آپ بھی رکیں نا پلیز۔''

اور جب وہ سفر کی تھکان کا عذر پیش کرتا جانے کو اٹھا تو ماہ نور کا دل صحیح معنوں میں دھاڑیں مار کر رونے کو چاہ رہا تھا جب شہر یار نے آ کر مداخلت کی تھی، طارق نے ایک نگاہ اس کے آس بھرے چہرے کو دیکھا اور گہرا سانس کھینچا تھا۔

''سوری بھائی ہمیں آپ کی تھکاوٹ کا بھی اندازہ ہے مگر اس طرح کی رات بھی تو بار بار نہیں آئے گی، دیکھیے سارے رشتے ایک ساتھ جمع ہیں بلکہ ہم نے تو کمرے میں فرشی نشست کا اہتمام بھی کر لیا ہے۔'' اس کے تذبذب کو دیکھتے ہوئے وہ اتنے اصرار سے کہہ رہا تھا کہ طارق نے نا چاہتے ہوئے بھی اثبات میں گردن ہلا دی جبکہ شہر یار اتنا خوش ہوا تھا کہ اسی جوش میں اس کے گلے لگ گیا تھا۔

''تھینکس بھائی!'' اور جب وہ بے دلی سے مسکرا کر شہر یار کا کندھا تھپک رہا تھا اس کی نگاہ ماہ نور کے ایکدم سے کھل جانے والے چہرے پہ جا پڑی تھی جس نے نگاہ چار ہونے پر بھرپور مسکراہٹ سمیت اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

''اگر آغا بھائی آپ کو نہ روکتے تو کیا آپ پھر بھی نہیں رکتے تھے، میں آپ کو جانے دیتی؟۔'' شہر یار کے پیچھے جب وہ بھی کمرے سے جانے لگا تو ماہ نور نے اس کے مقابل آتے ہوئے کتنے زعم سے کہا تھا، جبکہ طارق کے چہرے پہ زہر خند پھیلتا چلا گیا تھا۔

''تو پھر تمہیں آغا کا مشکور ہو جانا چاہیے کہ اس نے تمہاری نوبت نہیں آنے دی، میں اب ہر کسی کی بات رکھنے کا عادی نہیں رہا۔'' اپنے پیچھے ماہ نور کے ساکن ہو جانے والے سراپے پہ نگاہ غلط ڈالے بنا وہ دہلیز پار کر رہا تھا جب ماہ نور نے تلملا کر اس کا راستہ روکا۔

(تم نے اپنا بہت بڑا نقصان کر لیا ہے ماہ نور! اگر تم اپنا ذرا سا دل بڑا کیا ہوتا پریشے کے معاملے میں تو کتنے دل شاد ہو سکتے تھے، تم جانتی بھی تھیں وہ شخص چند مہینے جی سکتی ہے تم نے اس سے چند مہینوں کی خوشی بھی چھین لی، صرف اس سے ہی نہیں تم نے مجھ سے بھی میری ہر خوشی چھین لی ہے، میں بھلے ساری عمر تم سے کچھ نہ چھین سکوں کہ یہ میری عادت نہیں ہے مگر میں تمہاری کسی خوشی میں حصے دار شاید نہ بن سکوں۔)

''اس طرح سے میری انسلٹ کر کے آپ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔'' اس کے تیور خونخواری لئے ہوئے تھے، طارق نے دیکھا اسے اس بات کی بھی پرواہ نہیں تھی گھر میں اس وقت کتنے لوگ جمع ہیں اور وہ اس کی بلند آواز پہ ادھر آ کر وجہ بھی پوچھ سکتے ہیں، طارق نے جھپٹ کر اس کی کلائی پکڑ لی اور ایک زوردار جھٹکا دیا۔

''تم صحیح سمجھی ہو، میرا لڑنے کا واقعی موڈ ہے، فاروق کے پرپوزل پہ کیا گوہر افشانی کر رہی تھیں؟ ایک بات سن لو ماہ نور، اس رشتے کو ہر صورت قائم ہونا چاہیے اٹس مائی آرڈر۔'' وہ لال

اول آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا، لہجے میں سرد مہری اور رکھائی کے سوا کچھ نہ تھا، ماہ نور نے خائف ہوئے بغیر پلکیں اٹھا کر اس کے شعلہ ساماں موڈ کو ملاحظہ کیا۔

''ادر وائز؟'' اور طارق کو لگا تھا گویا اس نے اس کے منہ پہ طمانچہ مار دیا ہو۔

''ہمارے درمیان جو ناپائیدار سا بندھن ہے یہ بھی باقی نہیں رہے گا اور ایسا کرنے میں میں بالکل حق بجانب ہوں گا ایسی عورت جو شوہر کے حقوق ادا کرنے کو تیار نہ ہو طلاق کی ہی مستحق ہوتی ہے۔'' اس نے اسے بہت حقارت سے جھٹکتے ہوئے اتنی رعونت اتنی درشتی سے کہا تھا کہ ماہ نور ایک پل کو فق سی ہو گئی، مگر اگلے لمحے جیسے خود کو سنبھال کر طنزیہ مسکرائی تھی۔

''اصل دکھ تو آپ کو یہی ہے، خیر اب آپ کو یہ شکایت نہیں رہے گی۔''

''بکواس مت کرو، مجھے تم سے اب کچھ نہیں چاہیے انڈر اسٹینڈ۔'' وہ غرایا تھا۔

''ہاں جانتی ہوں آپ کے لئے اب میں نہیں وہ پریشے۔''

''ول یو شٹ اپ جسٹ شٹ اپ ماہ نور، پریشے کا نام بھی مت لاؤ اپنی زبان پہ، ورنہ شاید میں خود کو روک نہ پاؤں۔'' وہ دانت بھینچ بھینچ کر اتنی تلخی برہمی سے بولا تھا کہ ماہ نور سن سی بیٹھی رہ گئی، طارق بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ پلٹ کر باہر چلا گیا تھا۔

☆☆☆

تمام مرد حضرات اسی فرشی نشست پہ براجمان تھے، سیاست اور ملکی حالات پہ بحث و مباحثہ جاری تھا، جبکہ خواتین رات کے اس خوبصورت رتجگے کے سلسلے میں کھانے پینے کے انتظام میں مصروف تھیں جو شہر یار کا آئیڈیا تھا وہ کتنی چیزیں تو بیکری سے لے آیا تھا، کیک، سینڈوچ، برگر وغیرہ فروٹ چاٹ، پکوڑے اور چائے وغیرہ گھر پہ بنانا پڑی تھی۔

''چلیں بھئی سب اٹینشن ہو جائیں چائے آ گئی ہے۔'' زوحا نے مسکرا کر کہتے اندر قدم رکھا ساتھ میں صوحا بھی تھی۔

''مجھے بڑا کپ پلیز۔'' فاروق نے صرف صوحا کو براہ راست سے مخاطب کرنے کی خاطر کہا تھا، طارق بے اختیار ہنس پڑا۔

''گھونچو ہی رہنا، اتنے شاندار رومینٹک جملے تو موویز میں عاشقوں کی سہولت کے لئے بار بار ریپیٹ کروا دیئے گئے اور یہ ہونے والی نصف بہتر سے بڑا کپ مانگ رہے ہیں، تیری نیا تو قسمت پار لگا نے تجھ میں اتنا دم خم کہاں۔'' وہ مسلسل اس کا مذاق اڑا رہا تھا، فاروق بیچارا صوحا کے سامنے اس عزت افزائی پہ کھسیا کر رہ گیا۔

''ہاں اب ہر کوئی آپ کی طرح سے بے باک تھوڑا ہی ہوتا ہے، پہلے مزے سے نکاح کیا پھر ڈنکے کی چوٹ پہ رخصتی بھی کر لی۔'' فاروق کلس کر کہتا بیچ محفل اس کا بھانڈا پھوڑ چکا تھا۔

''چلیں بھئی لڑائی ختم، اب محفل کا رنگ جمنا چاہیے، جوک ہو چاہے گانا نظم بلا جھجک پیش کرنی ہے اور ہر کوئی کرے گا نو معذرت او کے۔''

جب تم لڑکیاں بھی آ کر وہاں بیٹھ گئیں تو شہر یار نے دانستہ رابیل کے ساتھ بیٹھتے ہوئے بظاہر سنجیدگی سے کہا۔

''اوہ میرا خیال ہے میں ایزد کو پیمپر لگانا بھول گئی ہوں، وہ ماما کو گیلا کر دے گا، ایکسکیوز می پلیز۔''

رابیل کو اس کی یہ حرکت اتنی ناگوار خاطر ہوئی تھی کہ وہ بہانہ بنا کر اٹھ گئی تھی مگر طارق تو کوئی بہانہ بھی نہیں بنا سکتا تھا جبھی اس نے بہت استحقاق سے اپنے پہلو میں آ کر بیٹھنے والی ماہ نور کو برداشت کرنا ہی تھا، شہر یار کے چہرے پہ ایک سایہ سا آ کر گزر گیا، وہ اٹھ کے جا چکی تھی اور اس کی جگہ پہ اسی وقت باہر برآمدے سے اٹھ کر اندر آنے والا وقاص بیٹھ گیا تھا۔

''یعنی امید بھی ختم۔'' داؤد حسن خاں کو ایک پل کے لئے شہر یار پہ واقعی ترس سا آیا تھا، جبھی وہ زیر لب کہہ اٹھے تھے۔

عمر گزری ہے مگر یہ نہیں معلوم ہوا
اس کو میری کہ مجھ کو ہے ضرورت اس کی
اتنی شدت سے تو میں نے بھی نہیں چاہا تھا
مجھ سے دیکھی نہیں جاتی ہے محبت اس کی

نگین نے چونک کر انہیں دیکھا وہ آہستگی سے مسکرا دیئے۔

''چلیے بھابھی آپ!'' طارق نے واپس آ کر زوحا کے مقابل بیٹھتی رابیل کو دیکھ کر اسے بالخصوص بھابھی کہہ کر مخاطب کیا تو اس نے ایک شاکی سی نگاہ اس پہ ڈالی تھی اور جزبز ہو کر بولی۔

''میں؟ پہلے کوئی اور پلیز۔''

''نہیں پہلے آپ ہی پلیز۔'' فاروق نے بھی شرارتاً کہا تو رابیل کی نظریں بے اختیار داؤد حسن خاں کی سمت اٹھ گئیں اس نے نگاہ جھکاتے ہوئے گہرا سانس بھرا اور بہت دھیمی مگر پرسوز آواز میں بولی تھی۔

یہ خوبرو لوگ جن کی آنکھیں
تمہارے اجلے بدن پہ چسپاں
تمہارے نقش قدم کی خوشبو میں شب ایسے
بھنور میں جیسے حنا کے پتے
میں سوچتی ہوں کہ اتنی آنکھوں کے دائروں میں
میری اکیلی اداس آنکھوں کی کیا حیثیت
میری وفا کا مقام کیا ہے میری محبت کا نام کیا ہے

''ویل ڈن دیکھ لو آغا شہر یار کتنے خوبصورت الفاظ میں سراہا ہے، بہو نے تمہیں۔'' ان الفاظ کی حقیقت سے وہاں موجود چند لوگ ہی آگاہ تھے جن میں نگین بھی شامل تھی اور سب سے زیادہ فکر مند بھی وہی ہوئی تھی جبھی اس نے خصوصی طور پہ گویا شہر یار کو یہ جتانا چاہا تھا کہ یہ الفاظ صرف اسی کے لئے ہیں شہر یار کے چہرے پہ ایک پھیکی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''چلیں اب جس کا جی چاہے وہ دل کی بھڑاس نکال سکتا ہے۔'' ماہ نور نے گویا رابیل پہ ہی چوٹ کی تھی جواب سر جھکائے بیٹھی تھی، فاروق کو شدید اختلاف ہوا۔

''خیر ایسی بھی بات نہیں یہاں کوئی بھی دل جلا نہیں بیٹھا۔''

''جی ہاں نئے نویلے ارمانوں والے بھی موجود ہیں۔'' زوحا نے پھر اس کا پیچھا لینا چاہا تو فاروق گڑبڑا سا گیا، اسے اس پٹاخہ لڑکی سے واقعی ڈر سا لگنے لگا تھا۔

''اوہ اب کون کیا سنائے گا؟'' شہر یار نے بات کو صحیح مرکز پہ لانے کی کوشش کی۔

''تم سناؤ گے کیا؟ یہ تمہیں پتہ ہوگا۔'' فاروق نے کہا اور شہریار ایک پل کو سوچ میں ڈوبا اور سب کے سامنے رابیل پہ بڑی فدیانہ قسم کی خصوصی نگاہ ڈالی تھی پھر مزے لے کر گنگنانے لگا۔

تنہائی سنایا کرتی ہے بیتے دنوں کا افسانہ
نظروں کا وہ کسی سے ٹکرانا اک دم سے وہ دل کا رک جانا

رابیل کا جزبز ہوا انداز اور سرخ پڑا چہرا دیکھتے ہوئے وہ حظ لیتے ہوئے مگن رہا۔

وہ میرا کسی کی چاہت میں جینے کی مصیبت کر لینا
سنبھالے کوئی تو گھبرانا بہلائے کوئی تو رو دینا

''یہ کیا تھا؟'' زوحا نے آنکھیں نکالیں۔

''اگر تمہیں سمجھ نہیں آئی تو میں کیا کر سکتا ہوں؟ کوڑھ مغز لڑکی۔'' شہریار اس کے داؤ میں نہیں آیا۔

''سچ مچ مجھے ایسے ہی لگا آغا جی! جیسے کسی لڑکی نے حال دل بیان کیا ہو۔'' نگین بھی اسے شرمندہ کرنے کو میدان میں اتر آئی مگر وہ ذرا جو پٹا ہو۔

''محترمہ جذبات تو سب کے ایک جیسے ہوتے ہیں۔''

''نہیں میرا خیال ہے لڑکیوں کے جذبات ہی ڈھکے چھپے اور شرمیلے ہوا کرتے ہیں۔'' طارق نے بھی نگین کے حق میں ووٹ دیا، تو شہریار نے ہنستے ہوئے بات بڑھائی تھی۔

''ہائے میں کتنا شائی ہوں یہ آپ رابیل سے پوچھیں، جس دن ہماری شادی ہوئی میں اتنا شرمایا تھا اتنا شرمایا تھا۔'' وہ خود بھی ان کے ساتھ مل کر ہنسنے لگا، ایک زبردست قہقہہ پڑا تھا، رابیل کو اس سے اس حد تک فضول گوئی کی توقع نہیں تھی تپتے ہوئے چہرے کے ساتھ بس ہونٹ کچل کر رہ گئی۔

''چلیں بھئی مذاق ختم اب کون سنائے گا؟'' فاروق نے مداخلت کی اور گویا انہیں اصل موضوع کی طرف لایا۔

''کوئی پابندی نہیں ہے میرے بھائی تم بھی سنا سکتے ہو۔'' شہریار نے کاندھے جھٹکے، یہ واقعی حسین رات تھی یادگار رہ جانے والی، کتنے بہت سارے لوگ جو پہلی بار ایک دوسرے سے ملے تھے مگر اس قدر چاہت خلوص بے تکلفی سے بات چیت کر رہے تھے گویا برسوں کا یارانہ رہا ہو۔

''نہیں پہلے داؤد بھائی! میرا خیال ہے ان کی پرسنالٹی کی طرح سے ان کا انتخاب بھی لاجواب ہوگا۔'' فاروق نے داؤد حسن خاں کو مسکرائی نگاہوں سے دیکھا وہ داؤد حسن خاں کی گریس فل چارمنگ شخصیت سے بے حد متاثر نظر آ رہا تھا، داؤد حسن خاں نے کاندھے اچکا دیئے تھے۔

''یہ تو آپ سننے کے بعد فیصلہ کیجئے نا۔''

''اوکے پوری دیانتداری سے کریں گے ارشاد۔'' طارق نے بھی اخلاقاً کہا تو داؤد حسن خاں نے بغور اسے دیکھا تھا۔

''اتنا اخلاق مت جھاڑیں برخودار یہ بھی ممکن ہے یہاں شاعری کے ذریعے کسی کی طبیعت صاف کرنا مقصود ہو۔'' انہوں نے اپنی عادت کے برخلاف بڑے فریش اور کھنکتے لہجے میں بالخصوص اسے جتایا تو طارق بے ساختہ مسکرایا تھا۔

''ویل اگر ایسی بات ہے تب بھی ہمیں اچھا لگے گا۔'' اس نے متجسس ہو کر کہا تو داؤد حسن خاں

نے کاندھے اچکا کر حاضرین پہ نگاہ ڈالی پھر بھاری آواز میں بالخصوص طارق کو دیکھ کر گویا ہوئے تھے۔

تمہاری بھیگتی پلکوں سے میں نے بارہا پوچھا
کہ دل کے کھیل میں کیا جیتنے والے بھی روتے ہیں
وہ جن کی چشم بینا اوروں کو دیکھا نہیں کرتی
بھلا کس غم میں دل کے تار میں آنسو پروتے ہیں
تمہاری بھیگتی پلکوں سے میں نے بارہا پوچھا
کہ کیا مانند شیشہ پتھر میں بھی بال آتا ہے
اثر انگیز ہے اب تک محبت کا وہی جذبہ
جو ایسے ہوش مندوں کو یوں پاگل بناتا ہے

انہوں نے طارق شیرازی کا جزبز ہونا محسوس کیا اور مسکراتے رہے تھے اور پھر جیسے انہیں اس پہ رحم آیا جبھی روئے سخن شہریار کی جانب موڑا جو ارادہ بھانپتے ہی بے اختیار گھبرانے کی ایکٹنگ کرنے لگا، مگر وہ گویا معاف کرنے کے موڈ میں نہیں تھے۔

تمہاری بھیگتی پلکوں سے میں نے بارہا پوچھا
مزاج حسن میں یوں یک بیک کیا انقلاب آیا
ستارہ دیکھنا اور دیکھ کر افسردہ ہو جانا
بڑی تاخیر سے تم کو ستاروں کا حساب آیا

شہریار نے مسکینیت چہرے پہ سجا کر ان کے سامنے ہاتھ جوڑے پھر کان پکڑ لئے۔

''پلیز داؤد بھائی مجھے معاف کر دیں مت بھانڈا پھوڑیں سب کے بیچ۔'' داؤد حسن خاں مسکراتے رہے جبکہ زوحا ماہ نور اور فاروق دلچسپی کے ساتھ ہنستے انہیں جاری رکھنے کا مسلسل اشارہ دے رہے تھے۔

تمہاری بھیگتی پلکوں سے میں نے بارہا پوچھا
کہ ترک ربط پر کیا مجھ سے وحشی یاد آتے ہیں
تعلق توڑنا آسان تھا تو کیوں آنکھ یہ نم ہے
انا پرور جفا پیشہ بھی یوں آنسو بہاتے ہیں؟

شہریار اندر سے گہری افسردگی میں گھر رہا تھا مگر بظاہر خود کو سنبھالے رہا۔

''یہ باقی لوگ بھی ہزار خامیاں چھپائے بیٹھے ہوں گے پامسٹر صاحب ذرا ان کے بھی کان کھینچ لیں، صرف میری اتنی درگت بنائیں گے تو بھلے پھر بیبہ ڈارلنگ مجھے اس لمبے کانوں والی خامی کی وجہ سے رد کر دے۔'' اس نے منمنا کر کہا مگر وہ سب بے حد لطف اندوز ہو رہے تھے، داؤد حسن خاں نے کاندھے جھٹکے اور اب کے ماہ نور کی سمت دیکھ کر بطور خاص کہا تھا، جو اس جملے پہ بری طرح سے گڑبڑا گئی تھی۔

تمہاری بھیگتی پلکوں سے میں نے بارہا پوچھا
کہ جلنے اور جلانے میں بھلا کیا لطف آتا ہے
اک جھوٹی انا کے واسطے برباد ہو جانا

خودی کے زعم میں انسان کتنے دکھ اٹھاتا ہے

''ویل ڈن گریٹ امیزنگ۔'' ہر طرف سے داد و تحسین کے ڈونگرے برسائے جانے لگے۔

''آپ بس مجھے یہ بتائیں داؤد بھائی آپ ٹیلی پیتھی بھی جانتے ہیں؟'' فاروق تو جیسے ان کا گرویدہ ہی ہو گیا تھا۔

''رئیلی بالکل ہنڈرڈ پرسنٹ صحیح جج منٹ تھی آپ کی۔'' وہ کھلے دل سے تعریف کر رہا تھا، داؤد حسن خاں نے مسکرا کر کاندھے اچکا دیئے تھے۔

''نیند آ رہی ہے کوئی چائے ہی بنا لائے۔'' طارق نے منہ پہ ہاتھ رکھ کے جمائی روکی۔

''نیند آ رہی ہے یا کھسیاہٹ سے خجالت محسوس ہو رہی ہے؟'' فاروق نے مزا لیا، تو طارق نے اسے بے دریغ جھاڑ ڈالا۔

''بکو مت۔''

''میں چائے بنا کے لاتی ہوں۔'' رابیل فوراً اٹھی۔

''اللہ آپ کا بھلا کرے۔'' طارق نے نہال ہو کر دعا دی۔

''ایک تو بندے کو چھوٹا نہیں، ہونا چاہیے۔'' فاروق طارق کی جھاڑ پہ دل برداشتہ تھا منہ بسور کر بولا۔

''ہاں بالکل، خوامخواہ خاص لوگوں کے سامنے بھی سب کی برداشت کرنی پڑ جاتی ہے۔'' داؤد حسن نے کہا اور ایک زبردست قہقہہ پڑا وقاص نے ایکدم نظریں اٹھا کر حیرانی سے داؤد حسن خان کو دیکھا۔

(یہ ماموں کتنا بدل گئے ہیں اور کتنے اچھے بھی لگ رہے ہیں نا، پہلے تو اپنی عمر سے بھی بیس سال آگے کی سنجیدگی کا لبادہ اوڑھے رکھتے تھے)۔

''اب میری باری ہے میں کچھ سنا رہی ہوں۔'' زوحا نے وقاص کے گم صم کھوئے کھوئے انداز پہ نگاہ ڈالتے ہوئے گویا خصوصاً اسی کو چونکانے کو زور سے کہا تھا۔

''جی بہتر مگر مہربانی داؤد بھائی کی طرح سے کھری کھری نہ سنانا۔'' شہریار نے منہ بنا کر کہا سب ایک بار پھر ہنس پڑے۔

''جی جی ارشاد۔'' فاروق نے اپنے تئیں اس کی حوصلہ افزائی کی تھی مگر زوحا کو تو اس سے جانے کیوں بیر سا تھا۔

''آپ کیوں خوش ہو رہے ہیں، میں جو کچھ بھی ارشاد کروں گی آپ کے لئے نہیں کروں گی، آپ تو بس دعا کریں منت مانیں کہ آپ کی والی بھی کچھ ارشاد کرنے پہ آمادہ ہو جائے ورنہ ایسی امید نظر نہیں آتی۔'' اس کی بات پہ فاروق نے بس آہ بھری تھی۔

''زوحا بکو مت۔'' صوحا کچھ بولی تو ڈانٹا تھا زوحا ہنسنے لگی۔

''لیجیے ارشاد ہوا ہے میری آڑ میں آپ کو کہا گیا ہے۔'' وہ پھر فاروق کو زچ کرنے لگی، فاروق نے منہ پھلا لیا۔

''اب آپ زیادتی کر رہی ہیں مس زوحا!''

''ارے بھئی چھوڑیں پہلے میری بھی تو سنیں نا۔'' زوحا نے موضوع بدل ڈالا اسے اس وقت وقاص پہ کچھ واضح کرنے کی جلدی تھی۔

''کیا فریاد؟'' شہریار نے فقرہ چست کیا وہ زچ ہونے لگی۔

''نقار خانے میں طوطی کی کون سنتا ہے۔'' فاروق نے بھی گویا اپنا بدلہ چکایا۔

''میں احتجاجاً واک آؤٹ کر جاؤں گی یعنی میری کوئی اہمیت و قدر ہی نہیں، باقیوں سے فرمائش کر کے سنا جا رہا ہے میں منہ سے کہہ رہی ہوں پھر بھی، دیکھیے نا ماموں۔'' وہ غصے میں کہتی آخیر میں ٹھنک کر داؤد حسن خاں سے گویا شکایتی انداز میں مخاطب ہوئی تھی، جو اس طرز تخاطب پہ قدرے حیران ہوئے تھے۔

''ماموں؟ نہیں بیوقوف یہ نگی کے حوالے سے تمہارے بھائی جان ہوتے ہیں۔'' شہریار نے اپنے تئیں گویا تصحیح کی مگر اس پہ تو شرارت سوار ہو چکی تھی شد و مد سے سر کو نفی میں ہلایا۔

''جی نہیں بھائی تو یہ آپ کے ہیں ہمارے تو ماموں ہیں۔'' اس نے بطور خاص وقاص پہ ایک گہری معنی خیز نگاہ ڈال کر لفظ ہمارے پہ زور دیا، وہ اس کی اس بے باکی پہ جز بز سا ہو کر پہلو بدل رہا تھا۔

''وہ کیسے بھلا؟ ذرا سمجھانا ہمیں بھی یہ مسٹری!'' ماہ نور نے اچھا خاصا چونک کر جیسے کسی نتیجے پہ پہنچتے ہوئے فوراً ہی اس پہ گرفت کر لی۔

''سمجھا کرو یار آپی! ویری سمپل اگر یہ مسٹر وقاص کے ماموں ہیں تو پھر میرے بھی ہوئے نا۔'' اس نے شرمانے کی ایکٹنگ کی، داؤد حسن خاں اور نگین تو اس خوبصورت سے انکشاف پہ خوشگوار حیرت میں مبتلا ہوتے وقاص کو دیکھنے لگے جس کے چہرے پہ گھبراہٹ کے آثار تھے۔

''مبارک ہو برخوردار! ہم تینوں آج سے ہم زلف ہوئے۔'' فاروق نے باقاعدہ اٹھ کر وقاص سے زبردستی مصافحہ کرتے ہوئے دانت نکالے، وقاص بری طرح سے گڑبڑا گیا تھا۔

''اور میری طرف سے اس بات کی کہ آپ وہ واحد ہم زلف ہو جو پسند کرنے کے جرم دار نہیں ہوئے بلکہ پسندیدگی سے نوازے گئے ہو۔'' داؤد حسن خاں بھی ان کے ساتھ مل گئے، ماہ نور اور صوحا جھینپ گئی تھیں جبکہ زوحا نے مسکرا کر یہ بات بڑے سکون سے قبول کیا تھا، وقاص اتنا بے اوسان تھا کہ بس گھبراتے ہوئے ایک ایک کی شکلیں دیکھتا رہ گیا، زوحا نے اس کی کیفیت کو محسوس کیا اور ٹھنڈی آہ بھر کے بڑے درد یلے سے انداز میں گنگنائی۔

وہ ساجن ہو کے بھی ساجن نہیں ہے
سکھی یہ پریم ہے بندھن نہیں ہے
ادھورا ہے ہر اک سپنا ہمارا
کبھی جھولے کبھی ساون نہیں ہے

''ڈونٹ وری، ڈونٹ وری، دوسرے شعر کا مل پیش خدمت ہے، وقاص یار اب کی بار ساون میں اان کے پیپل کی مضبوط شاخ میں جھولا ڈلوا دینا اور پورے ساون گھر سے باہر نہ نکلنا اور پہلے شعر کی وضاحت کر دو لڑکی اس کا حل بھی نکال دیں گے۔'' فاروق نے فل فارم میں آتے ہوئے چہک کر کہا، جبکہ وقاص کے ہونٹ اس نئے موضوع کے آغاز اور اس کے پھیلاؤ کی وجہ سے باہم سختی سے بھینچ گئے تھے، اس کی آنکھیں بے تحاشا جلن سمیٹ لائیں اس کا جی ایکدم ہر شے سے اچاٹ ہوا تھا، اسے ہنستی مسکراتی چھیڑ چھاڑ کرتی زوحا پہ جی بھر کے تاؤ آیا تھا، جو کہہ رہی تھی۔

''فاروق بھائی بدتمیزی مت کریں، آپ کا معاملہ ابھی التوا کا شکار ہے، مجھے غصہ دلائیں گے

تو رنگ میں بھنگ ڈال دوں گی۔" فاروق اس کی دھمکی کو جیسے خاطر میں نہیں لایا تھا کان سے مکھی اڑانے کے انداز میں ہاتھ ہلا کر بولا تھا۔

"اوہو کیا ٹور ہے بھئی اور میرا آپ کو ابھی صحیح تعارف حاصل نہیں ہوا پھوٹ ڈلوانے میں ایسا ماہر ہوں، وقاص کو ایسا بھڑکاؤں گا کہ یاد کرو گی۔" فاروق نے بھرپور جوابی حملہ کیا، سبھی ان کی نوک جھونک پہ محظوظ ہو کر مسکرا رہے تھے، سوائے وقاص کے۔

"تمہیں کیا کہوں؟ صوحا ذرا خصوصیات ملاحظہ کرو بلکہ نوٹس کرو اور اپنی آنے والی زندگی کا نقشہ کھینچ لو۔" زوحا نے معصومیت کا تاثر دیتے ہوئے بھی صوحا کو بھڑکانا چاہا، مگر اس نے الٹا اسی کو جھڑک دیا۔

"بکو مت زوحا!" فاروق نے دانت نکوس کر ہاتھ سے وکٹری کا نشان بنا کر زوحا کو چڑایا تو اس نے منہ لٹکا لیا تھا۔

"چلو وقاص تم سناؤ یار!" شہریار نے اس لڑائی کا خاتمہ کرنے کو کہا تھا وقاص انکار کرنے جا رہا تھا اسی پل چائے کی ٹرے اٹھائے اندر آتی رابیل کو دیکھ کر ارادہ بدل دیا، اس نے ایک افسردہ و غمگین سی نگاہ رابیل پہ ڈالی اور بہت جذب سے بولا تھا۔

وقت رخصت آ گیا دل پھر بھی گھبرایا نہیں
اس کو ہم کیا کھوئیں جس کو پایا ہی نہیں
جتنی بھی ہے اب زندگی اک مستقل صحرا ہے
اور اس صحرا میں دور تک تیرا سایہ نہیں

اس نے محسوس کیا اس کی آواز پہ کسی نے اپنا غلبہ پا لیا ہے، اس نے داؤد حسن خاں کا بھاری ہاتھ اپنے کاندھے پہ ڈھارس کے انداز میں ٹھہرتا محسوس کیا تو سر جھکا کر ہونٹ بھینچ لیے۔

"مایوسی اچھی بات نہیں ہے ینگ مین، وش یو گڈ لک۔" تبھی انہوں نے جھک کر سرگوشی کی تھی، زوحا کی خاموش نگاہوں نے وقاص کی رابیل پہ اٹھتی نگاہ اور پھر شاعری کے مفہوم کو سمجھا تھا اور جیسے لمحوں میں اندر تک خالی ہو گئی پھر اس سے بہت دیر تک کچھ بولا ہی نہیں گیا تھا۔

"میرا خیال ہے اب مجھے گانا سنانا چاہیے شاعری تو شاید صرف ٹریجک ہی ہوتی ہے۔" فاروق نے اکتا کر کہا تھا اور پھر گلا کھنکار کر فوراً تیار بھی ہو گیا۔

ہم کو ہمی سے چرا لو دل میں کہیں تم بسا لو
ہم اکیلے کھو نہ جائیں دور تم سے ہو نہ جائیں
پاس آؤ گلے سے لگا لو
دل دھڑکا دو زلفیں بکھرا دو
شرما کے اپنا آنچل لہرا دو

"حد ادب لڑکے! کچھ تو بڑوں کا لحاظ کرو کتنے بے باک ہو تم کیسی کیسی فرمائشیں کر رہے ہو توبہ توبہ۔" طارق نے ٹوک کر گھورا سب کی ہنسی چھوٹ گئی، صوحا تو بالکل سرخ پڑ گئی تھی، فاروق نے کھسیا کر منہ بنا لیا۔

"دیکھیے میں نے کچھ کہا تو بے باک ہو گیا، میں نے کہا بھی تھا ماحول بدلنا چاہ رہا ہوں۔" وہ احتجاج کرنے لگا اور پھر گانا پورا کر کے ہی چھوڑا تھا، وہ جب تک گاتا رہا سب ہولے ہولے تالیاں

بجاتے رہے۔

"اجازت ہو تو یہ گستاخی میں بھی کر لوں؟" شہریار نے مسکینیت سے کہا تو فاروق نے ہی سب سے پہلے اسے اجازت دی تھی۔

"تھینکس۔" وہ مسکرایا اور پھر رابیل کو دیکھ کر مسکرا کر گنگنانے لگا۔

"ہمیں تم سے ہوا ہے پیار ہم کیا کریں، آپ ہی بتاؤ ہم کیا کریں۔" وہ سب کو چائے دے چکی تھی، شہریار کی تمام تر توجہ کے باوجود اس نے اسے نظر انداز کیا تھا، مگر اب مزید یہ ممکن نہیں رہا تھا، بہر حال چائے تو اسے دینا ہی تھی اور جانے کیسے کپ چھلک گیا، گرم گرم چائے شہریار کے ہاتھ اور گھٹنے پہ گری تھی، وہ بوکھلا سی گئی اور اسی بوکھلاہٹ میں ہی اپنے دوپٹے سے ہی اس کے کپڑوں کو جھاڑ کر صاف کرنے لگی، شہریار کے لبوں پہ آسودگی سے بھرپور دلفریب مسکراہٹ بکھرتی چلی گئی اور لہجہ معنی خیزی سمیٹ لایا۔

آپ سے بھی حسیں ہیں آپ کی یہ ادائیں
ہم کس ادا پہ کیوں نہ مریں
ہمیں تم سے ہوا ہے پیار ہم کیا کریں
آپ ہی بتاؤ ہم کیا کریں؟

معاً رابیل کو اس کے الفاظ اور نظروں کی معنی خیزی اور شوخی کا احساس ہوا تو ایکدم اٹھنا چاہا مگر شہریار نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بہت ہی بے باکی سے چوم لیا تھا، رابیل کو بھلا بھری محفل میں اس سے یہ توقع تھی؟ وہ تو جیسے پتھر کی ہو گئی اور اس سلگتے منظر سے نظریں چراتا دل کو پھٹتا محسوس کرتا وقاص ضبط کھو کر ایکدم سے اٹھ گیا اور داؤد حسن خاں کی سوالیہ نگاہوں کو نظر انداز کرتا سرعت سے پلٹ کر باہر نکل گیا، اسے سیڑھیوں پہ بیٹھ کر گہرے گہرے سانس بھر کے اندر کے حبس کو کم کرنے کی کوشش میں ہلکان زوحا نے بہت تاسف کی نگاہوں سے دیکھا تھا۔

"وقاص!" وہ اسے پکارتی نزدیک آ بیٹھی اور وقاص جیسے گہری نیند سے جاگا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر فاصلہ بڑھا دیا۔

"پلیز ڈونٹ ڈسٹرب می! پلیز لیو می الون پلیز۔" وہ جیسے پھٹ پڑا تھا، زوحا نے ٹھنڈا سانس بھر لیا۔

کوئی پوچھے کہ آخر یہ وفا کا بوجھ کیسا ہے
سہارا بھی نہیں جاتا اتارا جا نہیں سکتا
کہیں پہ رک بھی سکتا ہے ہمارے عشق کا سودہ
کہ جاناں حد سے آگے تو خسارہ جا نہیں سکتا

وہ برآمدے کے پلر سے ٹیک لگا کر بہت ہی پرسکون انداز میں گویا تھی، وقاص نے عاجز سا ہو کر اسے اچاٹ نظروں سے دیکھا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں جا رہے ہیں؟" وہ پیچھے سے پکاری تھی۔

"آپ پہ زور نہیں خود پہ تو اختیار رکھتا ہوں نا، میں یہاں ڈسٹرب ہونے کو نہیں آیا تھا۔" وہ مڑے بغیر کلس کر بہت جتا کر بولا تھا، زوحا کو جیسے گدگدی ہوئی تھی، اپنی جگہ سے اچھل کر وہ ایک ہی جست میں اس کا راستہ روک چکی تھی۔

''ہم تو باخوشی آپ کو سارے اختیار سونپنے کو تیار ہیں صاحب، نظر کرم کیجئے اور یہ ڈسٹرب ہونے کی کیا بات کی، جناب اس ڈسٹربنس میں بھی بہت چارم ہے محسوس کرنے کی بات ہے بس۔'' اس کے ہونٹوں پہ مسکراہٹوں کی کلیاں چٹک رہی تھیں، وقاص نے ایک نظر جو بے حد سنجیدہ تھی اس پہ ڈالی اور ٹھنڈا سانس بھرا۔

''مس زوحا! ممانی جان کی وجہ سے میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں، لیکن مجھے بے باک لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں۔'' وہ بہت سنجیدگی سے اپنی بات کہہ کر سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا جہاں تایا سائیں اور پاپا سو رہے تھے اس کا ارادہ بھی اب وہیں آرام کرنے کا تھا۔

''اسی عزت میں محبت کی چاہ ہے وقاص میاں! جبھی تو تمہارے پیچھے پیچھے خوار ہو رہی ہوں۔'' وہ مسکراتی ہوئی پلٹی اور ہاتھ میں سیل فون لئے کھڑے فاروق کو دیکھ کر ازلی اعتماد سے مسکرائی۔

''آپ یہاں خیریت؟'' اس نے کاندھے اچکائے تھے اور بولا۔

''اگر میں کہوں آپ یہاں کیا کر رہی تھیں تو؟'' اس کی آنکھوں میں خفیف سی شرارت تھی۔

''تو پوچھ لیں۔'' زوحا کا اعتماد لاجواب تھا، وہ قائل ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

''رہنے دیں سالی صاحبہ! بس ایک نظم ہے آپ کے لئے سنتی جائیے۔'' اس نے مسکراہٹ دبائی تھی زوحا نے کاندھے جھٹک کر گویا اجازت دی۔

شام ڈھلے نمناک سڑک پر برف سی رنگت والی لڑکی
کس کا رستہ دیکھ رہی ہے؟
کھڑکی کھول کر میں کیا پوچھوں کہہ دے گی وہ نین چرا کر
دنیا کتنا شک کرتی ہے
کان کا بالا ڈھونڈ رہی تھی

فاروق کی آنکھوں میں موجود خفیف سی مسکان گویا اس کا بھید کھول رہی تھی، مگر اس کی توقع کے برعکس وہ نہ گھبرائی نہ شپٹائی بلکہ ایک دلکش سی مسکان ہونٹوں پہ لا کر بولی تھی۔

''میں منافقت کو چونکہ پسند نہیں کرتی جبھی ایسا کچھ نہیں کہوں گی، بلکہ میں پوری سچائی سے اعتراف کرتی ہوں کہ یہ والی لڑکی کان کا بالا نہیں بلکہ پوری زندگی کان کے بالے لا کر دینے والے کی ذرا سی برین واشنگ کر رہی تھی۔'' اس نے اپنی بات کے جواب میں فاروق کو حیران ہوتے دیکھا اور مسکراتے ہوئے پلٹ گئی۔

(فاروق بھائی بھی اپنی جگہ ٹھیک ہیں یقیناً انہیں کیا باقی سب کو بھی میری یہ روٹین سے ہٹی ہوئی گفتگو حیران کر رہی ہے، مگر وقاص والے کیس میں اگر میں نے ہمت ہار دی تو مجھے لگتا ہے میں اس شخص کو کسی بڑے نقصان سے نبرد آزما ہونے کو چھوڑ دوں گی اور یہ ہی مجھے گوارا نہیں ہے۔)

☆☆☆

وقاص کے بعد وہاں سے اٹھنے والا طارق تھا، اس نے چھت پہ آ کر روشن چاند کی پھیلی چاندنی میں کچھ دیر ٹہل کر خود کو کمپوز کیا، رات کے تیسرے پہر کی خنکی فضا میں اپنا احساس بخش رہی تھی، سبک ہوا اس کے بالوں سے اٹھکیلیاں کرنے لگی، اس نے جیب سے سیل فون نکالا اور کچھ نمبر پش کیے۔

''السلام وعلیکم سونیا! پلیز پریشے سے بات کرائیں۔'' دوسری جانب سونیا نے جانے کیا کہا کہ وہ وثوق سے بولا تھا۔

''جتنی بھی رات ہو گئی ہو میں یہ بات اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ وہ سوئی نہیں ہیں۔'' پھر کچھ توقف کے بعد زخمی سی مسکراہٹ سمیت گویا ہوا۔

''اتنی شدید محبت کا اثر تو آنا تھا مجھ پہ بھی۔''

''السلام وعلیکم! طارق خیریت اس وقت؟''

''وعلیکم السلام جیتی رہیے اور خیریت کہاں ہے میم!''

اب تمہیں کیا بتائیں ہم کیسے تمہیں دکھائیں
سینے میں کیا اتر گیا آنکھ پہ کیا گزر گئی
اور یہ کہ
اب کیسے جاری رکھوں سفر کہ وہ کھو گیا ہے
مجھے چلتے رہنے کا حوصلہ دے کر
مزید یہ کہ
رات باقی تھی جب وہ بچھڑا تھا
عمر بیتی ہے رات باقی ہے

اور دوسری جانب پریشے گویا روہانسی ہو گئی تھی شکایت در شکایت گلہ در گلہ کے اس سلسلے سے۔

''طارق! آپ تو شکوہ نہیں کرتے تھے؟'' اس کی آواز میں تھکن اور پژمردگی تھی۔

''ہاں شاید شکوہ مجھ پہ جچتا ہے نہ اس کا حق رکھتا ہوں۔'' وہ خود ترسی کا شکار ہوتا تلخ ہونے لگا۔

(اب میں کیسے بتاؤں طارق کہ آپ کو ہی تو سارے حقوق حاصل ہیں میری ذات کے اور کیا کچھ سجتا ہے آپ پہ، یہ بے نیازی بھی اور محبت بھی یہ شکایت بھی اور گلہ بھی، مگر میں دستبردار ہو چکی خود ہی دستبردار ہو چکی۔) اس کا دل رو دیا اس کی آنکھیں خاموشی سے بہہ گئیں۔

''آپ کو بھی خوش ہونا چاہیے طارق! ایک عرصے کے بعد آپ کی فیملی کو وہ خوشیاں ملی ہیں جن کی ہر دل میں تمنا تھی'' ''مگر مجھے ان خوشیوں کی چاہ نہیں رہی پریشے! مجھے جو خوشی درکار ہے تم اس سے آگاہ ہو۔'' وہ اتنا ڈسٹرب ہو چکا تھا کہ تمام عہد از خود ٹوٹنے لگے۔

کیسے گزرتی ہے میری ہر اک شام تیرے بغیر
اگر تو دیکھ لے تو کبھی تنہا نہ ہونے دے مجھے

''طارق!'' وہ سسک اٹھی تھی پھر اس کی سسکیاں ہچکیوں میں ڈھل گئیں طارق سخت مضطرب ہوا اور بے قراری سے اسے پکارا، مگر ادھر سے رابطہ کٹ گیا تھا، طارق نے سخت ڈسٹرب ہو کے اس کا نمبر ملایا پہلے بیل جاتی رہی پھر نمبر آف کا جواب آنے لگا، طارق کے اندر پچھتاوے سے اتر آئے۔

''یہ میں نے کیا کر دیا؟ کیا ہو گیا تھا مجھے؟'' اسے بے تحاشا اضطراب نے آن لیا۔

''اچھا تو یہ بے قراری تھی جو اندر آپ کو چین نہیں لینے دے رہی تھی۔'' طارق پھر سے پریشے کا نمبر ٹرائی کر رہا تھا جب ماہ نور کی اس طنزیہ آواز پہ چونکا اور سخت بے زار ہو گیا، وہ سرد سی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تم اپنے کام سے کام رکھو تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔" جواباً وہ اس کی نظروں سے بھی بڑھ کر سرد لہجے میں بولا تو ماہ نور کو جیسے آگ لگ گئی۔

"اپنے کام سے کام رکھوں تاکہ آپ جس کے ساتھ چاہے گل چھرے اڑاتے پھریں؟" وہ غصے میں ادب لحاظ سب کچھ فراموش کرتے چیخ پڑی، طارق شیرازی کا طیش شدید غیض و غضب میں ڈھل گیا۔

"دفع ہو جاؤ ماہ نور یہاں سے سمجھ لو میرا ضبط اس سے زیادہ ہرگز نہیں ہے۔" وہ مٹھیاں بھینچ کر غرایا۔

"بیوی ہوں آپ کی جواب کے پابند ہیں آپ میرے سامنے۔" وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولی تھی، طارق نے جواباً جھلستی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"بہت جلدی خیال آ گیا تمہیں اس رشتے کی اہمیت کا۔"

"آ تو گیا نا۔" وہ نخوت سے بولی اس سے پہلے کہ طارق جواب میں کچھ سخت کہتا، شہریار سیڑھیاں پھلانگتا اوپر آ گیا۔

"افوہ یہاں سب سے چھپ کر کون سے مزاکرات ہو رہے ہیں چلئے نیچے اور یہ وقاص کہاں ہے؟"

"وہ شاید سو گیا ہے میں نے کمرے میں لیٹے دیکھا تھا اسے۔" ماہ نور، شہریار کو جواب دے کر سیڑھیاں اتر گئی، طارق کو بھی شہریار کے ساتھ نیچے کمرے میں آنا پڑا تھا، سب نے اسے یوں اٹھ جانے کی وجہ سے چھیڑا مگر وہ سنجیدہ رہا تھا۔

"ہم آپ کی طرف سے کچھ سننے کے منتظر بیٹھے ہیں۔" داؤد حسن خاں کے کہنے پہ طارق شیرازی جھجک سا گیا۔

"چھوڑیے بھائی، رات بہت ہو گئی ہے، میرا خیال ہے کچھ آرام کر لیا جائے۔" وہ جیسے دامن بچا رہا تھا، مگر سب نے شور سا مچا دیا اور اصرار کرنے لگے، اسے بے بس ہونا پڑا تھا۔

"جی بھائی! ایسا کچھ نہیں ہے آپ شروع کریں پر اس میں ایک بار پھر سب کو چائے پلا کر فریش کر دوں گی۔" رابیل نے اس عرصے میں پہلی بار خوشگوار موڈ میں بات کی تھی۔

(یہ لمحات میری زندگی کا حاصل ہیں طارق بھائی! آج میں باقی ہر احساس سے ماورا ہو کر بس ان لمحوں کے امر ہونے کی خواہاں ہوں، اس شعر کی مانند کہ۔)

وہ میرے پاس بیٹھے ہیں کہو لمحوں سے تھم جائیں
کہیں بھی دور نظروں سے نہ وہ جائیں نہ ہم جائیں

(خود کو دھوکہ دینا چاہ رہی ہوں، اپنی اور ان کی حیثیت کو بھلا کر بس نظروں کی طلب دل کی خواہش پہ لبیک کہتے ہوئے آج صرف نظروں کو سیراب کرنے کی تمنا ہے۔)

طارق نے دیکھا سب اس کو منتظر نظروں سے دیکھ رہے تھے، اس کے ذہن نے اڑان بھری اور تمام سوچیں پریشے کے آس پاس بھٹکنے لگیں، اس کی اداس اس کی وحشت کا خیال اسے رنجیدہ کرنے لگا تو ہونٹوں پہ آپ ہی آپ الفاظ مہک اٹھے۔

کبھی شبوں کے اداس آنگن میں یاد اترے
یا چاندنی اپنے بال کھولے کواڑ کے رزذو سے جھانکے

کتاب کھولو تو میرا عکس جھلملائے
ستارہ پلکوں پہ جگمگائے
کبھی جو کمرے کی کھڑکیوں سے ہوا کا جھونکا
گلاب رت کی نوید لائے، شدید بارش کے موسموں میں
حسین بیلوں کے پھول جھومیں
دعا کی خاطر جو ہاتھ اٹھیں یا دل کے صحراؤں میں بگولوں کا شور بھاگے
کبھی سسکتی ہوئی سحر میں
کبھی سرِ شام درد سانسوں میں پھیل جائے
یا پھر ہم سمت آسماں پہ ستارے ٹکرائیں دل کیے یہ صدا جیئے تو
نہ دھوپ ہو دکھ کی سر پہ
کبھی مقدر فراق لمحوں کا روگ بن کر
زبان کو دکھ کی تلاوتیں دے
اگر کبھی محفلوں میں لوگوں کے قہقہوں میں
اکیلے پن کا خیال آئے
خراب موسم میں گھر سے نکلے پرندوں کا دھیان آئے
تو جان لینا میں تمہیں یاد کر رہا ہوں

وہ خاموش ہوا تو ہر سو سناٹا بکھر گیا، وہ سب جیسے ابھی تک اس کی آواز کی گھمبیرتا اور ان الفاظ کے سحر کے زیر اثر تھے، ماہ نور جو تب سے یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی اس آس میں کہ وہ ایک مرتبہ ہی شاید نظر اٹھا کر اس دوران اسے دیکھ کر خود اس کی نگاہوں میں معتبر کر دے اس آس کو یاس میں بدلتا دیکھ کر بہت تھکے ہوئے انداز میں گھٹنوں پہ سر رکھ کے آنکھوں میں امڈتی نمی چھپانے لگی۔

(میرا دل کہتا ہے طارق میں نے پانے سے قبل ہی آپ کو کھو دیا، پتہ نہیں اس میں میری شدت پسندی کا کتنا عمل دخل ہے، یا پھر یہ سراسر مقدر کا کوئی کھیل کہ میں ایک عظیم نقصان سے دو چار ہونے کے بعد اپنے خالی ہونے کا تماشا دیکھ رہی ہوں۔) وہ خود سے الجھ رہی تھی کہ کس نے کیا کہا اسے پتہ ہی نہ چل سکا، وہ تو جب زوحا نے باقاعدہ ہاتھ ہلا کر متوجہ کیا تب وہ چونکی تھی۔

"اب تم بھی کچھ سنا دو آپا! طارق بھائی بھی تو جانیں ان کے لئے تمہارے دل میں کیا چھپا ہے۔" وہ آنکھیں مٹکا کر کہہ رہی تھی، اس نے خالی خالی سی نظروں سے پہلے اسے پھر طارق کو دیکھا اور حیرت انگیز طور پہ اسے اپنی سمت متوجہ پایا تھا اس نے گہرا سانس بھرا پھر بہت جذب سے پڑھنے لگی۔

پیار کرنے کے لئے گیت سنانے کے لئے
اک خزانہ ہے میرے پاس لٹانے کے لئے
یاد کے زخم میں وعدوں کی دھنک ہے میں ہوں
یہ بہت ہے تیری تصویر بنانے کے لئے

اس نے لمحہ بھر کا توقف کیا اور پھر سے طارق کو دیکھا اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی وہ مسکراہٹ کا بھید جانتی تھی، وہ تمسخر اڑا رہا تھا اس کا یعنی اس کے الفاظ پہ یقین کرنے کو تیار نہیں تھا،

ہاں ایسا تو ہونا تھا اسے بے یقین کرنے والی بھی تو خود وہ تھی، اس کے دل کا بوجھ یکلخت مزید بڑھ گیا۔

ترک دنیا کا ارادہ ہی کیا تھا کہ وہ شخص
آ گیا خواہش دنیا کو جگانے کے لئے
ایک ہی آگ کا بندھن نہیں بجھنے پاتا
دوسری آگ ہے تیار جلانے کے لئے

اس نے ایک بار پھر نگاہ اٹھائی طارق تکیے کو بازوؤں میں لئے بند مٹھی ٹھوڑی پہ ٹکائے اسے دیکھتا ہوا گویا اس کا بھرم رکھ رہا تھا، یہ وقت بھی آنا تھا کہ وہ دل و جان سے چاہنے والا شخص یوں محض بھرم ہی رکھے اور کچھ بھی نہیں، نہ استحقاق نہ خواہش نہ چاہت نہ وفا، ہاہ محبت کی خواب نگری یہ یہ کیسا ڈاکہ پڑا تھا، اس کا دل رو ہی اٹھا۔

راستہ روک ہی لینا ہے تغیر کا غبار
ورنہ ہر راہ کھلی ہے یہاں جانے کے لئے
کتنی صدیوں کا لہو صفحہ مقتل میں کھلا
ایک سچائی کو تحریر میں لانے کے لئے

وہ چپ ہو گئی رابیل وعدے کے مطابق اٹھ کر چائے بنانے چلی گئی، وہ سب اس کے انتظار میں مختلف باتوں میں الجھ گئے اس نے چپکے سے پھر طارق کو دیکھا، وہ کتنا شاندار تھا اور اب تو جب بھی اسے دیکھتی ہر بار اس کی شخصیت کا حسن پہلے سے بڑھ کر محسوس ہوتا اور ہر بار اپنا نقصان پہلے سے شدید تر محسوس ہوتا۔

وہ جو بچھڑے تو ملے درد قیامت جیسا
اس سے کیسا یہ تعلق ہے محبت جیسا

اس کے ذہن میں اس شعر کا عذر مچنے لگا تو تھک کر ایک بار پھر سر گھٹنوں پہ رکھ لیا، شہریار سب کے درمیان سے اٹھ آیا، کچن کی لائیٹ آن تھی اندر سے برتنوں کی کھنک باہر تک آ رہی تھی، وہ محتاط قدموں سے چلتا کچن کے دروازے پہ آ گیا، پیازی سلک کا دوپٹہ جس کے اطراف چوڑی پٹی لگی تھی اس کے کاندھے سے سرک کر زمین کو چھو رہا تھا، ریشمی بالوں کو خوبصورت سی چوٹی سے بالکل نکل کر اس کی دودھیا گردن اور گالوں سے اٹھکیلیاں کر رہے تھے، چائے دم پہ تھی جبکہ وہ سنک کے آگے کھڑی برتن دھو رہی تھی۔

تجھ سے مل کر تو یہ لگتا ہے کہ اے میری اجنبی دوست
تو میری پہلی محبت تھی تو میری آخری دوست
اب جو آئے تو احسان تمہارا لیکن
وہ قیامت جو گزرنی تھی گزر بھی گئی دوست

وہ اس کی آواز پہ بھڑک کر پلٹی تو اسے اتنا نزدیک پا کے بدک کر پیچھے ہوئی تھی۔

''آئی ایم ساری!'' شہریار نے اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

''چلے جاؤ یہاں سے ورنہ میں یہ کھولتی ہوئی چائے تمہارے اوپر انڈیل دوں گی۔'' رابیل نے بھڑک کر غصیلے لہجے میں کہا تو شہریار کے ہونٹوں پر شکستہ سی مسکان بکھر گئی۔

''اگر ایسا کرنے پہ تمہارے دل سے میری نفرت کی آگ بجھ جاتی ہے تو مجھے بالکل اعتراض نہیں۔'' وہ بڑے استقلال سے اپنی جگہ جما کھڑا رہا۔

''ایسا کرنے سے شاید میرے دل میں ذرا سی ٹھنڈک پڑ جائے، نفرت کے کبھی کم ہونے کا امکان نہیں ہے۔'' رابیل نے ہونٹ سکوڑ کر برہمی سے کہا۔

''چلو یونہی سہی مجھے پھر بھی اچھا ہی لگے گا۔'' وہ ہنوز سنجیدہ تھا۔

''شہریار کیا چاہتے ہو؟ ابھی جس قسم کی گھٹیا حرکتیں تم نے اندر کیں میں انہیں بہت مجبوری میں برداشت کر پائی ہوں۔''

''پلیز بیبہ! معاف کر دو میں وعدہ کرتا ہوں کہ......''

''کہ کچھ نہیں، مزید کچھ نہیں، سمجھو یہ کھیل ختم ہو چکا، مجھے تم سے کچھ نہیں سوائے ایک چیز کے۔'' وہ بہت اطمینان سے کہتی کپوں میں چائے ڈالنے لگی۔

''کیا؟...... کیا بیبہ! تمہارے لئے جان بھی حاضر ہے اک بار کہہ کر آزما کر تو دیکھو۔'' وہ بے تاب سا ہونے لگا۔

''انف! یہ ڈائیلاگ مت جھاڑو مجھے تمہاری جان کا کیا کرنا ہے، مجھے جو چاہیے بس وہی دے دو عنایت ہو گی۔'' اس نے کس قدر نخوت سے کہا تھا رابیل ٹرے اٹھا کر کچن سے نکل آئی وہ اس کے پیچھے بھاگا تھا۔

''تم نے بتایا نہیں بیبہ!''

''جلدی کا ہے کی ہے، کل بتا دوں گی۔'' وہ زہر خند سے کہہ کر تیز قدموں سے چلتی برآمدہ پار کر کے کمرے میں جا گھسی، شہریار گنگناتے ہوئے سرخوشی کے عالم میں اس کے پیچھے لپکا تھا، اسے لگ رہا تھا اس نے وہ پل صراط عبور کر لیا تھا جو بہت کٹھن تھا۔

☆☆☆

آج داؤد حسن خاں کے ہاں ان سب کی دعوت تھی اور وہ سب ہی جانے کو تیار بھی تھے، طارق صبح ہی اپنے گھر چلا گیا تھا، داؤد حسن خاں بھی ناشتے کے بعد چلے گئے، نگین کو البتہ زوحا نے روک لیا تھا، پھر وہ سب نگین کے ساتھ ہی اس کے گھر گئی تھیں، اتنی بڑی دعوت تھی کام بھی اسی حساب سے تھے، زوحا نے خوب گھوم پھر کے پورا گھر دیکھا تھا، بھرپور تعریف کرتے ہوئے بولی تھی۔

''آپ کا گھر بہت خوبصورت ہے مگر تمہارا بیڈ روم خاص طور پہ۔''

''میرا کہاں داؤد کا، میرا تو دوسرا کمرہ ہے دکھاتی ہوں تمہیں۔'' وہ کچن میں رات کے کھانے کی تیاری کے لئے آنے والے سامان کی فہرست بنا رہی تھی، بے خیالی میں کہہ گئی اور زوحا سے پھر بھلا بچنا آسان تھا، صوحا بھی حیران ہوئی تھی۔

''مطلب کیا ہے تمہاری اس بات کا وضاحت تو دو، کیا داؤد بھائی سے خفا ہو تم۔'' ان سب کی تشویش بالکل فطری تھی اور نگین تو اپنی بے اختیاری پہ خود پھنسی تھی۔

''کچھ نہیں یار وہ بس ہمارا نکاح ہوا تھا نا مگر سمجھ آج رخصتی ہو جائے گی، داؤد نے رات کچھ ایسا ہی اشارہ دیا تھا۔'' وہ شرم سے سرخ چہرے سمیت جھجک کر بتا رہی تھی۔

''واؤ رومینٹک، پھر تو سیلبریشن ہونی چاہیے نا، ہم داؤد بھائی کو سرپرائز دیں گے، باقاعدہ

دلہن بنائیں گے تمہیں۔'' زوحا نے منٹوں میں پروگرام سیٹ کرلیا، نگین بوکھلا گئی۔

''ارے نہیں پلیز وہ کیا سوچیں گے؟''

''کیا سوچیں گے دعائیں دیں گے ہمیں باقاعدہ۔'' زوحا نے مزے سے کہا اور پھر اس کے منع کرنے کے باوجود اسی بات پہ اٹک گئی اور اس کے لئے ڈریس وغیرہ لینے کا پروگرام ترتیب دے لیا۔

''بس چھوڑو تم سب میرے ساتھ چلو۔''

''ارے کیسے گھر پہ اتنی بڑی دعوت ہے نہیں جاسکتی بھئی۔''

''تم دلہن ہو سب کچھ چھوڑ دو، صوحا کرلیں گی۔''

''اسے کیا پتہ میں ہیلپ تو کراؤں گی نا تم ایسا کرو اگر ضروری ہے تو پھر وکی کے ساتھ جاکے لے آؤ جو لانا ہے میں پہن لوں گی اب خوش؟'' نگین نے کہہ کر گویا اس کے دل کی کلی کھلا دی، اگلے چند لمحوں میں وقاص کو بلوایا گیا اور ساری بات سامنے رکھی گئی۔

''آئیڈیا تو اچھا ہے۔'' وہ سراہے بغیر نہیں رہ سکا۔

''ہمارا ہے جناب اچھا کیسے نہ ہوگا، آپ بس گاڑی کی چابی اٹھائیں اور شاپنگ کے لئے چلیں۔''

''آپ کے ساتھ کیوں؟'' وقاص نے بے اعتنائی سے اسے دیکھا۔

''آپ کی ممانی مصروف ہیں یہ کام ماہ بدولت کے سپرد ہوا ہے۔'' وہ گردن اکڑا کر کہہ رہی تھی اور جب نگین نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی تو وہ جز بز ہوگیا تھا۔

''مگر مامی میں اکیلا کہیں جاؤں گا بس۔''

''اکیلا کہاں میں ساتھ ہوں گی آپ کے۔'' وہ بڑی معصومیت سے بولی تھی، آنکھیں پٹپٹا کر، وقاص نے دانت بھینچ لئے۔

''آپ کی وجہ سے ہی نہیں جارہا ہوں۔''

''کب تک بچیں گے۔'' وہ معنی خیزیت سے مسکرائی اور وقاص کا حلق تک کڑوا ہوگیا عجیب ڈھیٹ لڑکی تھی۔

''مامی! سن لیا آپ نے آپ چلیں گی تو جاؤں گا میں ورنہ......''

''سویٹ ہارٹ مجبوری بھی تو سمجھو نا جاؤ میرے چاند پلیز۔'' نگین نے اتنی لجاجت سے کہا کہ وہ کلستا پیر پٹختا ہی سہی مگر اس کے ساتھ چلا آیا تھا۔

زوحا کے انگ انگ میں جیسے سرشاری سرایت کرنے لگی تھی، اس نے نگین کے لئے سرخ بنارسی ساڑھی کا انتخاب کیا تھا ساتھ میں سرخ ہی نگینوں کی میچنگ جیولری اور سینڈل، پھر وہ اسے لئے ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں گھس گئی، فریچ پرفیوم میک اپ کا سامان، اس کے بعد وہ شوریک میں پڑے ہوئے کیچر دیکھتے وقاص کی سمت آگئی، جو ہاتھ میں پکڑے کیچر کو دیکھ رہا تھا۔

''بہت خوبصورت ہے کیا یہ آپ نے مجھے گفٹ دینے کے لئے چوز کیا ہے۔'' زوحا نے شرارتی انداز میں کہتے کیچر اس کے ہاتھ سے لے لیا، میٹل کا گولڈن کیچر جسے سرخ چمکتے پتھر نے خیرہ کن چمک دمک دے رکھی تھی۔

''خوش فہمی ہے آپ کی میں یہ مامی کے لئے دیکھ رہا تھا۔'' وہ نخوت سے کہہ کر اس سے کیچر

واپس لینا چاہتا تھا کہ زوحا نے ایک دم ہتھیلی سمیٹ کر مٹھی بند کرلی۔

''چلیں ابھی نہ سہی کبھی نہ کبھی تو آپ میرے لئے بھی کچھ خریدیں گے نا۔'' وہ بددل ہونے والوں میں سے کہاں تھی، بے نیازی سے بولی۔

''ایسا کبھی نہیں ہوگا بہتر ہے کہ آپ اپنے بڑھتے قدموں کو یہیں سے واپس موڑ لیں۔'' وقاص کے لہجے میں صرف تنبیہ نہیں تھی دل شکنی کا بہت واضح عنصر تھا، ایک لمحے کے لئے زوحا کا چہرا پھیکا پڑا۔

''میں ہارنے والوں سے ہوتی تو کبھی آگے نہ بڑھتی آپ کو میرے جذبوں کو قبولیت بخشنی ہو گی۔'' وہ دوٹوک لہجے میں بولی تو وقاص نے سرد نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''آپ کو یاد ہو تو میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ مجھے بے باک لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں۔''

''بہت بہتر میں خود کو آپ کی پسند کے سانچے میں ڈھال لوں گی پھر تو آپ کو اعتراض نہیں ہوگا نا؟'' وہ بہت آس لئے اس کی سمت دیکھنے لگی، وقاص ٹھٹھک گیا۔

''دنیا ایک وقاص پہ آکے ختم نہیں ہوجاتی ہے میر آپ کو مخلصانہ مشورہ ہے اپنی راہ بدل لیں۔'' وہ ایک طرح سے پھر صاف جواب دے کر آگے بڑھ گیا، مگر زوحا کا اس کی نصیحت پر عمل کرن کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

☆☆☆

ہو نہ دنیا میں کوئی ہم سا بھی پیاسا لوگو!
جی میں آتی ہے کہ پی جائیں یہ دریا لوگو!
کتنی اس شہر کے سخیوں کی سنی تھیں باتیں
ہم جو آئے تو کسی نے بھی نہ پوچھا لوگو!
اتفاقاً ہی سہی پر کوئی در تو کھلتا
جھلملاتا پس چلمن کوئی سایہ لوگو!
جی کی جی میں ہی رہیں حسرتیں طوفانوں کی سنی
آسفینہ تو کنارے پہ ہی ڈوبا لوگو!

اس کے اندر اتنی وحشت اتری تھی، ایسا اضطراب کہ پورا وجود بزرخ میں جا پڑا تھا، کسی پل چین تھا نہ قرار، ابھی کچھ دیر قبل مما نے کیسے ہنستے مسکراتے ہوئے اسے بتایا تھا بھلا کیا بتایا تھا اسے جیسے ذہن پہ زور ڈالنا پڑا حالانکہ جب اسے بتایا گیا تھا تو اسے باقی سب بھول گیا تھا صرف وہی یاد رہ گیا تھا جس نے تن بدن میں آگ بھر دی تھی، ایزد شہریار اپنی شادی شدہ حیثیت، آہ سر! تو گویا آج سے یہ کھیل بھی ختم ہوا آپ بھی کسی اور کے ہوجائیں گے میں بھی ہو چکی، اگر یہی کچھ ہونا تھا تو محبت نے اتنی شدت سے کیوں میرا ہاتھ تھاما تھا کیوں، وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی رو رو کر تھکی مگر غم نہیں ڈھلا صبح تو اس نے بہانہ بنا کر جانے سے انکار کردیا تھا، اب جبکہ سب تیار تھے جانے کو تو وہ کیا بہانہ بنائے بھلا وہ دیکھ سکتی تھی نگین کے چہرے کی چمک، بھلا وہ برداشت کرسکتی تھی سر کی توجہ نگین کی سمت۔

وہ جس کے دل نے زندگی میں اگر کوئی سب سے شدید خواہش کی تھی تو وہ سر داؤد کو پانے

انہیں حاصل کرنے کی تھی، انہوں نے رد کیا تو ضد غصے اور بد دلی میں اس نے خود کو بربادیوں کے حوالے کر دیا تھا، شہریار کو اپنانا بربادی ہی تو تھی اب وہی قربت جس کے لئے وہ پل پل سسکی تھی مچلی تڑپی تھی نگین کو ملنے جا رہی تھی کیسے نہ اس کا دل ہوکتا اندر محشر کیسے برپا نہ ہوتا۔

''بیٹے! مما بلا رہی ہیں تمہیں، کہہ رہی ہیں تیار ہو جاؤ نگی کی طرف جانا ہے۔'' وہ گھٹ گھٹ کے رو رہی تھی سب سے چھپ کر اپنی محبت کا ماتم کر رہی تھی جب شہریار اسے ڈھونڈتا ہوا اسٹور تک آ گیا اسے روتے ہوئے پا کر اس نے ہونٹ بھینچ لئے تھے، (بھلا کس وضاحت کی ضرورت تھی؟ وہ سب جانتا تھا اس کے دل کے درد کو بھی اور اپنے دل کے روگ کو بھی۔)

رابیل نے آنسوؤں سے جل تھل نظریں اٹھائیں وہ خود وائیٹ شلوار کرتا میں فریش شیو کی نیلاہٹوں کے ساتھ نکھرا ستھرا یقیناً جانے کو تیار تھا۔

''کیوں سر پہ سوار ہو؟ جاؤ یہاں سے، مجھے کہیں نہیں جانا، سنا تم نے دفع ہو جاؤ اب مجھے میرے حال پہ چھوڑ دو۔'' وہ چیخ پڑی تھی دل و دماغ کی اس اذیت نے اس کے اعصاب بہت تناؤ میں ڈال دیئے تھے۔

''آغا، بیہ بیٹا کہاں ہو؟'' ماما انہیں پکار رہی تھیں شہریار گہرا سانس بھر کے دروازے کی جانب ہوا تھا۔

''یہاں ہوں ماما! رابیل بھی یہیں ہے۔''

''یہاں وہ کیا کر رہی ہے؟'' ماما حیران سی اندر آئیں انہوں نے انگوری چکن پر بڑے کا سوٹ پہنا ہوا تھا، یقیناً وہ بھی جانے کو تیار تھیں، (اب کیا ہوگا کیا ماما ایک بار پھر اسے مجبور کر کے ساتھ لے جائیں گی؟ نہیں، اگر ایسا ہوا تو شاید وہاں شدت ضبط کی کوشش میں ہار کر مجھے نروس بریک ڈاؤن ہو جاتے یا میرا ہارٹ فیل ہو جائے) اسے یقین سا آنے لگا۔

''کیا ہوا بیٹا! آغا لائٹ جلاؤ مجھے تو نظر ہی کچھ نہیں آ رہا ہے۔'' ماما نے اندر آ کر کہا تھا رابیل اگر چاہتی بھی تو اتنی جلدی خود کو نہیں سنبھال سکتی تھی، اس کی آنکھیں شدت گریہ سے سوج گئی تھیں اس کے پیٹ میں درد ہے ماما! رو رہی ہے، میں تو کہہ رہا ہوں میرے ساتھ چلے ڈاکٹر کے پاس مگر مانتی نہیں، یہ شہریار نے کہا تھا، رابیل نے ٹھٹھک کر اسے دیکھا، (شاید وہ اپنا بھرم رکھ رہا تھا یا اس کا جو بھی تھا اسے شہریار کی اس مدد نے بہت ریلیکس کیا۔)

''پیٹ میں درد ہے بتایا کیوں نہیں، چلو ابھی میں خود ڈاکٹر کے پاس لے چلتی ہوں۔'' ماما تو پریشان ہو اٹھیں، ماہ نور اور پاپا بھی وہیں آ گئے، رابیل کو کچھ نہیں سوجھا اب کیا کرے تب پھر شہریار ہی کی مدد کو بڑھا تھا اور ان سب کو مطمئن کر کے بھیج دیا یہ کہہ کر وہ رابیل کو ڈاکٹر کے پاس لے جائے گا اگر اس کی طبیعت سنبھلی تو وہاں نگی کے ہاں بھی لے آئے گا۔

اور ماما کے لئے تو یہ ہی بے حد خوشی کا مقام تھا کہ رابیل کی خاموشی اس کا اقرار تھی گویا وہ شہریار کے ساتھ گھر پہ رہنے اور ڈاکٹر کے ساتھ جانے پہ آمادہ تھی تو اس کا صاف مطلب یہی تھا اس نے شہریار کے لئے گنجائش نکالی تھی، ان سب کے چلے جانے کے بعد ماحول ایکدم بہت پرسکون ہو گیا تھا، وہ اپنے دکھوں اور وحشتوں کے ساتھ تنہا رہ گئی، شہریار نے اسے پھر ڈسٹرب نہیں کیا، یہاں تک کہ ایزد کو بھی خود ہی سنبھالتا رہا، اسے نہیں پتہ تھا شہریار کہاں تھا اسے اس سے کوئی غرض بھی نہیں تھی، وہ سٹور سے اٹھ کر کمرے میں آ گئی اور یونہی روتے سسکتے جانے کب اس کی آنکھ لگی

تھی، دوبارہ اس وقت کھلی جب ایزد رو رہا تھا، اس نے جلتی ہوئی آنکھیں ذرا سی کھول کر دیکھا، ایزد اس کے پہلو میں لیٹا ہاتھ پیر پٹخ کر چلا رہا تھا، اسے ناچاہتے ہوئے بھی اٹھنا پڑا، اس کا سر بہت بھاری تھا اسے آنکھیں کھولنا بھی مشکل تھا، مگر اس نے اٹھ کر کسی نہ کسی طرح ایزد کے لئے فیڈر تیار کیا، واپس اندر آئی تو ایزد کو شہریار کے پاس دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔

''تم...... تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' اس نے آگے بڑھ کر غصے سے ایزد کو اس سے چھیننا چاہا، وہ بھول چکی تھی شام سے شہریار ہی اس کے ساتھ ہے، وہی تب سے ایزد کو بھی بہلائے ہوئے ہے اسے کچھ بھی یاد نہیں تھا اب ذرا ذہن بیدار ہوا تو نفرت پر جاگ اٹھی تھی۔

''لاؤ اسے میں دودھ پلا کے سلا دیتا ہوں۔'' شہریار نے نرمی سے کہتے اس سے فیڈر لینا چاہا، مگر رابیل نے غصے سے پیچھے کو دھکا دیا تھا، پھر جھپٹنے کے انداز میں ایزد کو بھی اس سے لے لیا۔

''ہرگز نہیں، بس تم جاؤ یہاں سے۔'' وہ حلق کے بل غرائی تھی۔

شہریار گہرا سانس بھر کے رہ گیا، رابیل نے روتے ہوئے ایزد کو گود میں لٹایا اور فیڈر منہ سے لگائی، مگر وہ تو رو رو کر اس کے ہاتھوں سے اس کی گود سے نکلا جا رہا تھا، رابیل اگلے دس منٹ میں ہی اسے چپ کروانے کی کوشش میں خود ہلکان ہو گئی، بچہ اس سے زیادہ ماما سے مانوس تھا، ابھی تک وہی اسے سنبھالتی آئی تھیں یہی وجہ کہ رابیل کو نہ تو بہلانا آتا تھا نہ ہی وہ اس سے مانوس تھا اتنا، وہ چند لمحوں میں ہی جھنجھلا گئی۔

''اسے مجھ دو شاید مجھ سے بہل جائے۔'' شہریار ایک بار پھر اس وقت اندر آیا تھا جب وہ غصے میں ایزد کو ڈانٹ ڈپٹ رہی تھی، رابیل نے کچھ دیر اسے گھورا پھر ایزد کو اس کے ہاتھوں میں پٹخ دیا۔

''ہاں کراؤ اسے چپ نہیں تو بیشک ماما کو دے آؤ۔'' شہریار نے کچھ کہے بغیر ایزد کو کاندھے سے لگ کر تھپکتے ہوئے اسے دیکھا جو کوفت زدہ سی دونوں ہاتھ اٹھا کر کاندھوں پہ بکھرے بالوں کو سمیٹ کر کیچر میں جکڑ رہی تھی، سوتے سے اٹھ کر آئی تو دوپٹے کا ہوش کہاں تھا یا ایزد نے اسے اتنے موقع ہی نہ دیا تھا، سی گرین ہاف سلیو کی شرٹ میں اس کا سانچے میں ڈھلا سراپا کچھ اس طور سے نمایاں تھا کہ شہریار کی اٹھی ہوئی نگاہ ٹھہری رہ گئی۔

کتنا مکمل ماحول تھا پرسکون گھر کی فضا وہ دونوں اور چھوٹا سا بچہ، شہریار کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ اتری تو آنکھیں لو دینے لگیں، یقیناً یہ اس کی نگاہوں کی تپش کا ہی احساس تھا کہ رابیل نے چونک کر اسے دیکھا اور اس کی نظروں کا مرکز خود کو پاتے ہی بالوں میں کیچر جکڑتے اس کے ہاتھ سرعت سے نیچے گر گئے، اسی پل اسے دوپٹے کی کمی کا احساس بہت شدت سے ہوا تھا، اس کا چہرا جانے کس احساس کے زیر تحت تپنے لگا، وہ سرعت سے پلٹ کر اندر چلی گئی۔

شہریار نے دس منٹ کے بعد اندر قدم رکھا تو وہ پلنگ پہ بیٹھی تھی دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹ رکھے تھے، دوپٹہ بہت سلیقے سے پیشانی تک اوڑھا ہوا تھا، شہریار کے ہونٹوں پہ جانے کیا سوچ کر مسکراہٹ بکھر گئی۔

''تم ابھی تک یہاں کیوں ہو جاؤ تم بھی۔'' وہ جھک کر سوئے ہوئے ایزد کو اس کے پاس لٹا رہا تھا جب شہریار نے اس کی سرد سی آواز سنی تھی۔

''کہاں جاؤں؟'' وہ استعجابی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

''جہاں سب گئے ہیں۔'' وہ اس گم سم سی کیفیت میں سامنے دیکھ رہی تھی۔

''تمہیں اکیلا چھوڑ کے کیسے چلا جاؤں؟''
''تمہارے ہونے سے بھی مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' وہ بھرپور بیگانگی سے بولی
''آئی نو، لیکن مجھے پڑتا ہے۔''
''شہریار!'' وہ غرائی، پھر خوفناک تیوروں سے اسے دیکھ کر بولی تھی۔
''تم جانتے ہو میں آج کیوں رو رہی تھی؟''
''جانتا ہوں۔'' شہریار جیسے پھر سے اذیت میں مبتلا ہونے لگا۔
''مگر میں بتانا چاہتی ہوں میں آج بھی سر سے اتنی ہی محبت......''
''تمہیں کہنے کی ضرورت نہیں میں جانتا ہوں۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولا اور جیسے رابیل ایک کمینی سی خوشی محسوس کرتے ہوئے ہنسی۔
''تمہاری اس سے بڑی شکست اور کیا ہو سکتی ہے بھلا؟''
''محبت میں بڑی گنجائش نکلتی ہے بیبہ! محبت کی حقیقت یہ ہے کہ جب کسی سے ہو تو پھر اس دل میں ایک قبرستان بھی وجود میں آتا ہے، جہاں محبوب کی ساری خامیوں کو دفن کر کے محبوب کو چاہنے کا بس ایک کام کیا جاتا ہے، رابیل میں تمہیں اس حقیقت کو جاننے کے باوجود چاہتا ہوں چاہوں گا، بس تم مجھے معاف کر دو۔'' وہ اپنی بات کہہ کر آہستگی سے پلٹ کر چلا گیا، رابیل جیسے پتھر کی ہو گئی تھی۔

☆☆☆

ہتھیلیوں کی دعا پھول لے کے آئی ہو
کبھی تو رنگ میرے ہاتھ کا حنائی ہو
کوئی تو ہو جو میرے تن کو روشنی بھیجے
کسی کا پیار ہوا میرے نام لائی ہو
گلابی پاؤں میرے چمپئی بنانے کو
کسی نے صحن میں مہندی کی باڑھ اگائی ہو
کبھی تو میرے کمرے میں ایسا منظر بھی
بہار دیکھ کے کھڑکی سے مسکرائی ہو
وہ سوتے جاگتے رہنے کے موسموں کا فسوں
کہ نیند میں ہوں مگر نیند بھی نہ آئی ہو

کبھی وہ یہ صرف سوچ سکتی تھی حسرت سے مگر اب اس کا اہتمام بھی ہو چلا تھا، داؤد حسن خاں کے آنے سے قبل تک سارا انتظام مکمل تھا، یہاں تک کہ وقاص نے پھولوں سے ان کے کمرے کی بہت اچھی آرائش بھی کر دی تھی۔
''مامی ایک نظر آ کر اپنا بیڈ روم دیکھیے ذرا۔'' وہ اپنے کمرے میں تیار ہو رہی تھی جب وقاص خاصے جوشیلے انداز میں آیا تھا، مگر اسے ریڈ بنارسی ساڑھی کے ساتھ ریڈ میک اپ میچنگ جیولری سے آراستہ دیکھ کر چند لمحوں کو گویا اسے پہچان بھی نہیں سکا۔
''ماشاءاللہ آفت لگ رہی ہیں مامی۔'' اس کی نگاہوں میں ستائش ہی ستائش تھی، نگین جھینپ سی گئی۔

''ہمارا کمال ہے جناب ہماری بھی تعریف کیجئے۔'' وہ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑی اپنے تراشیدہ بالوں کو سنوار رہی تھی چہک کے بولی، وقاص نے ایک نگاہ غلط انداز بھی اس پہ نہیں ڈالی۔
''تمہارے ماموں نہیں آئے ابھی تک؟'' نگین کو سب سے زیادہ فکر یہی تھی، وہ زور سے ہنسا۔
''ہم نے مختلف کاموں میں اٹکایا ہوا ہے اب بلاتے ہیں آپ کی تیاری مکمل ہو گئی ہے نا۔'' وہ شرارت سے گویا ہوا تھا نگین نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا۔
''مسٹر وقاص حسن ایک کام کیجئے گا پلیز۔'' وہ مڑ کر جانے لگا تو زوحا نے بے ساختہ پکار لیا، انداز ایسا تھا کہ وہ مڑ کر سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا، وہ برش پھینک کر چند قدم چل کے اس کی جانب آئی پھر بڑے اسٹائل سے دوپٹہ لہرا کر بولی تھی۔
''کیسی لگ رہی ہوں؟'' اس کی نگاہوں میں صرف شرارت نہیں تھی شوخی کے ساتھ ساتھ زندگی کے خوبصورت رنگ بھی تھے، جبکہ وقاص کا موڈ بری طرح سے تباہ ہوا تھا۔
''میں فضول سوالوں کے جواب نہیں دیا کرتا۔'' اس نے تنک کر درشتی سے کہا اور ایک جھٹکے سے پلٹ کر چلا گیا، زوحا ہنس رہی تھی جبکہ نگین ایک پل کو حرکت بھی نہیں کر سکی، اسے وہ وقاص نہیں لگا اسے وہ داؤد حسن خاں لگا تھا ہر خوشی ہر احساس سے دور اپنے خول میں سمٹے ہوئے داؤد وہ گم صم کھڑی تھی۔

☆☆☆

نیوی بلیو پینٹ کوٹ میں ملبوس داؤد حسن خاں اپنے چہرے کی مہربان کھلی کھلی مسکان کے ساتھ عام دنوں سے ہٹ کر بہت زیادہ شاندار نظر آ رہے تھے، وہ فرداً فرداً سب سے ملے اور رابیل کی کمی کو محسوس کر لیا۔
''رابیل نہیں آئیں؟'' انہوں نے یہ سوال ماما سے کیا تھا، جو انہیں تفصیل بتانے لگی تھیں، مگر وقاص نے ماما کا جواب نہیں سنا۔
(نہیں آئی تو اچھا ہوا نا ماموں، کتنے لوگ اذیتوں سے بچ گئے وہ خود میں آپ، آہ محبت ایک بار دامن پکڑ لے تو عمر بھر کو نہیں چھوڑتی نارسائی اک بار وجود میں گھر کر لے تو پھر کہیں اور نہیں جاتی بے دری کا درد اسے بھی پتہ ہے اور وہ اس درد میں مبتلا ہونا نہیں چاہتیں)۔
داؤد حسن خاں ماما سے رابیل کے متعلق بات کرتے رہے تبھی زوحا کے ہمراہ نگین اسی سمت آتی نظر آئی، داؤد حسن خاں کی سرسری نگاہ اٹھی پھر وہ جامد سے اسے دیکھتے چلے گئے تھے۔
(جاری ہے)

میرے ساحر سے کہو

ام مریم

پچھلی قسط کا خلاصہ

نگین باپ کی بیماری کا سن کر خود کو روک نہیں پاتی اور ہاسپٹل ان سے ملنے چلی جاتی ہے جہاں عنایت علی شاہ ضمیر کی عدالت میں پیش ہیں، وہیں نگین کی ملاقات شہریار کے ساتھ زوحا، صوحا اور سلطان شاہ سے بھی ہوتی ہے، وہ سب کو اپنے اور داؤد کے رشتے کا بتاتی ہے۔

وقاص، نگین کی تاکید پہ عنایت علی شاہ کی خبر گیری کو ہاسپٹل آتا ہے تو زوحا سے اس کا پہلا ٹکراؤ ہوتا ہے، زوحا کو وہ اپنے لئے دیئے انداز اور بے نیازی کے ساتھ بہت بھاتا ہے وہ اسے قدم قدم پہ تنگ کرتی ہے۔

رابیل کو نا چاہتے ہوئے بھی شہریار کے ساتھ ہاسپٹل جانا پڑتا ہے مگر راستے میں وہ شہریار کو کھری کھری سنا کر بھی کلستی رہتی ہے، ہاسپٹل میں اس کا سامنا ایک عرصے بعد داؤد حسن خان سے ہوتا ہے وہ خود کو بے حد اذیت سے دوچار محسوس کرتی ہے ایسے میں شہریار کا جذباتی سہارا اسے بہت حوصلہ دیتا ہے مگر وہ یہ سہارا لینے کو آمادہ نہیں۔

وقاص رابیل کو دیکھ کر پھر سے اپنے اندر اکھاڑ بچھاڑ سی محسوس کرتا ہے وہ اس اذیت سے چاہ کر بھی فرار حاصل نہیں کر پا رہا۔

طارق اماں کے بلاوے پر نا چاہتے ہوئے بھی جانے کو تیار ہے، پریشے اسے بہت خوشی سے رخصت کرتی ہے مگر طارق کا دل بوجھل رہتا ہے، اماں کے رشتہ مانگنے پہ ماہ نور بہت سخت الفاظ میں فاروق سے انکار کرتی ہے جس پر فاروق ہرٹ ہو کر طارق کو سب کچھ بتا کر جلد آنے کی تاکید کرتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

اٹھائیسویں قسط

فاروق، ضوبا اور طارق شیرازی کے ہمراہ تائی اماں، ماہ نور کو پورے اعزاز کے ساتھ رخصت کرا کے لے گئی تھیں، اب گھر کے لوگ تھے جانے کی تیاریوں میں مصروف، ماما دو تین مرتبہ رابیل سے بھی تیاری کا کہہ چکی تھیں مگر وہ تو گویا ان سنی کیے لاپرواہ سے انداز میں اپنی بجائے ان کی تیاری کرانے میں مصروف تھی، جانے کیا دل میں ٹھان رکھی تھی ماما کو کئی مرتبہ اس سوچ سے تشویش نے گھیرا مگر دانستہ کچھ کہنے سے احتراز برتا، پاپا کی فرمائش پہ وہ کچن میں آ کر چائے بنانے لگی تھی جب کسی ایسے ہی موقعے کی تاک میں شہریار بھی لپک کر اس کے پیچھے آیا تھا۔

''بیہ پلیز ایک کپ چائے کا میرے لئے بھی بنا دو اگر زحمت نہ ہو تو۔'' آخری فقرہ اس نے دانستہ کہا تھا، دل جواب میں کسی خوش فہم سے فقرے کو سننے کا خواہش مند تھا۔

''نہیں زحمت کیسی، جبکہ انسان کو یہ بات بھی پتہ ہو کہ یہ ایسا کام ہے جو آپ زندگی میں آخری بار کرنے والے ہیں تو چاہے وہ کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو طبیعت پہ گراں نہیں گزرتا۔'' پانی بڑھاتے ہوئے وہ اطمینان بھرے انداز میں کہہ رہی تھی، شہریار نے بہت الجھ کر بلکہ ٹھٹک کر اسے دیکھا۔

''آخری بار؟''

''خدانخواستہ ایسا کیوں کہا تم نے بیہ!'' اس کا دل انجانے خدشات کی یلغار لئے زور زور سے دھڑکنے لگا۔

''تمہیں یاد ہے شہریار کل رات میں نے تم سے کچھ مانگا تھا اور تم نے وعدہ بھی کیا تھا؟''

''ہاں بالکل یاد ہے بلکہ سچ پوچھو تو میں اسی سلسلے میں بات کرنے کو تمہارے پاس آیا ہوں، کہو نا کیا بات ہے؟'' شہریار نے جواباً بہت تجسس اور وارفتگی سے اسے دیکھا ایسی وارفتگی جس میں محبت مان اور اپنائیت کے رنگ تو تھے ہی بے تابی بھی چھلکی پڑتی تھی۔

رابیل نے کھولتے ہوئے پانی میں پتی ڈالتے ہوئے نگاہ بھر کے بہت دھیان سے اسے دیکھا، وہ کتنا فریش اور خوش باش نظر آتا تھا اس کے اندر ایکدم زہر اترنے لگا۔

''مما مجھے اپنے ساتھ گاؤں یعنی تمہاری حویلی لے جانا چاہ رہی ہیں، وہ بھی اپنی جگہ ٹھیک ہیں تمہاری بیوی کی حیثیت سے مجھے وہاں ہی جانا چاہیے مگر مسئلہ یہ ہے کہ میں وہاں جانا نہیں چاہتی۔''

''نو پرابلم بیہ! جہاں تم رہنا چاہو گی میں وہیں رکھوں گا تمہیں آئی تھنک ماما کو بھی اعتراض نہیں ہوگا، بس ہم سب تمہاری خوشی چاہتے ہیں۔'' وہ سانس لینے کو رکی تھی جب شہریار نے اس کی بات کاٹ کر جلدی سے کہا تو رابیل نے ایک بار پھر تیکھی سرد سی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''میری بات ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی، ہم نہیں صرف میں اور ایز د! مجھے اب کسی بھی صورت تمہارا ساتھ قبول نہیں ہے، یہ مجبوری کا بندھن تھا، تم جانتے ہو مجھے ساتھ تو تمہارا کبھی بھی قبول نہیں تھا مگر اب سمجھو کہ میں اس نام نہاد بندھن کے سارے تقاضے ختم کر دینا چاہتی ہوں، جتنی نفرت مجھے تم سے ہے اس کے بعد یہ ہی میرا حتمی فیصلہ ہونا چاہیے تھا جو میں نے کر لیا کہ ہم الگ الگ تو ہیں ہی کیوں نہ ضابطے کی کارروائی بھی مکمل ہو جائے، مجھے تم سے طلاق چاہیے ابھی اور اسی وقت تمہیں اپنا وعدہ یاد تو ہے نا؟ اور تم انکار نہیں کرو گے، اگر کرو گے بھی تو میں اپنے اس حق کے لئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گی میں نے کہا نا تمہارے لئے میرے دل میں کسی قسم کی بھی کوئی گنجائش باقی نہیں ہے۔'' اتنی بڑی بات کہتے ہوئے بھی نہ اس کا لہجہ کانپا تھا نہ لرزا تھا وہ واقعی سچ کہہ رہی تھی، اس کے

دل میں شہریار کے لئے کوئی گنجائش نہیں تھی ورنہ وہ اتنی مضبوط نظر آتی بھلا؟ جبکہ شہریار کا رنگ ایکدم پیلا پڑ گیا تھا، دھواں ہوتے چہرے اور پھٹی پھٹی آنکھوں کے ساتھ وہ گنگ سا کھڑا اسے دیکھتا رہ گیا جبکہ رابیل نے اسی اطمینان بھرے انداز میں کپ میں چائے نکال کر اس کے سامنے سلیب پہ رکھا اور دوسرا خود اٹھائے باہر نکل گئی تھی۔

☆☆☆

وہ باتھ لے کر نکلا تھا، تولیے سے گیلے بال رگڑ کر خشک کرتے ہوئے اپنے دھیان میں ڈریسنگ ٹیبل تک آیا، تولیہ اتار کر بیڈ پہ پھینکا برش اٹھانے کو ڈریسنگ ٹیبل کی سمت متوجہ ہوا تو ''آئی ایم ساری'' کے کارڈ پہ نظر گئی جس میں اداسی کے منظر کو جی بھر کے نمایاں کیا گیا تھا، اس نے یونہی سرسری سے انداز میں اٹھا کر کھولا، ماہ نور کی جانب سے تھا اس کے نام اس کے چہرے پہ عجیب سا تاثر ابھر آیا اور نظریں اس نظم پہ آن ٹھہریں جو بہت خصوصیت سے یقیناً اسے ہی مخاطب کر کے لکھی گئی تھی۔

کہیں ایسا نہ ہو جاناں!
کہ میرا عکس چپکے سے
تیری آنکھوں سے مٹ جائے
تیری جانب پلٹنے کا ہر اک رستہ
کہیں نہ بند ہو جائے
میری یادوں کا ہر پنچھی
میرے ہاتھوں سے نکلے فلک پر آباد ہو جائے
یا پھر برباد ہو جائے
میرا دل اب کے سینے میں دھڑکنے سے مکر جائے
انا کی سبز ٹہنی کو میں خود ہی توڑ دیتی ہوں
تمہارے واسطے جاناں ضد اپنی چھوڑ دیتی ہوں

وہ ایک دم ہونٹ بھینچ کر جیسے خود پہ ضبط کر گیا، (یہ خوب رہی من کی مراد پا کے اپنی ضد اور اکڑ کی بدولت اپنا کہا پورا کر کے بھی محترمہ اب احسان ہمارے اوپر رکھیں گی، اس کے دل و دماغ میں زہریلا دھواں بھرنے لگا)، وہ اتنا بددل ہوا کہ جی چاہا ادھ پڑھا کارڈ ہی واپس ڈال دے مگر وہ خود پسند انا پرست محترمہ کے تمام فرمودات پہ نظر ڈال ہی لینا چاہتا تھا، جبھی جبراً ہی سہی مگر نگاہ کو پھر سے کارڈ پہ بکھرے لفظوں پہ جمائی۔

یہی ضد تھی تمہاری نا کہ خود سے نہیں کہتی میں
فقط میری زباں سے میرا اقرار سننا چاہتے تھے نا
تو میں کہتی ہوں میری جان مجھے تم سے محبت ہے
سنو جاناں! مجھے اب یہ اعتراف برملا ہے کہ
میری رگ رگ میں خوں بن کے تو بہتا ہے
میری آنکھوں میں تو
اک حسیں خواب بن کے رہتا ہے

کہ میرے جسم کا ہر حصہ سینے کی ہر دھڑکن
اور یہ سانس کہتی ہے
مجھے تم سے محبت ہے
یہی سچ ہے
مجھے تم سے محبت ہے

طارق نے ایک سرد آہ بھری اور کارڈ واپس اس کی جگہ پہ ڈال کر برش اٹھالیا، تبھی نیوی بلیو سوٹ میں ریشمی دوپٹے کو سنبھالتی ماہ نور اندر چلی آئی تھی، اس نے دزدیدہ نگاہ پہلے طارق شیرازی پھر ٹیبل پہ اسی جگہ پڑے ہوئے کارڈ پہ ڈالی اور جیسے کوئی بھی نتیجہ اخذ نہ کرتے ہوئے بے کل سی ہو گئی۔

''ہو گئے آپ تیار؟'' وہ شرٹ کے بٹن بند کر رہا تھا اس کی سمت متوجہ نہیں تھا اس نے دانستہ اپنی جانب متوجہ کرانا چاہا، طارق نے محض ایک نگاہ اس پہ ڈالی جواب دینے سے البتہ اعتراز کیا تھا، ماہ نور نے آگے بڑھ کر وارڈ روب کھول کر اس کے ڈریس کی میچنگ کے موزے نکالے تھے پھر شو ریک سے جوتے اٹھا کر اس کے نزدیک لا رکھے۔

''میرا خیال ہے انہیں پالش کی ضرورت ہے؟'' اس نے خود کلامی کی تھی پھر دراز سے پالش اور برش نکال کر وہیں بیٹھ کر تندی سے اس کے جوتے چمکانے لگی، طارق جو ڈریسنگ ٹیبل کے اسٹول پہ بیٹھ کر موزے پہن رہا تھا ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگا، عجیب بے نیاز سا مستانہ سا انداز تھا اسے جانے کیوں آکورڈ فیل ہوا تبھی ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ سے اپنا جوتا واپس لے لیا۔

''یہ آپ کے معیار کے کام تو نہیں ہیں ماہ نور! کیوں خود کو تھکاتی ہیں؟'' اس کے لہجے کی تھکن اور افسردگی محسوس کی جانے والی تھی یوں جیسے وہ خود سے بھی عاجز ہو بے بسی کا ایک انوکھا احساس تھا جو چونکاتا تھا، ماہ نور نے ایکدم سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''مجھے آپ کے کام تھکا تیں گے نہیں طارق میں تو......'' معاً وہ ایک دم خاموش ہوئی، بے تاب نظریں پھر سے الجھن آمیز انداز میں کارڈ کا طواف کر کے لوٹیں۔

''طارق!'' اس نے بہت جھجک کر پکارا۔

''ہوں۔'' وہ جو پھر سے موزے پہننے میں مصروف ہو چکا تھا خفیف سا چونکا۔

''آپ نے وہ کارڈ دیکھا؟'' وہ انگلیاں چٹخا رہی تھی، طارق کے دل نے متاسفانہ سی آہ بھری اور مختصراً بولا۔

''ہاں دیکھا۔''

''میرا مطلب پڑھا؟'' اس کی تسلی نہیں ہوئی تھی بے چینی کچھ اور بڑھ گئی۔

''ہاں پڑھا۔'' وہ ابھی بھی اتنا ہی لاتعلق اور گم صم نظر آیا تھا، ماہ نور کا دل جو بے تحاشا دھڑک رہا تھا یک دم ساکن رہ گیا، (پڑھ لیا پھر بھی انہیں کوئی فرق نہیں پڑا؟ ہائے میرے اللہ اب اس سے بڑھ کے کیا کروں میں؟) وہ ساکن بیٹھی اسے یہاں وہاں پھر کے اپنی تیاری مکمل کرتے دیکھتی رہی اور جب وہ بیگ اٹھائے پلٹا تو جیسے ماہ نور کا یہ سکتہ ٹوٹ گیا، وہ ایکدم تڑپ اٹھنے کے انداز میں اس کی راہ میں حائل ہوئی تھی۔

''کیا سمجھوں میں آپ کی اس خاموشی سے؟''

(اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر منانے کی کوشش کی ہے، پھر بھی صاحب کو انا کے بنڈل ختم نہیں ہونے میں آتے اس سے بڑھ کر بھی کوئی انسلٹ ہو سکتی ہے۔)

اس کی سربلند انا بری طرح سے بلبلائی، جبکہ طارق اس موقع کی مداخلت پہ کس قدر جھنجلایا تھا۔

''میں آل ریڈی بہت ڈسٹرب ہوں ماہ نور! پلیز مجھے اور پریشان مت کرو۔'' اس کے لہجے و انداز میں کس قدر بے زاری تھی جسے ماہ نور نے محسوس کیا اور توہین کے احساس سے گویا سرتا پا جل اٹھی، جبھی ناک چڑھا کر نخوت و تندی سے بولی تھی۔

''یہ میری بات کا جواب نہیں ہے جواب دیں مجھے پھر ہی جا سکیں گے۔'' اس نے کس قدر رعب سے کہا اور اپنے پیچھے کھٹاک سے بند دروازے کو لاک لگا دیا، طارق نے اس کی اس درجہ حرکت کے مظاہرے کو ششدر ہو کے دیکھا، وقت بھی کیسے کیسے رنگ دکھلاتا ہے، وہ بھی وقت تھا جب وہ نگاہیں فرش راہ اس کا منتظر تھا اور آج خود وہ اس کے لئے جتن کر رہی تھی مگر کیا ہو سکتا تھا کہ دل کے دھاروں نے تمام رو رخ ہی تبدیل کر لئے تھے۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے، مجھے ڈیوٹی پہ پہنچنا ہے، تم جانتی بھی ہو، دروازہ کھولو۔'' اسے یکا یک بے حد بے حساب غصہ آ گیا تھا۔

''یہ نہیں کھلے گا۔'' ماہ نور نے ہٹ دھرمی سے کہا تھا پھر چلبلا کر بولی۔

''میں آپ کے لئے اتنا کچھ کروں اور آپ مزے سے اپنی راہ لیں یہ بھی خوب رہی اتنے تو گرے پڑے ہم بھی نہیں صاحب!'' وہ دروازے تک اسے پہنچنے کی راہ میں حائل اسے روکنے کی کوشش میں تھی اور طارق ہرگز رکنے پہ آمادہ نہیں تھا، اس زور زبردستی دھکم پیل میں وہ اس کے بے حد نزدیک آ گئی تھی اتنی نزدیک کہ طارق کی الجھتی گرم خوشبودار سانسیں قربتوں کی آنچ اور دھڑکنوں کا شور جیسے اس کے وجود میں ہلچل مچانے لگا تو چہرے پہ جانے کیسے انہونے سے جذبوں نے سرخیاں پیدا کر دیں، جبکہ طارق اس کے برعکس کچھ بے زار کچھ اکتایا ہوا نظر آتا تھا، اس کی بات پہ جیسے غصے سے بھڑک اٹھا۔

''کیا کہا ہے تم نے اسپیشل میرے لئے؟ اپنی شرائط پوری ہو گئیں تو میری جانب پلٹی ہو۔''

''پلٹی تو ہوں نا آپ کے لئے یہی بہت ہونا چاہیے۔'' اس نے بڑے نخوت سے جواب دیا، پہلی بار تھا کہ اس کی قربتوں میں گھبراہٹ شرم یا ناگواری کے احساس کی بجائے اس کے تن بدن میں ایک سرخوشی ایک ترنگ ایک سرمستی سی بھرتی جا رہی تھی، وہ اسے زبردستی دھکیلتی ہوئی دروازے سے کمرے کے بیچ لے آئی تھی اور طارق کی جھنجلاہٹ تھی کہ نقطہ عروج پہ جا پہنچی تھی۔

''تمہاری یہ حیثیت میں نے نہیں قسمت نے دلائی ہے۔'' وہ زچ ہوا۔

''مجھے بھی پتہ ہے خدا کو ہی مجھ پہ رحم آیا ہے ورنہ میں جانتی ہوں کہ......''

صرف اس تکبر میں اس نے مجھ کو جیتا تھا
ذکر نہ ہو اس کا بھی کل کو نارساؤں میں

وہ بڑے نارمل سے انداز میں بولی تو طارق نے ہونٹ بھینچے اور اسے اپنے سامنے سے ہٹا کر سائیڈ سے ہو کر نکلنا چاہ رہا تھا کہ ماہ نور نے کس قدر جھنجلا کر طیش میں مبتلا ہوتے ہوئے اسے پوری قوت سے پیچھے کی جانب دھکا دیا، طارق کو یقیناً اس سے ایسی حرکت کی توقع نہیں تھی جبھی

توازن کھو کر گرا تو سنبھلنے کو بالکل لاشعوری طور پہ ماہ نور کا سہارا لینا چاہا گرنے سے تو کیا بچتا الٹا اس کا بازو ہاتھ میں آیا تو ماہ نور بھی اس کے ساتھ ہی گرتی چلی گئی، بیڈ پہ وہ اوپر نیچے گرے تھے، چوٹ تو نہیں لگی مگر طارق کے حواس ضرور اس لئے بھی مختل ہو گئے کہ ماہ نور پورے وزن سمیت اس کے اوپر آ پڑی تھی، طارق جتنا بھی جز بز ہوا تھا اس کے برعکس ماہ نور اسی قدر بے نیاز اور مطمئن نظر آئی تھی، کسی قسم کی افراتفری سے فاصلہ بڑھانے کی بجائے اس نے اسی پوزیشن میں رہتے ہوئے اپنی کہنیاں اس کے سینے پہ ٹکائیں اور چہرا جھکا کر اپنا ماتھا اس کی پیشانی سے ٹکاتے ہوئے ہونٹ سکوڑ کر انداز کی سرمستی و بے نیازی کی بجائے برہمی و نخوت سے بولی تھی۔

''مجھے اس دنیا میں سب سے زیادہ نفرت بس پریشے درانی سے ہے، میرا بس چلے تو کسی کے شوہر پہ ڈورے ڈالنے والی اس خوبصورت چڑیل کو شوٹ کر دوں۔'' حسد و رقابت کی آگ نے اس کے چہرے پہ ایک الاؤ سا روشن کر ڈالا تھا، طارق جو اس لساکن کر دینے والے ناز و ادا پہ ششدر سا اسے دیکھ رہا تھا اس بات پہ جیسے ناگواریت کے احساس سمیت طیش پہ قابو پاتے بنا حلق کے بل چیخ اٹھا۔

''جسٹ شٹ اپ ماہ نور! پریشے کے لئے میں اتنے فضول الفاظ ہرگز برداشت نہیں کر سکتا ہوں۔'' اس نے ایک ہی جھٹکے میں ماہ نور کو خود سے دور جھٹک دیا تھا اور ماہ نور جو اپنے تئیں سمجھ رہی تھی اس پرفسوں قرب کی طلسماتی کشش کے حصار کو توڑنا طارق کے بس کی بات ہی نہیں ہے اس انسلٹ پہ پہلے تو پتھر اسی گئی تھی جبکہ سنبھلی تو گویا اس کے وجود میں اشتعال کی اٹھتی لہروں نے طوفان برپا کر دیا تھا اس نے جلتی سلگتی آنکھوں سے طارق کے چہرے کے پتھریلے تاثرات کو دیکھا اور اس کی توجیہہ سوچی۔

''پریشے کی وجہ سے پریشے کی وجہ سے۔'' اس کا فشار خون بڑھنے لگا۔

''میں اس سے بھی بڑے الفاظ استعمال کروں گی اس کے لئے اور آپ مجھے روک نہیں سکتے، جتنا نقصان اس نے میرا کیا ہے اسی حساب سے میں اس سے نفرت بھی کروں گی۔'' غم و غصے کی شدتوں سے وہ بپھر اٹھی تھی، طارق نے طیش بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا پھر ہونٹ سکوڑ کر بولا تو لہجہ بے حد سرد اور اکڑا تھا۔

''اس نے تمہارا کوئی نقصان نہیں کیا، اپنے ہر نقصان کی تم خود ذمہ دار ہو مگر یہ سمجھنے اور سوچنے کے لئے ایک مصفانہ سوچ بھی چاہیے ہوتی ہے جس سے بہر حال تم محروم ہو۔'' طارق نے ایک طرح سے اس کے سامنے آئینہ لا رکھا۔

''آپ جو بھی کہیں وہ ہے تو قابل نفرت ہی۔'' وہ جو اپنی توہین و سبکی پہ ابھی تک کلس رہی تھی نفرت بھرے انداز میں اپنی بات پہ شد و مد سے زور دیا، طارق نے متاسفانہ نظروں سے اسے دیکھا اور آہ بھرنے کے انداز میں بول پڑا تھا۔

''مگر وہ تو تم سے نفرت نہیں کرتی، الٹا اس بے وقوف کو تم سے ہمدردی ہے شاید محبت بھی؟ اس میں اور تم میں یہی تو فرق ہے، طارق شیرازی کو اپنی طرف متوجہ کرنا اسے جتنا اور اپنی محبت میں پاگل کر لینا اتنا آسان کہاں تھا ماہ نور! تم نہ کر سکیں یہ سب، بلکہ جو احساس تھا اسے بھی نوچ پھینکا، فرق یہی تھا کہ تم اس جیسی نہیں تھیں بن ہی نہیں سکتیں۔'' وہ اس کی سمت متوجہ نہیں تھا، وہ جیسے خود کلامی کے انداز میں گویا تھا، مگر ماہ نور نے ایک ایک لفظ تو کیا ایک ایک حرف گویا تولا تھا اور قائل ہونا تو دور کی بات تھی البتہ اپنے اعصاب کو مفلوج ہوتا محسوس کیا، وہ خود گواہ ہی تھی خاندان کی ہی بیشتر لڑکیاں خاص طور پہ منیبہ نے کیسے ایڑی چوٹی کا زور نہیں لگایا تھا طارق شیرازی کی ذرا سی بھی توجہ حاصل کرنے کو مگر حاصل وصول کچھ نہیں تھا، اس کے تصور میں پریشے کا نرم و نازک موی سراپا اور سوگوار سی آنکھیں لہرائیں، وہ بہت خوبصورت تو نہیں تھی ہاں اس میں کچھ خاص تھا، شاید اس کا پروقار انداز اس کی نشست و برخاست کے ہر انداز میں ایک تمکنت ایک حجاب کا رنگ تھا اور شاید یہی اس کی انفرادیت تھی، اس کے مکمل مشرقی یا پھر کچھ اور جو ایک آدھ ملاقات میں وہ نوٹس نہیں کر پائی طارق کو کس چیز نے متاثر کیا وہ سمجھنے سے قاصر رہی، اس کا چہرا دھواں ہوا تھا اور اعصاب ایکدم کشیدگی کا شکار ہو گئے، اس نے ڈوبتی نظروں سے طارق کو دیکھا وہ اس کی سمت متوجہ اس کے تاثرات کو بغور تک رہا تھا، گہرا سانس بھر کے کس قدر پژمردگی سے بولا تھا۔

''کچھ لوگ اپنے مزاج اور عادات کے برعکس نصیب کے بہت اچھے ہوتے ہیں، تمہارا شمار ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے ماہ نور! بے فکر ہو جاؤ میں جہاں کہیں بھی چلا جاؤں تمہارا ہی رہوں گا، اس لئے بھی کہ پریشے نے میرا پروپوزل رد کر دیا ہے، وہ مجھ سے عشق کرتی ہے پر شادی نہیں کرنا چاہتی جانتی ہو کیوں؟ تمہاری وجہ سے ماہ نور، وہ تمہیں اذیت کا شکار کرنے پہ آمادہ نہیں، میں نے کہا تھا نا وہ بہت مختلف ہے تم سے بلکہ شاید دنیا کی تمام عورتوں سے، دیکھا ہے تم نے کبھی ایسا اعلیٰ ظرف دل؟'' وہ رک کر پوچھنے لگا، پھر جب دوبارہ بولا تو لہجے کی آزردگی اور تھکان کچھ اور بھی بڑھ چکی تھی۔

''تم میری جانب آئی ہو تو میں تمہیں جھٹلا کر نہ تو اپنا کوئی پرانا بدلہ چکا رہا ہوں نہ ہی اپنی مردانگی کو کوئی تسکین پہنچا کر کوئی کمینی خوشی محسوس کر رہا ہوں، میں ایک بار پھر کہوں گا ماہ نور میں کم ظرف نہیں ہوں، لیکن یہ بھی سچ ہے کہ جو زیادتی تمہاری وجہ سے پریشے کے ساتھ ہوئی اس کے بعد میرے اندر کا ملال ختم ہو رہا، تم دعا کرنا میں جلد سنبھل سکوں، تم میری اولین چاہت تھیں میں تمہیں مکمل آمادگی کے ساتھ اپنانے کا خواہش مند ہوں تا کہ تمہاری توہین نہ کر سکوں، میرا خیال ہے کہ اس میں تم اپنی توہین یا سبکی کا کوئی پہلو نہیں نکالو گی، اب چلتا ہوں اللہ حافظ۔'' وہ اس کا رخسار سہلا کر کہتا مضبوط قدم اٹھاتا چلا گیا، ماہ نور جیسے ابھی تک غیر یقینی تھی گو کہ طارق نے اس کی طرح توہین آمیز انداز میں اسے جھٹکا تھا نہ ہی اس کی عزت نفس پہ حملہ آور ہو کر طعنے تشنے پہ اترا تھا اس کے باوجود وہ غم و غصے اور صدمے سے پاگل ہونے لگی تھی، جبھی ہاتھوں میں چہرا ڈھانپ کر ہچکیوں اور سسکیوں سے روتی چلی گئی، یہ کیسا وقت آیا تھا کہ اس کی انا اس کا پندار ہزاروں ٹکڑوں میں تبدیل ہو گیا تھا اور وہ اضطراب میں ہونٹ کچل رہی تھی۔

تراش کہ میرے بازو اڑان چھوڑ گیا
ہوا کے پاس برہنہ کمان چھوڑ گیا
رفاقتوں کا میری اس کو دھیان کتنا تھا
زمین لے لی مگر آسمان چھوڑ گیا
جو بادلوں سے بھی مجھ کو چھپا کے رکھتا تھا
بڑھی ہے دھوپ تو بے سائبان چھوڑ گیا
نکل گیا ہے کہیں ان دیکھے پانیوں کی طرف

زمین کے نام کھلا بادبان چھوڑ گیا
عقاب کو تھی غرض فاختہ پکڑنے کی
جو گر گئی تو یونہی نیم جان چھوڑ گیا
نہ جانے کون سا آسیب دل میں بسا ہے
کہ جو بھی ٹھہرا وہ آخر مکان چھوڑ گیا
عقب میں گہرا سمندر ہے سامنے جنگل
کس انتہا پہ میرا مہربان چھوڑ گیا

اپنے زعم میں وہ اب بھی بے قصور تھی اور زیادتی برداشت نہ کرکے خود ترسی کا شکار آنسو بہا رہی تھی، ہوتے ہیں کچھ لوگ ایسے بھی جو نہ تو مکافات عمل پہ یقین رکھتے ہیں اور نہ کبھی خود کو قصوروار گردانتے ہیں، صرف دوسروں کے اعمال پہ دھیان رکھنے والے خود کو ہر صورت مظلوم سمجھتے رہتے ہیں اور یہی خرابی ہے ان کی کہ اسی سوچ کی وجہ سے وہ کبھی اپنی اصلاح بھی نہیں کر پاتے، ایسا ہی کچھ حال ماہ نور کا بھی تھا، اسے محض طارق کا گناہ اس کی زیادتی یاد تھی اسے یہ بھول گیا تھا کیسے پل پل اپنے انداز سے اس نے بدلہ چکایا ہے، دل کو اس کے آگے ہارا مگر خود کو کبھی سرنگوں نہ کیا اور جب حالات سنور گئے تو فریق ثانی کے احساسات کی پرواہ کیئے بغیر اسے محض اپنے دل کی فکر تھی، تو ایسا تو نہیں ہوتا کہ آپ اپنی مرضی کے تابع رہیں تو دوسرا ابھی آپ کے تابع ہی رہا ہو۔

☆☆☆

میرے بے خبر تجھے کیا پتہ تیری آرزوؤں کے دوش پر
تیری کیفیات کے جام میں، میں جو کتنی صدیوں سے قید ہوں
تیرے نقش میں تیرے نام میں میرے خواب میری کہانیاں
میرے زائچے میرے راستے میرے لیکھ کی یہ نشانیاں
تیری راہ میں ہیں رکی ہوئیں کہیں آنسوؤں کی قطار میں
کبھی پتھروں کے حصار میں کبھی دشت ہجر کی رات میں
کبھی بدنصیبی کی گھات میں کئی رنگ دھوپ میں جل گئے
کئی چاند شاخ کے قیام میں تیرے درد کے در و بام میں
کوئی کب سے ثبت صلیب ہے تیری کائنات کی رات میں
تیرے اژدھا کی شام میں تجھے کیا خبر تجھے کیا پتہ

بالکونی میں اندھیرا تھا وہ وہیں کھڑا تھا اندھیرے کا ہی کوئی حصہ معلوم ہوتا ہوا، ہاتھ میں چائے کا مگ تھا جو کب کی ٹھنڈی ہو چکی تھی، لبوں کے بیچ سلگتا ہوا سگریٹ جسے کے سرے پہ راکھ کا بجھتا ہوا حصہ بڑھتا جا رہا تھا، وہ جیسے خود سے بھی غافل تھا جب نگین نے سیڑھیاں طے کر کے بالکونی میں قدم رکھا۔

''وکی!'' اس کی پکار پہ وہ یوں چونکا جیسے گہری نیند سے جاگا ہو۔

''جی مامی!'' اس نے پہلے لبوں سے سگریٹ نکال کر ریلنگ کے پار گہرے اندھیرے میں اچھالا پھر مگ کو دونوں ہاتھوں میں لئے اس کی جانب پلٹا تو نگین سوئچ بورڈ سے وہاں کی لائٹ آن کر چکی تھی، وقاص بہت حد تک خود کو کمپوز کر چکا تھا اس کے باوجود اس کے چہرے پہ دل کی وحشت

کا رنگ بہت گہرا تھا۔

''تمہارے ماموں بلا رہے ہیں۔'' نگین اسے بغور دیکھتی کس قدر خفگی سے بولی۔

''آپ چلیں آتا ہوں میں۔'' آہستگی سے کہتا وہ سر جھکائے کھڑا رہا، نگین نے ہونٹ بھینچ کر اسے دیکھا۔

''بہت بہتر ہے وصی کہ اب لوٹ آؤ، وہاں تمہارے لئے اب کچھ بھی نہیں ہے، تم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو اسے آغا کے ساتھ خوش باش۔'' نگین نے جیسے تنبیہ کے انداز میں کہا مگر لہجے میں انجانا سا کرب بھی تھا وہ اس کی وحشتوں کی گواہ رہی تھی۔

''کاش ممانی جان وہ واقعی خوش ہوتی، تب میرے پاس صرف اپنے دل کو درد بچتا وہ خوش نہیں ہے تو میرا دل مزید اضطراب سمیٹ لایا ہے، آپ نے اس کی آنکھوں کو نہیں دیکھا مامی میں نے دیکھا ہے، وہ آج بھی ماموں کو ایسے دیکھتی ہے جیسے پیاسا سمندر کو، جیسے میں اسے...... جیسے......'' وہ جیسے حواسوں میں نہیں رہا تھا نگین کا چہرہ ایکدم پھیکا پڑ گیا۔

''وقاص پلیز! وقاص پلیز یہ واہی تباہی زبان سے مت نکالو، ہجر کا ایک لامتناہی صحرا عبور کر کے میں نے رسائی حاصل کی ہے تمہارے ماموں تک انہیں پھر سے ڈسٹرب مت کر دینا فار گاڈ سیک۔'' وہ ایک وحشت کے عالم میں اسے جھنجھوڑ کر زور سے بولی، وقاص یکایک چونک کر گویا حواسوں میں لوٹا اور کس قدر خفت زدہ نظر آنے لگا۔

''آئی ایم ساری ممانی جان میں......''

''اٹس اوکے، تمہارے ماموں کو تم سے ضروری بات کرنا ہے پلیز تم ان کی بات ٹالنا نہیں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں مچلتی ضبط کی نمی سے نگاہیں چراتی اس کا بازو پکڑ کر اپنے ساتھ گھسیٹ لائی، بیڈ روم کا دروازہ کھولا تو داؤد حسن خاں سیلپنگ گاؤن میں ملبوس اپنی سحر انگیز پرکشش مردانہ وجاہتوں کے ہمراہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے کسی کتاب کے مطالعے میں محو تھے آہٹ پہ متوجہ ہوئے تو اسے نگین کے ہمراہ پا کے خوشدلی وشفقت سے مسکرائے۔

''آؤ وقاص! ادھر بیٹھو یار میرے پاس۔'' اسے صوفے کی جانب بڑھتے دیکھ کر ٹوکتے ہوئے اپنے پہلو میں جگہ بنائی، وقاص نے ہاتھ میں پکڑا مگ جو وہ بے خیالی میں ساتھ لے آیا تھا ٹیبل پہ رکھا اور پھر سست قدموں سے چلتا اس کے نزدیک آ گیا، داؤد حسن خاں نے اس کے کاندھے پہ اپنا بازو پھیلا کر خود سے نزدیک کر لیا۔

''مجھے اور اپنی مامی کو دیکھ رہے ہو؟'' انہوں نے مسکراتے ہوئے جو سوال کیا تھا وہ وقاص کی بے ساختہ الجھن کا باعث بنا، اس نے کس قدر حیرانی سے انہیں دیکھا یوں جیسے ان کی بات سمجھنے سے قاصر رہا ہو۔

''شیور ماموں مگر......''

''کوئی چینج نظر آیا؟'' ان کی دلفریب مسکان کا رنگ کچھ اور بھی گہرا ہوا تو وقاص بے طرح خجل سا ہو کر نظریں چراتا سر کھجانے لگا تھا۔

نگین جس بے تکلفی سے داؤد حسن خاں کے مقابل آ کر بیٹھ گئی تھی اس بات کو وقاص نے اگر محسوس بھی کیا تھا تب بھی نظر انداز کر چکا تھا، داؤد حسن خاں نے اس کے تاثرات کو بھانپا اور آہستگی و نرمی سے مسکرائے۔

''یہ ہی زندگی بلکہ مکمل اور بھرپور زندگی کے حسین ترین رنگ ہیں وکی! یونو تمہاری مامی کو ان کی حیثیت اور مرتبے سے قبول کرنے اپنانے کے بعد میں نے زندگی کا ایک نیا رنگ خود پہ منکشف ہوتے دیکھا ہے اور یہ رنگ اتنا حسین اتنا طمانیت سے لبریز کر دینے والا ہے وقاص کہ ایک عرصے کی تھکن کی کثافت اور افسردگی کب دھیرے دھیرے میرے اندر سے ڈھل گئی مجھے احساس ہی نہ ہوا، نیچر سے بھاگتا نیچر سے فرار انسان کو کچھ نہیں دیتا سوائے تھکن یاسیت اور بے معنی سفر کے اضطراب کے، میں نے یہ سارے بھگتان بھگتے ہیں وقاص جبھی میں ہرگز نہیں چاہتا کہ تم بھی میرے راستے کے مسافر ہو جاؤ وہ راستے جن کا حاصل وصول کچھ نہیں سوائے سرابی کے، اس دنیا میں میرے پاس جو گنے چنے رشتے ہیں، ان میں تم مجھے سب سے عزیز ہو، میں سمجھتا ہوں اگر اب تک میری اولاد ہوتی تو بھی میں اتنی ہی محبت اس سے کرتا جتنی تم سے کر چکا ہوں کرتا ہوں، یا اگر تمہیں میری محبت میرے خلوص پہ شک ہے تو کہو؟'' انہوں نے ایک تسلسل سے بولتے رک کر سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا جو بے طرح گڑبڑا سا گیا تھا۔

''کیوں مجھے گنہگار کرتے ہیں ماموں جان پلیز ایسی بات مت کریں۔'' اس کے دھیمے لہجے میں عاجزی تھی، داؤد حسن خاں نے ایک گہرا سانس کھینچا اور اسے دیکھا۔

''بعض حقیقتیں کتنی ہی سنگلاخ کیوں نہ ہوں انہیں مان لینا ہی دانش مندی ہے، جیسے یہ حقیقت کہ رابیل تمہیں کبھی نہیں مل سکی، یا جیسے یہ کہ میں رابیل کو بھی نہیں مل سکتا، یہ بات تمہیں بھی بالآخر ماننی ہے اور رابیل کو بھی، شہریار، رابیل کا منتظر ہے اسے بھی واپس لوٹنا ہے اپنے مرکز پہ جیسے میں لوٹا ہوں اور مطمئن ہوں۔''

نگین کا چہرا یکدم جگمگا اٹھا ہونٹوں پہ الوہی مسکان آٹھہری، داؤد حسن خاں کی بات چیت کا انداز آج کتنا انوکھا تھا وقاص نے بہت چونک کر انہیں دیکھا۔

(یہ آج ماموں کو کیا ہو گیا ہے؟ یہ مامی کے لئے ہی تو نہیں یکسر سرتاپا بدل گئے ہیں، کیسے وہ باتیں بھی کھل کر کر رہے ہیں جو شاید یہ کبھی خود سے بھی نہ کرتے ہوں اور ماموں آپ نے کہا آپ اپنے مرکز پہ مطمئن ہیں، آپ نے یہ کیوں نہ کہا آپ خوش ہیں، ہاں یہی فرق آجاتا ہے بعد میں، آپ خود کو مطمئن ظاہر کرنے کی کوشش میں بھی بس تھکاتے ہی ہیں اور یہ تھکان بھی ظاہر کرنے والی نہیں ہوتی، آہ محبت کرنے والے واقعی ہمیشہ تشنہ کام رہتے ہیں، وہ خوشی کو تو تب ہی کھو دیتے ہیں جب نارسائی ان کے نصیب میں راج ہوتی ہے، وہ اطمینان بھی کھو دیتے ہیں، مگر بھرم آہ یہ بھرم کا معاملہ بھی بہت اذیت انگیز ہے۔)

اگر رابیل بھی عقل استعمال کرے اور شہریار کو اس کی حیثیت کے ساتھ قبول کرے تو وہ بھی مطمئن ہو سکتی ہے وہ کہہ رہے تھے، وقاص کے ہونٹوں پہ زہرخند پھیلنے لگا۔

(وہ بھی مطمئن نام نہاد اطمینان خوشی سے کوسوں دوری، ہاں بھلا وہ آپ کو پائے بغیر خوش ہو بھی کیسے سکتی ہے، کوئی بھی محبت کو پائے بغیر خوش کیسے ہو سکتا ہے، یہ ڈھکوسلے ہیں ماموں جو آپ نے ڈھونڈا اور جیسے اپنانے کو آپ شاید رابیل کو بھی فورس کریں۔)

''اور اس کے بعد تم، بلکہ میرے نزدیک اصل بات ہی تمہاری ہے، سمجھو لو اتنی لمبی تمہید باندھی ہی تمہاری وجہ سے گئی ہے، میں چاہتا ہوں تم بھی اپنے مرکز پہ لوٹ آؤ۔'' وقاص نے ان کی بات پہ ذرا دھیان لگایا تو ان کے الفاظ پہ ٹھٹھک کر جامد ہو کر انہیں تکنے لگا۔

''جیسا کہ میں نے کہا تم میرے لئے ہمیشہ اولاد کی طرح رہے ہو، مگر وقاص، میری جان، جب اولاد جوان ہو جاتی ہے تو والدین ہر قدم اٹھانے سے قبل ان کے چہروں سے اقرار و انکار کو اخذ کرتے ہیں شاید اس کے لئے جوان بچوں پہ زور زبردستی نہیں چلتی، جبھی میں تمہارے لئے کوئی بھی فیصلہ تنہا نہیں کر سکا اور میں سمجھتا ہوں یہ تمہارا شرعی حق ہے جو بہرحال تمہیں ملنا چاہیے۔''

وقاص جو سرسری سے انداز میں ان کی بات سن رہا تھا اس بات پہ کچھ بے ساختہ سے انداز میں چونکا۔

''میں سمجھا نہیں ماموں!'' وہ دھیرے اور رسانیت سے مسکرائے پھر آہستگی سے بولے تھے۔

''یہ بتاؤ اگر میں تمہارے لئے سلطان انکل اور سائرہ آنٹی سے صوحا کا ہاتھ مانگوں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟ میں نے کہا نا اسی میں تمہاری بھلائی ہے، سالہا سال کی خواری کے بعد بھی اگر اسی راستے کو اپنانا ہو تو یہ کام ٹائم پہ کر لیا جائے تو بھلا اور بہتر۔'' وقاص نے کچھ مضطرب ہو کر کس قدر تڑپ کر انہیں دیکھا اور داؤد حسن خاں اس کی آنکھوں میں مچلتے شاکی پن کو دیکھا وہ بہت بے دردی سے ہونٹ کاٹ رہا تھا۔

''میں نے کہا نا نیچر سے فرار ہمیں سوائے تھکن کے کچھ نہیں دیتا، تم بھی اس بھاگ دوڑ کو ترک کر کے سنبھلنے کی کوشش کرو، اللہ مددگار ہے، صوحا مجھے اس لئے بھی خاص لگی ہے وقاص کہ اس کی آنکھوں میں تمہاری چاہت کے رنگ ہیں اور محبت بہت سارے کمال رکھتی ہے، یہ کبھی تھکنے نہیں دیتی، جیسے تمہاری مامی! جیسے شہریار جیسے صوحا اور محبت اپنے اندر بہت وسیع ظرف رکھتی ہے، دل میں ایک قبرستان بھی جہاں محبوب کی خامیاں بہت رازداری سے دفنائے چلی جاتی ہے، محبت بہت گنجائش رکھتی ہے یار غلطیاں وفائیں معاف کرنے کی اعلیٰ ظرف سے اپنانے کی اور پھر بے حساب نوازنے کی، مجھے یقین ہے صوحا بھی تمہیں ایسے ہی سنبھال لے گی۔'' ان کی آواز سرگوشی سے ہی مشابہہ تھی پھر انہوں نے جھک کر اس کی لہو رنگ آنسوؤں سے جل تھل آنکھوں میں جھانکا پھر کہا۔

''کی کہتے ہو وکی!''

''مجھے معاف کر دیں ماموں! میں خود کو اس قابل نہیں پاتا۔'' آنسوؤں نے پلکوں کی باڑھ کو پھلانگا اور گالوں پہ اتر آئے وہ عاجز و لاچاری سے بولا تھا۔

''اوں ہوں بری بات۔'' داؤد حسن خاں نے اسے خفیف سا ڈانٹا اور اسے ساتھ لگا کر تھپکا اور بہت محبت و توجہ سے اس کے آنسو پونچھے۔

''تم سوچنے کو جتنا مرضی وقت لے لو مگر انکار نہیں کرو، ٹھیک ہے۔'' وقاص نے خود کو بے بس محسوس کیا داؤد حسن خاں کی سوالیہ منتظر نگاہیں اس کے چہرے پہ جمی تھیں اس کے پاس اثبات میں سر ہلانے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا، اسے لگا کوئی آہنی زنجیر ہے جو اسے جکڑ چکی ہے۔

☆☆☆

یہ بارش خوبصورت ہے
اک عرصے بعد میری روح میں
سیراب ہونے کی تمنا جاگ اٹھی ہے
مگر بادل کے رستے میں

بہت سے موڑ آتے ہیں
میں پل بھر کے لئے شاداب ہوں
اور اپنی باقی عمر پھر صحرا میں کاٹوں
میں اپنی پیاس پر راضی رہوں گی
میرے آنسو میرے دل کی کفالت کے لئے کافی رہیں گے

طارق شیرازی نے چلتے چلتے رک کر اسے دیکھا جو گم صم تھی خاموش تھی۔

''پریشے!''

''ہاں۔'' وہ چونکے بنا اسے دیکھنے لگی۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' وہ وہیں کھڑا تھا جبکہ پریشے دو قدم آگے جا چکی تھی۔

''یہی کہ یہ بارش کتنی خوبصورت لگ رہی ہے۔'' اس نے پوری دیانت سمیت اپنی سوچوں کا صرف ایک سرا اسے تھما دیا۔

''صرف اس لئے کہ ہم دونوں اکٹھے بارش میں بھیگ رہے ہیں۔'' طارق نے اس کی بھیگی اور بھیگ کر غضب ڈھاتی حسین لمبی پلکوں کو بغور دیکھا۔

''طارق آپ بدل رہے ہیں، آپ پہلے تو ایسے بے دھڑک کوئی بات نہیں کہہ دیا کرتے تھے۔'' وہ خفیف سی ہو گئی تھی اور جز بز بھی، طارق نے ایک سرد آہ بھری اور اپنے اور اس کے درمیان حائل بارش کے حسین پردے کو دیکھا۔

''میں اپنی محبت کے بے رنگ خوابوں میں بہت سے خوبصورت رنگ بھرنے کا متمنی ہوں پریشے!'' پریشے نے اس گزارش کو سنا اور یاسیت سے سر جھکا لیا، دکھ اس کے اندر بے آواز رونے لگے، آسمان سے اترتی بوندوں کی طرح جو بے آواز پہاڑوں پودوں سرمئی تارکول کی سڑک پہ برس رہی تھی۔

''واپس چلیں؟''

''نہیں۔'' طارق نے فی الفور انکار کیا اور قریب ہی لگے گلاب کے کنج سے بارش میں نہایا مہکا مہکا سا سرخ گلاب توڑ کر اس کی جانب بڑھا دیا، پریشے ایک دم چونکی تھی اور پھر بغیر کسی ہچکچاہٹ کے پھول لے لیا، طارق نے اس فرمانبرداری اور آمادگی کے مظاہرے کو دیکھا اور وجود میں ہونے والی نوٹ پھوٹ کو سہنے لگا۔

(کیا تھا کیا تھا اگر وہ اسی طرح اس کو بھی قبول کر لیتی) اندر کی وحشت نے کبھی اسی طور اس پہ غلبہ پایا وہ، وہ اسی بے خودی میں آگے بڑھا اور اچانک پریشے کو دونوں شانوں سے جکڑ کر اپنے مقابل کر لیا، پھر اس کے چونک اٹھنے اس کی غیر یقینی کو اپنی جلتی بلتی آنکھوں سے تیز ہوتے تنفس سمیت عجیب نظروں سے دیکھنے لگا۔

(کاش پریشے! کاش! تم ہر معاملے میں میری اتنی ہی فرمانبردار ہوتیں تو آج میں اتنا ادھورا اتنا مضطرب نہ ہوتا، تم نے شادی سے انکار کر کے مجھے اندر سے برزخ میں تبدیل کر دیا، تم نے مجھے مجھ سے چھین کر ماہ نور کے لئے اور سرد اور کول کر دیا، کاش پریشے تم آئی نہ ہوتیں میری زندگی میں، بس ماہ نور ہوئی، تاکہ میں ساری زندگی محبت کے اس رخ سے آگاہ ہی نہ ہوتا جو تمہارے آنے کے بعد میرے دل پہ منکشف ہوا میں حیران ہو کر سوچتا ہوں اگر تم سے میں نے محبت کی تو ماہ نور کے لئے میرے اس احساس کا نام کیا تھا؟ محبت طے ہے مرتی نہیں ہے مگر ماہ نور کے لئے جو جذبہ تھا وہ تو کب کا اپنی موت مر گیا، اگر تم میری زندگی میں نہ آئی ہوتیں تو میں تمہیں گنوانے کے بعد اندر سے اتنا خالی نہ ہوا ہوتا، آہ! کتنا بدل ڈالا تم نے طارق شیرازی کو وہ آگ تھا تم نے اسے گلیشئر میں ڈھال دیا، وہ متبسم مزاج تھا تم نے اسے صابروں کے قبیلے میں شامل کر دیا، وہ شعلہ تھا تم نے اسے شبنم میں بدل دیا، وہ جابر حکمران تھا تم نے اسے درویش بنا ڈالا، وہ تو چھین لینے والوں میں سے تھا، تم نے اس کے ہاتھ میں کاسہ تھما کر اس کی زبان کاٹ دی، یہ کیا سے کیا کر دیا تم نے پریشے! کیوں کر دیا؟ میں کیسے جیئوں گا اب، بتاؤ پریشے میں کیسے جیئوں گا تمہارے بن جینا دوسرے لفظوں میں موت ہے، یہ کیا ظلم کر ڈالا تم نے۔) اس کا دل پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور آنسوؤں کے سیلاب میں اپنا آپ بہتا محسوس کرتا رہا، معاً اسے اپنی گستاخ نظروں اور گناہ کی حد تک بڑھی ہوئی جسارت کا خیال آیا تو پہلے نظروں کو جھکایا پھر ہاتھ اس کے کاندھوں سے ہٹا لئے، ہاں جس نام کو جس سراپے کو ذہن و نگاہ باوضو ہو کر سوچے اور دیکھے وہاں ایسی خواہشات لئے اٹھنا اور چھونا گناہ کبیرہ ہی تو تھا، اسے نزدیک پریشے کو یوں دھڑلے سے چھونا بھی سراسر نفس پرستی کی آلودگی تھی، وہ خفت زدہ سا سر جھکائے فاصلے پہ ہو گیا، بارش اسی تواتر سے دونوں کو بھگو رہی تھی۔

''آئی ایم ساری!'' اس نے بھاری بوجھل آواز میں اسے دیکھے بغیر کہا، پریشے جو اسے ہی دیکھ رہی تھی اور جسے اس کے دل و دماغ تک رسائی تھی بغیر کسی مزاحمت کے بغیر کسی ناپسندیدگی کے بس اس کی وحشت اضطراب اور ہیجان کو محسوس کرتی اندر تک تھکن کا شکار ہوتی رہی، اس نے ہونٹ بھینچے اور چہرہ جھکا لیا۔

(مجھے معاف کر دیں طارق! میں بہرحال آپ کی مجرم ہوں، میں نے اپنے اختیارات کا بہت ناجائز فائدہ اٹھایا، اس زیادتی کا اختیار یا حق مجھے اپنی ذات تک ہونا چاہیے تھا نہ کہ آپ تک بھی۔) وہ مضمحل سی اس کے ساتھ ساتھ چلتی رہی، یہاں تک کہ وہ درانی ہاؤس کے گیٹ تک آ پہنچے، اس دوران دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم بالکل خاموش رہے تھے اور جب طارق نے الوداعی نگاہوں سمیت اسے دیکھا تو پریشے تمام کرب سمیٹ کر بہت جذب سے مسکرانے لگی۔

''آیئے میں آپ کو اپنے ہاتھ سے چائے بنا کر پلاتی ہوں۔'' اور طارق جو پہلے ہی شدید قسم کی ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا خود ترسی میں مبتلا ہو گیا۔

''بہلانا چاہ رہی ہیں تو جان لیں اب یہ ممکن نہیں۔''

''طارق!'' وہ سخت مضطرب سی ہو گئی تو طارق نے گہرا سانس کھینچا اور ہارے ہوئے انداز میں اس کے ساتھ ہو لیا، یوں جیسے خود پہ اختیار ہی نہ ہو بس اس کی مرضی اس کی رضا ہی سب کچھ ہو۔

(کاش طارق میں آپ کو بہلانے میں بھی کامیاب ہو جاتی مگر میں جانتی ہوں ایک یہ کام میرے بھی بس سے باہر کا ہے، اب تو آپ کے سکون کی اللہ سے ہی التجا کرنی ہے، شاید اس طرح آپ کے کچھ قرض اتر سکیں) اور جب وہ پریشے کے ہاتھ کی بنی چائے پی کر وہاں سے رخصت ہو رہا تھا اس کے سیل فون پہ میسج ٹون بجی تھی، اس نے دھیان نہیں دیا اور جب گیٹ تک اسے چھوڑنے کو ساتھ آئی پریشے نے اسے اچانک مخاطب کر لیا تھا۔

''طارق میں نے کوشش کی ہے کہ میں اس ہاتھ کی طرح نہ بنوں جو اک خوبصورت پھول کو

توڑتا ہے، ہاں البتہ میں نے اس پھول کا کردار نبھانے کی کوشش ضرور کی ہے جو توڑنے والے ہاتھ کو بھی خوشبو دیتا ہے، آپ سمجھ رہے ہیں نا میں کیا کہنا چاہتی ہوں۔'' اور طارق نے ضبط کی کوشش میں سرخ پڑتی آنکھوں سے لمحہ بھر کو اس پر ایک عقیدت بھری نگاہ ڈالی۔

''ڈونٹ وری پری! میں آپ کی نیکی کو ضائع نہیں ہونے دوں گا۔''

اور پری شیشے آرائش لیمپ کے ساتھ لگ کر اسے جاتے دیکھتی رہی کون جانتا تھا اس کے چہرے پہ پڑنے والی بارش کی بوندوں میں کتنے آنسو بھی بہہ گئے تھے اور اس کے ہونٹ بے آواز ہل رہے تھے۔

ادھوری محبتوں کی راکھ اپنے ہاتھوں پہ اٹھائے
میں چاہے منوں مٹی تلے جا سوؤں
مگر یقین رکھنا!
محبتوں کی تکمیل تم تھے
تمام تمناؤں کا محور تمہی تھے
جو سوچوں تو کوئی بڑی بات نہ تھی
تیری ذات سے مکمل ہو سکتی تھی ذات میری
مگر اسی ادھورے پن کے ساتھ
محبتوں میں تشنگی کو اپنا مقدر بنائے
میں مر بھی جاؤں تو یقین رکھنا کہ
وقت آخر بھی ان ہونٹوں نے
تیرا ہی نام پکارا ہو گا
میری آنکھوں کو انتظار تمہارا ہو گا

وہ واپسی کو پلٹی تو اس کی سسکیاں ہچکیوں میں بدل چکی تھیں اور بالائی منزل کی کھڑکی میں کھڑی سونیا کا دل اس کے درد پہ بوجھل ہوتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

ہم جو خوابوں کے بیوپاری تھے پر اس میں ہوا نقصان بڑا
کچھ بخت میں ڈھیروں کالک تھی کچھ اب کے غضب کا کال پڑا
ہم راکھ لئے ہیں جھولی میں اور سر پہ ساہوکار کھڑا
جب دھرتی دھرتی صحرا تھی ہم دریا دریا روتے تھے
جب ہاتھ کی ریکھائیں چپ تھیں اور سر سنگیت میں کھوتے تھے
تب ہم نے جیون کھیتی میں کچھ خواب انوکھے بوتے تھے
کچھ خواب سجل مسکانوں کے کچھ بول بہت دیوانوں کے
کچھ لفظ جنہیں معانی نہ ملیں کچھ گیت شکستہ جانوں کے
کچھ نیر وفا کی شمعوں کے کچھ پہ پاگل پروانوں کے
پھر اپنی گھائل آنکھوں سے خوش ہو کے ہو چھڑ کایا تھا
اور بھول گئے پچھلی رت میں کیا کھویا تھا کیا پایا تھا

ہر بار گگن نے وہم دیا اب کے برکھا جب آئے گی
ہر بیج سے کونپل پھوٹے گی اور ہر کونپل پھل لائے گی

طارق شیرازی گھر پہنچا تو بے حد اپ سیٹ تھا، جیکٹ اتارتے ہوئے اس نے اس کی پاکٹ سے سیل فون نکالا تو اس میسج کا خیال آیا، وہیں بیڈ کے کنارے تک کر اس نے بٹن پش کیا اور میسج کھولا ماہ نور کی طرف سے تھا عجب دھونس لئے۔

یاد آؤں کی اچھے دنوں کی صورت
میں مکمل تیری تنہائی نہیں ہونے دوں گی

''اگر آپ چاہیں کہ مجھے بھول جائیں تب بھی میں ایسا نہیں ہونے دوں گی یاد رکھیے گا طارق آپ صرف میرے ہیں۔'' طارق کے چہرے پہ موجود گمبھیرتا میں کچھ اور بھی اضافہ ہو گیا

''بعض اوقات خوش فہمی اور غلط فہمی بھی عافیت دیتی ہے، اس میں سکون بھی پوشیدہ ہوتا ہے، اس زعم میں اگر تم جیتی رہو تو کیا حرج ہے۔'' اس نے سوچا پھر کسی خیال کے تحت ایک نظم ٹائپ کرنے لگا۔

آج فراغت پاتے ہی ماضی کا دفتر کھولا ہے
تنہائی میں بیٹھ کے اپنا ایک ایک زخم ٹٹولا ہے
چھان چکا ہوں جسم و روح پہ آئی ہوئی خراشوں کو
الٹ پلٹ کر دیکھ لیا ارمانوں کی لاشوں کو
کمرے میں رکھا تھا کہیں یا دل میں کہیں دفنایا تھا
جانے وہ انمول خزانہ میں نے کہاں چھپایا تھا

اس کی تیزی سے ٹائپ کرتی انگلیاں ایک لمحہ کو تھمیں۔

''کیا مجھے ایسا کرنا چاہیے؟ اگر مجھے آگ ملی تو مجھے آگ کو ہی بانٹنا چاہیے، ہاں مگر صرف ان لوگوں کو جو اس کے ذمہ دار تھے۔'' اس نے خود کو راست پایا اور اسی سرعت سے پھر ٹائپ کرنے لگا۔

''ہاں آج میں تمہیں وہ سچ ضرور بتاؤں گا جسے جاننا تمہارا حق ہے۔''

ساری عمر کا حاصل تھی یہ کھونے والی چیز نہ تھی
ورق ورق دیکھا ہے اپنی گرد آلود کتابوں کو
جیسے کوئی بے دری میں ڈھونڈ رہا ہو خوابوں کو
عقل کے ہاتھوں سے بھی اکثر نادانی ہو جاتی ہے
بہت سنبھال کر رکھنے سے بھی چیز کوئی کھو جاتی ہے
اپنے سارے گھر والوں کو دیوانہ سا لگتا ہوں
اس کمرے سے اس کمرے تک کھویا کھویا پھرتا ہوں
سوچ سمجھ کر دنیا کی نظروں سے بچا کر رکھا تھا
میں نے تو اس یاد کو اپنے لئے بچا کر رکھا تھا
تیری یاد کہیں رکھ کر میں تو بالکل بھول گیا ہوں

میسج سینڈ کر کے اس نے سیل فون بستر پہ اچھال دیا اور خود ہاتھ لینے کے ارادے سے واش

روم کی سمت چلا گیا۔

☆☆☆

عکس پانی کا اگر قید کیا جا سکتا
عین ممکن تھا میں اس شخص کو اپنا سکتا
کتنی بے سود جدائی ہے کہ رنج ہے نہ ملال ہے
کوئی دھوکہ ہی وہ دیتا کہ میں پچھتا سکتا

تمام سامان باندھا جا چکا تھا، ہر تیاری مکمل تھی بس شہریار کا انتظار تھا، جو رابیل سے اس بات کو سننے کے بعد ایسا غائب ہوا تھا کہ اب اس کا انتظار کرتے اس کے علاوہ گھر کے باقی تمام افراد پریشانی اور تشویش کا شکار ہو چکے تھے، ایک وہی تھی جس کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا، اسے لگ رہا تھا وہ دھوکے باز فریبی ایک بار پھر اسے دغا دے گیا ہے، اسے لگ رہا تھا وہ اس کا مطالبہ سننے کے بعد ہی دانستہ غائب ہوا ہے ماما دو بار جبکہ ماہ نور متعدد بار آ کے اس سے شہریار کے متعلق استفسار کر گئی تھی کہ کہیں وہ اسے تو کچھ کہہ کر نہیں گیا، اس کا موڈ اسے جواب دیتے بری طرح سے بگڑ گیا تھا۔

"مجھے کیا پتہ؟ تمہیں اچھی طرح پتہ ہے تمہارے بھائی سے میرے کس قسم کے تعلقات ہیں۔" وہ آخر پھٹ پڑی تھی اور ماہ نور اتنی پریشان تھی غالباً کہ اس کی بدمزاجی پہ بھی دھیان نہیں دیا۔

"پتہ نہیں کہاں چلے گئے ہیں بھائی! اتنے غیر ذمہ دار تو نہیں ہیں کہ یوں پلٹ کر خبر ہی نہ لیں جبکہ جانتے بھی ہیں کہ آج ہمیں حویلی کے لئے نکلنا ہے۔" ماہ نور بھی ان کے ساتھ حویلی جا رہی تھی اور بڑی اماں نے باخوشی اجازت دی، سلطان شاہ ایک بار پھر شہریار کا نمبر ٹرائی کرنے لگے جو ہنوز بند جا رہا تھا۔

"نہیں ہوا آغا سے رابطہ؟" اسی پل مما نماز ادا کرنے کے بعد اندر آئی تھیں کمرے میں ٹہلتے سلطان شاہ کو دیکھ کر سوال کیا۔

"نہیں اس کا نمبر آف ہے۔"

"خدا خیر کرے، وہ ایسی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ تو نہیں کیا کرتا۔" مما نے کس قدر تفکر میں مبتلا ہو کر کہا تو سلطان شاہ کچھ کہے بغیر جیسے کسی سوچ میں ڈوبنے لگے، اس سے پہلے کہ یہ سکوت کوئی توڑتا ان کے سیل پہ ایک تواتر سے بیل ہوتی چلی گئی، سلطان شاہ ایکدم چونکے اور جیب سے موبائل نکالنے لگے ماما کی بے چین نگاہیں بھی انہی پہ آ ٹھہریں، نمبر شہریار کا ہی تھا وہ ایکدم سے ایکسائیٹڈ ہوئے۔

"ہاں، آغا بیٹا آپ اتنے کیئر لیس کیوں ہو کہ......" معاً وہ یکایک خاموش ہوئے اور دوسری جانب کی سننے لگے، ماما کی سوالیہ مگر بے تاب نظریں ان کے لمحہ بہ لمحہ تاریک پڑتے چہرے پہ ٹھہریں جیسے گھبراہٹ کا شکار ہونے لگیں، سلطان شاہ کے چہرے پہ زلزلے کے آثار نمودار ہوئے تھے وہ کھڑے سے ایکدم بیٹھ گئے، مما کو لگا ان کا دل اپنی دھڑکنیں کھونے لگا ہو، کسی انہونی کا خیال انہیں دہشت زدہ کر گیا، وہ بے ساختہ و بے اختیار لپک کر ان تک آئی تھیں اور اپنا کانپتا ہوا ہاتھ ان کے شانے پہ دھر کے دہشت زدہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"س...... سلطان شاہ......س...... سلطان ...... سلطان شاہ......" ان کے حلق سے سراتی

ہوئی آواز برآمد ہوئی۔

"کیا آغا کا فون تھا یہ؟ مگر آپ یوں......" خدشات کی یلغار نے انہیں بات مکمل نہیں کرنے دی۔

"آغا کے فون سے کسی انجان آدمی نے کال کی ہے، آغا کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور وہ ہاسپٹل میں ہے۔"

"نہیں۔" وہ زور سے چیخیں اور بے ساختہ گھٹی گھٹی سی آواز میں رونے لگیں۔

"یا اللہ رحم! وہ میری صدیوں کی دعاؤں کا ثمر ہے، لاتعداد آنسوؤں اور مناجاتوں کے بعد کا حاصل، اسے تو ابھی میں نے جی بھر کے دیکھا بھی نہیں اسے کچھ ہونے سے پہلے مجھے اٹھا لینا مجھے اس بری خبر سے بچا لے۔" آنسوؤں آہوں کے درمیان انہوں نے سب سے پہلا رابطہ اپنے مالک حقیقی سے ہی استوار کیا، جو گزرے ہوئے ہر کٹھن لمحے میں ان کے ساتھ ساتھ رہا تھا یہ تعلق اتنا مضبوط تھا اتنا قوی کہ وہ یہ کٹھن راہ بڑے حوصلے سے عبور کر آئی تھیں اس پل انہیں لگا تھا ان کا دل دھڑکن بھلا بیٹھا ہو، سلطان شاہ کے چہرے پہ موجود زلزلے کے آثار انہیں معاملے کی سنگینی کی خبر دے رہے تھے ان کا نازک بیمار دل یہ خبر سہار نہیں پا رہا تھا، آنکھوں تلے گویا اندھیرے سے چھا رہے تھے سلطان شاہ سب کچھ بھلا کر ان کی جانب لپکے جو ایک جانب کو لڑھک گئی تھیں، تب ہی ماہ نور کے ساتھ زوحا صوحا اور گھر کے دیگر افراد بھی وہاں آ گئے۔

"کیا ہوا پاپا! ماما کو کیا ہوا ہے؟" ماہ نور نے حواس باختگی کے عالم میں سوال کیا تھا۔

"آغا کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے، ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہے، آپ اپنی ماما کو سنبھالو مجھے فوری ہاسپٹل پہنچنا ہے۔" انہوں نے سارا کے بے سدھ ہو جانے والے وجود کو فرش سے اٹھا کر بستر پہ منتقل کرتے ہوئے بھینچی بھینچی ہوئی آواز میں کہا اور لمبے ڈگ بھرتے چلے گئے، ماہ نور جو یہ خبر سن کر چکرا سی گئی تھی فق چہرے سمیت ان کے پیچھے بھاگی، مگر تب تک وہ گاڑی نکال لے گئے تھے، وہ متوحش سی پلٹ کر اندر آئی تو زوحا اور صوحا ماما کو ہوش میں لانے کی کوششوں میں مصروف تھیں جبکہ طلحہ اور عینا ایک سائیڈ پہ سہمے ہوئے کھڑے تھے، ماہ نور کی نظریں رابیل پہ آن ٹھہریں، جو دیوار کے سہارے خالی نظریں لئے کھڑی تھی وہ بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ اس کے نزدیک آ گئی۔

"خوش ہو جاؤ، تمہاری بددعائیں لگنے جا رہی ہیں میرے بھائی کو، یاد رکھنا رابیل اگر انہیں کچھ ہوا تو میں ساری زندگی تمہیں معاف نہیں کروں گی۔" وہ مٹھیاں بھینچ کر زور سے پھنکاری، رابیل نے غائب دماغی کی کیفیت میں اسے دیکھا تھا اس کا سائیں سائیں کرتا ہوا دماغ ماہ نور کی کوئی بھی بات سمجھنے سے قاصر رہا تھا، بس شہریار کا چہرا تھا، چشم تصور میں جو دھیرے دھیرے دھند میں غائب ہوتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

ہچکیاں لیتا رہا نالہ شب گیر میرا
آہ دم توڑ گئی سینے میں ذرا پہلے
زندگی موت کی بانہوں میں چھپی جاتی ہے
گرفت سانس بھی لاغر سی ہوئی جاتی ہے
چراغ بجھ گئے بس جلتا دھواں باقی ہے

اب آئے ہو؟
کہ برخاب بدن میں کسی امید کی
اک ذرا سی گرمی بھی کہیں باقی نہیں
اب آئے وہ کہ کھیل ختم ہوا چاہتا ہے
اب آئے ہو کہ شب انتظار بیت چلی
اب آئے ہو کہ کھو جانا میرا لازم ٹھہرا

وہ سب ہی ایک افراتفری ایک سراسیمگی کی کیفیت میں اڑے ہوئے حواسوں اور بے ترتیب دھڑکنوں میں دعاؤں کی مالا پروتے ہاسپٹل پہنچے تو سلطان شاہ انہیں آپریشن روم کے باہر ہی کاریڈور میں اضطراب اور بے کلی کے ساتھ ٹہلتے نظر آ گئے۔

''پاپا! پاپا پلیز بتائیے ٹھیک تو ہیں نا بھائی؟'' ماہ نور کا ضبط بالآخر جواب دے گیا وہ سسکتی ہوئی ان کے سینے سے لگ گئی تھی اس کے سوال میں کتنی وحشت کیسا خوف و اضطراب سمٹا ہوا تھا، وہ کیا جواب دیتے جو خود رب کے آگے سراپا عاجز تھے، ان کا تو اپنا دل خدشات سے بند ہوا جا رہا تھا، ان کا وہ ہاتھ جو اس کے سر پہ ڈھارس کے انداز میں آ کر ٹھہرا تھا اس میں لرزاہٹ تھی کہ ڈاکٹر نے آپریشن تھیٹر میں جانے سے قبل انہیں شہر یار کی کنڈیشن کے متعلق کسی امید کا سرا نہیں تھمایا تھا، بس دعا کو کہا تھا کہ اس کی حالت بے حد سیریس تھی، چوٹ سر کے پچھلے حصے یعنی دماغ میں آئی تھی اور یہ چوٹ بہت خطرناک ثابت ہوئی تھی، فضا میں ہراس سانس لیتا رہا۔

''کیا بھائی اندر ہیں پاپا؟'' ماہ نور نے اک متوحش نگاہ آپریشن تھیٹر کے بند دروازے پہ ڈال کر سسکی سی بھری۔

''ہاں آپریشن ہو رہا ہے، بیٹا دعا کرو اس وقت دعا سب سے اہم ہے۔'' انہوں نے بوجھل آواز میں کہا اور ماما کو دیکھا جن کے چہرے پہ سرسوں کا رنگ پھیلا ہوا تھا، محض گھنٹے ڈیڑھ کے اس مختصر سے دورانیے میں وہ یوں نچڑ گئی تھیں جیسے لہو کی آخری بوند بھی ان کے جسم سے کھینچ لی گئی ہو، بند لرزتی پلکیں آنسو لٹا رہی تھیں تو کپکپاتے ہونٹوں پہ دعاؤں کا مستقل بسیرا تھا، رابیل کو یکا یک اپنا آپ مجرم سا محسوس ہونے لگا، کوئی جیسے بہت بے دردی سے اسے کانٹوں پہ گھسیٹ رہا تھا۔

''تو کیا شہر یار واقعی اس بات کی ٹینشن کی وجہ سے؟'' اس کا دل اتھاہ گہرائیوں میں اترا۔

''کیا وہ بچ پائے گا؟'' ایک خوفناک سوچ منہ پھاڑے اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی کتنا سناٹا در آیا تھا ایکا ایکی اس کے اندر وہ تو زندگی کو پھر سے جینے کا متمنی تھا، اس سے معافی کا طلبگار، وہ تو گناہ کی زندگی سے لوٹ آیا تھا اس کی معنی اس کا تغیر اس کی باتیں اس کے عمل سب گواہ تھے اور صبح کا بھولا شام کو گھر لوٹے تو اسے بھولا نہیں کہا جاتا، دلوں کا حال تو خدا جانتا ہے، وہ بھلا کون ہوتی تھی اسے ملامت کرنے والی اور یہ عورت، اس نے مما کو دیکھا جو بے دم سے انداز میں صوفے کی بیک سے سر ٹیکے خاموش آنسو بہا رہی تھیں، یوں حراساں نظر آتی تھیں جیسے عمر بھر کی پونجی کھو جانے کے خوف سے نڈھال ہو، اس نے ماہ نور کو دیکھا عینا اور طلحہ کو دیکھا جن کے چہروں پہ وحشت رقم تھی، جو بھائی کے مل جانے پہ بے پایاں قسم کی خوشی سے دوچار تھے اور وہ شخص اس نے سلطان شاہ کو دیکھا اور خوفزدہ سی ہونے لگی۔

کتنے احسانات تھے ان لوگوں کے اس پر اور کیا ظلم ڈھایا اس نے ابھی تو خوشیاں اس گھر کے

در و دیوار سے مانوس بھی نہ ہوئی تھیں کہ پھر سے خوف اور غم کی یلغار ہونے کو تھی اور اگر ان سب لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اس کی ذمہ دار میں ہوں تو یہ مجھے معاف کر پائیں گے؟

اس نے سوچا اور بے ساختہ جھرجھری سی لی، اسے یاد آنے لگا نا چاہنے کے باوجود اس کی نگاہوں میں شہر یار سے ہونے والا وہ آخری مکالمہ یاد آنے لگا، اس کے الفاظ بازگشت بن کر اس کی سماعتیں بے کار کرنے لگے، وہ پاپا کو چائے دینے کے بعد اس کا جواب لینے کو لوٹی تھی جب اس نے دیکھا تھا، شہر یار کی چائے کا مگ یونہی سلیب پہ دھرا تھا، جبکہ شہر یار اس زاویے سے کھڑا تھا جیسے وہ اسے چھوڑ کر گئی تھی، عجیب انداز تھا گویا کوئی جواری اپنی آخری پونجی بھی لٹا بیٹھا ہو، اس کے چہرے پہ جتنی بھی رونقیں اور خوشیاں تھیں وہ گویا رابیل کے اس مطالبے کے ساتھ ختم ہو گئی تھیں اس کی جگہ نقصان کا خوف وہاں تاریکیاں پھیلا رہا تھا اس کی جو حالت تھی وہ کسی کو بھی پسیجنے پہ مجبور کر دیتی مگر وہ رابیل تھی جس کا دل اس کی طرف سے پتھر ہو چکا تھا، جبھی تو وہ چلتی ہوئی عین اس کے سامنے آن کر رک گئی تھی۔

''تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا شہر یار! میں چاہتی ہوں اب تم اپنا وعدہ پورا کرو تاکہ میں اس گھر سے جا سکوں، یہ بات تو طے ہے کہ ہمارے راستے الگ ہیں۔'' اس نے سفاکی سے کہا تھا اس کے باوجود کہ وہ سفاک ہرگز نہ تھی، شہر یار نے شدت ضبط سے سرخ ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھا اس کے چہرے پہ عجیب سی بے بسی رقم تھی۔

''کہاں جاؤ گی تم؟'' وہ اس سے اپنے راستے الگ کر رہی تھی اور وہ اس کے لئے فکر مند ہو رہا تھا چونکانے والی بات تو تھی۔

''یہ تمہارا نہیں میرا مسئلہ ہے۔'' رابیل جواب میں پھنکار اٹھی۔

''نہیں یہ میرا ہی مسئلہ ہے اگر تم سمجھو۔'' وہ بہت جبر کر رہا تھا خود پہ اس کے باوجود اس کی آواز میں لرزش تھی۔

''جب میرا تم سے کوئی تعلق نہیں رہے گا تو پھر میرا ہر مسئلہ صرف میرا ہو گا سمجھے؟'' رابیل نے بے تحاشا غصے میں جواب دیا، وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا، وہ اب اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔

''رابیل میں نے وعدہ کیا تھا تم سے اور جب وعدہ کیا تب میں ہرگز نہیں جانتا تھا تمہارا مطالبہ میری روح کھینچ لے گا، میں اس امر پہ بھی تیار ہوں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ مجھے صرف تمہاری خوشی درکار ہے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں، تم میری غیر موجودگی میں تو میری فیملی کے ساتھ رہ سکو گی نا؟ کیونکہ بہر حال نفرت کی وجہ تو میں ہی ہوں نا تمہارے لئے۔'' وہ ذرا توقف کر کے عجیب دل شکستگی کے احساس سے ہنسا پھر ہونٹ بھینچ کر خود کو کمپوز کر کے بولا تھا۔

''میں یہاں سے چلا جاؤں گا کبھی لوٹ کر نہ آنے کے لئے، مگر رابیل پلیز پلیز ذرا سی گنجائش نکال لو، طلاق مت لو اس بندھن کو قائم رہنے دو کہ شاید ہو سکتا ہے کبھی تمہارے دل میں میرے لئے گنجائش......''

''شٹ اپ جسٹ شٹ اپ۔'' اس کی عاجزی اور لجاجت کے جواب میں وہ حلق کے بل غرائی۔

''تم مجھے طلاق دو، ابھی اور اسی وقت میں ایک پل کو بھی مزید انتظار نہیں کر سکتی۔'' ٹیمپر لوز کرتی وہ ایکدم آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑ کر زور کا جھٹکا دیتے ہوئے چیخی تھی، وہ ہل کر رہ گیا

مگراسے جواب میں کچھ کہے بغیر خاموش اور بے بس نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

''پلیز رابیل! کچھ تو سوچو، ماما پاپا کے بارے میں، اپنے ایزد کے بارے میں، کیا اسے تمہارے ساتھ میری ضرورت نہیں ہے؟''

''نہیں ہے اسے تمہاری ضرورت وہ صرف میرا بیٹا ہے اور جہاں تک تمہارے رشتوں کا تعلق ہے تو میں ان کے متعلق سوچ کر خود کو ہلکان کیوں کروں، یہ خالصتاً تمہارے سر کا درد ہے کہ تم کسی کو کیا وجہ بتلاتے ہو۔'' اس نے پھنکار کر کہا تھا، شہریار کا وجیہہ چہرا پل میں دھواں دھواں ہو گیا۔

''رابیل تمہیں شاید کبھی یقین نہ آسکے کہ تمہیں بے اعتبار کرنے والا بھی میں خود ہوں مگر یہ حقیقت ہے کہ مجھ میں تمہیں خود سے الگ کرنے کا حوصلہ ہے نہ ہمت میں کیا کروں کیسے خود اپنی موت کے پروانے پہ دستخط کر دوں، تم دعا کرو خدا اس مشکل کا بہتر راستہ نکال دے۔'' وہ اس پل کتنا لاچار کتنا بے بس نظر آتا تھا اور جب وہ پلٹ کر جانے لگا تھا رابیل نے پیچھے سے اس کی شرٹ کا دامن پکڑ کر جھٹکا دیا تھا۔

''خدا سے دعا مانگوں اس مشکل سے بہتر راستے کی جانتے ہو تمہارے لئے میرے دل میں قطعی کوئی گنجائش نہیں ہے، کیا میں یہ دعا مانگوں کہ تم مر جاؤ، بیوہ ہو جاؤں گی تو لوگ اس بربادی کی وجہ تو نہیں پوچھیں گے ناں مجھ سے نہ ہی مجھے معتوب ٹھہرائیں گے، ہاں تمہیں پھر مر جانا چاہیے شہریار۔'' وہ کتنی بے حسی اور سفاکی سے منہ بھر بھر کے اسے بد دعائیں دیتی چلی گئی تھی اور شہریار جو گنگ سا ہو کر اسے دیکھنے لگا تھا یکدم ہنس پڑا تھا۔

''ہاں یہ صحیح ہے، اگر تمہاری دعا قبول ہو جائے تو تمہیں مجھ سے چھٹکارا مل سکتا ہے، آمین ضرور کہو اس طرح دعا کی قبولیت میں شک نہیں رہتا۔'' اور تب اس پل اس نے گمان تک نہ کیا تھا اگر زندگی میں ایسے لمحات سے وہ دوچار ہو گئی تو اس کی کیفیات کیا ہوں گی۔

''تم کیا یقین کرو گی بیہ جو کھیل میں نے غرض اور ہوس کی لالچ میں شروع کیا تھا، وہ دل اور روح کا سودہ ثابت ہوا اور میں اپنے اس نقصان پہ کچھ بھی نہ کر پایا، محبت......''

''اسٹاپ اٹ اینڈ ناؤ گیٹ لاسٹ پلیز۔'' وہ رخ پھیر کر بھینچے ہوئے لہجے میں بولی تھی، پھر اس کے دور ہوتے قدموں کی آہٹ کو سن کر ہی رخ پھیرا تھا، وہ باہر آئی تو اسے بیرونی دروازے میں کھڑے دیکھا تھا، وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا اس پل اس کی آنکھوں میں کیا تھا وہ کچھ پل نگاہ نہیں ہٹا پائی تھی شاید کوئی حسرت شاید کوئی ملال اور تشنگی۔

''تم فکر مت کرنا بیہ! میں نے یہ ایک آخری کوشش کی تھی اس سوچ کے ساتھ کہ شاید میں تمہیں پانے میں کامیاب ہو جاؤں لیکن اگر تم راضی نہیں ہو تو میں تمہارے حسب منشاء فیصلہ کروں گا۔'' اس نے اس کے نزدیک سے گزرتے ہوئے سرگوشی سے مشابہہ آواز میں کہا تھا اور گھر سے چلا گیا تھا۔

مگر اب وہ سمجھی تھی تو لرز اٹھی تھی کہ وہ اس کے لئے کیسی آزادی کا انتظام کرنے نکلا تھا کہ اپنی جان پہ کھیل گیا۔

''کیا شہریار نے دانستہ......؟'' اس نے سوچا اور پوری جان سے کانپ اٹھی۔

دانستہ یا اس کی بد دعا کے طفیل کچھ بھی تھا اگر اسے کچھ ہوتا تو وہ کبھی خود کو معاف نہ کر پاتی، تبھی ایزد اس کی گود میں کسمسایا تھا اور اسی پل آپریشن روم کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹر اپنے گلوز اتارتے ہوئے باہر آیا، سلطان شاہ لپک کر اس کی جانب گئے تھے۔

''ڈاکٹر صاحب میرا بیٹا، میرا آغا۔'' سلطان شاہ کے ساتھ ساتھ باقی سب بھی ڈاکٹر کے چہرے کو آس اور خوف کی ملی جلی کیفیت میں مبتلا ہو کر دیکھنے لگے، تمام حسیات کو اس پل آنکھوں میں آن سمٹی گویا ڈاکٹر کے منہ سے نکلنے والے الفاظ ہی ان کے لئے موت و زیست کے پیامبر تھے۔

''آپریشن کامیاب رہا ہے، مگر آئندہ چوبیں گھنٹے پیشنٹ کے لئے بے حد اہم ہیں، صرف دعا کریں، اسی بے ہوشی کے دوران کچھ بھی ہو سکتا ہے، کومے میں جانے کا بھی خدشہ ہے اور موت واقع ہونے کا بھی، اگر ہوش آ گیا تو پھر سمجھیں خطرہ ٹل گیا۔'' ڈاکٹر اپنی بات مکمل کرنے کے بعد سنجیدہ صورت اور پر اعتماد قدموں سے آگے بڑھ گیا، تبھی ایکدم ایزد بہت چیخ کر رویا تھا اور روتا چلا گیا، مگر اس کی آواز پہ بھی وہاں موجود افراد پہ چھا جانے والا سکتہ نہیں ٹوٹ سکا۔

☆☆☆

میں بارشوں میں جو یاد آؤں تو سوچ لینا
کہ اس کی بوندوں میں میرے اشکوں نے گھر کیا ہے
سفر کیا ہے اثر کیا ہے
میں بارشوں میں جو یاد آؤں تو سوچ لینا
کہ بھیگے تو ہم نے تیرا آنچل بھگو دیا ہے
تھا درد ہجراں بڑا ہی قاتل
جو میرے دل میں سمو دیا ہے
تمہارے وعدوں کا محل تھا جس کی بنیاد پانیوں پر
یہی سبب ہے کہ تیز لہروں نے آخر اس کو ڈبو دیا ہے
میں بارشوں میں جو یاد آؤں تو سوچ لینا

رابیل ساکت بیٹھی تھی پورا خاندان امڈ آیا تھا، طارق شیرازی کا پورا گھرانا اور دور و نزدیک کے رشتہ دار، داؤد حسن خاں، نگین اور وقاص سبھی نے باری باری اسے حوصلہ اور امید دلائی تھی مگر وہ تو جیسے حواسوں میں ہی نہ رہی تھی۔

وقاص نے پٹیوں میں جکڑے شہریار کو دیکھا تھا اور کرب سے آنکھیں میچ لیں۔

''یارب العالمین! تو گواہ ہے میں نے کبھی اس خوبصورت شخص کو بد دعا نہیں دی تھی۔'' اس نے رابیل کے آنسو دیکھے تھے اور دل کو پانی بن کر پگھلتے محسوس کیا۔

''ماموں میں جا رہا ہوں، مجھے لگ رہا ہے اگر میں چند لمحے بھی مزید یہاں ٹھہرا تو میرا دل پھٹ جائے گا۔'' وہ گھبرا کر وہاں سے بھاگ گیا تھا، رابیل کی حالت ہر گزرتے لمحے کے ساتھ غیر ہوتی جا رہی تھی، احساس جرم تھا جو کسی طوق کی طرح سے اس کی گردن جکڑ رہا تھا، وحشت سراسیمگی ہراس وہ لمحہ لمحہ کی موت کا شکار تھی، چوبیں گھنٹوں میں سے اٹھارہ گھنٹے گزر گئے تھے جب داؤد حسن خاں ایک بار پھر شہریار کو دیکھنے کی غرض سے اس کے روم میں داخل ہوئے تھے تب ان کی نگاہ رابیل میں الجھ گئی تھی، جو تباہ کن حالت لئے اس کی پائنتی کی جانب کھڑی کسی مومی مجسمے کی مانند ساکت تھی اور پتھرائی ہوئی نظروں سے یک ٹک شہریار کے چہرے کو دیکھ رہی تھی، اگر وہ اس کی

آنکھوں سے تسلسل سے گرتے آنسوؤں کو نہ دیکھتے تو انہیں شاید یقین کرنا محال ہوتا کہ وہ سکتے میں نہیں ہے۔

"رابیل!" انہوں نے ایک نظر بے سدھ پڑے شہریار پہ ڈالنے کے بعد رابیل سے چند قدم کے فاصلے پہ ٹھہر کر نرمی و ہمدردی سے مخاطب کیا اس کی صرف آنکھوں نے جنبش کی تھی۔

"سس...... سر!" اس کے ہونٹ کانپے اور ایک کراہ سی دم توڑ گئی، پھر وہ یکدم اٹھ کر ان کے پاس آئی اور کسی چھوٹی سی حراساں بچی کی طرح سے ان کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں جکڑ لیا۔

"سر! شہری کو دیکھیں خفا ہو گیا ہے مجھ سے، اسے بلائیے سر اسے اٹھائیے، یہ آپ کے کہے اٹھ جائے گا، مجھ سے تو خفا ہے نا اس لئے نہیں سن رہا میری، آپ اسے بتائیے کہ رابیل اب اس سے خفا نہیں ہے، کبھی ہو گی بھی نہیں، بس یہ آنکھیں کھول دے ٹھیک ہو جائے۔" اس کی بھرائی ہوئی آواز آنسوؤں کی آمیزش لئے بوجھل تھی، اس کی گرفت میں اضطراب تھا، داؤد حسن خاں کو اس پہ بے تحاشا رحم آیا، ان کا ہاتھ تسلی و ڈھارس کے انداز میں اس کے سر پہ آن ٹھہرا مگر وہ ہنوز سراسیمہ تھی۔

"سر! اس کی چپ اور خاموشی سے میرا دل گھبرانے لگا ہے، یہ اس طرح تو کبھی بھی خاموش ہو کے نہیں لیٹا سر مجھے لگتا ہے یہ مجھ سے مایوس اور خفا ہو کے جا رہا ہے اسے روک لیجئے سر! یہ مجھے طلاق نہیں دینا چاہتا تھا، میں وعدہ کرتی ہوں سر میں اس سے کبھی طلاق نہیں مانگوں گی میں ہمیشہ اس کے ساتھ رہ لوں گی سر! اسے خدا کے لئے روک لیں، اسے مت جانے دیں۔"

اس کی آنسوؤں سے بھیگی آواز مسلسل رونے سے بھاری ہو چکی تھی، وہ اس پل یقیناً حواسوں میں نہیں تھی جبھی وہ بات بھی کہتی چلی گئی جو شاید نہیں کہنی چاہیے تھیں، وہ کچھ اس طرح سے اپنی بات کے اختتام پہ بلک بلک کر روئی کہ داؤد حسن خاں جیسے مضبوط اعصاب کے مالک بندے کو بھی چکرا کے رکھ دیا، انہیں قطعی سمجھ نہ آسکی کہ اس کی پاگل دیوانی بے وقوف سی لڑکی کو کیسے سمجھائیں یا سنبھالیں صد شکر کہ خدا نے ان کی مشکل کو آسان بنایا اور اسی پل دروازہ کھول کر نگین اور صوحا ایک ساتھ اندر چلی آئیں۔

"نگین پلیز رابیل کو سنبھالیں، پانی پلائیں انہیں۔" صوحا نے لپک کر بلکتی سسکتی رابیل کو نرمی و ہمدردی سمیت بانہوں میں سنبھالا تھا جبکہ نگین الٹے قدموں یقیناً پانی لینے کے ارادے سے پلٹ گئی تھی۔

"رابیل آنسو ضرور بہائیں مگر دکھ اللہ سے کہیں وہ سب سے بہتر عطا فرمانے والا ہے۔"

جب صوحا اسے یونہی سہارا دیئے باہر لے جا رہی تھی داؤد حسن خاں نے شہریار کے خشک نیلے پڑتے ہونٹوں پہ نظر جما کر بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا تھا رابیل کے قدم محض ایک پل کو تھمے تھے پھر وہ صوحا کے ساتھ باہر چلی گئی تھی۔

☆☆☆

ہمیں خبر ہے تمام دکھ ہے
یہ آس دکھ ہے نراش دکھ ہے
یہ تشنگی جو عذاب بن کے ٹھہر گئی ہے
بدن کے بوسیدہ ساحلوں پر
تو اس کا عدم دوام دکھ ہے
یہ شور کرتی ہوا کا سارا خرام دکھ ہے
ہمیں خبر ہے تمام دکھ ہے
یہ جو تم محبت نبھاتے ہو تو اس محبت کا نام دکھ ہے
یہ وصل موسم جو اک مسلسل مغالطہ ہے
تو اس رفاقت کا نام دکھ ہے
اور اس وحشت نما فضا میں خاموش رہنا بھی اک سزا ہے
مگر کسی سے کلام دکھ ہے
ہمیں خبر ہے تمام دکھ ہے

ڈاکٹر کے دیئے ہوئے چوبیس گھنٹوں میں سے تیئس گھنٹے گزر گئے مگر شہریار کو ہوش نہیں آیا تھا امید دعا اور فریاد میں مبتلا دلوں کو خوف نے مفلوج سا کر دیا، انجانے خدشات کے ہمراہ رابیل کا متوحش دل وحشت کی اتھاہ گہرائیوں میں اترتا جا رہا تھا، ہر سو سناٹا تھا، اتنے لوگوں کی موجودگی کے باوجود، فضا میں جیسے کسی حادثے کا پیش خیمہ تھا۔

(باقی آئندہ ماہ)

میرے ساحر سے کہو

ام مریم

پچھلی قسط کا خلاصہ

بالآخر ماہ نور کی خواہش نصیب کے ہاتھوں فتح سے ہمکنار ہوتی ہے اور وہ معجزہ رونما ہوتا ہے جس کی خود ماہ نور کو بھی توقع نہیں تھی، تائی اماں اسے پورے اعزاز کے ساتھ بہو تسلیم کرتی ہیں، ماہ نور خواہش کی تکمیل یا انا کی جیت کے بعد اپنے اصل کی طرف پلٹتی ہے تو یہ جان کر غم و غصے اور رنج و ملال سے ساکن ہونے لگتی ہے کہ اس کی راہ دیکھتی آنکھیں اب اس کے انتظار میں نہیں رہیں۔

وقاص ہنوز محبتوں کے صحرا میں خود کو ننگے پاؤں آبلہ پا محسوس کرتا ہے، ایسے میں نگین کے ذہن کے نئے منصوبے کے تحت جب وہ داؤد حسن کے سامنے زوحا کے لئے انکار کرتا ہے تو خود کو ایک احساس جرم میں مبتلا محسوس کرتا ہے۔

پریشے، طارق شیرازی کو اپنی روانگی کا بتا کر ایک طرح سے اسے وحشتوں کے صحرا میں دھکیل جاتی ہے وہ جو محبتوں کا مقروض ہے اور جذبات کا محترم اس جدائی کے فیصلے پہ لب بستہ رہ جاتا ہے۔

رابیل، شہریار کی فیملی کے ساتھ حویلی جانے پہ آمادہ نہیں جبھی وہ شہریار سے علیحدگی کا مطالبہ کرتی ہے، اس کی اس فرمائش کو سن کر شہریار پہ ایک قیامت سی ٹوٹ پڑتی ہے وہ اسی ذہنی ہیجان میں گھر سے نکلتا ہے تو اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

انتیسویں قسط

ہاسپٹل میں زیادہ لوگوں کو ٹھہرنے کی اجازت نہیں تھی، مگر داؤد حسن خاں اور فاروق کا اثر و رسوخ کام آرہا تھا، سلطان شاہ، سائرہ، ماہ نور، عینا اور طلحہ کے علاوہ صوحا اور زوحا بھی روم کے باہر موجود تھیں، کمرے میں جانے کی اجازت نہیں تھی، مخصوص ٹائم میں اندر جایا جاسکتا تھا وہ بھی بہت سارے لوگوں کو نہیں محض ایک دو افراد، باقی کے بیشتر عزیز ہاسپٹل کے لان میں بھی موجود تھے، نانو بھی آکر شہریار کو دیکھ کر گئی تھیں، مما ایک بار پھر انہیں دیکھ کر ضبط کھو گئیں، وہ بار بار بے ہوش ہورہی تھیں، ان کی حالت کے پیش نظر سلطان شاہ کے ساتھ دیگر لوگوں کو بھی ان کی فکر لاحق ہوگئی تھی، طارق شیرازی کو بھی خبر پہنچا دی گئی مگر وہ ابھی تک نہیں پہنچا تھا اور ماہ نور کے دل میں اس کے لئے موجود شکایتوں میں ایک اور کا اضافہ ہوا تھا جب وہ اچانک آپہنچا، بلیک جینز پہ گرے ہاف سلیوس شرٹ میں ملبوس اسے دیکھ کر صاف لگتا تھا وہ جیسے تھا یقیناً ویسے ہی اٹھ کر چلا آیا ہے، مما اسے دیکھ کر اٹھی تھیں اور اس کے کشادہ سینے سے لگ کر ضبط کھو کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔

''طارق میرا بچہ میرا آغا!'' یہی الفاظ بار بار ٹوٹ کر ان کے آنسوؤں کے ساتھ بکھرتے رہے تھے، ان کے ساتھ ساتھ وہاں موجود دیگر لوگوں کی آنکھیں بھی اشکبار ہوئی تھیں۔

''حوصلہ پکڑیں پھپھو جانی! سب ٹھیک ہو جائے گا انشاء اللہ بس دعا کریں۔'' وہ انہیں بازوؤں کے حلقے میں سنبھالے کس قدر رنجیدگی سے گویا ہوا، اس کا دل خود سہما جارہا تھا، ہنس مکھ شوخ بے فکر اور بے تکلف سا شہریار تو اسے بھی بہت بھایا تھا، کہیں سے بھی تو اس کو وہ ویسا نہ لگا تھا جیسا رابیل نے اس کے متعلق کہا تھا۔

''اتنا پیارا سا لڑکا! اسے کچھ نہیں ہونا چاہیے میرے اللہ!'' وہ تو سنتے ہی دہل گیا تھا اتنا بے قرار ہوا تھا کہ سونے کو لیٹنے والا تھا مگر سب کچھ بھول کر آنے کو تیار ہو گیا، کوشش کے باوجود اسے فلائیٹ نہیں مل سکی تھی، جبھی آنے میں کچھ تاخیر ہو گئی تھی مگر دل میں مسلسل دعا مچلتی رہی تھی۔

''ابھی تو میری آنکھوں میں اس کی صورت کی برس ہا برس کی پیاس نہیں بجھی، ابھی تو میں نے اسے بہت سے ناز اٹھانے ہیں، میرے اتنے برسوں کی ترسی ممتا بھی سیراب نہیں ہوئی، یہ کیا ہو گیا طارق مجھے لگ رہا ہے میں مر جاؤں گی، اس عمر میں وہ ماں کو کیسے ستانے لگ گیا ہے؟'' اس کے سنبھالنے کے باوجود مما اس کی بانہوں میں بکھرتی جارہی تھیں۔

''ٹیک اٹ ایزی پھپھو جانی! پلیز کنٹرول یور سلیف، اسے کچھ نہیں ہوگا، اتنی دعائیں ہیں اس کے نام، خدا بہتر کرے گا۔''

مگر صورتحال یہ تھی کہ جتنا وہ ان کی ڈھارس بندھا رہا تھا جس قدر سنبھالا دے رہا تھا وہ اس قدر وحشت میں گھرتی جارہی تھیں، آنسو اسی قدر سرعت اور روانی سے بہہ رہے تھے۔

''سائرہ پلیز کنٹرول یور سلیف، آپ نے تو بچے کو بھی پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔'' سلطان شاہ جو تب سے خاموشی سے انہیں دیکھ رہے تھے نزدیک آکر انہیں شانوں سے تھامتے رسانیت سے گویا ہوئے۔

''پلیز جایئے نماز پڑھیئے ٹائم نکل رہا ہے، اس وقت صرف اللہ ہی ہے جو ہماری مشکل آسان کرسکتا ہے، موموبیٹا آپ اپنی ماما کو وضو کرائیں۔'' انہوں نے اسی پل نماز کے اسٹائل میں پیشانی تک دوپٹہ اوڑھے روئی روئی سی آنکھیں لئے وہاں آئی، ماہ نور کو مخاطب کیا جو یقیناً نماز پڑھ کے

آئی تھی مخاطب کیا تو وہ جو طارق شیرازی کو دیکھ کر ایک پل کو تھم سی گئی تھی کچھ کہے بغیر ماما کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے چلی گئی، طارق، سلطان شاہ سے شہریار کے بارے میں پوچھنے لگا۔

شہریار کے حوالے سے جو خوف دل میں جاگزیں ہوا تھا وہ اس کے حواس سلب کر رہا تھا، ابھی کل صبح کی بات تھی، جب وہ جانے کس رو میں تھا، کچن میں کھڑی وہ ناشتہ بنا رہی تھی جب وہ اس کی طرف سے سخت مایوسی اور افسردگی سے دوچار ہو کہ وہ طویل نظم بار بار ری وائنڈ کر کے سنتا رہا تھا، جو اس کے اتنی بار سننے پہ رابیل کو بھی خوامخواہ یاد ہو کر رہ گئی تھی، حالانکہ تب وہ کتنا جھنجھلائی تھی اور باقاعدہ اس سے جھگڑ پڑی تھی۔

''بند کرو اسے۔''

اور شہریار نے ٹیپ آف کرنے کی بجائے پھر دوبارہ سے لگا دیا تھا اور آواز بھی دانستہ بڑھا دی اور وہ آواز گویا ایک بار پھر اس کی سماعتوں کو چھیدنے لگی تھی۔

چلو اس کوہ پر ہم بھی چڑھ جائیں
جہاں جا کے پھر کوئی بھی واپس نہیں آتا
سنا ہے اک ندائے اجنبی بانہوں کو پھیلائے
جو آئے اس کا استقبال کرتی ہے
اسے تاریکیوں میں لے کے آخر ڈوب جاتی ہے
یہی وہ راستہ ہے جس جگہ سایہ نہیں جاتا
جہاں پہ جا کے پھر کوئی بھی واپس نہیں آتا
جو سچ پوچھو تو ہم تم زندگی بھر ہارتے آئے
ہمیشہ بے یقینی کے خطرے سے کانپتے آئے
ہمیشہ خوف کے پیراہنوں سے اپنا پیکر ڈھانپتے آئے
ہمیشہ دوسروں کے سائے میں اک دوسرے کو چاہتے آئے
برا کیا ہے اگر اس کوہ کے دامن میں چھپ جائیں
جہاں پہ جا کے پھر کوئی بھی واپس نہیں آتا
کہاں تک اپنے بوسیدہ بدن محفوظ رکھیں گے
کسی کے ناخنوں کا ہی مقدر جاگ لینے دو
کہاں تک سانس کی ڈوری سے رشتے جھوٹ کے باندھیں
کسی کے پنجہ بے دردی سے چھوٹ جانے دو
پھر اس کے بعد تو اک سکوت معتقل ہوگا
نہ کوئی سرخرو ہوگا نہ کوئی منفعل ہوگا

تب وہ شاید اسے زچ کرنے کو ہی سنگر کے ساتھ ساتھ خود بھی گنگنا تا رہا تھا، مگر اس پل رابیل کو لگا تھا جیسے وہ واقعی اپنا کہا پورا کرنے جارہا ہو، اسے لگا وہ کس قدر افسردگی سے پھر کہہ رہا ہو۔

کہاں تک سانس کی ڈوری سے رشتے جھوٹ کے باندھیں
چلو اس کوہ پر ہم بھی چڑھ جائیں

جہاں جا کے پھر کوئی واپس نہیں آتا

اسے لگا شہریار کا سانس اکھڑ رہا ہو، اس کو آکسیجن فراہم کرنے والی مشینوں پہ بنتے دائروں اور لکیروں کی رفتار میں تیزی آنے لگی۔

''نہیں نہیں۔'' وہ ایکدم ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ کے چیخی تھی اور دہشت کے حصار میں مقید ہو کر چیختی چلی گئی۔

اسے نہیں پتہ تھا اس نے آخری مرتبہ کب نماز ادا کی تھی یا آخری مرتبہ رب کو کب پکارا تھا، بہت عرصے سے زندگی کا ڈھب کچھ ایسا رہا تھا کہ وہ مشکلات میں ہی مبتلا رہی تھی، ایک کے بعد دوسری دوسری کے بعد تیسری، وہ بس زندگی سے، دکھ دینے والوں سے اور خدا سے شاکی ہی ہوتی رہتی تھی، خود کو مظلوم اور جبر کرنے والوں کو سفاک سمجھتے اسے خبر ہی نہ ہو سکی وہ پوری طرح نہیں تو کچھ نہ کچھ تو خود بھی ویسی ہی ہو گئی ہے، اس میں شک نہیں تھا کہ وہ مظلوم ٹھہری تھی، اس میں بھی شک نہیں تھا کہ اس نے دکھ سہے تھے اور اس میں بھی شک نہیں تھا کہ اس نے اپنی قسمت سے شکوے کیئے تھے، ناشکری ہی کی تھی بجائے اس کے کہ اپنے پیدا کرنے والے کے آگے جھک کر اپنی خطاؤں کی معافی طلب کر کے آزمائشوں میں سرخروئی کی التجا کرتی اس نے ایک ایسا ناپسندیدہ کام شروع کر دیا جو آج کے بیشتر انسانوں کو گمراہی کے گڑھے میں گرا چکا ہے خود کو بہتر اچھا اور نیک سمجھنے کا کام، دوسروں کو ظالم گمراہ اور گنے گار سمجھنے کا کام، اس نے ہمیشہ یہ سوچا تھا میں نے کون سا گناہ کیا تھا کہ مجھے یہ سزا ملی۔

سب سے پہلے تو یہی سوچ بہت بلکہ یکسر غلط ہے، انسان غلطی اور خطا کا پتلا ہے، قدم قدم پہ بہکتا ہے، ایک نماز قضا کر دی تو رب کے آگے جوابدہ ہو گا، ایک گستاخی یا شرک کا کلمہ منہ سے نکل گیا تو بڑا گناہ سر ڈال بیٹھا مگر پھر بھی بے نیاز لاعلم بے خبر معصوم مظلوم۔

وہ بھی اسی غلطی کی خطاوار ہوئی تھی، اس کے علاوہ بھی متعدد خطائیں، جنہیں سوچنے غور کرنے کی بھی کسی کے پاس فرصت ہے نہ فکر، اسلام میں مرد و زن کو ایک پہلی غیر اختیاری نگاہ کے بعد دوسری شعوری نظر سے منع فرمایا گیا ہے اگر انسان ایسا کرے رب کی مقرر کردہ حد کو پھلانگے تو گناہ گار بعد میں مبتلا ہونے والے مصائب رنج والم اسی بدنگاہی کا شاخسانہ ہوتے ہیں، تو اللہ کو ہم کس طرح الزام دے سکتے ہیں، کہ ہمارا گناہ نہیں پھر یہ اتنی بڑی سزا؟ حالانکہ وہ تو قادر مطلق ہے شہنشاہ ہے بے نیاز ہے، چاہے تو بغیر گناہ کے بھی آزمائش میں مبتلا کر دے، ہے کسی میں جرأت کہ اس سے استفسار کی جرأت کرے۔

اس نے بھی لمحوں میں آگاہی کا سفر طے کیا تھا اپنی خطا کو جانا تو شرمندگی کا انت تھا نہ حساب رب کے حضور سجدے میں گر کر پہلے اپنی خطاؤں پہ معافی کی طلبگار ہو کر گڑگڑائی تھی پھر شہریار کے لئے کاسہ اس بے نیاز کے آگے پھیلا دیا جو اتنا بے نیاز ہے کہ چاہے تو نوازے نہ چاہے تو نہ سہی کوئی بھی اس کو عاجز نہیں کر سکتا۔

''یارب العالمین! یا ارحم الراحمین! رحم رحم رحم، اغثنی یا غیاث المستغیثین (اے سب فریادیوں کی فریاد سننے والے میری فریاد سن) مجھے شہریار واپس دے دے، وعدہ ہے میرے اللہ وعدہ ہے اب کبھی تیری اس نعمت کی ناشکری نہیں کروں گی، بس ایک بار میں تیری رضا میں راضی ہونے آئی ہوں میرے اللہ! مجھے پناہ دے۔'' وہ روتی رہی بلکتی رہی گڑگڑاتی رہی اور وہ تو ہے ہی وعدوں کا سچا، ایک قدم کے جواب میں ستر قدموں کا فاصلہ سمیٹ کر دوریاں مٹا دینے والا، اس کی پہلی ہی پکار پہ ایک بار پھر اپنی نوازشوں اپنی رحمتوں کی بارشیں اس پہ برسانے لگا، جبھی تو شہریار کو ہوش آ گیا تھا۔

☆☆☆

ہجر کے موسم میں یہ بارشیں کا برسنا کیسا؟
اک صحرا سے سمندر کا گزرنا کیسا؟
اے میرے دل نہ پریشان ہو تنہا ہو کر
وہ تیرے ساتھ چلا کب تھا بچھڑنا کیسا؟
لوگ تو کہتے ہیں گلشن کی تباہی دیکھو!
میں تو اک ویران سا جنگل تھا اجڑنا کیسا؟
دیکھنے میں تو کوئی داد نہیں دکھ بھی نہیں
پھر یہ آنکھوں میں یوں اشکوں کا ابھرنا کیسا؟
بے وفا کہنے کی بھی جرأت بھی نہیں کرنا
اس نے اقرار کیا کب تھا مکرنا کیسا؟

ماما اس کا سر اپنی گود میں رکھے چمچ کی مدد سے اپنے ہاتھ سے سوپ پلا رہی تھیں۔

''اتنا پریشان کیا ہے کہ حد نہیں صحیح معنوں میں جان نکال لی تھی۔''

جب اس نے ایک کے بعد دوسرے چمچ پہ ہاتھ نرمی سے پرے کیا تب ماما نے اسے مصنوعی خفگی سے گھورا۔

''کم آن ماما اب کیا یہ بیماروں کی غذا سوپ پی کر میں مرنے سے بچ جاؤں گا؟'' وہ بدمزگی سے بولا، بڑھی ہوئی شیو آنکھوں میں موجود سرخیوں کے ہمراہ وہ چڑچڑا سا محسوس ہو رہا تھا۔

''یہ کیا کہہ رہے ہو آغا؟ کیسی بدفال منہ سے نکالی، ہمارے تو ابھی پہلے حواس بحال نہیں ہوئے۔'' ماما کے تو صحیح معنوں میں کلیجے پہ ہاتھ جا پڑا ضبط کھو کر کچھ ایسے روئیں کہ شہریار بھی گڑبڑا سا گیا، پہلے سوپ کا باؤل لے کر سائیڈ پہ رکھا پھر بری طرح سے بلکتیں ماما کے دونوں ہاتھ تھام کے ہونٹوں سے لگا لئے۔

''آئی ایم سوری ماما! میرا یہ مطلب تھوڑی تھا میں تو......'' اسے سمجھ نہیں آئی کیا کہے ان کے آنسو پوروں پہ چننے لگا۔

''چلیں میں کان پکڑ کر توبہ کرتا ہوں جو آئندہ آپ کا دل دکھاؤں اور خود کو خود ہی دعا بھی دیتا ہوں کہ میں ایزد کی تو کیا ایزد کے بیٹے کی بھی شادی اپنے ہاتھوں سے نپٹاؤں گا، بس اب تو معاف کر دیں۔'' اس کی گڑبڑاہٹ پہ محفوظ ہوتی ماہ نور زور سے ہنس پڑی، جبکہ ماما نے بھیگی آنکھوں سے اسے گھورا تھا۔

''صرف ایزد کیوں تمہارے اور بچے بھی تو ہوں گے، خبردار جو فیملی پلاننگ کے چکروں میں پڑے۔''

''افوہ نون تم اسے گود میں اٹھا کر بھی کر سکتی ہو، جہاں تک شہریار کے کپڑوں کی بات ہے وہ میں کرلوں گی۔'' رابیل نے بے نیازی سے کہا اور پھر الماری کھول کر اس کا سوٹ نکالنے لگی تو اب کی بار ماما اور شہریار کے ساتھ ماہ نور بھی ٹھٹھک گئی تھی اس کی حیران پھیلی پھیلی نگاہ رابیل سے ہٹ کر شہریار کی جانب اٹھی تو اس نے ہونٹ بھینچ کر نگاہ کا زاویہ بدل لیا جبکہ ماما مسکرا رہی تھیں۔

''بہت اچھا چینج ہے، تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔'' انہوں نے سرگوشی سی کی اور شہریار کو محبت بھرے انداز میں خود سے لپٹا لیا اور شہریار کے دل سے ہوک اٹھی تھی۔

(نہیں مما یہ اچھا چینج نہیں ہے، رابیل اور میرے ساتھ ایسے بات کرے، امپاسبل، یہ کبھی بھی میرے ساتھ خوش اور مطمئن نہیں رہ سکتی یہ میں جانتا ہوں)۔

''آغا بیٹا آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔'' وہ بہت تھکے ماندے سے انداز میں مما کی گود میں سر رکھ کے آنکھیں موند چکا تھا جب سلطان شاہ اس کے لئے خود یہ پیغام لے کر آئے تھے، وہ حیران حیران سا اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''مجھ سے پاپا؟ کون ہے؟''

(بھلا اس حویلی تک اس کا کوئی ملنے والا کہاں سے آن پہنچا، تب جب وہ یہاں تھا اس کا حلقہ وسیع ہی کب تھا، پھر اسے حویلی چھوڑے بھی تو کتنے سال بیت گئے تھے، پھر ایسا کون تھا جو اس کے تمام حوالے جانتا تھا اور یہاں تک آ گیا تھا)۔

''پتہ نہیں نام تو نہیں بتایا، مجھے بھی خیال نہیں آیا کہ چوکیدار بابا سے پوچھ لیتا، بہرحال وہ اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا چکے ہیں۔'' سلطان شاہ نے سرسری سے انداز میں بتایا تو ماما کو جھنجھلاہٹ نے آن لیا۔

''آپ بھی کمال کرتے ہیں سلطان! اللہ جانے کون ہے کون نہیں؟ آپ کو چاہیے تھا پہلے خود اس سے مل لیتے۔''

''ارے.....'' سلطان شاہ ان کی سمت رخ پھیر کر ذرا سا ہنسے پھر انہیں چھیڑتے ہوئے ان پہ گرفت کرلی تھی۔

''یعنی دوسرے لفظوں میں بیگم صاحبہ کا مطلب ہے کہنے کا یہ سب بیٹے کی فکر ہے، شوہر کی نہیں، انہیں بھلے کوئی دن دہاڑے لوٹ کر چاہے مار کر چلتا بنے۔'' گو کے ان کے انداز میں سراسر شرارت کا عکس تھا مگر ماما ایکدم خفت زدہ ہو کر رہ گئیں۔

''حد ہے بھئی آپ سے بھی، میں بھلا ایسا کیوں چاہوں گی، کہنے کا مقصد تو تھا بچے کو کیا پتہ کون ہے۔'' انہوں نے چلبلا کر وضاحت پیش کی جواباً وہ کھل کر ہنسنے لگے۔

''ڈونٹ وری مسز! کوئی چور ڈاکو تو بہرحال یوں گھسنے سے رہا سیکیورٹی کا انتظام ہے، جاؤ بیٹے آپ!'' انہوں نے مما کو مطمئن کرنے کے بعد شہریار کو مخاطب کیا جو پلنگ سے اتر کر پیروں میں سلیپر پہن رہا تھا۔

''موموآپ بزی تو نہیں ہو بیٹے؟'' سلطان شاہ ماہ نور کی جانب پلٹے۔

''نو پاپا آپ کہیئے؟'' وہ ایزد کو کھلونوں سے بہلا رہی تھی فوراً متوجہ ہوئی۔

''چائے کا موڈ ہو رہا تھا مگر آپ کے ہاتھ کی ہماری بیٹی چند دنوں کی مہمان ہے جبھی لالچ۔

ماما واقعی بہل گئی تھیں اس نے شکر ادا کیا مگر اس آخری بات پہ اس کے چہرے پہ ایک تاریک سایہ لہرا گیا تھا۔

''لائیں میں ابھی سوپ کا سارا پیالہ ختم کرتا ہوں یہی فساد کی جڑ ہے نا۔'' اس نے سائیڈ ٹیبل پہ رکھا پیالہ اٹھا کر منہ سے لگا لیا تو ماہ نور کی ہنسی نکل گئی۔

''پورے مسخرے ہیں آپ تو آغا جی! ایک بچے کے باپ ہو گئے ہو مگر اپنا بچپنا ابھی بھی ساتھ چمٹائے پھرتے ہو۔'' نگین نے اسے چھیڑا تھا۔

''تم تو دس بچوں کی اماں بھی بن جاؤ تب بھی شاید عقل نہ آئے، تم بس چپ ہی رہو، یہ تو داؤد بھائی ہیں جو تمہیں برداشت کر رہے ہیں اور حوصلہ ہے ان کا۔'' شہریار نے اس پہ بھی ساتھ ہی گرفت کرلی، سب ان کی باتوں پہ محفوظ ہوتے ہوئے مسکراتے رہے۔

''ماہ نور بیٹا بھائی کے لئے کوئی آرام دہ سوٹ نکال کر پریس کر دو ذرا ہاتھ لے کر فریش ہو جائے۔'' ماما نے ماہ نور کو کام سے لگایا۔

''آغا پلیز یہ شیو ضرور بنا لینا، مانا کہ تم اس طرح بھی اٹریکٹو لگتے ہو مگر پھر بھی جو بات فریش نظر آنے میں ہے وہ الگ ہی ٹور ہے۔'' صوحا نے اس کے بکھرے بال کچھ اور بکھیر دیئے تھے، جبھی رابیل روتے ہوئے ایزد کو کاندھے سے لگائے اندر آئی تھی۔

''پلیز ماما اس فسادی کو تو ذرا چپ کراؤ، تگنی کا ناچ نچا کر رکھ دیا ہے اس نے مجھے۔'' ارادہ تو ماما کو اسے تھمانے کا تھا مگر ماما شہریار کے ساتھ مصروف تھیں اس کے لاڈ اٹھا رہی تھیں جبھی رابیل نے ماہ نور کو مخاطب کیا تھا رابیل کے سامنے آتے ہی شہریار کے چہرے پہ ایک لمحے میں گمبھیر سنجیدگی اور انجانا سا درد بکھر گیا تھا، جسے ماما کے ساتھ خود رابیل نے بھی محسوس کیا تھا جبھی مسکراتے ہوئے ادھر ہی آ گئی۔

''ایک بات تو بتایئے ماما! اس چھکو کے والد محترم بھی اتنی عمر میں آپ کو یونہی زچ کیا کرتے تھے؟'' سوال مما سے ہوا تھا مگر وہ شہریار کو دیکھ رہی تھی، شہریار کی کس قدر اچنبھے سے اٹھی نگاہ تحیرد استعجاب کے عالم میں اس کے چہرے پہ پھیلے نرم خوبصورت حسین سے لو دیتے تاثر میں الجھ کر رہ گئی۔

''ویسے بھلے آپ ان کی کارستانیوں کو مجھ سے مخفی رکھیں مگر میں ایزد کو دیکھ کر سمجھ سکتی ہوں کہ یہ ہو بہو انہی پہ پڑا ہے، ڈیڈ بتاتے ہیں میں ایک صلح جو امن پسند اور حساس بچی تھی اور ایسے بچے ایزد جیسے تو نہیں ہوتے نا؟''

ماما تو اتنی حیران تھی کہ جواب میں کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہ رہیں، وہ سمجھ نہ پائیں آیا رابیل حسب سابق طنز کر رہی ہے یا پھر واقعی وہ خوشگوار موڈ میں ہے۔

''جی بالکل صحیح کہا بھابھی آپ نے یہ آغا تو اف اللہ اتنا بڑا ہو کر بھی گویا شیطان کا چیلا تھا پورا. میں نے نگی اور زوحا نے جتنی مار اس سے کھائی ہے نا کسی اور نے نہیں کھائی ہو گی۔'' جواب صوحا نے دیا تھا اور خاصا چہک کر اور پھر دونوں ہنسنے لگیں، شہریار ہنوز خاموش تھا اور متحیر بھی۔

''یہ پکڑو اسے یار میں تو بھائی کے کپڑے پریس کرنے جا رہی ہوں، پھر اس کے بعد مجھے فاروق کو بھی فون کرنا ہے۔'' ماہ نور نے اچانک اپنے کام گنوانے شروع کیئے۔

ہمیں اس ذائقے کو زیادہ سے زیادہ زبان پہ محفوظ کر لیں، لائیں ہمارے ولی عہد کو ہمیں دے دو، اسے اس کے بڑے دادا یاد کر رہے ہیں۔'' انہوں نے جھک کر اس کی گود سے ایزد کو لے لیا۔

''پاپا بابا سائیں کے لئے بھی بنا لوں چائے؟'' ماہ نور اپنا دوپٹہ سنبھالتے اٹھی تھی، جواباً انہوں نے فی الفور سر کو اثبات میں جنبش دی۔

''ہاں بالکل! اگر بھولے سے بھی آپ نے کبھی انہیں چائے کا نہ پوچھا تو باقاعدہ خفا ہو جائیں گے اتنے ہی رسیا ہیں وہ چائے کے۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کی معلومات میں اضافہ کیا اور باہر چلے گئے، شہریار ڈرائننگ روم میں آیا تو اپنے مہمان کی صورت دیکھ کر ٹھٹھک کر تھم گیا۔

''خوشی نہیں ہوئی مجھے دیکھ کر؟'' روحینہ اٹھ کر اس کے مقابل آن کھڑی ہوئی، شہریار نے گہرا سانس کھینچا اور خود کو کمپوز کیا۔

''تم یہاں کیسے؟''

ایش ٹرے تو پیس سوٹ لبوں میں سلگتا ہوا سگریٹ شہریار کے اعصاب تناؤ کا شکار ہوئے، صد شکر کہ پاپا اس سے نہیں ملے، وہ خود کو ذرا سا ہی مطمئن کر سکا۔

''کیسے ہو شہری؟ سنا تھا تمہارا ایکسیڈنٹ ہو گیا، بہت خون بہا، سنا تو گھبرا اٹھی رہ نہیں سکی تو ملنے چلی آئی۔''

شہریار کیا جواب دیتا ہونٹ بھینچے پیچھے ہٹ کر دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

''اتنا اسٹرانگ بیک گراؤنڈ رکھنے کے باوجود تم اس دلدل میں کیوں آ پھنسے تھے آغا شہریار! ہمارے جیسوں کی تو چلو مجبوری سمجھ میں آتی ہے۔'' اطراف میں ایک ستائشی نگاہ ڈال کر وہ کس قدر رشک و حسد میں مبتلا ہو کر کہہ رہی تھی۔

''کیوں آئی ہو یہاں؟'' شہریار نے اسے نیا سگریٹ سلگاتے ہوئے دیکھ کر سرد لہجے میں استفسار کیا۔

''تمہیں دیکھنے دل و نگاہ کا تقاضا سو پورا کرنے چلی آئی، خود بھی ریلیکس ہوتی تمہیں بھی کر دیتی۔''

''واٹ ربش۔'' شہریار نے جھلا کر اسے بے دریغ جھاڑ ڈالا، مگر اس نے جیسے سنا ہی نہ تھا، اس کے لہجے سے حسرت ٹپکنے لگی۔

''رابیل خوش بخت ہے کہ اسے تم ملے، میرا جی چاہتا ہے اسے باقاعدہ مبارک باد دوں۔''

''تم یہی فضول بات کہنے اتنی دور سے آئی ہو؟ خوامخواہ زحمت کی۔''

''کیوں؟ وہ اب بھی تمہیں ایکسپٹ نہیں کر رہی کیا؟ ویسے شہری یہ ہے تو سچ ہی، اس جیسی بے ریا انمول لڑکی تم جیسا ساتھی ڈیزرو بھی نہیں کرتی تھی اسے تو واقعی میں سر داؤد......''

''شٹ اپ روحینہ۔'' وہ بھڑک کر چیخا تو روحینہ نے ایک گہرا سانس کھینچا تھا، پھر کوٹ کی جیب سے اخبار کا ایک تراشا نکال کر اس کی سمت بڑھایا تو شہریار نے ہاتھ بڑھائے بنا سوالیہ نگاہیں اس پہ جما دیں۔

''اس میں تمہارے لئے خوش خبری ہے، ہمارے گینگ کو زبردست ریڈ کے بعد پولیس نے

تمام بڑی مچھلیوں کو گرفتار کر لیا، ہم جیسے معمولی کارندے ابھی پس منظر میں تھے، مجھے خدشہ تھا کہ میں بھی کسی کی گرفت میں نہ آ جاؤں جبھی بہت سارے دن روپوش رہی ہوں، اب ذرا خطرہ کم ہوا تو تم سے ملنے کا سوچا، زندگی میں ایک خواہش تھی، تمہارے ساتھ عمر کو بہت سہولت سے جینے کی، مگر ہر خواب پورا ہونے کو ہی تو نہیں ہوتا، تم اچھے رہے شہری بروقت خود کو اس دلدل سے الگ کر لیا، اگر بالفرض ان لوگوں کی وجہ سے جو گرفتار ہوئے ہیں تمہارا نام و پن بھی ہوا تو تمہاری بیک بہت مضبوط ہے تمہیں اس سے نجات مل جائے گی مگر میں جانتی ہوں میرا مقدر جیل کی اندھیر کوٹھڑی ہی ہے، اچھا چلتی ہوں دعا کروں گی تم اور بیبہ ہمیشہ خوش رہو اور ہاں میری طرف سے رابیل سے کہہ دینا، جو ضروری نہیں اگر کوئی دوست بھی زندگی کے کسی مقام پہ مخلص نہ رہا ہو تو ساری عمر آپ اس کے خلوص پہ شک کرتے رہیں، مجھے اس سے معافی مانگنی تھی مگر...... خیر اسے میرا اسلام کہہ دینا، اب جاتی ہوں۔'' اس دوران وہ اپنی نگاہوں کو لمحہ بھر کو بھی شہریار کے چہرے سے نہیں ہٹا سکی تھی وہ نگاہیں جن میں نا تمام حسرتیں دفن ہو چکی تھیں وہ پلٹ کر چلی گئی تھی شہریار ششدر کھڑا تھا، اسے لگا تھا، زندگی نے ابھی ابھی اس پہ اک اور ان کہی کا راز منکشف کیا ہو۔

☆☆☆

اس نے طارق شیرازی کی سینڈ کی ہوئی وہ نظم ''تیری یاد'' از سرے نو پڑھی اور پھر سے قنوطیت کا شکار ہو گئی، دل عجیب سی اداسی کے ہمراہ قطرہ قطرہ پگھلنے لگا، تو دھیان بٹانے کو اٹھ کر پہلے پردے ہٹائے پھر کھڑکی کی سائیڈ کھول کر باہر جھانکا، دھرتی پہ شام کے رنگ اتر آئے تھے، شہریار کے ہاسپٹل سے ڈسچارج ہوتے ہی وہ لوگ سیدھے حویلی چلے آئے تھے، ایسے میں طارق نے ایک مرتبہ بھی جو اسے ساتھ چلنے کا کہا ہو حالانکہ وہ اس کی جانب سے ایسے اشارے کی بھی منتظر رہی تھی، تائی اماں نے تو اسے خود یہاں آنے کی باخوشی اجازت دی تھی اور وہ تو پہلے بھی کہہ چکی تھی پھر اب تو صورتحال بھی مختلف تھی۔

''مجھے پتہ ہے تمہارا دل بھائی میں اٹکا ہے، مجھے بھی احساس ہے، اچھا ہے رہ آؤ وہاں کچھ دن۔''

اور وہ چپ چاپ ساتھ چلی آئی تھی، تب اسے طارق کی نظم کا مفہوم سمجھ نہیں آیا تھا حالانکہ نہ سمجھنے والی بات نہیں تھی، وہ اس پہ اس کی حیثیت واضح کر چکا تھا، اس نے ہونٹ بھینچ کر پھر کھڑکی کے پار دیکھا، بوڑھے ملازم خیر دین نے خشک پتوں کو جمع کر کے آگ لگاتے دیکھا، سلگتے خشک پتوں کے سلگنے کا دھواں دیتی خوشبو اس کے ناک میں گھسنے لگی، بہت دنوں سے بارش نہیں ہوئی تھی موسم بدل چکا تھا مگر فضا میں حبس موجود تھا، سرسبز درخت ہنوز مرجھائے ہوئے تھے، لوکاٹ اور جامن کے خشک پتوں کا ڈھیر دیوار سے ٹیک لگائے ہولے ہولے جل رہا تھا، ماچس کی تیلی کا ننھا سا شعلہ اور چڑ چڑ کی آواز دیتی آگ کی لپٹیں اپنے ڈھیر کو بھسم کیے دیتی تھیں اندر ہی اندر سلگ کر، معاً تایا سائیں کھانسی سے بے حال باہر آئے اور بوڑھے خیر دین ملازم کو آگ سے دھواں پھیلانے پر برا بھلا کہہ کر واپس کمرے میں جا گھسے اور وہ بے ساختہ مسکرا دی سب کچھ بھول کر، تبھی کسی جانب سے شہریار اور صوحا نکل کر اس سمت چلے آئے۔

''افوہ بابا! آلودگی، اس بے احتیاطی پہ آپ کو محکمہ ماحولیات والے پکڑ کر لے جائیں گے۔''

اس نے ہاتھ سے دھواں اڑاتے ہوئے کہا صوحا زور سے کھلکھلائی۔

''ابھی آئے تھے تایا سائیں خوب خبر لے کر گئے ہیں ان کی۔'' شہریار مسکراتے ہوئے کاندھے اچکا کر مردان خانے کی جانب بڑھ گیا جبکہ صوحا وہیں لان میں ٹہلتے ہوئے سیل فون پہ مصروف ہو گئی تھی، ماہ نور نے دیکھا شعلے بیٹھ چکے تھے مگر دبے ہوئے ڈھیر میں سے جگہ بنا کر گاڑھا گاڑھا سرمئی دھواں ہوا کے رخ پہ بل کھاتا ہوا ابھی تک آسمان کی طرف بلند ہو رہا تھا، وہ جیسے تھک کر کھڑکی سے ہٹ آئی اور خود کو صوفے پہ گرا دیا۔

''کیا ہے میرا نصیب بھی، صرف دھوپ ہی دھوپ، کبھی خود اپنی غلطی سے کبھی کسی اور کے عمل کے نتیجے، کیا میں واقعی طارق کو خود سے بددل کر چکی؟ وہ ایسا تو نہیں تھا، میری تو کوئی بھی بات اسے اتنے عرصے کے لئے کبھی بری نہ لگی، اتنا کول، مائی گاڈ مجھے تو یقین ہی نہیں آتا یہ وہی طارق ہے، کیا میں واقعی اس کی محبت نہیں تھی؟ محض پسندیدگی یا پھر میری بے اعتنائی کے نتیجے میں اٹھا ہوا اس کا انا پسندانہ ردعمل؟'' اس کا ذہن الجھاؤ اور تفکر کا شکار ہوتا اسے ہرٹ کرتا رہا، چونکی اس وقت جب اس کے سیل پہ آنے والی کال سے بجنے والا میوزک کمرے کی فضا میں نغمگی کا احساس پیدا کرنے لگا، وہ چونکتے ہوئے اٹھ بیٹھی، دل بے ساختہ دھڑکا اسے طارق کے سوا کبھی کسی نے اس نمبر سے کال نہیں کی تھی، اسکرین پہ اس کے نام کو جگمگاتا دیکھ کر لبوں پہ ایک دلکش سی مسکان نے مچل اٹھی۔

''السلام وعلیکم!'' اس نے بڑی ترنگ میں کال ریسیو کی اور اس پہ سلامتی بھیجی۔

''وعلیکم السلام! ماہ نور اک کام کہا ہوا تھا ابھی تک نہیں ہوا کیا تجھوں میں اسے؟'' ادھر سے چھوٹتے ہی خشک ترین لہجے میں استفسار کیا گیا ماہ نور کو جھٹکا لگا۔

''جی! مگر کون سا کام؟'' اس کی حیرانی جتنی بھی فطری ہوتی بہر حال شیرازی جھلس کر رہ گیا تھا۔

''اس لاعلمی اور بے نیازی سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے نزدیک میری بات کی کتنی اہمیت ہے۔'' وہ بگڑ کر بولا اور ماہ نور کے اوسان خطا ہونے لگے۔

''کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟ کہاں کی کہاں ملا رہے ہیں، پلیز کچھ بتائیے بھی، آپ نے تو صحیح معنوں میں مجھے بوکھلا دیا۔'' گھبراہٹ کے عالم میں وہ بے ربط سی ہو کر وضاحتوں پہ وضاحتیں دینے لگی جبکہ دوسری جانب طارق شیرازی کا غصہ پھر بھی کم نہیں ہوا تھا جبھی سرد پن سے بولا۔

''خیر ہماری مجال کہ یہ گستاخی کریں، یہ سارے کارنامے تو آپ کی شایان ہیں، اینی ویز، فاروق والے پروپوزل کا کیا رہا؟ ابھی تک ہمیں کوئی جواب نہیں ملا اور تمہیں آئی تھینک میری بات بھولی تو نہیں ہو گی۔'' وہ اتنے نخوت سے لگی لپٹی رکھے بغیر مطلب کی بات کر رہا تھا کہ ماہ نور کا دل جانے کس کس خیال کے تحت بوجھل ہونے لگا۔

''بھائی کی وجہ سے ہر معاملہ ہی التوا میں جا پڑا تھا بہر حال میں آج ماما سے بات کروں گی اور زوحا سے بھی اس کی رائے لیتی ہوں، ڈونٹ وری۔'' اس نے آہستگی سے کہہ کر گویا اس کی تسلی کرائی۔

''یہ کام تمہیں ہر صورت میں کرنا ہے، کیا سمجھیں؟ ہاں ہونا چاہیے ٹھیک ہے۔'' اس کا دبنگ لہجہ تحکمانہ بھی تھا۔

''جی بہت بہتر۔'' اس نے اسی رسانیت سمیت کہا تو دوسری جانب سے مزید کچھ کہے سنے بغیر سلسلہ منقطع ہو گیا، اس کے آنسو بے آواز بہنے لگے، کیا کیا جا سکتا تھا کبھی یہی طارق اس سے اپنے دل کی بے تابی کہنے کو فون کیا کرتا تھا اور اب احوال سے بھی غرض نہیں تھی۔

''کوئی اتنا بھی بدل سکتا ہے؟'' وہ سوچ سوچ کر زیاں کے احساس میں گھرتی رہی۔

☆☆☆

پریشے کی برتھ ڈے تھی، سونیا نے اس کے پسند کرنے کے باوجود منانے کی تیاری کر لی اور ظاہر ہے سب سے خاص مہمان طارق شیرازی ہی ہو سکتا تھا، سوائے پیغام بھیجنے والی بھی سونیا ہی تھی، پریشے سے مکمل طور پہ راز داری برتی گئی، طارق شیرازی کی موجودگی میں سونیا نے جب اسے اچانک سرپرائز دیا تو پریشے جو سرے سے سالگرہ منانے کے تحت سے خلاف تھی کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں رہی۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو اینڈ مینی مینی ایئرن آفٹ دا ڈے۔'' طارق شیرازی اس کے لئے لایا گفٹ اسے تھماتے ہوئے اتنے خلوص چاہت اور محبت سے بولا تھا کہ پریشے کا چہرا آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں سرخ پڑ گیا، جانے کیوں دل اتنا بھرایا جا رہا تھا، کیک کاٹنے اور کھانے سے فراغت کے بعد وہ سب اکٹھے ہو کر بیٹھے تو کافی کا بڑا سا راگ اٹھائے ہوئے طارق نے جانے کیا سوچ کر اس سے کچھ سنانے کی فرمائش کر دی تھی۔

''میں......'' وہ بوکھلا اٹھی۔

''ہاں آپ، پلیز انکار نہیں میرا جی چاہ رہا ہے۔'' طارق نے لحہ بھر کو اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا تو پریشے نے سر جھکا لیا تھا بھلا تھی تاب اس میں انکار کی مگر وہ اپنی فیلنگز ان سے شیئر کر کے انہیں افسردہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''سالگرہ کے حوالے سے ہی کچھ آج آپ کی میری کا امتحان بھی ہے سمجھ لیں۔'' طارق نے ایک بار پھر کہا تھا اور پریشے نے صوفے کی بیک سے سر ٹیک کر آنکھیں موند لیں، تینوں بہت پرشوق امید افزا نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے۔

زندگی تیز بہت تیز ہوا کا جھونکا
جلتی بجھتی ہوئی شمعوں میں مہ و سال میرے
ڈھلتا سورج میرے ماضی کی لحد کا کتبہ
ریگ صحرا کی لکیریں ہیں خد و خال میرے
چاند میرے تن مجروع پہ سنگ اعزاز
دھوپ چھاؤں میرے صد چاک لبادے کا خراج
سب ستارے میری پوشاک کے پیوند نحیف
میرے آنسو میرا ورثہ میری آنکھوں کا خراج
میرا چہرا میرے مقتول ہنر کی تاریخ
میرے ہونٹوں پہ میری پیاس کے نوحوں کا ہجوم
میرے دل پہ درخشاں تیری نارسائی کے داغ

آج کی شام کہ ہر سال اس شام کے ساتھ
میری اکھڑی ہوئی سانسوں میں گرہ لگتی ہے
آسماں وقت کے آنچل کی دھنک بنتا ہے
آج کی شام کہ ہر سال میرے زخم نواز
مسکراتے ہوئے کچھ پھول عطا کرتے ہیں
کچھ مسیحا میری خاطر میرا دل رکھنے کو
خط میں جینے کی دعا بھیج دیا کرتے ہیں

اس نے دانستہ آنکھیں نہیں کھولیں کہ پلکوں کے پیچھے آنسوؤں کا بوجھ ہی نہیں بڑھا تھا، ان تینوں کی دل آزاری کا باعث بن جانے والا بھی تو اس پل سامنے کی تاب نہیں لاتا تھا، پاپا، سونیا یا پھر طارق، کس کس سے نظریں چرائے گی وہ ان کی شاکی نظروں سے، بس جی چاہا تھا زخم کریدنے کو سو جی کی مان لی تھی۔

سالہا سال گزرنے پہ بھی اک دل زدگاں
آج کی شام مناتے ہوئے ڈر لگتا ہے
مسکراتے ہوئے چہروں کے بھنور میں لیکن
آخری شمع جلاتے ہوئے ڈر لگتا ہے
دل دھڑکتا ہے جلتی ہوئی شمعوں کا دھواں
شعلہ کرب میں تحلیل نہ ہو جائے کہیں
جی لرزتا ہے کہ منظر کے ادھورے پن کی
آج کی شام تکمیل نہ ہو جائے کہیں
آؤ کچھ دیر کو ہم زخم شماری کر لیں
اور کچھ دیر میں ہر شمع پگھل جائے گی
آج کی بزم میں کھو جائیں گے کہیں سو جائیں گے
آج کی شام بھی کچھ دیر میں ڈھل جائے گی
جلتی بجھتی ہوئی شمعوں کا بھروسہ کیا ہے
زندگی تیز بہت تیز ہوا کا جھونکا

اس نے اپنے کاندھے پہ ایک مہربان ہاتھ کا لمس محسوس کیا تو آہستگی سے آنکھیں کھول دیں، سونیا اس کے بے حد نزدیک تھی بھلے نگاہوں میں کتنی ہی شکایت ہو مگر ہونٹ خاموش تھے، پاپا جانے کس پل ضبط ہار کر وہاں سے اٹھ کر چلے گئے تھے طارق شیرازی اپنی جگہ پہ موجود تھا، مگر اس طرح کہ گویا اس سے نگاہیں چرا رہا تھا اور آنکھوں کے زیریں کناروں کی سرخی اس کے ضبط کی گواہ تھی، ہونٹ بھینچے وہ اتنا خاموش نظر آتا تھا گویا ساری دنیا سے روٹھ گیا ہو، پریشے کو یکایک اپنی زیادتی کے احساس نے نیم جان کر ڈالا، جبھی وہ بولی تو آواز بھیگی ہوئی تھی۔

''آئی ایم سوری۔'' طارق نے چونکے بنا اسے دیکھا اس کی سحر طراز بڑی بڑی آنکھوں میں تیرتے سرخ ڈورے اس کی آنکھوں کی دلکشی کو بڑھا چکے تھے۔

''سوری فار واٹ؟ یو نو آپ کو حق ہے ہر قسم کا جب جی چاہے کسی کو ہرٹ کر دینے دلا دینے اور رد کر دینے کا۔'' وہ کسی قدر گہری یاسیت میں مبتلا ہو کر بولا تھا اور یہ پہلا شکوہ پہلی شکایت تھی، اس کا ضبط کن انتہاؤں پہ تھا پریشے سمجھ سکی تھی، جبھی روہانسی ہونے لگی۔

''آپ خفا ہو رہے ہیں؟'' اس نے سہمی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا گویا ہر اس کی انتہا کو چھونے لگی، طارق نے اس کی پیلی پڑتی ہوئی رنگت کو دیکھا اور جیسے ایک بار پھر ہارنے لگا۔

''نہیں، مگر ایسا بھی تو ہو سکتا ہے پری کہ آپ میرے ساتھ اچھا وقت گزاریں، آپ مجھے اچھی یادیں دینے پر تو قادر ہیں کم از کم۔'' وہ بولا تو بے بسی کے ساتھ حسرت اس کے لہجے میں ہو کنے لگی، پریشے نے ہونٹ بھینچ لئے، طارق کی نظریں اسی پہ تھیں سونیا انہیں تنہا چھوڑ کر کب کی جا چکی تھی، طارق نے اسے بے دردی سے ہونٹ کاٹتے دیکھا تھا پھر اٹھ کر اس کے برابر آن بیٹھا، گہرا سانس کھینچا اور مدھم پر جذب لہجے میں آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

تم آرزو کے دیئے جلا کر خدا سے اچھی امید رکھنا
خزاں کے موسم کی رخصتی پہ بہار گل کی نوید رکھنا
وہ تیرا رب ہے وہ تیرا اپنا اسی کو اپنا حبیب رکھنا
اس سے کرنا تو دل کی باتیں آنکھ میں اک نمی سی رکھنا
وہ تیرا رب ہے وہ تیرا آقا اسی سے راز و نیاز کرنا
اسی سے غم کی کہانی کہنا غموں کو دل میں نہاں نہ رکھنا
رحیم ہے وہ کریم ہے وہ تو اپنے رب کو عزیز رکھنا
ہے سانس سے بھی قریب تر وہ اسی کو اپنے قریب رکھنا

اس نے احتیاط نرمی اور نہایت توجہ سے اس کی پلکوں سے ٹوٹتے آنسو چن لئے تب وہ چونکی تھی اور سنبھل کر سیدھی ہو بیٹھی، طارق نے اس کے گریز تو احتیاط کے انداز کو محسوس کیا اور مسکرا دیا۔

''میں جاؤں؟'' وہ اسے دیکھنے لگا، پریشے نے جواب میں کچھ کہے بغیر سر کو آہستگی سے اثبات میں جنبش دی، جبکہ نگاہوں میں ان لمحات کو طویل تر کرنے کی حسرت صاف دیکھی جا سکتی تھی، طارق نے ٹھنڈا سانس بھر لیا۔

کبھی تو دل کی بھی مانا کرو کٹھور لڑکی!
دل تو نادان ہے، نہ جانے کس کس خواہش پہ مچلتا ہے

وہ بھیگی آنکھوں سے مسکرائی تو طارق نے ہونٹ بھینچ لئے، جب وہ وہاں سے لوٹا تو دل کا بوجھ کچھ اور بڑھ چکا تھا۔

☆☆☆

''زوحا بیٹے آپ یہ ٹرے آغا کے کمرے میں رکھ دو، کھانے پینے کا شوقین تو خیر پہلے بھی نہیں تھا اب جبکہ اچھی ڈائیٹ بے حد ضروری ہے تو اس معاملے میں کچھ اور بھی کوتاہی برتنے لگا ہے، رات دن میں ہی منتیں ترلے کر کے کچھ کھلاؤں تو کھلاؤں ورنہ پرواہ نہیں ہے، یہ دودھ خاص طور پر الگ کے رکھنا، تمہارے پاپا سے کہہ کر آغا کے بیڈ روم میں تو فریج کا انتظام کراتی ہوں نا چلو

سہولت ہو جائے گی۔"

ماما کچن میں موجود تھیں اور شہریار کے لئے انہوں نے اپنے ہاتھوں سے ٹرے میں فروٹ اور جوسز کے علاوہ دودھ میں اوولٹین ڈال کر تیار کیا تھا، جب سے وہ ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو کے آیا تھا مما اس کے ساتھ بالکل ننھے بچوں کی طرح ہی لگی رہتی تھیں چاؤ چونچلے اٹھاتے تھکتی ہی نہ تھیں، حویلی میں اس سے پہلے کچن ملازماؤں کے سپرد تھا مگر اب ماما نے خود کھانے پکانے کا کام سنبھال لیا تھا، ماہ نور رابیل اور روحا صوحا بھی ساتھ لگی رہتیں باقی کے کام البتہ سلطان شاہ نے ملازماؤں سے ہی کرانے کی تاکید کی تھی، ماما کو شہریار کا اتنا خیال اتنی فکر تھی کہ اس کے منع کرنے کے باوجود رات کو بھی اس کے ساتھ اس کے بیڈروم میں سوتیں تھیں اور کسی نے تو لاڈ اور پیار کے اس مظاہرے پہ زبان نہیں کھولی مگر زوحا نے ضرور یہاں بھی اپنے منہ پھٹ ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا تھا۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے ماما جانی مگر یہ بھی تو سوچیں آپ ہمارے بھلے مانس پاپا کے ساتھ اچھی خاصی زیادتی کر رہی ہیں، اپنے سپوت صاحب دودھ پیتے بچے نہیں ہیں چھ فٹ لمبے پورے جوان ہیں جو راتوں کو اٹھ کر ہرگز چینج کرنے کے لئے آپ کو نہیں پکاریں گے۔" کچن میں اسٹول پہ بیٹھی کرچ کرچ سیب کھاتی زوحا نے شرارتی انداز میں آنکھیں نچا کر کہا تو اس کی بات کی گہرائی کو سمجھتے ہوئے ماہ نور اور صوحا نے بے ساختہ اپنی مسکراہٹ چھپائی، وہ فطرتاً بے تکلف تھی اور ماما سے ماہ نور وغیرہ سے بھی کہیں زیادہ ان چند دنوں میں فرینک ہوئی تھی ہر بات بالکل دوستوں کے انداز میں بے دھڑک کہہ جایا کرتی، مما خفیف تو ضرور ہوئیں مگر اسے مصنوعی غصے سے گھورا بھی۔

"بری بات بیٹا مما سے اس طرح بات نہیں کرتے۔" انہوں نے اپنے تئیں اسے سمجھایا مگر وہ کہاں تھی اثر لینے والی الٹا جرح پہ اتر آئی۔

"کیوں نہیں کرتے؟ ریئلی مما مجھے تو پاپا پہ سچ مچ والا ترس آ رہا ہے، اتنے سالوں کی دوری کے بعد جا کے آپ انہیں میسر آئی بھی تو یہ آغا صاحب قبضہ جما کر بیٹھ گئے، بھئی ان سے کوئی پوچھے بھئی ان کی اپنی مسز نہیں ہیں ان سے لیں راتوں کی یہ خدمتیں۔" اس نے چمک کر کہتے ساتھ ہی رابیل کو بھی گھسیٹ لیا، جس کے صبیح چہرے پہ ایک سایہ سا لہرا گیا۔

"اچھا زیادہ ٹرٹر مت کرو زوحا۔" صوحا نے ڈانٹنا فرض سمجھا، تو زوحا نے بے دریغ اسے گھورا۔

"تم بیچ میں مت کودو لڑکی تمہارا معاملہ بھی تب ہی کنارے لگے گا جب مما کو ذرا فرصت سے پاپا سے بات کرنا نصیب ہو گی، فاروق بھائی بیچارے تمہارے انتظار میں سوکھ رہے ہیں۔" اس کی زبان کے آگے کون ٹھہرتا صوحا کے تو صحیح معنوں میں چودہ طبق روشن ہو گئے۔

"مما جانی آپ کے بیٹے صاحب اور بہو بیگم سیانے ہیں، انہیں خود اپنا معاملہ سلجھانے دیں نا، اگر پھر بھی نہ سلجھا پائیں تو دو دو گردن میں لگا کر سیدھا کیجئے گا۔" زوحا نے اٹھ کر مما کے گلے میں بازو حمائل کر کے بڑے پتے کی بات کی ماما کی نگاہ جھجکتے ہوئے انداز میں رابیل کی سمت اٹھی جو ہونٹ بھینچے سر جھکائے خاموش کھڑی تھی ان کی نگاہوں کو محسوس کر کے کچھ اور کنفیوژ ہوئی پھر بہت خفت زدہ سے انداز میں منمنا کر بولی تھی۔

"زوحا ٹھیک کہتی ہے مما شہریار کے ساتھ رات کو مجھے ہی ہونا چاہیے۔"

"یا ہو!" زوحا اور ماہ نور نے بے ساختہ مستانہ انداز کا نعرہ لگایا زوحا تو باقاعدہ لڈیاں ڈالنے لگی، رابیل جھینپ گئی۔

"یعنی تم سب لوگ مجھے آٹے سے بال کی طرح نکال پھینکنا چاہتی ہو۔" مما کھل سی گئیں تھیں دل سے جیسے منوں کے حساب سے بوجھ اتر گیا، وہ خود بھی تو رابیل کے منہ سے ہی سننے کی متمنی تھیں، اب جبکہ دل کی گزارش رب نے بن کہے پوری کی تھی تو خوشی کا ٹھکانہ ہی نہ تھا دل آپوں آپ ہی اس مالک حقیقی کے آگے سجدہ ریز ہو گیا۔

"جی گستاخی معاف مگر آپ کی حیثیت ہمارے ڈیئر پاپا کے ساتھ سونے پہ سہاگے والی بھی تو ہے نا۔" زوحا کی زبان پہ پھر کھجلی ہوئی تھی مما نے بے ساختہ جھینپ مٹانے کو اسے ایک دھپ لگا دی۔

"بہت بولتی ہو تم! تمہارے پاپا سے کہہ کر تمہارا تو کوئی مستقل انتظام کرتی ہوں نا۔"

"انتظام کیا کرنا ماما! صرف قاضی صاحب کو بلائیں اور نکاح پڑھا کر اگلے گھر دھکا دے دیں، وہ اپنے وقاص صاحب ہیں نا۔" رابیل نے زوحا کے ہاتھ سے ٹرے لیتے ہوئے اس کے دل کی بات بڑے خوبصورت پیرائے میں ماما تک پہنچائی، زوحا نے اس پل بڑے دھیان سے اس کا فریش اور مطمئن و مگن سا انداز بطور خاص ملاحظہ کیا تھا کہیں سے بھی تو نہیں لگتا تھا وہ وقاص کی اس دیوانگی اور شدتوں سے آگاہ ہو گی جبھی قدرے ریلیکس ہوئی۔

"وقاص؟ داؤد کا بھانجا؟" مما بے حد حیران نظر آنے لگیں۔

"جی مما! بالکل۔" رابیل ہنس رہی تھی۔

"ہاں مگر یہ بات تم نے کیسے کہی؟ میرا مطلب نگی نے تو ایسا کوئی اشارہ نہیں دیا۔" مما الجھ رہی تھیں۔

"نہیں دیا تو دے دے گی۔" رابیل کا انداز اطمینان دلانے والا تھا۔

"یہ بھی اچھی بات ہے ہمیں تو ایک ہی گھر سے دو دو رشتے مل گئے، زیادہ سمدھیانے نہیں ہوں گے۔" مما کا متبسم لہجہ بتا رہا تھا وہ بھی اس رشتے کو پسند کر رہی ہیں، زوحا کے دل کے اطمینان کو یہی کافی تھا۔

وہ مضطرب سا تھا، رابیل کی خاموشی اور اس کا جھکاؤ اسے الجھا چکا تھا، وہ جانتا تھا وہ باخوشی کبھی اس کی سمت متوجہ نہیں ہو سکتی تھی، یہ یقیناً ایک سمجھوتہ تھا اور اس سمجھوتے پہ اسے کس کس نے فورس کیا ہو گا وہ یہ بھی جانتا تھا اس کا دل انہی احساسات کے تحت اضطراب سمیٹ لایا تھا یہ سب تو تھا ہی مگر دل بھی ایک ضدی بالک تھا جو من سند کھلونے پہ مچل رہا تھا اس نے کروٹ بدلی تو جانے کب کی پڑھی کسی بھولی بسری غزل کے اشعار ذہن میں گردان کرنے لگے جن میں عجیب سا الھڑ پن تھا۔

ہاتھ بالوں میں پھیرے تو میں سو جاؤں گا
کوئی قصہ وہ سنائے تو میں سو جاؤں گا
اسے کہنا کہ مجھے نیند نہیں آتی ہے
اپنی بانہوں میں سلائے تو میں سو جاؤں گا

میری پلکوں پہ سجے ہیں کئی راتوں کے دیئے
کوئی پلکوں سے بجھاتے تو میں سو جاؤں گا
آخری سانس مجھے موقع تو دے دے ذرا
میرا وعدہ ہے کہ وہ آئے تو میں سو جاؤں گا
بعد کی بعد میں دیکھیں گے پر اس سے کہو
آج کی رات نہ جائے تو میں سو جاؤں گا

تکیے کے نیچے ہاتھ ڈال کر اس نے سگریٹ نکال کر سلگایا اور گہرا کش لے کر تمام ٹینشن کو گویا دھوئیں کے ساتھ اڑانا چاہا مگر یہ ممکن کہاں تھا بھلا، وہ دوسرے کے بعد تیسرا سگریٹ سلگا رہا تھا، جب دروازہ کھلنے کی آواز پہ سرسری سے انداز میں نظریں اٹھائیں اور بری طرح سے چونک گیا، رابیل ٹرے ہاتھوں میں لئے اندر داخل ہو رہی تھی، پھر وہ آگے بڑھی تھی اور ٹرے اس کے پاس بیڈ کی سائیڈ دراز پہ رکھ دی، اس کے نزدیک آ جانے پہ وہ ہی اس کی مخصوص سی خوشبو شہریار کے اطراف میں بکھر گئی جسے رابیل کے چلے جانے کے بعد وہ پاگلوں کی طرح ڈھونڈتا پھرا تھا، وہ مسحور سا بیٹھا رہ گیا، جبکہ رابیل ایک بار پھر پلٹ کر چلی گئی تھی اور شہریار بھی جیسے اسی فسوں کے حصار سے نکل کر سر جھٹکنے لگا، اس نے انتہائی بے دلی سے پہلے ایش ٹرے میں سگریٹ کی راکھ جھاڑی پھر سگریٹ بھی مسل ڈالا۔

بعد کی بعد میں دیکھیں گے پر اس سے کہو
آج کی رات نہ جائے تو میں سو جاؤں گا

وہ ہونٹوں میں بڑبڑایا اور اپنی خواہش پہ اپنا ہی مضحکہ اڑانے والے انداز میں ہنس دیا، تب ایک بار پھر دروازہ کھلا اور وہ ایزد کو اٹھائے اندر آ گئی۔

''جی چاچا! یہیں رکھ دیں بیڈ کے ساتھ۔'' اس نے خیر دین ملازم سے کہا جو ایزد کا کاٹ اٹھائے ہوئے تھے۔

''شکریہ چاچا، آپ جائیے دروازہ بند کر جائیے گا۔'' وہ جھک کر ایزد کو کاٹ میں لٹا رہی تھی جو سو چکا تھا، شہریار کی حیرانی اور استعجاب کو یکسر انداز کیے جبکہ وہ ششدر تھا، خواہش کی اتنی فوری تکمیل پہ، رابیل ایزد کو لٹا کر پلٹی اور اے سی کی کولنگ کم کرنے کے بعد بیڈ پہ اس کے پہلو میں آ بیٹھی۔

''کچھ کھائیں گے؟ سیب دوں کاٹ کے؟'' پھر اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر ٹرے اپنی جانب کھسکائی اور سیب پلیٹ میں رکھ کر چھری اٹھا لی۔

شہریار کی حیرت کی جگہ جھلاہٹ اور چڑچڑاہٹ نے لے لی تو اس نے پہلے اس کے ہاتھ سے چھری جھپٹی پھر پلیٹ بھی چھین کر سائیڈ پہ پٹخ دی۔

''واٹ از دس؟'' وہ بھڑک اٹھا تھا، رابیل کا اطمینان اور یہ اتنا تغیر اسے ذہنی و جسمانی طور پر اپ سیٹ کر چکا تھا، مگر رابیل کے انداز میں وہ ہی مخصوص طمانیت اور رسان تھا۔

''یہ پلیٹ ہے، یہ سیب ہے اور یہ چھری۔''

''بیبا!'' وہ زور سے دھاڑا اور اسے ایکدم وحشت بھرے انداز میں شانوں سے جکڑ لیا۔

''کیوں ٹیز کر رہی ہو مجھے؟ ٹیل می پلیز!'' اس کے چہرے اس کی آنکھوں میں ہی نہیں لہجے واندز میں بھی یکایک بے تحاشا بے بسی اور عاجزی در آئی تھی، وہ اس کی آنکھوں میں اپنی نظریں گاڑھے گویا اندر کا بھید پانے کو بے قرار تھا۔

''کیا جواب دوں شہریار سب کچھ تو میرا رویہ کہہ رہا ہے، میری ہار، میرا اسد ھار۔'' اس کے ہاتھ نرمی سے ہٹا کر وہ سیدھی ہو کر بیٹھتے ہوئے بولی تو شہریار نے جیسے کسی نا قابل برداشت اذیت سے گزرتے ہوئے پیشانی کے بال مٹھی میں جکڑ لئے۔

''کس نے فورس کیا تمہیں؟ ماما نے پاپا نے، ماہ نور نے؟ یا پھر زوحا صوحا نے؟'' وہ سرخ دہکتی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔

''کسی نے نہیں میرے دل نے۔'' رابیل کا اطمینان اسے راکھ کرنے لگا۔

''تو اب تم ترس کھاؤ گی مجھ پہ آغا شہریار گیلانی پہ؟'' وہ یکایک جیسے تھک کر بولا۔

''میں اصل بات آپ کو بتا چکی ہوں شہری، یقین کیوں نہیں کرتے؟'' وہ زچ ہوئے بغیر اسی سکون سے بولی شہریار کے چہرے پہ واضح بے بسی چھا گئی، گویا اس سے اصل بات کا بھید نے پا کر بے تحاشا تھکان کا شکار ہونے لگا ہو، اس نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے تھے تب رابیل نے آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کے ماتھے پہ بکھرے بالوں میں الجھا کر نرمی سے اس کے بال سمیٹ دیئے اور مدھر لہجے میں بولی تھی۔

''آپ سمجھتے کیوں نہیں ہو، اگر ماما پاپا یا پھر ماہ نور کی وجہ سے مجھے یہ قدم اٹھانا ہوتا تو کب کی اٹھا چکی ہوتی جب تک میرے دل میں آپ کے لئے گنجائش نہیں تھی میں نے جبراً کوئی فیصلہ نہیں کیا مگر.......'' اسے جیسے شہریار کی حالت پہ رحم آ گیا تھا، شہریار نے چونک کر اسے دیکھا۔

''مگر کیا؟''

''مگر پھر خدا نے مجھے میری غفلت کی نیند سے جگا دیا، صد شکر زیادہ دیر ہوئی تھی نہ نقصان خدا نے مجھے ازالہ کا ایک موقع فراہم کیا ہے، اگر خدانخواستہ آپ کو تب کچھ ہو جاتا تو شاید احساس جرم مجھے بھی جینے نہ دیتا مجھے جانے کیوں یقین سا ہے خدا نے صرف میری التجاؤں پہ رحم کھا کر آپ کو پھر سے زندگی بخشی ہے، میں اب مزید کوئی حماقت کر کے اللہ کو خفا نہیں کرنا چاہتی، پھر اتنی انمول اور خاص محبت کو ٹھکرا کر شانت بھی تو نہیں ہو سکتی تھی نا؟'' بولتے ہوئے اچانک اس نے سر اٹھا کر اس کی غیر یقین سا کن آنکھوں کو مسکرا کر دیکھا اور تائید چاہی اور شہریار استعجاب حیرت غیر یقینی کے گرداب میں الجھا جیسے کوئی فیصلہ نہ کر پا رہا تھا اسی مضطرب سے انداز میں سگریٹ کیس سے سگریٹ نکال کر سلگانے لگا، رابیل چپ چاپ اس کے جواب کی منتظر رہی مگر وہ تو گویا دھواں اڑانے والا انجن بن چکا تھا، ایک کے بعد دوسری کے بعد تیسری، رابیل کے ضبط کی انتہا ہوئی تو اس نے جھلا کر اس کا بازو پکڑ کر خفیف سا جھٹکا دیا یہ بھی گویا ایک انداز تھا توجہ حاصل کرنے کا۔

''کیا میں سمجھوں کہ آپ خفا ہیں؟ اگر ایسا ہے تو پلیز مجھے بتائیں آپ کو منانے کو مجھے کیا کرنا پڑے گا؟'' اس نے لجاجت سے کہا تھا اور اس کے کاندھوں پہ اپنے دونوں ہاتھ رکھ دیئے، شہریار چونک اٹھا۔

''میں ... خفا نہیں ہوں ریلیکس! بس مجھے یقین نہیں آ رہا، خدا ہماری سوچوں سے بڑھ کر

مہربان ہے۔'' بالآخر وہ مسکرا دیا تھا اور رابیل کی ٹینشن جیسے ختم ہوگئی۔

''بلاشبہ، بس ہم ہی اس سے غافل رہتے ہیں، تھینکس شہریار میں پوری کوشش کرونگی کہ آپ کو مزید کوئی شکایت کا موقع نہ دوں۔'' اس نے سادگی اور خلوص سے کہا تھا مگر شہریار کی آنکھیں ایک دم سے شوخ جذبوں سے لو دینے لگیں، وہ روبرو تھی اور دلی آمادگی اور مکمل استحقاق سمیت پھر بھلا وہ حواسوں میں رہتا بھی تو کیسے؟

''ایسا تو ممکن ہی نہیں ہے جان شہریار، تم وہی ہونا جسے میری والہانہ محبتوں کے اظہار پہ گھبراہٹ ہوا کرتی تھی، ذرا اندازہ کرو تب تو وہ میری محض پسندیدگی تھی اب محبت اور عشق کی شدتوں کو سہہ پاؤ گی شکایت نہیں شکاتیں ہوں گی۔''

آنکھوں اور ہونٹوں پہ شرارت بھری مسکان لئے وہ اپنے مخصوص رنگ میں لوٹا تو رابیل کو گڑبڑا کے رکھ دیا اور اس کی اس گڑبڑاہٹ سے محظوظ ہوتے شہریار نے قہقہہ لگایا تھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پہلو میں گھسیٹ کر اس کی سٹپٹاہٹ سے لطف لیا۔

''اب بھی غلط کہہ رہا ہوں میں؟'' سگریٹ لبوں میں دبا کر اس نے گہرا کش لیا اور دھواں اس کے منہ میں چھوڑ دیا۔

''افوہ اسے تو بند کر دیں نا آپ۔'' رابیل زچ ہو کر کہتے اس کے ہونٹوں میں دبا سگریٹ اچک لیا۔

''یعنی تمہارا مطلب ہے پوری توجہ تم پہ دوں؟'' شہریار نے اسے چھیڑنے کا آغاز کیا، تو رابیل کا شرم کے مارے برا حال ہو گیا، شہریار نے اس کی دودھیا رنگت میں گھلتی سرخی اور لمبی پلکوں کی حیا آمیز لرزش کو مبہوت ہو کر دیکھا۔

''تم بہت خوبصورت ہو بیبی! اور مجھے تم سے جنونی عشق ہے۔'' وہ اس پہ جھک کر سرگوشی میں بولا، وہ نہ بھی کہتا اس کی نگاہ سے چھلکتی جنوں خیزی اور گستاخ ارادوں کا پتہ دیتے شوخ تیور از خود اس کے دل کی کہانی سنا رہے تھے، رابیل کے گرد اس نے اپنی مضبوط بانہوں کا حصار باندھا تو فاصلے ایک تمام مٹ گئے۔

''شہریار ایک بات کہوں؟ بلکہ فرمائش کروں۔'' شہریار اس کے ہاتھ اس کی ریشمی چوٹی کے بل کھول رہے تھے جب رابیل نے اچانک کہہ کر اس کا دھیان بٹا دیا۔

''حکم کیجئے جناب!'' وہ شوخ ہوا اس کے انگ انگ سے چھلکتا سرور اس کی طمانیت اور خوشی کا مظہر تھا۔

''مجھے کچھ سنائیں نا، کچھ اپنے انتخاب میں سے۔'' اس کی آواز پہ لرزش غلبہ پانے لگی تھی۔

''افوہ یار یہ کیسی بے وقت فرمائش ہے، اس وقت تو میں صرف تمہیں محسوس کرنا چاہتا ہوں دل کی تمام گہرائیوں کے ساتھ، خود کو یہ اعتبار سونپنا چاہ رہا ہوں کہ میرا شمار بھی ان خوش بخت لوگوں میں ہو چکا ہے جو اپنی محبت کی معراج پہ جا پہنچے ہیں۔'' وہ نرمی سے جھنجھلایا تھا رابیل چپ کر گئی، شہریار نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا پھر اپنی شرٹ کے بٹنوں سے کھیلتی اس کی لمبی مومی سفید سفید انگلیاں اپنے مضبوط ہاتھ میں دبا لیں پھر انہیں ہونٹوں سے بہت جذب سے چھوا اور کھلکھلا کر بولا۔

''او میری ستی ساوتری اب اتنی بھی فرمانبرداری نہ دکھاؤ، سچ کہوں تو مجھے وہی بلی کی طرح پنجے مارتی ہوئی شیرنی کی طرح غراتی ہوئی رابیل اچھی لگتی ہے۔'' رابیل جانے کس احساس سے سرخ پڑنے لگی۔

''چلو تمہاری خواہش پوری کرتا ہوں کیا یاد کرو گی، ویسے یہ مجھ سے بچنے کا طریقہ تو نہیں نکالا؟'' وہ ہنس کر اسے چھیڑنے سے باز نہیں آیا رابیل یکلخت سفید پڑ گئی، شہریار اٹھ کر بیٹھ گیا تھا مگر اس طرح کہ اپنا سر اس کے کاندھے سے ٹیک دیا، رابیل خاموشی کے ساتھ سیاہ گھنیرے بالوں میں نرمی سے انگلیاں پھیرنے لگی جبکہ وہ بہت دھیرے دھیرے گویا ہوا تھا۔

تمہارے ہونٹوں کی ٹھنڈی ٹھنڈی تلاوتیں
جھک کے میری آنکھوں کو چھو رہی ہیں
میں اپنے ہونٹوں سے چن رہا ہوں
تمہارے سانسوں سے آیتوں کو
کہ جسم کے اس حسین کعبے پہ
روح سجدے بچھا رہی ہے
وہ ایک لمحہ بڑا مقدس تھا جس میں تم جنم لے رہی تھیں
وہ ایک لمحہ بڑا مقدس تھا جس میں، میں جنم لے رہا تھا
وہ ایک لمحہ بڑا مقدس ہے جس کو ہم جنم دے رہے ہیں
خدا نے ایسے ہی لمحے میں سوچا ہوگا
حیات تخلیق کر کے لمحے کے لمس کو جاوداں بھی کر دے

وہ خاموش ہو گیا تو رابیل جیسے چونکتے ہوئے اسے دیکھ کر مسکرائی۔

''تھینک یو شہریار!''

''نو تھینکس اینڈ نو سوری ان اور ریلیشن اوکے، اس لئے جان کہ ان میں تکلفات ہوتے ہیں گریز ہوتے ہیں اور میں کوئی دوری کوئی گریز نہیں چاہتا اب۔'' شہریار نے ٹوکتے ہوئے اس کے ہونٹوں پہ اپنے ہاتھ کو رکھ دیا رابیل نے سر کو اثبات میں جنبش دی اور جب شہریار اس سے دنیا جہان کی باتیں کر لینے کے بعد سو گیا تو رابیل نے اس کے وجود پہ کمبل کو صحیح کر دیا تھا، پھر خود بھی لیٹ کر کروٹ بدل کر منہ دوسری جانب پھیر لیا، آنکھوں میں جانے کب سے مچلتے دو شفاف آنسوؤں کے قطرے بے تابی سے پلکوں کی دہلیز پھلانگ کر تکیے میں جذب ہو گئے۔

''خدا حافظ سر! اس لئے کہ میں دانستہ یا نادانستہ آپ کو یاد نہیں کرنا چاہوں گی، اس لئے بھی کہ مجھے شہریار کی امانتوں میں خیانت نہیں کرنا اور اس لئے بھی کہ مجھے اپنے رب کو ناراض نہیں کرنا اور میں دعا گو ہوں کہ خدا مجھ پہ رحم کرے مجھے صبر عطا فرمائے، آمین۔'' اس نے دل سے دعا مانگی تھی اور پھر آنکھیں موند کر بے آواز سسکاری بھری تھی۔

اس کی مٹھی میں بہت دیر رہا میرا وجود
میرے ساحر سے کہو اب مجھے آزاد کرے

☆☆☆

اگلی صبح بہت خوبصورت تھی، مما سمیت سب لڑکیاں بھی کچن میں تھیں، رابیل ایزد کا فیڈر بنانے ابھی کچن میں آئی تھی جب شہریار بھی اس کے نام کی پکار مچاتے ہوئے وہیں آ گیا۔

''رابیل کیا مصیبت ہے یار کب سے ڈھونڈ رہا ہوں میری شرٹ نہیں مل رہی کہاں رکھ آئی ہو؟'' وہ نہانے جا رہا تھا کپڑے ہی نہیں مل رہے تھے۔

''بیڈ پہ رکھ کے آئی ہوں آپ کے کپڑے، وہ ایزد رو رہا ہے میں فیڈر بنا کے آتی ہوں۔'' وہ فریج سے دودھ کا برتن نکال کر اب چولہا جلا کر گرم کر رہی تھی یونہی مصروف رہ کر بولی۔

''لایئے بھابھی میں فیڈر میں تیار کر دیتی ہوں آپ بھائی کی بات سن لیں۔'' صوحا نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے فیڈر لے لیا، جبکہ زوحا نے مسکراہٹ دبائی۔

''کام وام کیسا بھئی سب بہانے ہیں آغا کے انہیں قریب بلانے کے، میں تو بہت خوب جانتی ہوں۔'' زوحا کی بات پہ رابیل ایکدم جھینپ گئی، جبھی کچن سے باہر جانے کو جو چند قدم بڑھائے تھے وہیں جم کر کھڑی ہو گئی۔

''تمہیں کیسے پتہ احمق، ان میرڈ ہو تم۔'' صوحا نے ڈانٹ کر رکھ دیا وہ دانت نکالنے لگی، پھر سر جھٹک کر کس قدر چپ کھڑی ماہ نور کی سمت پلٹی۔

''وہ کیا کہتے ہیں دال چڑھائی نہیں مگر چڑھتے دیکھی تو ہے نا، کیوں ماہا جی غلط کہہ رہی ہوں میں آپ تو ماشاءاللہ سے سال کا ازدواجی تجربہ رکھتی ہیں۔''

ماہ نور کا چہرا پھیکا پڑا ہوا تھا اس کی زندگی کا یہ خوبصورت رخ شادی شدہ کہلانے کے باوجود اس پہ منکشف نہیں تھا حالات سازگار نہیں تھے بلکہ اس نے سازگار رہنے نہیں دیئے تھے، وہ گوا رہی تھی طارق نے اس کی متعدد بار کی توہین آمیز بخشش کے باوجود پیش رفت کی تھی تو ہر بار نفس کا تقاضا ہی تو پیش نظر نہیں تھا فرض کی ادائیگی بھی تھی، مگر وہ اپنی ضد اکڑ میں اپنے پیروں پہ کلہاڑی مارتی آئی تھی۔

''ویسے آپ نے محسوس کیا چچی جان ماشاءاللہ سے آغا کتنا فریش ہے، ذہنی اطمینان اسی کو کہتے ہیں۔'' نگین کچھ سوچ کر مسکرائی تھی۔

''ہاں ہاں یا پھر من قربت کا بہترین رزلٹ۔'' زوحا نے دانت نکال کر ایک اور مخفی نقطہ عیاں کیا تو نگین نے جھینپ مٹانے کو اسے ایک دھپ لگا دی، پھر داؤد حسن خان کو کال کرنے کے ارادے سے کچن سے نکل کر آئی تو راہداری میں ایک بار پھر رابیل سے مڈبھیڑ ہو گئی جو پھر سے اپنے لئے پکار مچاتی شہریار کی آوازوں کو سن کر گہرا سانس بھر کے بے چارگی سمیت اسے دیکھنے لگی تھی یوں جیسے اس کی شکایت کر رہی ہو۔

''یار کیا کرتی ہو تم بھی، تک جاؤ اس کے پاس، بے چارے کو یقین آ لینے دو کہ تم سچ مچ اسے مل گئی ہو پوری صحیح سالم۔'' نگین نے ہنستے ہوئے چھیڑ جانی کی تو رابیل خفت سے سرخ پڑ گئی تھی۔

''دیکھ رہی ہیں مما اپنے بگڑے ہوئے بیٹے کو آفس جاتے ہیں نہ کام پہ پھر بھی صبح سویرے فارمل تیاری کے دوران مجھے گھن چکر بنا کے رکھ دیا ہے۔'' وہ اس وقت کچن سے برآمد ہوتیں ماما کو دیکھ کر مصنوعی غصے سے بولی تو ماما اس نازو لاڈ کے مظاہرے پہ اتنا نہال ہوئیں کہ گلے لگا کر چٹا چٹ اسے چومنے لگیں۔

''اسی میں تو سہاگ کی محبت اور سہاگن کی خوشی کا راز پوشیدہ ہوتا ہے، بہت خوبصورت مکمل اور دلکش لگ رہی ہو اس روپ میں اللہ ہمیشہ شاد و آباد رکھے آمین۔''

''تو گویا اب ہمیں ہماری بے روزگاری کے بھی طعنے ملیں گے اسے سمجھا لیں ماما ورنہ.....'' ماما جو اس کے ہمراہ کمرے تک آ گئی تھیں شہریار کے منہ پھلا کر کہنے پہ مسکراہٹ روکنے لگیں انہیں شہریار اور رابیل کا یہ نیا اور انوکھا روپ اس قدر بھا رہا تھا کہ جی بھرتا تھا نہ آنکھیں دیکھ دیکھ کر۔

''ورنہ کیا؟'' رابیل نے اسے گھور کر دیکھا تو جواباً شہریار نے سر کھجا کے مسکینیت سے کہا تھا۔

''وہاں اس سیٹ پہ بیٹھ کے پاپا نہیں میں کام کروں گا بیوی، پاپا کو تو بس ایک مرتبہ سفارش کی زحمت اٹھانا پڑے گی۔'' مما مسکراتے ہوئے دونوں کو دیکھتی رہی تھیں ان کی آنکھوں میں ان کے چہرے پہ ایسا اطمینان تھا کہ شاید ہی کبھی کسی نے دیکھا ہو، نگین انہیں نوک جھونک میں مصروف چھوڑ کر اپنے کمرے کی جانب آ گئی، بیڈ پہ تکیے کے سہارے نیم دراز ہونے کے بعد سیل فون اٹھا کے داؤد حسن خاں کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

''السلام وعلیکم! کیسے ہیں آپ؟'' رابطہ ہوتے ہی اس نے بڑے فریش انداز میں گفتگو کا آغاز کیا۔

''وعلیکم السلام! ٹھیک ٹھاک ہوں جناب! آپ سنایئے اتنی صبح بندہ ناچیز کو کیسے یاد فرما لیا، یا پھر ہمارے بغیر اب دل نہیں لگتا؟'' داؤد حسن خاں نے جواباً بشاشت سے کہتے ہوئے اسے چھیڑا تو نگین کا گویا سیروں کے حساب سے خون بڑھ گیا۔

(جاری ہے)

میرے ساحر سے کہو

ام مریم

انتیسویں قسط کا خلاصہ

شہریار موت وزیست کی کشمکش میں مبتلا ہوکر رابیل کا دل جیتنے میں بالآخر کامیاب ہو جاتا ہے ان کے درمیان دوریاں گھٹتی ہیں تو ایک خوبصورت رفاقت آغاز پاتی ہے، جو حویلی کے سبھی مکینوں کے لئے اطمینان خوشی اور سکھ کا باعث ہے، ایسے میں نگین وقاص کے لئے ایک حتمی فیصلہ کر کے اسے حویلی بلواتی ہے، جہاں شہریار کے مزاج کے شوخ اور البیلے رنگ اس کی روح پہ پڑے آبلوں کو کچل دیتے ہیں، مگر نگین کی دانائی اور جذباتی باتیں بالآخر اس سے وہ فیصلہ کرا لیتی ہیں جسے عام حالات میں شاید وہ اتنی آسانی سے کبھی نہ کر پاتا۔

ماہ نور طارق کو اس جوشیلی اور دل آویز محبت کی خواہاں ہے، مگر وہ اس بات سے انجان ہے کہ پلوں سے بہت سا وقت بیت گیا اور وقت میں اگر کوئی نقصان ہو جائے تو بسا اوقات اس کا ازلہ مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہو جایا کرتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

تیسویں قسط

''خوش فہمی اچھی ڈوز ہے لیتے رہنا چاہیے بندہ صحت مند اور فریش رہتا ہے۔'' اس نے جوابی حملہ کیا مگر بہت خوبصورت سی ہنسی کے ساتھ۔

''بری بات مسز بڑوں سے مذاق نہیں کرتے، پھر حرج ہی کیا ہے اگر کسی کو خوش فہمی سلامت بھی رہنے دی جائے۔'' انہوں نے جواباً اسی ترنگ اسی فریش انداز میں کہا تو نگین کو کھلکھلاہٹ کچھ اور بڑھ گئی۔

''کہاں ہیں آپ؟'' معاً اسے خیال آیا تو پوچھا۔

''محترمہ ڈرائیو کر رہا ہوں، لمبی بات کا موڈ ہے تو پھر ٹرائی کیجئے گا۔''

''آفس جا رہے ہیں؟'' نگین نے منہ لٹکا لیا اس کا موڈ تو وقاص اور زوحا کے حوالے سے ان سے بات کرنے کا تھا۔

''ظاہر ہے یار! اس وقت کہیں اور تو مٹرگشت کرنے سے رہا۔''

''اچھا! وقاص سے بات کی آپ نے؟'' اس نے موضوع بدلا۔

''کون سی بات؟ اچھا وہی شادی والی، نہیں تمہارے سامنے ہی ہوئی تھی، میرا خیال ہے ہمیں اسے ذرا ٹائم دینا چاہیے۔'' انہوں نے اپنی رائے دی جس سے نگین نے اتفاق نہیں کیا تھا۔

''ضروری نہیں ہے داؤد بلکہ آپ ایسا کریں آج شام کو اسے لے کر حویلی آئیں، مجھے اسے کچھ بہت اہم دکھانا ہے۔'' وہ کچھ سوچ کر یکایک پرجوش ہونے لگی۔

''ایسا کیا انوکھا ہے بیگم صاحبہ! زوحا کو وہ دیکھ ہی نہیں کئی بار مل بھی چکا ہے۔'' داؤد نے ٹوکا تو نگین جھلاہٹ کا شکار ہو گئی تھی۔

''آپ کو آنے میں کیا اعتراض ہے بھلا؟'' وہ بسوری تھی داؤد حسن خان نے گہرا سانس کھینچا۔

''اعتراض ہے نا میرا بہت حرج ہو گا آنے میں کلینک سے چھٹی ہو گی پھر آج تو بہت اہم میٹنگ بھی ہے، سوری میں نہیں آ پاؤں گا۔'' نگین کچھ دیر کو یوں چپ ہوئی جیسے کس سوچ میں ڈوب گئی ہو۔

''ٹھیک ہے داؤد آپ ایسا کریں وقاص کو بھیج دیں مگر ذرا جلدی، پھر میں اس کے ساتھ آ جاؤں گی نا۔'' اس کے اعصاب پہ جیسے کوئی دھن سوار ہو چکی تھی۔

''خیریت ہے نا نگین ہوا کیا ہے؟'' داؤد حسن خاں کا چونکنا فطری تھا۔

''تو دی پوائنٹ یہ کہ وقاص کو فیصلہ کرنے کی بہت سہولت رہے گی، باقی تفصیل پھر ملاقات پہ۔''

''ایز یو وش۔'' داؤد حسن خاں نے بھی کرید نہیں کی، مگر پھر کچھ خیال آنے پہ فون بند کرنے سے پہلے بولے تھے۔

''خفا تو نہیں ہو؟''

''ارے......'' وہ ذرا سی ہنسی تھی پھر مسکراتے ہوئے بولی۔

''خفا ساری دنیا سے ہو جاؤں تو آپ سے نہ ہوں، اتنی مشقتوں سے تو آپ کو لائن پہ لائی ہوں یہ حماقت کرتی ہوں بھلا؟''

''اس کا مطلب ہم حماقت کر رہے تھے؟'' داؤد حسن خاں نے اس پہ گرفت کی تو جواباً اسے شوخی سوجھ گئی۔

''آپ خود سمجھدار ہیں، بندی کی مجال کہ کوئی گستاخانہ کلمات نکالے منہ سے۔'' وہ کھل کھل ہنس رہی تھی، یوں جیسے کسی اونچے پہاڑ سے جھرنا بہتا ہو۔

''شہریار کیسا ہے؟''

''آپ فون کرتے تو ہیں اسے۔'' نگین نے بدمزا ہو کر جتایا، اسے اپنی باتوں میں کوئی اور تذکرہ بہرحال برداشت نہیں ہوا تھا۔

''اُف اتنی جیلسی؟ واضح رہے شہریار کسی لڑکی کا نام نہیں ہے۔'' داؤد حسن خاں ہنس کر جتلایا تھا پھر اسے گڈ بائے کہا، تو نگین نے سیل واپس ڈال کر دونوں ہاتھوں کا تکیہ بنا کر سر کے نیچے رکھا اور کچھ سوچ کر مسکرانے لگی۔

☆☆☆

یہ آنکھ رونے کی شدت سے لال تھوڑی ہے
ملال ہے مگر اتنا ملال تھوڑی ہے
بس اپنے واسطے ہی فکر مند ہیں سب لوگ
یہاں کسی کو کسی کا خیال تھوڑی ہے
مزا تو یہ ہے کہ ہار کے بھی ہنستے رہو
ہمیشہ جیت ہی جانا کمال تھوڑی ہے
لگانا پڑتی ہے ڈبکی ابھرنے سے پہلے
غروب ہونے کا مطلب زوال تھوڑی ہے

وہ ایک گلابی شام تھی جب وقاص حویلی کے مین گیٹ تک پہنچا، جدید سہولیات سے مزین حویلی کے سرسبز وسیع و عریض لان میں وہ سب کرکٹ کھیلنے میں مصروف تھے، ایک شور ایک خوشگوار ہنگامہ مچا ہوا تھا، وکٹوں کے آگے بیٹ لہراتی زوحا تھی جبکہ باؤلنگ اسٹینڈ پہ شہریار اس کے حریف کے طور پہ سامنے تھا۔

''ہاں تو پھر ٹارگٹ اچیو کرنا ہے نا؟'' شہریار نے گویا اسے چھیڑا تھا۔

''تو اور کیا مجھے اپنے پاکستانی کرکٹرز کی طرح سٹہ بازی کر کے میچ ہارنا ہے؟ بال کراؤ آغا جی!'' اس نے منہ چڑایا شہریار کو تپ چڑھ گئی۔

''تو کیا پہلے جو تین میچ ہاری ہو ان پہ مجھ سے سٹہ لگایا تھا؟''

''بھئی وہ قسمت کی ہار تھی، لازمی تو نہیں کہ ہر بار آپ ہی جیتو۔'' صوحا نے خجل ہونا جو سیکھا ہی نہیں تھا۔

''انشاء اللہ یہ بھی قسمت کی ہار ہو گی ڈونٹ وری۔'' شہریار نے اسے زچ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور وہ اس مرتبہ کامیاب بھی رہا تھا۔

''بھابھی اپنے کیپٹن کو سمجھا لیں خوامخواہ بیر مول نہ لے، آف کورس اپنی ٹیم کی کیپٹن ہونے کی

حیثیت سے میری بھی آخر کوئی عزت ہے۔" زوحا نے رابیل کو گھسیٹا جو گلابی کپڑوں میں ملبوس اڑتے بالوں کو سمیٹتی خاموشی سے دونوں کی تکرار سن رہی تھی، اس شکایت پہ خاطر خواہ اثر لیا۔

"شہریار کروائیں نا باؤلنگ، ابز اٹھنے والا ہے میں پھر کھیل ادھورا چھوڑ دوں گی۔" اس نے صرف آرڈر نہیں کیا تھا ساتھ میں دھمکی بھی دے ڈالی اس کے باوجود شہریار جی جان سے فدا ہو گیا۔

"آپ کا حکم سر آنکھوں پہ جان من! مجھے تو اس بے چاری پہ ترس آ رہا ہے، ابھی میری پہلی گیند پہ آؤٹ ہو جائے گی۔" شہریار نے ایک بار پھر زحا کو زچ کیا پھر بال کرائی تھی، وہ تو تھی ہی غصے میں پوری قوت سے بیٹ گھما دیا، گیند ہٹ کھا کر فضا میں اچھلی اور فضا میں تیرتی پورٹیکو کی جانب عازم سفر ہوئی۔

"چھکا۔" زوحا نے گردن اکڑا کر فخر سے پیشن گوئی کی، اڑتی ہوئی گیند اسی پل گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے باہر نکلتے وقاص کے شانے سے کھٹ سے جا کر لگی۔

"چھکا نہیں ٹھوکا! بدتمیز لڑکی، معزز مہمان کی یہ درگت۔" وہ سب جو گیند کے تعاقب میں نگاہیں گھما چکے تھے اس کارنامے پہ کھسیاہٹ کا شکار ہو گئے، شہریار نے البتہ زوحا کے لتے لینے کا وقت ضرور نکال لیا تھا اور اسے برہمی سے گھورتا تیز قدموں سے وقاص کی جانب بھاگا۔

"ہائے اللہ!" زوحا نے بیٹ پھینک کر دونوں ہاتھ سینے پہ رکھ لئے، دل یوں دھڑک رہا تھا جیسے ابھی سینے سے باہر آ گرے گا۔

"یہ یہاں کیسے؟ میرا مطلب ہے یہ بغیر اطلاع۔" رابیل کے گھورنے پہ اس نے سٹپٹا کے زبان دانتوں تلے داب لی۔

"اچھا بس کرو، آؤ دیکھتے ہیں بیچارے کو زیادہ چوٹ تو نہیں آئی۔" رابیل نے تنبیہ کے انداز میں کہا اور قدم بڑھا دیئے۔

"نہیں بھائی اٹس اوکے، مم...... مامی جان کدھر ہیں؟" وقاص، شہریار کے سوالوں پہ جوابات دے رہا تھا اور بے تحاشا خفت زدہ نظر آ رہا تھا، ایک تو وہ ویسے ہی کنفیوژڈ تھا اوپر سے یہ آکورڈ پوزیشن۔

"یار یہ ہماری بہنا بس ایسی ہی ہیں، ذرا دھیان سے۔" شہریار مسکراہٹ دبا کر کہہ رہا تھا، وقاص کیا کہتا ان کی شکلیں دیکھ کر رہ گیا، رابیل کے روبرو تو ویسے بھی اس کی قدرتی صلاحیتیں تھی جیسے مفلوج ہو جایا کرتی تھیں۔

"افوہ شہریار آپ بھی نہ بس بیچارے کو مزید پریشان کرنا شروع کر دیا ہے، وقاص آپ آؤ میرے ساتھ نگین اندر ہی ہیں۔" رابیل کو وقاص کا حد سے زیادہ رویہ ہمدردی سے دوچار کر رہا تھا، جبھی شہریار کو بازو سے پکڑ کر سائیڈ پہ کیا اور خود اس کے پہلو میں آ کر کھڑی ہو گئی، وقاص نے اس کی اس بے تکلفی کو بہت دھیان سے دیکھا اور محسوس کیا اور جیسے ایکدم اندر سے خالی ہو گیا۔

"آیئے پلیز۔" رابیل نے اس کا ٹکر ٹکر دیکھنا اگر محسوس بھی کیا تو دھیان دیئے بنا بولی تھی، وقاص نے خود کو سنبھالا اور ہونٹ بھینچتے ہوئے قدم بڑھا دیئے۔

"جایئے جایئے یہ آپ کو بالکل صحیح سالم آپ کی ممانی تک پہنچا دیں گی، مجھے تو وکی صاحب آپ کو دیکھ کر ایسے لگ رہا ہے جیسے آپ میلے میں گم ہو جانے والے چھوٹے سے بالک ہو اور نگی تمہاری والدہ محترمہ۔" شہریار کو گویا گدگدیاں ہو رہی تھیں، رابیل نے پلٹ کر شہریار کو ناراض نظروں سے گھورا سب وہ چاروناچار دبکا تھا، مگر بیٹ پکڑتے ہوئے وکٹوں کی جانب جاتے جاتے بھی ہانک لگانے سے باز نہیں آیا۔

"بیبہ ڈارلنگ ذرا جلدی واپس آ جانا یو نو تمہارے بغیر میرا دل نہیں لگے گا۔" وقاص چلتے ہوئے یکلخت لڑکھڑا گیا، رابیل بوکھلا گئی۔

"دھیان سے وقاص صاحب کیا ہوا؟" وہ پریشانی سے استفسار کر رہی تھی۔

"تھنگ۔" اس کے پاس بتانے کو تھا بھی کیا، بس اندر سے خس و خاشاک ہوتا رہا تھا۔

☆☆☆

ہم محبت کے خرابوں کے مکیں
وقت کے طول المناک کے پروردہ ہیں
ایک تاریک ازل نور ابد سے خالی
ہم جو صدیوں سے چلے ہیں تو
سمجھتے ہیں کہ ساحل پایا
اپنی تہذیب کی پاکوبی کا حاصل پایا
ہم محبت کے نہاں خانوں میں بسنے والے
اپنی پامالی کے افسانوں پہ رونے والے
ہم سمجھتے ہیں نشان سر منزل پایا
ہم محبت کے خرابوں کے مکیں
کنج ماضی میں ہیں
باراں زدہ طائر کی طرح آسودہ
اور کبھی فتنہ ناکارہ سے ڈر کر چونکیں
تو رہیں بیبہ نگاہ نیند کے جاری پردے
ہم محبت کے خرابوں کے مکیں
ایک تاریک خرابے کہ جہاں
دور سے تیز پلٹ جائیں ضیا کے آہو
بس ایک صدا گونجتی ہے۔
شب الام کی یاہو یاہو
ہم محبت کے خرابوں کے مکیں
ایک دلہر وز میں خوابوں کے شجر بوتے ہیں
سایہ نابید تھا سائے کی تمنا تلے سوتے رہے
ہم محبت کے خرابوں کے مکیں

وہ بیڈ پہ پاؤں لٹکائے بیٹھا تھا بالکل گم صم بے خبری کا سا انداز تھا، جب ہلکی سی دستک کے بعد

زوحا نے اندر قدم رکھا مگر اس کی غفلت یونہی قائم تھی، یہاں تک کہ وہ بالکل اس کے سر پہ پہنچ کر کھنکاری، وہ چونکتے ہوئے اپنی جگہ زور سے اچھلا۔

"آپ؟" اس کی آنکھوں میں خفیف سی کوفت اور ناگواری جاگی، جسے زوحا کے احساسات نے فی الفور محسوس کیا اور ایک ہتک آمیز سا انداز اسے چھو کر گزر گیا۔

"اچھا نہیں لگا آنا میرا؟ مخل ہوئی ہوں تو واپس چلی جاؤں۔" دونوں بازو سینے پہ لپیٹ کے وہ ہلکی سی چبھن سمیت بولی۔

"آپ کا اپنا گھر ہے، جہاں مرضی آئیں جائیں، میں کون ہوتا ہوں اعتراض اٹھانے والا۔" وقاص نے نگاہ چار کیے بنا روکھے پن سے کہا، زوحا کو تیر بن کر لگا تھا اس کا یہ انداز یہ جواب۔

(تم اتنے خاص تو نہیں ہو مسٹر وقاص کو یوں ذلت سہتی پھروں، مگر یہ میرا دل جو ہے نا یہی خواری پہ مجبور کر رہا ہے مجھے)۔

"جی آپ صحیح کہتے ہیں مسٹر وقاص، مگر کیا کیا جائے کہ ہم بہت روایات پرست لوگ ہیں، مہمان کی عزت ہمارے ہاں بہت خاص انداز میں کی جاتی ہے، میں سوری کرنے آئی ہوں، ریکلی میری اس نادانستہ حرکت نے آپ کو جو......"

"کیا کہہ رہی ہیں میں قطعی نہیں سمجھا؟" وقاص نے بے اختیار اس کی بات قطع کی، زوحا بری طرح سے چونکی اس کی نگاہوں کی واضح الجھن اس کی بات کے سچ ہونے کی دلیل تھی، زوحا کا دل جیسے یکا یک بھرا سا گیا۔

(یہ ہے اس کے نزدیک میری اہمیت میری حیثیت؟ ابھی چند گھنٹے قبل کی بات بھولے بیٹھا ہے، ساری زندگی تو اس کے ساتھ میں نظر انداز ہوتی سلگ سلگ کر ختم کر لوں گی خود کو، یہ ماموں بھانجا کتنے بے حس سفاک اور کٹھور ہیں، کیا میں نگی جیسا اسٹمینا اور ظرف رکھتی ہوں؟) وہ پریشان ہو گئی تھی۔

"آئی مین آپ کو بال سے زیادہ چوٹ تو نہیں آئی؟ ہارٹ بال تھی نا۔" معاً اس نے خود کو سنبھالا اور ڈھیٹ بن کر سوال کیا۔

(جب اوکھلی میں سر دیا ہے تو موسلوں سے کیسا ڈرنا، مجھے تمہاری بے نیازی اور لاتعلقی کے ساتھ جنگ کرنی ہے اور نگی کی طرح سے جیت کر دکھانا ہے۔)

"ارے نہیں بالکل پریشان نہ ہوں، کانچ کا بنا ہوا نہیں ہوں کہ اتنی سی چوٹ سے ٹوٹ کر بکھر جاؤں گا۔" اس نے جیسے اس کی ڈھارس بندھائی مگر وہ سنجیدہ نہیں ہوئی تھی۔

"میں نے سوچا خیر بہت دریافت کر لوں اور یہ بھی پوچھ لوں پہلو کو ٹٹول کر دیکھیں اتنی زور سے حملہ ہوا تھا دل کہیں گر گرا تو نہیں گیا۔" اس کے لہجے میں جو معنی خیزی تھی وہ تو تھی ہی الفاظ بھی ہرگز معمولی نہ تھے وقاص نے چونک کر اس کی شرارت سے مچلتی آنکھوں کو دیکھا پھر زہر خند سے مسکرایا۔

(دل تو جہاں گرنا تھا گر گیا، اتنی فرصت ہی نہ مل پائی کہ اٹھا کر دیکھ ہی لیں، ایسا کر کے کرنا بھی کیا تھا، اب وہ ہمارا رہا بھی کہاں، سسک رہا ہو گا پڑا کہیں۔)

"جلتی ہوں، خواہ مخواہ ڈسٹرب ہی کیا۔" وہ بے دلی سے کہہ کر پلٹ گئی، وقاص کے چہرے پہ چھا جانے والا اطمینان بڑا ہی بے ساختہ اور فطری تھا اسے ہونے والا داماد سمجھ کر جو خصوصی پروٹوکول دیا گیا تھا اس کی وجہ سمجھ کر وہ جیسے نئے سرے سے اذیت میں مبتلا ہونے لگا، اس پہ شہریار کے چٹکلے اور اٹھکیلیاں جسے سب ہی انجوائے کر رہے تھے ماسوائے اس کے جبھی وہ سب کے درمیان سے نیند کا بہانہ کر کے اٹھ گیا سب کے روکنے کے باوجود بھی، اگلی صبح بھی وہ بہت دیر سے بیدار ہوا کتنی بار نگی آ کے اس کا دروازہ ناک کر کے آوازیں دے کر گئی تھی مگر وہ جیسے کسی کا بھی سامنا کرنے پہ خود کو آمادہ نہیں کر پا رہا تھا دل بے حد بوجھل تھا مگر یہ بچت بھی کب تک ہو سکتی تھی۔

"آ جایئے نوشے میاں! ابھی تو منگنی نہ بیاہ آپ ابھی سے اتنا شرما رہے ہیں، بعد میں کیا حال ہو گا۔" نگین اسے زبردستی کمرے سے باہر کھینچ لائی تھی، ڈائننگ ہال جہاں اس پل بھی خاصی گہما گہمی تھی، سلطان شاہ اور تایا سائیں کے علاوہ قریباً گھر کے سبھی افراد اس وقت وہاں موجود تھے یقیناً اس کی وجہ سے ابھی تک کسی نے بھی ناشتا نہیں کیا تھا اسے خجالت نے آن لیا۔

"آؤ بیٹا بیٹھو۔" ماما نے بالخصوص اٹھ کر اس کا استقبال کیا پیشانی چومی۔

"کچھ ہنسا بولا کرو اس عمر میں اتنی سنجیدگی۔" انہوں نے پیار بھری نظروں سے اسے دیکھ کر مسکرا کے کہا اور اپنے ساتھ والی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"شاید اس لیے کہ ان کے حصے کی بھی شوخیاں زوحا کے پاس ہیں۔" ماہ نور نے بھی مزے سے کہا گویا وقاص کو چھیڑا تھا اسے بے دلی سے مسکرانا پڑا محض مروتاً۔

"دیکھ لیں ماما! آپ کی انوسینٹ سی بیٹی پہ کیسے کیسے الزام لگ رہے ہیں۔" زوحا نے گلاس میں تازہ مینگو جوس بھرتے ہوئے ٹھنک کر شکایت لگائی، وقاص نے بہت رشک سے اسے دیکھا۔

"کیسی بے فکر سی ہے وہ لڑکی! پروا نہیں کہ میں ہر قدم پہ کیسے اسے ناکامی سے دوچار کر رہا ہوں اور پھر بھی یہ کتنی مطمئن ہے، پتہ نہیں میرے اندر اتنا اضطراب کیوں بھر گیا ہے۔"

"ڈارلنگ آج وہ ریڈ والا سوٹ پہن کر تو دکھاؤ مجھے، قسم سے کیا غضب ڈھاتی ہو تم ریڈ کلر میں۔" عین اسی پل شہریار ایز دکو ہوا میں اچھال کر کیچ کرتا ہوا پھر اس کی کھلکھلاہٹ سے محظوظ ہوتا اندر داخل ہوا، فرمائش اپنے پہلو میں چلتی رانبل سے ہوئی تھی جو سب کے سامنے اس بے حجابی کے مظاہرے پہ محض اسے گھور رہی تھی۔

"گھور کیوں رہی ہو؟ کوئی غلط بات کہہ دی، بھئی اپنی بیوی سے فرمائش نہیں کروں گا تو کیا محلے والی سے؟" وہ اس کے خطرناک تیوروں کو دیکھ کر دہائی دینے کے انداز میں بولا تو رانبل نے بے طرح مخجل ہو کے حاضرین پہ ایک نگاہ ڈالی تھی اور بے چارگی سے شہریار کو دیکھا، جو خائف ہوئے بنا دانت نکال کر وضاحت کر رہا تھا۔

"خفا کیوں ہوتی ہو ڈارلنگ! اس میں حرج ہی کیا ہے، لوگوں کو بیویاں ہیں شوہر کی تعریف پہ کھلی جاتی ہیں ایک یہ محترمہ ہیں؟ آج دراصل میرا کہیں باہر کام وام کا موڈ نہیں گھر پہ ہی ہوں گا، بس تم ریڈ سوٹ پہننا جیولری اور میک اپ میں میچنگ کا خاص خیال رکھنا آج میں سارا دن تمہارے گھٹنے سے لگ کر بیٹھوں گا اور وقت کو یادگار بناؤں گا۔"

وہ جتنا آس پاس موجود شخصیات کا خیال رکھے بغیر بول رہا تھا رانبل کو اسی قدر خفت اور حجاب نے آن لیا تھا، اس نے غصے بھری آنکھوں سے گھورا مگر وہ اثر لینے والوں میں سے تھا کہاں تب

رابیل نے سخت جھنجھلا کر ہاتھ کا مکہ زور سے اس کے کاندھے پہ دے مارا تھا۔

"شرم کر لیں کچھ، سب یہیں ہیں۔" وہ دانت پیس کر بولی، شہریار اس کا دہکا دہکا سا چہرا دیکھ کر کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

"وہ کیوں بھئی! سب اپنے ہی تو ہیں، پھر وہ کیا ہے کہ جس نے کی شرم اس کے پھوٹے کرم ہم کیوں کرم پھوڑیں۔" وہ مزے سے کاندھے اچکا کر کہہ رہا تھا، رابیل خفت و شرم سے سرخ چہرہ لئے کسی سے بھی نگاہیں ملائے بغیر پیر پٹختی وہاں سے چلی گئی۔

"ارے باپ رے خفا ہو گئی، یار زوحا پکڑنا اسے میں ذرا اپنی ڈارلنگ کو منالوں۔" وہ ایک افراتفری کی کیفیت میں ایز کو زوحا کے سپرد کر کے مصنوعی گھبراہٹ کا شکار ہوتا اس کے پیچھے بھاگا زوحا نے ایز کو کاندھے سے لگاتے ہوئے بہت دھیان سے وقاص کو دیکھا، جو پتھر کے بت کی مانند ساکت تھا صرف آنکھیں تھیں جن میں غضب کی حدتیں اور لالی تھی، اس نے بے ساختہ گھبراہٹ میں مبتلا ہو کر نگین کو دیکھا اس نے بھنوؤں کی مخصوص جنبش سے اسے ریلیکس رہنے کا اشارہ کیا تھا، مگر وہ ریلیکس نہیں ہو پائی ایز کو صوحا کے حوالے کیا اور خود تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی، لان کی کھلی فضا میں آ کر فوارے کے پاس بیٹھتے ہوئے اس نے یوں گہرے گہرے سانس بھرے جیسے اندر کی گھٹن کو باہر نکالنے کی سعی کر رہی ہو۔

"ابھی سے تھک جاؤ گی تو منزل پہ کیونکر پہنچو گی زوحا؟" نگین کی آواز پہ اس نے سر اونچا کر کے بہت افسردگی مگر آنسوؤں سے دھندلائی نظر سے اسے دیکھا۔

"پتہ نہیں منزل پہ پہنچ بھی پاؤں کی یا راستے میں ہی......"

"اونہہ بری بات، یعنی صرف اداسی ہی نہیں مایوسی بھی سمیٹ رہی ہو؟ ابھی سوچ لو یار مجھے تو لگ رہا ہے، ہم اپنی ہنستی مسکراتی زوحا کو کھو دیں گے خدانخواستہ دیکھو مجھے وقاص ہی نہیں بہرحال تم بھی عزیز ہو۔" نگین کی بات سن کر اس نے سرعت سے بھیگے گال رگڑ ڈالے اور موڈ بدل کر ازلی بشاشت لہجے میں سمو کر بولی۔

"جبھی تو چاہتی ہوں یہ عزیزوں کا جوڑا ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے اور یہ آپ کے وقاص صاحب خود کو سمجھتے کیا ہیں؟ ارے ایسی کی تیسی ان کی، ایک بار شادی تو ہو لینے دو، پھر دیکھنا میں تمہاری طرح نہیں ہوں کہ شوہر کے رعب میں آ کر کھسیانے لگوں، انگلیوں پہ نہ نچایا آپ کے اس طرم خان کو تو زوحا نام نہیں۔" اس نے ننھی سی ناک چڑھا کر نخوت سے کہا تو نگین جیسے اسے سابقہ موڈ میں آتے دیکھ کر ہلکی پھلکی ہوئی۔

☆☆☆

تھکا گیا ہے مسلسل سفر اداسی کا
اور ابھی بھی ہے میرے شانے پہ سر اداسی کا
وہ کون کیمیا گر تھا جو بکھیر گیا
تیرے گلاب سے چہرے پہ ذر اداسی کا

ہر گزرتے [illegible] کے ساتھ وہ پہلے سے زیادہ اداس پہلے [illegible] خاموش اور ویران ہوتا جا رہا تھا، پریشے [illegible] سے اپنے جانے کا بتا کر ایک طرح سے اس [illegible] کھینچ لی تھی، اس کے بعد

کتنی دیر تلک وہ کچھ بولنے کے قابل نہیں ہو سکا۔

میرے وجود کے خلوت کدے میں کوئی نہ تھا
جو رکھ گیا ہے دیا طاق پر اداسی کا
میں تجھ سے کیسے کہوں یار مہرباں میرے
کہ تو علاج نہیں میری ہر اداسی کا
یہ اب جو آگ کا دریا میرے وجود میں ہے
یہی تو پہلے پہل تھا شرر اداسی کا
نجانے آج کہاں کھو گیا ستارہ شام
وہ میرا دوست میرا ہم سفر اداسی کا

طارق کو لگا تھا اس کے دل کی جگہ پر ایک ویران سی بے کلی مچل رہی ہے اس نے سر صوفے کی بیک پہ ٹیک کر آنکھیں موند لیں، کہ آنکھوں میں موجود نمی کو پریشے سے مخفی رکھنا چاہتا تھا۔

"طارق آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟"

سونیا جو اسی پل چائے کی ٹرالی سمیت اندر آئی تھی اسے دیکھ کر ایکدم چونکی اس کے چہرے پہ کچھ ایسی ہی بے تاب سی کیفیات رقم تھیں، طارق نے سرخ آنکھوں کو کھول کر صرف ایک نظر اسے دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔

(کیا بتاؤں اچھی لڑکی! آپ کی دوست نے میرے دل میں کیسی برچھیاں اتار دی ہیں، اس طرح لگے ہیں کہ احتجاج تو درکنار شکوہ کرنے کا بھی حق محفوظ نہیں رکھتے، گیا نہیں کہ سب کچھ گنوا کر بھی ہمیں لب بستہ رہنا ہے، یہ کیسی محبت ہے؟ یہ کیسے آداب ہیں جنہوں نے دل کو روگ لگا رہے۔)

"چائے لیجئے نا طارق!" پریشے نے اس کی جانب کپ بڑھایا، وہ سنبھل سا گیا اور خواہش نہ ہونے کے باوجود کپ تھام لیا اور جب وہ چائے ختم کر چکا تو کچھ بھی کہے بغیر جانے کو اٹھ کھڑا ہوا تھا، آج اس نے اپنی نگاہوں کو بھی پابند کر لیا تھا اگر ایسا نہ کرتا تو شاید وہ خود پہ تمام ضبط کھو دیتا، پریشے اس کی کیفیات سے بے خبر نہیں تھی کچھ بھی کہے بنا اس کے ساتھ چلتی باہر آ گئی، شاید دونوں پہلی مرتبہ اتنے خاموش اتنے گم صم تھے کہ ایک دوسرے کی موجودگی سے ہی بے خبر ہو گئے، صرف دکھ کا احساس سانس لیتا رہا تھا نارسائی سسکیاں بھرتی رہی تھی ہجر کڑھتا رہا تھا۔

"مجھے ہمیشہ آپ کو خالی کر دینے کا دکھ افسردہ رکھے گا طارق! شاید میں مرنے کے بعد بھی شانت نہ ہو پاؤں، آج مجھے اپنی اس خواہش پہ ندامت محسوس ہوتی ہے جو میں نے آپ کے پھر سے ملنے دوبارہ سے دیکھنے کی کی تھی، اللہ جانے اس میں کتنی گہرائی کتنی شدت تھی کہ پوری ہو گئی اور......" اس نے لمحہ بھر کا توقف کر کے یوں ہونٹ بھینچے جیسے خود پہ ضبط کر رہی ہو۔

"کاش ہم دوبارہ نہ ملتے کاش مجھ سے آپ کو یہ دکھ نہ ملا ہوتا، مجھے بہرحال کوئی حق نہیں تھا آپ کو اپنے دکھوں میں حصہ دار بنانے کا۔" وہ جیسے چلتے چلتے بہت تھک کر ستون سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوئی اور اپنی بات کے اختتام تک بھرائی آواز پہ قابو نہ رکھ کر ایکدم سے رو پڑی، طارق نے جلتی ہوئی آنکھوں اور بھینچے ہوئے ہونٹوں سمیت اسے دیکھا تھا۔

"اور مجھے صرف اتنا دکھ ہے پریشے کہ میں ان کڑے لمحات میں بھی شدید خواہش کے باوجود ان فاصلوں کو پاٹنے کو کوئی حق نہیں رکھتا، مجھے ان پابندیوں اور حد بندیوں نے مار ڈالا۔" اس کے لہجے کی دگیری اور ملال نے پریشے کے دل میں گویا شگاف ڈال دیئے، اس نے جلدی سے اپنی آنکھیں پونچھ ڈالیں، وہ جو اسے ہی دیکھ رہا تھا، آہستگی سے نگاہ کا زاویہ بدل گیا۔

(مجھے اس بات کا ہمیشہ افسوس رہے گا کہ آپ نے مجھ سے بڑھ کر ماہ نور کے جذبات و احساسات کو اہمیت دی، وہ ایک بار پھر قسمت کی اوج پہ ہے اور میں آہ! یہ بھی ایک المیہ ہے، لوگ میری پالشڈ شائننگ پرسنالٹی پہ رشک کرتے ہیں، مگر کون جانے میرے اندر اس ایک نام ماہ نور کی وجہ سے کتنے ویرانے آباد ہو چکے ہیں، ریجکشن در ریجکشن کے اس اذیت انگیز سلسلے نے میری روح کو زخم زخم کر ڈالا ہے اور وجہ ہر بار ماہ نور، پریشے میری دیوانگی کی آخری حد ہے، ایسے ایسے احساسات کو وارد ہوتے دیکھا خود یہ کہ حیران ہوں ایسی وحشتوں سے گزر کر بھی صحیح سالم ہوں ہوش ہوں، تو کیا میرے اندر ایمان کامل اور یقین واثق موجود ہے جو مجھے حواس باختہ نہیں ہونے دیتا، ورنہ ان مرحلوں سے گزر کر تو میں دیوانگی کے صحراؤں میں عمر بھر بھٹکتا پھرتا۔)

"اوکے اب چلتا ہوں۔" وہ خود کو سنبھال کر بہت ضبط سے بولا، پریشے بس اسے دیکھے گئی، آج ان نظروں میں کیسی پیاس تھی، کیسی تڑپ تھی سیرابی کی تکمیل کی مگر اس نے نگاہیں جھکا لیں، دل شدتوں سے طلبگار تھا اسے روک لے جانے نہ دے خاموشی سے اس کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو جائے اور وصال کے سبھی موسموں سے آشنائی پالے مگر ایسا ممکن ہی کہاں تھا اس نے اپنی پیاس اپنی تشنگی کا سودا کیا تھا جبھی زبان کو سی لیا اور چلتا ہوا اس سے دور بہت دور ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ بصارتوں میں اس کا آخری عکس بھی نہ رہا، وہ آنکھوں میں آنسو لئے صبر اور ضبط کے ہر مرحلے سے نہایت کامیابی سے گزر گئی اور تھکے ہوئے قدموں سے واپس آ گئی، آنکھوں میں مچلتے آنسو لئے اس نے سر کو تکیے میں گھسا لیا، جیتی ہوئی بازی کو ہارنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی مگر اس نے یہ معرکہ سر کر لیا تھا۔

"ماہ نور! تم بہت خوش بخت ہو، اس لئے بھی کہ میری کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی میں نے تمہاری خاطر خود کو جوگ دے لیا، وہ آج بہت افسردہ گیا ہے دل دکھا ہے اس کا بھی میرا بھی، اس کا خیال رکھنا کہ......" وہ ہچکیاں بھرتے ہوئے اپنے دکھ کو پروین شاکر کے الفاظ میں دہرانے لگی۔

ہوا کے ہاتھ اسے یہ پیام بھی پہنچے
کہ میں نے اپنی محبت سپرد کی ہے تیرے
سو دیکھ میری امانت سنبھال کے رکھنا
اسے بہار کی نرماہٹوں نے پالا ہے
سو اس کو گرم ہوا سے بہت بچا رکھنا
یہ گل عذار نہیں آشنائے تختیٔ گل
یہ ساتھ ہو تو بہت احتیاط سے چلنا
مزاج اس کا ہواؤں کی طرح سرکش ہے
سو اس کی جنبش ابرو کو دیکھتے رہنا
نہیں یہ سننے کا عادی نہیں رہا ہے کبھی
سو اس کی بات وہ کیسی ہو مانتے رہنا
اطاعت اس کی بہر گام اب ہے تیرا کام
کہ خوش نصیب ہے تو اس کا ہم سفر ٹھہرا
میں تیرہ بخت تھی اس سے بچھڑ گئی کب کی
بھٹک رہی ہوں گھنے جنگلوں میں اب تنہا
تو اس کے لمس سے ہر روز زندگی پائے
میں اس کے ہجر میں ہر رات مرگ لمس چکھوں
تیرے گلے میں وہ ہر روز بانہیں ڈالتا ہے
میرے بدن کو وہ حلقہ مگر نصیب نہیں
وہ تیرے کتنا قریب ہوتا ہے
مگر میں اس کے بدن کی مہک کہاں ڈھونڈوں
کہ اس کے شہر کی پاگل ہوا میں میرے گھر
نہ جانے کون سی گلیوں سے ہو کے آتی ہیں
کہ وہ مہک کہیں راستے میں چھوٹ جاتی ہے
اس کی یاد میں ہوتی ہے اب تو صبح و شام
ہوا کے ہاتھ اسے یہ پیام بھی پہنچے

وہ بالآخر ضبط کھو گئی اور پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی، کمرے کے در و دیوار سے پرے ... کونوں کھدروں سے ہر شے پہ اداسی نے غلبہ جما لیا، اس کی کراہیں اس کی سسکیاں بجائے گھٹنے کے بڑھتی جا رہی تھیں۔

☆☆☆

درد اتنا تھا کہ اس رات دل وحشی نے
ہر رگ جاں سے الجھنا چاہا!
ہر بن مو سے ٹپکنا چاہا
اور کہیں دور تیرے صحن میں گویا
پتہ پتہ میرے افسردہ لہو میں ڈھل کر
حسن ماہتاب سے آزردہ نظر آنے لگا
میرے ویرانہ تن میں گویا
سارے دکھتے ہوئے ریشوں کی طنابیں کھل کر
سلسلہ وار پتہ دینے لگیں
مرحلہ قافلہ شوق کی تیاری کا
اور جب یاد کی بجھتی شمعوں میں نظر آیا کہیں
ایک پل آخری حرفوں میں تیری دلداری کا

درد اتنا تھا کہ اس سے بھی گزرنا چاہا
ہم نے چاہا بھی مگر دل نے نہ ٹھہرنا چاہا

طارق شیرازی گھر پہنچا تو تھکن اور آزردگی اس کے روم روم میں بسی ہوئی تھی وہ یوں آتے ہی بیڈ پہ ڈھے گیا، جیسے ٹانگوں نے مزید وجود کا بوجھ ڈھونے سے معذوری ظاہر کر دی ہو، آج اس کی آنکھیں ہی نہیں پورا وجود جل اٹھا تھا، ایسی بے قراری تھی کہ کسی پل چین نہ آتا تھا، ایسے میں تسلسل سے بجتا ہوا سیل فون اس نے پھوڑے کی مانند دکھتے سر پہ بیل کی آواز سے پڑتی دھمک سے عاجز ہو کر سیل فون اٹھایا۔

مومو کالنگ کے الفاظ انگارے بن کر وجود میں چبھے کال ریسو کرنے کو دل ہرگز آمادہ نہیں تھا، مگر وہ حقوق کی پائمالی سے خائف تھا جبھی خود پہ جبر کے پہرے بٹھا کر کال ریسو کر لی۔

''اب بھی اٹینڈ نہ کرتے فون، کیا ضرورت تھی جہاں بیسویں بار کوشش ناکام ہوئی اب بھی ہو جانے دیتے۔'' وہ اس کی کچھ بھی سنے بغیر پھنکارنے لگی، طارق کا دکھتا سر جیسے پھٹنے کے قریب ہوا مگر ضبط کھوئے بغیر رسانیت سے بولا۔

''میں باہر تھا سیل گھر پہ بھول گیا تھا، تمہیں زحمت ہوئی میں معذرت چاہتا ہوں۔'' اس نے جواباً بہت شائستگی سے معاملا سنبھالنا چاہا پر پیشے کے ضبط اور صبر نے اسے بھی کول رہنا سکھا دیا تھا، بہر حال اس کا دکھ پریشے سے بڑا نہیں تھا۔

''اوہ تو رے جاناں پہ حاضری تھی، پھر تو ڈسٹرب کرنے والا اس بلا کو بندہ دانستہ گھر چھوڑ کر جاتا ہے۔'' اس نے کاٹ دار طنز کیا، طارق نے دانت پیس کر اپنا ضبط آزما لیا اور یقیناً اس کی خاموشی پہ ہی ماہ نور کا حوصلہ بڑھا تھا کس قدر حقارت بھرے تمسخر سے گویا ہوئی۔

''خفا تھی نا وہ آپ منا آئے اپنی جان کو؟'' اس نے یہ کہتے ہوئے اپنا ہی پیروں کے حساب سے خون جلایا تھا۔

''شٹ اپ۔'' طارق کا ضبط بس یہی تک تھا حلق کے بل چلایا۔

''ڈونٹ شاؤٹ! یہ چلانا مجھے بھی اچھی طرح سے آتا ہے۔'' وہ از حد بدلحاظی سے غرا کر بولی۔

''طارق میں کہہ رہی ہوں اپنی پوسٹنگ یہاں کروائیں، ورنہ میں ساری بات کھول کر آپ کے اور اپنے گھر والوں کو بتا ڈالوں گی۔'' اس نے آخری دھمکی دے ڈالی، طارق نے ٹھنڈا سانس بھر لیا۔

''ہو نا وہی عام سی عورت۔'' طارق نے تنفر بھرے انداز میں چوٹ کی، جواباً وہ بھپر سی گئی۔

''ہاں ہوں وہی عام سی بیوی جو اپنے شوہر کی شراکت ہرگز گوارا نہیں کرتی۔'' اس نے طنز کے تیر چلاتے اپنے محاذ پہ کھل کر جنگ لڑنا شروع کی۔

''اور یہ کوئی بہت بڑی خوبی نہیں ہے، کم ظرفی اور کمینگی کی انتہا ہے، ہر کوئی پریشے نہیں بن سکتا اور سنو میں تم سے ڈرتا ہوں نہ تمہاری دھمکیوں سے، اس کے علاوہ ایک بات اور سن لو، اگر آئندہ اس قسم کی باتیں کرنا ہوں تو مجھے کال کرنے کی زحمت مت کرنا، اللہ حافظ۔'' اس نے سیل کان سے ہٹایا سوئچ آف کا بٹن دبا کر دور اچھال دیا، لحاظ اور مروت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے، اگر وہ اس سے

عاری تھی تو کب تک برتتا وہ بھی، وہ کتنی دیر بعد تک کھولتا رہا۔

اس کو کچھ کا کچھ بنا دیا ہے
ہم نے تھوڑا سا دھیان دے کر

اس کا دماغ بعد میں بھی سلگتا رہا، یہ ماہ نور تھی؟ وہ یقین کرنا بھی چاہتا تو نہ کر پاتا۔

☆☆☆

اپنے ہونٹوں کی حرارت سے جگاؤ مجھ کو
یوں صداؤں سے دام صبح اٹھانا کیسا!

کمرے کی صفائی کے دوران رابیل نے متعدد بار اسے اٹھنے کو کہا تھا مگر وہ ان سنی کئے پڑا رہا مگر جب ایزد اٹھ کر رویا تب وہ جو وارڈ روب سے شہر یار کے کپڑے نکال رہی تھی یونہی سب کچھ چھوڑ کر بھاگی آئی اور شہر یار تو گویا ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھا، اس کا آنچل پکڑ کر کھینچا اور اپنے اوپر کھینچ لیا، رابیل کے اوسان خطا ہوئے تھے مگر اسے ہنستے دیکھ کر بے تحاشا تپ چڑھ گئی۔

''ہر وقت کا مذاق اچھا نہیں ہوتا شہری، ایزد رو رہا ہے اور آپ......''

''مذاق نہیں جان من رومینس کہتے ہیں اس کو پچھلے ایک سال کی کھپت ہے جمع ہے، میں کیا کروں نہ مجھے چھوڑ کر جاتیں اور یہ ایزد اس کی تو بات ہی مت کرو نا، اس کی وجہ سے اب میں تمہاری توجہ کو ترسنے لگا ہوں پہلی فرصت میں اس کے لئے گورنس کا انتظام کراتا ہوں، حد ہے شوہر محترم بلاتے رہیں نہیں آئیں گی اور یہ چھٹکا ذرا سا منمنایا تو کیسے لبیک کہا۔'' وہ تو جیسے اتنا بھنایا تھا کہ کھل کر بولتا چلا گیا، رابیل کا تو منہ کھلا رہ گیا تھا۔

''شہر یار!...... ایزد بیٹا ہے آپ کا؟''

''تو...... بیٹا ہے تو؟'' اس نے ناک چڑھایا پھر اس پہ ایک عاشقانہ سی بہکی بہکی نگاہ ڈال کر بڑے انداز میں بولا۔

''یو نو بیبی!''

میں وہ حاسد ہوں جو اپنے بچے سے حسد کرتا ہے
اپنی ماں سے لپٹ جاتا ہے جب وہ پیار کے ساتھ

''اُف خدایا!'' رابیل کا کانپتے ہوئے برا حال ہونے لگا۔

''حد کرتے ہیں آپ بھی شہر یار!'' وہ ہنوز اسی طرح احتجاجاً چلاتے ایزد کو اٹھاتے ہوئے بولی، تو شہر یار نے برا سا منہ بنا لیا۔

''اب تم اس کا پیمپر چینج کرو گی، اس کا منہ دھلاؤ گی، کپڑے پہناؤ گی، یار کتنی مرتبہ کہا ہے مت کیا کرو ایسے گندے کام، اتنی ساری ملازمائیں کس لئے ہیں ان سے کہہ دیا کرو، تم بس میرے آگے پیچھے پھرا کرو نا۔'' آخری فرمائش پہ رابیل کے ہونٹوں پہ بے ساختہ مسکان مچل اٹھی، ایزد کو کاندھے سے لگا کر تھپکتے ہوئے اس نے متبسم شوخ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''اصل بات ہی یہی ہے ویسے ماؤں کو اپنی اولاد کا کوئی بھی کام نہ گندا لگتا ہے، نہ ہی ناگوار۔'' وہ ایزد کو واش روم میں چلی گئی شہر یار ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا تھا۔

☆☆☆

نظر میں ظلمت بدن میں ٹھنڈک جمال کتنا عجیب سا تھا
میں اس کی چاہت میں گھر سے نکلا تو حال کتنا عجیب سا تھا
نہ میں نے اس کو خطوط لکھے نہ اس نے میری پناہ چاہی
دونوں کو اپنی اپنی بے رخی پہ ملال کتنا عجیب سا تھا
وہ اپنی راتوں میں چاند دیکھے میں اپنی راتوں میں اس کو سوچوں
بدلتے لمحوں میں سوچ کا یہ وصال کتنا عجیب سا تھا
سفر اکیلے ہی کاٹ لو گے میں نے پوچھا تو رو پڑا وہ
سوال کتنا عجیب سا تھا جواب کتنا عجیب سا تھا

لان میں موجود کین کی کرسی پہ بیٹھا وہ بے خیالی میں ہی سبھی پودوں کو پانی لگاتی زوحا کو دیکھ رہا تھا جب نگین اس کے ساتھ آ کر بیٹھتے ہوئے اس کی توجہ کے مرکز کو پا کر کس قدر شوخی سے کھنکاری۔

''تو پھر کیا خیال ہے تمہارا؟''

''کس بارے میں؟'' وہ چونکا تھا اور نافہم نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''اس کے بارے میں جیسے یہاں بیٹھ کر پچھلے آدھے گھنٹے سے دیکھ رہے ہو اور تمہارا دل نہیں بھرا۔'' نگین نے جس طرح شوخ انداز میں آنکھیں نچا کر جتلایا تھا اس سے وقاص نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔

''یہ کیسا الزام ہے مامی میں کیسے دیکھ رہا تھا؟'' اس کی حیرانی اس کی لاتعلقی بناوٹ سے پاک تھی نگین جانتی تھی مگر مقصد تو اسے گھیرنا تھا، جبھی مصنوعی ناراضی سے بولی۔

''اب ہم سے بھی پردہ داری برتو گے وکی!'' اور وقاص نے ٹھنڈا سانس بھر لیا تھا پھر بہت جل کر بولا تھا۔

''میں پوری کوشش کرتا ہوں جہاں رابیل ہوں وہاں سے ہٹ جاؤں، ہم یہاں سے کب واپس جائیں گے؟'' اس کے لہجے میں بے بسی اور اکتاہٹ بیک وقت تھی، نگین ایکا ایکی سنجیدہ نظر آنے لگی۔

''ہاں وہ آغا آج کل بہت شوخ اور رومینٹک ہو رہا ہے ایکچوئیلی اس کا مزاج ایسا ہی ہے، پھر اب تو بہت عرصے بعد دونوں کی صلح ہوئی ہے اس لئے کچھ زیادہ ہی اتاؤلا ہو رہا ہے، ویسے میں رابیل کی نہیں زوحا کی بات کر رہی تھی۔'' آخری فقرے پہ زور دے کر گویا جتلایا تھا بالخصوص۔

وقاص ہونٹ بھینچے سر جھکائے بیٹھا رہا، عجیب بے خیالی کا سا انداز تھا نگین وثوق سے نہیں کہہ سکتی تھی اس نے کون سی بات اس کی سنی اور کس کو سمجھنے سے بھی قاصر رہا۔

''آپ نے مجھے کیوں یہاں بلایا تھا مامی! کوئی مقصد بھی تو ہو، ویسے میں آپ کو ہرگز اتنا کٹھور نہیں سمجھتا تھا۔'' خاصی تاخیر سے اس نے سر اٹھا کر شاکی انداز میں کہا نگین نے اس کی بات کے اصل مفہوم کو پایا اور آہستگی و نرمی سے مسکرا دی۔

''میں اسی حقیقت سے تمہیں روشناس کرانا چاہتی تھی پگلے!''

''اور میں کہوں گا آپ نے صرف ظلم کیا ہے مجھ پہ، ایک طرح سے رستے ہوئے زخموں پہ نمک پاشی۔'' وہ ایک جھٹکے سے اٹھا اور دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں پھنسا لئے۔

''وہ بہت محبت کرتی ہے تم سے اور محبت کی قدر نہ کرنے والے بہت خوار ہوا کرتے ہیں وکی!'' نگین کا انداز ناصحانہ تھا اس کی نگاہیں زوحا پہ ٹھہری تھیں جواب خیر دین ملازم کے ساتھ گوڈی کرانے میں مصروف تھی، پیازی کلر کا ٹراؤزر ٹی پنک اور آف وائیٹ بڑے بڑے پھولوں کی لانگ شرٹ اور بڑا سا پیازی دوپٹہ گولڈن بالوں کی اونچی سی پونی جس کی کچھ لیٹیں چہرے کے اطراف جھول رہی تھیں دمکتی ہوئی گندمی رنگت تیکھے نقوش اس پہ کم عمری کی مخصوص جاذبیت اور نکھار وہ ہرگز بھی نظر انداز کیے جانے کے لائق نہیں تھی۔

''مگر یہ وقاص......!'' اسے وقاص پہ غصہ آنے لگا۔

''میں نے بھی بہت محبت کی تھی اور میرے خلوص میں بھی کوئی شک نہیں تھا۔'' وہ جیسے جھنجھلایا پھر نگین کے چہرے پہ ٹھہرے خفگی و بے بسی کے تاثر کو دیکھ کر کسی قدر عاجزی سے بولا تھا۔

''آپ مجھے میرے حال پہ کیوں نہیں چھوڑ دیتیں؟''

''نہیں چھوڑ سکتی، تم نے کبھی غور کیا وقاص! کسی ماں کا بچہ کسی ناجائز غلط کام کی ضد کر رہا ہو اینٹھ رہا ہو تو ماں اسے اس غلط کام کی اجازت دے کر خود بے نیاز ہو جائے، نہیں سویٹ ہارٹ ایسا نہیں ہوتا۔'' نگین کے لہجے میں جو اپنائیت شفقت اور محبت کا رنگ تھا اس نے وقاص کے احساسات کو گداز کر دیا، اس کی آنکھیں یکلخت پانیوں سے بھر گئیں۔

''تھینکس مامی! مگر پلیز آپ مجھے کچھ وقت تو دیں سنبھلنے کے لئے۔'' وہ جیسے ان محبتوں سے دامن نہ چھڑا پایا ہار سا گیا۔

''ضرور دیتے اگر جو تم سنبھلنے کی کوشش کرتے، تم ہاں کر کے تو دیکھو، زوحا میں بہت کوالٹیز ہیں، وہ تمہیں بہت خوبی سے سمیٹے گی۔'' نگین نے ہمت نہیں ہاری اور وقاص نے ہونٹ بھینچ لئے۔

(اب اور کیسے سمجھاؤں میں زوحا سے شادی سے اس لئے بھی بھاگ رہا ہوں کہ اس طرح عمر بھر رابیل سے سامنا ہوتا رہے گا اور یہ بار بار کا سامنا میرے زخموں کو کبھی مندمل نہیں ہونے دے گا، شاید میں عمر بھر نارسائی کے خارزاد جنگلوں سے باہر نہ نکل سکوں، مگر مامی آپ نے زندگی میں پہلی بار مجھ سے اتنی شدتوں سے اس قدر لجاجت سے کچھ مانگا ہے اور بار بار کا انکار مجھے خود اپنی نگاہوں میں گرا رہا ہے، میں خود کو معتوب بھلے ٹھہراؤں مگر یہ طوق گلے میں پہننے کو تیار ہوں، میں خود کو ہار کر اس بات سے قطع نظر ہو کے کہ یہ فیصلہ مجھ سے کیا خراج وصول کرے گا خود کا حالات کے رحم و کرم پہ ڈال دیتا ہوں آپ کی محبت آپ کے خلوص کے طفیل۔)

اور نگین جو اس کی طویل خاموشی سے مایوس ہو کر اندر جانے کے ارادے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی وقاص کے پکارنے پہ چپ چاپ گردن موڑ کر بے دلی سے متوجہ ہوئی۔

''مامی مجھے آپ کا یہ فیصلہ منظور ہے۔''

اور نگین کو صحیح معنوں میں اپنی سماعتوں پہ شبہ محسوس ہوا تھا، وہ درمیانی فاصلہ گھٹا کر سرعت سے اس کے نزدیک آئی اور کس قدر تحیر کس قدر غیر یقینی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر جوش سے سرسراتی آواز میں بولی تھی۔

''کیا کہا تم نے؟'' وقاص نے ایک نگاہ اس کے تمتماتے ہوئے چہرے کو دیکھا پھر سر جھکا کر بولا تھا۔

"مجھے زوحا سے شادی پہ کوئی اعتراض نہیں۔" نگین پہ تو جیسے شادی مرگ طاری ہوگئی، وہ جوش جذبات میں اپنی خوشی پہ قابو نہیں رکھ سکی اور بے اختیار اس سے لپٹ گئی۔

"تھینک یو وقاص، تھینک یو سو مچ، تم نے میرا سر فخر سے بلند کر دیا مجھے ایسی خوشی دی کہ بیان سے باہر ہے۔" وہ یونہی اس کے ساتھ لگی رہ کر زور زور سے ہنستی ہوئے بولنے لگی، جبکہ وقاص تو ایکدم شپٹا گیا تھا، خفت وخجالت سے سرخ چہرا لئے سرعت سے پیچھے ہٹا۔

"افوہ مامی! کیا کر رہی ہیں پٹوائیں گے مجھے۔" اس کی بوکھلاہٹ نقطہ عروج پہ جا پہنچی رنگت الگ دہک رہی تھی، نگین کو اس کی حالت نے لطف دیا تو اونچے سروں میں قہقہہ لگانے لگی۔

"کیا کر رہی ہوں لاڈ اٹھا رہی ہوں تمہارے اور کون ہے جو تمہیں کچھ کہے۔" وہ اکڑ کر بولی، وقاص نے جھینپے ہوئے انداز میں اسے دیکھا۔

"بھلے آپ میری مامی ہیں مگر ایج میں کچھ سال چھوٹی ہی ہوں گی، مجھ سے براہ کرم آئندہ ایسی بے تکلفی کا مظاہرہ بس ماموں سے ہی کیجئے گا۔" اس کے اوسان ابھی تک خطا تھے، نگین اب کی بار خود بھی خفیف سی ہوگئی۔

"شرم تو نہیں آتی تمہیں وکی! میں تمہیں بس اپنی اولاد سمجھتی ہوں تو اس لئے۔"

"جی اس لئے تو کہہ رہا ہوں آئندہ احتیاط کیجئے گا ماموں بھی غلط فہمی کا شکار ہو سکتے ہیں۔" وہ اب واقعی اسے چھیڑ رہا تھا، نگین نے ترچھی نگاہوں سے اسے گھور کر دیکھا۔

"وہ تو خیر نہیں البتہ تمہیں زوحا کی فکر ستا رہی ہوگی ہے نا؟" اس کی شوخی بھری برجستگی نے وقاص کے چہرے پہ ایک سایہ سا لہرا دیا۔

"جی بالکل آپ محترمہ کی سالی بھی ہوتی ہیں سو احتیاط تو ضرور ہونی چاہیے۔" زوحا جو نہیں دیکھ چکی تھی نزدیک آنے پہ بھی آخری بات سن سکی تھی اس کے مطابق چہک کر کہا، نگین نے گھور کر اسے دیکھا پھر بولی تھی۔

"تم بھی یاد رکھو میں تمہاری ساس بھی ہوں گی سو تمہیں زیادہ محتاط رہنا ہوگا۔"

"ڈونٹ وری! میں میاں کو مٹھی میں ایسا دباؤں گی کہ صرف میرے اشاروں پہ ناچے گا، آزمائش شرط ہے۔" زوحا نے جواباً ازلی شوخی اور کس قدر بے باکی سے کہا اور بالخصوص وقاص کے چہرے کا تاثر ملاحظہ کیا جہاں ہمیشہ کا سکوت چھا چکا تھا اس کا موڈ ایکدم سرد ہوگیا۔

"ایکسکیوز می مجھے ذرا کچھ کام ہے۔" وہ نخوت سے کہتی پلٹی تھی کہ وقاص نے بے اختیار اسے پکار لیا۔

"مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنا تھی۔" اس کی متحیر پھیلی غیر یقین آنکھوں میں اپنی نظریں گاڑھ کر وہ اس سنجیدگی ومتانت سے بولا تھا نگین نے بے ساختہ امڈتی مسکراہٹ دبائی۔

"ہاں ضرور میں ذرا دیکھوں صوحا کدھر ہے مجھے اس سے بھی کچھ کام ہے۔" نگین تیز قدموں سے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گئی، دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے تھے اور خاموش بھی وقاص سر جھکائے جیسے تمہید باندھ رہا تھا جبکہ زوحا پہلی بار کچھ کنفیوزڈ تھی، مگر جب وہ اسے وہاں روک کر خود شاید اسے فراموش کر گیا تو زوحا کو اسے یاد دلانا پڑا تھا۔

"آپ کچھ کہنا چاہتے تھے؟" وقاص جو غیر شعوری طور پہ جیب سے سگریٹ کیس نکال کر سگریٹ ہونٹوں میں دبا چکا تھا کس قدر چونکا، زوحا الجھن آمیز نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"آپ اسموکنگ بھی کرتے ہیں؟" لفظ بھی پہ زور تھا انداز عجیب تھا یا وقاص کو محسوس ہوا، اس نے سگریٹ ہونٹوں سے نکال لیا۔

"جی کچھ عرصے سے۔"

"جب سے محبت ہوئی یا جب سے محبت میں ناکامی؟" وہ سرد نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی وقاص کے چہرے پہ یکلخت سنجیدگی کی گمبھیرتا بکھر گئی۔

"مجھے آپ کے سوالوں سے زیادہ آپ کا لہجہ فیل ہوا ہے زوحا! میرے جو بھی پرابلمز ہیں آپ سے ڈھکے چھپے نہیں مامی کہتی ہیں آپ میں بہت سارے ٹینٹس ہیں، مجھے سنبھال اور سمیٹ سکتی ہیں، حالانکہ نہ تو ابھی سنبھلنے کی خواہش ہے نہ سمٹنے کی، عین ممکن ہے آپ کو بہت ضبط اور حوصلے آزمانا پڑیں، ابھی میں نے مامی کو آپ کے لئے رضامندی دی ہے، میں جیسا ہوں آپ کے سامنے ہوں ایک بار پھر سوچ لیجئے، ہو سکتا ہے میں آپ کے کھرے خالص اور شفاف جذبات کی اس انداز میں پذیرائی نہ کر سکوں کہ میرے اندر اس ایکسیڈنٹ نے سب کچھ کول کر دیا ہے۔" زوحا نے ایک نظر اسے دیکھا وہ تھکا ہوا اور پژمردہ نظر آتا تھا، اس نے ایک گہرا سانس بھرا اور آہستگی سے مسکرانے لگی۔

"تھینکس وقاص! تھینکس فار دس آنر! مجھے ہمیشہ اس بات پہ فخر رہے گا کہ میرا شریک حیات اندر باہر سے ایکدم کھرا انسان ہے اور وہی ہے جس کی میرے دل نے چاہ کی اور میرے رب نے اس چاہ کو قبولیت کا اعزاز بخش کر سرخرو کر دیا، نگی بالکل صحیح کہتی ہے میرے اندر بہت کوالٹیز ہیں، میں بہت ضبط حوصلے ہمت اور صبر کے ساتھ اپنے ساتھی کے اپنی جانب پلٹنے کا انتظام کروں گی۔" اپنی بات مکمل کر کے وہ رکی نہیں تھی، پروقار انداز میں چلتی اندرونی حصے کی جانب بڑھ گئی، وقاص نے ایک گہرا سانس بھر کے اپنے تنے ہوئے اعصاب کو ڈھیلا چھوڑ دیا وہ خود کو کس قدر ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

☆☆☆

مجھے ایک دل کی تلاش ہے جس میں میرے لوگوں کے سکھ سانس لے سکیں
جگنوؤں کے دل نہیں ہوتے
میرے لوگ امن اور آزادی کے بغیر پیدا ہوتے ہیں زندہ رہتے ہیں اور مر جاتے ہیں
ہم نے اپنے حق میں بولنا چاہا
ہماری آوازیں ہمارے حلقوم سے چپک گئیں
ہم وہ بندے ہیں حکمران جن سے جمع تفریق کا کھیل کھیلتے ہیں
کانچ کی آنکھ میں بصارت نہیں اگتی
میرے پاس آواز ہے گیت نہیں
تمہارے پاس گیت ہیں آواز نہیں
آؤ اس گیت کو مل کر گائیں، کیونکہ پرندے گانا بھول چکے ہیں
میں انہیں امن کا گیت سنانا چاہتا ہوں اور مجھے داد میں نفرت ملی ہے

شاید میرے لوگ موت سے سمجھوتہ کر چکے ہیں
آؤ ہم بھی موت کے پروانے پر دستخط کریں
شاید اس سے ہم اپنے لوگوں کے لئے آزادی خرید سکیں

شہریار نے نظم مکمل کی اور توصیف طلب نگاہیں رابیل پہ جما دیں، جس کی آنکھوں میں الجھن تیر رہی تھی۔

''اُفوہ گھپ چپ کیوں بیٹھی ہو بتاؤ نا کیسی لگی یہ نظم تمہیں؟''

''یہ کیسی نظم سنائی ہے آپ نے مجھے؟ یہ آپ کے انتخاب میں کیسے شامل ہو گئی؟'' اس کا انداز ٹھٹھکا ہوا تھا، شہریار سر کھجاتے ہوئے ہنس پڑا۔

''یار! ساری زندگی رومینٹک شاعری تو نہیں سنا سکتا پھر تم عاجز بھی تو آئی ہو نا، میں نے سوچا ذرا ٹریک بدلتے ہیں، چیلنج تو ہونا چاہیے لائف میں۔''

''کس قسم کا چیلنج لانا چاہ رہے ہیں آپ اور آج کل مشاغل کیا ہیں سارا سارا دن غائب رہتے ہیں۔'' رابیل نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا، شہریار کچھ سٹپٹایا۔

''تمہیں بتایا تو تھا جاب کی تلاش میں ہوں، ویسے بھی بے فکر ہو جاؤ، جس طرح تم نے اپنا اسیر کیا ہے نا مجھے مشکل بلکہ ناممکن ہے اس حسن کے فسوں سے نکل کر کچھ اور دیکھنے کے قابل ہو سکوں۔''

''میں یہ پوچھ رہی ہوں آپ کو جاب کی ضرورت کیا ہے؟ یہ اتنی وسیع جائیدادیں زمینیں ان کی دیکھ بھال کریں آرام سے جیسے آپ کے پرکھوں میں سب مرد کرتے آئے ہیں۔''

''نہ بابا میں تو نہیں کرتا یہ بورنگ کام پھر اس کے لئے تایا سائیں پاپا اور بھائی ہیں نا میں نہیں خود کو کھپاؤں گا۔''

''تو پھر آپ کیا کریں گے؟'' رابیل نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو شہریار جیسے کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

''میں اپنے گناہوں کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں اسی دنیا میں۔'' اس کا انداز گم صم کھویا ہوا سا تھا، رابیل زور سے چونکی۔

''کیا مطلب؟'' اس کا دل جانے کیوں دھڑکنے لگا۔

''بیہ میں...... میں کشمیر کے لئے جہاد کرنا چاہتا ہوں اور......'' اس نے رابیل کا ہاتھ جکڑ لیا تھا مگر رابیل نے کرنٹ کھانے والے انداز میں ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

''دیکھو تحمل سے میری بات سنو میں بہت دنوں سے تمہیں آگاہ کرنا چاہ رہا تھا مگر تمہارے ردعمل سے خائف تھا، بیہ مجھے جب سے وہاں کے حالات اور اپنی گورنمنٹ کی بے حسی سے آگاہی ہوئی ہے میں بہت اپ سیٹ ہوں، کبھی سوچا نہیں تم نے بیہ ہم لوگ کتنے بے حس ہیں خود غرض سفاک، وہ ہمارے وطن کا حصہ ہے گویا ہمارے وجود کا ایک حصہ وہاں ظلم ہے جبر ہے اور زیادتی کا بازار گرم ہے، مگر ہم سب اپنی اپنی دنیاؤں میں گم موج مستی میں محو ہیں، مگر اب، اب میں مزید یہ بے حسی کی چادر اوڑھ کر نہیں بیٹھ سکتا، میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں وہاں جاؤں گا اور اپنے حصے کا فرض نبھاؤں گا۔''

''شہریار!'' رابیل کے حلق سے سرسراہٹ زدہ آواز برآمد ہوئی۔

''یہ ساری باتیں کہاں سے سیکھ لیں، کس نے آپ کو اس راستے پہ لگا دیا، میں نہیں جانتی مگر یہ تو سوچیں آپ ماما کے لئے کیا ہیں، سالہا سال کی دعاؤں التجاؤں کے بعد انہوں نے آپ کو پایا تھا اور جب آپ کا ایکسیڈنٹ ہوا اور میں بتا نہیں سکتی شہری ان کی کیا حالت تھی، خدانخواستہ اگر تمہیں کچھ ہوتا تو شاید وہ پہلے مر جاتیں، صرف وہی کیا پاپا ماما ہم سب، شہری، میں آپ کو ایسا نہیں کرنے دوں گی ہرگز نہیں، ہمیں آپ کی ضرورت ہے، بس آئندہ کبھی ذکر بھی نہیں کرنا آپ نے گناہ کے ازالے اور معافی کے اور بھی طریقے ہیں۔'' اس نے جیسے بات ہی ختم کر دی شہریار خاموش ہو گیا تھا مگر بات ختم نہیں ہوئی، شہریار کی سرگرمیاں ختم ہوتی تھیں نہ اضطراب وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر سگریٹ پھونکتا کمرے سے نکل کر رات بھر ٹہلتا رہتا، رابیل حیران ہوا کرتی یہ وہی شہریار ہے اسے یقین نہ آتا۔

''کیوں کر رہے ہیں ایسا؟'' اس رات بھی وہ بے چین سا ہو کر ٹیرس پہ نکل آیا تھا جب رابیل اس کے پیچھے باہر آئی تھی۔

''مجھے سکون نہیں ہے بیہ! مجھے کسی پل چین نہیں ہے، تم نے کبھی کشمیری عورتوں کی تار تار ہوئی چادریں دیکھیں جن میں وہ اپنا آبرو باختہ وجود چھپانے کی کوشش میں جب ناکام ہوتی ہیں تو کیسی بے بسی کے آنسو بہاتی ہیں، تم نے وہاں کے بڈھے اور جوانوں کے بے دردی سے بہتے خون کو دیکھا؟ میں دیکھتا ہوں آؤ تمہیں بھی دکھاؤں تمہیں بھی پتہ چلے دکھ کیا ہوتے ہیں بے بسی اور اذیت کیا ہوتی ہے۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا بیڈ روم میں لے آیا، سی ڈی پلیئر آن کیا اور ایک سی ڈی ڈسک منتخب کر کے لگائی۔

یہ ڈاکومنٹری فلم تھی جس میں کشمیری جوانوں کی کچھ لاشیں اٹھائے ایک انبوہ جنازہ گاہ کی سمت رواں دواں تھا بین کرتی عورتیں روتے ہوئے بچے اور غم زدہ مرد، صرف یہی نہیں وہاں ڈھائے جانے والے مظالم کی بھی عکس بندی کی گئی تھی، بھارتی فوج بے دردی سے مظلوم عوام پہ لاٹھی چارج کر رہی تھی، رابیل کا ضبط جواب دے گیا تو اٹھ کر آف کا بٹن دبا دیا تھا، شہریار نے دیکھا اس کا چہرا متغیر اور ہونٹ کپکپا رہے تھے، وہ دکھ اور اذیت کی جانے کس منزل پہ کھڑا تھا مگر بہت ضبط سے مسکرایا۔

''اپنی خاموشی اور بے حسی کو ہم کیا نام دیں گے بیہ؟ بے غیرتی کا یا پھر بے شرمی کا۔'' وہ زہر خند سے بولا تھا، پھر سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔

''یہ...... یہ لوگ ہمارے اپنے ہیں اور ہم ان سے بے خبر ہیں، ہم جن کے پاس طاقت بھی ہے اور دولت و اقتدار بھی، ہم کبھی تک دوسرے بے حسوں کی طرح خاموشی سے ان کی بے بسی اور بہتے خون کو دیکھیں گے؟ کل روز محشر خدا کے سامنے شرمندگی اٹھا سکیں گے۔''

''آپ کو اس راستے پہ کس نے لگا دیا۔'' خاص تاخیر کے بعد رابیل نے سوال اٹھایا تھا۔

''میرے ایک دوست ایک خیر خواہ نے وہ بھی پاکستانی ہے، مگر کشمیری مجاہدین کے ساتھ دفاعی جنگ لڑ رہا ہے۔'' رابیل نے جواب نہیں دیا خاموشی سے جا کر بیڈ پہ دراز ہو گئی، شہریار سوچتی

نظروں سے اس کا چہرا جھانچ رہا تھا۔

☆☆☆

اور تیرے شہر سے جب رخت سفر باندھ لیا
در و دیوار پہ حسرت کی نگاہ کیا کرتے
چاند کجلائی ہوئی شام کی دہلیز پہ تھا
اس گھڑی ہم تیرے مجبور سفر کیا کرتے
ہم نے جب وادی غربت میں قدم رکھا تھا
دل ٹھہر جانے کو کہتا تھا مگر کیا کرتے
جس طرح یاد وطن آئی تھی سمجھانے کو
کچھ اس طرح کی کیفیت آج بھی ہے
جس طرح کوئی قیامت ہو گزر جانے کو
جس طرح کوئی کہے پھر سے پلٹ آنے کو
مگر کس طرح کہ ہم نے تو
تیرے شہر سے رخت سفر باندھ لیا

پریشے نے ایک سرد آہ بھری اور آنکھوں میں اترتے آنسوؤں کو ہتھیلی کی پشت سے رگڑ کر صاف کیا اور قدم بڑھاتی پورٹیکو میں آ گئی، جہاں سالار درانی اور سونیا اسی کے منتظر تھے، سالار درانی بیٹ مین کو کچھ ہدایات دے رہے تھے اس نے رک کر بغور سنیں۔

''اور پلیز اس گلاب کے پودے کا بہت خیال رکھنا ہر روز پانی ضرور دینا، سوکھنے نہ پائے، تب تک جب تک پاپا لوٹ کر نہیں آ جاتے، پھر یہ پاپا کی ذمہ داری ہوگی، ٹھیک ہے نا پاپا۔'' اس نے لان کے ایک حصے میں اپنے ہاتھ سے لگائے گلاب کے پودے پہ آخری الوداعی حسرت زدہ نگاہ ڈال کر سالار درانی کو مخاطب کیا، سالار درانی نے اس کی بات سنی تھی اور سختی سے بھینچے ہونٹوں کے ساتھ پلٹ کر گاڑی کا لاکڈ دروازہ کھولنے لگے۔

''السلام وعلیکم!'' تبھی طارق شیرازی نے قریب آ کر انہیں چونکا دیا، اس کی خاموشی مگر گہری نگاہیں پریشے کے زندگی کے احساس سے عاری چہرے کا بے تابی سے حصار باندھ گئیں۔

''وعلیکم السلام کیسے ہو بیٹا! اچھا کیا آپ آ گئے، میں خود کو اس قابل نہیں پاتا کہ ڈرائیو کر سکوں۔'' سالار درانی نے بہت بے تابی و اضطراب بھرے انداز میں اسے گلے لگایا یوں جیسے کسی جذباتی سہارے کے ہی منتظر ہوں، ان کا لہجہ بے حد بوجھل ہو رہا تھا، طارق نے آہستگی سے انہیں تھپک کر خود سے الگ کیا پھر گاڑی کا دروازہ کھول کر انہیں بیٹھنے میں مدد دی، سونیا دوسری سمت سے جا کر ان کے برابر بیٹھ چکی تھی، پریشے نے ایک نگاہ طارق شیرازی کے چہرے کو دیکھا اور خاموشی سے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر سیٹ سنبھال لی، گاڑی کا انجن ہلکے سے غرایا اور بہت سک رفتاری سے آگے بڑھ گئی، ان کے بیچ ایک جان لیوا خاموشی آ کر ٹھہر گئی تھی، ہر فریق اپنی اپنی جگہ اذیت اور کرب کا شکار تھا، پریشے کی نگاہیں گاہے بگاہے طارق شیرازی کے چہرے پہ بھٹکنے لگتیں جو ہونٹ ضبط کی کوشش میں مسلسل بھینچے ہوئے تھا، اس کا اپنا دل سسکنے لگا۔

ہم نے جب وادی غربت میں قدم رکھا تھا
دل ٹھہر جانے کو کہتا تھا مگر کیا کرتے
جس طرح یاد وطن آئی تھی سمجھانے کو
کچھ اس طرح کی کیفیت آج بھی ہے
جس طرح کوئی قیامت ہو گزر جانے کو
جس طرح کوئی کہے پھر سے پلٹ آنے کو
مگر کس طرح کہ ہم نے تو
تیرے شہر سے رخت سفر باندھ لیا

آنسوؤں پہ اختیار نہیں رہا تھا تبھی اس نے غیر محسوس انداز میں رخ موڑا اور کھڑکی سے باہر دیکھتے جی بھر کے نیر بہائے مگر دل کا بوجھ تھا کہ بڑھتا جاتا تھا دل تھا کہ اس دشمن جاں کو دیکھنے کی حسرت میں مچلتا رہا مگر اس نے دل پہ پہرے بٹھا دیے، اسے مچلتے تڑپتے چھوڑ کر، فوجی جیپ اسلام آباد ائیر پورٹ کی شاندار عمارت کے سامنے پارکنگ میں جا کر رک گئی، طارق شیرازی نے باہر آنے کے بعد پریشے کی طرف آ کر دروازہ کھولا سالار درانی اور سونیا بھی باہر نکل آئے تھے۔

''دنیا میں معجزے اب بھی رونما ہوتے ہیں پریشے! اور تمہارے لئے میں اپنے رب سے کسی معجزے کا ہی منتظر رہوں گا، تم ٹھیک ہو کر جب آؤ گی تو میں سمجھوں گا یہ میری دعاؤں کا اعجاز ہے، پھر تمہاری یہ ذمہ داری ہوگی کہ تم اپنے آپ کو میری پناہوں میں سونپ دو۔'' وہ اس کے نزدیک جھک کر اتنی آہستگی سے بولا تھا کہ وہ بمشکل سن پائی اور سن کے جیسے پل بھر میں سرد ہو گئی اس نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا، ان دلکش ساحر آنکھوں میں آس کے جگنو جگمگا رہے تھے، اس نے سر جھکا لیا۔

''آپ کو صرف صبر کرنا ہوگا طارق! اس لئے بھی کہ لوح تقدیر پہ لکھی تحریریں ہی بدلا نہیں کرتیں، ہمیں خدا کے اس فیصلے میں راضی بہ رضا ہونا ہے، میری طرف سے اب ہر آس اور امید کو ختم کر دیں، میں لوٹ کر آنے کے لئے نہیں جا رہی، بھول جائیں طارق کہ کبھی کوئی پریشے آپ کی زندگی میں آئی تھی۔'' اس نے جواباً اتنی رسانیت سے کہا تھا کہ طارق چپ کا چپ رہ گیا اور پھر جب تک فلائیٹ کی اناؤنسمنٹ نہیں ہوئی سالار درانی اور سونیا نے دانستہ انہیں تنہا چھوڑ دیا۔

''طارق کچھ سناؤں آپ کو؟'' وہ اس کی حسرت و یاس زدہ نگاہوں سے نظریں چرا کر بولی طارق کیا کہتا بس اسے دیکھتا رہا اور پریشے نے خود پہ ضبط اور حوصلے کے پہاڑ ٹوٹتے دیکھے، پھر خود کو سنبھال کر آہستگی سے کہنے لگی۔

وصال رت کی وہ پہلی بارش ہی سرزش تھی
کہ ہجر موسم نے رستے رستے سفر کا آغاز کر دیا ہے۔
تمہارے ہاتھوں کا لمس جب بھی
میری وفا کا ہتھیلیوں پر حنا بنے گا تو سوچ لوں گی
رفاقتوں کا سنہرا سورج غروب کے امتحان میں ہے
ہمارے ہاتھوں سے گر کبھی تتلیوں کی خوشبو گزر نہ پائے
تو یہ نہ کہنا کہ تتلیوں نے گلاب رستے بدل لئے ہیں

اگر کبھی کوئی شام یوں بھی اترے کہ جس میں ہم تم لگیں پرائے
تو جان لینا کہ شام بے بس تھی شب کی تاریکیوں کے ہاتھوں
تمہاری خواہش کی بند مٹھیاں بے دھیانی میں کھلیں جو
تو یقین کرنا کہ میری چاہت کے جگنوؤں نے
تمہارے ہاتھوں کے لمس تازہ کی خواہشوں میں
بڑے گھنیرے اندھیرے کاٹے

نظم پڑھتے اس کی مدھم آواز پہ آنسوؤں کی نمی نے غلبہ پایا تو کچھ ساعتوں کو خاموش ہو کر گویا خود پہ قابو پانے لگی، آنکھوں کے زیریں کناروں اور ناک کے نازک حصوں میں تیرنے والی سرخی اور نازک کانپتے ہونٹ اس کے ضبط بکھر جانے کے گواہ تھے، طارق یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا، ان آنکھوں میں آج اس صورت کو نگاہوں میں محفوظ کر لینے کی ایک مجنونانہ سی خواہش تڑپ رہی تھی، دونوں بے بس تھے، دونوں ہی مجبور تھے تو روادار بھی ایک دوسرے کے احساسات و جذبات کے قدر دان جبھی تو پریشے نے خود کو سنبھالا اور آنسوؤں کو گالوں پہ اترنے سے قبل ہی پی لیا اور بڑے حوصلے سے مسکرا کر پھر گویا ہوئی۔

مگر یہ خدشے یہ وسوسے تو تکلفا ہیں
جو بے ارادہ سفر پہ نکلیں تو یہ ہوتا ہے تو ہوگا
ہم اپنے جذبوں کو منجمد رائیگانیوں کے سپرد کر کے
یہ سوچ لیں گے کہ ہم ہجر موسم
وصال کی پہلی شام ہی سے
سفر کا آغاز کر چکا تھا

ایک بار پھر دونوں کے مابین خاموشی در آئی، سسکتی کرلاتی اور بین کرتی ہوئی چپ جس میں ہجر لامتناہی کا ایک طویل سلسلہ تھا۔

''پریشے اپنا کانٹیکٹ نمبر......'' معاً طارق کو خیال آیا تھا، پریشے نے اسے ملتجی نگاہوں سے دیکھا۔

''کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنا ہر رابطہ اسی سرزمین پہ دفن کر جائیں۔'' اس نے نرمی سے کہا اور طارق کے اندر یکا یک خالی پن اتر آیا، فلائٹ کی روانگی کا اعلان ہو رہا تھا، ڈیپارچر لاؤنج میں ایک خوشگوار سی افراتفری کا سماں یہاں وہاں پھیل گیا، پریشے بھی اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور الوداعی نگاہیں اس کے لمحہ بہ لمحہ مضطرب ہوتے چہرے پہ جما دیں۔

''اجازت دیں طارق!'' اور طارق کی ضبط میں سرخ پڑتی آنکھیں اس کے چہرے پہ آن جمیں، دونوں جتنا خود کو مضبوط ظاہر کر رہے تھے اتنے مضبوط ہرگز نہیں تھے، اندر اکھاڑ پچھاڑ جاری تھی۔

(اگر میری اجازت سے تمہیں جانا ہوتا تو کبھی نہیں جا پاتیں)۔

پریشے کا تو اس سے ٹیلی پیتھک کانٹیکٹ تھا، اس کے ہونٹوں پر اضمحلال بکھر گیا۔

''چلیں اجازت نہ سہی رخصت ہی کر دیں۔'' وہ اسے نہیں اب اپنی جانب آتے سالار درانی

اور سونیا کو دیکھ رہی تھی۔

''فی امان اللہ۔'' طارق کے ہونٹ کپکپانے لگے۔

''مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے طارق کہ ماہ نور کا خیال رکھیئے گا، میری اس قربانی کو ضائع ہونے سے بچا لیجئے پلیز، آئی نو دیٹ کہ آپ ایک بہادر اور دیانت دار انسان ہیں۔'' پریشے نے کہا تھا، طارق کی آنکھوں میں موجود سرخیاں گہری ہو گئیں، وہ سالار درانی سے الوداعی مصافحہ کرنے لگا، اس کے بعد پھر سے پریشے کی جانب متوجہ ہوا تو وہ اپنے ضبط کا حوصلہ آزما رہی تھی کچھ کہے بغیر آگے بڑھی اور اس کے کوٹ کی جیب میں اٹکے سن گلاسز نکال لئے، طارق حیران نہیں ہوا تھا، بہر حال اتنا تو وہ ایک دوسرے کو جاننے لگے تھے۔

''اور میں؟'' اس نے اب عجیب خواہش کر ڈالی حالانکہ اس نے کبھی اس سے قبل کسی کے آگے دست سوال دراز نہیں کیا تھا مگر وہ پریشے تھی جس نے اس کی زندگی میں آ کر انقلاب برپا کر دیئے تھے۔

''آپ کو پتہ تو ہے طارق! پریشے بہت کم ظرف ہے، آج تلک آپ کو کچھ بھی نہیں دے پائی، پھر اب کیسے کچھ دے سکتی ہے۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور پلٹ کر تیز قدموں سے چلتی مسافروں کے اژدھام میں غائب ہوتے سالار درانی کے ہم قدم ہو گئی، پیچھے طارق شیرازی رہ گیا تھا اس کے نشان قدم کو چھوتا ہوا۔

آنے والے تیرے رستے میں بچھاؤں آنکھیں
جانے والے تیرے قدموں سے لپٹ کر رو لوں

''میجر پلیز! واپس لوٹ جایئے اپنی دنیا میں اور پریشے کی خواہش کے مطابق نئے سرے سے زندگی کو ویلکم کہیے۔'' سونیا کی آواز پہ وہ چونک کر متوجہ ہوا۔

''آپ......؟'' سونیا نے گہرا سانس کھینچا۔

''میری فلائٹ میری منتظر ہے بس جا رہی ہوں واپس ملتان، خدا حافظ۔'' اس نے ہاتھ ہلایا تھا، طارق بوجھل قدموں سے واپسی کے راستوں پہ ہو لیا، جواب بے تحاشا گنجلک ہو چکے تھے۔

(جاری ہے)

☆☆☆

میرے ساحر سے کہو

ام مریم

تیسویں قسط کا خلاصہ

پریشے کی رخصتی طارق شیرازی کے ضبط کی ساری طنابیں توڑ دیتی ہے، تنہائی اضطراب اور وحشت سے گھبرا کر وہ گھر آتا ہے ماہ نور اس کی مجنونانہ کیفیت اور ہیجان کو پا کے ششدر رہی تھیں ہوئی احساس توہین اور رقابت سے بھی سلگ جاتی ہے۔

شہریار اپنے چونچالی مزاج اور فطرت کے برخلاف ایک فیصلہ کرتا ہے، جسے جان لینے کے بعد رابیل بھڑک اٹھتی ہے، وہ کسی صورت بھی اسے کشمیر کے محاذ پہ بقا اور آزادی کی جدوجہد کرنے کی اجازت نہیں دیتی تو شہریار اس کی ضد کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے، مگر یہ بات رابیل نہیں جانتی تھی کہ اس کی یہ خاموشی عارضی ہے اور وہ کچھ کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے۔

اکتیسویں اور آخری قسط

دل پہ ایسے بھی عذابوں کو اترتے دیکھا
ہم نے چپ چاپ اسے خود سے بچھڑتے دیکھا
اس کو سوچا تو ہر سوچ میں خوشبو اتری
اس کو لکھا تو ہر لفظ مہکتے دیکھا
یاد آ جاتے تو قابو نہیں رہتا دل پر
ورنہ دنیا نے بھی ہم کو نہ تڑپتے دیکھا
اس کی صورت کو فقط آنکھ نہیں ترسی ہے
راستوں کو بھی اس کی یاد میں روتے دیکھا
ہم محبت کے لئے آج بھی دیوانے ہیں
یہ الگ بات ہے کہ اس نے نہیں مڑ کے دیکھا

وہی راستے تھے وہی شناسا جگہیں مگر وہ کسی اجنبی کی طرح پھرتا تھا، صرف اک اس کی صورت ہی نگاہوں سے اوجھل ہوئی تھی مگر اس کے لئے کائنات کے سب رنگ پھیکے پڑ گئے تھے، تنہا خود کو سمیٹتا اور جوڑتا جب بری طرح سے تھک گیا تو ویک اینڈ پہ گھر چلا آیا، ماہ نور اس وقت ضوفیا، داوا اور تائی اماں کے ساتھ لاؤنج میں ہی موجود تھی، ابھی کوئی ڈرامہ ختم ہوا تھا اور وہ ضوفیا کے ساتھ اس کے اینڈ پہ بحث میں مصروف تھی، اپنے کمرے کی سمت جاتے طارق شیرازی کی اس نے محض ایک جھلک ہی دیکھی اور کوئی تو شاید یہ بھی نہیں دیکھ پایا، اس کا دل بردھی اور روٹھے ساجن کی آمد کے ساتھ ہی بے ساختہ و بے ترتیب ہو کر دھڑکنے لگا تو کسی کو بھی اس کی آمد سے آگاہ کرنے کی بجائے خود چپکے سے اٹھ کر کمرے کی جانب بڑھ گئی اس وقت وہ اس کے ساتھ تنہائی کی متمنی تھی، صرف حساب کتاب ہی نہیں کرنے تھے، نگاہ و دل کے تقاضے بھی پورے کرنے تھے، اس نے دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا تو طارق کو جوتوں سمیت بستر پہ دراز پایا۔

”آپ کب آئے؟“ اس نے وہیں تھم کر گویا موڈ کا اندازہ کرنا چاہا، مگر جواب ندارد تھا۔

”خفا ہیں سرتاج!“ اس کے لبوں کے گوشوں میں البیلی سی مسکان بکھرنے لگی پہلے ڈسٹربنس اور مداخلت سے بچنے کی غرض سے دروازہ لاکڈ کیا پھر آگے بڑھ کر بہت مگن سے انداز میں اس کے پیروں کو جوتوں اور موزوں کی قید سے رہائی دلانے لگی، سنگ مرمر سے سفید مضبوط پیر ہلکی نمی اور ٹھنڈک لئے ہوئے تھے، اس نے اپنے ہاتھوں کی نرم پوروں سے اس کے پیروں کو بہت دھیرے سے سہلایا مگر ادھر پوزیشن میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، اسے ہلکی سی تشویش ہوئی تو مزید پیش رفت کی اور بیڈ کے کنارے ٹک کر اس کے کاندھے پہ ہاتھ رکھا۔

”طارق!“ وہ جانتی تھی مزاج یار کے موسم بدلنے کے بعد اسے ہی پیش رفت بھی کرنا ہے، منانا بھی ہے اور وہ دل و جان سے تیار تھی۔

وہ جہاں کہیں بھی گیا لوٹا تو میرے پاس آیا
بس یہی اک بات ہے اچھی میرے ہرجائی کی

اس کے گھنیرے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ ایک سرشاری کی کیفیت میں گنگنائی، طارق نے ایک دم رخ بدلا اور آنکھیں کھول کر لہو رنگ دہکتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

(اور تمہیں کیا پتہ ماہ نور کہ میں ایک مقدس وعدے کی نازک زنجیر سے بندھا ہوا ہوں، محبت

اور عقیدت کا تقاضا ہے کہ میں اس وعدے کا تاعمر احترام کروں۔)

”میں بہت تھکا ہوا ہوں ماہ نور اس وقت صرف آرام کرنا چاہتا ہوں، اف یو ڈونٹ مائنڈ پلیز لیو می الون۔“ اس نے اپنے بالوں میں سرسراتا اس کا ہاتھ پکڑ کر پیچھے کرنا چاہا تو ماہ نور نے بہت چونکتے ہوئے اس کا وہی ہاتھ زبردستی اپنے ہاتھوں میں لے کر اس کی حدت کو محسوس کیا اور سخت بے چین سی ہو گئی۔

”کب سے ہے آپ کی، کو ٹمپریچر؟ دوا لی؟“

(اب کیسی دوا کیسی صحت سب کچھ بے کار لا حاصل)

طارق نے جواب نہیں دیا۔

”اچھا چینج تو کر لیں ریلیکس ہو جائیں گے۔“ اس نے اس کے مضبوط کڑیل سراپے پہ سجے یونیفارم کو دیکھ کر لجاجت سے کہا اب کے طارق نے بحث یا انکار نہیں کیا اور چپ چاپ اٹھ کھڑا ہوا، ماہ نور نے جلدی سے بڑھ کر اس کے لئے آف وائیٹ کاٹن کا آرام دہ کرتا شلوار وارڈ روب سے نکال کر واش روم میں لٹکا دیا، طارق یونیفارم کی شرٹ اور بنیان اتار کر واش روم میں گھس گیا، ماہ نور اس کے کپڑے سمیٹ کر رکھنے کے بعد خود چائے بنانے کے ارادے سے باہر نکل گئی اور جب پندرہ منٹ بعد چائے کے ساتھ بوائل انڈا دو سینکے ہوئے سلائس لے کر اندر آئی تو اس پل طارق بھی گیلے بال تولیے سے خشک کرتا ہوا واش روم سے برآمد ہوا تھا، ماہ نور ایکدم تشویش کا شکار ہو گئی۔

”اف، طارق اس قدر ہائی ٹمپریچر کے باوجود آپ نے باتھ لے لیا، پھر آج موسم بھی...... اگر طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تو......؟“ وہ ٹرے رکھ کر لپک کر نزدیک آئی اور اس کا بازو پکڑ لیا۔

”بستر میں چلیں میں پین کلر لائی ہوں کچھ کھا کر لے لیں۔“ اس کے لہجے و انداز میں تشویش کے رنگ گہرے تھے، طارق نے جلتی ہوئی سرخ آنکھوں سے اسے دیکھا۔

(تم راحت جاں نہیں ہو ورنہ تو یہ کٹھن مرحلہ میں شاید سہولت سے طے کر لیتا، تمہیں کیا پتہ میرے اندر کیسی آگ بھڑک رہی ہے، جو بجھتی نہیں۔)

اسے ہیٹر آن کرنے سے منع کرتا وہ بستر میں چلا گیا۔

”چائے لیں طارق!“ ماہ نور کپ سمیت آ گئی، طارق نے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا۔

”نہیں مجھے پانی دو بہت ٹھنڈا ڈھیر ساری برف ڈال کر۔“ اس نے تھکے ہوئے انداز میں سر تکیے پہ ڈال دیا، ماہ نور اسے سینہ بے چینی سے مسلتے دیکھ کر گھبراہٹ میں مبتلا ہوئی حکم کی تعمیل کو دوڑ گئی، اگلے دو منٹ بعد وہ بہت ٹھنڈا پانی لے کر لوٹی تو طارق کی پیشانی پہ پسینہ بوندوں کی صورت چمک رہا تھا، وہ غٹا غٹ ایک ہی سانس میں سارا پانی پی گیا۔

”آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہو رہی ہے میں فاروق بھائی کو فون کرتی ہوں۔“ ماہ نور کسی بھی لمحے رونے کو تیار تھی، طارق نے ایک وحشت کے عالم میں باہر کی جانب بھاگتی ماہ نور کی کلائی جکڑ لی اس کے مضبوط ہاتھ کی آہنی گرفت سے ٹوٹتی چوڑیوں کی چبھن بھی ماہ نور پہ اثر انداز نہ ہو سکی۔

”فاروق کچھ نہیں کر سکتا ایویں اسے بلا کر پریشان مت کرنا پلیز!“ اس نے گہرے گہرے سانس کھینچتے ہوئے اسے اس عمل سے روکا۔

”آپ کو کیا ہو رہا ہے طارق! آپ مجھے پریشان کر رہے ہیں۔“ ماہ نور نے اس کے [illegible]

بیٹھ کر اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا آنسو بے اختیار بہہ نکلے تھے۔

''تم نے بھی کیا تھا نا مجھے پریشان؟ اب خود بھی ہوتی رہو، یہ سب تو شاید اب یونہی چلے گا، میرا سکون کھو گیا ہے میری خوشی چھن گئی ہے۔'' وہ جیسے حواسوں میں نہیں رہا، اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں وحشت سی تھی تو چہرے کے تاثرات میں ایک ہیجان سا برپا تھا، ماہ نور خوفزدہ سی ہونے لگی۔

''کون سا سکون طارق، کون سی خوشی، کچھ نہیں کھویا ہے آپ نے، ادھر میری طرف دیکھیں میرے پاس ہے آپ کا سکون آپ کی ہر خوشی اور میرا سب کچھ آپ پہ فدا ہے۔'' وہ آج بلا جھجکے اس پہ پوری صداقت سے اپنے دل کا حال عیاں کرنے لگی مگر نہیں جانتی تھی کہ وقت گزر جانے پہ بہت ساری باتیں اور خوشیاں اپنی اہمیت کھو کر بے کار ہو جاتی ہیں، طارق نے بھی جیسے اس کی بات سنی ہی نہ تھی۔

''تمہیں پتہ ہے، پرلے چلی گئی، وہ ہمیشہ کے لئے چلی گئی، مجھے چھوڑ کر، اب وہ کبھی نہیں لوٹے گی میں، میں اسے دیکھنے کو ساری عمر ترستا رہوں گا۔'' وہ کچھ اور بھی حواس کھونے لگا، ماہ نور نے بے ساختہ چونک کر ساکن ہو کر اسے دیکھا۔

''یہ صرف تمہاری وجہ سے ہوا ہے صرف تمہاری وجہ سے ہوا ہے، تمہیں شاید خود بھی پتہ نہیں ہے کہ تم کتنی کٹھور ہو کس قدر بے حس، وہ چند روزہ زندگی کو بھی سسک سسک کر جیئے گی، وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش سے دستبردار ہو گئی اس لئے کہ وہ کسی کو دکھ نہیں دے سکتی تھی اور تم...... تم نے اسے کتنے بڑا دکھ دے ڈالا کم ظرفی کی انتہا یہ تھیں تم، کہ تم سے چند روز کا بٹوارہ برداشت نہ ہو سکا اور تم نے عمر بھر کی تشنگی اور کرب میں مبتلا کر دیا مجھے تم نے مجھے مار دیا ماہ نور اندر سے ختم کر دیا، میں تمہیں کیسے بتاؤں تم نے کیا ظلم کر ڈالا ہے۔'' وہ اتنا اونچا پورا مضبوط مرد بچوں کی طرح سسکیاں بھرتے ہچکیاں لیتے بلکتے ہوئے جھکے سر پٹخ رہا تھا اور ماہ نور جیسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے حالات کا یہ رخ دیکھتی خود کو فضا میں معلق محسوس کر رہی تھی۔

☆☆☆

اماں نی میری نیندیں بھاگیں
مجھ سے کوسوں دور
اماں نی میرے سپنے ٹوٹے
چبھ گئی سینے پھانس
اماں نی میں پیاسی تڑپی
دل دریا کے بیچ
اماں نی میری سنے نہ کوئی
ہاری کر کر بین
اماں نی میری کشتی ڈوبی
عین کنارے پاس
اماں نی میرے اندر بادل
بارش روکے کون

اماں نی میں نے چاند چرایا
جیون ہوا اندھیر
اماں نی! اماں نی!

سود زیاں کا حساب تھا جو لامتناہی تھی جس کے گرداب میں الجھی کھڑی تھی اور وہ خود کو خالی ہاتھ سا محسوس کر کے تھکن سے دوچار تھی، عجیب بیگانہ سا غافل سا انداز تھا جب ضویا نے کچن میں جھانکا۔

''بھائی کب آئے تھے؟''

ضویا نے کھولتے قہوے پہ نگاہیں مرکوز کیئے ہونٹ بھینچے کھڑی ماہ نور کو مخاطب کیا تب وہ خفیف سا چونک کر متوجہ ہوئی۔

''بھائی کا پوچھ رہی ہوں تم سے؟'' ضویا نے اس کی غائب دماغی کو محسوس کر کے ہی اپنا سوال دہرایا تھا۔

''ہاں، دوپہر کو، شاید طبیعت ٹھیک نہیں ہے آتے ہی سو گئے۔'' وہ آنکھیں چرا کر کہہ رہی تھی۔

''پھر تو تم نے انہیں فاروق بھائی کی منگنی طے ہو جانے کا بھی نہیں بتایا ہوگا؟'' ضویا بہت دھیان سے اس کی ستی ہوئی شکل دیکھ رہی تھی۔

''ہاں موقع ہی نہیں مل سکا، اب اٹھیں گے تو اماں خود بتا دیں گی۔'' وہ کپ میں چائے چھان کر نکالنے لگی۔

''اور تمہارے ان سے تعلقات اب بھی ویسے ہی جامد ہیں مومو! کچھ تو خیال کرو یار بعد میں شادیاں کروانے والے امی ابا بن گئے مگر تم لوگ ہو کہ انا اور جھگڑوں کے چکروں سے باہر نہیں نکلتے۔'' ضویا کے ساتھ گو کہ اب بہت دوستانہ تھا مگر پھر بھی ضویا نے دبے ہوئے محتاط انداز کو اختیار کیا تھا، ماہ نور لب بھینچے چائے کے مگ سے اڑتی بھاپ کو گھورتی رہی۔

''جتنا ستایا ہے نا تم نے میرے بھائی کو اب سزا کے طور پہ ان کا موڈ بھی خود ہی درست کرو اور میں سمجھتی ہوں یہ ان کا حق بھی ہے۔'' ضویا کی اگلی بات پہ اس نے ٹھنڈا سانس بھرا تھا۔

(اور تمہیں کیا پتہ میں اپنی عادت اور مزاج کے برخلاف کیا کچھ نہیں کر چکی، وہ شخص اب اتنا ہی عزیز ہو چکا ہے مجھے، اب تو انا اور عزت نفس بیچ میں کہیں نہیں ہے، مگر ضویا مجھے لگتا ہے میں نے بہت دیر کر دی ہے، میری بے رخیوں کے ہجر موسموں میں وہ کسی کی ترسی ہوئی مگر پائیدار محبتوں کا اسیر ہو گیا، پتہ نہیں غلطی کس کی ہے، شاید میری ہے، انہیں کیوں دوش دوں کہ اگر دیانت داری سے سوچتی ہوں تو جتنا انتظار انہوں نے میرا کیا کوئی مرد کسی اور کا خاص طور پر اپنی بیوی کا نہیں کر سکتا۔)

''میرا خیال ہے بھائی اٹھ گئے ہیں، آؤ وہیں چلتے ہیں۔'' ضویا نے اس کی خاموشی سے عاجز ہو کر کہا اور پلٹ کر باہر چلی گئی، نومبر کی رخصت ہوتی شام تھی، دھوپ کی مرجھائی ہوئی سی کرنیں لان کے سرسبز فرش پہ اپنے پر سمیٹتے رخصت ہو رہی تھیں اور اسی دھوپ میں لان چیئرز میں سے ایک پہ بیٹھا طارق شیرازی اپنے رشتوں کے درمیان گھرا نارمل نظر آ رہا تھا، وہ دھیرے دھیرے چلتی اسی سمت آ گئی۔

''یہاں آ جاؤ بیٹا! تمہارے لاڈ پورے کرنے کا ارمان تو جو دل میں ہے سو ہے، مگر بہو کو بیٹے

کے ساتھ دیکھنا زیادہ اچھا لگتا ہے، طارق اب کے جاؤ تو بچی کو ساتھ ہی لے کر جانا تمہارے بغیر بولائی ہوئی سی پھرتی ہے۔'' اماں نے اسے طارق کے ساتھ موجود خالی کرسی پہ بٹھا دیا، ماہ نور نے نگاہ بھر کے دیکھا طارق شیرازی کا چہرہ ویسا ہی بے تاثر اور سپاٹ تھا۔

''اب کہاں جانا ہے اماں! میری پوسٹنگ ادھر ہی ہو جائے گی۔'' ماہ نور نے بہت چونک کر اسے دیکھا پھر سر جھکا کر ناخن سے میز کی سطح کھرچنے لگی۔

''کیا خیال ہے پھر منگنی کے ساتھ ہی شادی کی تاریخ نہ رکھ لی جائے، ضویا کے سسرال والے بھی شادی چاہ رہے ہیں لڑکا آ گیا ہے نا ولایت سے پڑھائی مکمل کر کے۔'' اماں پوچھ رہی تھیں وہ بے خیالی میں خاموش بیٹھی رہی اور یہ سارا وقت اپنوں کے درمیان گزار کر جب رات کے کھانے کے بعد طارق اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب گیا تو ماہ نور بھی مزید وہاں ٹھہر نہیں سکی اور اس کے پیچھے ہی چلی آئی، طارق ٹی وی آن کیے نیوز سن رہا تھا، ماہ نور صوفے پہ ٹک کر اسے یونہی دیکھنے لگی تھی کہ طارق نے اچانک گردن موڑ کر اسے دیکھا، وہ گڑبڑانے کی بجائے کھل کر مسکرائی۔

''یہاں آؤ۔'' طارق نے آہستگی سے پکارا تھا، ماہ نور کا دل زور سے دھڑکا اور ساری درماندگی جیسے سرخوشی اور سرشاری میں ڈھل گئی وہ جیسے پھولوں پہ پاؤں دھرتی اس کے پہلو میں آ گئی تھی۔

''میرا خیال ہے اب ہمارے درمیان ایسی کوئی وجہ اختلاف نہیں کہ یہ فاصلے برقرار رہیں۔'' وہ اتنی سنجیدگی سے گویا تھا کہ ماہ نور بس اسے دیکھتی رہ گئی، وہ ایک بار پھر اسے عظمتوں کی سربلندی پہ کھڑا محسوس ہوا جس نے اسے جھکانے کی بجائے خود سے پیش رفت کر دی تھی۔

''ماہ نور! میرا مقصد تم سے ہار تسلیم کروانا نہیں تھا، میں تو بس تمہاری رضامندی کا منتظر تھا، آئی ایم سیاری کہ تمہاری رضامندی کو پا کر بھی میں تمہاری طرف فوراً رجوع نہیں کر سکا، ایکچوئلی کچھ پرسنل قسم کی پرابلم تھیں۔'' وہ اس کی سنجیدگی کو برقرار رکھے گویا تھا، ماہ نور کا دل اس کے انداز و اطوار کو یکسر بدلا ہوا پا کر ایک دم سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

(میں کیسے اور کس سے کہوں کہ مجھے میرا وہی طارق لوٹاؤ، وہ طارق جو زندگی اور زندگی کے رنگوں سے بھرپور تھا جس کی قربتوں میں محبتوں کا تفاخر پوری شان سے اپنا احساس بخشتا تھا، وہ طارق جس کی دھڑکنوں میں شوریدہ سر دریاؤں کا سا جوش تھا، وہ طارق جس کے لمس میں کیف کی نئی دنیاؤں سے آگاہی تھی، وہ طارق جو چھو لیتا تھا تو وجود صندل بن کر دہک اٹھتا تھا، وہ مجھے مجھ سے چھین کر خود کون سے جہان میں گم ہو گیا۔)

''ایک بات پوچھوں طارق؟'' اس نے سر اونچا کر کے ڈرتے ڈرتے اسے دیکھا۔

''آج جب آپ گھر آئے تھے تو کیا ہوا تھا آپ کو؟''

''کیا ہوا تھا؟'' وہ بہت زور سے چونکا۔

''بہت ڈسٹرب تھے، کیا پریشے کہیں چلی گئی ہے اور...... اور جب وہ آپ سے محبت کرتی تھی تو پھر شادی سے انکار کیوں کیا؟'' معاً وہ طارق کی لہو رنگ آنکھوں کو دیکھ کر سہم سی گئی۔

''آج کے بعد اس موضوع پر کبھی بات مت کرنا ماہ نور!'' طارق کا لہجہ ایک دم سے بدل گیا، وہ کروٹ بدل کر رخ بھی پھیر گیا تھا، مگر ماہ نور کے اندر ایک ہیجان برپا ہونے لگا۔

''آپ کہہ رہے تھے اس نے میری وجہ سے قربانی دی اور آپ کو چھوڑ کر چلی گئی، کتنا ظلم کیا، اسے اگر آپ سے سچی محبت تھی تو اسے آپ کا خیال کرنا چاہیے تھا نا کہ میرا؟ میں جتنی بھی کم ظرف

ہوتی مگر بہرحال اس کا یا آپ کا کچھ بگاڑ تو نہیں سکتی تھی، طارق یہ ضروری تو نہیں کہ وہ صرف وہی آپ سے محبت کرے اور قربانی دے، محبت تو میں بھی آپ سے کرتی ہوں اور جس حالت میں آپ کو دیکھ چکی ہوں اس کے بعد تو فیصلہ کرنا ہی پڑے گا کہ آپ پریشے سے شادی کر لیں، مجھے بھی آپ کی خوشی آپ کے دکھ سے بڑھ کر عزیز ہے۔''

(وہ جان گئی تھی پریشے ہمیشہ کے لئے جا چکی ہے، وہ محض ایک داؤ کھیل رہی تھی، پریشے! اس نے دانت پیسے! معمولی اور حقیر لڑکی کسی بھی مقام پہ مجھ سے جیت جائے ایسا تو نہیں ہونا چاہیے، میں تمہیں طارق کے دل سے تو کیا سوچوں سے بھی نکال دوں گی، اس کی پور پور زہریلی ہو رہی تھی۔)

طارق نے اس کی سوچوں سے برعکس کسی کرب میں مبتلا ہو کر آنکھیں سختی سے بند کر لیں۔

''اب یہ ممکن نہیں وہ جا چکی ہے اب نہیں لوٹے گی۔'' اس کی آواز کچھ اور دھیمی کچھ اور بوجھل ہو گئی۔

''آپ کے لئے بھی نہیں؟ آپ اسے بتائیں کہ میں باخوشی آپ کو اس کے ساتھ شیئر کر سکتی ہوں، اگر اسے آپ سے محبت ہے تو آپ کے جذبات کی بھی قدر ہونی چاہیے۔'' ماہ نور کا لہجہ جتنا بھی معقول ہو مگر اس نے سوچ سمجھ کر ایسے بھڑکانے والے الفاظ کا چناؤ کیا تھا کہ طارق شیرازی بدگمانی میں مبتلا ہو سکے، طارق نے جواب نہیں دیا۔

(آئی ایم سیاری پریشے تمہارا ایثار اور خلوص سر آنکھوں پہ، مگر یہ بندہ اتنا اہم اور خاص ہے کہ اب میرے علاوہ کسی اور کے لئے تڑپے ماہ نور کی شدت پسند فطرت کو گوارا نہیں۔)

''میرے پاس اس کا کوئی بھی کانٹیکٹ نمبر نہیں ہے اور پلیز اب اس ٹاپک کو کلوز کر دو۔'' طارق نے کہا تھا اور تکیہ اٹھا کر منہ پہ رکھ لیا، ماہ نور کی پیشانی بھاپ چھوڑنے لگی۔

(تم ایک بار پھر مجھے اگنور کر رہے ہو اسی ڈائن کے سوگ میں، میں اسے اتنی بددعائیں دوں گی کہ کل کی مرتی آج مر جائے گی۔)

ماہ نور کی آنکھوں کے ساتھ دل بھی سلگنے لگا تھا۔

☆☆☆

سوہنی دے نخرے سوہنے لگدے مینوں
سوہنی نے نخرے سوہنے لگدے

شہریار اپنی دھن میں تھا ہاتھ میں رابیل کی ساڑھی کا پلو تھا لبوں پہ گنگناہٹیں مگر کمرے سے باہر آتے ہی داؤد حسن خاں کو روبرو پایا اور خفت سے سرخ پڑ گیا۔

''السلام وعلیکم داؤد بھائی!'' شرافت کے جامے میں لوٹتے وہ دونوں ہاتھ سینے پہ باندھ کر رابیل کے ساتھ آن کھڑا ہوا جو اسکن کلر کی جھلملاتی ہوئی ساڑھی میں نیچر کلر کی لپ اسٹک اور پرل کی جیولری پہنے ہوش اڑا دینے کی حد تک حسین لگ رہی تھی۔

''وعلیکم السلام کیسے ہو شہریار اور رابیل آپ بھی؟'' داؤد حسن خاں نے بڑی متانت اور فطری شائستگی سمیت جواب دے کر باری باری دونوں کو دیکھا بلکہ رابیل کے ایکدم ٹھٹکے ہوئے انداز کو بغور دیکھا۔

''فائن بالکل ٹھیک ٹھاک خوش باش! یونو بھائی جب سے رابیل سے لڑائیاں ختم ہوئی ہیں

اور گم صم تھا اور اس کی اس خاموشی سے ہر کسی نے اس کی عادت سمجھ کر سمجھوتہ کر لیا تھا۔

''ماموں پلیز آپ میرے ساتھ ہی رہیے۔'' وقاص نے اسی وقت اپنے پہلو سے اٹھتے داؤد حسن خاں کا ہاتھ سختی سے جکڑ کر سرگوشی کی تو داؤد حسن خاں اس کی بچگانہ حرکت پہ مسکرائے بنا نہیں رہ سکے، صوحا کو فاروق کے مقابل بٹھانے کے بعد جس پل رابیل نے زوحا کو سہارا دے کر وقاص کے پہلو میں بٹھایا وقاص ایک بار پھر اپنے دل میں سر اٹھاتی بغاوت کو محسوس کر کے خوفزدہ سا ہونے لگا۔

''چلیں جی بسم اللہ کریں، فاروق صاحب آپ بڑے ہیں۔'' شہریار نے ہینڈی کیم سنبھالا ہوا تھا اور ان لمحات کو عکس بند کر رہا تھا اس مصروفیت کے عالم میں بھی آواز کی چہکار مزاج کی شوخی کا وہی رنگ ڈھنگ تھا۔

''افوہ بیوی تم تو آگے سے ہٹو، یہاں آ جاؤ میرے پہلو میں ریلیکس رہوں گا۔'' زوحا کا دوپٹہ درست کرتی رابیل کو بازو سے پکڑ کر شہریار نے اپنے مقابل کھینچا تو اس کی شرارت پہ سبھی کے لبوں کی تراش میں مسکراہٹ بکھر گئی۔

''اجازت ہے سائرہ؟'' تائی اماں کے استفسار پہ ماما مسکرا دیں۔

''جی بالکل! بسم اللہ کریں۔''

پہلے فاروق نے صوحا کو رنگ پہنائی تھی۔

''بھائی مجھے اس موقع پہ جھاڑنے کے لئے کوئی دھانسو قسم کا ڈائیلاگ تو بتائیں تاکہ خوب اچھا تاثر قائم ہو سکے۔'' فاروق نے طارق کی سمت جھک کر سرگوشی کی وہ پہلے ہونق ہوا پھر اسے بے دریغ گھورا۔

صوحا نے کانپتے ہاتھوں سے فاروق کو انگوٹھی پہنائی تھی، فاروق کا ارادہ تو تھا اسے چھیڑنے ستانے کا مگر اس کی نازک سی جان کو یوں کنفیوزڈ دیکھ کر یہ پروگرام پھر کسی اچھے وقت کے لئے اٹھا کر رکھ لیا۔

''یہ لیجئے جناب اور ذرا چہرے کے زاویئے ٹھیک کریں۔'' نگین نے آپنے پرس سے دل شیپ میرون کلر کا خوبصورت ننھا سا رنگ کیس نکال کر وقاص کی مٹھی میں دبایا اور گھرکنے کے انداز میں کہا، وقاص نے ایک نگاہ اس کے خفا خفا سے چہرے پہ ڈالی تھی اور گہرا سانس کھینچ کر کیس کھول لیا، وائیٹ گولڈ کی ننھے سے ڈائمنڈ سے سجی جگر جگر چمکتی رنگ جو بالخصوص داؤد حسن خاں نے اسی مقصد کے لئے دوبئی میں مقیم اپنے دوست سے منگوائی تھی، بھلا وہ اتنی بے پایاں اور انمول محبتوں کا قرض چکا سکتا تھا، اس نے ایک محتاط نگاہ زوحا کے چہرے پہ ڈالی اور رنگ اپنے ہاتھ میں لے کر اپنا ہاتھ اس کی سمت پھیلایا، ہمیشہ کی بولڈ اور پراعتماد زوحا پہ اس پل فطری جھجک گریز اور خوف کا غلبہ تھا اس نے بہت آہستگی سے اپنا دھیرے دھیرے کپکپاتا نازک ہاتھ اس کی چوڑی شفاف ہتھیلی پر رکھ دیا، وقاص ذرا سا جھک کر رنگ پہنانے لگا تھا جب شہریار کو اچانک شرارت سوجھ گئی تھی۔

تیرے ہاتھ میں میرا ہاتھ ہو
ساری جنتیں میرے ساتھ ہوں
تو جو ساتھ ہو پھر کیا یہ جہاں
تیرے پیار میں ہو جاؤں فنا!

''کبھی تم بھی اس قسم کی ایکٹویٹی میں میرا ساتھ دے لیا کرو۔'' اس نے گنگنانے کا سلسلہ موقوف کر کے رابیل کو گھر کا۔

''جی نہیں شکریہ، آپ کو ہی مبارک ہوں یہ فضولیات۔'' رابیل نے نخوت سے ناک سکوڑا تو شہریار نے غصے سے اسے گھورا۔

''اطلاعاً عرض ہے میں یہ تمہارے لئے نہیں وقاص کے لئے گا رہا ہوں۔'' اس نے جیسے بدلا چکایا۔

''ڈونٹ مائنڈ اٹ!'' رابیل نے کاندھے جھٹک دیئے۔

تو جو ساتھ ہو پھر کیا یہ جہاں
تیرے پیار میں ہو جاؤں فنا
تیرے ہاتھ میں میرا ہاتھ ہو
ساری جنتیں میرے ساتھ ہوں

فاروق نے بڑے جذب سے سر اٹھایا تو شہریار نے بڑی مشکور نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''یہ آپ ہمارے لئے گا رہے تھے؟'' شہریار کی معصومیت کے مظاہرے پہ فاروق گڑبڑا اٹھا۔

''یار کیوں امیج خراب کرتے ہو؟'' صوحا پہ ایک نگاہ ڈال کر اس نے مسکیت سے کہا تھا۔

''ہاں جیسے میں نے ابھی کر لیا۔'' شہریار نے ترچھی نگاہ رابیل پہ ڈالی جو ماہ نور سے محو گفتگو تھی۔

''یار یہ بیویاں بڑی گھنی ہوتی ہیں، سب کچھ جانتی اور سمجھتی ہیں، مگر اظہار کے معاملے میں بہت بخیل ثابت ہوتی ہیں۔'' شہریار نے اپنا دکھڑا رو دیا۔

''نہیں شہری! صنف نازک کا یہ انداز بخیل نہیں شرم و حیا کہلاتا ہے اور یہ وہ خوبصورت ردا ہے جس کے بنا عورت اپنا سارا حسن گہنا دیتی ہے۔'' طارق نے بہت سنجیدگی و متانت سمیت اختلاف کیا، ماہ نور نے بہت چونک کر اسے دیکھا صد شکر کہ اس کی چپ تو ٹوٹی تھی۔

(یہ سب کچھ تو میرے پاس بھی ہے طارق! مگر شاید پریشے کی نسبت بہت کم اور تمہیں تو بس وہی اچھی لگنے لگی ہے اب اس کا رنگ اتنا گہرا چڑھا ہے تم پہ کہ اب کچھ اور تمہیں جچتا ہی نہیں۔)

''آئی اگری ود یو بھائی! میں تو یونہی مذاق کر رہا تھا۔'' شہریار نے مسکراہٹ سمیت جواب دیا۔

''آپ بھی سوچ رہے ہوں گے وقاص اس ساری شرم و حیا اور نسوانی وقار رکھنے والی نفیس خواتین میں سے آپ کے پلے بندھنے والی کہیں بے حجاب لڑکی ہے، ہے نا؟''

سب کی باتیں بے دھیانی میں سنتا وقاص زوحا کی سرگوشیانہ آواز پہ چونک کے متوجہ ہوا۔

''میں بولڈ اور کونفیڈ ضرور ہوں مگر بے باک بے شرم اور بے حجاب نہیں ہوں، ہاں اپنی فیملی اور اپنے معاشرے کی دیگر لڑکیوں کی نسبت میں نے کچھ بولڈنیس کا مظاہرہ ضرور کیا ہے تو اس کی وجہ بھی آپ تھے کہ میں نے آپ کو سمجھا تھا جانا تھا تو یہ بھی جان لیا تھا آپ کو اس گرداب اور حصار سے نکالنے کو اپنے مخصوص شرم و حیا کو چھوڑنا پڑنا تھا، پہلے پہل زبان شرارت میں پھسلی پھر آپ کے

حالات سے واقفیت کے بعد ہمدردی میں اور اس کے بعد محبت کی مجبوری اور بے بسی میں جانے کیوں میرے اندر ادراک کے یہ در وا ہوئے تھے کہ اگر میں بھی خاموش اور دبکی ہوئی رہی تو آپ کو ہمیشہ کے لئے کھو دوں گی اور یہی خسارہ مجھے منظور نہیں تھا۔" وہ رک رک کر اٹک اٹک کر کہہ رہی تھی اور اپنے پندار کی حفاظت کرتی ہوئی وہ نازک سی لڑکی وقاص کو پہلی بار اپنی اپنی سی محسوس ہوئی تو لبوں پہ ایک دل آویز سی مسکان بکھر گئی اور یہ اس دوران اس کے ہونٹوں پہ اترنے والی پہلی مسکراہٹ تھی جسے نگین نے دیکھا تھا اور اندر تک کھل اٹھی، جبکہ اس کی خاموشی پہ زوحا کے دل پہ پڑا بوجھ کچھ اور بھی گہرا ہو گیا تھا۔

"کیا تھا جو یہ شخص ذرا سی میری ہاں میں ہاں ملا دیتا۔"

"آپ مسکرائے کیوں؟ میرا مذاق اڑا رہے ہیں؟" وہ جھنجلائی ہی نہیں تھی روہانسی بھی ہو گئی، وقاص کے ہونٹوں کے ساتھ آنکھیں بھی مسکرا اٹھیں۔

"بخدا غلط مت سمجھیں میں اس گستاخی کا مرتکب نہیں ہو سکتا، بس مجھے اپنے وضاحتیں دے کر ہلکان ہوتی مامی کا انتخاب کی یہ لڑکی پہلی بار دل کے نزدیک محسوس ہوئی ہے، امید واثق کہ یہ فیصلہ بہر حال میرے لئے خوشگوار ثابت ہوگا انشاء اللہ۔" وہ خفیف سی شرارت اور شوخی سے کہہ رہا تھا اور منہ کھول کر اس کی بات سنتی ہوئی زوحا اتنا جھینپی کہ کھسیاہٹ مٹانے کو اس کے بازو پہ ایک مکا دے مارا تھا اس کی اس حرکت پہ آس پاس موجود لوگ چونکے تھے اور پھر مسکرا دیئے تھے کہ انہیں پہلے کی کثافت اور بعد کی خوبصورتی کا اندازہ نہیں تھا مگر داؤد حسن خاں اور نگین کی آنکھوں میں وقاص کی شفاف مسکراہٹ اور زوحا کے چہرے کے شرمیلا تاثر خوشی اور جوش جگا گیا تھا وہ سب سے خاص اور اہم تھا اسی تاثر کو دیکھتے ہوئے وقاص نے اپنے دل میں جھانکا تھا جہاں رابیل کا مسکراتا چہرہ اسی آب و تاب سے روشن تھا وہ جیسے تھک سا گیا پھر صوفے کی بیک سے ٹیکا اور لبوں میں بڑبڑایا۔

اس کی مٹھی میں بہت دیر رہا میرا وجود
میرے ساحر سے کہو اب مجھے آزاد کرے

اس التجا آمیز خواہش کو دہراتے ہوئے اس کا دل بھرا سا گیا تھا۔

☆☆☆

نند ہماری پارلر جاتیں میینا نندویا
میں بیچاری شاپنگ جاؤں بچے پالیں میاں
سروتا کہاں بھول آئے اچھے نندویا!
سروتا کہاں بھول آئے

حویلی کے بڑے کمرے میں سب موجود تھے ڈھولک پہ تھاپ نگین دے رہی تھی جبکہ گانے کو رابیل میدان میں اتری تھی آج اس کا رنگ ڈھنگ ہی الگ تھا، اس کے نشانے پہ ماہ نور اور طارق تھے جہاں سب کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ بکھری شہریار کا منہ لٹک گیا۔

"اس سارے قصے میں غریب اور مسکین بنانے کو تمہیں میں ہی ملا تھا بس مک گئی گل یہ گانا نہیں گا سکتیں تم لوگ۔" شہریار نے باقاعدہ برا مناتے ہوئے ڈھولک گھسیٹ لی رابیل نے سخت احتجاج کیا جس میں مما سے شکایت لگانا سرفہرست ٹھہرا یہی وجہ تھی کہ رابیل کی حمایت کی گئی۔

"افوہ بھئی شہری غلط نہیں کہہ رہا کچھ اور گا لیں، اس سانگ میں تو غالباً سب کی درگت بنے گی۔" داؤد حسن خاں نے جب شہری کا ساتھ دیا تو رابیل ایکدم ٹھنڈی پڑ گئی۔

"پھر اب اور کیا گائیں؟" رابیل نے یوں اس مسئلے کو اٹھایا گویا بے حد اہم ہو۔

"گیندا پھول گائیں نا پلیز!" یہ فرمائش عینا کی طرف سے اٹھی تھی اور محفل میں گویا جان پڑ گئی بلاشبہ یہ گانا تو سب کا پسندیدہ تھا اور اس موقع پہ بالکل ذہن سے دور تھا، رابیل کے ساتھ نگین اور ماہ نور نے بھی اس ہیلپ پہ تشکرانہ نگاہوں سے اسے دیکھا تھا اور اگلے ہی لمحے اسی گانے کی تان اڑنے لگی۔

میاں چھیڑ دیوے نند چٹکی لیوے سسرال گیندا پھول
ساس گالی دیوے دیور سمجھا لیوے سسرال گیندا پھول
چھوڑا بابل کا انگنا بھاوے ڈیرا پیا کا ہو

سب سے زیادہ خوش عینا ہی ہوئی تھی چوڑیوں سے بھری کلائیوں سے تالیاں بجاتی وہ مسلسل مسکرائے جا رہی تھی جب رابیل کو شرارت سوجھ گئی تھی، وہ ماہ نور کی سمت جھکی تھی۔

"ویسے یہ گانا مجھے نہیں تمہیں گانا چاہیے تمہارے حالات کے موافق ہے۔" ماہ نور جو اپنے دھیان میں تھی اسی چھیڑ خانی پہ ایک رنگ آ کے گزر گیا، نگاہ بے ساختہ طارق شیرازی سے جا ملی جو اپنے ساتھ بیٹھے شہریار کی کسی بات کا جواب دیتا اس کی جانب سرے سے متوجہ نہ تھا، مگر اس کی توجہ کے تمام ارتکاز اس کی ذات کے گرد دیوانہ وار چکراتے تھے وہ ایک بار پھر اسے دیکھتے ہوئے ماحول سے کٹنے لگی تھی جبکہ نگین پوری ترنگ میں گا رہی تھی۔

میاں ہمیا بیوپاری چلے ہیں پردیس
صورتیا نہارو جیانہ بھاری ہووے
سسرال گیندا پھول
چھوڑا بابل کا انگنا بھاوے
ڈیرا پیا کا ہو
ساس گالی دیوے دیور جی سمجھا دیوے
سسرال گیندا پھول

اس کی نگاہ میں کچھ ایسی لپک ایسی شدت تھی کہ شہریار کی سمت متوجہ طارق شیرازی کی نگاہ لاشعوری طور پہ اس کی سمت اٹھی، گو کہ یہ نگاہ سرسری انداز لئے تھی مگر ماہ نور کے چونکا دینے والے انداز پہ وہ اگلے ثانیے حیرت سمو لائی تھی، طارق کچھ تحیر کچھ استعجاب سے یونہی اس کی سمت دیکھتا رہا جبکہ ماہ نور جانے کس زعم کس تفاخر میں ڈوب کر مسکرائی اور اپنی آواز رابیل اور نگین کے آواز کے ساتھ ملا دی، جو دل کے بھی ہم آہنگ تھی۔

بشرٹ پہنے کھائی کے بیڑا پان
پورے رے پور سے الگ ہے پیا جی کی شان
سسرال گیند پھول
ساس گالی دیوے دیور جی سمجھا لیوے

سسرال گیندا پھول

چھوڑا بابل کا انگنا بھاوے ڈیرا پیا کا ہو
چھوڑا بابل کا انگنا بھاوے ڈیرا پیا کا ہو
چھوڑا بابل کا انگنا بھاوے ڈیرا پیا کا ہو
چھوڑا بابل کا انگنا بھاوے ڈیرا پیا کا ہو

ماہ نور اسی ایک بول پہ اٹک گئی تھی، جبکہ تمکین اور رابیل کی تان بھی خراب ہوئی جبھی دونوں نے رک کر پھر گھور کر اسے دیکھا مگر وہ حواسوں میں کہاں تھی طارق پہ کچھ جتانے کچھ سمجھانے کا ایک جنون سوار تھا، محسوس تو طارق نے بھی کیا مگر کمال بے نیازی سے ایک بار پھر طرح دے گیا مگر تمکین نے اسے باقاعدہ کہنی مار کر ہوش میں لانے کی کوشش کی تھی۔

''بھئی کیا مسئلہ ہے، سب جانتے ہیں تمہیں پیا کا ڈیرا بھاوے ہے مگر یوں ریپیٹ کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟'' ماہ نور چونکی تو شرمندہ ہو کر نظریں چرانے لگی فاروق کو مصنوعی کھانسی کا دورہ سا پڑ گیا ظاہر ہے اس پہ کسی نے توجہ دینی تھی سب سمجھ رہے تھے وہ مذاق کر رہا ہے۔

''طارق بھائی سامنے بیٹھے ہیں ڈائریکٹ بات کرو نا ان سے گانے والے کا سہارا لینے کی کیا ضرورت ہے۔'' تمکین کے انداز میں مزاح کا رنگ تھا وہ صورتحال سے لاعلم تھی اور ماہ نور کو ہی محتاط ہونا تھا۔

''چلو یہ گانا تو ختم ہوا کچھ اور گائیں اچھا سا۔'' رابیل نے جلدی سے بات کا رخ موڑا۔

''جی بالکل اور میرا خیال ہے اب میں آپ کو گانا سنا دوں تب سے خاموش بیٹھے بیٹھے میرے ہونٹ آپس میں یوں چپک گئے ہیں جیسے ایلفی سے جڑے ہوں۔'' فاروق کے کہنے پہ مدھر ہنسی کی جھنکار یہاں وہاں بکھر گئی تو گویا فاروق کو بھی حوصلہ ملا اور اس نے فوراً گانے کی پوزیشن لے لی۔

فلک تک چل ساتھ میرے فلک تک ساتھ چل
فلک تک چل ساتھ میرے فلک تک چل ساتھ چل
یہ بادل کی چادر یہ تاروں کے آنچل
میں چھپ جائیں ہم پل دو پل
فلک تک چل ساتھ میرے فلک تک چل ساتھ چل

فاروق نے گاتے ہوئے ترنگ میں آ کر صوحا کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا صوحا پہلے چونکی پھر جھینپ کر سرعت سے اپنا ہاتھ گود میں چھپا لیا، فاروق کے چہرے پہ کھسیاہٹ چھا گئی جبکہ باقی سب زور زور سے ہنس پڑے تھے۔

''کاکے تو ابھی بچہ ہے، مطلب رومینس کے معاملے میں اوپر سے کڑی بھی مشرقی۔'' وقاص نے اس کی جانب جھک کر سرگوشی کی تو فاروق اپنی خفت بھلا کر اس خاموش گم صم رہنے والے وقاص کی برجستگی پر حیرت آمیز خوشگواری کے احساس میں گھر کر مسکرا کے اسے دیکھنے لگا تھا، جس نے زندگی کی جانب قدم بڑھا دیئے تھے۔

''آپ بھی گائیے نا۔'' وقاص اس کی نرم لو دیتی نگاہوں کے تاثر سے آہستگی سے مسکرایا۔

''مجھے نہیں آتا بس، البتہ طارق بھائی سے گوایئے۔'' فاروق نے گویا اپنی بلا طارق کے سر ڈالی جس نے طارق کو بوکھلا ڈالا۔

''نندوئی صاحب تو لگتا ہے سردتا نہیں مسکراہٹ ہنسی اور اپنی شگفتہ کلامی بھی کہیں بھول آئے ہیں، کیوں طارق طبیعت ٹھیک ہے نا؟'' داؤد حسن خاں جو تب سے اس کا جائزہ لے رہے تھے سوال کیا طارق ایکدم سب کی توجہ کا مرکز بنا تو کس قدر سٹپٹا گیا۔

''نو داؤد بھائی! ایسی بات تو نہیں ہے۔''

''اگر ایسی بات نہیں ہے تو پھر ہمیں گانا سنائیں سنا ہے کچھ عرصے قبل ہر رنگ و بو کی محفل میں جب تک آپ کی آواز کا جادو نہیں جاگتا تھا وہ ادھوری ٹھہرتی تھی۔'' شہر یار نے اس پہ گرفت کی تو فاروق نے پر زور انداز میں ہاں میں ہاں ملائی اور پھر ہر طرف سے کچھ ایسا اصرار بڑھا کہ طارق انکار کرنے کی پوزیشن میں ہی نہ رہا، جبکہ اس کا دل و دماغ مکمل طور پہ اس کام کے لئے آمادہ نہیں تھے، یہ دل کی خوشی کا نام تھا اور دل کی خوشی ہی اس سے روٹھ گئی تھی، شہر یار جانے کہاں سے ایک گٹار دریافت کر لایا تھا اور خود طبلہ سنبھال کر بیٹھ گیا تھا۔

''گائیے پلیز!'' شہر یار نے ڈھولک پہ تھاپ دی تب طارق نے مرے مرے انداز میں گٹار کی سمت ہاتھ بڑھایا، کتنی ہی متبسم اور شوخ نگاہوں نے بیک وقت اسے اور ماہ نور کو نگاہوں کی گرفت میں لیا، مگر وہ غافل سے انداز میں بیٹھا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہیں؟'' فاروق نے ٹہوکا دیا۔

''کیا گاؤں؟'' وہ عجب بے چارگی سے بولا۔

''یہ بھی پوچھنے کی بات ہے، اپنی جان جہاں کا تصور کریں اور جو منہ میں آتا ہے گنگنا دیں۔'' فاروق کا مشورہ مفت تھا۔

''چاہے گالیاں ہی ہوں۔'' شہر یار کھی کھی کرنے لگا۔

''اونہیں گالیاں ہی ہوں، خراج تحسین ہوگا۔'' فاروق نے برا منایا اور طارق نے آنکھیں موند لیں، پر شکوے کا شبیہ ٹھہرا نگاہوں تلے آن سمایا، ان گنت بے شمار روپ تھے، وہ جیسے ماحول سے کٹنے لگا اور دل کی خواہشیں حسرت اور بے قراری کو لفظوں کا روپ پہنا دیا۔

تاکتے رہتے تجھ کو سانجھ سویرے
نینوں میں بسیاں جیسے نین یہ تیرے
تاکتے رہتے تجھ کو سانجھ سویرے
نینوں میں بسیاں جیسے نین یہ تیرے
تیرے مست مست دو نین
میرے دل کا لے گئے چین
میرے دل کا لے گئے چین
تیرے مست مست دو نین

اس کی آواز کا لوچ اس کا سوز اور رچاؤ دلوں پہ اثر انداز ہوتا تھا، پورے ماحول پہ ایک گہرا سناٹا چھا گیا بس اس کی آواز تھی جس کا ردھم دل کی دھڑکن کے سنگ بڑھتا محسوس ہوتا تھا۔

پہلے پہل تجھے دیکھا تو دل میرا دھڑکا
ہائے دھڑکا دھڑکا ہائے ہو

پہلے پہل تجھے دیکھا تو دل میرا دھڑکا
ہائے دھڑکا دھڑکا ہائے ہو
جل جل اٹھا ہوں میں شعلہ جو پیار کا
بھڑکا بھڑکا ہائے بھڑکا بھڑکا ہائے
نیندوں میں گھل گئے ہیں سپنے جو تیرے
بدلے سے لگ رہے ہیں انداز یہ میرے
بدلے سے لگ رہے ہیں انداز یہ میرے
تیرے مست مست دو نین
میرے دل کا لے گئے چین
میرے دل کا لے گئے چین
تیرے مست مست دو نین

ماہ نور نے ایک بار نہیں متعدد بار اسے دیکھا تھا مگر وہ جیسے وہاں تھا ہی نہیں، بند آنکھیں شدت ضبط سے سرخ ہوتا چہرا اس کا دل لمحے کے ہزارویں حصے میں جان گیا تھا کہ آج کی محفل میں طارق کے دل کی کسی پکار میں اس کا حصہ کہیں بھی نہیں تھا، مگر اس نقصان پہ وہ جتنا بھی مضطرب ہوتی وہ کم تھا وہ گم صم بیٹھی اسے یک ٹک دیکھے گئی تھی۔

ماہی بے آب سا دل
یہ بے تاب سا تڑپا تڑپا جائے
ماہی بے آب سا دل
یہ بے تاب سا تڑپا تڑپا جائے
نینوں کی جھیل میں اترا تھا دل
یوں ہی ڈوبا جائے ڈوبا ڈوبا جائے
ہوش و حواس اب تو کھونے لگے ہیں
ہم بھی دیوانے تیرے ہونے لگے ہیں
ہم بھی دیوانے تیرے ہونے لگے ہیں
ہم بھی دیوانے تیرے ہونے لگے ہیں
تیرے مست مست دو نین
میرے دل کا لے گئے چین
میرے دل کا لے گئے چین
تیرے مست مست دو نین
تاکتے رہتے تجھ کو سانج سویرے
نینوں میں بسیاں جیسے نین یہ تیرے
نینوں میں بسیاں جیسے نین یہ تیرے
تیرے مست مست دو نین

اس نے محسوس کیا اس کی آواز بھرا گئی تھی جبھی خاموش ہوتے ہونٹ بھینچ لئے، نگاہ اٹھائے بغیر بھی وہ ماہ نور کی پرتپش سلگتی نگاہوں کو اپنے چہرے پہ ٹھہرا محسوس کر کے بھی بے نیاز بن گیا، حالانکہ ان نگاہوں کی بے قراری اور شدتوں کو نظر انداز کرنا آسان نہیں تھا مگر ساری بات تو دل کے موسم کی ہوا کرتی ہے، وجود پہ اسی کی حکمرانی چلتی ہے، ماہ نور کو احساس بھی شاید نہ ہو وہ اپنے مقام سے کتنا ہٹ گئی تھی وہ اس جگہ پہ آ گئی تھی جہاں کبھی ماضی میں طارق شیرازی کھڑا تھا اب وہ ویسے ہی طارق کے پیچھے دوڑ رہی تھی جیسے کبھی وہ اس کی جانب دوڑتا تھا، اس کشمکش میں جو طارق نے پایا تھا وہی اب شاید اس کا مقدر تھا جیت مگر ہار کے لبادے میں لپٹی ہوئی وقت بتا کر مل بھی جائے تو نہ خوشی دیتی ہے نہ سکون طارق اس احساس کو پا چکا تھا وہ نادان تھی ابھی آگاہ نہ تھی اپنے حسن کے زعم میں تھی نہیں جانتی تھی عشق کے پیچ و خم میں اگر حسن ہی سب کچھ ہوتا تو لیلیٰ کی خاطر مجنوں کیوں دیوانہ ہو جاتا۔

اساں جان کے میٹ لئی اکھ وے
جھوٹی موٹی دا پا لیا ای ککھ وے
توں ساڈے دل تک سجناں
توں ساڈے دل تک سجناں

ڈھولک پہ ایک نیا گیت الاپا جا رہا تھا اور بے خیال سے بیٹھے طارق نے گانے کے ان بولوں پہ چونک کر سامنے دیکھا ماہ نور بھی ساتھ آواز ملا رہی تھی توجہ کے تمام ارتکاز طارق کی سمت تھے اور طارق شیرازی کی نگاہوں میں درانی ہاؤس میں بیتا وہ سنہرا پل آن سمایا جب پریشے کو طارق کی موجودگی میں لطیف پیرائے میں چھیڑتے ہوئے سونیا نے یہ گیت گنگنایا تھا اور پریشے کے صبیح چہرے پہ حیا کے رنگوں نے قوس و قزح بکھیر دی تھی اور طارق شیرازی کو پریشے کے چہرے پہ چھلکنے والی حیا کے یہ حسین رنگ کتنے انوکھے لئے نکور اور دلکش محسوس ہوتے تھے اس کا دل یکا یک گھبرانے لگا وہ اٹھا اور سرعت سے اس رنگ و روشنی کے حصار سے نکل گیا، گانے میں ان سب کا ساتھ نبھاتی ماہ نور کی آواز مدھم ہوتے بالکل بند ہو گئی۔

(کب تک بھاگو گے طارق شیرازی! دیکھنا بہت جلد تمہیں لائن پہ لے آؤں گی، مجھے وہی طارق شیرازی چاہیے جو صرف ماہ نور کو دیکھ کر جیتا تھا۔) وہ سلگتی ہوئی ایک بار پھر شدت پسندی اور خود غرضی سے سوچ رہی تھی۔

حالانکہ ہمیشہ وہ نہیں ہوتا جو سوچا جائے یا چاہا جائے اور اتنے زعم سے سوچی گئی سوچیں تو ویسے بھی تکبر میں شمار ہوتی ہیں اور عموماً اس تکبر کو جتلانے کو منہ پہ مار دی جاتی ہیں، کبھی اس نے کہا تھا کسی اور کو دیکھ کر تو دیکھو میں ایک حشر اٹھا دوں گی، وہی طارق آج کسی اور کی محبت میں عاجز و بے بس تھا مگر ماہ نور اپنی کہی بات کے مطابق حشر اٹھانے قیامت لانے سے قاصر رہی تھی اور سلگتی تھی لمحہ بہ لمحہ اب تک نہ جانتی تھی یہی غلطی ہے یہی غلط روش ہمیں اپنے اعمال کو ہی نہیں اپنی سوچوں کو بھی سدھارنا ہے جبھی تو ایک مثالی انسان ایک مثالی معاشرہ وجود میں آ سکتا ہے۔

☆☆☆

چلو اس کوہ پہ ہم بھی چڑھ جائیں

جہاں جا کے پھر کوئی کبھی واپس نہیں آتا
سنا ہے اک ندائے اجنبی بانہوں کو پھیلائے
جو آئے اس کا استقبال کرتی ہے
اسے تاریکیوں میں لے کے آخر ڈوب جاتی ہے
یہی وہ راستہ ہے جس پہ سایہ بھی نہیں جاتا
جہاں پہ جا کے پھر کوئی کبھی واپس نہیں آتا
جو سچ پوچھو تو ہم تم زندگی پھر ہارتے آئے
ہمیشہ بے یقینی کے خطر سے کانپتے آئے
ہمیشہ خوف کے پیراہنوں سے اپنا پیکر ڈھانپتے آئے
ہمیشہ دوسروں کے سائے میں اک دوسرے کو چاہتے آئے
برا کیا ہے اگر اس کوہ کے دامن میں چھپ جائیں
جہاں پر جا کے پھر کوئی کبھی واپس نہیں آتا
کہاں تک اپنے بوسیدہ بدن محفوظ رکھیں گے
کسی کے ناخنوں کا ہی مقدر جاگ لینے دو
کہاں تک سانس کی ڈوری سے رشتے جھوٹ کے باندھیں
کسی کے پنجۂ دردی سے ٹوٹ جانے دو
پھر اس کے بعد تو اک سکوت مستقل ہوگا
نہ کوئی سرخرو ہوگا نہ کوئی متقفل ہوگا

کھڑکی کی سلائیڈ کھولے پردے باہر پھیلی گھور رات اور فضا میں تیرتے غبار کو دھندلاتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی، پچھلے دو دنوں سے اس کی طبیعت بہت خراب تھی، بہت درد سہا تھا اس نے اور اس لا انتہا ہی درد سے لڑ کر وہ ایک بار پھر سے موت سے جیت گئی تھی، کچھ نا ہمت کی بات یا پھر ابھی کچھ سانس باقی تھے جنہیں پورا کرنا تھا، یہ احساس اور بھی اذیت انگیز تھا کہ اس کی ہر کراہ پہ سات سمندر پار طارق شیرازی کا دل مضطرب تھا اور اضطراب اور بے کلی سمیٹ لاتا تھا، یہ کیسے تعلق کیسے ان دیکھے بندھن میں باندھ آئی تھی وہ اسے جو محسوس کرنے کے لئے ہی تھا اور جان جلاتا تھا، اسے آپریشن سے ڈر لگتا تھا، وہ آپریشن سے بچنا چاہتی تھی، جبکہ ڈاکٹرز کے خیال کے مطابق آپریشن ناگزیر تھا، آپریشن کے بعد وہ اپنی بیماری سے لڑنے کی طاقت حاصل کر سکتی تھی، زندگی کے باقی بچے جانے والے دن اس اذیت کے ساتھ نہیں گزریں گے اور سالار درانی اسے تکلیف میں ہی تو نہیں دیکھ سکتے تھے، وہ اچھی طرح سے جانتی تھی اسے تکلیف میں مبتلا دیکھنا ان کی کڑی آزمائش تھی، جبھی اس نے منع نہیں کیا، اپنا خدشہ ان سے نہیں کہا وہی خدشہ کہ اسے لگتا اس کا کمزور اعصابی نظام آپریشن کا کڑا امتحان سہہ نہیں پائے گا اور اسی کے مرض میں مبتلا بیشتر مریضوں کی طرح دوران آپریشن ہی زندگی کی جنگ ہار دے گی، کل اس کا آپریشن تھا، آج کے دن اس نے اپنے سب اہم کام نپٹانے تھے، پاپا سے دل کی ساری باتیں کی تھیں، ابھی عشاء کی نماز سے فراغت کے بعد کلام پاک کی تلاوت کی تو دوران تلاوت اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں یہ خیال کہ ہر وہ کام

جو وہ سرانجام دے رہی ہے زندگی میں آخری بار کر رہی ہے بہت کٹھن بہت اذیت انگیز تھا، طارق کی یاد الگ اس کا دل مسلتی رہی تھی، اس نے کھڑکی بند کی اور پلٹ کر دراز سے ایک صندلی چھوٹا سا منقش بکس نکالا اور اسے کسی قیمتی متاع کی طرح سنبھالے بیڈ پہ آن بیٹھی، ٹیوب لائٹس کی جگمگاتی روشنیوں میں باکس کا لاک کھولتے اس کی کمزور نحیف انگلیوں میں لرزش در آئی اور پھر باکس کھل گیا تھا اور قیمتی متاع اس کے سامنے بیڈ پر بکھر گئی۔

چند استعمال شدہ سگریٹ کے پیس، ایک خالی سگریٹ کیس وہی سن گلاسز جو اس نے ائیر پورٹ پر رخصت ہوتے خود طارق سے لئے تھے اور اس کے علاوہ ایک لائیٹر اور خوبصورت پوائنٹر، یہ سب چیزیں طارق کے استعمال میں رہ چکی تھیں جو اس نے مختلف اوقات کے لمحات میں وہ سمیٹ پائی تھی، سگریٹ کے پیس اور خالی کیس طارق کی توجہ کا کیا مرکز ہوتے، پوائنٹر وہ اس وقت بے خیالی میں وہاں چھوڑ گیا تھا، جب سونیا کی فرمائش پہ طارق نے پہلی مرتبہ اسے اپنا سیل نمبر دیا تھا اور لائیٹر شاید قابل استعمال نہیں رہا تھا جبھی طارق نے سگریٹ سلگا لینے کے بعد اسے وہیں ڈسٹ بن میں پھینک دیا تھا، وہ پرپیشے تھی جس نے اس کے لمس سمیٹنے والے سگریٹ کے ٹکڑوں کو بھی متاع جاں کی طرح سینے سے لگایا تھا اس انمول خزانے کو وہاں کیسے پڑا رہنے دیتی۔

کمرے کی بے جان دیواروں نے ایک حسرت ناک منظر دیکھا وہ ان معمولی اور بے کار چیزوں کو اٹھا کر باری باری چومتی جاتی تھی اور بلک بلک کر روتی جاتی تھی، کتنا وقت بیت گیا اسے اسی وحشت میں گھرے پھر اس نے خود کو سنبھالا تھا اور ساری چیزیں سمیٹ کر اس بکس میں بند کر کے رکھی تھیں، پھر اس نے سیل فون اٹھا کر کچھ نمبر پش کیے فون سیٹ کی اسکرین پہ طارق شیرازی کا دلکش نقوش اور سحر آفرین مسکان سے سجا روشن چہرا نمودار ہوا تھا جسے اس نے چھلکتی آنکھوں کی نمی صاف کر کے بہت حسرت و یاس سے بہت دیر تک دیکھا تھا یہاں تک کہ اس کی آنکھیں ٹپ ٹپ برسنے لگیں تھیں، اس نے تھک کر آنکھیں موند لیں اور زیر لب آیۃ الکرسی کا ورد کرنے لگی، وہ کھویا ہوا سکون جو ہر جگہ تلاش کر کے بھی نہیں ملا تھا، اللہ کے ذکر میں پوشیدہ تھا وہ دھیرے دھیرے سہی پر سکون ہونے لگی تھی۔

☆☆☆

تم میرے ساتھ رہو
میرے قاتل میرے دلدار میرے ساتھ رہو
جس گھڑی رات چلے
آسمانوں کا لہو پی کے سیاہ رات چلے
بین کرتی ہوئی ہنستی ہوئی گاتی نکلے
درد کی کاسنی پازیب بجاتی نکلے
پھر نا آسودگی مچلے تو منائے نہ منے
جب کوئی بات بنائے نہ بنے
جب نہ کوئی بات چلے
جس گھڑی ماتمی سنسان سیاہ رات چلے

تم میرے ساتھ رہو
میرے قاتل میرے دلدار میرے پاس رہو

اور پھر ہمیشہ کی طرح تاریخ نے اپنا آپ دہرایا، قائداعظم کی سالگرہ والے دن آسمان ابر آلود تھا، باہر شاید سردی تھی اور ہوا درختوں سے ٹکرا کر عجیب اور وحشت پیدا کر رہی تھی، سالار درانی نے آپریشن تھیٹر کے باہر سرد کوریڈور میں ٹہلتے ہوئے اپنے دل میں یخ بستہ خوف کو اترتا محسوس کیا تھا، اندر پریشے کا آپریشن جاری تھا اور بوجھل فضا گویا کسی حادثے کا پیش خیمہ لئے گم صم محسوس ہوتی تھی، ان کا ہراس میں مبتلا دل برے برے وہم ہی کیوں سمیٹ رہا تھا، ان کے ہونٹ کچھ اور بھی شدت سے دعا میں مشغول ہوئے مگر پریشان ہراساں اور بیکل دماغ بار بار دعا کے الفاظ بھولنے لگے، انہوں نے ایک خوف کے عالم میں منجمد ہوتے ذہن کے ساتھ گلاس وال کی جانب دیکھا، انہیں اندھیرے میں دور تک کچھ نظر نہیں آ سکا، سوائے آرائشی روشنیوں میں شیشے پہ وقفے وقفے سے گرتی بوندوں کے اور پھر دوسرے ہی لمحے بارش بہت زور سے گلاس وال کے شیشے بجانے لگی اور دور کہیں کتے اور بلیاں مل کر روتے چلے گئے، انہوں نے گھبرا کر دعا مانگنا چاہی تو زبان جیسے لفظوں کی ادائیگی سے مکر گئی اور ذہن یکلخت مفلوج ہو گیا، انہوں نے اپنے وجود میں خوف کی سرد لہریں اترتی محسوس کیں وہ اپنی کیفیت اور خوف کو جھٹلانے کی سعی میں ہلکان تھے کہ اسی پل آپریشن روم کا بند دروازہ کھلا اور انہوں نے ڈاکٹر کو باہر آتے دیکھا، انہوں نے محض سا کن لگا ہوں سے ڈاکٹر کے سپاٹ چہرے سے کچھ اخذ کرنے کی کوشش کی تھی۔

''آئی ایم ساری تھی از نو مور۔'' ڈاکٹر ایک نظر ان کے پتھرائے ہوئے چہرے پہ ڈال کر آگے بڑھ گیا، وہ ایک لمحہ کتنی خاموشی سے آ گیا تھا جس کا ہراس انہیں جانے کب سے وحشت زدہ کیے ہوئے تھا، وہ بھربھری مٹی کی مانند بکھرتے چلے گئے اور بے قراری اضطراب اور وحشت کے حصار میں جکڑا طارق شیرازی جورات کے اس پہر نوافل ادا کرتا رہا تھا، سجدے میں گر کر دعا مانگتے جانے کیسے نیند کے غلبے میں آیا تھا یکدم ہڑبڑا کر جاگ اٹھا۔

''پریشے!'' اس کے منہ سے بے ساختہ ایک سسکاری کی صورت یہ نام ٹوٹ کر بکھرا تھا۔

☆☆☆

اے آزادی کی دولہن
تو بہت خوبصورت ہے
لیکن بہت ظالم ہے
تیرے رخساروں کا غمازہ ہمارے بیٹوں کے کفن سے تیار ہوا ہے
تیری مانگ میں ہم نے اپنے خون سے سندور بھرا ہے
تیرے ہونٹوں کی سرخی نے ہمارے لہو سے جلا پائی ہے
اے آزادی کی دولہن تو بہت خوبصورت ہے
لیکن تو نے ہم سے بہت بڑی قیمت لی ہے
اے آزادی کی دولہن! تو بہت خوبصورت ہے
اور تجھے پانے کی چاہ بہت ہے

اور تجھ تک پہنچنے کے لئے ابھی جانے کتنے پل صراط طے کرنے ہیں
اور کتنے کشٹ اٹھانے ہیں
اے آزادی کی دولہن میں نے اپنے پیاروں کا نذرانہ تجھے دیا ہے
تو اسے قبول کر اور اپنا حسین مکھڑا مجھے دکھا
کہ تجھے پانے کی چاہ بہت ہے

رابیل نے اس کی نوٹ بک پہ لکھی یہ نظم پڑھی جو ابھی ادھوری تھی اور جسے لکھتے ہوئے ہی غالباً وہ اٹھ کر کہیں چلا گیا تھا، رابیل کے دل و دماغ میں ایک ہیجان سا برپا ہو گیا، وہ پچھلے دنوں جتنا نارمل نظر آیا تھا اس موضوع کو یکسر فراموش کر دیا تھا اس سے تو اپنے تئیں وہ سمجھ بیٹھی تھی شہریار کا یہ ایک وقتی ابال تھا جو ٹھنڈا پڑ گیا مگر اب یہ......

''کیا کر رہی ہو؟ اس طرح کیوں کھڑی ہو؟'' نوٹ بک اس کے ہاتھ میں تھی اور رنگت میں سرسوں اتر آئی تھی جب شہریار اچانک چلا آیا، اس کی کیفیت کو سمجھا تھا مگر دانستہ انجان بن گیا۔

''یہ......شہری......'' آواز اس کے حلق میں گھٹ گئی، وہ آہستگی سے مسکرا دیا۔

''یہی سچ ہے، میں کسی اور کے سلسلے میں آؤٹ آف کنٹری نہیں تھا، رابیل میں نے خود کو مجاہدین کی جماعت میں شامل کرا لیا ہے، پچھلا پورا مہینہ میری ٹریننگ کا تھا اور میں اس سلسلے میں......'' اس کی فق ہوتی رنگت کو دیکھتے شہریار نے اچانک اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے وہ سوکھے پتوں کی طرح سے کانپ رہی تھی۔

''تمہیں پتہ ہے بیبہ! کشمیری مائیں اپنے بیٹوں کو لمبی زندگی کی نہیں آزادی اور شہادت کی سعادت کی دعا دیتی ہیں، مجھے بھی وہاں کی مائیں بیٹیاں اور بہنیں بلا رہی ہیں کہ میں آؤں اور اس جدوجہد میں شامل ہو جاؤں اس توانائی خون اور وجود کی طاقت کا کوئی تو حق دار ہو، تمہیں نہیں لگتا بیبہ ہم بے مقصد زندگی گزار رہے ہیں؟''

سوال کتنا اہم تھا رابیل نے اس پہ غور نہیں کیا اور ایک وحشت کے حصار میں گھرتے ہوئے اس سے اپنے ہاتھ زور سے چھڑائے اور بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

''رابیل! بیا ڈارلنگ سنو تو۔'' شہریار اس کے پیچھے بھاگا آیا تھا، مگر وہ کان دھرے بغیر دھڑا دھڑا ساری سیڑھیاں پھلانگتی اوپر چلی گئی، ٹیرس پہ روشنیاں گل ہونے کی بنا پر اندھیرا تھا، وہ وہیں رک کر کہر میں لپٹے چاند کو دیکھتی بے آواز رونے لگی۔

''ڈونٹ گیٹ کنفیوزڈ آئی ول بی نیئر سون۔'' وہ لڑکھڑا کے پلٹی شہریار اس کے بالوں پہ چہرا ٹکائے کھڑا تھا، گویا تسلی دے رہا تھا۔

''آپ نے بالا ہی بالا سب کر لیا ماما پاپا کے متعلق سوچا، کیا ہو گا ہم سب کا؟'' اس کے آنسوؤں میں شدت آ گئی۔

''وہی جو میرے ہونے سے پہلے تھا، بیبہ میں تو ابھی ملا ہوں نا، انہیں تب بھی وہ جیتے تھے تم بھی جیتی تھیں مجھے میرے مقصد سے مت بھٹکاؤ جو بہت عظیم ہے، میں نے کہا نا مجھے اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر لینے دو شاید میں رب کی نگاہ میں سرخرو ہو سکوں۔'' رابیل آنسوؤں سے چھلکتی آنکھیں لئے اسے دیکھتی رہی۔

''کہا ناتم سے ملنے آتا رہوں گا، پاپا کو بتلا چکا ہوں کتنی مشکلوں سے قائل کیا ہے یہ رب جانتا ہے قرآن و احادیث کے حوالوں سے صد شکر مان گئے اب تم مانو گی تو ماما سے بات کروں گا، لیکن یہ ایک بات یاد رکھنا اگر تم نے مجھے اجازت نہ دی تو شاید میں تمہارے پاس تو رہ جاؤں مگر میرا دل میرا دماغ میرا سکون میرے ساتھ نہیں ہو گا۔'' وہ چند ثانیوں کو خاموش ہوا، پھر اس کی شا کی نگاہوں کو محسوس کر کے مسکرایا اور اس کے ہاتھ تھام کر ہونٹوں سے چھوئے۔

''ذرا ایک لمحے کو ان بے بس اور مجبور لوگوں کا تصور کرو جو ہمارے اپنے ہیں، ہماری جانب آس امید بھری نگاہیں ٹکائے بیٹھے ہیں، یہ اپنوں کا حق ہوتا ہے ہم پہ زیادہ نہ سہی تھوڑا سہی ہمیں وہ حق ادا تو کرنا چاہیے نا اور پھر یہ ضروری تو نہیں کہ میں یہاں تمہارے پاس رہوں تو موت مجھے چھو نہ سکے، یونو زندگی تو اتنی ہی رہے گی جتنی خدا نے لوح محفوظ پہ درج کر دی، پھر کیا حرج اگر اسے مثبت اور بہتر انداز میں گزارا جائے، خدا نے مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا ہے، کیا تم خدا کے حکم سے انحراف کی جرأت کر سکتی ہو؟''

ایک اور بہت اہم سوال اٹھایا تھا اور رابیل کا دل پگھل کر پانی بن گیا، وہ کچھ کہے بغیر شہریار سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگی تھی، شہریار نے اسے بہت آہستگی نرمی اور محبت کے ساتھ اپنے بازوؤں میں بھر لیا، وہ جان گیا تھا یہ رضامندی کی طرف ایک پہلا قدم ہے، اگر وہ کوشش جاری رکھے گا تو وہ دن بھی دور نہیں جب ماما کے ساتھ اسے بھی پاپا کی طرح سے قائل کر لے گا۔

☆☆☆

جو خواب سجائے آنکھوں نے وہ خواب بکھرنے والے ہیں
ہمیں دل میں بسانا ٹھیک نہیں ہم لوگ اجڑنے والے ہیں
وہ چھوڑ گیا مجھے کانٹوں پر پھولوں کے کھلتے موسم میں
رب خیر کرے لوٹا ہی نہیں اب پتے جھڑنے والے ہیں
وہ جس کو دیکھتے رہنے سے آنکھوں میں ٹھنڈک رہتی تھی
اب دور گیا تو ایسا لگا ہم جیسے پگھلنے والے ہیں
جو خواہش دل میں تھی میرے وہ خواہش آخر روٹھ گئی
تیرے وصل میں جینا تھا ہم کو تیرے ہجر میں مرنے والے ہیں

پریشے نے بالخصوص کہا تھا، طارق شیرازی کو اس کی موت کی اطلاع نہ دی جائے اور سونیا جانتی تھی جب پریشے کا انتقال ہوا طارق شیرازی کو پوسٹنگ اسلام آباد سے لاہور ہو چکی تھی، لیکن سہیلی کی دائمی جدائی کے غم سے نڈھال سونیا اس وقت بھونچکی رہ گئی تھی جب اس نے جنازہ اٹھانے والوں میں طارق شیرازی کو شامل دیکھا تھا، جس کی آنکھوں کا رنگ اس دن لہو کی طرح سے سرخ تھا اور دیکھنے والوں نے دیکھا تھا کہ وہ شاندار اور باوقار نظر آنے والا میجر طارق شیرازی تب خود پہ ضبط کھو گیا تھا، جب پریشے کو لحد میں اتارنے کے بعد قبر پہ مٹی ڈالنے کا مرحلہ آیا تو وہی مضبوط حوصلوں کا مالک طارق شیرازی سسکیاں لیتے ہوئے ایک بھرے مجمع کے سامنے رو پڑا تھا، بے اختیاری کے یہ چند پل بھی بہت طویل اور کٹھن تھے، اس کے بعد اس نے خود کو سنبھال لیا، پھر آس پاس بسنے والے جانتے تھے کہ اس کے بعد طارق شیرازی کو کسی نے کبھی کھل کر مسکراتے نہیں دیکھا

تھا۔

☆☆☆

سالہا سال بیت گئے ہیں، طارق اپنی پوسٹ پہ مزید ترقی اور کامیابیاں حاصل کرتا رہا شہریار کشمیر کے سبزہ زاروں پہ دیگر مجاہدین کے ہمراہ دشمنوں کی صفوں سے محاذ آرا ہے، اس کے وجود میں کوئی پارہ بھرا ہے ان چند سالوں میں اس نے متعدد بار بھارتی فوجیوں کو ناکوں چنے چبوائے ہیں اور خود انہیں بڑے سے بڑے نقصانات سے دو چار کر کے خود چھلاوے کی طرح سے غائب ہو جاتا ہے تو اس کی وجہ اس کا جذبہ ہی نہیں اس کے لئے مانگی گئی دعائیں بھی محفوظ حصار باندھے ہوئے ہیں، اس دوران وہ متعدد بار حویلی کے چکر بھی لگا چکا ہے۔

اور پریشے سے کیے وعدے کے مطابق طارق ماہ نور کو ہر ممکن طریقے سے خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے، ان کے دو بچے ہیں مگر ماہ نور کو قائداعظم کی سالگرہ والے دن وہ اتنا ہی وحشت زدہ محسوس ہوتا ہے جتنا اس سرد سہ پہر کو پہلی مرتبہ نظر آیا تھا، ماہ نور نے اس کی اسٹڈی میں ایک دراز کو ہمیشہ مقفل دیکھا تھا اور جب اس بھید کو پانے کی کوشش کی تو صندلی باکس سے بے کار اشیاء ہاتھ آئیں جن میں صرف ایک چیز ہی کارآمد نظر آئی تھی اور وہ تھے مردانہ سن گلاسز، مگر انہیں محفوظ کرنے کو جس باکس کو استعمال کیا گیا تھا اس کا نقش و نگار دل موہتا تھا، اس نے لاعلمی و بے نیازی سے کاندھے جھٹک کر ہر شے کو پھر سے ویسے ہی رکھ دیا کہ جیسے طارق اس کی سمجھ سے بالاتر تھا ویسے ہی یہ چیزیں بھی۔

سب بھلے اس داستان کو بھول گئے ہوں مگر سونیا اب بھی جب کبھی اسلام آباد جاتی ہے تو وہاں کے بلند و بالا پہاڑوں کے ہر پل اپنی لپیٹ میں لئے رکھنے والی دھند اور اس کے سرسبز راستوں میں اسے آج بھی طارق شیرازی اور پریشے ایک دوسرے کے ہمراہ چلتے ہوئے نظر آتے ہیں، اسلام آباد کی بارشوں کی اک اک بوند اور سرمست ہواؤں میں اسے آج بھی طارق شیرازی اور پریشے کی محبت کی خوشبو رچی بسی محسوس ہوتی ہے اور بلاشبہ یہ سچ ہے کہ ایسا ہے، سونیا اس کی یاد میں آنسو بہاتی ہے تو اس کے لبوں پہ نظم کے الفاظ مچل اٹھتے ہیں۔

لکھ رہی تھی وہ اپنی کرنوں سے شب کے آنچل پہ روشنی سے لفظ
گھور اندھیاروں میں چاندنی سے لفظ
جگنوؤں سے اجالے مانگ کے وہ زندگی کے اندھیرے رستوں میں
آگہی کے شکستہ طاقوں میں
ہر قدم پر دیئے جلاتی رہی
اک نیا راستہ بناتی رہی
گو کہ پیروں میں بیڑیاں بھی تھیں
آرزو کا بدن دریدہ تھا
پھر بھی ہمت چٹان تھی اس کی
اور سچائی شان تھی اس کی
اک نئی صبح کی سفیر تھی وہ

اک جواں عزم کی اسیر تھی وہ
لوگ کہتے ہیں مرنے والے لوگ
پھر کبھی لوٹ کر نہیں آتے
جانے کیوں مجھ کو ایسا لگتا ہے
جیسے دنیا سے وہ گئی ہی نہیں
ہر دمکتی کرن میں زندہ ہے
روشنی کے بدن میں زندہ ہے
حق کی ہر انجمن میں زندہ ہے
وہ تو ہر اک ذہن میں زندہ ہے

اور سونیا کے دل کی آواز غلط نہیں ہے، سالہا سال گزر جانے کے باوجود بھی قبرستان کا چوکیدار ہر جمعہ کی صبح ایک خوبرو اور سوئڈ بوئڈ شخص کو وہاں آتے اور گھنٹوں وہاں خاموش سر جھکائے بیٹھے دیکھتا ہے، تو قبر کے سرہانے نصب سفید ماربل کی لوح میں درج ان اشعار کو نئے سرے سے پڑھنے لگتا ہے، جس کا مفہوم اس کا نیم خواندہ دماغ سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔

یہاں پر وہ لڑکی سو رہی ہے
کہ جس کی آنکھوں نے نیند سے خواب مول لے کر
وصال کی عمر رتجگوں میں گزار دی ہے
عجیب تھا انتظار اس کا
کہ جس نے بس اک دریچہ نیم باز کے سکھ پر
روح کا ہر سکھ رہن رکھوا دیا تھا
لیکن وہ ایک تارہ
کہ جس کی کرنوں کے مان پر
چاند سے حریفانہ کشمکش تھی
جب اس کے ماتھے پہ کھلنے والا ہوا
تو اس پل
سپیدہ سحر نمودار ہو چکا تھا
فراق کا لمحہ آ چکا تھا

وہ لڑکھڑاتے قدموں سے واپس لوٹتا ہے تو ایک بار پھر وہاں آنے کی خواہش کے ساتھ کہ وہ جس ساحرہ کے سحر میں گرفتار ہوا اس سے یہ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا، مجھے آزاد کر یہی اسیری اس کی زیست کا انمول خزانہ ہے اور خزانے کو احمق ہی کھونا پسند کرتے ہیں۔

(ختم شدہ)

☆☆☆

مجھے کچھ کہنا ہے

ڈیئر قارئین:۔ ''میرے ساحر سے کہو'' کے ذریعے میرا آپ کا 31 مہینوں کا بہت خوبصورت ساتھ رہ چکا ہے جس کو میں سوچوں تو ایک خوشگوار احساس دامن گیر ہوتا ہے آپ کی آرا آپ کی پسندیدگی اور محبت خطوط کے ذریعے مجھ تک پہنچتی رہی اور میں حیران ہوا کرتی تھی کہ یہ ناول تو میری پہلی کاوش تھا جس کے لئے قلم اٹھانے سے قبل میں کتنا ہچکچائی تھی، اللہ جانے اتنی طویل تحریر کے ساتھ انصاف کر بھی پاؤں گی کہ نہیں ابھی بھی میں کچھ نہیں کہہ سکتی کہ آپ میری سوچ اور فیصلے (اس ناول کے کرداروں کے انجام) سے متفق اور مطمئن ہیں یا نہیں اس ناول کو میں نے تین مرتبہ لکھا پہلے تب جب اپنے دل کی خواہش پہ لکھا یہ پانچ چھ سال قبل کی بات ہے ناپختہ ذہن منتشر سوچ اور قلم پہ کمزور گرفت کے ساتھ، دوسری مرتبہ تب جب اسے شائع ہونے کو ادارہ حنا کو بھیجا اور تیسری مرتبہ اس کی اشاعت کے دوران، تینوں مرتبہ اس کو تحریر کرتے ہوئے میں نے اس کے مکالمہ نگاری چھوٹے منظر نگاری کو بار بار بدلا اگر نہیں کچھ چینج کیا تو وہ اس کا اختتام تھا، پتہ نہیں کیوں جو اس کا اختتام میں نے چھ سال قبل ناپختہ ذہن اور سوچ کے ساتھ تجویز کیا تھا اس کو آج چھ سال بعد بھی کیوں قائم رکھا تو اس کی وجہ شاید یہی رہی ہو کہ اس اختتام کی وجہ سے ہی میں نے اس طویل تحریر کو لکھا تھا، اس کا ہر کردار چاہے وہ جتنا بھی خاص رہا ہو یا جتنا بھی معمولی، میں نے اس کے ساتھ انصاف کرنے کی کوشش کی ہے، (یہ میرا ذاتی خیال ہے آپ متفق ہوں ضروری نہیں) مجھے اس کے ہر کردار سے انس تھا محبت تھی جبھی ان کے احساسات وجذبات کو میں نے دل سے محسوس کیا ان کی خوشی نے مجھے خوش کیا تو ان کے غم پہ میں نے بھی آنسو بہائے ہیں، یہی وجہ تھی کہ شہریار کے کردار میں آپ کی چڑ نا پسندیدگی اور نفرت کو میرے دل نے طول ہو کر محسوس کیا اور اختتام پہ اس کے کردار سے بھی آپ کو محبت پہ مجبور کر دیا، پھر شروع میں فوزیہ بی (خوشبو یہ غزل) سے لاشعوری طور پر ایک وعدہ کر چکی تھی اپنی تحریر میں اصلاح کا بیڑا اٹھانے کا مگر مجھے گمان تک نہ تھا طارق شیرازی کے حوالے سے سوچی بات کو میں شہریار کے کردار سے منسوب کر دوں گی اور ایسا مجھے اس لئے کرنا پڑا کہ طارق کے کردار میں کوئی جھول کوئی خامی نہیں تھی جہاں خامی تھی میں نے اسے دور کرنے کی سعی کی اور مجھے امید ہے کہ آپ کو یہ تبدیلی اچھی لگے گی۔

اس ناول کی اشاعت کے دوران مجھے جہاں تعریف موصول ہوئی وہاں بہت دل برداشتہ کر دینے والی تنقید کا بھی سامنا کرنا پڑا لوگوں نے پر پیشے کے کردار کو قبول نہیں کیا اور احتجاجاً ناول کو پڑھنا چھوڑ دیا ایسے لوگوں سے مجھے صرف ایک سوال کرنا ہے کیوں ہم اتنے خود پسند اور تنگ سوچ رکھتے ہیں کہ عظیم لوگوں کی عظمت کو تسلیم کرنا سراہنا تو دور کی بات انہیں گوارا کرتے بھی ہمارا ظرف تنگ پڑ جاتا ہے، اس طرح کے لوگوں کا وجود دنیا میں موجود ہے تو دنیا کی خوبصورتی قائم دائم ہے، میں اس تنقید کو لے کر جب بہت اپ سیٹ ہو جاتی تو فوزیہ آپی (مدیرہ حنا) سے بات کیا کرتی تھی میں شکر گزار ہوں ان کی کہ انہوں نے ہمیشہ مجھے فری ہینڈ دیا، یہ کہہ کر کہ آپ صرف وہ لکھو جو آپ لکھنے کی خواہش مند ہو اور اللہ کا شکر ہے میں نے لوگوں کی آرا کے مطابق اپنی تحریر کو نہیں چلایا بلکہ صرف وہ لکھا جسے لکھنے کی خواہش میرے اندر تھی یا جسے لکھنے کی صلاحیت اور قوت میرے رب نے مجھے بخشی تھی۔

آج یہ خواہش اپنے تکمیل کو پہنچی ہے تو آپ کے معیار پہ کس حد تک پوری اتری ہے آپ کے ذوق اور سوچ پہ ڈپینڈ کرتا ہے بہر حال میں اپنے ان بے حد پرخلوص قارئین کی بے حد شکر گزار ہوں جنہوں نے اس دوران اسے سراہا اور پسند کیا ان کے لئے بھی نیک تمنائیں کہ جنہوں نے صرف اسے برداشت کیا اور جن کے معیار پہ یہ پورا نہیں اتر سکا، ان سے معذرت بھی کہ چلیں اس تحریر کی کجی کو معاف کر دیں، ہو سکتا ہے میری کسی اور تحریر میں آپ کو وہ ہی پڑھنے کو مل جائے جس کی آپ کو خواہش تھی، اب اجازت۔

ام مریم